لولاک لما خلقت الافلاک

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

واخفض جناحک للمؤمنین

سیرت سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم

ابو البقا قدر آفاقی عفی عنہ

Marfat.com

لولاک لما خلقت الافلاک

وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین

واخفض جناحک للمؤمنین

سیرت سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم

ابوالبقا قدر آفاقی عفی عنہ

اردو پنجابی علمی مرکز موڑ سمن آباد ملتان روڈ لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

86846

نام کتاب	———	سیرت سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم
مؤلف	———	قدر آفاقی
کمپوزنگ	———	ذات کمپوزنگ سنٹر، (042) 6859106
اشاعت	———	اوّل مئی 1996ء [illegible]
طابع	———	
ناشر	———	محمد ساجد
مہتمم	———	اردو پنجابی علمی مرکز، لاہور
ہدیہ	———	-/300 روپے صرف

ملنے کا پتہ:

1- شیخ محمد بشیر اینڈ سنز جلال دین ہسپتال بلڈنگ چوک اردو بازار، لاہور

2- مدینہ کراکری مارٹ موڑ سمن آباد ملتان روڈ، لاہور

3- ڈھاکہ کراکری ہاؤس ستیانہ روڈ، فیصل آباد

4- نذیر سنز پبلشرز ۴۰-اے اردو بازار لاہور

5- مکتبہ عالیہ اردو بازار، لاہور

6- کتب خانہ شانِ اسلام راحت مارکیٹ اردو بازار، لاہور

یا ہم سے براہ راست طلب فرمائیں۔

اردو پنجابی علمی مرکز - ۳۰۶ - ۲ - ڈی - ون --- ٹاؤن شپ، لاہور

Marfat.com

میاں جمیل احمد

اِنتساب

بصد عجز و نیاز و احترام و محبت

بہ بارگاہ والا جاہ

ابو المؤید رضی الدین حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب

اویسی نقشبندی کابلی ثم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء)

اور

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

شیخ احمد سرہندی فاروقی نقشبندی

قدس سرہ العزیز (م۔ ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء)

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

(اقبال)

ابو البقاء ـــ قدر آفاقی عفی عنہ

چوہدری بشیر احمد قدر آفاقی ایم۔اے
صدر جامع مسجد اسلامیہ (رجسٹرڈ)
بلاک 2 سیکٹر ڈی۔ون ٹاؤن شپ لاہور

Marfat.com

حمد باری تعالیٰ

خالق و مالک وہ مَن موہن مرا
پالنے والا وہ کائنات کا
زندہ تر ایسا کہ حی ولا یموت
بے نشاں ایسا کہ کھوجی کھو گیا
ارحم و اکرم عظیم و مہرباں
عالی و والی حمید و دِلربا
خود بخود سیراب اُس کی ہر صفت
قادر و مصروف اُس کی ہر ادا
ذات میں یکتا صفت میں بے مثال
کون کا مالک، مکاں کا آسرا
ظاہر و باطن، ودُود و مستعان
شافی و بارک عزیز و ذوالعطا
زندگی اُس کے اِرادے سے گلاب
یا اُسی کی چاہ کا جگتا دِیا
فضل کر یا رب ہے تو ہی مقتدر
ہے قدر کو بھی ترا ہی آسرا

قدر آفاقی

Marfat.com

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سند جس کو ملی تجھ سے وہی مقبول حق ٹھہرا
چلا جو خود بخود باتیں بناتا راہ سے بھٹکا

تری ﷺ رحمت کی بدلی جس پہ اُٹھ برسی گھڑی بھر کو
وہ کھیتی بن گئی ارض و فلک کی آنکھ کا تارا

ملیں شمس و قمر اور کہکشاں کی رفعتیں اُس کو
ترے ﷺ ہی فیض سے تیرا اُجالا جس نے پھیلایا

ترے در پر کھڑا ہوں اپنی ہی جھولی کو پھیلائے
کرم گستر عطاؤں سے اِسے بھر دو مرے آقا ﷺ

نہیں مخلص ترے اِسلام سے اِسلام کی داعی
شکارِ مصلحت ہیں واعظان کم نظر مولا!

نفاذ اِسلام کا ہو کس طرح دُنیائے ہستی میں
کہ رہبر روحِ قرآں کے مخالف ہیں معاذ اللہ

شکم پر ٹوٹتی ہے تان میرے چارہ سازوں کی
دلوں کی بستیاں ویران ہیں بے نخل ہیں صحرا

وہ بہر جاہ و حشمت بیچ دیتے ہیں دل و ایماں
"ابوذرؓ" کی بجائے اب "ابوزر" ہو گئے [illegible]

کھلونا مل گیا "جمہوریت" کا روتے مسلم کو
ہے اس میں نوحؑ کی دعوت نہ ابراہیمؑ کا [illegible]

بجاتے پھر رہے ہیں اپنی اپنی ڈفلیاں مومن
کہ ہنگامۂ ذِلت ہے بڑے زوروں پہ اب شاہا!

مدلل اور مرصع ہیں بظاہر اِن کی تقریریں
مگر بے مغز و بے مقصد ہے "غمزاروں" کا واویلا

بنی ہیں طرفہ شوہر دُلہنیں مسلم ممالک میں
ہے باقی مرد میداں کوئی مسٹر اور [illegible]

کہیں فرعون کوئی سامری، قارون ہے کوئی
عصائے موسوی کا دور نافذ ہو شہ بطحا

جہاں میں لشکر طاغوت کی لٹیا ڈبونے کو
کبھی پھر ما رمیت اذ رمیت [illegible]

ابوبکرؓ و عمرؓ کے دور کی حسرت تو ہے دل میں
مگر ہم سود خوروں سے چھڑا پائے نہیں پیچھا

ہے پھر تیرے درِ اقدس کی خواہش اہل ایماں میں
بڑی مشکل میں ہے امت کا بیڑہ آقا [illegible]

جہاں میں اِتحاد ملت بیضا کا فقداں ہے
یہ بحراں منتظر ہے آپ ﷺ کی چشم عنایت کا

تری ﷺ نظر کرم کا آج بھی عالم میں چرچا ہے
کرم ہو ہم پہ اک نظر کرم ہو یا رسول اللہ ﷺ

ملتمس ابوالبقا ---- قدر آفاقی [illegible]

Marfat.com

ایں سعادت بزور بازو نیست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سیرت سید لولاک ﷺ" تین حصوں پر مشتمل ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ وہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس کتاب کو جہاں سے بھی پڑھنا شروع کر دیں۔ "کرشمہ دامن دل کو کھینچ کر "جا ایں جا است" کی نشاندہی کرنے لگتا ہے۔ پھر انداز ایسا دلنشیں اور استناد اتنا بھرپور کہ ہر ہر گام پر قاری کھب کر رہ جاتا ہے۔ بہر حال اِس کے پہلے حصے میں تخلیق کائنات کے نقطۂ اوّل یعنی نُور محمدی ﷺ اور حدیث لولاک کا ذکر ہے۔ اور قرآن و حدیث اور تفاسیر کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ پھر جنات اور آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے اور بعض اُولوالعزم انبیاءؑ کے مستند حالات بڑی جامعیت سے بیان کیے گئے ہیں۔ "سابقہ آسمانی کتابیں" کے عنوان سے نہایت بھرپور مقالہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کے آخر میں انجیل برناباس میں مندرج حضور علیہ السلام کے بارے میں جملہ بشارات سے متعلقہ اقتباسات کا اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔

حصہ دوم میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حسب نسب، عرب کی مختصر تاریخ اور آپ ﷺ کے آباؤ اجداد کے ذکر کے بعد ولادت شریف سے لے کر وفات شریف تک کے حالات شرح و بسط سے، مستند انداز میں بیان کیے گئے ہیں اور جگہ جگہ حضور ﷺ کی عظمت اور شان بلند کے جلوے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔

در دل مسلم مقامِ مصطفےٰ است
آبروئے ما زنامِ مصطفےٰ است

Marfat.com

تیسرے حصے میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا اور آل پاک علیہم السلام کا ذکر ہے پھر شمائل و اخلاق اور اسوہ حسنہ وغیرہ موضوعات کا حق نبھایا ہے۔ قرآن حکیم اور حدیث شریف کے بارے میں معلومات افزا مقالات بھی ہیں۔ "اسلام میں سیاست"، اسلامی معیشت اور ختم نبوت" جیسے اہم موضوعات پر بھی مدلل اور مستند ترین حوالوں سے بات کی گئی ہے۔ اور بعض اہم باتیں جو ہم نے محض سن سنا رکھی ہیں وہ یہاں آپ کو باحوالہ مل جائیں گی۔

حق یہ ہے کہ سیرت سید لولاک ﷺ میں تقریباً تمام مستند منابع سے استفادہ کیا گیا ہے اور بڑی دردمندی سے امت مسلمہ کو یکجہتی کی راہیں اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے اور بین الاقوامی طور پر خلافت اسلامیہ کے قیام پر زور دیا گیا ہے۔ راقم کے خیال میں سیرت سید لولاک ﷺ سیرت نبوی کے چودہ سو سالہ لٹریچر کا خلاصہ نیز اسوہ حسنہ اور عظمت مصطفیٰ کا حسین مرقع ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قدر صاحب کی اس سعی کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرمائے اور قبولیت عامہ سے بھی نوازے۔ آمین ثم آمین۔

مورخہ ۱۲۔ مئی ۱۹۹۶ء

غلام قادر

۲۱۔ سی محمد دین روڈ اوکاڑہ

Marfat.com

فہرست

افتتاحیہ	۱ تا ۳۲
حمد	۴
نعت	۵
ایں سعادت بزور بازو نیست (پیش لفظ)	۶
فہرست	۸
سبب تالیف اور عرض مؤلف	۲۴
یااللہ (مؤلف بارگاہ رب العزت میں)	۲۸
یارسول اللہ (مؤلف بارگاہ سید لولاک ﷺ میں)	۲۹
حصہ اول	
سید لولاک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۲
حقیقت محمدی اور شانِ لولاک	۶-۷
نور اولین	۱۰
اول ما خلق اللہ قبل الاشیاء	۱۵
وہی اول وہی آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن	۲۴
علمی نکتہ (حلف وفاداری کی اصل)	۲۷
سراج منیر اور نور مجسم	۳۲
جبرائیل کی عمر	۳۶
کائنات کی عمر	۳۸
جنات کی پیدائش	۴۲
جنات کا مورث اعلیٰ	۴۲
عزازیل---- (ابلیس) کا اعزاز	۴۳
غرور کی سزاء	۴۴
جنات اور مختلف نظریات	۴۵
عوام اور جنات	۴۷
رسول مکرم ﷺ اور جنات- شیاطین اور جادو	۴۹
بعض انبیاء کے حالات- حضرت آدم علیہ السلام	۵۱
تخلیق خمیر نور محمد ﷺ	۵۳
حدیث اور پیدائش آدم	۵۴
قرآن اور بائبل میں ذکر آدم	۵۵
آدم اور ابلیس	۵۷
آدم کو سجدہ کرانے کی وجہ ذریت ابلیس	۵۸

Marfat.com

ابلیس اور شیطان، کلمات توبہ اور آدمؑ ۵۹
آدمؑ کا سفر کعبہ ۶۱
میثاق الست ۶۱
افزائش نسل انسانی و قصہ ہابیل و قابیل ۶۲
نبوت آدم اور وفات ۶۳
بت پرستی کی ابتداء ۶۴
حضرت شیث علیہ السلام اور ادریس علیہ ۶۴
السلام ۶۵
حضرت نوحؑ (نور نبوت اور حکم ربانی) ۶۸-۶۷
سفینہ نوح ۶۸
پسر نوح، طوفان کی وسعت ۶۹
آل نوح علیہ السلام ۷۱
حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ نمرود کا خواب ۷۲
آزر اور تارخ ۷۳
ستارے اور ابراہیم۔ زمین و آسمان کی ۷۵
بادشاہی کا مشاہدہ
بت شکنی، نمرود سے مناظرہ ۷۶-۷۷
گلزارِ ابراہیمؑ، شام کی طرف ہجرت ۷۷
حضرت ہاجرہ سے نکاح اور اسماعیلؑ کی ۷۸
پیدائش
مکہ معظمہ کی طرف ہجرت ۷۹
اسماعیل ذبیح اللہ ۸۰
تعمیر کعبہ
حضرت اسماعیل علیہ السلام ۸۱
قرآن اور اسماعیل علیہ السلام ۸۲
۸۳
حضرت اسحاق علیہ السلام ۸۴
حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام ۸۴
قارون اور سامری ۸۷
گائے کا واقعہ، موسیٰ اور خضر
ہامان، حضرت شمویل علیہ السلام، طالوت ۸۸
تابوت سکینہ، جالوت بادشاہ ۸۹،۹۰
حضرت داؤد علیہ السلام ۹۱
حضرت سلیمان علیہ السلام قصہ بلقیس ۹۳
واقعہ نمل ۹۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم ۹۶
نزول مسیح اور معجزات عیسیٰ علیہ ۹۹
السلام
بنی اسرائیل کے نبیؑ ۱۰۰
سابقہ آسمانی کتابیں اور قرآن حکیم ۱۰۱
تورات، صحائف انبیاء، صحائف مقدسہ ۱۰۱
قرآن اور تورات ([illegible]) ۱۰۲
بنی اسرائیل پر مصیبت ۱۰۵
انجیل، نام اور وجہ تسمیہ ۱۰۷
بنیادی اناجیل، متروک اناجیل ۱۰۸
متروک اناجیل کی فہرست، اصل بائبل ۱۰۹
عہد نامہ جدید کے اجزاء، انجیل میں ۱۱۰
تحریف
تحریف کی وجوہات ۱۱۰
انگریزی ترجمہ، مجلس نیقیہ ۱۱۱
کرچین اور معافی نامے ۱۱۲

Marfat.com

اسلام اور انجیل ۔ خال خال ۱۱۴
دور حاضر کی عظیم دریافت، انجیل ۱۱۶
برناباس
انجیل برناباس کے بارے میں مولانا
مودودی کی رائے ۔ وغیرہ ۔ بہت بڑا جھوٹ ۱۱۹
انجیل برناباس اور پیر محمد کرم شاہ کی ۱۲۳
رائے
اس انجیل کے بعض اقتباسات مع
انگریزی متن ۱۲۷
انجیل برناباس میں محمد مصطفیٰ سے متعلقہ ۱۳۰
پیشن گوئیاں
سرور انبیاء وہی اول وہی آخر وہ ۱۳۱
صاحب لولاک ہے ۱۳۱
آدم و حوا کا حضور ﷺ کے وسیلہ ۱۳۲
سے بخشش مانگنا
حضور ﷺ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ۱۳۲
سے
ہر شے کا آقا احمد ﷺ ہے ۱۳۴
بخشش کا وسیلہ پاک نبی ﷺ محمد شافع ۱۳۵ ۱۳۴
محشر
بادل آں ﷺ کو چھاؤں کرے گا لوری ۱۳۷
چاند سنائے گا
تحویل کعبہ کی خبر، اور ساری دھرتی مسجد ۱۳۷
لیلۃ القدر، ایمان کیسے ملتا ہے ۱۳۷ - ۱۳۸
رسول رحمت و خاتم الانبیاء ﷺ ۱۳۸
محمد ﷺ قابل تعریف ہے روز ۱۳۹
ازل سے ہی
اسماعیل ذبیح، عیسیٰؑ کا آسمانوں میں جانا ۱۳۹
دعائے عیسیٰؑ دین حق میں تبدیلی کا نتیجہ ۱۳۹-۱۴۰
رسول اللہ کا معائنہ کرنا دوزخ کو ۱۴۰
بد عمل اہل ایمان کا دوزخ میں رہنے کے ۱۴۰
بعد جنت میں جانا لبوسیلہ محمدؐ
تقدیر کا راز محمد ﷺ رحمت عالم ہی ۱۴۱
جانتے ہیں
بہشت میں روح اور بدن دونوں جائیں ۱۴۱
گے
بہشت کا سورج اور چاند، اور اس کی ۱۴۲
وسعت ۱۴۳
حضور اسماعیل کی اولاد سے ۱۴۳
دعائے عیسیٰ، ترفع و واپسی اور دوبارہ ۱۴۴
ترفع
حضرت عیسیٰ کی اپنے شاگرد برناباس کو ۱۴۵
آخری نصیحت
حصہ دوم
حضرت محمد مصطفی ﷺ کا حسب و ۱۴۷
نسب
محمد رسول اللہ ﷺ کا شجرہ نسب ۱۴۷
شجرہ نسب ۱۴۸
جزیرہ نمائے عرب ۱۵۱
سیاسی تقسیم، تہامہ، حجاز ۱۵۲

Marfat.com

نجد، یمن اور عروض ۱۵۲
عرب قبائل، بنو قحطان اور عدنانی قبائل ۱۵۳
بنو قیس، بت پرستی اور مشہور بت ۱۵۴
ود، سواع ۱۵۴
یغوث، یعوق نسر، فلس، منات، لات، ۱۵۵
عزیٰ ۱۵۵
ذوالخلصہ، ذوالکفین وغیرہ ۱۵۷-۱۵۶
ہبل، اساف ونائلہ وغیرہ، عرب میں مذاہب ۱۵۸
دین ابراہیم کے بعض متلاشیان ۱۵۹
حضور ﷺ کے آباؤ اجداد کے مختصر حالات حضرت عدنان وغیرہ ۱۶۳
نزار، مضر ۱۶۴
حدی خوانی کی ابتداء ۱۶۶
الیاس، مدرکہ اور خزیمہ ۱۶۷-۱۶۶
کنانہ بن خزیمہ ۱۶۸
نضر بن کنانہ، مالک، فہر اور غالب ۱۶۹-۱۶۸
لوئی، کعب، مرہ، کلاب ۱۷۰
قصی، قصی کا مطلب ۱۷۱
کعبہ کی تولیت تعمیر کعبہ ۱۷۱
عبد مناف بن قصی ۱۷۳
ہاشم بن عبد مناف اور ہاشم کی وجہ تسمیہ ۱۷۴،۱۷۳
عبدالمطلب بن ہاشم ۱۷۶
چاہ زمزم کی دریافت ۱۷۷
چاہ زمزم کے علاوہ کنوئیں ۱۷۸
عبداللہ بن عبدالمطلب، ذبیح، جمال حسین ۱۷۹
حضرت عبداللہ کی شادی ۱۸۰
حضرت عبداللہ کی وفات ۱۸۱
پاکیزہ کردار حضرت عبداللہ کا تازہ واقعہ ۱۸۱
تین صحابہ کرامؓ کے مزارات کھونا اور دوبارہ تدفین ۱۸۲
اصحاب فیل کا واقعہ ۱۸۳
سن فیل، بعثت نبوی سے پہلے بعض لوگوں کے خواب ۱۸۷
میلاد النبی ﷺ، صبح ظہور نور حق ۱۹۰
ظہور قدسی اور شبلیؒ نعمانی ۱۹۱
صبح بہار ﷺ اور غلام احمد پرویز کا زمزمہ ۱۹۳
رسول رحمت ﷺ اور ابوالکلام آزاد کا نذرانہ عقیدت ۱۹۴
حقیقت محمدیہ، اسوۂ رسول، عبودیت کبریٰ ۱۹۵
ولادت باسعادت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۹۷
سبب تالیف قصیدہ بردہ شریف اور بعض نعتیہ اشعار ۲۰۲
میلاد ﷺ کی خوشی اور ابولہب ۲۰۴
آپ ﷺ مختون و ناف بریدہ پیدا ہوئے ۲۰۵
گہوارے میں حضور کا کھلونا، چاند ۲۰۷
حضور کا اولین کلام یا تاریخ ولادت

Marfat.com

پیدائش ۲۰۷
تاریخ پیدائش کے بارے میں تحقیق ۲۱۰
جشن میلاد النبی ۲۱۲
ایام اللہ ۲۱۳
رحمتہ للعالمین، سچا واقعہ، سنت انبیاء
سنت صحابہؓ ۲۱۵
محافل میلاد و سیرت کا انعقاد اور بدعت ۲۱۶
شہد سے میٹھا محمد ﷺ نام ۲۲۱
حضور ﷺ کے اسماء زمینوں اور آسمانوں میں ۲۲۲
بعض مخلوقات کے نزدیک حضور کے اسماء گرامی ۲۲۳
حضور کے نام نامی کی برکات ۲۲۳
یہود و نصاریٰ کا حضور کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچاننا ۲۲۵
حضور ﷺ کی رضاعت اور بچپن ۲۳۰
حلیمہ سعدیہؓ ۲۳۱
حضور اقدس اور سابقین انبیاء، شق صدر ۲۳۴
شق صدر کی تعداد، حلیمہؓ کے پاس رہنے کی مدت ۲۳۵
ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، ننھے محمد ﷺ کھو گئے ۲۳۶
حضور ﷺ والدہ ماجدہ کے ساتھ
ام ایمنؓ ۲۳۷
والدہ ماجدہ کی وفات، مدینہ منورہ کی یادیں ۲۳۸
دادا جان کی کفالت، مبارک قدم ۲۳۸-۲۳۹
سیف بن ذی یزن اور عبدالمطلب ۲۳۹
آشوبِ چشم اور عبدالمطلب کی وفات ۲۴۱
حضرت ابوطالب کی کفالت ۲۴۲
نوشیرواں عادل اور حاتم طائی کی وفات ۲۴۲
گلہ بانی ۲۴۲
بتوں سے اجتناب ۲۴۳
آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعائے بارش ۲۴۴
یہودی فرار ہو گئے، آپ ﷺ سے ابولہب کی دشمنی کی ابتداء ۲۴۵
شام کا پہلا سفر ۲۴۵
حروب الفجار، پہلی، دوسری تیسری اور چوتھی جنگ ۲۴۹
حضور ﷺ کا سفر یمن ۲۵۰
ولادت کے بیسویں سال، حلف الفضول ۲۵۱
احابیش اور خلف الفضول کا خاتمہ ۲۵۳
شام کا دوسرا سفر، خدیجہ الکبریٰ، نسطورا راہب ۲۵۴
ابوجہل کی دشمنی کا آغاز ۲۵۵
شانِ محمد ﷺ کی گواہی ۲۵۶
حضرت خدیجہ سے حضور ﷺ کی شادی، تعمیر کعبہ ۲۵۷-۲۶۰

Marfat.com

کعبہ کی مسماری	۲۵۸
ایک کتاب، تحریر، کتبہ اور نقشین پتھر	۲۵۹
حجر اسود کی تنصیب، دانش مندی	۲۶۰
تعمیر کعبہ کی تکمیل	۲۶۱
وحی کا نزول اور تبلیغ اسلام (بعثت نبوی)	۲۶۲
وحی کی ابتداء	۲۶۳
شق صدر	۲۶۶
نزول وحی کی تاریخ اور وحی کی قسمیں	۶۸-۲۶۷
نزول وحی کے چھیالیس طریقے	۲۷۰
اُم نبی ﷺ	۲۷۰
اُم القریٰ سے نسبت	۲۷۲
نماز کی ابتداء، پتھروں اور درختوں کا سلام کہنا	۲۷۳
پہلا مسلمان، (خدیجہ الکبریٰؓ)، صدیق اکبرؓ	۲۷۴
خفیہ دعوت	۲۷۴
کتنی نمازیں فرض ہوئیں، فاتحہ الکتاب کا نزول	۲۷۵
فترت وحی، دوبارہ وحی کا نزول	۲۷۶
رشتہ داروں کو تبلیغ	۲۷۷
اہل مکہ کو علانیہ تبلیغ	۲۷۷
حضرت ابوطالب پر دباؤ، جہالت بھرا منصوبہ موسم حج	۲۷۸، ۲۷۹
ایذا رسانی	۳۸۰
دو برے پڑوسی، جلالِ رسول ﷺ	۲۸۱
گھٹیا حرکتیں	۲۸۱
صدیق اکبرؓ کی جان نثاری، ستم پر ستم	۲۸۲-۲۸۱
کفائت ربانی، قتل کے مشورے	۲۸۳-۲۸۲
ایک امتحان، اہل اسلام کو ایذا رسانی	۲۸۴، ۲۸۳
اسلام کا پہلا شہید، اور شہید	۲۸۵، ۲۸۴
اسلام کے سچے قدر دان، شرفاء سے سلوک	۲۸۶
عتبہ بن ربیعہ کی حضور ﷺ سے بات چیت	۲۸۷
ہجرت حبشہ، پہلی اور دوسری	۲۸۸
قریش نجاشی کے دربار میں	۲۸۸
نجاشی کون تھا	۲۸۹
مہاجرین حبشہ کے نام (اسمائے گرامی)	۲۹۰
صدیوں بعد پہلا مہاجر جوڑا	۲۹۱
بعض صحابہؓ کے ایمان لانے کا ذکر	۲۹۲
خدیجہ الکبریٰؓ، صدیق اکبرؓ	۲۹۳-۲۹۲
عثمانؓ بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف اور حمزہؓ	۲۹۴، ۲۹۵
(ایمان عمر کے بعد) علانیہ عبادت	۲۹۸، ۲۹۶
بعثت حضور ﷺ کی غیبی شہادتیں	۲۹۸
۸ نبوی تا ۱۰ نبوی متفرق واقعات	۲۹۹
حضور شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کے ساتھ	۳۰۰
طفیل بن عمرو دوسی کا قبول اسلام	۳۰۲
۱۰ نبوی، عام الحزن	۳۰۳

Marfat.com

حضرت ابو طالب کی وفات ۳۰۳
حضرت خدیجہؓ کی وفات ۳۰۵
بنو ہاشم کی سیادت ۳۰۶
جن کے رتبے ہیں سوا---- ۳۰۷
نکتے کی بات، ہمہ پہلو ابتلا ۳۰۸
طائف کا سفر ۳۰۹
دعائے طائف، ستم کی انتہاء، جنات کو ۳۱۰
تبلیغ ۳۱۱
رسول ثقلین ﷺ ۳۱۱
جنات سے محفوظ رہنے کا عمل ۳۱۴
ابلیس کا پڑپوتا، بارگاہ رسول ﷺ میں ۳۱۶
حضور ﷺ کا صحابیؓ سانپ کی شکل میں ۳۱۷
ہادی جن، جنات کے منکرین ۳۱۸
مجدد الف ثانیؒ اور جنات ۳۱۹
طائف سے مکہ کو واپسی، پناہ طلبی ۳۱۹
قبائل کا دورہ ۳۲۰
اسریٰ و معراج کا بیان ۳۲۱
لفظی تشریح، توقیت اسریٰ ۳۲۱
جسمانی یا روحانی معراج ۳۲۲
معراج بیداری میں بدن کے ساتھ ہوئی ۳۲۴

بلغ العلی بکمالہ ۳۲۷

روایات معراج، اسریٰ کا سفر ۳۲۸
براق پر سواری ۳۳۰
انبیاء کی امامت، اسریٰ و معراج، راستہ کے حالات ۳۳۱
آسمانوں کی طرف عروج ۳۳۲
سدرۃ المنتہیٰ، جنت کا مشاہدہ، مزید عروج ۳۳۳
قرآن اور معراج کا واقعہ ۳۳۵
رضائے محمد ﷺ رضائے خدا ہے ۳۳۹
انبیاء اور سیر ملکوت، معراج میں کیا کیا دیکھا ۳۴۰
گفتگو کی حقیقت، عافیت پسندی، مدینہ منورہ نماز ۳۴۰
حریص دنیا، ناموس کا انجام، مسجد اقصیٰ میں ورود ۳۴۰
بیت المقدس تا سدرۃ المنتہیٰ ۳۴۱
پہلے آسمان کے عجائبات، قیام ملائک ۳۴۲
ملاقات آدم ۳۴۴
ابرار و محسنین، نماز میں سستی کے مرتکبین ۳۴۴
زکوٰۃ سے گریزاں، زانی، اہل تمسخر کا حال ۳۴۴
اہل خیانات، اہل خوشامد، چغل خور، شرابی وغیرہ کا احوال ۳۴۵
قاتلوں، نافرمان عورتوں، منافقین وغیرہ کا حال ۳۴۶
رعد کا اصل روپ، گانے بجانے والے لوگ ۳۴۶
بحرالحیوان، دوسرا آسمان ۳۴۶

Marfat.com

رزق کی کشادگی کے لئے وظیفہ ۳۴۷
تیسرا آسمان ۳۴۸
سربسجود فرشتے، چوتھا آسمان ۳۴۸-۳۴۹
عزرائیل سے ملاقات ۳۵۰
پانچواں آسمان، مشرکین کو عذاب، آگ کا دریا ۳۵۰ ۳۵۱
چھٹا آسمان، باب الدمان، میکائل سے ملاقات ۳۵۱ ۳۵۲
ساتواں آسمان، بحر احضر، بیت المعمور ۳۵۲
نہر کوثر، زانی اور غیبت کے مرتکب وغیرہ ۳۵۳ ۳۵۴
واقعہ معراج کے بعد ۳۵۴
ایک مومنہ کی خوشبو، ملاء اعلیٰ اور جبرئیل، عرش پر کلمہ شریف ۳۵۴
یاجوج ماجوج کو تبلیغ، نمازوں میں تخفیف، تحفہ معراج ۳۵۵
تین عطیات، فرشتوں کی امامت، عرش پر نام محمد ﷺ ۳۵۵
جابلقا اور جابلسا نیز تین قوموں کو تبلیغ ۳۵۶
رجال غیب اور جنات سے ملاقات، ۳۵۷
انبیاء کی شبیہیں ۳۵۸
مکہ کو واپسی، گرم گرم بستر ۳۵۸
ایک سوال اور اس کا جواب ۳۵۸
عطیہ ہائے معراج، اور نماز وغیرہ ۳۵۸
سورہ بقرہ کی آخری آیات ۳۵۹
التحیات کے لطیف اشارات ۳۵۹
بلاواسطہ وحی ۳۶۰
شفاعت، مقصود حقیقی، بہشت بریں ۳۶۱
امت محمدی ﷺ کی فضیلت وغیرہ ۳۶۲
امت محمدی ﷺ کے نام اللہ کے چھ پیغامات ۳۶۵
اللہ اور محمد ﷺ کی رفعت شان ۳۶۵
درازی عمر اور بخشش، کائنات آپ ﷺ کے قدموں کی دھول ۳۶۶
عذاب دنیا سے نجات، محمدی امت اللہ کی مہمان ۳۶۶
یا محمد ﷺ مانگئے، قاب قوسین سے واپسی ۳۶۶ ۳۶۷
نماز کا درجہ ۳۶۸
اعلان اسریٰ و معراج ۳۶۸
بعض پیغمبروں کا حال اور ان کی معراج ۳۶۹
اولیائے امت کی اور عام مسلمانوں کی معراج ۳۷۰ ۳۷۱
ہجرت اور ریاست مدینہ ۳۷۱
یہودی یثرب میں کب بسے ۳۷۲
ایک ظالم یہودی سردار کا قتل ۳۷۴
بیعت عقبہ اولیٰ ۳۷۵
مدینہ میں پہلا اسلامی مبلغ، بیعت عقبہ ثانیہ، بارہ نقیب ۳۷۶ ۳۷۷
قریش کی تلملاہٹ، رسول مختار اور

Marfat.com

دارالہجرت ۳۷۸
ہجرت کی عام اجازت ۳۷۸
مہاجروں کی ٹولیاں، عمر فاروقؓ کی ہجرت ۳۷۹
قتل حضور ﷺ کی سازش ۳۷۹
آمد ابلیس، آمد جبریل، اعجاز رسول ۳۸۰
کفار کو شرمندگی، گھات لگانے والوں کے نام ۳۸۰ / ۳۸۰
صدیق اکبر اور ہجرت ۳۸۱
ایثار صدیقؓ، غار ثور میں قیام، تلاش محمد ﷺ اور مشرکین ۳۸۲ / ۳۸۳
تاریخ ہجرت، جبل ثور ۳۸۲
اللہ ہمارا ساتھی، اللہ کے لشکر ۳۸۴، ۳۸۳
غار ثور سے روانگی، سراقہ کا تعاقب کرنا ۳۸۵
اُم معبد کا ڈیرا ۳۸۶
ابومعبد کی آمد، حضور ﷺ کا حلیہ مبارک ۳۸۷ / ۳۸۷
بریدہ اسلمی کا قبول اسلام ۳۹۰
زبیر بن العوام سے ملاقات ۳۹۰
مکہ تا مدینہ سفری منازل کے نام ۳۹۱
ایک شجر مبارک ۳۹۱
مدینہ منورہ میں حضور کا انتظار ۳۹۱
میزبانِ دو عالم کی میزبانی ۳۹۱
علی مرتضٰی آن ملے ۳۹۲
قباء میں حضور کی آمد کی تاریخ ۳۹۲
صبغۃ اللہ کی جھلک ۳۹۳
مسجد قباء کی تعمیر اور حضور ﷺ ۳۹۳
قباء سے مدینہ کی طرف روانگی ۳۹۴
سب سے پہلی نماز جمعہ اور خطبہ ۳۹۴
براء بن معرور کی وفات ۳۹۵
مدینہ میں جشن آمد رسول ﷺ ۳۹۵
ناقہ رکتی ہے ۳۹۶
میزبانی کے لئے قرعہ اندازی ۳۹۷
ادب گاہ نبوی، اھ کے واقعات ۳۹۷ ۳۹۸
عبداللہ بن سلام اسلام لاتے ہیں ۳۹۸
مسجد نبوی کی تعمیر ۳۹۹
اہل بیت کو مکہ سے مدینہ بلانا ۴۰۱
یثرب کی بیماری، مدینہ حرم بن گیا ۴۰۲
مدینہ کے حق میں دعائے رسول ۴۰۲
مہاجرین کے لئے پلاٹ ۴۰۳
مسجد نبوی میں چراغ کی ابتداء ۴۰۳
حضرت سلیمان فارسیؓ ۴۰۳
حضرت عائشہ سے زفاف ۴۰۵
چار رکعتوں کی فرضیت، اصحاب صفہ ۴۰۶
اذان کا آغاز، عقد مواخات ۴۰۹ - ۴۰۸
ریاست مدینہ میں پہلی مردم شماری ۴۰۹
مدینے کے یہودی ۴۱۰
یہود سے معاہدہ ۴۱۰
ولید بن مغیرہ کی موت، دو انصاریوں کی وفات ۴۱۱
عبداللہ بن زبیر کی ولادت ۴۱۲

Marfat.com

یوم عاشورہ اور عرفہ کا روزہ	۴۱۲
ایک بھیڑیئے کی شہادت	۴۱۲
۲ھ روزوں کی فرضیت	۴۱۳
تحویل کعبہ، مسجد قبلتین	۴۱۳، ۴۱۴
آداب قبلہ، قبلہ کا اصل مقصد	۴۱۵
سیدہ فاطمہ کا نکاح	۴۱۵
اذن جہاد	۴۱۵
غزوات	۴۱۷
لشکر میں نفری کے لحاظ سے بعض توضیحات	۴۱۷
غزوات کی تعداد	۴۱۷
پہلا غزوہ ابواء	۴۱۷
غزوہ بواط، سریہ دارارقم	۴۱۷-۴۱۸
سریہ سعد بن ابی وقاص	۴۱۸
لوا اور رائت، غزوہ عشیرہ	۴۱۸-۴۱۹
ابو تراب، کنیت کی وجہ	۴۱۹
غزوہ بدر اولیٰ یا غزوہ سفوان	۴۱۹
غزوہ بدر	۴۱۹
سریہ عبداللہ بن جحش اور حضرمی کا قتل	۴۲۰
مہاجرین اور انصار سے مشورہ	۴۲۱
سفیان الصمہ سے ملاقات	۴۲۲
صحابہ کی رائے	۴۲۳
باران رحمت	۴۲۴
فدیہ کی وصولی	۴۲۶
مکہ میں ماتم، عمیر بن وہب کا قبول اسلام	۴۲۷
شہدائے بدر کے اسماء گرامی	۴۲۸
مقتولان قریش سے خطاب نبوی	۴۲۸
ابولہب کی موت، صدقہ فطر کا حکم	۴۲۸-۴۲۹
غزوہ بنی قینقاع، غزوہ سویق	۴۲۹
بی بی فاطمہ کی شادی	۴۲۹
۲ھ کے بعض اور واقعات	۴۲۹
غزوہ اُحد ۳ھ	۴۳۰
۳ھ کے اہم واقعات	۴۳۴
غزوہ بنو نضیر ۴ھ	۴۳۴
غزوہ ذات الرقاع، غزوہ بدر ثانی	۴۳۷
امام حسینؓ کی پیدائش	۴۳۷
۵ھ غزوہ دومۃ الجندل، غزوہ بنی مصطلق	۴۳۸
حضرت جویریہ کا واقعہ	۴۳۹
واقعہ افک، غزوہ احزاب	۴۳۹، ۴۴۰
بنو قریظہ کا گھیراؤ	۴۴۲
حضرت زینب سے نکاح ۵ھ	۴۴۳
غزوہ غابہ یا ذی قرد ۶ھ	۴۴۵
بنو بکر کی پٹائی، غزوہ بنی لحیان	۴۴۵-۴۴۶
چار سرایا کی روانگی، سریہ طرف	۴۴۶
سریہ وادی القریٰ، سریہ فدک	۴۴۶-۴۴۷
بنی عرینہ کا تعاقب	۴۴۷
صلح حدیبیہ عمرہ ۶ھ	۴۴۷-۴۴۸
رسول اللہ ﷺ کی برکت	۴۴۹
شرائط صلح حدیبیہ	۴۵۰
ابو جندلؓ کا واقعہ	۴۵۱

Marfat.com

قربانی کا حکم، معاہدہ کی چوتھی شق کا فائدہ	۴۵۲	حضرت صفیہؓ سے حضور کا نکاح	۴۷۴
۶ھ کے اہم واقعات	۴۵۲	غزوہ خیبر اور فقہی مسائل	۴۷۳
بادشاہوں اور حاکموں کے نام حضور ﷺ کے خطوط	۴۵۴	مہاجرین حبشہ کی آمد، عمرہ کی ادائیگی ۷ھ	۴۷۳، ۴۷۴
		سنت رمل، خالہ اور ماں، میمونہؓ سے شادی	۴۷۵
قیصر روم کے نام	۴۵۴	۸ھ کے اہم واقعات	۴۷۶
خسرو پرویز کے نام	۴۵۷	موتہ کی جنگ	۴۷۶
شاہ حبشہ کے نام	۴۵۸	جعفر طیار کی وجہ تسمیہ	۴۷۶
شاہ حبشہ کا خط حضور کے نام	۴۵۹	جنگ قضاعہ، جہنیہ کی سرکوبی	۴۷۷
مقوقس کے نام	۴۶۱	فتح مکہ مکرمہ	۴۷۸
یمامہ کے والی کے نام	۴۶۳	آسمانی کتب میں ذکر فتح مکہ	۴۸۲
حارث بن ابی شمر غسانی کے نام	۴۶۳	کعبہ اللہ میں، اذان اور بیعت	۴۸۳
منذر بن ساوی کے نام	۴۶۴	عورتوں سے بیعت لینا	۴۸۳
اسلام قبول کرنے والے کچھ حکمران	۴۶۷	مائی ہندہ کا قبول اسلام	۴۸۳
بیرون عرب تبلیغ اسلام	۴۶۷	فتح مکہ کے نتائج	۴۸۵
غزوہ خیبر ۷ھ	۴۶۹	کعبے کے بت، شرعی فیصلے	۴۸۵، ۴۸۶
فدک اور تیما، سریہ بنو غطفان	۴۷۱	اسلام قبول کرنے والے بعض افراد	۴۸۶
سریہ عمرؓ، سریہ غالب بن عبداللہ	۴۷۱	غزوہ حنین	۴۸۸
قضائے فجر ادائے فجر	۴۷۱	جنگ اوطاس	۴۸۹
سریہ بشر بن سعد انصاری	۴۷۱	درید بن صمہ کا قتل	۴۸۹
سریہ ابن ابی العوجا	۴۷۲	طائف کا محاصرہ	۴۹۰
سریہ غالب بن عبداللہ	۴۷۲	مال غنیمت کی تقسیم اور انصار کا گلہ	۴۹۰
سریہ کعب بن عمیر	۴۷۲	مکہ کا پہلا مسلمان گورنر	۴ ۹
سریہ شجاع بن وہب الاسدی	۴۷۲	عروہ بن مسعود کا قبول اسلام	۴۹۲
فتح خیبر	۴۷۳	۸ھ کے اہم واقعات	۴۹۲
کنانہ بن ربیع کا قتل	۴۷۴	واقعہ ایلا و تخییر ۹ھ	۴۹۲

Marfat.com

غزوہ تبوک ۹ھ	۴۹۴
ایلہ کے سرداروں کی حاضری	۴۹۶
ذوالبجادین کی وفات	۴۹۶
صحابی جن بشکل سانپ	۴۹۷
تبوک سے مدینہ کو واپسی	۴۹۷
تین صحابہؓ کا امتحان	۴۹۷
مسجد ضرار	۴۹۷
تبوک میں حضور کا ایک خطبہ	۴۹۸
اہل طائف کا اسلام قبول کرنا	۵۰۱
عوام و خواص کا قبول اسلام	۵۰۲
بنی طے پر حملے اور ان کا قبول اسلام	۵۰۲
پہلا اسلامی حج	۵۰۳
۹ھ کے بعض اہم واقعات	۵۰۳
۱۰ھ مختلف وفود کی حاضری	۵۰۴
نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ	۵۰۵
حجۃ الوداع	۵۰۵
ایک غلط رسم کا خاتمہ، حضرت علی کی	۵۰۷
واپسی و داعی حج کا خطبہ	۵۰۸
تکمیل اسلام کی سند	۵۰۹
وہی اول وہی آخر	۵۱۱
قابلیت کی اہمیت، قربانی، موئے مبارک کی تقسیم	۵۱۱
خطبہ غدیر خم	۵۱۲
جھوٹے مدعیان نبوت، مسلیمہ کذاب	۵۱۲
اسود عنسی	۵۱۳
طلیحہ بن خویلد، سجاح بنت حارث	۵۱۴
سریہ حضرت اسامہ بن زید	۵۱۵
صبح دوام زندگی	۵۱۷
حضور ﷺ کی وفات شریف	۵۱۷
حدیث قرطاس، امتی کے پیچھے نماز	۵۱۹
سقیفہ بنی ساعدہ	۵۲۲
غسل مبارک	۵۲۲
کفن دفن اور نماز جنازہ	۵۲۳
جسد اقدس کی قبر میں حفاظت	۵۲۴

حصہ سوم

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ	۵۲۷
حضرت سودہؓ بنت زمعہ	۵۲۷
حضرت عائشہ صدیقہؓ	۵۲۸
حضرت حفصہؓ	۵۲۹
حضرت زینبؓ	۵۳۰
حضرت اُم سلمہ ہندؓ	۵۳۰
حضرت زینب بنت جحشؓ	۵۳۰
حضرت اُم حبیبہؓ	۵۳۲
حضرت میمونہؓ، حضرت جویریہؓ	۵۳۴
حضرت صفیہؓ	۵۳۵
حضور کی کنیزیں، سراری	۵۳۶
خادمہ کنیزیں	۵۳۶
حضور کی اولاد مبارک، حضرت قاسم عبداللہ یا عبدالرحمن، حضرت ابراہیم	۵۳۷
حضور کے کتنے بیٹے تھے	۵۳۸

Marfat.com

حضور کی بیٹیاں، سیدہ زینبؓ	۵۳۹
سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ	۵۴۰
حضور ﷺ کے اسمائے گرامی اور اسماء الحسنٰی	۵۴۴
اسلام اور مساجد	۵۴۴
بیت اللہ، مساجد کے فضائل	۵۴۵
آداب مساجد، مسجد ابی بکرؓ، مسجد قباء، دیگر مساجد	۵۴۶
مسجد ضرار، مسجد نبوی	۵۴۹
شمائل و اخلاق نبوی	۵۴۸
گفتگو، چال، لباس	۵۴۹
معمولات نبوی	۵۵۰ - ۵۴۹
طہارت، نماز، روزہ	۵۵۱، ۵۵۲
حج و عمرہ، دعائے سفر، حسن اخلاق اور تواضع	۵۵۳
گھریلو کام کاج	۵۵۵
زہد و قناعت	۵۵۶
عفو و حلم و بردباری	۵۵۷
حفظ مراتب و خوش گمانی	۵۵۹
خوش معاملگی اور پاس وعدہ	۵۶۰
حسن معاشرت اور حضور ﷺ	۵۶۰
پردہ پوشی عدم تجسس	۵۶۲
حوصلہ افزائی اور حسن سلوک	۵۶۳
غرباء، مساکین اور بیوگان اور یتامٰی سے شفقت	۵۶۵
غلاموں سے سلوک	۵۶۸
مہمان داری	۵۶۹
رسول اکرم اور بچے	۵۷۰
دشمنوں سے سلوک	۵۷۱
طیور و حیوانات پر حضور کی شفقت	۵۷۲
حضور بحیثیت مبلغ اعظم	۵۷۱
حضور کی تبلیغی خصوصیات	۵۷۴
مجادلہ احسن و مجادلہ باطل	۵۷۵
تالیف قلوب، میثاق مدینہ (متن)	۵۷۶-۵۷۷
دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور العمل	۵۷۷
میثاق مدینہ کی اہمیت و افادیت	۵۷۹
سید لولاک ﷺ اور قانون	۵۸۱
انصاف کا بول بالا	۵۸۳
دستور اور نظم و نسق	۵۸۳
آخری نبی ﷺ کا قانونی معجزہ	۵۸۳
رسول اللہ اور خواتین	۵۸۴
عورت بحیثیت والدہ	۵۸۸
لونڈیوں کے بارے میں رسول اللہ کے ارشادات	۵۸۸
عورتوں کی تعلیم	۵۸۹
حضرت محمد ﷺ اور خطابت، فصاحت، بلاغت اور جامعیت کلام	۵۹۱
عربی ادب میں حضور ﷺ کی فصاحت و بلاغت کا مقام	۵۹۳
حضور ﷺ کے بعض جوامع الکلم	۵۹۶

Marfat.com

معجزات نبوی ﷺ ۵۹۷
نبی کی صفات، معجزہ اور سحر کا فرق ۵۹۹
معجزات انبیاء، اور تصرف فی الکائنات ۵۹۹
حضور ﷺ کے قرآنی معجزات ۶۰۰
شق قمر، جنات کا قبول الاسلام، شہاب ثاقب ۶۰۰
قریش پر عذابِ قحط ۶۰۰
واقعہ معراج، ہجرت کے وقت حفاظت، امداد ملائکہ وغیرہ ۶۰۱
حضور ﷺ کے علمی معجزات ۶۰۱
معجزات یمن و برکات ۶۰۷
پانی میں برکت ۶۰۸
شفائے امراض، اسطوانہ حنانہ کا رونا ۶۰۹-۶۱۰
تسبیح کی آواز ۶۱۰
حضور کی حکومت جمادات اور نباتات پر ۶۱۰
حیوانات، حضور ﷺ کے منصب رسالت سے آگاہ تھے ۶۱۱
حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۶۱۱
حضور ﷺ کا منصب رسالت ۶۱۱
ضرورت و اہمیت ۶۱۱
انسانوں کے رسول ﷺ وغیرہ ۶۱۳
حضور ﷺ کا دائمی معجزہ، قرآن حکیم ۶۲۵
قرآنی اسماء القرآن ۶۲۵
آیت و سورہ کی وضاحت، نزولِ قرآن ۶۲۸
جمع و تدوین، حفاظت کا ذمہ ۶۲۸ - ۶۲۹
صدیقی کارنامہ، عثمانی کارنامہ ۶۳۰
اعراب، مصحف عثمان کے تاریخی نسخے ۶۳۱
اسلوب قرآن ۶۳۲
ہر ذہن کی سطح کے مطابق، فصاحت وبلاغت ۶۳۳
مکمل نظامِ حیات، قرآن ۶۳۵
کلام مخاطبین ۶۳۶
تلاوت قرآن کی برکت و رحمت ۶۳۶
مضامین قرآن، جامعیت، وحدت، کتاب انقلاب — ۶۳۶) ۶۳۷
محکمیت، تفصیل مکی سورتیں ۶۳۸
ترتیب نزول کے اعتبار سے مکی سورتوں کی فہرست ۶۳۹
مدنی سورتوں کا ذکر اور قرآنی سورتوں کی ۶۴۰
تقسیم و تعداد حروفِ مقطعات ۶۴۱
سبع احرف کا مطلب ۶۴۱
کاتبانِ وحی، تلاوت کلام کی سات منزلیں ۶۴۲
تفسیر قرآن ۶۴۲
مفسرین قرآن ۶۴۳
تفاسیر کی تقسیم بلحاظ انداز ۶۴۵
تاریخ تفسیر نویسی (پہلا تا چھٹا دور) ۶۴۵
اہم کتب تفسیر ۶۴۷
تفسیر جامع البیان، معالم التنزیل، مفاتیح الغیب، بیضاوی ۶۴۷

Marfat.com

تفسیر ابن کثیرہ، فتح القدیر، روح المعانی ۶۴۸
المنار، جلالین، تفسیر تاویل ۶۴۸
قرآن حکیم کا خاصہ ۶۵۰
سرمایہ حدیث کا مختصر تعارف، اہل ۶۵۲
قرآن، اہل سنت، اہل حدیث
بعض علمی اصطلاحات کی وضاحت، سنت، ۶۵۲
خبر، اثر، بلاغ
روایت، راوی، مروی، مروی عنہ واسطہ ۶۵۳
صحابی، تابعی، تبع تابعین، روایت لفظی ۶۵۳
معنوی روایت و درایت ۶/۵۴
عدالت، ضبط، ثقاہت، جرح و تعدیل، ۶۵۴
تصحیح، تضعیف، ظن وغیرہ
اقسام حدیث بلحاظ تعداد روایان ۶۵۵
متواتر، مشہور، عزیز، غریب یا فرد ۶۵۵
موضوع، متروک، منکر، شاذ، محفوظ، ۶۵۶
مقبول، مردود، متوقف فیہ
عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اشاعت ۶۵۶
احادیث
درس حدیث اور بارگاہ نبوی، روایت ۶۵۷
میں احتیاط
اشاعت حدیث پر تاکید، تحقیق حدیث ۶۵۸
کے لیے سفر
عہد نبوی میں احادیث کے مجموعے ۶۵۸
فن حدیث کی ابتداء، کتابت حدیث ۶۵۹
بعض مؤلفین حدیث کا مختصر تعارف ۶۶۰
کتب حدیث کی اقسام ۶۶۰
جز، مفرد، مسند، معجم، سنن، جامع ۶۶۰، ۶۶۰
مستدرک
مستخرج۔ اربعین ۶۶۱
رسالہ صحیح بخاری، مسلم، ابن ماجہ ۶۶۲، ۶۶۱
ابوداؤد، جامع ترمذی
نسائی، دیگر کتب حدیث ۶۶۲
حدیث قدسی ۶۶۳
صحیح حدیث، حسن، ضعیف صحیح لذاتہ و ۶۶۴
لغیرہ
ضعیف حدیث حسن کیسے بن جاتی ہے ۶۶۴
حدیث مرفوع، موقوف، مقطوع۔ مرفوع ۶۶۶
صریح، مرفوع حکمی
متصل، منقطع، معلق، مرسل ۶۶۷
معضل، مدلس ۶۶۷
اسلام اور سیاست ۶۶۸
علم سیاست مشاہیر کی رائے ۶۶۹
ریاست کا تصور، رئیس کے اوصاف ۶۷۰
اسلام میں ریاست کا تصور ۶۷۱
اسلامی ریاست کی ضرورت، انبیاء کی ۶۷۲
بعثت کا مقصد ۶۷۳
حاکمیت الٰہی کا قیام ۶۷۵
دنیا میں مختلف نظام ہائے حکومت ۶۷۷
بادشاہت، مطلق العنان، دستوری ۶۷۷
بادشاہت

B6846

اسلام اور بادشاہت ٦٧٧
سلیمان علیہ السلام کی سلطنت و خلافت کی شان ٦٧٩
بادشاہت کا جواز ٦٨١
بادشاہت کے نقائص ٦٨٢
آمریت، جمہوریت ۔ اشرافیہ ٦٨٢
طاغوتی یا مغربی جمہوریت اور اسلام ٦٨٣
جمہوریت کی مختصر کہانی ٦٨٦
قرآن حکیم اور طاقت کا سرچشمہ ٦٨٦
پارٹی بازی، جمہوریت ایک مجوبہ ٦٨٧، ٦٨٨
قرآن میں کثرت رائے سے فیصلے کرنے کی ممانعت ٦٨٩
اسلام میں طریق انتخاب ٦٩٣
اسلامی حکومت اور خلافت ٦٩٥
حکم، حاکم، خلافت ٦٩٥ - ٦٩٦
خلیفہ اللہ اور خلیفہ الرسول ٦٩٦
خلافت ارضی ٦٩٧
نظامِ خلافت کے اصول ٦٩٨
خلافت میں اقتدار اعلیٰ، قانون سازی ٦٩٩
انصاف پروری، مساوات، مشاورت ٧٠٠، ٧٠١
جہاد فی سبیل اللہ ٧٠٢
منافقین اور جمہوریت ٧٠٣
مخلص عوام اور استحصالی طبقے ٧٠٤
جمہوریت اور مغربی مفکرین ٧٠٥
علامہ اقبال اور جمہوریت ٧٠٦
عالمی نظام خلافت کے خدوخال اور اسلامی دنیا ٧١٠
حضور کا پیش کردہ معاشی نظام ٧١١
سود کی حرمت ٧١٦
ربا کی وضاحت ٧٠٧
تقسیم میراث، ملکیت زمین کا مسئلہ وغیرہ ٧١٠
حدیث شریف اور معاشیات، جرم و گناہ اور معاشیات ٧١٢
٧٢٠
اسلامی معاشیات کے ہمہ گیر اثرات ٧٢٤
حضور ﷺ اور ختم نبوت ٧٢٤
خاتم النبیین کا مطلب حدیث شریف اور ختم نبوت ٧٢٦ - ٧٢٠
ختم نبوت پر اجماع صحابہ اور اجماع امت ٧٣٠
حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد ٧٣١
سیرت لولاک ﷺ یعنی ایک نیا تاج محل ٧٣٣
مؤلف کا مختصر تعارف ٧٣٤، ٧٣٥
مکی مدنی ماہی ﷺ ٧٣٦

Marfat.com

سبب تالیف اور عرض مؤلف

۱۹۸۵ء میں مکی مدنی ماہی ﷺ راقم کی تالیف منظر عام پر آئی۔ تو احباب و قارئین نے پنجابی نثر میں مستند ترین سیرت نبوی کی اچھی خاصی پذیرائی کی اور یہ مطالبہ زور پکڑنے لگا کہ اسے پنجابی نثر سے اردو اور انگریزی میں ڈھال دیا جائے تو اس سے ایک وسیع حلقہ فیض یاب ہو سکے گا۔ اس حوصلہ افزائی نے میری ہمت تو بہت بندھائی لیکن میں نے جب اس کام کو دیکھا تو ہمت نہ پڑی۔ کیونکہ اسے چھاپنے کا مسئلہ بھی تھا۔ پھر یہ ہوا کہ "مکی مدنی ماہی ﷺ" کو بین الاقوامی مقابلہ کتب سیرت ۱۹۸۶ء میں علاقائی زبان میں سیرت نبوی ﷺ کا صدارتی ایوارڈ بھی مل گیا۔ اس سے میری اور بھی حوصلہ افزائی ہوئی اور میں نے ارادہ کر لیا کہ اردو میں سیرت کی کتاب لکھوں گا لیکن یہ "مکی مدنی ماہی" کا ترجمہ نہیں ہوگی بلکہ یہ ایک الگ کوشش ہوگی۔ چنانچہ اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کے باوجود تقریباً سات آٹھ سال کے عرصہ میں جو کچھ بن پڑا وہ---- "سیرت سید لولاک ﷺ" کی شکل میں پیش خدمت ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

۲۔ سیرت النبی ﷺ کا ہر مؤلف اپنی ہمت کے مطابق مستند ترین مواد پیش کرنے کی سعی کرتا ہے کیونکہ یہ موضوع ہی ایسا ہے۔ میں نے بھی یہی کوشش کی ہے اور اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ یہ حضور ﷺ کے مداحین اور عاشقان ہی فیصلہ کریں گے۔ سرور کائنات ﷺ کی سیرت لکھنے میں راقم نے سیرت کے موضوع پر بے شمار کتابوں سے مدد لی ہے۔ قرآن و حدیث کا سرمایہ استفادہ کا مرکزی نقطہ رہا ہے۔ کسی جگہ لمبے اقتباسات بھی لئے ہیں تاکہ اچھے انداز میں کہی گئی بات کو اپنے لفظوں میں ڈھالنے سے ان کی شیرینی مفقود نہ ہو جائے۔ کوشش کی ہے کہ یہ کتاب پڑھنے والے عشق رسول ﷺ میں پختہ سے پختہ تر ہوں۔ اس سلسلے میں کسی خاص مکتب فکر کی بجائے میں نے جہاں سے اچھی بات ملی لے لی۔ مقصد حضور ﷺ کی متابعت کا شوق دلانا اور آپ کے عشق کی آگ کو ہوا دینا تھا۔ کیونکہ رحمتہ للعالمین ﷺ ہونے کے ناطے آپ کا عشق، آپ کی محبت اور آپ کی متابعت ہی دنیا و عقبیٰ کی کامیابی کی کلید ہے اور یہی بات قرآن کہتا ہے کہ حضور کا اتباع کرنے والے بالآخر اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاتے ہیں اور آپ کی محبت ہی ایمان کی شرط اول ہے۔ آپ کو اس بزم میں غلام احمد پرویز مرحوم سے لے کر شبلی نعمانی"، ابو الکلام آزاد"، سید سلیمان ندوی"، نور بخش توکلی" اور سید پیر کرم شاہ الازہری وغیرہ سب بزرگ نظر آئیں گے۔ مقصد وہی سامنے تھا کہ حضور ﷺ کے ذکر جمیل کو رنگا رنگ محبت بھری مستند معلومات سے آراستہ کیا جائے۔ متقدمین اور متوسطین کے علمی حوالہ جات بھی اس کتاب میں جابجا ملیں گے۔ مدارج النبوت اور معارج النبوت، مواہب للدینہ اور زرقانی علی المواہب سے استفادہ بھی کیا ہے جو مولانا شبلی

Marfat.com

کی نظر میں بھی ایک محققانہ تالیف ہے ابن اسحاق' ابن اثیر' ابن کثیر' سیوطی کی خصائص کبریٰ اور دیگر بے شمار منابع سے استفادہ بھی کیا ہے اور بات وہی لی ہے جو سید عالم ﷺ کی شان سے مطابقت رکھتی ہو۔ قرآن کریم کو محض تنقیدی نظر سے پڑھنے والے "یضل به کثیرا" (بقرہ ٦٦) کا شکار ہو جاتے ہیں جبکہ اسے محبت اور عقیدت سے پڑھنے والے ویھدی به کثیرا کی دولت سے نوازے جاتے ہیں۔ یہی حال پیغمبروں کی سیرت لکھنے پڑھنے والوں کا ہے۔ جو کوئی ولیم میور بن کر "لائف آف محمد ﷺ" لکھے وہ سرورِ کائنات ﷺ کے خزانہ رحمت سے اسلام کی دولت حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے' اور اگر کوئی "سکھ" محبت کا دم بھرے تو وہ عبید اللہ سندھی کے روپ میں اسلام کے فلک کا درخشندہ ستارہ بن کر چمکنے لگتا ہے۔" وباللہ التوفیق

۳۔ مذہبی تعصب اور فرقہ واریت نے مسلمانوں کو زوال سے روشناس کرایا' اور ہم مسلمان یہ بات بھول گئے ہیں کہ مختلف فقہی مکاتب گلشن اسلام میں رنگارنگ پھولوں کی رنگارنگ کھیتیاں اور کیاریاں ہیں جن کے وجود سے گلشن اسلام کی بہار جاں فزاء اور ہی لطف دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اللہ اور رسولِ اکرم ﷺ کی محبت سے وابستہ رہنے کی توفیق دے اور فروعی باتوں کو گلشن اسلام کے مختلف اثمار اور پھول سمجھ کر ان سے حسب ظرف و مذاق لطف اندوز اور متمتع ہونے کی توفیق دے اور جملہ مسلمانوں کو باہمی محبت کی دولت اور قوت برداشت سے نوازے۔ کیونکہ قوتِ برداشت کا نہ ہونا بے صبری اور کم حوصلگی ہے۔ کاش مسلمان زبوں و کم حوصلگی کی دلدل سے باہر نکل کر ایک بہادر پہلوان کا کردار اپنالیں جو اپنے مخالف اور ساتھی پہلوانوں کا وجود بخوشی برداشت کرتا ہے۔ نیز اسلام کا ہر پہلوان کفر و باطل کے لئے تو چیلنج ہے اہل اسلام کے لئے نہیں۔

۴۔ میں نے کوشش کی ہے کہ حوالہ جات ساتھ ہی ساتھ دیئے جائیں۔ بعض حضرات اسے سلاست کے خلاف سمجھتے ہیں میں ان کے خیال کا احترام کرتا ہوں' لیکن مجھے ذاتی طور پر یہ اچھا نہیں لگتا کہ حوالے کے لئے الگ سے ورق گردانی کرنا پڑے۔ لہٰذا اگر میری اس جذباتی لگن کا بھی احترام کیا جائے تو نوازش ہوگی۔

۵۔ رہی انگریزی میں سیرت النبی ﷺ لکھنے یا ترجمہ کی بات تو عرض یہ ہے کہ اگر حالات نے ساتھ دیا۔ اللہ نے فضل کیا اور معاملات حوصلہ افزاء رہے تو شاید یہ بے بضاعت اس بحر میں بھی شناوری کے زعم میں کود پڑے۔ کیونکہ کام لینے والا تو کوئی اور ہے۔ ہم تو کٹھ پتلیاں ہیں اس بات کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اس ہیچمدان سے اللہ کریم نے پورے قرآن حکیم کا پنجابی نثر میں سلیس ترجمہ (مکمل) اپریل ۱۹۹۴ء تک کروا لیا تھا۔ جو چھپنے کے لئے فنانسنگ کا منتظر ہے اس سے بھی اللہ کریم کوئی سبب ضرور بنائے گا۔ انشاء اللہ

(٦) کئی سال پہلے اس کتاب کا خاکہ میرے کرم فرما محترم پروفیسر صاحبزادہ محمد عبد الرسول

صاحب مظہر (شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی) کی مشفقانہ رائے سے تیار ہوا تھا۔ جس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں، لیکن جب کام شروع کیا تو اس کی وسعتیں اس خاکے میں سمانہ سکیں اور میں اس طرف رواں دواں رہا جدھر سے منزل مجھے پکار رہی تھی۔ شاید سیرت سید لولاک ﷺ کا کام ہی ایسا ہے کہ یہ کسی قدغن یا پابندی کو قبول نہیں کرتا۔ اس کی اپنی راہیں ہیں مولانا شبلیؒ اور سید سلیمان ندوی آٹھ جلدیں لکھ کر بھی مطمئن نہ تھے۔ میرا بھی یہی حال ہے وہ ادارہ تھے مگر میں اکیلا ہوں جسے غم یار کے ساتھ غم روزگار کی ذمہ داریاں بھی نبھانا پڑتی ہیں، اور پھر سیرت کے منابع تک رسائی اور خوشہ چینی کے لئے جس فارغ البالی، خوشحالی اور یکجہتی کی ضرورت تھی۔ میرا دامن اس سے بھی تہی تھا۔ تاہم کوشش کی ہے کہ ایک ہی جلد میں ابتدائی تاریخ عالم، سیرتِ نبوی اور تعلیماتِ مصطفی ﷺ کا مستند خلاصہ پیش کر دوں جو سیرت کے عالمی ادب کا بھی کسی حد تک تفصیلی نچوڑ ہو، اور وہ عظمت مصطفی ﷺ اور اسوۂ حسنہ کو بھی اجاگر کرتا ہو۔ سچ یہ ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کی قدر نہیں پہچانی۔ یہی گلہ سرورِ عالم ﷺ کو اپنی حیاتِ طیبہ میں بھی تھا۔ کہ فرمایا کرتے کہ "یہ لوگ مجھے نہیں جانتے۔" ٹھیک بات یہی ہے کہ ہم حضور ﷺ کی شان اور مقام سے کماحقہ واقف ہی نہیں ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں۔ بس جتنا جتنا جس سے ہو پایا ہے وہ اس کی ہمت ہے اللہ قبول فرمائے۔ یہ ایسے ہی ہے جس طرح آسمان کی طرف تیر چلانے والا آسمان کی بلندی تک تیر نہیں پہنچا سکتا بلکہ ایک بلندی تک پہنچانے کی اپنی سی کوشش ہی کرتا ہے، اور میں نے بھی بس کوشش کی ہے رب محمد ﷺ بڑا کریم ہے اور آپ ﷺ بھی رحمت دو عالم ہیں اور اس بارگاہ سے مجھے نوازشوں کی دوہری امیدیں ہیں۔ قارئین کرام کو کوئی بات پسند آ جائے تو ناچیز کے حق میں دعائے خیر فرمادیں۔ اللہ کریم ہم سب کو حضور ﷺ کی محبت اور حسن متابعت سے نوازے۔ آمین۔ میں اپنے ان دوستوں اور بہی خواہوں کا بھی ممنون ہوں جن کے تعاون سے یہ کتاب آپ تک پہنچ سکی۔ آخر میں تحدیث نعمت کے طور پر اپنے بزرگوں کے فیض کا اعتراف بھی لازم ہے۔ یہ سارا کمال درحقیقت مرشدی سیدی حضرت میاں غلام اللہ صاحب ثانی لاثانی شرق پوریؒ کے فیض بے پایاں کا ہے اور حضرت میاں شیر محمد صاحب شرق پوریؒ کی نظر کرم ہے اور یہ سلسلہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور خواجہ باقی باللہؒ کی کرم نوازیوں سے جا ملتا ہے نیز میں دور حاضر کے فخر المشائخ اور صاحبان کرامت صاحبزادہ حضرت میاں غلام احمد صاحب اور صاحبزادہ حضرت میاں جمیل احمد صاحب زیب سجادہ آستانہ عالیہ شرق پور شریف کی نوازشوں اور دعاؤں کے لئے بھی ممنون ہوں۔ آخری اعتراف یہ کہ سیرت سید لولاک ﷺ کا مسودہ مکمل کر کے کتابت کے لئے دینے ہی والا تھا کہ مرشدی حضرت میاں غلام اللہ صاحب خواب میں تشریف لائے اور کچھ فرمایا: اب جو خواب پر غور کیا تو محسوس ہوا کہ اپنی اس کتاب میں قرآن حکیم کی روشنی میں بعض باتیں کرنا رہ گئی ہیں۔ چنانچہ قرآنی معلومات و تعلیمات کی روشنی میں بعض اہم امور کو بھی اس میں شامل کیا تو اطمینان ہوا۔ قارئین سے گذارش ہے کہ

Marfat.com

تسامحات سے آگاہ فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں تشریح و تصحیح کی جا سکے۔ (شکریہ) اللہ تعالیٰ کرم نوازی فرمائے۔ آمین۔

فقط و السلام

احقر العباد ابوالبقا قدر آفاقی عفی عنہ

۲۰۶-۲-ذی ون ٹاؤن شپ لاہور۔ ۵۴۷۷۰

(فون ۵۱۱۸۶۷۴)

Marfat.com

یا اللہ!

(قدر آفاقی بارگاہ رب العزت میں)

"اے اللہ! اے رب کائنات! اے ذوالجلال والا کرام! اے غفور الرحیم!"

تیرا یہ ناچیز و کمترین بندہ قدر آفاقی تیری بارگاہ کرم بار میں حاضری کی اجازت طلب کرتا ہے، اور تیرے محبوب امام الانبیاء والمرسلین، سید لولاک ﷺ کی سیرت طیبہ کے بارے میں اپنے مرتب کردہ چند اوراق لئے حاضر ہے۔ اسے اپنی بارگاہ عفو و کرم میں حاضری کا شرف عطا فرما اور اس کے اوراق پریشان کو جمعیت و اکرام سے نوازتے ہوئے سیرت سید لولاک ﷺ کا یہ گلدستہ اپنی جناب ذوالفضل والا کرام میں قبول و منظور فرما۔ وما توفیقی الا باللہ--- لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم آمین ثم آمین بجاہ نبیک الکریم ﷺ واصحابہ اجمعین۔

یا اللہ--- تو نے کائنات کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ کائنات کا دولہا انسان کو قرار دیا اور ساری کائنات انسان کے لئے بنائی، اور انسان کو جس نے کہ تیرا بار امانت اٹھانے کی حامی بھری تھی، تو نے لیبلوکم ایکم احسن عملا" (ملک ۲) کا امتحان دینے کے لئے دنیا میں بھیجا اس کی تعلیم کے لئے انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے رہے اور آخر میں تو نے اپنے عبد اور رسول ﷺ کو خاتم الانبیاء بناء کر مبعوث فرمایا اور قیامت تک کے لئے اس کی زندگی کو "اسوۂ حسنہ" قرار دے کر اس کی متابعت انسانوں پر لازم کر دی۔ چودہ سو سال سے منصۂ شہود پر آنے والے انسان تیرے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے امتی ہیں۔ ایک گروہ جو ان پر ایمان لایا، امت مسلمہ کا فرد ہے اور دوسرا گروہ جو ان پر ایمان نہیں لایا۔ وہ حضور ﷺ کی امت کافرہ کا فرد ہے، اور اس طرح حضور رحمت للعالمین ﷺ کی امت یعنی انسانیت دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک گروہ امت مسلمہ اور دوسرا امت کافرہ، اور تیرا رسول ﷺ انسانیت کی فلاح و نجات کے لئے تیرے اذن سے رحمتہ للعالمین بن کر تیری رحمت کے دریا بہاتا چلا جا رہا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ جو اس کی دعوت پر لبیک کہہ کر اس کے ساتھ ہو لئے اور "والذین معہ" کے حلقہ میں آگئے، اور یہ سراسر تیری توفیق کا ثمرہ ہے، اور افسوس ہے ان پر جو ان کی مخالفت میں ڈٹ گئے، اور ان کو ایمان کی دولت نصیب نہ ہو سکی کہ تیری مشیت---- کے راز تیرے سوا کون جانے۔ استغفراللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ

یا رحیم یا کریم! تیرا آخری نبی ﷺ تیرے فضل سے بڑا ہی عظیم الشان ہے جس کی شان بلند کے تذکرے انبیاء علیہم السلام کے صحائف میں بھی تھے اور تورات و انجیل و زبور میں بھی--- اور قرآن کریم تو سارے کا سارا گویا اس عظیم ترین رسول امین ﷺ کا قصیدہ نعتیہ ہے:

Marfat.com

جہاں خوش تر بہ فیضانِ محمد ﷺ
دو گیتی زیر احسانِ محمد ﷺ
نہ زیبد ناقصاں را لب کشائی
"ہمہ قرآن در شانِ محمد ﷺ"

قدر آفاقی

اے مولا کریم! جس نبی ﷺ کی صفت انبیاء علیہم السلام بیان کرتے رہے اور تو نے قرآنِ کریم ان کی شان کے اظہار کے لئے نازل فرمایا تاکہ اس کے صدقے میں لوگ سیدھی راہ اپنا کر تیری بارگاہ میں قرب پاتے رہیں۔ اس نبی ﷺ کی شان کا ذکر جمیل کرکے ناچیز قدر آفاقی نے تیری ہمنوائی کی جسارت کی ہے تو رحیم و کریم ہے تو اس کی لغزشوں کو معاف فرما، اور اس پر اور اس کے اگلوں پچھلوں پر فضل و رحمت فرما اور بخشش فرما، اور سیرت سید لولاک ﷺ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نواز اور اسے دنیا بھر میں پذیرائی اور مقبولیت عامہ و خاصہ سے بہرہ مند اور اسے، اس کے مؤلف اور اس کے والدین کریمین کی بخشش و مغفرت کا ذریعہ بنا اور اس کی آل اولاد اور جملہ مومنین و مسلمین و متمتعین پر اپنا فضل و کرم فرما۔ آمین!

اے قادر و کریم! جس نے صبح ازل تیری بارگاہ میں انکار کی جرات کی تھی تاقیام قیامت اس مہلت یافتہ کے پیروکار ہر ہر دور میں بڑے زوروں میں رہے ہیں۔ نوحؑ بے بس ہوئے تو تو نے کشتی کے ذریعے مدد فرمائی۔ ابراہیمؑ کو آتش کی نذر کرنے کا عملی منصوبہ سامنے آیا تو تو نے گلزار ابراہیمی سے ان کی مدد کی اور عیسیٰ علیہ السلام کو تختہ دار پر لٹکانے لگے تو تو نے انہیں زندہ آسمانوں میں اٹھالیا، اور جب محمد ﷺ کو قریش نے گھیرا ڈال کر قتل کرنے کی ٹھانی تو تو نے نبی ﷺ کو غار ثور میں پناہ دے کر اور ہجرت کی راہ میں سرخرو فرما کر انہیں حکمرانی سے نوازا۔ لاغالب الا اللہ

اے اللہ۔۔۔۔ آج بھی تیرے نبی ﷺ کی امت کا حال دگرگوں ہے، اور اس مہلت یافتہ کے پیروکار بڑے زوروں میں ہیں۔ جبکہ تیرے نبی ﷺ کے پیروکار عجب مخمصوں میں گرفتار ہیں۔ وہ عاقبت سے بے پرواہ، دنیا کے مفادات میں گم "لیبلوکم ایکم احسن عملا" کی مقصدیت سے عاری اس مہلت یافتہ طاغوت کے آلہ کار بنے پھرتے ہیں۔ تو نے بدر و حنین وغیرہ میں اپنے بندوں کی فرشتوں سے مدد کی تھی۔ اب اس سے بھی کڑا وقت ہے۔ تیرے نام لیوا دہشت گرد اور تخریب کار قرار دیئے جا کر طاغوتیت کے پنجوں میں ہیں، اور غیرت نام کی چیز قصہ پارینہ بن چکی ہے۔ تیرا اسلام غربت و مسکینی کے تھپیڑوں سے موم کی ناک بنا۔ "بنیاد پرستی" کے طعنوں تلے کچلا جا رہا ہے۔ جراتوں کے پاسبان بزدلی کا مرقع ہیں۔ تیرا فضل عمیم اور خصوصی کرم ہی ہمارے حالات کو سہارا دے سکتا ہے۔ تو ارحم الراحمین ہے، غفور ہے، رحیم ہے، جبار ہے، قہار ہے، عزیز اور ذوانتقام ہے، واللہ غالب علی امرہ" کی شان کا مالک ہے۔ فعال لما یرید" کی صمدیت و اختیار

Marfat.com

کا مصدر و منبع ہے۔ اپنے محبوب ﷺ کے صدقے میں اپنے پسندیدہ دین اور اس کے ماننے والوں پر خاص فضل و کرم فرما۔ گرتوں کو اٹھا بزدلوں کو حوصلہ اور اطمینان عطاء کر، اور بزدلی کی دلدل سے نکال کر انہیں اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی جرات اور ہمت سے نواز۔ دنیا میں اہل اسلام کو یکجہتی اور اتحاد و اتفاق کی نعمت سے نواز، اور اسلام کا بول بالا فرما۔ خلافت اسلامیہ کے قیام میں ہماری مدد کر۔ منافقوں کو نابود کر دے، طاغوتیت کو شکست سے دوچار فرما اور اہل اسلام کو ہدایت دے کر وہ تیرے نبی ﷺ کا دامن پکڑ کر تیری طرف بڑھتے چلے جائیں اور تیرا قرب پا کر ابدی نجات حاصل کریں۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم

(تیرا منگتا، تیرا بندہ--- حقیر فقیر--- قدر آفاقی)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

(قدر آفاقی بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں)

آپ کا ادنیٰ امتی اور غلام قدر آفاقی سیرت سید لولاک ﷺ کا گلدستہ لئے آپ کی بارگاہ رحمت میں حاضر ہے۔ اس کا یہ گلدستہ قبول فرما کر اس کی حوصلہ افزائی کیجئے اور اپنے دامن رحمت میں پناہ عطاء فرمایئے۔

یا رسول اللہ ﷺ مجھ بے زبان کو زبان عطاء کرنے والے آپ ہیں۔ مجھ میں کچھ لکھنے کا کہاں یارا تھا؟ یہ تو آپ کا کرم ہے جو آپ نے میرے منہ میں زبان ڈالی اور میں آپ ﷺ کے ذکر پاک کو زبان قلم سے ادا کرتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا رہا مجھے نہ علم و فضل کا دعویٰ ہے نہ عمل کا ادعا--- میرے پاس مجھ سمیت کچھ بھی تو میرا نہیں۔ سب کچھ آپ ہی کی نوازش و عنایت ہے کہ سید لولاک ﷺ تو آپ ہی ہیں نا!

یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی بے مائیگی اور دوں ہمتی کا احساس ہے مجھے یہ بھی احساس ہے کہ میں آپ ﷺ کی محبت اور رفع ذکر کی کوشش میں کماحقہ پورا نہیں اتر سکا۔ نیز یہ کہ شور و شغب میرے بزرگوں کا طریقہ نہیں۔ خاموشی سے سوئے منزل چل چلاؤ ہی ان کی تعلیم ہے اور دلوں کو چیر کر کون دیکھے؟ یہ تو وہی جانے جو جانتا ہے، اور خدا کے بعد آپ سے بڑھ کر جاننے والا اور کون ہے؟ مجھ بوسیدہ کی بوسیدگی کیا اور میں کیا؟ سہاگن سوئے پیا چاہے۔ اگر آپ ﷺ نے دست شفقت بڑھا کر میرا مان رکھ لیا تو یہ میرے لئے دنیا و عقبیٰ کی سب سے بڑی سعادت و نعمت ہے!

یا رسول اللہ ﷺ خدا کے نبی ﷺ کی بارگاہ میں یہ منگتا حاضر ہے۔ جس میں نہ مانگنے کا سلیقہ ہے نہ چپ رہتے ہوئے حسن طلب کے اظہار کا حوصلہ! آپ بارگاہ صمدیت کے قاسم اعظم

Marfat.com

ﷺ ہیں اور اپنے فقیروں کو نوازنا آپ خوب جانتے ہیں۔ میں محدود اور میری طلب محدود۔۔۔۔ آپ لاانتہا شان کے مالک اور آپ کی عنایات کی انتہاء بھی آپ جانیں یا آپ کا خدا! ہم تو بس منگتے ہیں! بے ظرف ہیں تو ظرف بھی عنایت ہو جائے۔ کوئی اور کمی ہو تو پوری ہو جائے، کمزوری ہو تو رفع ہو جائے۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اللہ اکبر۔

یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو ورفعنا لک ذکرک کا توشہ عطاء ہوا تو وللاخرۃ خیرلک من الاولی کی سوغات سے بھی نوازا گیا۔ ہر آنے والا لمحہ آپ کی مسلسل بلندی درجات کا پتہ دیتا ہے، اور آپ ﷺ کا ذکر جمیل کائنات کے گوشے گوشے کو اپنی ہدایت بھری نورانیت سے لمحہ بہ لمحہ منور کرتا جا رہا ہے۔ جوں جوں یہ کائنات پھیلتی جا رہی ہے۔ آپ کے ذکر اطہر کی وسعتیں بھی اسی رفتار سے آپ کی رحمۃ للعالمینی کے ڈنکے بجاتی ہوئی اپنا اثر دکھا رہی ہیں۔ بزم خیر و شر کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ کل بھی جاری تھا اور جاری رہے گا۔ طاغوتی طاقتوں کو اپنے آپ پر ناز ہے اور وہ حق کو دبانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت کرنا نہیں چاہتیں۔ حق آتا ہے تو باطل مٹ جاتا ہے۔ بیشک باطل کو مٹنا ہی ہوتا ہے۔ گھپ اندھیرے میں ذرا سے چراغ کی لو دور دور تک اپنی ہستی کا احساس اجاگر کر دیتی ہے۔ آج کے طاغوتی ظلمت کدوں میں آپ کے ادنیٰ غلام قدر آفاقی نے آپ ﷺ کے ذکر جمیل کا ننھا سا یہ چراغ روشن کیا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اس کی روشنی سے اندھیرے چھٹ جائیں اور آپ ﷺ کے نورِ حق سے آفاق روشن ہو جائیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ استغفراللہ!

بر کریماں کارہا دشوار نیست

یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کشتی امت کے نگہبان ہیں، اور آپ کی امت آج پھر ذلت و نکبت کے قعر میں ڈبکیاں کھا رہی ہے۔ طاغوتی طاقتوں کے پیدا کردہ طوفان ہیں کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے، اور امت کے پشتی بان ہیں کہ سنبھلنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ وہ دشمن کی لگائی ہوئی نفرت کی آگ میں جل کر خود بخود بھسم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس نقار خانے میں کسی طوطی کی کوئی سنتا ہی نہیں۔ عالمی سطح پر اسلام کے نقیب اپنی اپنی ڈفلیاں بجاتے ہوئے طاغوتیت کا بول بالا کرنے میں مصروف ہیں اور آپس میں مل بیٹھ کر اسلام کی کشتی کو پار لگانے کی فکر کی بجائے جوتیوں میں دال بانٹ کر جشن اقتدار منا رہے ہیں۔ مقامی سطح پر یہ مناظر اور بھی بھیانک روپ لئے ہوئے ہیں۔ مسلم ممالک کو ماڈرن اسلام سے روشناس کرایا جا رہا ہے، اور بنیاد پرستی کا الزام دے کر مسلمہ عقائد اسلام کی بیخ کنی کی جا رہی ہے۔ ایمان کی پختگی اور جہاد کا جذبہ بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے طعنوں کی زد میں ہے، اور دشمنوں نے اہل اسلام کا نام و نشان مٹانے کے بڑے بڑے منصوبے شروع کر رکھے ہیں۔ ہم مسلمان اخلاقی بیماریوں میں بری طرح مبتلا ہو چکے ہیں اور یہ صورتِ حال اہل دل کے ط...

Marfat.com

خون کے آنسو لا رہی ہے۔

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ ﷺ احمد ﷺ مختار ہیں اللہ کے اذن سے سے ایمان کی دولت بانٹتے ہیں۔ اللہ کے اذن سے نور ہدایت پھیلاتے ہیں اللہ کے اذن سے رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین اور رؤف و رحیم ہیں اور ذات باری تعالیٰ کے بعد آپ ﷺ ہمارا سب کچھ ہیں۔ براہ صد کرم نوازی۔ قولوا انظرنا کے صدقے میں اپنی امت مرحومہ پر نظر رحمت و شفقت فرمایئے اور اس کے حق میں قرآن و سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کی توفیق و ہمت ارزانی ہونے کی دعا کیجئے' اور ہمارے رہنماؤں کو اسلام کی سربلندی کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا دیجئے تاکہ وہ روح اسلام اور مقصد قرآن کے تقاضوں کو نبھا سکیں۔ جملہ مسلمانوں کو رزق حلال اور صدق مقال کی توفیق مل جائے کہ اس طرح طاغوتیت کی جڑ خود بخود کٹ جایا کرتی ہے وہ قناعت کو اپنائیں صبر و ہمت کا مظاہرہ کریں اور بھوکے ننگے رہتے ہوئے بھی نعمت اسلام اور آپ ﷺ کی رحمت بھری عطائے ربانی کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر کریں اور اللہ کے پسندیدہ دین کے غلبہ کے لئے دن رات ایک کر دیں جس طرح آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔ اسلامی ممالک باہمی اختلاف و افتراق ترک کر کے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو جائیں اور سب مل کر "متحدہ خلافت اسلامیہ" کو وجود بخشیں۔ پھر ان کی افواج اسلامی افواج ہوں گی ان کا سرمایہ اسلامی دنیا کا سرمایہ ہو گا۔ ان کی مشترکہ سیاسی قوت اسلامی دنیا کی سیاسی قوت ہو گی جو اس چند روزہ عارضی زندگی میں مجتمع ہو کر اسلام کی سربلندی کا باعث بنے گی' اور دنیا میں اسلامی بلاک وجود میں لانے سے عالمی سطح پر مسلمانوں کی کسمپرسی کو ختم کیا جا سکے گا اور پھر اہل اسلام کو کشمیر' بوسنیا' چیچن' اور افغانستان وغیرہ میں اغیار سے امن اور انسانی حقوق کی بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بلکہ عالمی سطح پر حق و انصاف اور اخلاق عالیہ کو فروغ حاصل ہو گا۔

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کا یہ ادنیٰ غلام اور امتی قدر آفاقی تو عرض ہی کر سکتا ہے۔ التجا ہی کر سکتا ہے اظہار تمنا ہی کر سکتا ہے گلزار ابراہیمی کے وجود میں آنے سے پہلے آتشکدے کی آگ بجھانے کی تمنا کرنے والے ناچیز بلبل کی طرح کیونکہ باقی سب کچھ تو آپ ﷺ کے پاس ہے۔ آپ ﷺ کے رب کریم کے پاس ہے۔ دو کریموں کی بارگاہ میں دو کریموں کے درمیان آپ کے امتی آس لگائے بیٹھے ہیں۔

تیری ﷺ نظر کرم کا آج بھی عالم میں چرچا ہے
کرم ہو ہم پہ اِک نظر کرم ہو یا رسول اللہ

نظر کرم کا ملتجی آپ ﷺ کا ناچیز غلام اور گناہ گار امتی
قدر آفاقی

Marfat.com

سیرت سید لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصّہ اوّل

ابوالبقاء قدر آفاقی

Marfat.com

سید لولاک محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

عالم ہے فقط مومن جاں باز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

"اقبال"

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم سے فرمایا۔

خَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاَعْرِفَهُمْ كَرَامَتَكَ وَ مَنْزِلَتَكَ عَلَيَّ۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا

یعنی میں نے خلقت کو اس لئے پیدا فرمایا تاکہ اسے تیری بزرگی و برتری اور بلند منزلت کا تعارف کراوں اگر میں آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو دنیا کو بھی پیدا نہ کرتا۔ (زرقانی علی المواہب ج۔ا صفحہ ۶۳)

اسی طرح آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

لَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُكَ وَلَا خَلَقْتُ سَمَاءً وَلَا اَرْضًا (ایضاً)

اگر وہ نہ ہوتے تو اے آدم! نہ تمہیں پیدا کرتا اور نہ آسمان اور زمین کو پیدا کرتا

حاکم نے مستدرک (ج ۲ صفحہ ۶۱۴ - ۶۱۵) میں اور زرقانی (ج ۵ صفحہ ۲۴۲) نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی اور کہا

يَا عِيْسٰى اٰمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَ اْمُرْ مَنْ اَدْرَكْتَهُ مِنْ اُمَّتِكَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِهٖ فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَسَكَنَ (هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه)

یعنی اے عیسیٰ! محمد پر ایمان لاؤ اور اپنی امت میں سے جو ملے اسے بھی اس پر ایمان لانے کا حکم دو کیونکہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا اگر محمد نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ اور ہاں میں نے عرش کو پانی پر پیدا فرمایا تو وہ بے قراری سے ملنے لگا تو میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا اور وہ ساکن ہو گیا۔ (یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور بخاری اور

Marfat.com

مسلم میں موجود نہیں۔)

نجم الدین رازی اپنی کتاب مرصاد العباد میں لکھتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ کی ذات اقدس خلاصہ موجودات اور شجر کائنات کا پھل ہے۔ اور اللہ کا ارشاد ہے۔

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْکَوْنَیْن

اے نبی اگر آپ کی شان رفیع کا اظہار مقصود نہ ہوتا تو میں اس کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا

چنانچہ حضور کا ارشاد ہے کہ انا من اللہ والمومنون منی یعنی میرا وجود نور الہی کا پرتو ہے اور سب مسلمان میرے نور کا ظہور ہیں

امام نجم الدین عمر نسفی نے اپنی کتاب بحر العلوم میں لکھا ہے کہ حضور کا نور موجودات سے ستر ہزار سال پہلے تخلیق کیا گیا تھا پھر جب اس کا ایک حصہ جس کا ذکر عبد الرزاق کی روائت میں ہے بارہ حجابات میں ٹھہرایا گیا تو دوران قیام وہاں مختلف تسبیحات کیں مثلاً حجاب قدرت میں **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی** حجابِ عظمت میں **سُبْحَانَ عَالِمِ السِّرِّ وَالْخَفِیِّ** حجابِ منت میں **سُبْحَانَ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی** اور حجاب رحمت میں **سُبْحَانَ حَیِّ الْقَیُّوْمِ** وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ (معارج النبوت اردو جلد اول صفحہ ۳۵۳ ناشر مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور)

حاکم نے مستدرک (ج ۲ صفحہ ۶۱۵) میں روائت نقل کی ہے نیز زرقانی اور ابن عساکر (ج ۲ صفحہ ۳۵۷) نے بھی بیان کیا ہے اور لکھا ہے **ہذا حدیث صحیح الاسناد وھو اول حدیث ذکرتہ بعبد الرحمن بن زید ابن اسلم فی ھذا الکتاب** یعنی یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے اس کتاب میں روائت کی ہے جو یہ ہے:

عمر بن خطاب سے روائت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو عرض کیا اے میرے رب میں محمد رسول ﷺ کے وسیلہ سے مغفرت کا طلب گار ہوں اللہ نے فرمایا اے آدم! تو نے محمد کو کیسے پہچانا حالانکہ میں نے اسے پیدا نہیں کیا تو آدمؑ نے عرض کی "وہ اس طرح کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا۔ تو میں نے عرش کے پایوں پر لکھا دیکھا" لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ مخلوق میں سے محبوب ترین ہستی کو ہی منسوب فرمایا ہے اللہ نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا بے شک محمد ﷺ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو اس کے وسیلہ سے مانگتا ہے۔ تو میں نے تجھے بخش دیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

زرقانی (ج-۱ صفحہ ۶۲) نے آدم علیہ السلام سے خطاب الہی بحوالہ بیہقی ان لفظوں میں نقل کیا ہے **لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُکَ** یعنی اے آدم اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو تجھے بھی پیدا نہ

Marfat.com

کرتا۔

خصائص کبریٰ میں جلال الدین سیوطیؒ بیہقی اور بن عساکر کے حوالہ سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ فرمایا ﷺ:

لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ اَرَاهُ بَنِيهِ فَجَعَلَ يَرَى فَضَائِلَ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ فَرَىٰ نُوْرًا سَاطِعًا فِيْ اَسْفَلِهِمْ فَقَالَ يَارَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا ابْنُكَ اَحْمَدُ وَهُوَ اَوَّلُ وَهُوَ آخِرٌ وَهُوَ اَوَّلُ شَافِعٍ (خصائص کبری جلد اول)

جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا گیا تو ان کو اپنی اولاد خواب میں دکھائی گئی آپ نے بعض کے بعض پر فضائل دیکھے پس دیکھا کہ ان کے نیچے کی طرف ایک چڑھتا ہوا نور ہے عرض کی مولا! یہ کون ہے تو فرمایا یہ تیرا بیٹا احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور وہی اول ہے وہی آخر ہے اور وہی اول شفاعت کرنے والا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ خلق محمدی در رنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ الخ (مکتوبات امام ربانی صفحہ ۱۹۱ مکتوب نمبر ۱۰۰ دفتر سوم حصہ دوم اردو ترجمہ جلد سوم صفحہ ۱۵۵۲۔ ۱۵۵۳ مطبوعہ کراچی)

جاننا چاہئے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پیدائشی صفت میں تمام انسانی افراد کی طرح نہیں ہے بلکہ پیدائش میں تمام جہان کے افراد میں سے کسی ایک فرد کے ساتھ بھی آپ کی پیدائش مناسبت نہیں رکھتی کیونکہ آپ باوجود عنصری پیدائش کے اللہ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں اور دوسروں کو یہ دولت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ اس کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

اس باریک نکتہ کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی آٹھ صفات اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن اس احتیاج کی وجہ سے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے امکان کی بو ان میں ثابت ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی حقیقی قدیمی صفات میں امکان کی گنجائش ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی صفات اضافیہ میں تو امکان کا ثبوت بطریق اولیٰ ہو گا اور ان کا قدیمی نہ ہونا ان کے امکان پر بڑی دلیل ہے اور کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے ہوئی ہے جو صفات اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے نہ وہ امکان جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے اور جتنا بھی دقت نظر سے ممکنات عالم کے صحیفہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود اس جگہ مشہود نہیں ہوتا اور رسول اللہ کا امکان اور ان کی پیدائش کا منشا صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود عالم ممکنات میں نہ ہو گا بلکہ اس عالم سے اوپر ہو گا تو لازماً ان کا سایہ نہ ہو گا اور یہ بھی ہے

Marfat.com

کہ عالم شہادت میں کسی شخص کا سایہ اس شخص سے زیادہ لطیف ہے اور جب آپ سے زیادہ لطیف کوئی چیز عالم میں نہ ہوگی تو ان کے سایہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے (علیہ و علی آلہ الصلوۃ التسلیمات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

سن غور سے سن! صفت علم صفات حقیقیہ سے ہے اور وجود خارجی کے دائرہ میں داخل ہے جب اس صفت کو کوئی نسبت لاحق ہوتی ہے اور اس سے وہ تقسیم ہو جاتی ہے مثلاً علم جمالی یا علم تفصیلی تو علم کی یہ اقسام صفات اضافیہ سے ہوں گی اور ثبوت نفس الامری کے دائرہ میں داخل ہوں گی جو کہ صفات اضافیہ کا مقام ہے اور مشہود ہوتا ہے کہ علم جملی جو کہ صفات اضافیہ سے ہو گیا ہے وہ ایک ایسا نور ہے جو عنصری پیدائش میں جو اصلاب سے ارحام متکثرہ میں گرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق انسانی صورت میں جو کہ بہترین شکل و صورت ہے۔ ظاہر ہوا ہے اور اس کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہوا۔۔۔۔ پس علم کو ذات عالم سے اتحاد ہے اور ایسی نسبتی ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے اس جگہ احمد ﷺ کا احد سے قرب دریافت کرنا چاہئے کہ وہ واسطہ جو ان کے درمیان ہے وہ صفت علم ہے وہ ایک ایسا امر ہے جو مطلوب سے اتحاد رکھتا ہے پس حجاب کو اس جگہ کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔ علم کا ایک ذاتی حسن ہے کہ دوسری صفات کے لئے یہ حسن ثابت نہیں ہے لہٰذا اس فقیر کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کو محبوب ترین صفت علم کی صفت ہے اور چونکہ اس کا حسن بے چونی کی آمیزش رکھتا ہے لہٰذا حس اس کے ادراک سے قاصر ہے اس حس کا پورا ادراک آخرت کی پیدائش سے وابستہ ہے جو کہ رویت کا مقام ہے۔ جب خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے (تو) محمد ﷺ کے جمال کو پالیں گے۔

اگرچہ دنیا میں دو تہائی حسن حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے مسلم ہے۔۔۔۔۔ لیکن آخرت میں حسن صرف حسن محمدی اور جمال صرف جمال محمدی ﷺ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے محبوب ہیں دوسرے کا حسن ان سے کس طرح مشارکت کر سکتا ہے کہ ان کا حسن اتحادیت کے واسطہ سے عین مطلوب کا حسن ہے اور دوسروں کو چونکہ یہ اتحاد نہیں ہے (پس) وہ حسن بھی نہیں ہے پس پیدائش محمدی ﷺ حادث ہونے کے باوجود اس کا اعتقاد اللہ کے قدم سے ہے اور ان ﷺ کا امکان اللہ تعالیٰ کی ذات تک منتہی ہوا اور ان کا حسن ذات الٰہی کا حسن ہوا کہ اس میں غیر حسن کی آمیزش نہیں ہے جب اس طرح ہوا تو لازماً آنحضرت ﷺ جن سے محبت متعلق ہے جمیل مطلق ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ٹھہرے۔ فان اللہ تعالیٰ جمیل و یحب الجمال (اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے (ترمذی و مسلم بروایت ابن مسعودؓ)

(مکتوب نمبر ۱۰۰ بنام شیخ نور الحق اردو ترجمہ مکتوبات از محمد سعید احمد نقشبندی دفتر سوم حصہ دوم مطبوعہ کراچی جلد سوم صفحہ ۱۵۵۳-۱۵۵۴)

کچھ ایسی ہی بات قصیدہ بردہ شریف کے پنجابی مترجم مولانا محمد شاہ نیک عالم یوں کہتے ہیں۔

ذات نبی دی باہر ڈٹھے اس امکان حدوثوں ذوقی حالت دے وچ یارو حاجت زیر نہ بم دی
برزخ کبریٰ دے جد قائل ہوئے سب ایمانی طعنے مار نہ آکھو عالم تیری گل بھرم دی

Marfat.com

یعنی حضور علیہ اسلام کی ذات اس امکان وحدوث سے باہر دکھائی دیتی ہے کیوں کہ ذوق کی حالت میں بلندی اور پستی کی حاجت نہیں ہوتی چونکہ سب اہل ایمان برزخ کبریٰ کو مانتے ہیں للذا عالم کو وہم کے طعنے نہ دو

حقیقت محمدی اور شان لولاک

محی سنت ماحیٔ بدعت حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

حقیقت محمدی ﷺ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کہ حقیقتہ الحقائق است آنچہ در آخر کار بعد از طی مراتب ظلال برایں فقیر منکشف گشتہ است تعین و ظہور حے ست کہ مبداء ظہورات و منشاء خلق مخلوقات است در حدیث قدسی کہ مشہور است آمدہ است کہ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ ---- اول چیزیکہ ازاں گنجینۂ مخفی برمصنہ ظہور آمد حب بودہ است کہ سبب خلق خلائق گشتہ اگر ایں حب نمی بود، در ایجاد نمی کشود و عالم در عدم راسخ و مستقری بود سر حدیث قدسی ---- لولاک لما خلقت الافلاک ---- راکہ در شان ختم الرسل واقع است علیہ الصلوۃ والتسلیمات ایں جا باید جست و حقیقت لَوْ لَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِيَّةَ را دریں مقام باید طلبید + (مکتوب ۱۲۲ حصہ نہم دفتر سوم صفحہ ۱۲۸ بنام مولانا حسن دہلوی)

یعنی حقیقت محمدی ﷺ جو حقیقت الحقائق ہے مراتب ظلال طے کرنے کے بعد آخر کار اس فقیر پر منکشف ہوئی ہے۔ تعین اور ظہور ایک محبت ہے جو تمام مظاہر کی مبداء اور مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، پس میں نے خلق کو پیدا کیا اول اول جو چیز اس پوشیدہ خزانہ سے ظاہر ہوئی محبت ہے جو کہ مخلوق کی پیدائش کا سبب ہوئی ہے۔ اگر یہ محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتے۔ حدیث قدسی کہ اگر آپ ﷺ کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو آسمان پیدا نہ کئے جاتے جو حضرت ختم الرسل کی شان میں آئی کہ بھید بھی اسی میں ڈھونڈنا چاہئے اور لَوْ لَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِيَّةَ اگر آپ کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا (حدیث قدسی) کی حقیقت کو (بھی) اسی مقام پر طلب کرنا چاہئے۔

Marfat.com

حقیقت محمدی ﷺ کا صحیح تصور

اس بارے میں

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

یعنی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں:

حقیقت محمدی ﷺ علیہ من الصلوۃ افضلہا و من التسلیمات اکملہا کہ ظہور اول است و حقیقۃ الحقائق است باں معنی کہ حقائق دیگر چہ حقائق انبیاء کرامؑ وچہ حقائق ملائکہ عظام علیہ و علیہم الصلوۃ والسلام کا ظلال اند مراد را و او اصل حقائق است قال علیہ وعلیٰ الہ الصلوۃ والسلام---- خلقت من نور اللہ و المومنون من نوری---- پس ناچار او ، حقیقت ... در میان سار حقائق و درمیان حق جل و علا و ... حدے را بے توسط او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام محال باشد فھو نبی الانبیاء والمرسلین و ارسالہ رحمۃ للعالمین (مکتوب نمبر ۱۲۲ حصہ نہم صفحہ ۱۲۷ دفتر سوم بنام مولانا حسن دہلوی)

حقیقت محمدی ﷺ جو کہ ظہور اول اور حقیقتہ الحقائق ہے اس معنی سے کہ دوسرے حقائق خواہ وہ انبیاء کے حقائق ہوں اور خواہ ملائکہ کے سب اس کے اظلال کی مانند ہیں اور وہ حقائق کا اصل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا۔ نیز فرمایا کہ میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں اور مومن میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں تو لازماً آپ تمام حقائق اور خداوند تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہوں گے اور ان ﷺ کے وسیلہ کے بغیر کسی کا بھی مطلوب تک پہنچنا محال ہو گا۔ پس آپ انبیا اور مرسلین علیہم السلام کے نبی ﷺ ہیں اور آپ ﷺ کا تشریف لانا تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے (بحوالہ مسلک مجدد صفحہ ۳۴ تا ۳۶ مرتبہ میاں جمیل احمد شرق پوری)

میاں عبدالرشید مرحوم "نور بصیرت" میں جناب سید کونین اور شہ ولاک ﷺ کا ذکر جمیل اسطرح فرماتے ہیں:

"اللہ اللہ کس کی عظمت کا تذکرہ ہے کہ قلم سرنگوں ہے۔ خیالات بادل کی طرح امڈے چلے آتے ہیں۔ جذبات میں طوفان اٹھ رہا ہے۔ آنکھوں میں آنسو مچل رہے ہیں۔ کہاں یہ فقیر راہ نشیں اور کہاں وہ شہ لولاک جن کی تعریف میں خود خالق رطب اللسان ہے۔ جو صرف عالم انسانی کے لئے رحمت نہیں بلکہ سارے عالموں کے لئے رحمت ہیں۔ جن پر خود خالق کو ناز ہے اور وہ اور ان کے فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں۔ جن پر درود و سلام بھیجنا مومنوں پر فرض ہے اور عبادت کا درجہ رکھتا ہے جن کی متابعت حق تعالیٰ کی محبوبیت کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیتی ہے جن کی نگاہ فیض رساں خاک کو زر خالص ہی نہیں بلکہ کیمیا اثر بنا

Marfat.com

دیتی ہے۔ جنہوں نے نئے زمانوں کے دروازے کھولے۔ نئے انسان بنائے۔ ان کی ترقی کے امکانات کو نئی وسعتیں عطا فرمائیں۔ انسان کو عظمت کی اس معراج تک پہنچادیا کہ فرشتے اس کی مجالس ذکر میں بیٹھنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں جسے وہ خون بہانے والا کہتے تھے بدر میں اس کے ساتھ ہو کر خون بہایا۔ (واہ واہ سبحان اللہ)

فرشتوں کے سردار جبرائیلؑ امین کو شب معراج آپ کی عناں گیری پر ناز ہے۔ انبیاء و رسل آپ ﷺ کی شفاعت کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ حکمت و دانش آپ ﷺ کے قدم چومتی ہے۔ عشق و مستی آپ ﷺ کے جلو میں چلتی ہے۔ آپ ﷺ نے حکمت کے موتی لٹادیئے۔ کیف و مستی کے میخانوں کے منہ کھول دیئے اہل دانش ایک طرف دامن پھیلائے کھڑے ہیں۔ اہل محبت دوسری طرف سراپا نیاز ہیں۔ یہ سید کونین ﷺ کے ارشادات سے جھولیاں بھر بھر کے لے جارہے ہیں وہ ان کی نگاہوں سے پیالے بھر بھر کے پی رہے ہیں یہ بھی مطمئن وہ بھی شاد کام۔

آپ ﷺ کا سینہ قرآن پاک کا متحمل ہوا۔ جو اگر پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ آپ ﷺ صرف پیغامبر نہ تھے۔ بلکہ قرآن مجسم تھے۔ قرآن لائے تو اس کی عملی تفسیر بھی پیش کی۔ آپ حق و باطل کا معیار مطلق تھے۔ جسے سند قبولیت عطا فرمائی وہ نیکی ہے۔ جسے رد فرمایا وہ بدی ٹھہری۔

کائنات کا خلاصہ انسان ہے اور انسانیت کا خلاصہ حضرات انبیاء و رسل ہیں اور نبیوں اور رسولوں کے سرتاج ہمارے حضور پر نور ﷺ ہیں۔ حق تعالیٰ کا حسن گنجینہ مخفی تھا۔ اس نے چاہا کہ پہچانا جائے۔ کائنات اس کی صفات کا اظہار تھا۔ بہت خوب اظہار مگر شعور و احساس سے خالی پھر حضرت آدمؑ تشریف لائے، روئے زمین پر حق تعالیٰ کے نائب فرشتوں نے انہیں سجدہ کیا کیونکہ حسن کا پہچاننے والا آپہنچا تھا۔ بازار ہستی میں رونق آگئی۔ ہنگامہ حق و باطل بپا ہوا۔ ویرانہ کائنات آباد ہوا۔ پھر نوح آئے، ابراہیمؑ آئے، موسیٰؑ آئے، عیسیٰؑ آئے۔ یہ سب قافلہ عشق کے ممتاز راہی تھے۔

۲۔ ایک حدیث قدسی کے مطابق حق تعالیٰ مخفی خزانہ تھے۔ پھر انہوں نے چاہا کہ وہ پہچانے جائیں۔ چنانچہ یہ کائنات تخلیق فرمائی اور پھر اس کے اندر انسان کو پیدا فرمایا اور انسان کو قلب جیسی انمول چیز عطا فرمائی جس سے وہ حق تعالیٰ کو پہچان سکے۔

دہر جز جلوہ یکتائی محبوب نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں

(غالبؒ)

حق تعالیٰ کی معرفت حیات انسانی کا مقصد ہے۔ اولیا و انبیا نے اپنے اپنے درجہ اور وسعت ظرف کے مطابق معرفت الٰہی سے حصہ پایا۔ مگر جناب رسول پاک ﷺ کو معرفت کا وہ مقام حاصل ہوا کہ شب معراج حسن مطلق کو رو در رو دیکھا اور اسی طرح دیکھا جیسے دیکھنے کا حق تھا۔ نہ آنکھ نے کم تاثر لیا، نہ

Marfat.com

زیادہ۔ نہ وہ اپنے ہدف سے ہٹی نہ بہکی۔ نہ وفور جلوہ نے آنکھ کو چندھایا نہ حواس کو معطل کیا اور قلب نے اس مشاہدہ کی تصدیق کی جو آنکھ نے دیکھا تھا۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوہ صفات
تو عین ذات می نگری و در تبسمی

ترجمہ: موسیٰ طور پر ایک صفاتی جلوہ سے بے ہوش ہو گئے آپ نے عین ذات کا مشاہدہ کیا اور متبسم رہے۔

کریم نعمت سے تنہا مستفید نہیں ہوتے بلکہ اس میں دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں اور ہمارے حضور ﷺ تو سب کریموں سے بڑھ کر کریم تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے اس مشاہدہ خاص کو اپنے غلاموں کے لئے عام کر دیا۔ ان کے لئے نماز کا تحفہ لائے جو مبتدیوں اور منتہیوں سب کے لئے یکساں فیض رساں اور جلوہ نما ہے۔ حضور ﷺ کے صدقے معرفت الٰہی کے خم خانوں کے دروازے کھل گئے اور آنجناب ﷺ کے امتی حسن ازل کے جلوہ سے جھولیاں بھر بھر کے فیض یاب ہونے لگے۔

اب طور رہے نہ موسیٰؑ، اصرار ہے نہ انکار، اب حضور ﷺ کی برکت سے ساری زمین وادی ایمن ہے اور آپ ﷺ کے ہر امتی کا سینہ طور، اب تجلیات الٰہی پہاڑ پر نہیں پڑتیں حضور ﷺ کے امتیوں کے سینے ان کے لئے وا ہیں اور حضور ﷺ کے طفیل وہ اپنے ہوش و حواس میں رہتے ہوئے ان جلووں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ حسن ازل کی خاص تجلیات حضور ﷺ کے عاشقوں پر عام ہیں۔ جو چاہے اور جتنا چاہے اپنے ظرف کی مطابق لے اور اس سے لطف اندوز ہو۔ کیف و مستی اور لطف و سرور کے میخانے اور اسرار و رموز کے نہاں خانے کھلے ہیں۔

آنجناب ﷺ کا مزید کمال یہ ہے کہ حسن ازل کی محبت کی اس سرمستی کو جو اس سے پہلے خود فراموشی، نفی ذات اور زندگی سے گریز کا سبب بنتی تھی، حیات کے لئے باعث قوت و حرارت بنایا۔ اس سے فکر کو جلا اور عمل کو بقا بخشی۔ فکر نے انفس و آفاق کے پر پیچ اور طویل راستے طے کئے اور عمل نے بدی اور شیطنت کی ہر لحہ پھیلتی ہوئی بساط کو الٹ کر رکھ دیا۔ انسانوں کو عمل کی ایسی قوت سے سرفراز فرمایا، جس کے راستے میں پہاڑ حائل ہو سکے نہ سمندر۔

آپ نے علم کو عشق سے پختہ کیا اور عشق کو علم سے زینت دی۔ فکر کو ذکر سے رواں اور درخشاں کیا اور ذکر کو فکر سے مفید اور فیض رساں بنایا۔ عشق و عقل اور روحانی و مادی فیوض کا شاندار امتزاج آپ ﷺ ہی کا شاندار کارنامہ ہے۔

(بحوالہ نور بصیرت نوائے وقت لاہور مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۹۵ء یکم اکتوبر ۱۹۹۴ء بروز ہفتہ)

Marfat.com

نور اوّلین

پھوٹا جو سینہ شب تار الست سے
اس نور اولین کا اجالا تمی ﷺ تو ہو

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت "نور" بیان کی ہے اور بندوں کو سمجھانے کے لئے اس کی مثال یوں بیان فرمائی ہے۔

الله نور السموات والارض مثل نوره كمشكوة فيها مصباح المصباح فى زجاجة الزجاجة كانها كوكب درى يوقد من شجرة مباركة زيتونة لاشرقية ولا غربية يكاد زيتها يضيئى ولو لم تمسسه نار نور على نور يهد الله لنوره من يشاء و يضرب الله الامثال للناس والله بكل شى علىم ○
(نور۔۳۵)

"اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال گویا ایک طاق اس میں ایک چراغ اور وہ چراغ ایک فانوس میں ہے (اور) وہ فانوس گویا چمکتا ہوا ستارہ ہے جو روشن ہے زیتون کے مبارک درخت سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ لگتا ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ دکھائی جائے۔ نور ہے نور کے اوپر اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف راستہ دکھاتا ہے جسے چاہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔"

نور بمعنی روشنی اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ کریم زمین و آسمان کا ھادی ہے۔ یعنی اہل ارض والسموات اس کے نور سے حق کی راہ پاتے ہیں اور اس کی ہدایت کے ذریعے گمراہی کی حیرت سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا کہ اللہ زمین و آسمان کو منور کرنے والا ہے۔ اس نے آسمانوں کو ملائکہ سے اور زمین کو انبیاء علیہم السلام سے منور فرمایا اس آیت میں مثل نورہ سے مراد بقول ابن عباسؓ مومن کے دل کی نورانیت ہے جس سے کہ وہ ہدایت پاتا ہے اور بعض مفسرین نے اس سے قرآن حکیم کو مراد لیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس نور سے مراد "سید و سرور محمد ﷺ" کی ذات بابرکات ہے۔ ابن عباسؓ نے کعب احبار سے اس کے معنی دریافت کئے تو انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ کے نور کی مثال بیان فرمائی ہے۔ طاق سے آپ ﷺ کا سینہ مراد ہے۔ فانوس قلب مبارک اور چراغ نبوت ہے جو کہ شجر نبوت سے روشن ہے اور اس

Marfat.com

نور محمدی ﷺ کی روشنی اور ضو اس قدر اکمل و اظہر ہے کہ اگر آپ ﷺ اپنے نبی ہونے کا بیان نہ بھی فرمائیں تو بھی آپ کی نبوت خلق پر ظاہر و باہر ہو جائے کیونکہ احادیث صحیح کے مطابق آپ تو اس وقت بھی نبی تھے جب آدم ابھی پانی مٹی اور روح و جسد کی منزلیں طے کرائے جا رہے تھے لہٰذا آپ کی نبوت تو ازل سے ہی متحقق تھی جس کے فیض سے کائنات فیضیاب ہو رہی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ طاق سے حضور علیہ السلام کا سینہ اقدس مراد ہے۔ فانوس قلب اطہر ہے اور چراغ وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا۔ جو نہ شرقی ہے نہ غربی نہ یہودی نہ نصرانی بلکہ وہ جس شجرہ مبارکہ سے روشن ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور نور قلب ابراہیم پر نور محمدی ﷺ گویا نور علیٰ نور ہے۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ روشندان (طاق) اور فانوس تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اور چراغ سید عالم ﷺ اور شجرہ مبارکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ بہت سے انبیاء آپ کی نسل سے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم نہ شرقی تھے نہ غربی یعنی نہ وہ یہودی تھے اور نہ نصرانی کیونکہ یہود مغرب کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور نصاریٰ مشرق کی طرف قریب ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے محاسن و کمالات نزول وحی سے قبل ہی لوگوں پر ظاہر ہو جائیں (گویا ظاہر تھے) اور نور علیٰ نور سے مراد یہ کہ نبی ﷺ ہیں نسل نبیؑ سے اور نور محمدی ہے نور ابراہیمی پر

(تفسیر بر کنز الایمان از سید محمد نعیم الدین مراد آبادی سورۃ نور آیت ۳۵ بحوالہ تفسیر خازن ج۔ ۳ صفحہ ۳۲۲)

حضرت کعب احبار اور ابن جبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

المراد بالنور الثانی ھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم و قولہ تعالی مثل نورہ ای نور محمد ﷺ

"نور ثانی سے مراد یہاں حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ مثل نورہ یعنی نور محمد ﷺ" (کتاب الشفا از قاضی عیاض جلد ا صفحہ ۱۰)

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے مثل نورہ کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یہی بات تفسیر نیشاپوری تفسیر در منثور تفسیر معالم التنزیل میں حضرت [illegible] سے بیان کی گئی ہے۔

(تفسیر ابن جریر ج۔ ۹ صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر) (انوار محمدیہ ﷺ از محمد ضیاء اللہ قادری صفحہ ۱۱۵)

شہاب الدین خفاجی شرح شفا شریف (ج۔ ا صفحہ ۱۳۹) میں فرماتے ہیں:۔

قولہ تعالی مثل نورہ ای مثل نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مثل نورہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی مثال مراد ہے۔ یہی بزرگ اپنی شرح مذکور (ج۔ ا صفحہ ۱۴۱) میں فرماتے ہیں کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ مثال نور حضور علیہ السلام کے نور کی مثال ہے جب آپ اپنے آباء کی پشتوں میں مامون تھے۔

Marfat.com

اس آیت میں دو انوار کا ذکر ہے یعنی اللہ کے نور کا جو بے مثل و بے مثال ہے اور ذاتی ہے اور ہر شے کو محیط ہے اور دوسرا نور ہے نور محمدی ﷺ جیسا کہ مفسرین کرام کی آراء سے ظاہر ہے تو یہ نور محیط نہیں بلکہ محاط ہے جیسا کہ کانھا کوکب دری سے واضح ہے گویا نور محمدی اللہ کے نور سے سیراب ہوتا ہے۔ اسی سے قائم ہے اور اس کی برکت سے **داعیا الی اللہ باذنہ** ہے اور اسی کے پرتو سے **سراجا منیرا** ہے۔ اسی کے حوالے سے ہادی و مہدی و مہتدی ہے اور اسی کے جلووں سے "نور مبین" ہے۔

تفسیر نیشاپوری (ج ۱۸ صفحہ ۹۳) میں ہے کہ مثل نورہ سے مراد "**والنبی نور و سراج منیرا**" یعنی نبی پاک نور ہیں اور روشنی دینے والے سورج ہیں۔ تفسیر در منثور (ج ۵ صفحہ ۴۹) میں ہے کہ حضرت ابن عباس "کعب" احبار کی طرف آئے اور مثل نورہ کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا یہ مثال نور محمد ﷺ کی ہے۔

تفسیر خازن میں مثل نورہ کا مطلب ہے "**وقیل ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم**" یعنی اس کی شرح بعض نے یہ کی ہے کہ وہ "نور" محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تفسیر معالم التنزیل میں سعید بن جبیر اور ضحاک سے روایت بیان کی گئی ہے کہ مثل نورہ سے مراد محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے (معالم التنزیل ج۔ ۵ صفحہ ۶۳)

۲۔ سورۃ احزاب (۳۳=۴۶) میں ہے۔

یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا

"یعنی اے نبی! ہم نے آپ ﷺ کو شاہد، مبشر، نذیر اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ (یا نورانی سورج) بنا کر بھیجا۔"

اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو سراجاً منیرا فرمایا ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ چراغ فارسی لفظ ہے عربی میں اسے سراج کہا گیا چراغ کی صفت یہ ہے کہ وہ دوسرے چراغوں کو بھی روشن کر سکتا ہے۔ جبکہ اس کی اپنی روشنی میں بھی کوئی کمی نہیں آتی سراج کے ساتھ منیرا کا لاحقہ لگانے میں حکمت یہ ہے کہ چراغ صرف رات کو روشن ہوتا ہے دن کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ حضور ایسے چراغ ہیں جو ہمہ وقت روشنی دینے والے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کا فیض ہر ہر آن اور ہر ہر ساعت جاری ہے۔ بعثت سے پہلے دوسرے انبیاء علیہم السلام آپ ہی کے فیض سے روشنی اور ہدایت پاتے تھے اور وصال شریف کے بعد انبیاء علیہم السلام کے وارثین اولیاء کرام اور علمائے حق قیامت تک آپ ﷺ کے فیض سے متمتع ہوتے رہیں گے۔

علامہ قسطلانی شارح بخاری کے نزدیک "حضور اکرم ﷺ روشنی میں سراج کامل ہیں اور سورج کی طرح وہاج (جلانے) کی صفت سے آپ ﷺ کو متصف نہیں فرمایا بلکہ منیرا فرمایا یعنی جو روشنی

Marfat.com

کرے بخلاف جلانے کے (مواہب اللدنیہ صفحہ ۱۷۱ ج ۳) امام بن قیم بھی زاد المعاد (ج۔ ۲ صفحہ ۸۳) میں سراج منیرا کی یہی تشریح کرتے ہیں۔ میر ابراہیم سیالکوٹی (سراجاً منیر صفحہ ۹۸) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو رحمتہ للعالمین کے ساتھ ساتھ سراجاً منیرا یعنی آفتاب عالمتاب بھی فرمایا ہے کہ دنیا جہان کے لوگ آپ ﷺ سے نور قلبی حاصل کریں (انوار محمدیہ صفحہ ۵۸ از ضیا اللہ قادری)

۳۔ سورہ مائدہ (آیت ۱۵) میں ہے قدجاء کم من اللہ نور و کتاب مبین یعنی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور تشریف لا چکا اور بیان کرنے والی کتاب (بھی آ چکی)

تفسیر ابن جریر (ج۔ ۶ صفحہ ۹۲ مطبوعہ مصر) میں ہے

قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یعنی جل ثنائہ لِھٰؤُ لَاءِ الَّذِیْنَ خَاطَبَھُمْ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ قَدْ جَاءَ کُمْ اَھْلَ التَّوْرَاۃِ وَ الْاِنْجِیْلِ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَ کِتَابٌ مُبِیْنٌ یعنی بِالنُّوْرِ مُحَمَّدً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ اَنَارَ اللّٰہُ بِہِ الْحَقَّ وَ اَظْھَرَ بِہِ الْاِسْلَامَ وَ مَحَقَ بِہِ الشِّرْکَ فَھُوَ نُوْرٌ لِمَنْ اسْتَنَارَ بِہٖ یُبَیِّنُ الْحَقَّ

"یعنی اللہ جل ثناء اہل کتاب سے خطاب فرماتا ہے کہ ضرور آیا ہے تمہارے پاس اے اہل تورات و الانجیل اللہ کی طرف سے نور اور بیان کرنے والی کتاب اللہ تعالیٰ نور سے محمد مصطفیٰ ﷺ کو مراد لیتا ہے۔ جس سے اس نے حق کو روشن فرمایا اور اسلام کو اس کے ذریعے غلبہ عطا کیا اور آپ کے ذریعے شرک مٹایا گیا پس آپ ﷺ ہی وہ نور ہیں جن سے روشنی ظاہر ہوئی اور حق ظاہر ہوا۔"

تفسیر خازن (ج ۲ صفحہ ۲۳) میں ہے۔ قَدْجَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یعنی مُحَمَّدً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمَّاہُ اللّٰہُ نُوْرًا لِاَنَّہٗ یُھْتَدٰی بِہٖ کَمَا یُھْتَدٰی بِالنُّوْرِ فِی الظَّلَامِ یعنی نور سے محمد ﷺ مراد ہیں آپ ﷺ کا نام نور اللہ تعالیٰ نے اس لئے رکھا کہ اس سے ہدایت ملتی ہے۔ جیسے اندھیرے میں روشنی سے راہ ملتی ہے تفسیر معالم التنزیل، تفسیر مدارک (ج۔ ۱ صفحہ ۴۱۷)، تفسیر ابن عباسؓ (صفحہ ۷۲)، تفسیر بیضاوی (ج۔ ۲ صفحہ ۹۲)، تفسیر کبیر (ج ۳ صفحہ ۵۲۶، ۳۹۵) از فخر الدین رازی، تفسیر جلالین (صفحہ ۷۷) اور تفسیر صاوی (ج ا صفحہ ۲۷۵) (از الشیخ احمد الصاوی مالکی) میں بھی مذکور بالا آیت میں نور سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات اقدس بیان کی گئی ہے کہ لِاَنَّہٗ یُنَوِّرُ الْبَصَائِرَ وَ یَھْدِیْھَا لِلْاِرْشَادِ وَ لِاَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَصْلُ کُلِّ نُوْرٍ حِسِّیٍّ وَ مَعْنَوِیٍّ یعنی وہ نور محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ آپ کا نام نور اس لئے رکھا گیا کہ آپ بصائر کو روشن فرماتے ہیں اور ان کو نیکی کی راہ دکھاتے ہیں۔ نیز آپ کو نور اس لئے کہا گیا کہ آپ حسی اور معنوی (ہر قسم کے) انوار کی

Marfat.com

اصل ہیں۔

علامہ محمود آلوسی تفسیر روح المعانی (ج۔۶ صفحہ ۸۷) میں اسماعیل حقی تفسیر روح البیان (صفحہ ۵۴۸) میں اور ملا علی قاری شرح شفا شریف (ج۔۱ صفحہ ۵۰۵) میں اور شہاب الدین خفاجی اپنی شرح شفا (ج۔۲ صفحہ ۴۴۸) میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نور سے مراد نور محمدی ﷺ ہے وَسُمِّيَ الرَّسُولُ نُورًا لِاَنَّ اَوَّلَ شَيْءٍ اَظْهَرَهُ الْحَقُّ بِنُورِ قُدْرَتِهٖ مِنْ ظُلْمَتِ الْعَدَمِ كَانَ نُوْرُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم كَمَا قَالَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ (روح البیان) یعنی اللہ نے آپ کا نام نور رکھا کیونکہ جس شے کو اللہ نے اپنے نور قدرت سے سب سے اول ظاہر فرمایا وہ نور محمد ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا اول ما خلق اللہ نوری سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا وہ میرا نور تھا مولانا ثناءاللہ امرتسری مرحوم قد جاء کم کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں تمہارے پاس اللہ کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور روشن کتاب قرآن شریف آئی (تفسیر ثنائی سورۃ المائدہ صفحہ ۱۱ مطبوعہ امرتسر) نواب صدیق حسن بھوپالی مرحوم نے اپنی اردو تفسیر ترجمان القرآن (ج۔۱ صفحہ ۸۵۷) میں بحوالہ زجاج نور سے مراد حضور ﷺ کو لیا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی شبیر احمد عثمانی وغیرہ بزرگ بھی اس ہی کو اختیار کرتے ہیں۔

البتہ ابو علی جبائی نور سے مراد قرآن حکیم لیتے ہیں اور یہی تفسیر کشاف کے مولف زمخشری نے اختیار کی ہے کہ نور سے مراد قرآن ہے۔ جبکہ علمائے اسلام کی اکثریت کے نزدیک نور سے محمد مصطفیٰ ﷺ اور کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے بعض بزرگ کتاب مبین سے مراد بھی حضور ﷺ کی ذات لیتے ہیں کہ آپ قرآن کی عملی تفسیر تھے۔

۴۔ سورہ الصف (آیت ۸) میں آیا ہے:

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

"یعنی (کفار) ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے مونہوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے اگرچہ کافر برا مانیں تفسیر ابن جریر (ج۔۲۸ صفحہ ۵۲) میں ہے کہ اس آیت میں بھی نور سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کے نور ہدایت کو عالمین میں پورا پورا پھیلا کر رہے گا بے شک کفار کو برا لگے۔"

۵۔ سورۃ توبہ میں آیا ہے۔

یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم و یابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون

"وہ (کفار) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں (زبانی زبانی یعنی بک بک

Marfat.com

کر کے اور تقریر کے زور سے) اور خدا اپنے نور کو پورا کئے بغیر رہنے کا نہیں۔ اگرچہ کافروں کو براہی لگے۔ (توبہ: ۳۲)"

تفسیر در منثور (ج ۳ صفحہ ۲۳۱) میں ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں "ان یطفو نور اللہ" سے مراد یہ ہے کہ کفار چاہتے ہیں کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کر دیں۔ تفسیر نسفی (ج۔ ۲ صفحہ ۹۴) اور تفسیر کشاف (ج۔ ۲ صفحہ ۱۴۹) میں اس آیت شریفہ کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ "نور اللہ" سے مراد حضور ﷺ کی نبوت ہے۔ جسے کفار بزور زبان جھٹلانا چاہتے ہیں جبکہ وہ نور آفاق میں مثبت ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ اسے زیادہ کرے۔

۶۔ ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات اور جمیع انبیاء کرام کی خلقت سے پہلے ہے تو یہ قرآن کریم سے اشارتاً اور صحیح احادیث سے صراحتاً ثابت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے۔"

اس آیہ کریمہ میں **عالمین** اسی طرح اپنے عموم پر ہے جس طرح الحمدللہ رب العلمین میں **عالمین** اپنے عموم پر ہے تو ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی ذات مقدسہ تمام عالموں کے لئے رحمت ہے اور رحمت کی حاجت ہوتی ہے کس کو؟ جس کے لئے وہ رحمت ہو تو جب آپ کی ذات اقدس کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنایا گیا تو ثابت ہوا کہ تمام جہان آپ کی رحمت کے محتاج ہیں اور یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جس چیز کی حاجت ہو وہ محتاج سے پہلے ہوتی ہے تو ضروری تھا کہ آپ کی ذات مقدسہ تمام عالموں سے پہلے ہوتی نیز آپ کی ذات مقدسہ عالمین کے وجود کا سبب اور ان کے موجودہ ہونے میں واسطہ ہے اس لئے بھی آپ کا مخلوقات سے پہلے موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ سبب اور واسطہ ہمیشہ پہلے ہوا کرتا ہے۔ (میلاد النبی صفحہ ۱۰ مولانا احمد سعید کاظمیؒ)

اول ماخلق اللہ قبل الاشیا

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قُلۡتُ یَارَسُوۡلَ اللّٰهِ بِاَبِیۡ اَنۡتَ وَ اُمِّیۡ اَخۡبِرۡنِیۡ عَنۡ اَوَّلِ شَیۡءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَبۡلَ الۡاَشۡیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدۡ خَلَقَ قَبۡلَ الۡاَشۡیَاءِ نُوۡرَ نَبِیِّکَ مِنۡ نُوۡرِهٖ فَجَعَلَ ذٰلِکَ النُّوۡرُ یَدُوۡرُ بِالۡقُدۡرَةِ حَیۡثُ شَاءَ اللّٰهُ وَلَمۡ یَکُنۡ فِیۡ ذٰلِکَ الۡوَقۡتِ لَوۡحٌ وَّلَا قَلَمٌ

Marfat.com

وَلَا جَنَّةٌ وَّلَا نَارٌ وَّلَا مَلَكٌ وَّلَا سَمَاءٌ وَّلَا اَرْضٌ وَّلَا شَمْسٌ وَّلَا قَمَرٌ وَّلَا جِنِّيٌّ وَّلَا اِنْسِيٌّ فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَمَ ذٰلِكَ النُّوْرَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ مِنَ الثَّانِي اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ حَمَلَةَ الْعَرْشِ وَمِنَ الثَّانِي الْكُرْسِيَّ وَمِنَ الثَّالِثِ بَاقِي الْمَلٰئِكَةِ ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ السَّمٰوٰتِ وَمِنَ الثَّانِي الْاَرْضِيْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ نُوْرَ اَبْصَارِهِمْ مِنَ الثَّانِي نُوْرَ قُلُوْبِهِمْ وَهِيَ الْمَعْرِفَةُ بِاللّٰهِ وَمِنَ الثَّالِثِ نُوْرَ اُنْسِهِمْ وَهُوَ التَّوْحِيْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (مواهب اللدنيه ج ۱ ص ۹ زرقانی ج ۱ ص ۴۶ سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۳۰ و نشر الطیب صفحہ ۶-۷)

"کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ نے چاہا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح' نہ قلم' نہ جنت' نہ دوزخ' نہ فرشتے' نہ آسمان' نہ زمین' نہ سورج' نہ چاند' نہ جن' نہ انسان (کچھ بھی) نہ تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے پہلے حصہ سے قلم دوسرے سے لوح محفوظ تیسرے سے عرش پیدا کیا اور چوتھے حصے کے پھر چار حصے کر دیئے' پہلے حصہ سے حاملین عرش دوسرے سے کرسی' تیسرے سے باقی سب فرشتے پیدا کئے اور چوتھے حصہ کے پھر چار حصے کر دیئے پہلے حصہ سے (ساتوں) آسمان' دوسرے سے (ساتوں) زمین تیسرے سے جنت اور دوزخ پیدا کئے اور چوتھے حصے کے پھر چار حصے کر دیئے پہلے حصے سے (مومنوں کی) آنکھوں کا نور دوسرے سے ان کے دل کا نور جس سے اللہ کی معرفت حاصل کرتے ہیں تیسرے سے ان کے انس و محبت کا نور' اور وہ توحید ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ!**

ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ الشَّمْسَ مِنْ جُزْءٍ وَّخَلَقَ الْقَمَرَ مِنْ جُزْءٍ وَّالْكَوَاكِبَ مِنْ جُزْءٍ وَّ اَقَامَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ فِيْ مَقَامِ الرَّجَاءِ اِثْنَيْ عَشَرَ اَلْفَ سَنَةٍ ثُمَّ جَعَلَهٗ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ الْعَقْلَ مِنْ

Marfat.com

جُزء وَالْعِلْمَ وَالْحِلْمَ مِنْ جُزءٍ وَالْعِصْمَةَ وَالتَّوفِيقَ مِنْ جُزءٍ واقام الجزء الرَّابِع فِيْ مَقَامِ الْحَيَاءِ اثْنٰى عشر الف سَنة ثُمّ نظر اليه فترشح النّور عرقا فقطر منه مائة الفٍ وعشرون الفا واربعة آلاف قطرة فَخلق اللّٰهُ مِنْ كُلِّ قطرةٍ نبيّا و رسولا ثم تنفست ارواح الْانبياء فَخلق اللّٰهُ من انفاسهم نُور ارواح الْاوْلياءِ والسُّعداء وَالشُّهداءِ والْمُطيعين من الْمُؤمِنين الٰى يوم الْقيامة فالْعرشُ والكرسيُّ مِنْ نُورِىْ والْكرُوبِيُّونَ وَالرُّوحَانِيُّونَ مِنَ الْمَلائِكَةِ مِنْ نُورِىْ و ملائِكةُ السّماواتِ السّبع مِنْ نُورِىْ والْجنّةُ وما فِيْها مِن النّعِيم مِنْ نُورِىْ والشّمْسُ والْقمرُ والكواكبُ مِنْ نُورِىْ والعقلُ وَالعِلمُ و التّوفيقُ مِنْ نُورِىْ و ارواحِ الانبياءِ و الرّسلِ من نورى والشّهداء و السُّعداء والصّالحين مِنْ نتائج نُورِىْ ثُمّ خلق اللّٰهُ اثْنٰى عشر حِجابا فاقام النّور وهُو الْجزءُ الرَّابِعُ فِيْ كُلِّ حِجابٍ الْف سنةٍ و هى مقاماتُ الْعُبُوديّةِ وَ هى حِجابُ الْكرامة وَالسّعادةِ وَالزّينةِ وَالرّحمةِ وَالرّافة وَالْحلْم وَالْعِلْمِ وَالْوَقار وَالسّكينة والصّبر والصِّدقِ وَ الْيقين فعبد اللّٰهَ ذالكَ النُّورُ فِىْ كُلِّ حِجاب الْف سنةٍ فلمّا خرج ذالكَ النُّورُ مِنَ الْحُجُبِ رَكّبَهُ اللّٰهُ فِي الْاَرضِ فكانا يُضِيْءُ مِنْهُ بين الْمشرِق و الْمغرِب كالسّراج فِى اللّيلِ الْمُظلِم ثُمّ خلق اللّٰه آدم مِنَ الْاَرضِ وَ رَكّب فِيه النُّورَ فِىْ جبهته ثُمّ انتقل منه الٰى شيثَ وَلَدِهٖ وَ كانَ ينتقِلُ مِنْ طاهِرٍ الٰى طاهِرٍ و من طيب الٰى طيب اِلٰى انْ وَصلَ الٰى صُلب عبدالله بن عبد الْمُطّلب ثُمّ اخرجنى الٰى الدُّنيا فجعلنى سيّد الْمُرسلين و خاتم النّبيّين و رحمة لِلْعالمينَ وَ قائدَ الْغُرِّ الْمُحجّلين هٰذا كان بدْءُ نُورِ نبيّكَ يَا جَابِرُ (الدر البهیۃ ص۴)

"پھر چوتھے حصے کے چار حصے کر دیئے پہلے حصے سے سورج، دوسرے سے چاند اور تیسرے سے

Marfat.com

تارے پیدا کیے اور چوتھے حصے کو مقام رجا میں بارہ ہزار سال تک مقیم رکھا پھر اس کے چار حصے کر دیئے پہلے حصے سے عقل، دوسرے سے علم و حلم اور تیسرے سے عصمت و توفیق پیدا فرمائی اور چوتھے حصے کو مقام حیا میں بارہ ہزار سال تک مقیم رکھا پھر اس کی طرف ایک ایسی نظر فرمائی کہ اس نور سے ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے جھڑے اللہ تعالیٰ نے ہر قطرے سے نبی اور رسول پیدا فرمائے۔ پھر انبیا کرام کی ارواح نے سانس لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سانس سے قیامت تک ہونے والے اولیا سعداء شہداء اور اطاعت کرنے والے مومنوں کی ارواح کے نور کو پیدا فرمایا (تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) عرش و کرسی میرے نور سے ہے کروبین اور روحانیین فرشتے میرے نور سے ہیں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے میرے نور سے ہیں جنت اور اس کی ساری نعمتیں میرے نور سے ہیں سورج اور چاند اور ستارے میرے نور سے ہیں عقل، علم اور توفیق میرے نور سے ہے۔ ارواح انبیا اور رسل میرے نور سے ہیں۔ شہداء سعداء اور صالحین میری نوری بچوں سے ہیں۔ پھر اللہ نے بارہ حجاب پیدا فرمائے اور نور کے چوتھے حصے کو ہر حجاب میں ایک ایک ہزار سال تک مقیم رکھا اور وہ مقامات عبودیت ہیں اور وہ (۱) کرامت، (۲) سعادت، (۳) زینت، (۴) رحمت، (۵) رافت، (۶) علم، (۷) حلم، (۸) وقار، (۹) سکون، (۱۰) صبر، (۱۱) صدق، اور (۱۲) یقین کے حجابات ہیں۔ پھر اس نور نے ہر حجاب میں ایک ایک ہزار سال عبادت کی پھر جب وہ نور حجابات میں سے نکلا تو اللہ نے اس کو زمین پر رکھا تو وہ مشرق اور مغرب کے درمیان اس طرح چمکتا تھا جس طرح اندھیری رات میں روشن چراغ ہو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور اس نور کو ان کی پیشانی میں رکھا پھر وہ نور ان سے منتقل ہو کر ان کے بیٹے شیث (علیہ السلام) میں آیا۔ اسی طرح وہ نور طاہر سے طاہر کی طرف اور طیب سے طیب کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے صلب میں آیا (فرمایا) پھر اللہ نے مجھے دنیا کی طرف نکالا اور مجھے سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین اور قائد الغر المحجلین بنایا یہ ہے تیرے نبی کے نور کی ابتداء اے جابر!

(الدر رالبھیۃ فی شرح خصائص النبویہ صفحہ ۴ از امام محمد نووی الشافعیؒ)

امام قسطلانی اور علامہ زرقانی رحمہما اللہ نے اس حدیث کو مختصر ہی بیان کیا ہے لیکن شیخ الاسلام امام محمد نووی الشافعی نے اپنی کتاب الدر رالبھیۃ فی شرح خصائص النبویہ میں پوری حدیث بیان کی ہے جو اوپر لکھی جا چکی ہے۔

اس حدیث کے مخرج امام اجل حضرت عبدالرزاق ہیں جو امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر امام کے استاد ہیں اور امام بخاری کے استاد الاستاد ہیں۔ احمد بن صالح مصری فرماتے ہیں۔

قلت لاحمد بن حنبل رایت احدا احسن حدیث من عبدالرزاق؟ قال لا!

Marfat.com

"میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کیا آپ نے حدیث میں کوئی شخص عبدالرزاق سے بہتر دیکھا فرمایا نہیں۔" (تہذیب التہذیب ج-۶ صفحہ ۳۱۱)

علامہ امام عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ اس حدیث کی تصحیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَدْ خُلِقَ کُلُّ شَیٍٔ مِنْ نُوْرِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم کَمَا وَرَدَابِہِ الْحَدِیْثُ الصَّحِیْحُ (حدیقہ ندیہ)

"بلا شبہ تمام اشیاء ان کے نور کے سبب سے پیدا ہوئیں صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا۔"

علامہ فاسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قَدْ قَالَ الْاَ شْعرِیُ انہ تَعَالٰی نُوْرٌ لَیْس کالا نُوارِوَ رُوْحُ النَّبُوَۃِ الْقُدسِیَۃ لمعۃ مِنْ نُوْرِہٖ وَ الْمَلٰئِکَۃُ شَرُرتِلْکَ الْاَنْوَارِوَ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ و مِنْ نُوْرِیْ خُلِقَ کُلُّ شَیْیٍٔ .

"عقائد میں اہل سنت کے امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نور ہے جو کسی نور کی مثل نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدسہ اسی نور کی چمک ہے اور فرشتے انہی انوار سے جھڑے ہوئے نور کے ٹکڑے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا اور میرے ہی نور کے سبب سے ہر چیز پیدا فرمائی۔" (مطالع المسرات از علامہ محمد المدی بن احمد فاسی)

حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادی صاحب روح المعانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں

وَلِذَا کَانَ نُوْرُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسَلَّمَ اَوَّلَ الْمَخْلُوْقَاتِ فمعنی الْخَبَراَوَّلَ مَاخَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی نُوْرنَبِیِّکَ یَا جَابِرُ!

"(چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصول فیض میں واسطہ عظمیٰ ہیں) اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اول المخلوقات ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ تیرے نبی کا نور ہے اے جابر!" (روح المعانی پ۔ ۷ صفحہ ۹۶)

حدیث مذکور میں نورہ فرمایا اور نورہ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹتی ہے اور اللہ اسم ذاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذاتی نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا صفاتی سے نہیں ورنہ **من نور جمالہ یامن نور علمہ** وغیرہ ہوتا اور اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اللہ کے نور کا ٹکڑا یا حصہ ہے کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت شرط ہے اور یہ اضافت تشریفی ہے جیسے روح اللہ بیت اللہ کہا جاتا ہے کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خانہ

Marfat.com

کعبہ کے پتھر وغیرہ اللہ کی ذات کے ٹکڑے یا اجزا ہیں؟ یا جیسے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح کے ٹکڑے اور جز ہیں؟ ہرگز نہیں!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سجدین** (قرآن) میں جب میں اس آدم کو ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو اس کو سجدہ کرنا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی روح سے پھونکا تو کیا آدم علیہ السلام کے اندر اللہ کی روح کا ٹکڑا جدا ہو کر داخل ہو گیا تھا؟ ہرگز نہیں! کیونکہ اللہ کی روح ٹکڑے ہونے سے پاک ہے۔ اسی طرح نور بھی۔ تو جس طرح اپنی روح سے پھونکا۔ اسی طرح اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ نہ روح ٹکڑے ہوئی، نہ نور ٹکڑے ہوا وہ اللہ کی روح تو یہ اللہ کا نور، غرض اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور پھر اسی نور پاک سے تمام مخلوق پیدا فرمائی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری** (مدارج النبوت) کہ میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے یعنی میرے ظہور کا سبب اللہ کا نور ہے اور ساری مخلوق کے ظہور کا سبب میرا نور ہے۔ اللہ کا نور نہ ہوتا تو میں نہ ہوتا اور میرا نور نہ ہوتا تو مخلوق نہ ہوتی (الذکر الحسین ۱۹ تا ۲۴ از مولانا محمد شفیع اوکاڑوی)

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی کتاب نشر الطیب میں اسی حدیث کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقۃ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیات کا حکم آیا ہے۔ ان اشیاء کا نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔ (نشر الطیب صفحہ ۷)

شیخ محقق حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب مدارج النبوہ میں فرماتے ہیں۔

بداں کہ اول مخلوقات و واسطہ صدور کائنات وواسطہ خلق عالم و آدم نور محمد است صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ در حدیثی صحیح وارد شدہ کہ **اول ما خلق اللہ نوری** و سائر کونات علوی و سفلی ازاں نور وازاں جوہر پاک پیدا شدہ و حدیث **اول ماخلق اللہ العقل** نزد محققین و محدثین بہ صحت نہ رسیدہ و حدیث اول ماخلق اللہ القلم نیز گفتہ اند۔" (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۲) جان لو کہ اول مخلوقات و واسطہ صدور کائنات و واسطہ تخلیق عالم و آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا اور باقی تمام مخلوقات علوی و سفلی اسی نور اور اسی جوہر پاک سے پیدا ہوئی اور حدیث کہ اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا ہے۔ محققین و محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ ایسے ہی وہ حدیث بھی صحت کو نہیں پہنچی جس میں ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا ہے۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲)

Marfat.com

تقریباً ایسی ہی روایت شیخ الشائخ شیخ سعد الدین حموی کی کتاب وسیلہ الصدیقین میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ فرمایا ﷺ اے جابر اللہ نے موجودات سے پہلے جو چیز پیدا فرمائی وہ تیرے نبی کا نور تھا۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبین ہو چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی اپنے خمیر میں پڑے تھے۔ (نشر الطیب صفحہ ۷)

احکام ابن القطان میں ابن مرزوق سے نقل کردہ روایات کے علاوہ حضرت علی بن حسین بن علی المرتضیٰ (امام زین العابدین) سے ایک روایت ہے کہ وہ اپنے باپ حسینؓ اور وہ اپنے والد بزرگوار علی ابن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے میں اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا۔ (زرقانی علی المواہب ج۔۱ صفحہ ۴۹)

علامہ زرقانی اور یوسف نبہانی حقیقت محمدیہ ﷺ کے بارے میں لکھتے ہیں:

لَمَّا تَعَلَّقَتْ اِرَادَهُ الْحَقِّ تَعَالٰی بِاِیْجَادِ خَلْقِهٖ وَ تَقْدِیْرِ رِزْقِهٖ اَبْرَزَ الْحَقِیْقَةَ الْمُحَمَّدِیَّه مِنْ اَنْوَارِ الصَّمَدِیَّه فِی الْحَضْرَةِ الْاَحَدِیَّه

"جب حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ خلق کو پیدا کرے اور اس کا رزق مقدر کرے تو اس نے اپنے انوار صمدیہ سے حقیقت محمدیہ کو دربار احدیت میں ظاہر فرمایا۔"

حقیقت محمدیہ کی شرح میں زرقانیؒ فرماتے ہیں لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ اَیْ قَدَّرَ عَلٰی اَصْلِ الْوَضْعِ اللُّغَوِیِّ وَبِهٰذَا لِاعْتِبَارِ یُسَمَّی الْمُصْطَفٰی بِنُوْرِ الْاَنْوَارِ وَ بِاَبِی الْاَرْوَاحِ "یعنی اول ماخلق اللہ نوری کے ارشاد نبوی کے مطابق یعنی رب العزت نے وضع لغوی کے اصول پر مقدر فرمایا چنانچہ آپ ﷺ کا نام "نور الانوار" اور ابو الارواح رکھا گیا۔" زرقانی علی المواہب ج۔۱ صفحہ ۴۷)

اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری (کالم منہاج القرآن نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۸۹ء) رقمطراز ہیں:

جلیل القدر محدث اور مفسر علامہ آلوسیؒ بھی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت خلق کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں.... (ترجمہ) کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ساری مخلوقات سے پہلے تھا حدیث میں ہے کہ اے جابر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی)

اشرف علی تھانوی نے بھی اپنی کتاب "نشر الطیب" کی پہلی فصل (نور محمدی کے بیان میں) کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے اور پھر اس کی تائید میں متعدد روایات لائے ہیں اس حدیث کی صحت و قبولیت کے لئے درحقیقت یہی امر ہی کافی ہے کہ اس کی تخریج امام عبدالرزاقؒ نے اپنی سند کے ساتھ کی جو امام بخاری

Marfat.com

ومسلم کے استاد الاستاد اور امام احمد بن حنبل" اور دیگر جلیل القدر آئمہ حدیث کے استاد ہیں اور جن کے بارے میں امام احمد بن صالح المصری فرماتے ہیں۔"

"میں نے امام احمد بن حنبل" سے پوچھا کیا آپ نے کوئی شخص حدیث میں امام عبدالرزاق سے بہتر دیکھا انہوں نے فرمایا نہیں۔" (تہذیب التہذیب جلد نمبر ۶)

ان احادیث و روایات سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ خلق میں حقیقی اولیت تو نور محمدی کو ہی حاصل ہے اور خود قلم اور دیگر تمام اشیاء کو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا کیا گیا اس لئے قلم سمیت باقی سب مخلوقات نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے متاخر ہیں اور قلم کی اولیت کا معنی یہ ہے کہ جب نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے دیگر مخلوقات کو پیدا کیا جانے لگا تو سب سے پہلے قدرت نے قلم کو تخلیق فرمایا اس طرح اولیت کے دونوں اقوال درست ہو گئے اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہا شارح بخاری امام قسطلانی" یہی فرماتے ہیں۔

"قلم کی اولیت نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی اشیاء کی نسبت سے ہے۔ (المواہب اللدنیہ)

اب نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اولیت خلق کے مسئلے پر روایات مختلف ہیں امام قسطلانی" فرماتے ہیں۔

"اس مسئلے پر اختلاف ہوا ہے کہ کیا نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلی مخلوق قلم ہے حافظ ابو علی ہمدانی" فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ قلم سے پہلے عرش کو پیدا کیا گیا۔ (المواہب اللدنیہ)

حقیقی اور اضافی اولیت میں فرق

مختلف روایات جو اولیت خلق کے باب میں ملتی ہیں ان سب کی تطبیق محدثین اور آئمہ کرام نے یوں کی ہے کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت تو بلا اختلاف حقیقی اور مطلق ہے اور باقی سب اقوال "اضافی اولیت" سے متعلق ہیں۔ یعنی "قلم"، "عرش" یا "عقل" وغیرہ کی اولیت مختلف اجناس کے اعتبارات سے ہے۔ ان میں سے ہر ایک چیز اپنی جنس کے اعتبار سے اول ہے اور دوسری اپنی جنس کے اعتبار سے جب اعتبار بدل گیا تو ہر ایک کی اولیت اپنے اپنے لحاظ سے قائم رہی خواہ کوئی حقیقتاً کسی پر مقدم ہو یا موخر چنانچہ اولیت خلق کی تمام روایات باہم مطابق ہو گئیں اور کسی کا کسی سے کوئی تضاد یا تعارض نہ رہا۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت مطلق اور حقیقی ہوئی اور باقی اشیاء مذکورہ کی اولیت اضافی اور اعتباری۔"

اول ما خلق اللہ العقل (یا القلم) کی روایات کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نے غیر صحیح کہا ہے اور ترجیح اسی حدیث کو دی ہے جو سب سے پہلے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کے بارے میں ہے۔ لیکن بعض علماء نے ان احادیث کو بھی سامنے رکھ کر تطبیق و وضاحت کی کوشش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

Marfat.com

۱۔ اکثر مورخین اور محدثین نے فرمایا ہے کہ تخلیق میں اولیت نور محمدی ﷺ کو ہی حاصل ہے اور روح، عقل یا قلم کی اولیت اضافی ہے یعنی بعد از تخلیق نور محمدی مخلوقات ارواح میں اولیت روح محمدی ﷺ کو دی گئی اور تخلیق مجردات میں اولیت عقل اور تخلیق اجسام میں اولیت قلم کو حاصل ہوئی۔

۲۔ عالم تکوین میں جنات اور شیاطین کو پیدا کیا گیا تو نور محمدی ﷺ اپنی اصل اور حقیقت کے مطابق رہا۔ کیونکہ وہ تمام اشیاء سے پہلے ہے اور عقل کی اولیت عقول لاحقہ کی نظر ہے کیونکہ تمام عقول سے پہلے وہ عقل تھی جس کا ذکر حدیث میں یوں آیا کہ **اول ما خلق الله تعالی العقل فقال له اقبل فاقبل ثم قال له ادبر فادبر** الی آخر الحدیث اس طرح اس عقل کا وجود تمام عقول سے پہلے ہے اور تمام اقلام میں وہ قلم سب سے پہلے ہے جس نے حکم الٰہی سے تمام اشیاء کی تقدیریں لوح محفوظ پر ثبت کیں۔

۳۔ عالم ازل میں جو تجلی ذات اقدس نے فرمائی اس وقت وجود کی کوئی صورت موجود نہ تھی اور اس تجلی کے نتیجہ میں جو صورت وجود میں آئی وہ مکمل طور پر تمام اسرار و علوم کی جامع اور اپنے مماثل سے بے مثل تھی اور اسی صورت معلومہ کو تعین اول یا صورت محمدی ﷺ سے تعبیر کرتے ہیں اور تمام موجودات کے حقائق اسی حقیقت محمدی ﷺ کے پرتو یا جزو ہیں اور وہ تجلیات جو مختلف صورتوں میں واقع ہوئیں اور عالم غیب میں منتشر اور ضیاء پذیر ہوئیں ان کو عالم ارواح میں حقیقت اول کی صورت وجودی یا جوہر مجرد کہیں گے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس کو کبھی عقل کبھی روح اور کبھی قلم سے تعبیر فرمایا چونکہ اولیت کا مرتبہ ایک شے کو ہی حاصل ہو سکتا ہے لہٰذا تمام اشیا کا منتہا حقیقت اول ہی ہو گا جیسے پہلے بشر اگرچہ آدم علیہ السلام ہیں لیکن حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں اس وقت بھی نبی ﷺ تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ تو گویا بشری اولیت کا منتہا بھی نور محمدی ﷺ ٹھہرا۔

(معارج النبوت از ملا معین واعظ کاشفی جلد اول صفحہ ۶۵۔ ۳۶۴ (اردو ترجمہ) مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور سال اشاعت ۱۹۷۸ء)

۴۔ ترمذی (ج۔ ۲ صفحہ ۳۸) میں عبادہؓ بن صامت سے قلم والی روایت میں ہے کہ اللہ نے حکم دیا "لکھ" عرض کی "کیا لکھوں؟" حکم ہوا "**اکتب القدر فکتب ما کان و ما هو کائن الی الابد** یعنی لکھ تقدیر کو۔ تو قلم۔ نے لکھ دیا جو ہوا تھا اور جو ابد تک ہونے والا تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قلم نے ماکان (جو کچھ ہو چکا تھا) لکھا۔ اگر پہلے کچھ نہ تھا تو قلم نے "ماکان" کے طور پر کیا لکھا؟ پس معلوم ہوا کہ قلم سے پہلے بھی "کچھ" تھا جس کو قلم نے لکھا۔ اگر اس سے مراد شان خداوندی لیں تو یہ کلمہ کفر ہو گا۔ اگر ذات خداوندی مراد لیں تو "ماکان" کے حوالے سے خدا معاذ اللہ حادث ثابت ہو جائے گا لہٰذا معلوم ہوا کہ قلم نے ماکان کے طور جو کچھ لکھا وہ ضرور "کچھ" تھا جو کہ حادث و مخلوق تھا اور احادیث کی رو سے وہ نور محمدی ﷺ تھا۔ پس قلم نے اس کا احوال لکھا۔

محترمی صاحبزادہ سید محمد کبیر احمد صاحب مظہر (پروفیسر شعبہ عربی اورینٹل کالج لاہور) نے راقم سے

Marfat.com

ایک ملاقات میں (لکھ کر) بتلایا کہ

(۱) اول ماخلق اللہ نوری

(۲) اول ماخلق اللہ العقل

(۳) اول ماخلق اللہ القلم

یہ احادیث تفسیر روح معانی، تفسیر مظہری، ابن حجر عسقلانی، اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ از ملا علی قاری وغیرہ میں منقول ہیں۔ عینی شرح بخاری میں درج ہے کہ نور استعارہ ہے علم سے جیسا کہ "العلم نور" ایک محاورہ ہے اور علم محیط ہے عقل اور قلم دونوں کو لہٰذا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مادہ تخلیق اللہ تعالیٰ کا علم جملی ہے اور یہی نقطہ نگاہ ہے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کا

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

وہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول وہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر

اللہ کا ذاتی نور جس کے فیض سے نور محمدی ﷺ وجود میں آیا اور جو خالق کائنات کی اولین تخلیق ہے۔ اس کی تقدیم کا ذکر قرآن حکیم میں جابجا آیا ہے: جیسے فرمایا:

واذ اخذنا من النبیین میثاقهم و منك و من نوح و ابراهیم و موسی و عیسی ابن مریم و اخذنا منهم میثاقا غلیظا لیسئل الصادقین عن صدقهم و اعد للکافرین عذابا الیما

(احزاب آیت ۸،۷)

"اور جب ہم نے انبیاء علیہم السلام سے حلفیہ وعدہ لیا یعنی (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے اور ان سب سے بڑا پکا وعدہ لیا تاکہ صادقین کو اللہ تعالیٰ ان کے صدق کا سوال کرے اور کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

۱۔ تفسیر معالم التنزیل (ج۔۵ صفحہ ۱۹۲) میں ہے کہ اس میثاق میں پانچ نبیوں کا خصوصی ذکر اس لئے فرمایا کہ یہ سب حامل کتاب و شریعت ہیں اور اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں اور حضور علیہ السلام کا ذکر سب انبیاء سے مقدم فرمایا اس لئے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث باسند موجود ہے حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں پیدائش میں تمام نبیوں کا اول ہوں اور بعثت میں ان کا آخر ہوں۔

Marfat.com

۲۔ تفسیر در منثور (ج۔۵ صفحہ ۱۸۴) میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے **واخرج ابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متی اخذمیثاقک قال و آدم بین الروح والجسد**

"کہ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ سے کب حلف لیا گیا تو فرمایا ﷺ اس وقت کہ آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔"

۳۔ تفسیر در منثور (ج۔۵ صفحہ ۱۸۴) میں ابن سعدؓ سے بھی اسی مفہوم کی روایت آئی ہے اسی تفسیر میں بزار، طبرانی فی الاوسط اور ابو نعیم فی الدلائل کے حوالہ سے ابن عباسؓ سے ایک اور روایت اس طرح ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کب سے نبی ہیں تو فرمایا ﷺ۔ جب ابھی آدم روح و جسد کے درمیان تھے میں اس وقت بھی نبی تھا نیز اسی مفہوم کی ایک اور روایت حسن بن سفیان، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابو نعیم، دیلمی اور ابن عساکر کے حوالہ سے قتادہ، حسن اور ابو ہریرہ سے نقل کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا **کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث فبدء بہ قبلھم** یعنی میں پیدائش میں سب انبیاء سے پہلے ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں تو گویا آپ ﷺ سے ابتداء ہوئی ان سب نبیوں سے پہلے اسی تفسیر میں ابن ابی شیبہ کی قتادہؓ سے ایک روایت ہے کہ جب آپ ﷺ نے مذکورہ آیت پڑھی تو فرمایا ﷺ کہ انبیاء علیہم السلام کی پہل مجھ سے ہوئی اور ان سب کے بعد میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ اسی تفسیر میں ابن جریر کی قتادہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پیدائش میں سب نبیوں سے اول ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔

دلائل نبوت (صفحہ ۶) اور خصائص کبریٰ (ج ا صفحہ ۳) میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے آیت **واذ اخذنا من النبیین میثاقھم** کی تفسیر میں فرمایا ﷺ "کہ میں انبیاء علیہم السلام سے پیدائش میں اول ہوں اور بعثت میں ان سب سے آخر۔"

ابو نعیم نے صنابحی سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ ﷺ کس وقت نبی بنائے گئے۔ فرمایا ﷺ اس وقت جب آدم علیہ السلام مٹی سے لتھڑے ہوئے تھے (یہ حدیث مرسل ہے) ابن سعد مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے روایت کرتے ہیں کہ کسی صحابی نے آپ ﷺ سے استفسار کیا کہ آپ کب نبی بنائے گئے تو فرمایا ﷺ کہ آدم جسم اور روح کی درمیانی حالت میں تھے جب مجھ سے میثاق لیا گیا۔

طبرانی اور ابو نعیم ابو مریم غسانی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ ایک دیہاتی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ ﷺ کی نبوت سے پہلے کیا باتیں واقع ہوئیں تو آپ ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا مجھ سے اللہ تعالیٰ نے میثاق لیا جیسا کہ اس نے تمام انبیاء سے میثاق لیا ہے ابراہیمؑ نے میری آمد کی دعا فرمائی اور عیسیٰؑ نے میری آمد کی بشارت دی۔

قرآن مجید میں ہے:

واذ اخذ اللہ میثاق النبین لما ---------- مع الشاھدین

(آل عمران ۸۱)

"اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت میں سے دوں اور پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہاری کتاب و حکمت کی تصدیق کرے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ ارشاد باری ہوا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا سب (انبیاؑ) نے عرض کیا ہم نے اقرار کیا۔ ارشاد باری ہوا۔ تو تم ایک دوسرے پر گواہ رہنا اور میں بھی اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔"

۱۔ ابن حاتم نے اپنی تفسیر میں سدی سے اس آیت کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے بعد ہر نبی سے یہ میثاق لیا کہ وہ محمد ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے اگر وہ اس کے زمانے میں ظہور فرمائیں ورنہ اپنی امت سے عہد لے کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے گی اور اس کی مدد کرے گی۔ (خصائص کبریٰ جلد اول باب ۴)

۲۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت منہ

"یعنی مجھے بنی آدم کے بہترین طبقوں میں قرناً بعد قرناً پیدا کیا گیا (ہر قرن میں) حتیٰ کہ میں اس قرن میں (ظاہر) ہوا جس میں کہ میں ہوں۔"

یہ گویا آپ کے آبائی صلبوں میں آپ کی تشریف آوری اور پھر انتقال در انتقال کا بیان بھی ہے۔

۳۔ شیخ تقی الدین سبکی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی شان اور عظمت بیان کی گئی ہے اور اس جانب اشارہ کیا گیا کہ اگر آپ گذشتہ انبیاؑ کے زمانے میں مبعوث ہوتے تو آپ ان انبیا اور مرسلین کے بھی نبی اور مرسل ہوتے کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت تمام زمانوں اور تمام مخلوقات کو محیط اور شامل ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمام مخلوقات کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس تمام مخلوق میں حال اور مستقبل کی مخلوقات ہی نہیں بلکہ گذشتہ ادوار کی مخلوقات بھی شامل ہیں جبھی تو آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں اس وقت بھی نبی ﷺ تھا جب آدم کا پیکر خاکی روح سے خالی تھا..... نبی کریم

Marfat.com

ﷺ کی حقیقت مبارکہ حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادی اور آپ ﷺ کو نبوت کے وصف سے سرفراز فرمادیا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ اسی وقت نبی ﷺ ہو گئے۔ عرش پر آپ کا اسم گرامی لکھا گیا اور فرشتوں اور تمام مخلوقات کو اللہ کی بارگاہ میں آپ کے مقام بلند سے واقف کرا دیا اگرچہ آپ جسمانی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ تمام اوصاف اور خصوصیات کے ساتھ اس دنیا میں بعد میں تشریف فرما ہوئے آپ ﷺ بعث و تبلیغ اور نبوت کے عالم ظاہر میں اہل ہونے کے لحاظ سے متاخر ہیں مگر جہاں تک آپ ﷺ کی حقیقت مبارکہ کا یا آپ ﷺ کو کتاب و نبوت اور حکم عطا ہونے کا تعلق ہے، اس لحاظ سے آپ ﷺ تخلیق آدم سے بھی مقدم ہیں...... نبی کریم ﷺ چونکہ تمام مخلوقات میں بہترین مخلوق ہیں اس لئے آپ ﷺ ساری مخلوق میں سب سے زیادہ باکمال اور برگزیدہ ہیں خبر صحیح سے ہمیں معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ کو کمال نبوت اور کمال انسانیت کا مقام حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہی عطا ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح مبارکہ سے آپ ﷺ کے بارے میں عہد لے لیا تھا کہ "وہ سب آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی مدد کریں گے" تا کہ تمام انبیاء کو معلوم ہو جائے کہ آپ سب پر مقدم ہیں اور سب سے افضل ہیں اور آپ (پہلے والے) انبیاؑ کے لئے بھی اسی طرح نبی ﷺ اور رسول ﷺ ہیں جس طرح تمام انسانوں کے لئے ہیں اسی لئے "**لتومنن به و لتنصرنه**" میں لام قسم لایا گیا ہے۔"

(خصائص کبریٰ جلد اول باب نمبر ۱ (اردو) مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور صفحہ ۲۲-۲۱)

علمی نکتہ (حلف وفاداری کی اصل): تقی الدین سبکیؒ مزید فرماتے ہیں۔

"یہ میثاق ایسا ہے جیسے خلفاء کے لئے بیعت لی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خلفاء کے لئے بیعت کا طریقہ بھی اسی میثاق سے ماخوذ ہو --- بارگاہ الٰہی میں عظمت مصطفیٰ کا اندازہ تو کیجئے کہ آپ ﷺ تمام انبیاءؑ کے نبی ہیں۔ چنانچہ قیامت کے روز سب انبیا علیہم السلام آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے اور شب معراج میں بھی آپ ﷺ سب انبیاء کے امام تھے۔ اگر آپ ﷺ ، آدمؑ، نوحؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے زمانے میں تشریف لاتے تو ان انبیاء پر آپ ﷺ کی اتباع اور ایمان لانا اسی طرح لازم ہوتا جیسے ان کی امتوں پر ہوتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد میثاق لیا۔ لہٰذا ہر نبی کے لئے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ کیونکہ جناب نبی کریم ﷺ کی نبوت تمام نبوتوں کی جامع اور ان سب پر محیط ہے اور تمام نبیوں کی شریعتیں بھی بنیادی طور پر آپ ﷺ کی شریعت کا حصہ تھیں ...... بلکہ یہ کہئے کہ جس وقت جس نبی کی شریعت آئی اس وقت گویا وہ آپ ﷺ ہی کی شریعت تھی جو اس زمانے کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق تھی اور جو شریعت (مکمل شریعت) آپ لے کر آئے وہ

Marfat.com

تاقیامت آپ ﷺ کے دور اور آپ ﷺ کی امت کے مزاج اور اس کی جملہ ضروریات اور تقاضوں کے مطابق ہے۔"

"مندرجہ بالا بیان سے اس حدیث شریف "کہ میں تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں" کے معانی بھی سمجھ میں آگئے کہ آپ اگلے پچھلے تمام انسانوں کے نبی ﷺ ہیں اور دوسری حدیث کہ "میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم روح اور جسد کے درمیان تھے" کے بارے میں اس خیال کی بھی تردید ہو گئی کہ اس سے گویا علم الٰہی میں آپ ﷺ کا نبی ہونا مراد ہے۔ (کیونکہ علم الٰہی تو ہر مخلوق اور سب واقعات کو محیط ہے) پس مندرجہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ آپ کا آخر میں مبعوث ہونا انسانیت کی اہلیت کی بنا پر تھا یعنی جب انسانیت آپ ﷺ کے احکام شریعت پر عمل پیرا ہونے کی اہل ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا اور اگر (بالفرض محال) یہ اہلیت پچھلے انبیاء کے ادوار میں کسی وقت وجود میں آجاتی تو آپ ﷺ اس وقت ہی مبعوث کر دیئے جاتے گویا یہ بات موقع و محل کی مناسبت سے ہے۔ جیسے ایک شخص اپنی بیٹی کی شادی کے لئے کسی کو وکیل مقرر کر دے تو یہ عمل درست ہے اور اس شخص کا وکیل بننا بھی صحیح ہے مگر یہ ذمہ داری اس وقت ہی پوری ہو گی جب کفو ملے گا اور دیگر لوازمات بھی مکمل ہوں گے۔ اس وجہ سے اگر شادی میں تاخیر ہو جائے تو وکیل کی وکالت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔" (تقی الدین سبکی کے بیان کا مفہوم و ملخص واقتباس ختم ہوا)

۳۔ قل اننی ھدانی ربی الی صراط مستقیم دینا قیما ملة ابراہیم حنیفا و ما کان من المشرکین قل ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ و بذالک امرت و انا اول المسلمین (انعام ۱۶۱ تا ۱۶۳)

"فرما دیجئے مجھے میرے رب نے سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرمائی۔ (صحیح دین کی کہ جو ہے) مذہب ابراہیم کا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہو کر رہ گیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا فرما دیجئے "بے شک میری نماز اور تمام عبادات اور میری زندگی اور موت صرف رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا مسلم ہوں یعنی ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے نمبر پر ہوں۔"

ان آیات کی تفاسیر: ۱۔ تفسیر نیشاپوری (ج۔۸ صفحہ ۵۵) میں بیان ہوا ہے "وانا اول المسلمین عندالایجاد لامرکن کما قال اول ما خلق اللہ نوری "یعنی سب ماننے والوں کا میں اول ہوں اللہ تعالیٰ کے امر کن کے ایجاد کے وقت جیسا کہ ارشاد مصطفیٰ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا۔

۲۔ عرائس البیان (ج۔۱ صفحہ ۲۳۸) میں ہے کہ اس سے اشارہ ہے:

Marfat.com

الی تقدم روحه وجوهره علی جمیع الکون فی الحضرة حین خاطبه بالرسالة والولایة والمحبة والخلة فانقاد فی اول الاول الازلی الابدی تعالی الله عما یقولون الظالمون الله علو کبیرا اشارة الی ماذکرنا قوله علیه السلام کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین و قوله علیه السلام اول ماخلق الله نوری

"یعنی اس آیت مبارکہ میں مصطفیٰ کریم ﷺ کی روح اور جوہر کے دربار خداوندی میں تمام خلق پر مقدم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ جب آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رسالت، ولایت، محبت اور دوستی کے ساتھ مخاطب فرمایا تو حضور ﷺ کو ازلی ابدی اول الاول میں برگزیدہ فرمایا اللہ تعالیٰ ظالموں کی باتوں سے بہت بلند ہے۔ اس آیت کی طرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

۴۔ ارشاد ربانی ہے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا(فرقان ۱)

"برکت بھری ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (محمد مصطفیٰ ﷺ) پر قرآن کریم نازل فرمایا تاکہ وہ اس کے ذریعے جہانوں کو ڈرائے۔

لفظ "عالم" کے بارے میں مفسرین کا اتفاق ہے کہ **ماسوا الله فهو عالم** یعنی اللہ کے سوا ہر شے عالم ہے۔ تو گویا حضور کی نبوت اس وقت سے ثابت ہوتی ہے جب سے یہ عالم معرض وجود میں آیا اور حضور علیہ السلام ہر مخلوق کے نبی ہیں۔ اس آیت کے حوالہ سے حافظ جاوید انور اپنے مضمون "سیرت رسول قرآن کے آئینہ میں" میں رقم طراز ہیں۔

"اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جن انسان، فرشتے، حیوانات، نباتات اور دیگر اشیاء کے لئے بھی نبی ﷺ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ کہیں گے کس طرح سے معلوم ہوا کہ سید الانبیاء ہر چیز کے لئے نبی ہیں تو جواب عرض ہے کہ تقریباً تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ **ماسوا الله فهو عالم** یعنی جو چیز اللہ کے سوا ہے وہ عالم ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ خدا کے سوا ہر چیز عالم میں شامل ہے تو یہ بات خود بخود ثابت ہو گئی کہ حضور ﷺ ہر چیز کے نبی ہیں جو جسم رکھتی (مخلوق) ہے۔

(آئینہ نبوت صفحہ ۱۲۰ مرتبہ محمد منیر سیالکوٹی مطبوعہ منجانب بزم اہلال مدرسہ جامعہ سلفیہ (اہلحدیث) فیصل آباد

Marfat.com

سال اشاعت ۱۹۷۶ء)

(مسلم شریف میں ابو ہریرہ ؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ کو دیگر انبیاء پر چھ فضیلتیں دی گئیں اور ایک یہ تھی "وارسلت الی الخلق کافة کہ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔)

پس ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ ہر مخلوق کے لئے نبی اور رسول ﷺ ہیں اور جس قدر یہ عالم قدیم ہے اسی قدر آپ کی نبوت اور رسالت قدیم ہے چونکہ آپ ﷺ خود اپنی ذات کے لئے بھی نبی ﷺ اور رسول ﷺ ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ ہی کا وجود اولین تخلیق قرار پاتا ہے اور معزز و موقر ترین بھی۔

بعد از خدا بزرگ توئی ﷺ قصہ مختصر

۵۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے۔

وما ارسلنک الا کافة للناس بشیرا و نذیرولکن اکثر الناس لایعلمون (سبا ۲۸)

"اے پیغمبر! ہم نے تو آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت (اس بات سے بھی) بے علم ہے۔"

۱۔ اس قرآنی آیت میں بھی **کافة للناس** کا لفظ اسی حقیقت پر دال ہے کہ آپ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تاقیام قیامت تمام انسانوں کے لئے نبی ہیں یعنی نیکوں کے لئے بشیر اور بدوں کے لئے نذیر ہیں اس سلسلے میں مولانا شبیر احمد عثانی ؒ **ما کان محمد ابا احد من رجالکم** کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"محققین کے نزدیک تو انبیائے سابقین اپنے اپنے عہد میں بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ ہی سے مستفیض ہوتے تھے۔"

۲۔ تحذیر الناس میں ہے "آپ ﷺ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ ﷺ کی نبوت کسی کا فیض نہیں" "اور انبیاء فیض لے کر امتیوں کو پہنچاتے ہیں اور انبیاؑ میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ﷺ ہے کوئی ذاتی کمال نہیں (تحذیر الناس صفحہ ۴ مولفہ مولانا محمد قاسم نانوتوی)

۶۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **وما ارسلنک الا رحمتہ للعالمین** ہم نے تو آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔(انبیا۔۱۰۷)

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

۱ لفظ رحمت ایسا لفظ ہے جس کا استعمال نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے ہوا۔ حضور کے سوا کسی

Marfat.com

دوسرے کے لئے نہیں ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ورحمتی وسعت کل شی (اعراف ۱۵۶ یعنی میری رحمت ہر شے سے زیادہ وسیع ہے بس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالمین کے لئے رحمت بنایا گیا ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضور کی نبوت بھی جملہ عالمین کے لئے ہے

(رحمۃ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۴۰۱۔ ۴۰۲ موئفہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری۔)

۲ عالم کی تعریف **ماسوای اللہ فھو عالم** کی گئی ہے۔ اس نص قرآنی سے بھی یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کل مخلوقات کے لئے رحمت ہیں۔ جس طرح امام بھی شریک نماز ہوتا ہے اسی طرح حضور اولین مخلوق ہونے کے ساتھ ساتھ خود اپنے لئے بھی رحمت ہیں اور جملہ عالمین کے لئے بھی یہ محال ہے کہ رحمت موجود نہ ہو اور مرحوم کا وجود ہو۔ یعنی اگر حضور ہر مخلوق کے لئے باعث رحمت ہیں تو وہ مخلوق میں اولین مخلوق خود ہیں اسی لئے محققین اور علماء نے آپ ﷺ کی ذات والا صفات کو "وجہ تخلیق کائنات" کہا ہے۔

۳ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ "**انما انا رحمۃ مھداۃ للخلق** یعنی میں مخلوقات کے لئے ہدیہ رحمت ہوں (خزینہ معارف (اردو ترجمہ ابریز) از علامہ احمد بن مبارک سلجماسی" حصہ اول صفحہ ۲۶۹) مطبوعہ علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور)

۷۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (اعراف ۱۵۸)

"اے نبی ﷺ فرما دیجئے اے بنی نوع انسان بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

۱ یہاں بھی جمیع انسانوں سے خطاب ہے۔ قیامت تک آپ کی رسالت کا نافذ العمل ہونا ہر مسلمان کا عقیدہ ہے رہ گئے پچھلے زمانوں کے انسان جس طرح بعد از وفات تبلیغ کا فریضہ علمائے امت کے سپرد ہوا (کیونکہ آپ کے بعد نبی نہیں) اسی طرح قبل از ولادت شریف تبلیغ و رسالت ان انبیاء کے ذریعے انجام پذیر ہوئی جو حضور کے (ایک طرح سے) نائبین تھے اور انہوں نے جو تبلیغ فرمائی وہ (محدود طور پر سہی) اسلام ہی کی تبلیغ تھی جیسا کہ میثاق النبین (العمران ۸۱) والی آیت میں **لما اتیکم من کتاب و حکمۃ** سے ظاہر ہے کہ ان کو کتاب (قرآن جو کہ قدیم ہے) میں سے (من) کچھ حصہ (حسب ضرورت) عطا ہوا تھا۔ ساری کتاب اور حکمت (شریعت) عطا نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس وقت اس کی ضرورت نہ تھی۔ جبھی تو اس آیت میں "اس رسول" کے آنے پر بتایا گیا کہ "**مصدق لما معکم**" وہ رسول جو کچھ تعلیم الہی تمہارے پاس آچکی ہوگی (کتاب۔ قرآن میں سے) اس کی تصدیق کرے گا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ وہ تصدیق اسی صورت میں کرے گا جب وہ تعلیم اس کی کتاب میں بھی موجود ہوگی (اور قرآن ازلی ابدی ہے)

Marfat.com

چنانچہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"مجھے "سبع طوال" (سات لمبی سورتیں) تورات کی جگہ "رات اور طواسین" انجیل کی جگہ طس اور حم کے درمیان کی سورتیں زبور کی جگہ عطا ہوئیں لیکن حم اور مفصلات سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی نوازا ہے اور کسی دوسرے نبی نے ان کی تلاوت نہیں کی۔

(روح المعانی - ۲۲-۴۰ / الکشاف - ۴: ۱۸۴)

آپ نور من اللہ کتاب مبین اور روف رحیم ہیں بالمومنین
للہ و اخفض جناحک للمومنین یا رسول امین تاجدار کرم

(قدر آفاقی)

علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی جید عالم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت سورۃ یوسف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ وہ بولا **یا محمد من علمکھا** یعنی آپ ﷺ کو کس نے یہ سورہ تعلیم کی؟--- فرمایا ﷺ "اللہ تعالیٰ نے ---"

یہ سن کر یہودی متعجب ہوا اور واپس جا کر اس نے یہودی لوگوں کو بتلایا

واللہ ان محمد الیقرالقران کما انزل فی التوارۃ

"خدا کی قسم بے شک محمد ﷺ قرآن بالکل اسی طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ تورات میں نازل ہوا ہے۔"

چنانچہ یہودیوں کا ایک گروہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ کو پہچانا اور مہر نبوت کو دیکھا اور آپ ﷺ پر ایمان لے آیا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۱۱۸ از نبہانی)

سراج منیر اور نور مجسم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

یاصاحب الجمال و یا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لایمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(حافظ شیرازی م = ۷۹۱ھ)

قرآن حکیم میں چاند کو **قمرا منیرا** (فرقان - ۶۱) یعنی روشن چاند اور سورج کو، **وجعل الشمس سراجا** (نوح - ۱۶) اور سورج کو چراغ بنایا گیا۔ کے الفاظ سے اجاگر کیا گیا ہے۔ جبکہ

Marfat.com

حضرت محمد ﷺ کو **سراجا منیرا** (احزاب -۴۶) فرمایا گیا ہے۔ یعنی آپ کے انوار سے دن بھی روشن ہے اور راتیں بھی منور ہیں۔ دنیا بھی روشن اور دین بھی روشن ہے ازل بھی روشن اور ابد بھی روشن ہے زماں بھی روشن مکاں بھی روشن ہے۔ جس طرح آپ رحمتہ للعالمین ہونے کے ناطے جملہ عالموں کے لئے رحمت ہیں اسی طرح سراج منیر کے قرآنی اور ازلی ابدی ارشاد کی روشنی میں آپ ﷺ جملہ عالموں کے لئے مینارہ نور ہیں۔ جس کی ضو فشانی نہ کبھی مدھم ہوتی ہی نہ ماند پڑتی ہے۔ علمائے حق دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کو رسول ثقلین ﷺ کی نبوت کا فیض تسلیم کرتے ہیں۔ اگر نبوت ایک نور ہے تو انبیائے سابقین کو یہ نور سراجا منیرا کے فیض سے حاصل ہوا اور قیامت تک کے لئے آپ کا معنوی اور روحانی نور کفر و الحاد کے اندھیروں کو مٹاتا رہے گا اور جن وانس کے دلوں کو جگمگانے کے لئے کافی ہو گا۔

نور کا بجلی گھر جناب مولانا حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی (جو مسلکا اہلحدیث ہیں) اپنی کتاب "جمال مصطفیٰ" (صفحہ ۱۳۱۔ مطبوعہ نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور) میں "نور کا بجلی گھر" کے زیر عنوان فرماتے ہیں۔

"حضور انور ﷺ کی سراج منیری معنوی نور کا ایک بجلی گھر (پاور ہاؤس) ہے۔ اس بجلی گھر سے اقرار رسالت کے تار سے جس نے کنکشن حاصل کر لیا اس کے ایمان کا چراغ روشن ہو گیا۔ پھر کنکشن حاصل کرنے والا جتنا زیادہ اتباع سنت کرے گا حضور ﷺ کی محبت اور اطاعت میں جتنا زیادہ وارفتہ ہوتا جائے گا عمل بالحدیث اس کا اوڑھنا بچھونا ہو جائے گا۔ پاور ہاؤس سے اسے اتنی ہی زیادہ روشنی ملتی جائے گی۔ وولٹیج بڑھتا جائے گا اور بجلی کا "صارف" اپنے سفر کی منزل باسانی طے کرتا جائے گا یہاں تک کہ یہ روشنی اسے جنت الفردوس میں پہنچا دے گی۔ حضرت خاتم النبین ﷺ کے معنوی نور کا "پاور ہاؤس" حسب دستور تا نور نیرین اس جہان رنگ و بو میں نور بکھیرتا رہے گا" پھر وہ لکھتے ہیں۔

"صوری نور کا ظہور" "اوپر حضور ﷺ کے معنوی نور کا ذکر ہے۔ اب صوری نور کا حال سماعت فرمائیں۔ کہ حضور انور ﷺ کے جسم پاک سے ایسا نور بھی ظہور پذیر ہوتا تھا جو نظر آتا تھا یاد رہے کہ یہ نور مخلوق تھا۔

۱۔ پسینے سے نور نکلنے لگا حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سوت کات رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جوتے صاف کر رہے تھے۔ اسی دوران آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ جاری ہو گیا۔ اس پسینے سے نور نکلنے لگا۔ حضرت عائشہؓ یہ دیکھ کر حیران ہو گئیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ کو فرمایا "عائشہ! تو حیران کیوں ہوئی ہے؟" حضرت عائشہ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کی پیشانی سے پسینہ جاری ہوا اور اس سے نور نکلنے لگا۔ حضور ﷺ! اگر آپ کو ابو کبیر ہذلی (اس حالت میں) دیکھتا تو وہ اس شعر کا جو اس نے اپنے محبوب کے حق میں کہا تھا آپ ﷺ کو بہت زیادہ حقدار سمجھتا۔"

Marfat.com

رحمت عالم فرمایا ابو کبیر ہذلی کا کیا شعر ہے؟----- حضرت عائشہ نے وہ شعر پڑھا:

فاذا نظرت الی اساریر وجهه
برقت کبرق العارض المتهلل

یعنی جب تو (اے دیکھنے والے) اس (محبوب) کے چہرے کی لکیروں اور نشانیوں کی طرف نظر کرے تو اس طرح چمکتی ہیں جس طرح چمکنے والے بادل سے شعلہ زن بجلی جلوہ ریز ہوتی ہے۔" یہ سن کر حضور ﷺ حضرت عائشہ کی طرف کھڑے ہوئے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا اے عائشہ اللہ میری طرف سے تجھ کو جزائے خیر دے۔ جس طرح تو نے مجھے خوش کیا ہے۔ میں تجھ کو ایسا خوش نہیں کر سکا۔" (ایضاً صفحہ ۱۳۲۔ ۱۳۳ بحوالہ سنن کبریٰ بیہقی)

یہ واقعہ علامہ محمد شفیع اوکاڑوی" نے بھی ذکر جمیل (صفحہ ۷۴ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی) میں بحوالہ ابن عساکر، ابو نعیم دیلمی خطیب اور زرقانی علی المواہب ج۔ ۴ صفحہ ۲۲۵ بیان کیا ہے اور وہ شعر اس طرح دیا ہے:

واذا نظرت الی اسرة وجهه
برقت بروق العارض المتهلل

۲۔ آفتاب نکلا ہوا

حکیم صاحب فرماتے ہیں:۔

"ابی عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر سے روایت ہے۔ کہا اس نے کہ میں نے ربیع بنت معوذ بن عفراء صحابیہ" سے کہا۔

صفی لنا رسول الله صلی الله علیه وسلم قالت یا بنی لو رایته رایت شمس طالعة

"یعنی بیان کر ہمارے لئے صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہنے لگیں اے میرے بیٹے اگر دیکھتا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دیکھتا تو آفتاب کو نکلا ہوا"

(جمال مصطفیٰ صفحہ ۱۴۲ بحوالہ مشکوۃ شریف)

۳۔ دانتوں سے نور کا اخراج

"حضرت ابن عباس" روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کے دو دانت کشادہ تھے (یعنی ان دانتوں کے درمیان میں کچھ خلا تھا) جب حضور ﷺ کلام کرتے تھے تو ان کے آگے کے دانتوں سے کچھ نور کی مانند نکلتا دیکھا جاتا تھا۔ (جمال مصطفیٰ ۱۴۳ بحوالہ داری شریف)

۴۔ چہرہ انور کی شان نورانیت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

Marfat.com

کنت اخیط فسقطت منی الابرۃ فطلبتھا فلم اقدر علیھا فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتبینت الابرۃ بشعاع نور وجھہ فاخبرتہ

"میں گھر بیٹھی کچھ سی رہی تھی کہ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی پس میں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن اندھیرے کے سبب اسے پا نہ سکی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ پس آپ ﷺ کے رخ کی روشنی سے گھر روشن ہو گیا اور مجھے اس کا پتہ چل گیا۔ (میں نے سوئی کو پالیا) (ابن عساکر و خصائص کبریٰ ج۔ا صفحہ ۶۲)

(۵) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

کانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سر استنار وجھہ حتی کان قطعۃ من القمر (بخاری شریف)

"جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسرور اور خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ ایسا منور ہو جاتا کہ گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔"

(۶) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے والد شاہ عبد الرحیم کا واقعہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ! یوسف علیہ السلام کو زنان مصر نے دیکھا تو انتہائی محویت کے عالم میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور بعض لوگ ان کو دیکھ کر فوت ہو جاتے تھے۔ مگر آپ کو دیکھ کر کسی کی حالت ایسی نہیں ہوئی۔

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمالی مستور عن اعین الناس غیرۃ من اللہ عزوجل ولو ظھر لفعل الناس اکثر مما فعلوا حین راو یوسف

"تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میرا جمال اللہ عزوجل نے غیرت کی وجہ سے لوگوں کی آنکھوں سے چھپا رکھا ہے اور اگر آشکار ہو جائے تو لوگوں کا حال اس سے بھی زیادہ ہو جو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوتا تھا۔" (ذکر جمیل صفحہ ۷۸ بحوالہ در الثمین فی مبشرات النبی الامین صفحہ ۔)

(۷) علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

لم یظھر لنا تمام حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ لو ظھر لنا تمام حسنہ لما اطاقت اعیننا رویتہ صلی اللہ علیہ وسلم

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حسن و جمال ہم پر ظاہر نہیں کیا گیا کیونکہ اگر وہ پورا ظاہر کر دیا

Marfat.com

جاتا تو ہماری آنکھیں آپ ﷺ کے حسن کی تاب نہ لا سکتیں۔" (ذکر جمیل صفحہ ۷۸ از مولانا محمد شفیع اوکاڑوی مرحوم بحوالہ زرقانی علی المواہب ج۔۴ صفحہ ۷۱)

(۸) مولانا محمد قاسم نانوتوی "قصائد قاسمی میں فرماتے ہیں:

رہا جمال پہ تیرے ﷺ حجاب بشریت
نہ جانا کون ہے تو کچھ کسی نے جز ستار

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کے نزدیک بھی "سراجا منیرا" سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدس ہی ہے۔ (واضح البیان صفحہ ۳۲۹ از ابراہیم میر سیالکوٹی)

نیز آپ اپنی کتاب سیرت المصطفیٰ (ج۔۱ صفحہ ۷۰۔۷۱) میں عبد مناف کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں:

"عبد مناف کو اس کے حسن و جمال کی وجہ سے قمر البطحا (وادی بطحا کا چاند) کہتے ہیں۔ آپ بتوں کو برا جانتے تھے اور آپ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ظاہر و آشکارا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ان کے چہرے میں موتی کی طرح چمکتا تھا۔ ان کو جو شخص بھی دیکھتا ان کے ہاتھ چوم لیتا اور وہ جس شے کے پاس سے گزرتے وہ شے ان کو سجدہ کرتی اور عبد المطلب کے چہرے پر نور موتی کی طرح چمکتا تھا اور اس کے چہرے کے خد و خال سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہوتا تھا (ماخوذ از انوار محمدیہ حصہ اول ۱۵۱ از محمد ضیاء اللہ قادری)

سکھ حضرات کے گورو بابا نانک جی نور محمدی کے بارے میں فرماتے ہیں:

ہن ڈٹھا نور محمدی ہن ڈٹھا نبی رسول ﷺ
نانک قدرت دیکھ کے خودی گئی سب بھول
لکھیا وچ کتاب دے اول ایک خدائے
دوجا نور محمدی جو خاصہ یار کہائے
لکھیا وچ کتاب دے اول ایک خدا
دوجا نور محمدی ﷺ جس چانن کیتا آ

(انوار محمدیہ صفحہ ۱۶۵ بحوالہ جنم ساکھی بالا ۳۲۷)

جبرائیل کی عمر اوپر ایک حدیث میں بیان ہوئی ہے یعنی حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

كنت نورا بين يدي ربي قبل خلق آدم باربعة عشر الف مائة عام (زرقانی ج۔۱ صفحہ ۴۹)

"کہ میں آدم علیہ اسلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے ایک نور کی شکل میں اپنے اللہ کے حضور میں رہتا تھا۔"

Marfat.com

اب ایک روایت ملاحظہ ہو جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل جبریل علیہ السلام کم عمرت من السنین قال واللہ لا ادری غیر ان کوکبا فی حجاب الرابع یظہر فی کل سبعین الف سنۃ مرۃ رایتہ اثنین و سبعین الف مرۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا جبریل وعزۃ ربی انا ذالک الکوکب

"کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل سے پوچھا "تمہاری عمر کتنے سال ہے۔ جبریل نے عرض کی۔ خدا کی قسم میں تو صرف اس قدر جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ ستر ہزار سال بعد ظاہر ہوتا تھا جس کو میں نے بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے جبریل مجھے اپنے رب کی عزت کی قسم! وہ ستارہ میں ہی تھا۔

(السیرۃ حلبیہ ج۔۱ صفحہ ۴۹ جواہر البحار فی فضل نبی المختار ۷۷۶، و تفسیر روح البیان ج۔ ۳ صفحہ ۵۴۳)

پہلی روایت میں حضور کا ارشاد ہے کہ میں اللہ کے حضور میں تخلیق آدم سے ۱۴ ہزار سال سے پہلے نور کی شکل میں تھا۔ قرآن کی رو سے (حج ۴۷، سجدہ ۵) اللہ کے ہاں کا ایک دن ہماری زمین کے ہزار برس کے برابر ہے۔ تو اس لحاظ سے اگر ہم سال کے ۳۶۰ دن فرض کریں اور اللہ کے ہاں نور محمدی ﷺ کے چودہ ہزار سال کی مدت کو ارضی سالوں میں تبدیل کریں تو جواب یہ ہو گا۔

(۱۴۰۰۰ سال × ۳۶۰ دن × ۱۰۰۰ سال فی دن = ۵۰۴۰۰۰۰۰۰۰) یعنی پانچ ارب ۴ کروڑ سال

دوسری روایت میں حضور علیہ السلام نے جبرئیل سے (زمین پر) اس کی عمر سالوں میں دریافت کی تو جبرئیل نے اپنی عمر کا وہ اندازہ بیان کیا جو زمین پر رہنے والوں کے لئے مناسب تھا۔ چنانچہ اس کی عمر بھی (۷۰۰۰۰ × ۷۲۰۰۰ = ۵۰۴۰۰۰۰۰۰۰) یعنی ۵ ارب ۴ کروڑ سال بنتی ہے۔

یہ بات آج کے دور میں ڈھکی چھپی نہیں کہ سائنسدانوں کا دعویٰ ہے کہ یہ کائنات نہ صرف کروڑوں بلکہ اربوں سال پرانی ہے۔ اور یہ بات ہمارے اکثر دانشور، علماء، اور سائنسدان بلا تردد باور کئے ہوئے ہیں۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ جب نور محمدی ﷺ والی اور جبرئیل کی عمر والی روایات سنتے ہیں تو یہی ہمارے مسلمان دانشور مفکرین اور سائنسدان (الاماشاءاللہ) ان کی صحت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بعض برملا انکار بھی کرتے ہیں اور بعض ان کو جھٹلانے کے درپے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے محدثین والاکرام نے حتی المقدور بڑی ہمت اور دیانتداری سے یہ سرمایہ ہم تک پہنچایا ہے۔ اگر وہ محض اپنی عقل کے مطابق روایات کو جانچ پرکھ کر ہم تک پہنچانے کی کوشش کرتے تو ہم "ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" کے الہامی سرمایہ سے شاید بے بہرہ رہتے۔ لیکن وہ لوگ بھی انسان تھے اس لئے لغزش کا امکان بہرحال موجود ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض روایات نے

Marfat.com

راوی مختلف ہونے کی وجہ سے الفاظ حدیث مختلف ملتے ہیں اور بعض روایات ایک ہی موضوع پر مختلف اخبار سے مزین یا محروم ہوتی ہیں۔

اب اوپر والی روایات کو لیجئے۔ ان میں تطابق کا جو فارمولا استعمال کیا ہے اس میں ایک قرآنی فارمولا ہے اور دوسرا دنیاوی سالوں کے حساب سے شمار کیا گیا ہے اور نتیجہ سامنے ہے۔ پس کوشش کرنی چاہئے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے الہامی ارشادات کی تہ تک پہنچنے کو کوشش کریں۔

البتہ ایسی کوشش کو حتمی نہیں سمجھنا چاہئے واللہ اعلم بالصواب

کمزور احادیث

ہمارے جن محدثین والاکرم نے بعض ضعیف اور کمتر سند والی احادیث ہم تک پہنچائی ہیں انہوں نے خدا نخواستہ کسی بدنیتی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا بلکہ ان تک جن ذرائع سے بھی جو کچھ پہنچا اسے انہوں نے چھان پھٹک کر آپ ﷺ کے اس ارشاد "بلغوا عنی ولو ایة" کی روشنی میں امت محمدیہ تک پہنچانا اپنا فریضہ سمجھا۔ پھر انہوں نے ہر روایت کی سند جیسی کیسی کو ملی مہیا کر دی اور اس بات کا فیصلہ آنے والے وقت اور جنریشن پر چھوڑ دیا۔ کہ وہ اس بارے میں جو چاہے رائے قائم کرے لیکن اس ڈھیر میں سے کبھی کبھی بعض لعل و گوہر ڈھونڈنے والوں کو مل ہی جاتے ہیں اگرچہ بعض حضرات ان روایات کو کمزور اور غیر ثقہ کہہ کر یکسر رد کر دیتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ان کو بھی انہی "خزف پاروں" سے ہی استفادہ کرتے دیکھا اور پایا ہے۔

کائنات کی عمر

حضور علیہ السلام نے پیدائش آدمؑ سے چودہ ہزار سال پہلے اللہ کے حضور میں جس نور کی شکل میں اپنی حاضری کا بیان فرمایا ہے ممکن ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہو جب آپ ﷺ کا نور مختلف مرحلے طے کرنے کے بعد ایک کوکب کی شکل میں اللہ کے حضور میں تشریف فرما ہوا تھا اور اسی کوکب کو جبرئیل امین نے اپنی پیدائش کے بعد جو ستر ہزار سال کے بعد ظاہر ہوتا تھا بعثت رسول اکرم ﷺ تک بہتر ہزار مرتبہ دیکھا تھا۔ چنانچہ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان دونوں احادیث کی رو سے جو مدت بنتی ہے وہ یکساں ہے یعنی ۵ ارب چار کروڑ سال۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ کائنات کی عمر زمینی مہ و سال کے اعتبار سے کتنی ہے؟

اس سلسلے میں انجیل برناباس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت آدم علیہ السلام نے گذارش کی کہ "یا رب العزت! خدا بس ایک ہے اور محمد ﷺ خدا کا رسول ہے" والی نورانی تحریر کا کیا مطلب ہے کیا مجھ سے پہلے بھی کسی انسان کو پیدا کیا گیا ہے؟"

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"مرحبا میرے بندے آدمؑ! میں تجھے آگاہ کرتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جسے میں نے پیدا کیا اور جسے تو نے تحریر میں دیکھا وہ تیرا بیٹا ہے جو دنیا میں بہت زیادہ سالوں کے بعد آئے گا وہ میرا رسول ہوگا جس کی

Marfat.com

خاطر میں نے سب کچھ پیدا کیا ہے۔ جب وہ آئے گا تو دنیا کو نور بخشے گا جس کی روح میں نے ہر چیز کی پیدائش سے ساٹھ ہزار سال پہلے پیدا کر کے شان ملکوتی میں رکھی ہوئی تھی (انجیل برناباس باب ۳۹)

بعض روایات میں آیا ہے کہ نور محمدی ﷺ کی پیدائش کے بعد سب سے پہلے عرش قلم یا عقل کو پیدا کیا گیا۔ تو گویا اگر عرش قلم یا عقل سے پہلے پیدائش نور محمدی ﷺ تک کا درمیانی عرصہ ارضی سالوں میں معلوم کرنا ہو تو وہ مدت حسب ذیل ہوگی۔

اللہ کے ہاں سال = ۶۰۰۰۰

اللہ کا ایک دن جتنے ارضی سالوں کے برابر ہے = ایک ہزار سال

فی سال ۳۶۰ دن کے حساب ساٹھ ہزار سالوں کے کل دن = ۶۰۰۰۰ × ۳۶۰ = ۲۱۶۰۰۰۰۰ = دو کروڑ سولہ لاکھ اللہ کے ہاں کے دنوں کے ارضی سالوں میں کل مدت۔ ۲۱۶۰۰۰۰۰ × ۱۰۰۰

(ارضی سال) = ۲۱۶۰۰۰۰۰۰۰۰

یعنی ایکس ارب ساٹھ کروڑ (زمینی) سال پہلے نور محمدی ﷺ کی تخلیق ہوئی پھر قلم یا عقل وغیرہ کو پیدا کیا گیا اور کروڑوں اربوں سالوں تک مختلف اشیاء کی پیدائش کا سلسلہ جاری رہا اس سے ثابت ہوا کہ یہ کائنات اربوں کھربوں سال پہلے اول اول نور محمدی ﷺ کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی اور بعد ازاں مشیت ایزدی کے تحت اس کو وسعت دی جاتی رہی۔ یہ جو سائنسدان حضرات کائنات کو اربوں کھربوں سال پرانی بتاتے ہیں وہ کچھ غلط نہیں کہتے۔ جس کی تصدیق مندرجہ بالا الہامی اور آسمانی حوالہ جات سے بھی ہوتی ہے۔

اس بارے میں اخبارات میں خبریں بھی آتی رہتی ہیں۔

مثلاً (اپ ا) کی جاری کردہ خبر کے مطابق لندن میں سات کروڑ سال پرانا ڈائنوسار کا پتھرایا ہوا انڈہ ۵۵۰۰ پونڈ (۱۰۴۴۴ امریکی ڈالرز) میں نیلام ہوا۔

پوری خبر اس طرح ہے:۔

سات کروڑ سال پرانے ڈائنوسار کے انڈے کی نیلامی

لندن (اپ ا) سات کروڑ سال پرانا ڈائنوسار کا ایک پتھرایا ہوا انڈا لندن میں ۵۵۰۰ پاؤنڈز (۱۰۴۴۴ امریکی ڈالر) میں نیلام ہوا۔ نیلام گھر کے مالک کرسٹی کا کہنا ہے کہ بھورے رنگ کا یہ ٹھوس انڈا جو ایسٹر کے چاکلیٹ سے بنے انڈے جیسا ہے پہلا پتھرایا ہوا انڈا ہے جو نیلام کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ کرسٹی نے مزید بتایا کہ یہ ٹوٹ سکتا ہے لیکن اگر اسے احتیاط سے رکھا جائے تو یہ اگلے سات کروڑ سال تک محفوظ رہ سکتا ہے۔ ادھر نیچرل ہسٹری میوزیم کے ماہرین نے بتایا ہے کہ یہ انڈا ممکنہ طور پر سوروپوڈ ڈائنوسار جس کا نام ہپسلو سورس تھا کا ہے جو اپنے وقت میں دنیا میں پائے جانے والا سب سے بڑا زمینی جانور تھا۔ اس کا وزن ۱۰۰ ٹن سے زائد تھا اور اس کی چار ٹانگیں تھیں اور یہ سبزی خور جانور تھا۔ نیلام ہونے والا یہ انڈا جنوبی فرانس کے علاقے سینٹ وکٹوری سے دریافت ہوا تھا۔

Marfat.com

(نوائے وقت لاہور مورخہ ۴ جولائی ۱۹۹۴ء)

اسی طرح نظام شمسی سے متعلق تمام اخبارات میں ایک خبر جولائی ۱۹۹۴ء میں آتی رہی۔ جو دمدار ستارے اور مشتری کے ٹکراؤ کے بارے میں روزنامہ نوائے وقت لاہور میں بھی شائع ہوئی جس میں دمدار ستارے کے ساڑھے چار ارب سال سے کائنات میں بھٹکتے پھرنے کا ذکر ہے خبر ملاحظہ ہو:

مشتری اور دمدار ستارے کا ٹکراؤ ○ پاکستانی بھی دیکھیں گے

سپارکو کے سون میانی مرکز میں ۱۴ سے ۲۱ جولائی تک طاقتور دوربین سے مشاہدہ ہو گا
۲۱ ٹکڑے مشتری سے ٹکرائیں گے بڑے ٹکرے کے ٹکرانے سے ۲۰ میگاٹن قوت کا دھماکہ ہو گا
زیادہ گرد و غبار اٹھا اور روشنی ہوئی تو منظر آنکھوں سے بھی دیکھا جا سکے گا۔

کراچی (بجل لغاری) سپارکو نے مشتری سے دمدار سیارے کا بڑا ٹکڑا "شومیکر لیوی ۹" ٹکرانے کا منظر دیکھنے کے لئے خصوصی انتظامات کئے ہیں اور سون میانی میں ۱۴ سے ۲۱ جولائی تک طاقتور دوربین کے ذریعے ٹکرانے کے عمل کا مشاہدہ کیا جائے گا۔ سیارے کے ٹکرانے سے بیس میگاٹن کے برابر دھماکہ اور گونج ہو گی۔ مگر اس کا زمین پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مذکورہ دمدار سیارہ ساڑھے چار ارب سال سے کائنات میں بھٹک رہا تھا۔ وہ ۱۹۹۲ء میں مشتری سے ۲۵ ہزار کلومیٹر کے فاصلے سے گزرا تھا مگر مشتری کی کشش ثقل کے باعث اس کے ۲۱ ٹکڑے ہو گئے تھے۔ مشتری زمین سے گیارہ گنا بڑا ہے اور وہ سورج کی طرح اپنی کشش ثقل کے باعث دمدار ستاروں کو اپنے محور میں مقید کر لیتا ہے۔ مذکورہ دمدار سیارے کے ٹکڑے اپنے مدار میں چکر کاٹنے کے بعد ۱۴ سے ۲۱ جولائی تک مشتری کے قریب آئیں گے اور اپنا وزن کم ہونے اور مشتری کی کشش ثقل زیادہ ہونے کے باعث اس سے ٹکرائیں گے۔ اس منظر کا مشاہدہ جزیرہ ہوائی میں دنیا کی سب سے بڑی دوربین "موناکیا" کے ذریعے کیا جائے گا۔ تاہم پاکستان میں سپارکو نے بھی ایک طاقتور دوربین کے ذریعے اس کے مشاہدے کا انتظام کیا ہے۔ اس سلسلے میں سپارکو کے رکن خلائی تحقیق ڈاکٹر اسحاق مرزا نے بتایا ہے کہ ٹکرانے کے عمل کو زمین سے دیکھنا ممکن نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ زمین کے دوسری طرف ہو گا۔ تاہم سیارہ ٹکرانے سے زیادہ گرد و غبار اور روشنی ہو گی تو اس کو دیکھنا اور اس کی تصویر کشی ممکن ہو سکے گی۔ دمدار سیارہ گرم ہوتا ہے جبکہ اس کی دم برف کی طرح ٹھنڈی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ برف کی طرح ٹوٹ کر ۲۱ حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ جبکہ مشتری گیسوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں ۹۰ فیصد ہائیڈروجن اور ۱۰ فیصد ہیلیم گیس ہے۔ مگر زیادہ بڑے ہونے اور کشش ثقل کے باعث اس کے اپنے ۲۱ چاند ہیں۔ مشتری کا فاصلہ زمین سے سورج کے مقابلے میں ۵ عشاریہ ۲ گنا زیادہ ہے۔ اس کا قطر زمین کے قطر سے ۱۱ عشاریہ ۲۳ گنا زیادہ ہے۔ اس کی روشنی ۳۵ منٹ میں زمین پر پہنچتی ہے اور روشنی کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے مشتری کی سرخ آنکھ زمین سے طاقتور دوربین کے ذریعے دیکھی جا سکتی

Marfat.com

ہے۔ مشتری نظام شمسی کا سب سے بڑا اور زمین کا قریب ترین سیارہ ہے اور وہ ۹ گھنٹے ۵۰ منٹ میں اپنے محور پر چکر مکمل کرتا ہے۔ دمدار سیارے کا ۲۱ واں ٹکڑا سب سے بڑا ہے۔ اس کا قطر ۴ کلومیٹر اور اس کا نام "شومیکر لیوی ۹" رکھا گیا ہے۔ مشتری سے شومیکر کے ٹکرانے کا عمل بالکل اس طرح ہے جس طرح ہاتھ سے مکھی ٹکرا جائے۔

(بحوالہ نوائے وقت لاہور مورخہ جولائی ۱۹۹۴ء)

Marfat.com

جنات کی پیدائش

نور محمدی ﷺ کے واسطے سے زمین، آسمان، فرشتے اور عرش و کرسی وغیرہ کی پیدائش کے بعد جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لئے پیدا فرمایا اور جس کو مکلف ٹھہرا کر عذاب و ثواب کا وعدہ دیا وہ جنات تھے۔ قرآن مجید میں آیا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون و الجان خلقنہ من قبل من نار السموم

"اور ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے اور جنوں کو اس سے بھی پہلے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا۔ (الحجر۔۲۶-۲۷)

اس سے ثابت ہوا کہ جنات کو آدمؑ سے پہلے پیدا فرمایا تھا اور ارشاد باری ہے وما خلقت الجن و الانس الا یعبدون (ذاریات-۵۶) یعنی میں جنوں اور انسانوں کو تو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس آیت میں بھی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن، انسانوں سے پہلے پیدا کر کے مکلف ٹھہرائے گئے تھے جنات کی تخلیق (بے دھوئیں کی) دہکتی ہوئی آگ سے ہوئی۔ اور آگ کے جوہر سے جنات کا مورث اعلیٰ جس کا نام "جان" تھا وجود میں لایا گیا اور ان کو زمین پر رہنے کا حکم ہوا۔

جنات کا مورث اعلیٰ

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جنات کا مورث اعلیٰ جس کا نام "سوما" اور لقب جان تھا پہلا جن تھا۔ ابو عیسیٰ اصفہانی کی روایت کے مطابق اس کا نام طارنوس تھا۔ چنانچہ جب اس کی نسل بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اتباع شریعت کا مکلف اور ذمہ دار ٹھہرایا۔ جسے ان سب نے منظور کیا اور حکم الٰہی کی تعمیل کی اور اس طرح ان کی زندگی عیش و آرام سے گزرتی رہی۔ حتیٰ کہ ثوابت (جس کی مدت بقول بعض تریسٹھ ہزار سال ہے بعض کے نزدیک پچیس ہزار دو سو سال اور یحییٰ مغربیؒ کے بقول چوبیس ہزار سال ہے) کا ایک دور مکمل ہوا پھر ان کی فطرت آتشی ہونے کی وجہ سے ان کی فطری جبلت یعنی ظلم و سرکشی اور نافرمانی عود کر آئی اور ان کی وجہ سے زمین پر فساد اور ظلم استبداد کا دور دورہ ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے اپنے پیغمبر بھیجے اور اتمام حجت کے بعد مختلف سزائیں دے کر ان کو ہلاک کر دیا لیکن ان میں سے کچھ جنات جو کمزور و ناتواں تھے راہ حق پر قائم چلے آرہے تھے چنانچہ وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کے لئے "حلیانیس" نامی جن کو ان کا سردار مقرر فرمایا اور ان کو اسلامی احکام کی پابندی کا حکم ملا۔ چنانچہ یہ لوگ اللہ کی عبادت کرتے

Marfat.com

رہے حتیٰ کہ دوسرا دور ثوابت مکمل ہوا۔ اب ان متبعین کی اولاد نے بھی بتقاضائے جبلت سرکشی اور نافرمانی کا راستہ اپنایا اور اتمام حجت کے بعد ان کو بھی ہلاکت سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن ان میں سے ایک جماعت حسب سابق راہ حق پر کاربند رہی جو ہلاکت سے محفوظ رہی۔ چنانچہ ان کی اصلاح و تربیت کے لئے ایک جن "بلمقات" کو ان پر حاکم مقرر کیا گیا اور اس طرح ثوابت کا تیسرا دور مکمل ہوا پھر ان کی نسل بھی سرکشی کا شکار ہو کر تباہ ہوئی اور ایک چھوٹی سی جماعت راہ حق پر ہونے کی وجہ سے عذاب الٰہی سے محفوظ رہی۔ جس کی اصلاح و تبلیغ کے لئے "ہاموس" نامی جن کو ان پر سردار مقرر کیا گیا جس نے اپنی قوم کو احکام شریعت کے مطابق زندگیاں گزارنے کا سبق دیا اور ثوابت کا یہ دور بھی مکمل ہو گیا۔ چنانچہ ہاموس کی وفات کے بعد اسکی قوم ظلم اور سرکشی میں مبتلا ہو گئی جن کی اصلاح کے لئے انہی میں سے رسول بھیجے گئے مگر ان لوگوں نے ان کی ایک نہ سنی اور ثوابت کا چوتھا دور بھی مکمل ہو گیا اب اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت و حکمت کے تحت زمین پر نیا نظام لانے کا ارادہ فرمایا چنانچہ زمین پر موجود جنات کو سزا دینے کے لئے فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی فرشتوں نے آسمانوں سے اترنے کے بعد جنات میں سے بعض کو ہلاک کر دیا۔ بعض جنگلوں میں منتشر ہو گئے جب کہ بہت سے جزائر میں بکھر کر رہ گئے۔ بعض گرفتار کر لئے گئے۔ ان گرفتار شدگان میں ایک باصلاحیت شخصیت عزازیل کی تھی

(معارج النبوت جلد اول از ملا واعظ کاشفی (اردو ترجمہ) صفحہ ۳۶۸ تا ۳۷۰ مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور۔)

عزازیل یا ابلیس کا اعزاز

کہتے ہیں کہ عزازیل کے باپ کا نام خبلیث (جس کی شکل شیر جیسی تھی) اور ماں کا نام نبلیت (جس کی شکل بھیڑیئے کی مانند تھی) تھا۔ فرشتے اس جن زادہ کو اسیر کر کے آسمان پر لے گئے وہیں اس کی نشوونما ہوئی اور ترقی کے مدارج طے کر کے آخر یہ فرشتوں کا معلم بنا دیا گیا۔

ایک اور روایت کے مطابق ابلیس اپنی قوم سے الگ تھلگ ہو کر عبادت الٰہی میں مصروف رہتا تھا۔ چنانچہ اس کی کثرت عبادت سے متاثر ہو کر آسمان اول کے فرشتوں نے اس کے درجات کی بلندی کی دعا کی جو منظور ہوئی اور اس طرح وہ ترقی کرتا ہوا آخر معلم الملکوت بنا دیا گیا شیخ فرید الدین عطارؒ کے مطابق ابلیس نے زمین کے ہر طبقے پر ہزاروں سال عبادت کی اور اس کے صلہ میں اللہ نے اسے دو زمردین پر عطا کئے جن سے اڑ کر وہ آسمان اول پر آ کر ہزار سال تک مصروف عبادت رہا۔ جہاں اس کا نام زاہد مشہور ہوا پھر ترقی کر کے وہ دوسرے آسمان پر ہزار برس مصروف عبادت رہا اور عابد کہلایا تیسرے آسمان پر بھی ہزار سال عبادت کی اور "راکع" کہلایا۔ اسی طرح ترقی کرتا ہوا وہ ساتوں آسمانوں سے اوپر در جنت پر پہنچا جہاں رضوان جنت نے اللہ تعالیٰ سے اجازت لے کر اسے بہشت میں داخل کیا۔ یہاں بھی عزازیل مشغول عبادت رہتا تھا اور فرشتوں کی تربیت اس کے سپرد کی گئی۔ چنانچہ جب وہ وعظ کہتا تو ایک ایسے زمردین تخت پر بیٹھ کر کہتا جو عرش مجید کے پائے کے نیچے بچھایا گیا تھا اور اس کی مجلس میں فرشتوں کی تعداد کا علم اللہ کو ہی

Marfat.com

ہے۔

عزازیل بطور مبلغ وہ جنات جو جزائر اور جنگلوں میں بھاگ گئے تھے زمین پر پھر سے آباد ہو گئے اور سرکشی میں بہت آگے نکل گئے ان کی حالت عزازیل سے برداشت نہ ہوئی۔ پس اس نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی۔ کہ وہ اسے ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے زمین پر جانے کی اجازت دے۔ جو اسے مل گئی اور وہ فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ زمین پر مبلغ بن کر رہنے لگا۔ لیکن جناتی ذریت راہ پر نہ آئی۔ آخر عزازیل نے سملوطلیت نامی جن کو جس کے باپ کا نام بلاہت تھا ان کی ہدایت واصلاح کے لئے مقرر کر کے ان کے پاس بھیجا لیکن نتیجہ اب بھی وہی رہا۔ حتی کہ انہوں نے اس سفیر اور مبلغ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد عزازیل نے کچھ اور سفیر بھی بھیجے اور ان کا بھی وہی حشر ہوا حتی کہ ایک قاصد یوسف بن یاسف کو بھیجا گیا۔ اس نے بہت کوشش کی مگر قوم جنات طغیانی اور سرکشی سے باز نہ آئی۔ بلکہ اس کو بھی قتل کرنے کے درپے ہوئی۔ لیکن وہ حسن تدبیر سے کسی طرح بچ کر عزازیل کے پاس پہنچ گیا اور اسے حالات سے مطلع کیا۔

انعام خداوندی اور غرور اب عزازیل نے فرشتوں سے مل کر زمین پر آباد جنات میں سے بہتوں کو ہلاک کیا اور بقیہ کو اطراف واکناف میں منتشر کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عزازیل کو تمام روئے زمین اور آسمان دنیا کی خلافت اور جنت کی کنجیاں سپرد فرما دیں۔ اب عزازیل کبھی زمین پر عبادت گزار ہوتا کبھی آسمانوں پر اور کبھی جنت میں اور اس طرح اسے یہ خیال ہوا کہ وہ اللہ کے بعد مقتدر اعلیٰ ہے۔ اس کے دل میں یہ خیال خام بس گیا کہ (نعوذ باللہ) اگر خداوند قدوس کو کچھ ہو جائے تو وہی اس کا قائم مقام ہو گا اور زمین اور آسمانوں میں اسی کا اقتدار ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد وہی واحد شخصیت ہے جو اس منصب اور کام کی اہل ہے۔ اس نے یہ بھی خیال کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ ذمہ داری (نیابت) کسی اور کے سپرد کرے گا تو میں ضرور مزاحمت کروں گا کیونکہ اس سلسلے میں میرا کوئی ثانی اور ہمسر نہیں ہے۔

غرور کی سزا ان ہی دنوں فرشتوں نے لوح محفوظ پر دیکھا کہ اللہ کا ایک معتبر بندہ عنقریب بارگاہ رب العزت سے پھنکارا جائے گا جس پر ہمیشہ لعنت کی جایا کرے گی۔ جس سے وہ بہت افسردہ ہوئے عزازیل ان سے افسردگی کی وجہ معلوم کر کے بولا کہ یہ بات تو مجھے بہت پہلے سے معلوم ہے مگر میں خاموش اس لئے رہا کہ اس نوشت سے میرا اور تمہارا کوئی تعلق نہ ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ پھر بھی آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس لعنت سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ عزازیل نے دعا کی **اللھم آمنھم** یعنی یا الٰہی! ان (فرشتوں) کو اس بلا سے محفوظ رکھ۔ لیکن اس نے اپنے لئے دعا کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ وہ خود کو تو اللہ تعالیٰ کا قائم مقام سمجھتا تھا۔

روایت ہے کہ ایک دن جنت میں عزازیل نے لوح محفوظ والی مذکورہ بالا عبارت دیکھی اور اللہ کی عبادت کی انتہا کر دی اور اس معتوب لعنت بھی بھیجتا رہا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے اعوذ

Marfat.com

بااللہ من الشیطن الرجیم لکھا دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے اس کی بابت پوچھا اللہ نے کہا وہ ہمارا ایک بندہ ہے جو انعامات اور نوازشوں کے باوجود ہماری نافرمانی کرے گا اور ذلیل و رسوا ہو گا۔ عزازیل نے اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تاکہ وہ اسے ہلاک کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عنقریب تو اسے دیکھے گا۔ لیکن اس نے اپنے اندر کبھی نہ جھانکا اور اپنے حق میں دعا کرنا بھی گوارا نہ کیا اور آخر وہی مردود اور لعنتی ٹھہرایا گیا۔

تجدید نظام

مورخین نے لکھا ہے کہ عزازیل اپنے متبعین کے ساتھ رہتا تھا جو خطہ زمین پر مقیم تھے اور اپنی زندگی پر مطمئن تھے اور یہ یقین کر چکے تھے کہ اب ارضی خلافت انہی کے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہے گی لیکن ان کے اس زعم کو توڑنے کے لئے بارگاہ خداوندی سے فرشتوں کی مجلس میں اعلان ہوا انی جاعل فی الارض خلیفہ (بقرہ=۳۰) یعنی میں زمین پر اپنا نائب مقرر کرنے والا ہوں یہ اعلان فرشتوں نے سنا۔ تو خیال کیا کہ شاید نئی مخلوق بھی جنات و شیاطین کی طرح مفسد و سرکش ہو گی لہٰذا انہوں نے اپنی تشویش ظاہر کی اور عرض کیا "اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدما و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک یعنی اے اللہ کیا تو ایسے لوگوں کو زمین میں نائب بنائے گا جو اس میں فساد پیدا کریں گے اور خون ریزی کریں گے.....؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا انی اعلم مالا تعلمون یعنی تمہیں کیا خبر کہ اس میں کیا کیا حکمتیں ہیں۔ جبکہ عزازیل بالکل خاموش رہا۔ اس نے سوال جواب میں کوئی حصہ نہ لیا

(معارج النبوت جلد اول (اردو ترجمہ) صفحہ ۲۷۰ تا ۲۷۶)

طبری نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ ابلیس کا اصل نام الحارث تھا اور رحمت خداوندی سے مایوس ہونے کی وجہ سے وہ ابلیس کہلایا۔

جنات اور مختلف نظریات

قرآن حکیم میں جنات کا ذکر کئی طرح آیا ہے اور قرآن سے ہی یہ ثابت ہے کہ زمین پر جس مخلوق کو شریعت الٰہی کا مکلف بنا کر پہلے پہل بھیجا گیا وہ جنات ہی تھے ہمارے آج کے بعض جدید تعلیم یافتہ حضرات جنات کو ایک وہمی مخلوق خیال کرتے ہیں اور ان کے وجود کا مطلق انکار کر دیتے ہیں حالانکہ قرآنی اصطلاح میں جنات ایک غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) مخلوق ہے۔ جس کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

لسان العرب بزیل مادہ "جن" نیز مفردات راغب بذیل مادہ جن

(۱) اخیار (۲) اشرار (۳) اوساط اور اسلامی عقائد میں جنات کا وجود متفقہ طور پر مانا جاتا ہے۔ بیضاوی نے انوار التنزیل میں بیان کیا کہ یہ مخلوق عقل رکھتی ہے اور نجات ابدی حاصل کر سکتی ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ انسانوں کے ساتھ ساتھ جنات کے لئے بھی مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ سورۃ کہف (آیت ۵۰) میں ہے کہ ابلیس بھی جنات میں سے تھا۔

ہمارے بعض علماء جنات کی چار قسمیں بتاتے ہیں۔

Marfat.com

(بحوالہ مصباح الفرقان فی لغات القرآن صفحہ ۸۵ مطبوعہ دہلی ۱۳۵۷ھ از عنایت علی۔)

(۱) ہوائی مخلوق بغیر جسم کے۔

(۲) سانپوں کی طرح کی مخلوق۔

(۳) ایسی مخلوق جو بنی نوع انسان کی طرح شریعت اسلامی کی مکلف ہے اور سزا و جزا کی مستحق ہو گی۔

(۴) وحشی جانوروں کی سی شکل و شباہت رکھنے والی مخلوق۔

مفسرین نے قرآن مجید کی ان آیات کی بناء پر جن میں یہ لفظ آیا ہے اس مخلوق کے متعلق بہت سے تصورات مرتب کئے ہیں۔

بیضاوی کے مطابق یہ بخار یا آگ سے بنی ہوئی ذوی العقول ہمارے حواس سے غیر محسوس مختلف شکلوں میں ظاہر ہونے والی اور بڑے بڑے دشوار کاموں کو انجام دینے کے قابل قوی تر ایک مخلوق ہے۔ ارشاد باری کے مطابق جنات اور ان کے ساتھ کی دوسری ذی عقول ہستیوں کو مٹی اور نور سے تخلیق کیا گیا۔ (۱۵:۵۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے بھی اسی طرح مبعوث ہوئے جس طرح انسانوں کے لئے۔ ان میں سے کچھ جنات جنت میں داخل ہوں گے اور کچھ دوزخ میں جائیں گے نیز ابلیس بھی جنات میں سے تھا (۱۸:۵۰) ابلیس نے نص قطعی کی رو سے خود تسلیم کیا کہ آدمؑ مٹی سے اور وہ آگ سے پیدا کیا گیا تھا (اعراف: ۱۲ ص: ۷۷) اللہ نے جنات کو آگ کے بھڑکتے شعلے سے پیدا کیا۔ (الحجر: ۲۷) متکلمین اور مفسرین کے نزدیک ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا بلکہ جنات میں سے تھا۔ شیعہ علماء کی اکثریت بھی اسی نظریے کی موید ہے کہ وہ ملائکہ میں سے نہ تھا۔ بلکہ ملائکہ سے مخلوط تھا اور ظاہر میں انہی کے ساتھ تھا جب کبھی فرشتوں کو خطاب ہوتا تو وہ بھی متوجہ ہو جاتا تھا۔ امام جعفر صادقؒ کا قول ہے کہ ملائکہ یہ گمان کرتے تھے کہ ابلیس ہم میں سے ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ابلیس ان میں سے نہیں ہے۔ چنانچہ جب ابلیس کو سجدہ آدم کا حکم ہوا تو اس سے وہی صادر ہوا جو صادر ہوا۔ (حیات القلوب لکھنؤ ۱۲۹۸ھ از محمد باقر مجلسی صفحہ ۶۹-۷۰)

کفار مکہ کا دعویٰ تھا کہ جنات اور اللہ کے درمیان نسب (رشتہ) ہے (۳۷:۱۵۸) اور وہ انہیں اللہ تعالیٰ کا مصاحب گردانتے تھے (۶:۱۰۰) جنات سے انسانوں کا مدد طلب کرنا اور ان سے ایک دوسرے کے تعلقات کا ذکر سورہ انعام (آیت-۱۲۸) اور سورۃ جن (آیت ۶) میں ملتا ہے۔ اسلامی عقائد میں یہ ایک مستقل مخلوق ہے۔ معتزلہ میں سے بھی چند حضرات نے ہی جنات کے وجود میں شک کرنے کی جرأت کی ہے۔ انہوں نے بھی جنوں کی ماہیت اور مادی دنیا پر ان کے اثرات کی بابت مختلف نظریئے قائم کئے ہیں۔ اہل فلسفہ میں متقدمین نے حتیٰ کہ الفارابی نے بھی جنات کی مبہم تعریفیں کی ہیں۔ لیکن ابن سینا نے لفظ جن کی تعریف کر کے صاف صاف کہہ دیا کہ جنوں کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ بعد کے فلسفیوں نے جو جنات کے وجود میں یقین رکھتے تھے ان کی کچھ مفسرانہ اور کچھ مابعد الطبیعاتی قسم کی تاویلیں کیں۔ مثلاً علامہ ابن

Marfat.com

خلدون نے قرآنی آیات جن میں جنات کا ذکر ہے ان کو متشابہات میں شامل کیا ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے (۳:۷) مصریوں کا اعتقاد ہے کہ مظلوم مقتول عفریت بن جاتا ہے اور ہمیشہ اپنے مقتل پر منڈلاتا رہتا ہے۔ کشاف اصطلاحات الفنون (۱:۲۶۵) کے مطابق کبیرہ گناہ کی حالت میں مرنے والا انسان بھی عالم برزخ میں جن بن جاتا ہے۔

(بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ صفحہ ۴۶۲)

عوام اور جنات

خیال کیا جاتا ہے کہ جنات میں نر اور مادہ دونوں صنفیں موجود ہیں اور یہ باہم مل کر رہتے ہیں۔ ان کا ایک سردار یا بادشاہ بھی ہوتا ہے۔ ان کی سب سرگرمیاں رات کے وقت ہوتی ہیں اور صبح کی اذان یا مرغ کی اذان کی ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں روایات قصے کہانیوں اور مافوق الفطرت افسانوں میں بتایا گیا ہے کہ یہ عموماً تفریح یا دل لگی کے لئے صرف رات کے وقت ویران جگہوں، حماموں، کھنڈرات، اجاڑ گھروں، مقبروں، خالی مسافر خانوں وغیرہ میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی انسانی سکونت گاہوں اور مہمان خانوں میں بھی اکٹھے ہوتے ہیں۔ ترکی کی اساطیر کے مطابق سمندری جنات کے بادشاہ کا صدر مقام باسفورس میں لینڈر کے ٹاور (Leander's Tower) کے قریب ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ جن آدمیوں کے سامنے "کالی بلی" بکرا (بچہ یا نر بکرا) کالا کتا، بطخ، چوزوں والی مرغی، بھینس، گدھا، لومڑی وغیرہ کی شکلوں میں آتے ہیں اور اگر آدمیوں کی شکل میں آئیں تو یہ کبھی بونے بن کر اور کبھی کئی گز لمبے انسان کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ ترکی کے حبشی جو جن بھوت اتارنے کے لئے مشہور ہیں اس بات کے مدعی ہیں کہ جنات اکثر سانپ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ایسی صورت میں بھیڑیئے اور پرندے ہی ایسی مخلوق ہیں جن کے حملوں سے جنات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

(بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ صفحہ ۴۶۳۔ ۴۶۴)

خصائص کبریٰ کی بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور پر ایمان لانے والے نو جنات میں سے آخری ایک جن نے سانپ کی شکل میں وفات پائی۔ ایک جن جو حضور علیہ السلام پر آپ ﷺ کی بعثت سے چار سو سال پہلے ایمان لایا تھا اس نے بھی سانپ کی شکل میں وفات پائی (خصائص کبریٰ جلد اول (اردو) صفحہ ۲۷۳)

عرب میں اسلام سے قبل "جن" صحراؤں اور جنگلوں اور دور دراز پہاڑوں کے باسی بھوت اور پریاں سمجھے جاتے تھے اور طبعی زندگی کے اس پہلو کی نمائندگی کرتے تھے جن پر انسانوں کا اب تک تصرف نہ ہو سکا تھا اور یہ مخلوق انسانوں کی شکل خیال کی جاتی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے بھائی اور حضرت ابو طالب کے بیٹے طالب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو کوئی شرارتی جن (عفریت) اٹھا کر لے گیا تھا اور پھر ان کا کبھی کوئی سراغ نہ مل سکا

(سیرۃ النبی جلد ۴ صفحہ ۲۶۱ از سید سلیمان ندوی)

داستان الف لیلہ کے پہلے حصہ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض جن اپنے خبث نفس کے باعث کسی

Marfat.com

انسان کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اسے زیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن بعض اوقات اپنے شکار (انسان) کی شکل بندر یا کتا کی سی بنا دیتے ہیں۔ اور اگر چاہیں تو اسے واپس اصل شکل میں بھی لے آتے ہیں۔ بعض نیک جن اپنے ہم جنسوں کے خلاف ہو کر آسیب زدہ انسانوں کی مدد بھی کرتے ہیں اور ان کو جنات کے اثر سے بچنے کے طور طریقے بھی سکھاتے ہیں۔ اس کے برخلاف بعض آدمی بھی منتر اور ورد وظیفہ کے ذریعے کسی جن کو مسخر کر لیتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی سعی کرتے ہیں۔

بعض جنات انسانوں کو مختلف بیماریوں مثلاً لقوہ، فالج یا تشنج وغیرہ میں مبتلا کر کے انتقام لیتے ہیں۔ بعض اوقات وہ گھریلو زندگی میں دخیل ہو کر مرد اور عورت کے عروسی تعلقات ختم کرا دیتے ہیں اور یہ حادثے ایسے نوجوان لڑکوں یا لڑکیوں کو پیش آتے ہیں جنہوں نے کسی جن کو کسی طرح (انجانے میں سہی) ستایا ہو۔ یا جن کے ساتھ کسی نر یا مادہ جن کو عشق ہو گیا ہو اور اس نے اسے اپنا جوڑ قرار دے لیا ہو۔ یہ بات کہ جن حضرات و خواتین، انسان حضرات و خواتین کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر سکتے ہیں یا نہیں قرآن حکیم کے ایک ارشاد سے واضح ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: **لم یطمثھن انس قبلھم و لا جان** یعنی حوروں (جنتی خواتین) کو ازیں پیشتر نہ کسی انسان نے چھوا اور نہ جن نے یہ قرآنی یقین دہانی دلالت کرتی ہے کہ عرب لوگ جنات کی انسان خواتین پر زیادتی کو درست تسلیم کرتے تھے۔

ایک روایت

ابن سعد ابو نعیم نے زہری سے روایت کی ہے کہ حضور کی بعثت سے پہلے جن آسمانوں پر بارگاہ خداوندی کی باتیں سننے کے لئے جاتے تھے لیکن حضور ﷺ کی بعثت کے بعد ان کو روک دیا گیا۔ بنی اسد میں ایک عورت "سعیرہ" تھی جس کی دوستی ایک جن سے تھی۔ (اور ان میں جنسی تعلقات بھی تھے) جب اس جن نے دیکھا کہ اللہ کی باتیں سننے کی طاقت ختم ہو گئی ہے تو وہ "سعیرہ" کے پاس آیا اور اس کے سینے میں داخل ہو کر چیختے ہوئے بولا "اب باہم معانقہ موقوف ہو گیا اور تلواریں بلند ہو گئیں اور ایسا امر الٰہی آیا ہے کہ اس کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔ احمد ﷺ نے زنا کو حرام قرار دے دیا ہے

(خصائص کبریٰ جلد اول (اردو ترجمہ) صفحہ ۲۱۰ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

اس روایت سے بھی جنات (نر یا مادہ) کو انسانوں سے عشق و تعلق ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ملکہ سبا "بلقیس" کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ کسی جن (نر یا مادہ) کی بیٹی ہے اور اس کا (باپ یا ماں) انسان تھا۔ اور حضرت سلیمان کے محل میں شیشے کا ایسا فرش جو بہتے پانی کی طرح لگتا تھا اسی لئے بچھایا گیا تھا تاکہ اس کی پنڈلیوں کو دیکھا جا سکے کہ واقعی اس کے والدین میں سے کوئی جن تھا یا نہیں کیونکہ اس صورت میں اس کی پنڈلیوں پر بڑے بڑے بالوں کا ہونا باور کیا جاتا تھا۔ (قرآن: نمل: ۴۴)

اور یہ بات جنات نے حضرت سلیمان کو بلقیس سے شادی کرنے سے باز رکھنے کی خاطر بتائی کہ مبادا انہیں سلیمان کے بیٹے کا بھی مطیع ہو کر نہ رہنا پڑ جائے جو بلقیس کے بطن سے ہو قرآن میں "جن" نامی ایک سورۃ نازل ہوئی۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ جنات میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی۔ نیز ان میں سے جو

Marfat.com

قرآن مجید کی تعلیمات سے روگردانی اور کنارہ کشی کریں گے ان کو عذاب ہو گا۔ اس سورۃ میں توحید و رسالت پر ایمان لانے اور شرک سے بیزاری کا ذکر بھی ملتا ہے اور یہ کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا تو اس میں شک نہیں کیا بلکہ اس پر ایمان لائی۔ امام فخرالدین رازی کہتے ہیں کہ سورۃ جنکا نزول اس پر دال ہے کہ امت مسلمہ کو معلوم ہو جائے کہ انسانوں کی طرح حضور ﷺ جنات کے بھی نبی اور رسول ہیں۔ اسی لئے حضور کو رسول الثقلین کہا گیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ اور جنات

امام ابن کثیر کے مطابق اول مرتبہ سات یا نو جنات نے مقام نخلہ میں اتفاقاً حضور علیہ السلام کی زبان سے قرآن حکیم سنا۔ پھر دوسری مرتبہ مکہ مکرمہ میں آئے بعد ازاں ان کے نمائندوں اور ایلچیوں کی آمد خصوصاً مدینہ منورہ میں متواتر ہوتی رہی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں، حیوانوں، چرند، پرند ہوا وغیرہ کے علاوہ جنوں پر حکومت بھی عطا کی تھی

(قرآن ص:۳۶) (نمل:۱۷) قرآن (سبا:۱۲)

چنانچہ بہت سے جن آپ کے سامنے عظیم عمارتیں بناتے۔ تصویریں اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگردار دیگیں بناتے۔ لیکن ان کو حضرت سلیمان کی موت کا پتہ نہ چل سکا جو عصا سے ٹیک لگائے ایک سال تک ایک جگہ کھڑے رہے اور ان کی موت کا اس وقت انکشاف ہوا جب عصا کو دیمک کھا گئی۔ اور سہارا اٹھتے ہی سلیمان علیہ السلام کا جسد اقدس لڑھک گیا۔ اس طرح جن آپ کی وفات کے بعد بھی ایک سال تک آپ کو زندہ سمجھتے ہوئے کام لگے رہے۔

سبا (آیت ۱۳-۱۴)

نیز ہر قسم کے جنات دیو، شیطان عفریت، سعلاۃ وغیرہ بھی حضرت سلیمان کے تابع تھے۔ کچھ رضا مندی سے اور کچھ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے۔

(قرآن ص:۳۸)

بعض جنات حضرت سلیمانؑ کے لئے غوطہ خوری کرکے (سمندروں اور دریاؤں) سے جواہرات وغیرہ نکالتے

(قرآن الانبیاء:۸۲)

شیاطین اور جادو

سورۃ بقرہ (آیت ۱۰۲) میں ہے شیاطین علم سحر سے بھی واقف تھے اور اس کا منبع ہاروت اور ماروت تھے چنانچہ جب کچھ لوگ عہد سلیمانی میں جادو سیکھنے کے درپے ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جادو سکھانے والی تحریریں جنات و شیاطین سے زبردستی لے کر اپنی کرسی کے نیچے دفن کروا دیں آپ کی وفات کے بعد شیاطین نے وہ کتابیں نکلوالیں اور لوگوں کو بتایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام (معاذ اللہ) اسی علم کے بل پر اس قدر وسیع السلطنت تھے۔ چنانچہ بنی اسرائیل

Marfat.com

یہ علم سیکھنے لگے۔ صلحائے امت نے بہت منع کیا مگر پھر بھی ان کی اکثریت انبیاء کی کتابیں چھوڑ کر شیاطین کی کتابوں سے علم سحر سیکھتے (جس کے لئے پہلے وہ وعدہ کرتے کہ ہمیں ایمان سے خارج ہونا قبول ہے) اور عموماً یہ لوگ میاں بیوی میں جدائی ڈالتے اور دوسرے کی عورت کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے قرآن میں مجنون سے مراد آسیب زدہ اور مسحور سے سحرزدہ لیا گیا ہے۔

(حاشیہ نمبر۱۷۸ تفسیر از نعیم الدینؒ مراد آبادی زیر ایت بقرہ:۱۰۲ بر ترجمہ قرآن کنز الایمان از احمد رضاخان بریلویؒ۔)

Marfat.com

بعض انبیاء علیہم السلام کے حالات

دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا **ذکرالانبیا من العبادات** کہ انبیاء کا ذکر اذکار عبادت ہے۔ پس یہاں بعض انبیاء کے حالات دیئے جارہے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام: حدیث پاک کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نور کی شکل میں اللہ کے حضور میں تشریف فرما تھے۔ اور دوسری روایت کے مطابق جبرئیل امین نے اپنی عمر بتاتے وقت ایک ستارے کو جو ستر ہزار سال بعد طلوع ہوتا تھا بہتر ہزار مرتبہ دیکھنے کا ذکر کیا۔ یہ دونوں روایات معہ حوالہ پہلے گذر چکی ہیں۔ ان کے تذکرہ کا مقصد یہ یاد دلانا ہے کہ حضور علیہ السلام کا نور پیدائش آدم تک مختلف مراحل طے کرکے اللہ کے حضور میں اس کے فیض اور فضل کرم سے سیراب ہو رہا تھا۔ اور کائنات کا نظام جاری و ساری تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی شان کے اظہار کے ساتھ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان کا اظہار بھی مقصود تھا۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ وہ اپنے پیدا کردہ اس **نور اولین** کی شان کو تخلیق کے تمام مراحل طے کرانے اور امتحان و ابتلا کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ساری کائنات کے سامنے عملی طور پر بطور نمونہ پیش کرسکے کہ میرا پیدا کردہ **نور اولین** ہی نور آخرین بھی ہے اور یہی بات قرآن کہتا ہے: جب مشرکوں نے حضور کو گزند پہنچانا چاہا۔۔۔ **واللہ متم نورہ و کرہ الکافرون** کہ میں اپنے نور کو مکمل کرکے رہوں گا۔ چاہے کافروں کو برا لگے۔ تو اس نور محمدی ﷺ کے اکمال کے جو مرحلے ابھی باقی تھے ان کی تکمیل کے لئے آپ ﷺ کو اس دنیا میں بھیجنا بھی ضروری تھا۔

چنانچہ قرآن میں آیا ہے۔

ان عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فابين ان تحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولاo ليعذب المنفقين والمنافقات والمشركين والمشركت ويتوب الله على المومنين والمومنت ط وكان الله غفورا رحيماo

"یعنی ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش فرمائی (اور پوچھا کہ آیا تم اس کو اٹھانے کی ذمہ داری قبول کرتے ہو تو) انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کردیا اور وہ اس

Marfat.com

سے ڈر گئے (پھر وہ امانت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کی) اور آدمی نے اسے اٹھالیا بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا اور بڑا نادان ہے۔ تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (احزاب: ۷۲-۷۳)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ امانت سے مراد طاعت و فرائض اور شریعت اسلامی ہے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ امانت سے مراد نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ ہے۔ بہرحال وہ امانت کیا تھی یہی کہ اگر اٹھانے والا ٹھیک ٹھیک اٹھائے گا تو نجات ورنہ عذاب پائے گا۔

بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ امانت نور محمدی ﷺ تھا جس کی تکمیل مادی دنیا میں بھیج کر کی جانی تھی اور یہ امانت تمام مخلوقات الٰہی، نباتات، جمادات زمین و آسمان سب پر پیش کی گئی لیکن کوئی اسے اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوا بلکہ اس کی ہیبت سے ڈر گئے اور انسان یہ ذمہ داری نبھانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اور مشیت الٰہی بھی یہی تھی کہ اسے وہی اٹھائے جسے اس نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ (ص-۷۵)

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

جب تک زمین آگ کا گولا تھی اس میں جنات کو بسائے رکھا پھر جب زمان و مکان کا بہترین دور آیا تو اس احسن تقویم کے اندر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** کا مطلب

علمائے کرام نے احسن تقویم کا مطلب "اچھی صورت" لکھا ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں لیکن اس کا ایک مطلب یہ بھی تو (ہو سکتا) ہے کہ انسان کو دنیا میں اس وقت بھیجا گیا جب سارا ماحول اس کے لئے ساز گار تھا اور جنات کی اکثریت اپنے ادوار پورے کر کے زمین سے نکالی جا چکی تھی اور جو باقی تھے وہ اس قابل نہ رہے تھے انسانیت کو مٹا دیں نیز ماحول طبعی بھی مناسب ہو گیا تھا۔

یعنی تقویم کا ایک معنی زمانے سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ تقویم کا تعلق تعین ماہ و سال و تواریخ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جب زمین کا کرہ بیرونی طور پر اس قدر ٹھنڈا ہو گیا کہ اس پر روئیدگی قدم جما سکے اور سمندر کلی طور پر بھاپ بن کر اڑنے سے محفوظ رہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے وہاں یہ اعلان فرمایا جہاں سب کے سب فرشتے تھے اور جنات میں سے ان کا ایک نمائندہ بھی موجود تھا۔ کہ

"انی جاعل فی الارض خلیفہ"

"میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

اتمام حجت کے طور پر رب العزت نے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کر دی ہوئی تھی جس کی تکمیل سے وہ (خوف زدہ ہو کر) انکار کر چکے تھے۔ اب جس نے اس بار امانت کو اٹھانے کے لئے "ہاں" کی ہوئی تھی۔ اس کا دور عمل شروع ہونے والا تھا۔ یہ اعلان خلافت فرشتوں کی تشویش کا باعث بنا جس کا اظہار بھی کیا گیا مگر ان مشیران کردگار کی بات علام الغیوب نے یہ کہہ کر ٹال دی کہ تمہارا علم محدود

Marfat.com

ہے اور میں وسیع العلم ہوں پس وہ چپ ہو رہے۔

انجیل برنباس میں آیا ہے کہ:۔

۱ اللہ تعالیٰ نے مٹی کا ایک تودہ سا بنایا اور اسے پچیس ہزار سال تک پڑا رہنے دیا۔ ابلیس نے جو فرشتوں کا سردار تھا اپنی فراست اور دانائی (جو اسے حاصل تھی) سے یہ بھانپ لیا کہ مٹی کے اس تودے سے اللہ تعالیٰ ایک لاکھ چوالیس ہزار نبوت کے نشان والے بندے پیدا کرے گا اور خدا کا رسول بھی جس کی روح اس نے ہر شے سے ساٹھ ہزار سال پہلے پیدا کی تھی (باب=۳۵)

۲ جب آدم اپنی پیدائش کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے اوپر کی جانب ایک تحریر سورج کی طرح چمکتی ہوئی دیکھی "خدا بس ایک ہے اور محمد ﷺ خدا کا رسول ہے" اس تحریر کو دیکھ کر آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا اے خدا میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے پیدا فرمایا۔ مگر میری التجا ہے کہ مجھے اس تحریر کا مطلب بتا "محمد ﷺ خدا کا رسول ہے" کیا مجھ سے پہلے بھی کسی انسان کو پیدا کیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مرحبا میرے بندے آدم! میں تجھے آگاہ کرتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جسے میں نے پیدا کیا اور جسے تو نے تحریر میں دیکھا وہ تیرا بیٹا ہے جو دنیا میں بہت زیادہ سالوں کے بعد آئے گا۔ وہ میرا رسول ہو گا۔ جس کی خاطر میں نے سب کچھ پیدا کیا ہے جب وہ آئے گا تو دنیا کو نور بخشے گا۔ جس کی روح میں نے ہر چیز کی پیدائش سے ساٹھ ہزار سال پہلے پیدا کر کے شان ملکوتی میں رکھی ہوئی تھی۔"

آدمؑ نے عرض کی "الٰہی اس تحریر کو میرے ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخنوں میں اتار دے" تب اللہ تعالیٰ نے (آدم کے) دائیں انگوٹھے کے ناخن میں "خدا ایک ہے" اور بائیں انگوٹھے کے ناخن میں "محمد ﷺ خدا کا رسول ہے" ظاہر فرمایا۔ تب پہلے انسان آدمؑ نے پدرانہ محبت سے یہ الفاظ چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے اور کہا مبارک ہو وہ دن جب تو ﷺ دنیا میں تشریف لائے۔" (باب ۳۹)

تخلیق خمیر نور محمدی ﷺ:

اب اسی ہستی کو دنیائے عمل میں لانے کا اہتمام ہو رہا ہے احادیث میں آیا ہے کہ آدم کا پتلا دنیا بھر کی مٹی کے جوہر سے بنایا گیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اسی وجہ سے دنیا کے مختلف ممالک کے انسانوں کی رنگت گوری، کالی یا گندمی وغیرہ ہے اور مزاج بھی مختلف ہیں کیونکہ ہر جگہ کی مٹی کی خاصیت مختلف ہے۔ لیکن اس پتلے میں جو نور اولین بطور امانت رکھنا تھا اسکی پیدائش بھی خاص جوہر سے فرمائی۔ اس نور اولین نے جب اللہ کے حضور سارے مرحلے طے کر لئے تو ابوالبشر کے جسد مبارک میں امانت کا یہ بار ودیعت کرنے کا مرحلہ آیا۔ چنانچہ حضرات جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کو حکم ہوا کہ خطہ زمین پر سے آرام گاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ سے خاک پر انوار لائی جائے۔ جب خاک کو یہ پیغام ملا تو وہ بہت خوش ہو کر کافور سے زیادہ سفید ظاہر ہوئی پس جبرئیل نے ایک مثقال خاک لے لی اور بارگاہ الٰہی میں پہنچے۔ اور بحکم خداوندی بہشت میں لے جا کر اسے کوثر و تسنیم و سلسبیل میں گوندھا اور بحکم خداوندی اس در شب افروز کو آسمانوں میں پھرایا۔ ملائکہ کے محلوں میں گھمایا اور تمام عالم بحر و بر میں سب کو دیدار کرایا اور ندا کی۔

Marfat.com

طینة حبیب رب العالمین و شفیع المذنبین و مشهور فی الاولین و مذکور فی الاخرین۔

"یعنی یہ خمیر اللہ کے محبوب، گناہ گاروں کے شفیع جو اولین میں مشہور اور آخرین میں مذکور ہیں کا ہے پھر اس مٹی کو نور سے منور کر کے قندیل میں رکھ کر ساق عرش مجید پر لٹکا دیا اور وہ جگہ نور مصطفوی ﷺ کا گہوارہ بن گئی اب یہ نور آدم علیہ السلام کی پیشانی میں ودیعت کیے جانے تک اسی جگہ پر رہا۔ پھر جب آدمؑ کا جسد بنایا گیا اور اس میں روح پھونکی تو نور مصطفوی یہاں سے منتقل ہو کر آپ کی پیشانی میں چمکنے اور دمکنے لگا

(معارج النبوۃ (اردو) صفحہ ۳۵۸۔ ۳۶۲ مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور۔)

اے گشتہ از برائے تو کون و مکان پدید
از عرش تابفرش ز نور تو آفرید

فانی است پیش نور تو انوار انبیاء
در نور آفتاب بود ذرہ ناپدید

ذرات کون پر تو نور ظہور تست
واندر ظہور خویش زنور تو مستفید

احادیث کی روشنی میں پیدائش آدم علیہ السلام:

حضرت ابو موسیٰؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی خاک سے پیدا فرمایا جس کو تمام زمین سے لیا گیا تھا۔ لہٰذا آدم کی اولاد بھی زمین کی رنگت کے مطابق مختلف اللون یعنی سرخ یا سفید یا سیاہ یا ان رنگوں کے درمیان پیدا ہوتی ہے۔ اور بعض ان میں (مٹی کی خاصیت کے مطابق ہی) نرم مزاج بعض سخت مزاج اور بعض ناپاک اور بعض پاک ہوتے ہیں۔ (مسند احمد ترمذی۔ ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے (بنی تمیم کے کچھ لوگوں سے جب وہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے تھے) فرمایا کہ (کائنات کی ابتداء اس طرح ہوئی) اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ پھر آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں تمام چیز لکھ دی.... (ابھی آپ ﷺ بیان کر رہے تھے کہ سائل کی اونٹنی بھاگ جانے کی خبر ملی اور وہ اس کے پیچھے چلا گیا)

(بخاری عن عمران بن حصین)

ابو ہریرہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ گز تھا (بخاری کتاب الانبیاء) اور... ہر جنتی کا قد آدم علیہ السلام کے قد کے برابر ہوگا (ایضاً) نیز آدمؑ کا سینہ چھ گز چوڑا تھا۔

فرمایا ﷺ: (عبداللہ بن سلام ایک یہودی عالم کے سوال پر کہ) مرد جب اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے اور اسے پہلے انزال ہو جاتا ہے تو بچہ مرد کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کو پہلے انزال ہو جائے تو بچہ عورت کے مشابہ ہوگا۔ (بخاری شریف)

Marfat.com

فرمایا ﷺ تم میں ہر ایک کی پیدائش چالیس دن اس کی ماں کے پیٹ میں پوری کی جاتی ہے۔ پھر چالیس دن میں نطفہ خون بستہ بن جاتا ہے۔ پھر چالیس دن میں وہ مضغہ گوشت ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو چار باتوں کا حکم دے کر بھیجتا ہے پس وہ اس شخص کا عمل اس کی موت اس کا رزق اور شقاوت یا سعادت لکھ دیتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔..... (بخاری کتاب الانبیاء عن عبداللہ)

فرمایا ﷺ تمام ارواح کے لشکر ایک جگہ جمع تھے ازل کے روز پس جس جس روح کی وہاں آپس میں پہچان ہوگئی دنیا میں بھی ان میں باہم دوستی ہوگی۔ اور جن کی وہاں پہچان نہ ہوسکی وہ یہاں بھی بیگانہ رہیں گی۔ (عن عائشہ ایضاً)

فرمایا ﷺ: شیطان ہر بچے کو پیدائش کے وقت چھوتا ہے جس سے وہ رونے اور چلانے لگتا ہے۔ صرف حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو شیطان نے نہیں چھوا۔ (بخاری کتاب التفسیر باب ۶۱۵)

قرآن اور آدمؑ: قرآن مجید میں لفظ آدم پچیس بار آیا ہے۔ اور یہ ذکر سورہ طہٰ، الحجر، ص، بنی اسرائیل، کہف، اعراف اور البقرہ وغیرہ میں ملتا ہے۔ جنات اور فرشتوں کی تخلیق آدم کی تخلیق سے پہلے ہو چکی تھی۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر فرشتوں سے کیا تو انہوں نے کہا کہ یا اللہ! کیا تو ایسے کو اپنا خلیفہ زمین بنائے گا جو زمین پر فساد پھیلائے اور خون ریزی کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ پھر اللہ نے آدم کو (اشیائے عالم کے) سارے نام سکھا دیئے اور پہلے فرشتوں سے ان کے بارے میں پوچھا تو وہ بولے الٰہی ہم تو صرف وہی جانتے ہیں جو تو ہمیں بتائے پھر آدمؑ سے سوال کیا۔ تو آپ نے وہ سب کلمات ملائکہ کو بتلا دیئے۔ تو اس طرح آدم کی برتری کا اقرار اللہ نے کروایا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے سجدہ کریں۔ سب نے کیا مگر عزازیل نے انکار کیا وہ آگ کو مٹی سے برتر سمجھتا تھا۔ کیونکہ آدم مٹی سے بنے تھے اور عزازیل آگ سے قرآن حکیم میں آدم کے لئے انسان اور بشر کے الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں مثلاً ہم نے انسان کو خشک گارے کی کالی مٹی سے پیدا کیا۔ اور یاد کر جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں کھنکھناتے سنے گارے سے ایک بشر بناؤں گا جب میں اسے ٹھیک کروں اور اپنی روح سے اس میں پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا (الحجر - ۲۸-۲۹)

انسانی پیدائش کے بارے میں سورہ العلق: ۲ الطارق ۵، التین ۴، الرحمٰن ۱۴، مرسلات ۲ قیامت ۳۴ الانسان) ۲ انبیاء ۳۷، روم ۲۰ آل عمران ۵۸، الحج ۵ اور اعراف ۱۸۹ وغیرہ میں ذکر آیا ہے۔

بائبل اور آدم علیہ السلام: عہد نامہ عتیق میں سفر تکوین خلائق کے پہلے پانچ ابواب تخلیق آدم اور اس کی ابتدائی نشوونما سے متعلق ہیں۔ اس کے مطابق "جنت" عدن (رہائشی باغ) میں ایک باغ لگایا گیا تھا۔ جہاں زندگی کا درخت، اور نیک و بد کی پہچان کا درخت بھی لگایا گیا تھا۔ عدن سے ایک دریا اس باغ کو سیراب کرنے نکلا اور وہاں سے چار ندیوں میں تقسیم ہوا۔ فیسون جو حویلہ کی سونا اگلتی زمین کو محیط ہے ۲۔ جیحون جو کوش کی سرزمین کو محیط ہے۔ ۳۔ دجلہ ۴۔ اور

Marfat.com

کے مشرق کو بہتی ہے۔ ۴۔ فرات پھر اللہ نے آدم علیہ السلام کو اس باغ عدن میں رکھا۔ پھر اس کی تنہائی کو دور کرنے کے لئے کل دشتی جانور اور ہوائی پرندے مٹی سے بنائے اور آدم کے پاس لایا کہ وہ ان کے نام رکھے۔ آدم نے جو نام جس جانور کو دیا وہی اس کا نام ٹھہرا۔ (گویا **و علم آدم الاسماء کلھا** تفصیل بائبل میں ہے۔) لیکن آدم کا ساتھی پھر بھی نہ مل سکا۔ پھر آدم سو گیا اور اس کی پسلیوں سے ایک پسلی کو نکال لیا اور اس سے عورت کو بنا کر آدم کے سامنے لایا۔ آدم نے اسے اپنی ہڈیوں اور گوشت کا حصہ قرار دیتے ہوئے نر سے نکلی ہوئی "ناری" اور کہا کہ مرد اپنے والدین کو چھوڑ دے گا اور بیوی کا ہو جائے گا۔ اور وہ گویا ایک تن اور دو قالب ہوں گے۔

یہاں ابلیس کا نام سانپ ملتا ہے جس نے ان دونوں کو شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کو کہا جسے پہلے عورت نے اور پھر آدم نے کھایا۔ اور یہاں سے ان کو باغ سے نکال دینے کا آغاز ہوا۔ کیونکہ اب ان پر نیکی اور بدی کے اسرار منکشف ہو گئے تھے۔ پھر آدم نے عورت کا نام حوا اس لئے رکھا کہ وہ سب زندوں کی ماں ہے۔ (پیدائش باب ۲: ۹ تا ۲۰، باب ۳: ۲۱) جنت سے اس لئے نکالا گیا کہ مبادا زندگی کے درخت کا پھل کھا کر وہ دائمی زندگی حاصل کر لیں۔ (پیدائش باب ۳: ۲۲۔ ۲۳) اور زندگی کے درخت کی حفاظت کے لئے کروبیوں کو اور چوگرد گھومنے والی شعلہ زن تلوار کو رکھا۔ (ایضاً آیت: ۲۴) بائبل میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ آدم کو سراندیپ (لنکا) میں پھینکا گیا اور حوا کو جدہ میں اور نہ ان کی توبہ کا ذکر ہے۔ بلکہ زمین پر اترنے کے بعد ان کے قائن پیدا ہوا۔ پھر ہابل، قائن کسان بنا اور ہابل چرواہا اور سانپ (ابلیس) کو سزا یہ ملی کہ وہ ساری عمر پیٹ کے بل چلے اور خاک چاٹے۔ اور پھر خدا نے انسان اور سانپ کے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی رکھ دی۔

اسلامی نظریہ: قرآن مجید میں آدم و حوا اور ابلیس کا قصہ بڑا واضح اور زیادہ منطقی انداز سے بیان ہوا ہے اور چونکہ قرآن آج تک بلا تحریف موجود ہے اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے لہذا اس میں بیان کردہ واقعات کی صحت پر شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن مجید میں ہے۔ کہ جب آدم اور حوا نے شجر ممنوعہ کو چکھ لیا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے نفوس میں روشنی کی بجائے ظلمت نے گھر کر لیا ہے چنانچہ (**وقلنا اھبطو و لکم فی الارض مستقرو متاع الی حین** بقرہ ۳۶) کا حکم دیا گیا۔ **اھبطو** میں اتر (بلندی سے) کے معنی ہیں اور پھر زمین پر ایک مدت رہنے کا ارشاد ہے۔ پھر فرمایا فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ (بقرہ ۳۷) یعنی آدم نے اللہ سے مناجات مقبول سیکھ لی پس اللہ نے اس کا قصور معاف کر دیا۔ وہ کلمات مناجات یہ تھے **ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین** (اعراف: ۲۳) گویا ظلمت نفسی دور ہونے کی دعا کی اور بخشش مانگی مگر ارشاد باری ہوا کہ تم زمین پر اتر کر ایک عرصہ تک قیام پذیر رہو۔ ایک دوسرے کے دشمن ہو کر۔ جہاں بالآخر تمہیں موت آیا کرے گی اور یہیں سے حشر کے دن تمہیں زندہ کر کے اکٹھا کیا جائے گا۔

Marfat.com

تفاسیر میں ہے کہ آدم و حوا اور ابلیس اور سانپ چاروں کو جنت سے اتار کر بالترتیب سراندیپ، جدہ، ایلہ اور اصفہان میں اتارا۔ اور ان میں آپس کی دشمنی رکھی یعنی:

۱۔ انسان انسان کا دشمن ہے۔ (جس کی ابتدا ہابیل اور قابیل کے جھگڑے سے ہوئی)

۲۔ ابلیس انسان کا دشمن ہے۔

۳۔ سانپ انسان کا دشمن ہے۔

ابوداؤد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص سانپ سے ڈر کر اسے نہ مارے وہ ہم میں سے نہیں۔

اسم آدم علیہ السلام: آدم علیہ السلام ابو بشر (یا ابو محمد ﷺ) لقب یہ صفی اللہ، مجتبائے اول، مسجود ملائک، خلیفۃ اللہ، فی الارض اور پہلے نبی تھے۔ ابو منصور الجوالیقی کے نزدیک سب انبیاء علیہم السلام کے نام عجمی ہیں سوائے آدمؑ، صالحؑ شعیبؑ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے الجوہری نے بھی آدم کو عربی نام بتایا ہے اور افعل کے صیغے پر قیاس کیا ہے جبکہ زمخشری نے اسے عجمی لفظ قرار دیا ہے۔ عبرانی میں یہ تلفظ "آدام بمعنی آدمی اور بشر ملتا ہے۔

آدم اور ابلیس: جیسا کہ جنات کی تخلیق کے باب میں بتایا جا چکا ہے کہ عزازیل یا ابلیس نے معلم اول کا رتبہ پانے کے بعد یہ خیال کرنا شروع کر دیا تھا کہ اگر خدا کو (معاذ اللہ) کوئی گزند پہنچا تو اللہ کا قائمقام وہی ٹھہرے گا۔ نیز اگر اللہ تعالیٰ اس کے سوا کسی اور کو اپنی نیابت کا شرف بخشے گا تو وہ مزاحمت کرے گا۔ چنانچہ "فی الارض خلیفہ" والا اعلان اس نے سنا تو دل میں مخالفت کی ٹھان لی اور موقع بھی ہاتھ آگیا وہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کے آگے سجدہ تعظیم بجالانے کو کہا تو انہوں نے تعمیل کی لیکن ابلیس نے انکار کر دیا اور کافروں میں سے ہو گیا اللہ تعالیٰ نے جب انکار کی وجہ دریافت کی تو بولا **خلقتنی من نار و خلقتہ من طین** (اعراف ۱۲ ص-۵۵)

پس یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ وہ جنات میں سے تھا اور جو علماء اسے فرشتوں میں شمار کرتے ہیں وہ تاویلات کا سہارا لیتے ہیں جبکہ قرآن میں صریح طور پر یہ بات واضح کی جا چکی ہے لہٰذا خواہ مخواہ الجھنے الجھانے کی ضرورت نہیں۔

رہا یہ سوال کہ سجدہ کا حکم تو فرشتوں کو ملا تھا۔ ابلیس کو اگر وہ فرشتہ نہ تھا اس کا مکلف کیوں گردانا گیا۔ تو قرآن ہی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسے بھی سجدہ کا حکم ملا تھا۔

جب اس نے انکار کیا تو پوچھا گیا **ما منعک الا تسجد اذ امرتک** (اعراف ۱۱) تجھے کس چیز نے سجدے سے روکا تو اس نے مذکورہ بالا جواب دیا (اعراف ۱۲)

نیز اس نے کہا کہ میں بشر کو سجدہ نہیں کرنے کا جسے تو نے سوکھے ہوئے گارے سے پیدا کیا (الحجر ۳۳) نیز یہ بھی کہا **ءاسجد لمن خلقت طینا** (بنی اسرائیل ۶۲)۔ چنانچہ جب اس نے استکبار کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے مردود قرار دے کر اپنی بارگاہ سے نکال دیا۔

Marfat.com

ابلیس کے معنی: امام راغب کہتے ہیں کہ "ابلاس" خوف و حزن کو کہتے ہیں جو شدت یاس سے پیدا ہو (مفردات راغب ج ا صفحہ ۱۴۸)

اور ابلس کے معنی ہیں **قل خیرہ** یعنی اس کی بھلائی جاتی رہی اور نیکی کا مادہ کم ہو گیا۔ **البلس** وہ ہے (**من لا خیر عندہ**) جو بھلائی سے قطعی معرا ہو اور بلس اسے کہتے ہیں جس میں شر پایا جائے اور **ابلس فلان** کا مطلب ہے کہ وہ غم واندوہ کی وجہ سے مہر لب ہو گیا (سکت غما) اور تاج العروس میں ابلس کے معنی "بے خبر" کے بھی ہیں (ج ۴ صفحہ ۱۱۱) تو گویا ابلیس ایسا وجود ہے جو اللہ کی رحمت سے قطعی مایوس ہو گیا ہو ہر قسم کی بھلائی سے معرا ہو چکا ہو اور شر اسکی سرشت میں گھر کئے ہو۔ غم و اندوہ کا مارا اور ایسا ششدر جو (مخبوط الحواس ہو کر) سیدھی راہ سے بھٹک چکا ہو اور حقائق الٰہیہ سے بے خبر ہو

یہ صفات ابلیس کے نام میں پہلے ہی پائی جاتی تھیں یا بعد میں ان صفات کی وجہ سے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔ اور کیا ازیں پیشتر اس کا نام کچھ اور تھا یہ ایک سوال ہے۔ ابن جریر الطبری نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ابلیس معصیت سے پہلے ملائکہ میں سے (کے ساتھ) تھا اور اس کا نام عزازیل تھا اور (اصل میں) ساکنان ارض سے تھا (تفسیر = ا: ۵۰۳) انہوں نے عبداللہؓ بن عباسؓ سے ایک اور روایت بیان کی کہ ابلیس کا اصل نام الحارث تھا اور وہ جنت کے خازنوں میں سے تھا۔ ان روایات سے اتنا ضرور ثابت ہوا کہ ابلیس کا نام الحارث اور عزازیل بھی تھا۔ لیکن قرآن میں چونکہ ابلیس ہی اس کا نام آیا ہے۔ لہٰذ علماء کا خیال ہے کہ یہ اس کا ذاتی نام (بھی) تھا۔ اور صفاتی بھی وہ اس لحاظ سے کہ پہلے ہی اس میں وہ معانی پائے جاتے تھے جو بعد میں اس کے کردار سے بھی ثابت ہو گئے۔ گویا وہ روز ازل سے ہی اسم با مسمی تھا۔

آدم کو سجدہ کرانے کی وجہ: امام فخر الدین رازیؒ (تفسیر کبیر ج ۲ صفحہ ۳۱۸ زیر آیت تلک الرسل) فرماتے ہیں کہ۔

ان الملائکۃ امروا بالسجود لادم لاجل ان نور محمد کان فی جبھۃ آدم

"فرشتوں کو جو حکم دیا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو وہ اس وجہ سے تھا کہ ان کی پیشانی میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پاک تھا۔"

عارف کبیر سید ابوالحسن علی شاذلیؒ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں۔

ترجمہ: "آدم تا عیسیٰ علیہم السلام جتنے انبیاء کرام گزرے ہیں وہ سب گویا آنکھیں ہیں اور حضرت محمد ﷺ ان آنکھوں کا نور ہیں۔"

اگر شیطان چشم بصیرت سے نور محمدی ﷺ کی چمک آدمؑ کے چہرہ میں دیکھ لیتا (سکتا) تو وہ سب سے پہلے آدم کو سجدہ کرتا۔ (بحوالہ مواہب لدنیہ و زرقانی علی المواہب ج۔ا صفحہ ۶۳)

ذریت ابلیس: جنت سے نکالے جانے کے بعد زمین کے کس حصے پر وہ پھینکا گیا۔ قرآن اور حدیث اس بارے میں خاموش ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ اسے بیسان میں پھینکا گیا۔ عرب

Marfat.com

مورخوں نے اس کی اولاد کا ذکر بھی کیا ہے۔ اور ان کے نام بھی گنوائے ہیں یعنی اثبر، زلغیون دامس یا داسم، الاعور، مسوط (المجبر ۳۹۵) اور بیدخ بنت (ابن) ابلیس (فہرست: ۳۱۱)

مہلت طلبی: جب ابلیس کو دھتکار دیا گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دو دو باتیں کیں اور کہا کہ مجھے قیامت تک من مانی کی مہلت دے۔ اللہ نے اسے مہلت دے دی تو بولا کہ جس طرح (اے اللہ) تو نے مجھے بھٹکا دیا۔ میں بھی تیری سیدھی راہ پر گھات لگا کر بیٹھوں گا اور آدم اور اس کی اولاد کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے ان پر داؤ ماروں گا۔ اور تو آدمیوں کی اکثریت کو ناشکرا پائے گا اللہ تعالیٰ فرمایا۔ چل نکل یہاں سے رذیل مردود اور سن لے کہ جو آدمی تیری راہ پر چلیں گے ان کو اور تجھے (سب کو) دوزخ کا ایندھن بناؤں گا۔ (اعراف ۱۳ تا ۱۸) یہی بات چیت سورۃ الحجر (آیت ۲۸ تا ۴۴) بنی اسرائیل (آیت ۶۱ تا ۶۵) سورۃ کہف (آیت ۵۰-۵۱) سورۃ ص (آیت ۷۱ تا ۸۵) میں بھی مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے اور آدم علیہ السلام اور بنی آدم کو خبردار کیا گیا ہے کہ ابلیس تمہارا دشمن ہے لہٰذا اس کی طرف سے چوکنے رہنا ورنہ ایمان کی دولت سے محروم ہو کر دوزخ میں بھیجے جاؤ گے۔

ابلیس اور شیطان: جس طرح قصہ آدم میں قرآن نے آدم، بشر اور انسان کو ہم معنی لفظوں کے طور پر انسان کے لئے استعمال کیا ہے اسی طرح ابلیس اور شیطان کو بھی انسان کا دشمن کہہ کر حقائق ابدی کی وضاحت کی گئی ہے۔ ابلیس کا لفظ قرآن میں گیارہ بار استعمال ہوا ہے۔

قصہ آدم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جہاں سجدہ نہ کرنے کا تذکرہ ہے وہاں لفظ ابلیس استعمال ہوا ہے اور جہاں "لغزش" کا ذکر ہے وہاں شیطان کا لفظ آیا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابلیس اور شیطان دو الگ الگ ہستیاں ہیں یعنی ابلیس وہ ہے جو آدم کی عظمت کا مخالف ہے اور شیطان وہ ابلیسی طاقت ہے جو وسوسہ کے ذریعے انسانوں (آدم بھی) کو ورغلانے میں مصروف ہے

(بیان القرآن ج ا صفحہ ۴۶)

گویا ابلیس ذاتی (یا صفاتی) نام ہے اور شیطان عام ہے اور ابلیس کو شیطان بھی کہا جا سکتا ہے جس نے آدم کو گمراہ کرنا چاہا تھا۔ جبکہ شیطان ابلیس کا ظل بن کر گمراہ کرنے والی ہستی ہے چاہے وہ جنات میں سے ہو چاہے آدمیوں میں سے یا کسی اور مخلوق میں سے شیاطین کا لفظ انسانوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے

(البقرہ: ۱۴ نیز انعام ۱۷۴)

بہرحال ابلیس ہو یا اس کے لشکر (۲۶: ۹۵) سب کا ایک ہی کام اور ایک ہی انجام ہے۔

الختصر یہ کہ آدم اور حوا کو وسوسے کے ذریعے شیطان نے ورغلایا اور ان سے لغزش ہو گئی ان پر نیکی بدی کا راز عیاں ہو گیا اور وہ اپنا بدن پتوں سے ڈھانپنے لگے اور بالآخر انہیں زمین پر اتار دیا گیا جہاں ابلیس اور اس کی ذریت پہلے ہی موجود تھی۔ وہ ایک دوسرے کے دشمن بن کر نیکی بدی کی چپقلش میں فریقین ہیں۔

Marfat.com

کلمات توبہ اور آدم علیہ السلام: جب آدم اور حوا کو جنت سے باہر بھیجا گیا تو وہ تین سو برس تک متواتر روتے رہے اور بوجہ ندامت سر آسمان کی طرف نہ اٹھایا اور آیت ربنا ظلمنا انفسنا (اعراف) پڑھتے رہے گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کلمات توبہ سیکھ لئے تھے۔ وہ کلمات بقول بعض دعائے مذکورہ تھی لیکن علامہ محمود آلوسی بغدادی" اپنی تفسیر روح المعانی (ج ا صفحہ ۲۱۷) میں فرماتے ہیں۔

قیل رای مکتوبا علی ساق العرش محمد رسول الله فتشفع به واذ اطلقه کلمة علی عیسے علیه السلام فتطلق الکلمات علی الروح الاعظم والحبیب الاکرم صلی الله علیه وسلم فما عیسے بل وما موسی بل وما وما الابعض من ظهورانواره و زهرة من ریاض انواره-

"کہتے ہیں کہ حضرت آدم نے پایہ عرش پر محمد رسول اللہ لکھا دیکھا تو اس نام کو شفیع بنایا (صاحب تفسیر فرماتے ہیں) کہ جب عیسیٰ علیہ السلام پر کلمے کا اطلاق ہوا تو جو روح الاعظم اور حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان پر کلمات کا اطلاق کیا گیا ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بلکہ موسیٰ علیہ السلام بلکہ دیگر انبیاء علیہم السلام بھی سب کے سب اسی نور اعظم کے انوار اور اسی نورانی باغ کے پھول ہیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﷺ کہ جب آدم علیہ السلام سے لغزش کا ارتکاب ہو گیا تو آپ ﷺ نے عرض کی "الٰہی! میں بوسیلہ محمد مصطفیٰ ﷺ تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم! تو نے محمد ﷺ کو کیسے جانا۔ ابھی تو اسے پیدا ہی نہیں کیا گیا۔ تو عرض کی اے اللہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی تو میں نے سر کو اٹھایا اور عرش کے ستونوں پر لکھا دیکھا لا اله الا الله محمد رسول الله پس میں نے جان لیا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے ضرور تجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے اور جب تو نے اس کے وسیلہ سے بخشش چاہی تو میں نے تجھے بخش دیا ولو لا محمد ما خلقتک اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

(بیہقی طبرانی زرقانی علی المواہب ج ا صفحہ ۶۲ در منثور المستدرک للحاکم ج ۲ صفحہ ۶۱۵)

علامہ احمد بن محمد قسطلانی الشافعی مصری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یا آدم لو تشفعت الینا بمحمد فی اہل السموات الارض لشفعناک

Marfat.com

(زرقانی علی المواہب ج ۱ صفحہ ۶۲)

"یعنی اے آدم اگر تم محمد ﷺ کا نام لے کر تمام اہل السموات اور اہل ارض کی شفاعت کرتے تو ہم ضرور تمہاری یہ شفاعت (بھی) قبول فرمالیتے۔"

چنانچہ حضرت عباس بن عبدالمطلب، امام اعظم امام ابو حنیفہ اور دیگر بزرگ ہستیوں نے اپنے مدحیہ اشعار میں ان واقعات کا ذکر کر کے اپنی نعتوں کو پر سرور بنایا ہے۔ جن کی تفصیل اسلامی کتب میں بیان کی گئی ہے۔

حضرت آدمؑ کا سفر کعبہ: قبول توبہ کے بعد ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق ایک فرشتہ کی رہنمائی میں حضرت آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے کمر ہمت باندھی اور کعبتہ اللہ پہنچے اور جبرئیل کی تعلیم کے مطابق مناسک حج ادا کئے۔ پھر جب عرفات پر گئے۔ اتفاقاً جناب حوا بھی آپ کی تلاش میں ادھر موجود تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی حالت بڑی دگرگوں تھی کیونکہ جنت والے آدم اور زمینوالے آدم میں بہت فرق پڑ چکا تھا۔ لہٰذا مائی حوا ان کو پہچان نہ پائیں۔ چنانچہ جبرئیل نے تعارف کرواتے ہوئے مبارک باد دی دونوں ایک دوسرے کو پاکر بہت خوش ہوئے۔ جس روز دونوں کی ملاقات ہوئی وہ عرفہ کا دن تھا۔ اور جس جگہ ملاقات ہوئی اس جبل کا نام عرفات مشہور ہوا پھر آدم سے پوچھا گیا۔ کوئی تمنا ہو تو کہو فرمایا **اتمنی المغفرۃ و الرحمہ** یعنی میں رحمت اور بخشش کا تمنائی ہوں۔ چنانچہ جہاں یہ تمنا کی تھی اس مقام کو منیٰ کہا جانے لگا۔ مجاہد کی روایت کے مطابق آدم علیہ السلام سراندیپ (سری لنکا) سے چالیس مرتبہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آئے تھے اور یہ سفر پیدل کئے تھے اس دور میں زمین پر مائی حوا اور بابا آدم علیہ السلام کے علاوہ کوئی انسان نہ تھا۔ اور خانہ کعبہ آپ نے ہی بیت اللہ کے طور پر سب سے پہلے تعمیر کیا تھا۔

(معارج النبوۃ ج ۱ صفحہ ۶۶-۶۵، ۳ (اردو) نیز اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۹ صفحہ ۷)

میثاق الست: قرآن میں آیا **و اذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورھم ذریتھم و اشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالو بلی** یعنی جب آپ ﷺ کے رب نے بنی آدم کی ذریت کو ان کی پشتوں سے نکالا اور انہیں ان کے نفسوں پر گواہ بنا کر پوچھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" تو سب نے کہا "ہاں"۔

(اعراف-۱۷۲)

حکم سجدہ: کہتے ہیں کہ اس اقرار کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کو حکم دیا کہ مجھے سجدہ کرو پس سب نے سجدہ کیا مگر کفار و منافقین کی گردنیں اکڑی رہیں اور وہ سجدہ نہ کر سکے۔ محمد بن عتبہ فرماتے ہیں کہ مومن تو ارشاد باری کے مطابق سر بسجود ہو گئے لیکن کافر ایسا نہ کر سکے۔ جب ساجدین نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک جماعت نے سجدہ نہیں کیا۔ پس ان میں سے کچھ لوگ پہلے سجدہ پر شادماں ہوئے جبکہ باقی لوگ توفیق سجدہ ارزانی ہونے کی بناء پر دوبارہ سر بسجود ہو گئے لیکن مذکورہ پشیمان اور نادم لوگوں نے دوسری

Marfat.com

بار سجدہ نہ کیا اور سجدہ سے باز رہنے والوں کی پیروی کی اب پہلے سجدہ کی توفیق نہ پانے والے گروہ میں سے جب کچھ لوگوں نے مومنین کو سربسجود دیکھا تو وہ سجدہ نہ کرنے پر شرمندہ ہوئے اور تلافی کے طور پر دوسرے سجدہ میں ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ اس طرح میثاق الست کے موقع پر ذریت آدم چار گروہوں میں بٹ گئی۔

(۱) جن لوگوں نے پہلا اور دوسرا سجدہ کیا (۲) جنہوں نے پہلا اور دوسرا سجدہ نہ کیا (۳) جنہوں نے صرف دوسرا سجدہ ہی کیا۔ (۴) جنہوں نے دوسرا سجدہ نہ کیا بلکہ صرف پہلا سجدہ کیا۔

مومن کافر اور تائب میں امتیاز: چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے دو سجدے کئے وہ مومن جئے مومن مرے

(۲) جنہوں نے کوئی سجدہ نہ کیا وہ کافر جئے کافر مرے

(۳) جنہوں نے پہلا سجدہ کیا لیکن دوسرا نہ کیا وہ مومن جئے کافر مرے۔

(۴) جن لوگوں نے پہلا سجدہ نہ کیا البتہ دوسرا سجدہ کر لیا وہ کافر ہو کر جئے اور بالآخر ایمان دار ہو کر مرے۔

نکتہ: بقول بعض مومنین نے بفضل ایزدی "بلی کہا" کافروں نے بطور سیاست اور منافقین نے اژدہام سے متاثر ہو کر "بلی" کہا تھا۔

افزائش نسل انسانی: جب آدم اور حوا زمین پر رہنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد عطا فرمائی۔ قدرت خداوندی سے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنم لیتے حتی کہ چالیس بچے اس طرح پیدا ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں نکاح کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے حمل کی لڑکی کا نکاح دوسرے حمل کے لڑکے کے اور دوسرے حمل کی لڑکی کا نکاح پہلے حمل کے لڑکے کے ساتھ ساتھ کر دیا جاتا تھا۔ لیکن حضرت شیث علیہ السلام جو آدمؑ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اکیلے ہی پیدا ہوئے تھے۔

قصہ ہابیل و قابیل: ہابیل کے ساتھ اس کی بہن لبودا پیدا ہوئی جبکہ قابیل کے ساتھ اس کی بہن اقلیما تولد ہوئی۔ دستور کے مطابق اقلیما کا نکاح ہابیل سے ہوتا تھا۔ اور لبودا کا قابیل سے مگر اقلیما بہت زیادہ خوبصورت تھی لہٰذا قابیل دستور کے خلاف بضد ہوا کہ وہ اقلیما کو حاصل کرے۔ حضرت آدمؑ نے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانا آخر انہوں نے فرمایا کہ تم دونوں اللہ کے دربار میں قربانی پیش کرو جس کی قربانی کو آگ نگل جائے وہی مقبول ہو گا اور وہی اقلیما کا حقدار چنانچہ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی اور قابیل کی مردود ٹھہری لیکن قابیل کی انسانی روح دھندلا گئی اور وہ راہ راست سے بھٹک گیا اور بولا کہ میں تو ہابیل کو قتل کر کے اقلیما کو ضرور حاصل کروں گا اگرچہ آدم علیہ السلام نے اس قربانی کے بعد ہابیل کا بیاہ اقلیما سے اور قابیل کا لبودا سے کر دیا مگر وہ بدستور حسد اور محرومی کی آگ میں جلتا رہا۔ اور ایک دن ہابیل کو قتل کر کے ایک کوے کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی (قابیل کی) لاش کو زمین میں دبا دیا۔ اور پھر اس

Marfat.com

کی بیوی اقلیما کو اغواء کر کے عدن کی طرف بھاگ گیا۔ اور اس کی اولاد میں فسق و فجور کا سلسلہ شروع ہوا۔ (مائدہ ۲۷ تا ۳۱)(مفہوم وملخص)

ہابیل اور قابیل کے قصہ سے انسانوں میں فسق و فجور اور کشت و خونریزی کا آغاز ہو گیا تھا چنانچہ قابیل کی اولاد برملا فسق و فجور کا ارتکاب کرنے لگی۔

نبوت آدم: وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی عمر پانچ سو سال ہوئی اور آپ کی اولاد اور نسل خوب پھلی پھولی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی اولاد میں مبعوث کیا اور چالیس صفحات پر مشتمل ایک کتاب نازل فرمائی۔ تفسیر الکشاف میں ہے کہ آپ پر دس صحیفے نازل کیے گئے تھے جن میں شرعی احکامات (پچاس نمازیں تین ماہ کے روزے اور غسل جنابت فرض کیے گئے تھے جڑی بوٹیوں کے فوائد و نقصانات، شیاطین اور جنوں کی تسخیر اور ان سے محفوظ رہنے کے طریقے نیز علم ہندسہ اور علم حساب نازل کیا گیا تھا۔ نیز آپ کو کچھ معجزات بھی عطا ہوئے تھے اور آپ کی اولاد کو مردار، بہتے خون اور خنزیر کے گوشت سے بھی منع کیا گیا تھا۔

(معارج النبوۃ ج ا صفحہ ۴۹)

امام بخاری کی تحقیق کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی میں آپ کی آل اولاد کی تعداد ستر ہزار ہو گئی تھی جن میں چالیس تو بیٹے بیٹیاں ہی تھے (۲۰ حمول میں ۲۰ بیٹے ۲۰ بیٹیاں اور اکیسویں میں حضرت شیث تنہا پیدا ہوئے جبکہ ایک بیٹے ہابیل کو قابیل نے قتل کر دیا تھا۔) بعض نے یہ تعداد چالیس ہزار بتائی ہے۔

(ایضاً صفحہ ۴۹۲)

آدمؑ کی وفات: کہتے ہیں کہ آپ نے ہزار سال کی عمر میں وفات پائی۔ جبریل نے حضرت شیث علیہ السلام کو غسل اور کفن دفن کا طریقہ بتایا اور نماز جنازہ کی تلقین کی۔ پھر آپ کا جسد خاکی غار کنز (واقع جبل ابو قیس) میں دفن کیا گیا۔ جو طوفان نوح علیہ السلام تک وہاں دفن رہا۔ طوفان کے دوران آپ کا تابوت کشتی نوح میں رکھا گیا اور بعد ازاں سراندیپ میں دفن کیا گیا۔

(ایضاً صفحہ ۴۹۷)

خصوصیات آدمؑ: (۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے بنایا۔ (قرآن) (۲) اپنی روح ان میں پھونکی۔ (قرآن) (۳) آپ کو اپنی صورت پر تخلیق کیا۔ (حدیث) (۴) بہترین شکل (احسن تقویم) سے نوازا۔ (۵) چھینکنے پر الحمد للہ کی تلقین فرمائی۔ (۶) تمام اسماء کا علم سکھایا۔ (قرآن) (۷) ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا۔ (۸) زمین پر آپ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ (۹) ابلیس کو آپ کی وجہ سے ملعون و مردود کیا۔ (۱۰) آپ نے سب سے پہلے توبہ کی جو قبول ہوئی۔ (۱۱) پہلے نبی ہیں۔ (۱۲) آپ منتخب ہستی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

بت پرستی کی ابتداء: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام اور ان کی اولاد کو نصیحت فرمائی تھی کہ وہ بنو قابیل سے میل جول اور رشتہ و مناکحت ہرگز نہ رکھیں۔ چنانچہ جب حضرت آدمؑ نے رحلت فرمائی تو اہل اسلام نے بنو قابیل کو آپ کی الوداعی زیارت نہ کرنے دی۔ جس کا انہیں بڑا رنج ہوا۔ لیکن ابلیس نے انہیں تسلی دے کر کہا کہ میں تمہارا ایسا بندوبست کرتا ہوں کہ تم اہل اسلام پر فوقیت حاصل کر لو گے۔ چنانچہ اس نے آدم علیہ السلام کی شبیہہ کے علاوہ پانچ بت بنا دیئے جن کے نام قرآن مجید میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر (نوح۔ ۲۳) آئے ہیں۔

پس بنو قابیل نے ان کی پوجا پاٹھ شروع کر دی۔ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جب وہ اصلاح پذیر نہ ہوئے تو طوفان میں یہ سب لوگ غرقاب ہو گئے اور مذکورہ اصنام بھی کہیں دب گئے۔ بعد ازاں ابلیس نے ان کی نشاندہی کر کے بعد میں آنے والی اقوام کو ان کی پرستش پر ورغلایا۔ چنانچہ بنو خزاعہ نے ود کو اپنا ٹھاکر بنایا۔ حمیر نے نسر کو، ہذیل نے سواع کو کہلان نے یعوق کو اور اعلم و انعم نے یغوث کو اپنا معبود قرار دیا۔

(معارج النبوۃ ج۱ صفحہ ۵۱۱)

حضرت شیث علیہ السلام: آپؑ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ جو ہابیل کے قتل کئے جانے کے پانچ سال بعد جبکہ حضرت آدمؑ کی عمر ۱۳۰ سال تھی پیدا ہوئے شیث کے معنی نعم البدل کے ہیں۔ آپ چونکہ ہابیل کا نعم البدل تھے اس لئے آپ کا یہ نام رکھا گیا۔ آپ پیغمبر تھے جن پر پچاس صحیفے نازل فرمائے گئے۔ آدمؑ کی وفات کے وقت آپ کو انہوں نے اپنا جانشین اور وصی مقرر فرمایا۔ دن اور رات کا حساب بتایا اور طوفان نوح کی خبر دی۔ اور تحنث (تنہائی میں عبادت اختیار کرنے کی تلقین کی طبری نے اپنی تاریخ میں آپ کا نام شث اور شاث لکھا اور بتایا کہ شیث اس کی سریانی شکل ہے اس کے معنی بدل عطیہ خداوندی یا ہبۃ اللہ بتائے جاتے ہیں یعنی اللہ کی بخشش۔ کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کو تعمیر کرایا جس میں پتھر اور چکنی مٹی استعمال کی گئی۔ آپ مکہ معظمہ میں رہائش رکھتے تھے اور زندگی میں حج کی رسوم ادا کرتے رہے۔ (الکامل ۱: ۳۱) وفات کے بعد کوہ ابو قبیس کے غار میں اپنے والدین کے پاس دفن ہوئے عمر ۹۱۲ سال پائی ابن اسحٰق کے بقول ان کی شادی اپنی بہن حزورہ سے ہوئی تھی۔ آپ کے جانشین آپ کے بیٹے نوش (enoch) ہوئے۔ حضرت آدمؑ کے داڑھی نہ تھی۔ البتہ حضرت شیثؑ داڑھی والے تھے۔ آپ کو "اوریا" بمعنی استاد یا اور
۱۲ بمعنی روشنی یا سکھانے والا بھی کہا جاتا ہے۔ جو سریانی اور عبرانی لفظ ہیں آپ نے اپنی زندگی کا کافی حصہ اپنی جنم بھومی شام میں بھی بسر کیا تھا آپ کے دور میں انسان دو گروہوں میں بٹ گئے تھے ایک ٹھیک چلن، دوسرے قابیل کی اولاد کے پیروکار اور نافرمان کہتے ہیں کہ حجر اسود پہلے پہل آپ نے اور حضرت آدمؑ نے کعبہ میں نصب فرمایا تھا جسے وہ جنت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔

(مطہر بن طاہر المقدسی۔ کتاب البدء والتکوین) ج۔۶ صفحہ ۹۶ (تاج العروس ابن اثیر الکامل ۱: ۲۸، ۳۱) (تاریخ

Marfat.com

طبری ۱: ۱۶۵- ۱۷۸، تاریخ طبری ۱: ۱۵۲) (البدایہ والنھایہ ۱: ۸۸) (بائبل ۴- تکوین ۲۵- ۲۶، ۳ تا ۸) (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج نمبر ۱۱ صفحہ ۸۵۰- ۸۵۱)

حضرت ادریس علیہ السلام: آپ کا ذکر قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے یعنی سورۃ مریم آیت ۵۶-۵۷ میں:-

(۱) اور ذکر کر (اس) کتاب میں ادریس کا بے شک وہ ایک صدیق نبی تھا اور چڑھالیا ہم نے اس کو مکان بلند میں (ترجمہ شاہ عبدالقادر")۔

(۲) سورۃ انبیاء آیت ۸۵ (ترجمہ) اور اسماعیل کو اور ادریس کو، اور ذوالکفل کو ہدایت دی وہ ہر ایک تھا صبر کرنے والوں سے (ترجمہ شاہ عبدالقادر")۔

"**ورفعناہ مکانا علیا**" (مریم) کی تفسیر الطبری (طبع ثانی مصر ۱۳۸۳ھ جزو ۱۶ صفحہ ۱۶) نے ان کے چوتھے آسمان پر یا جنت میں زندہ اٹھالئے جانے کی کی ہے تفسیر جلالین اور موضح القرآن میں بھی یہی بات کہی گئی ہے البتہ تفسیر کبیر بیضاوی اور الکشاف وغیرہ نے رفعنا کا مطلب آپ کا بلند مرتبت ہونا اور تقرب الٰہی پانا مراد لیا ہے۔ اور موجودہ دور کے بعض مفسرین بھی یہی مطلب لیتے ہیں (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۵-۲۴۸)

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی" آیت مذکور کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں۔

آپ (حضرت ادریس) کا نام اخنوخ ہے آپ حضرت نوحؑ کے والد کے دادا ہیں۔ آدم علیہ السلام کے بعد آپ ہی پہلے رسول (نبی) ہیں آپ کے والد حضرت شیث علیہ السلام ہیں سب سے پہلے (دنیا میں) جس شخص نے قلم سے لکھا وہ آپ ہی ہیں کپڑوں کے سینے اور سلے کپڑے پہننے کی ابتداء آپ ہی سے ہوئی اس سے پہلے لوگ کھالیں پہنتے تھے سب سے پہلے ہتھیار بنانے والے ترازو اور پیمانے قائم کرنے والے اور علم نجوم و حساب میں نظر فرمانے والے بھی آپ ہی ہیں یہ سب کام آپ ہی سے شروع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر تیس صحیفے نازل کئے اور کتب الہیہ کی کثرت درس کے باعث آپ کا نام ادریس ہوا۔"

(حاشیہ نمبر ۹۳ بذیل آیات مذکور)

"رفعناہ" کی تفسیر میں مولانا مرحوم نے لکھا ہے:- دنیا میں انہیں علو مرتبہ کیا یا یہ معنی ہیں کہ آسمان پر اٹھالیا اور یہی صحیح تر ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان چہارم پر دیکھا حضرت کعب احبار وغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت ادریس نے ملک الموت سے فرمایا کہ میں موت کا مزہ چکھنا چاہتا ہوں تم میری روح قبض کرکے دکھاؤ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور روح قبض کرکے اسی وقت آپ کی طرف لوٹادی آپ زندہ ہوگئے فرمایا اب مجھے جہنم دکھاؤ تاکہ خوف الٰہی زیادہ ہو چنانچہ یہی کیا گیا۔ آپ نے جہنم کے داروغہ سے فرمایا کہ دروازہ کھولو میں اس پر گذرنا چاہتا ہوں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپ اس پر سے گذرے پھر آپ نے ملک الموت سے فرمایا کہ اب مجھے جنت دکھاؤ وہ آپ کو جنت میں لے گئے آپ دروازے کھلوا کر جنت میں داخل

Marfat.com

ہوئے تھوڑی دیر انتظار کر کے ملک الموت نے کہا اب آپ اپنے مقام پر تشریف لے چلئے فرمایا اب میں یہاں سے نہیں جاؤں گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کل نفس ذائقہ الموت وہ میں چکھ ہی چکا ہوں اور یہ فرمایا ہے کہ وان منکم الا واردھا یعنی ہر شخص کو جہنم پر گذرنا ہے تو میں اس پر بھی گذر چکا اور اب میں جنت میں پہنچ گیا ہوں اور ان کے حق میں ارشاد باری ہے وما ھم منھا بمخرجین یعنی جنت میں داخل ہونے ہونے والوں کو وہاں سے نکالا نہ جائے گا۔ پس اب مجھے جنت سے چلنے کو کیوں کہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو فرمایا کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے جو کچھ کیا میرے اذن سے کیا اور وہ میرے اذن سے جنت میں داخل ہوئے انہیں چھوڑ دو۔ وہ جنت ہی میں رہیں گے چنانچہ آپ وہاں زندہ ہیں (حاشیہ نمبر ۹۴ زیر آیت مذکور)

تورات میں آپ کا نام حنوک اور عمر ۳۶۵ سال لکھی ہے جبکہ آپ کے ہمعصروں کی عمریں ۹۰۰ سال کے قریب بیان کی گئی ہیں۔ تورات میں باقی لوگوں کو "مر گیا" لکھا گیا ہے جبکہ حنوک کی نسبت "لے لیا گیا" کے الفاظ آئے ہیں۔

عہد نامہ جدید میں ایک خط منجانب سینٹ پال بنام عبرانیان (Hebreus 5:11) میں بھی حنوک کا "اس لئے کہ موت نہ دیکھے اٹھایا جانا (Translate - منتقل کیا جانا)" آتا ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ (ج نمبر ۲ صفحہ ۴۸-۲۴۵) کے مقالہ نگار سید ہاشمی فرید آبادی نے حضرت ادریس علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کیا ہے اور بعض تفاسیر میں بیان کردہ تشریحات کو اسرائیلیات سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ اور نئے مفسرین کی تفاسیر کو جن میں آپ کو عالی مرتبہ بتایا گیا ہے۔ بطور سند لائے ہیں۔ حالانکہ تورات کے الفاظ سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ آپؑ کو بلند مکان پر اٹھالیا گیا۔ اور قرآن مجید کے الفاظ بھی (ورفعناہ مکانا علیا) اوپر اٹھائے جانے کی تائید کرتے ہیں۔ اگر ہمارے پرانے مفسرین نے محض اسرائیلیات پر تکیہ کیا ہوتا تو وہ احادیث سے استدلال نہ کرتے جب قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی "رفعہ اللہ الیہ" کے معنی آپ کو زندہ اٹھالینے کے مسلہ ہیں جس کی تصدیق احادیث سے بھی ہوتی ہے تو پھر "ورفعنہ مکانا علیا" میں اللہ تعالیٰ نے بطور جمع متکلم جب یہ فرمایا ہے کہ ہم نے ادریس کو بلند مکان میں چڑھالیا جس کی تصدیق مرفوع احادیث سے بھی ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر شک کرنے کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔ یہ تشکیک کی پالیسی مغرب سے درآمدہ ہے۔ جس کا مقصد اہل اسلام کے یقین محکم کو متزلزل کر کے اسلامی افکار و محکمات کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کے سوا کچھ نہیں۔

مولانا وحید الزمان تبویب القرآن (مطبوعہ ادارہ محمدیہ لاہور صفحہ ۸۲۶) آیت مذکورہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"اور ہم نے اس کو بلند جگہ اٹھالیا" اس کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں۔

چوتھے آسمان پر یا دوسرے آسمان پر یا جنت میں پہنچایا یا نبوت سے سرفراز کیا (حاشیہ ا صفحہ مذکورہ بالا) بہر حال حضرت ادریس کے بارے میں اگر صرف قرآن مجید کو ہی سامنے رکھا جائے تو بھی ان کو بلند مکان پر اٹھالینے کے معنی بر آمد ہوتے ہیں اور پھر قرآن، تورات اور انجیل کی بھی واضح طور پر تصدیق کرتا ہے لہٰذا انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی جہاں تک محض "شک" کا تعلق ہے تو اہل علم جانتے ہیں کہ بعض لوگ حضرت عیسیٰؑ کے اوپر اٹھائے جانے کے بھی قائل نہیں۔

Marfat.com

ایک شبہ کا ازالہ: کعب احبار کی روایت میں قرآنی آیات کا حوالہ ہے جبکہ اس وقت تک قرآن مجید نازل نہ ہوا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ روایت نزول قرآن کے بعد گھڑی گئی ہے۔

جواب ـ حضرت ادریس پر صحائف کا نزول مسلمہ امر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جن قرآنی آیات کا روایت بالا میں ذکر ہے وہی آیات (مفہوماً) حضرت ادریس کے صحائف میں بھی نازل کر دی گئی ہوں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم بنیادی طور پر تو ایک ہی ہوتی تھی اور قرآن میں پچھلے انبیاء کی تعلیمات زیادہ مکمل شکل میں نازل کی گئی ہیں۔

لہٰذا روایت مذکور میں قرآنی آیات کا حوالہ گویا مکمل ترین اور مستند ترین آخری حوالہ کے طور پر دیا گیا ہے جس کی اصل معنوی طور پر صحائف میں بھی موجود تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام

رسول اول: حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ پہلے نبی ہیں جن کو منصب رسالت سے بھی نوازا گیا صحیح مسلم باب شفاعت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک طویل روایت ہے اس میں آیا ہے یا نوح انت اول الرسل الی الارض یعنی اے نوح آپ کو زمین پر سب سے پہلا رسول بنایا گیا۔

قوم نوح آپ کی بعثت سے پہلے توحید و نبوت کی تعلیمات سے ناآشنا ہو چکی تھی۔ اور انہوں نے بتوں کی پرستش شروع کر دی تھی سورۃ نوح میں ان بتوں کے نام ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر آئے ہیں سورہ عنکبوت میں ہے کہ آپ نے قوم کو ۹۵۰ سال تک تبلیغ فرمائی نیز ہر طرح سے یعنی کھل کر اور خفیہ طور پر سمجھایا مگر بدنصیب لوگ وعظ سنتے وقت کانوں میں انگلیاں دے لیتے تاکہ آپ کی نبوت و رسالت کی تاثیر کانوں کے ذریعے دل پر اثر انداز نہ ہونے پائے آپ کی تبلیغ کی تفصیلات اور اجمالی تذکرہ اٹھائیس سورتوں میں مختلف آیات میں بیان ہوا ہے۔ خصوصاً سورۃ اعراف، ہود، مومنون، شعراء، قمر اور نوح میں تفصیلی بات چیت ہے، باقی بائیس سورتوں میں اجمالی مگر موثر اور جامع باتیں ہیں۔ قوم کے امراء اپنی عددی اکثریت اور مالی برتری پر نازاں تھے جبکہ آپ کے پیروکار غریب نادار اور کمزور لوگ تھے جن کو امراء بے وقوف سمجھتے تھے نیز وہ یہ مطالبہ بھی کرتے کہ ان ذلیل اور کم درجہ لوگوں کو اپنے پاس جگہ نہ دو تو پھر ہم تمہاری بات سننے آئیں گے لیکن حضرت نوحؑ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا (سورہ ہود)

سورہ نوح میں بھی اس کی تفصیل ہے مگر جب اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ جو لوگ ایمان لا سکتے تھے وہ لا چکے اب مزید لوگ ایمان نہیں لانے کے۔ پس غم نہ کرو تو پھر آپ نے کافروں کے حق میں بددعا کی۔ کہ یا الٰہی کافروں کو زمین پر ملیامیٹ فرما دے کیونکہ بصورت دیگر ان کی نسلیں بھی کافر ہی پیدا ہوں گی اور کافر ہی مریں گی۔

Marfat.com

نور نبوت اور حکم ربانی: جب اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود میں مزید لوگوں کے ایمان نہ لانے کی اطلاع دی تو حضرت نوح نے اللہ کے عطا کردہ نور نبوت سے دیکھا کہ آیا ان کی نسلیں ایمان لائیں گی یا نہیں تو اس کا جواب نفی میں تھا لہٰذا فرمایا۔

انک ان تذرھم یضلوا عبادک و لا یلدوا الا فاجرا کفارا

"یعنی اے اللہ اگر تو نے انہیں (زمین پر) باقی رہنے دیا تو یہ لوگ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسلیں بھی فاجر اور کافر ہوں گی۔" (نوح:۲۷)

دوسری طرف حضور علیہ السلام کے نور نبوت کو دیکھئے کہ جب اہل طائف نے آپ کو لہولہان کر دیا تو روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا کہ وہ حضور ﷺ کی اجازت سے گستاخ لوگوں پر پہاڑ گرا دیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی نسلیں ایک دن اسلام کی دولت سے سرفراز ہوں گی لہٰذا آپ نے ان کی ہدایت کے لئے دعا فرمائی۔ اور بددعا سے گریز فرمایا یہاں نکتے کی بات صرف اتنی ہے کہ نوح علیہ السلام نے نور نبوت سے اپنی قوم کے کفار کی نسلوں کو بھی کافر و فاجر پایا تھا لہٰذا ان کے لئے دعائے ہلاکت فرمائی جبکہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نور نبوت سے اہل طائف کی نسلوں میں ایمانداروں اور مومنوں کو دیکھا تھا تو آپ نے ان کی ہلاکت کے لئے دعا نہ کی بلکہ ان کی ہدایت کے لئے دعا فرمائی۔

سفینۂ نوحؑ: جب مزید اصلاح کی امید نہ رہی اور آئندہ نسلوں کے سدھرنے کا بھی امکان نظر نہ آیا تو نوح علیہ السلام نے کفار و فجار کی ہلاکت کے لئے بددعا فرمائی جو منظور ہوئی اور حکم ملا کہ کشتی تیار کرو عرض کیا کشتی کس چیز سے تیار کروں جبریل امین نے درخت ساج (سال) کے چند پودے بونے کو دیئے ان کی کاشت کے چالیس سال بعد یہ تن آور درخت بن گئے جن کو کاٹ کر جبریل کی رہنمائی میں آپ نے اپنے بیٹوں کی مدد سے کشتی تیار کی چالیس سال کا یہ عرصہ کفار پر بھی عذاب کی طرح گذرا بارش بند ہو گئی ان کی عورتیں بانجھ ہو گئیں اور لوگ پانی کی ایک ایک بوند کو ترس گئے۔ چنانچہ جب کفار حضرت نوحؑ کو کشتی بناتے دیکھتے تو وہ آپ کا مذاق اڑاتے (کہ اس قدر خشک سالی میں اتنی بڑی کشتی بنانا ان کے نزدیک بے وقوفی کی علامت تھا) قرآن میں ہے۔

کلما مر علیہ ملاء من قومہ سخروا منہ قال ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ و یحل علیہ عذاب مقیم

"یعنی جب ان کی قوم کے سردار اور لیڈر لوگ ادھر سے گذرتے (جہاں کشتی تیار ہو رہی تھی) تو ان کا تمسخر اڑاتے......." (ھود۔۳۸)

ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق کشتی کی لمبائی چھ سو ساٹھ گز چوڑائی تین سو تیں گز اور بلندی

Marfat.com

تینتیس گز تھی اور اس کی تین منزلیں تھیں کشتی تیار ہو چکی تو حضرت آدم علیہ السلام کے جسد مبارک کے لئے ایک تابوت تیار کرنے کا حکم ہوا۔ وہ بھی تیار ہو گیا تو بحکم ربانی **قلنا حمل فیھا من کل زوجین اثنین** یہ کام ہو گیا تو **فار التنور** کا مرحلہ آیا۔ (ھود۔۴۰ مومنون۔۲۷)

کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام ایک تنورچی کے پاس کھڑے تھے اس نے مذاق کرتے ہوئے کہا اے نوح تمہارا سیلاب کدھر ہے اور پانی کہاں سے آئے گا (جبکہ چالیس سال سے خشک سالی کا دور دورہ ہے) فرمایا "وہ پانی تیرے تنور سے ابلے گا چنانچہ نبی علیہ السلام کا فرمانا تھا کہ تنور سے پانی ابلنے لگا بعض مفسرین نے کہا کہ آپ کی بیوی اور بیٹی تنور میں روٹیاں لگا رہی تھیں کہ اچانک تنور سے پانی ابلنے لگا انہوں نے آپ کو خبر دی آپ سمجھ گئے کہ عذاب آن پہنچا۔

کز تنور پیرہ زن سیلاب طوفان زادہ شد

بس پھر کیا تھا ادھر زمین سے پانی ابلنا شروع ہوا۔ ادھر آسمان سے بارش برسنے لگی

(ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر (قرآن) و فجرنا الارض عیونا (قرآن)

حتی کہ بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں پر چالیس چالیس گز پانی چڑھ گیا۔

سواران کشتی کی تعداد: حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ایمان لانے والے صرف آٹھ آدمی کشتی میں سوار تھے (۱) نوح علیہ السلام، تین بیٹے اور ان کی تین بیویاں اور ایک بیوی حضرت نوح کی (کل آٹھ افراد) آپ کا بیٹا کنعان اور اس کی ماں واعلہ دولت اسلام سے محروم رہے سو وہ غرقاب ہو گئے۔

محمد بن اسحاق نے کہا کہ کشتی میں مردوں اور عورتوں کی کل تعداد بیس تھی آٹھ وہ جن کا ذکر آ چکا ہے باقی چھ دوسرے مرد اور ان کی چھ بیویاں (کل بیس افراد) مقاتل نے ان کی تعداد اٹھاسی بتائی ہے جبکہ ابن عباسؓ کے بقول یہ کل اسی افراد تھے بعض نے کہا کہ یہ تعداد آٹھ اور اسی کی درمیان تھی کہتے ہیں کہ کشتی نے زمین پر تیرنے کے دوران میں حرم کعبہ کے گرد بھی طواف کیا بقول بعض سات مرتبہ طواف کیا اور بقول بعض سات دن

(یہ تفصیل قرآن کے علاوہ معارج النبوۃ ج ا صفحہ ۵۱۵ نیز قصص القرآن از حفظ الرحمن سیوہاروی سے اخذ کی گئی ہے) (قدر آفاقی)

پسر نوحؑ: نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بھی ایمان و ادب کی دولت سے محروم رہا تھا۔ پس جب طوفان میں اسے بہتے دیکھا تو پدرانہ محبت میں اللہ سے دعائے نجات کی اللہ نے فرمایا **انہ لیس من اھلک** وہ تمہارے اہل میں شامل نہیں۔ کیونکہ وہ غیر صالح عمل کا حامل ہے اور آخر وہ بھی اہل کفر کے ساتھ غرقاب ہو گیا۔

طوفان کی وسعت: طوفان نوح عام تھا یا خاص اس بارے میں بعض علمائے اسلام یہود و نصاریٰ اور ماہرین فلکیات اور ارضیات کا خیال ہے کہ یہ طوفان تمام کرہ ارض پر نہیں آیا

Marfat.com

تھا بلکہ اس محدود خطہ میں آیا تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم آباد تھی اور یہ علاقہ مسافت کے اعتبار سے ایک لاکھ چوالیس ہزار کلومیٹر مربع ہوتا ہے۔

(قصص القرآن حفظ الرحمن سیوہاروی جلد اول صفحہ ۶۰ گویا یہ رقبہ بیس ارب ستر کروڑ ساٹھ لاکھ مربع کلو میٹر بنتا ہے۔!)

بعض علمائے اسلام اور ماہرین طبقات الارض و تاریخ طبیعات کے نزدیک یہ طوفان تمام کرہ ارض پر آیا تھا کیونکہ بقول ان کے "جزیرہ" یا عراق عرب کی سرزمین کے علاوہ بلند پہاڑوں پر بھی ایسے حیوانات کے ڈھانچے اور ہڈیاں بکثرت پائی گئی ہیں جن کے متعلق آبی جانور ہونے کا یقین ہے اور پانی سے باہر ایک لمحہ بھی وہ زندہ نہیں رہ سکتے اور یہ آثار اس بات کی دلیل ہیں کہ کسی زمانہ میں ایسا ہولناک طوفان ضرور آیا تھا جس میں پہاڑوں کی چوٹیاں تک غرقاب ہو گئی تھیں۔

(ایضاً صفحہ ۶۱)

(واللہ اعلم بالصواب)

ویسے تورات کے علاوہ قدیم ہندو مذہب کی کتابوں میں بھی ایسے طوفان کا ذکر ملتا ہے۔ مولانا سید ابو نصر احمد حسین بھوپالی نے اپنی کتاب تاریخ الادب الہندی (صفحہ ۳۴-۳۵) میں یہ واقعہ بالتفصیل نقل کیا ہے۔ اس میں نوح علیہ السلام کا نام "مانو" بمعنی خدا کا بیٹا یا نسل انسانی کا جد اعلیٰ بتایا گیا ہے۔

ایک وضاحت: نسل انسانی بعد شیث علیہ السلام دو طبقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک طبقہ حضرت آدم علیہ اسلام کا پیرو تھا۔ جبکہ دوسرا طبقہ بنو قابیل کا تھا۔ یہ لوگ شہروں میں مکان بنا کر رہتے تھے جبکہ اہل شیث پہاڑوں میں سکونت پذیر تھے اور دونوں طبقوں میں بحکم آدم علیہ السلام میل جول اور مناکحت وغیرہ ختم ہو چکی تھی۔

قدرت خداوندی سے حضرت شیث کی آل اولاد کے مرد بڑے شکیل و وجیہہ تھے جبکہ ان کی عورتیں اتنی زیادہ حسین نہ تھیں۔ دوسری طرف بنو قابیل کی عورتیں نہایت حسین تھیں لیکن ان کے مرد حسن میں کمترین تھے۔ ایک دفعہ اہل شیث کے دو سو آدمی پہاڑوں سے اترے تاکہ اپنے تایا کی اولاد کی خبر لیں۔ جب یہ حسین مرد بنو قابیل کی حسین عورتوں نے دیکھے تو انہوں نے ان کا دل لبھانے کے لئے جتن کئے اور خاطر مدارات اتنی زیادہ کی کہ یہ لوگ انہیں کے ہو کر رہ گئے چنانچہ مزید سو آدمی ان کی خبر لینے کے لئے ادھر آئے اور وہ بھی حسین عورتوں کے جال میں پھنس کر ادھر ہی بس گئے بعد ازاں پہاڑ کے سارے باسی آہستہ آہستہ بنو قابیل کے پاس آن بسے اور ان کے درمیان روابط و مناکحت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اس طرح بنو قابیل کی تعداد اتنی بڑھی کہ انہوں نے خطہ زمین کا چوتھا حصہ گھیر لیا اور یہ لوگ کفر و بت پرستی سرکشی اور فسق و فجور میں بہت آگے نکل گئے۔ چنانچہ ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا (معارج النبوۃ بروایت ابن عباسؓ ج اصفحہ ۵۱۰-۵۱۱) اردو ترجمہ)

جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

Marfat.com

آمدم بر سر مطلب: یہ بارش چالیس روز تک برسا کی ادھر زمین سے پانی ابلا پھر آسمان کو اللہ نے حکم دیا **یاسماء اقلعی** اور زمین کو حکم ملا **یاارض ابلعی ماء ک** (قرآن) تو زمین نے پانی نگل لیا۔ اور قریباً چھ ماہ کے بعد کشتی کوہ جودی پر ٹھہر گئی (قرآن) جب پانی خشک ہوا تو حضرت نوح کے بیٹوں حام، سام اور یافث کی اولاد سے نسل انسانی پھر سے بڑھی پھولی۔ جبکہ دیگر چھ افراد جو کشتی میں سوار تھے کی نسل ختم ہو کر رہ گئی۔

نوح علیہ السلام کے بیٹے

حام بن نوح: حضرت نوح علیہ السلام کی بیٹے جو طوفان کے وقت اپنے بھائیوں سام اور یافث کے ساتھ ہی کشتی میں سوار تھے حضرت نوح نے ان کو دعا دی کہ سب پیغمبر سام کی اولاد سے اور سب بادشاہ یافث کی اولاد سے ہوں اور حام کی اولاد ان دونوں کی آل اولاد کی خدمتگذار ہو۔ ایک روایت کی رو سے حضرت عیسیٰ نے حام کی قبر پر جا کر قم باذن اللہ کہا اور وہ زندہ ہو گئے اور پھر ان سے طوفان نوح کا حال سنا اس روایت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ حام عالم شباب میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ (طبری ج۔ا صفحہ ۱۸۷) مسلم مورخین نے لکھا ہے کہ سام کا رنگ سفید، یافث کا سرخ اور حام کا رنگ سانولا تھا لیکن حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا سے حام کی اولاد کا رنگ سیاہ اور بال گھنگھریالے ہو گئے۔

(کتاب پیدائش باب ۹ آیت ۱۸۔ ۲۷)

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی زندگی میں ہی کل زمین اپنے تینوں بیٹوں میں اس طرح تقسیم کر دی تھی۔

(۱) سام کو وسط زمین کے علاقے ملے اور آپ کی اولاد عرب، فارس، ایران وغیرہ (ایشیا) میں پھیلی اور وہ ابوالعرب کہلائے۔

(۲) یافث کو فیشون کے شمال کا علاقہ (یورپ) ملا۔ ترک، مقالبہ اور یاجوج ماجوج اس کی نسل سے ہوئے اور وہ ابوالروم کہلائے۔

(۳) حام کو دریائے نیل سے مغرب کا علاقہ (افریقہ) دیا گیا اور وہ ابوالحبش کہلائے۔

تورات میں ہے کہ حام کے چار بیٹے تھے (۱) کوش (۲) مصرایم (یا مصرام) (۳) فوط (۴) کنعان۔

کوش کا بیٹا نمرود بابل کا بادشاہ ہوا اور اس کی باقی اولاد مشرق و مغرب کے ساحلی علاقے یعنی نوبہ جشہ اور فزان وغیرہ میں آباد ہو گئی۔ قبطی اور بربر مصرائم کی اولاد ہیں جبکہ فوط نے اپنے خاندان سمیت سندھ کا رخ کیا چنانچہ سندھی اور ہندی اس کی نسل سے ہیں۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ صفحہ ۸۴۰)

سام بن نوح: نوح علیہ السلام کے بیٹے جو نور محمدی ﷺ کے امین ہونے وہ حضرت سام تھے۔ آپ کے بعد نور محمدی ﷺ آپ کے آخری بیٹے ارفحشد کو منتقل ہوا اور ان سے یہ

Marfat.com

نوران کے سب سے چھوٹے لخت جگر عابر (عابر الہود) کو تفویض ہوا۔ پھران کے بیٹے فالح کو یہ امانت سونپی گئی پھر یہ نور آپ کے بیٹے ارغو کو ملا پھران کے بیٹے شاروخ اس نور سے سرفراز ہوئے پھر آپ کے بیٹے ناحور کو یہ دولت ملی پھران سے نور محمدی ﷺ تارخ میں منتقل ہوا۔ تارخ کے بعد یہ امانت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سونپی گئی۔

یافث: یہ حضرت نوح کے تیسرے بیٹے تھے چونکہ یہی تین بیٹے کشتی نوح میں سوار ہو کر طوفان کی زد سے محفوظ رہے تھے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ساری دنیا میں نسل انسانی ان تین حضرات سے چلی۔ نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کے دور میں سب انسان جو کفار و مشرک تھے طوفان میں غرق کر دیئے گئے تھے اور صرف آپ کے مذکورہ تین بیٹے ہی بچے تھے جن سے انسانیت اور نسل انسانی کا فروغ ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: آپ کی ولادت سرزمین امواز میں بمقام سوس ہوئی

(نعیم البیان فی تفسیر القرآن (بحوالہ خزائن العرفان) صفحہ ۱۰۷)

پھر آپ کے والد آپ کو بابل لے آئے جہاں نمرود بن کنعان بن سخاریب بن انوش بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کی حکمرانی تھی۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ (ج ا صفحہ ۳۴۶) میں یہ سلسلہ اس طرح ہے:

نمرود بن کنعان بن سخاریب بن نمرود بن کوش بن کنعان بن حام بن نوحؑ

نمرود ان چار عظیم حکمرانوں میں سے ایک تھا جنہوں نے تقریباً ساری دنیا پر حکومت کی۔ ان میں دو مسلمان ہوئے ایک ذوالقرنین اور دوسرے سلیمان علیہ السلام اور دو کافر تھے ایک بخت نصر اور دوسرا نمرود

(معارج النبوۃ جلد ا صفحہ ۵۵۹ (اردو ترجمہ)

آغاز میں بڑا انصاف پرور اور عادل تھا چنانچہ اس کا چرچا چار دانگ عالم میں پھیلنے لگا اور سلطنت وسیع تر ہونے لگی۔ حتیٰ کہ شیطان نے اسے ورغلایا اور آخر اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا پھر اس کے مشیروں نے اس کے مجسمے گھڑوا کر عبادت خانوں میں رکھوا دیئے اور اس طرح شاہ پرستی اور بت پرستی کا زور ہو گیا۔

نمرود کا خواب: نمرود نے خواب دیکھا کہ ایک ستارہ طلوع ہوا اس کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ سورج کی روشنی پر غالب آ گئی۔ حتیٰ کہ اس کے سامنے سورج ماند پڑ گیا۔ ایک اور خواب دیکھا کہ ایک شخص نے اس کا تخت لکڑی سے کھٹکھٹایا جس سے بالآخر وہ ٹوٹ گیا۔ اس نے اپنے درباری نجومیوں اور کاہنوں سے مشورہ کیا اسے بتایا گیا کہ تیری سلطنت کے لئے ایک بچہ خطرہ بنے گا۔ جو عنقریب پیدا ہو گا پس نمرود کے حکم سے پہلے تو میاں بیوی کا اختلاط اس طرح ممنوع قرار دیا کہ عورتیں شہروں میں رہتیں اور ان کے مرد شہر سے باہر رات دن بسر کرتے اور جو عورتیں پہلے سے حاملہ تھیں ان کے

Marfat.com

لڑکے قتل کرا دیئے گئے البتہ لڑکیاں زندہ رکھی گئیں لیکن اللہ اپنے امر پر غالب ہے چنانچہ اس قدر پابندیوں کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو کسی نہ کسی طرح قتل سے بچ گئے اور جوان ہو گئے۔

(معارج النبوہ ج ا صفحہ ۵۶۰ تا ۵۶۴)

آپ کا سلسلہ نسب: ابراہیم علیہ السلام بن تارخ (تارح) بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالخ بن عابر بن شالخ بن ارفکشاذ بن سام بن نوحؑ (ابن اثیر جلد ا صفحہ ۶۷) نیز قصص القرآن ج ا صفحہ ۱۳۵)

نووی نے نقل کیا ہے کہ آپ اقلیم بابل کے مقام کوثا میں پیدا ہوئے تھے آپ کی والدہ کا نام نونا تھا

(نیز دیکھئے معجم البلدان ج ۴ صفحہ ۳۱۷)

ایک اور روایت کے مطابق آپ کلدانیہ کے شہر "ار" میں پیدا ہوئے اور آپ کو مکفیلۃ کے غار میں دفن کیا گیا جس کا نام اب الخلیل ہے (یاقوت ج۔ ۲ صفحہ ۱۹۴) جو بیت المقدس سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ا صفحہ ۳۴۷۔)

آزر اور تارخ: ناحور بن سروج کے آٹھ بیٹے تھے عوص، یبقال، باعور، سیول، فهویل، باران، تارخ اور آزر۔ چنانچہ یبقال کی اولاد سے حضرت لقمان (حکیم) تھے جن کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام ہاران بن تارخ بن ناحور کے بیٹے تھے یہ ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی تھے۔

(الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین از محمد شفیع اوکاڑوی حصہ اول صفحہ ۴۲)

آزر کا نام قرآن مجید میں بطور (ابیہ) والد آیا ہے۔ جبکہ مورخین (ابن اثیر ج ا صفحہ ۶۷) (اور تورات) ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ بتاتے ہیں۔ تو علمائے کرام نے اس سلسلے میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔

کہتے ہیں کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ تھا بلکہ چچا تھا۔ آپ کے والد تارخ بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اس لئے آپ کو چچا نے پالا تھا اور چچا بھی چونکہ بمنزلہ والد کے ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت یعقوبؑ کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو آخری وقت بلا کر پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو "**قالوا الھک والہ آبائک ابراہیم و اسماعیل و اسحاق**" انہوں نے کہا کہ ہم تیرے رب اور آپ کے آبا ابراہیم و اسماعیل و اسحاق علیہم السلام کے رب (معبود) کو پوجیں گے (بقرہ ۱۳۳) تو یہاں حضرت اسماعیل کو جو یعقوب کے تایا تھے اسحاق کے شانہ بشانہ آبا میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح بقول مفسرین آزر بھی حضرت ابراہیمؑ کے چچا تھے مگر اسے بمنزلہ باپ ہونے کے "ابیہ" کہا گیا۔ چنانچہ امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی کہ فرمایا

Marfat.com

"ان ابا ابراہیم لم یکن اسمہ ازرو انما کان تارخ" یعنی ابراہیم کے والد کا نام آزر نہیں بلکہ تارخ تھا۔ اسی طرح امام ابی شیبہ وابن المنذر وابن ابی حاتم نے صحیح طرق کے ساتھ حضرت مجاہدؒ سے روایت کی کہ "لیس آزر ابا ابراہیم" یعنی "آزر ابراہیم کا باپ نہ تھا" ابن المنذر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جریجؒ سے روایت کی کہ "لیس ازر بابیہ انما ھو ابراہیم بن تارخ" یعنی ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہیں بلکہ تارخ تھا۔

آپ کا چچا آزر نہ صرف بت پرست بلکہ بت تراشی کے ضمن میں بہترین فنکار اور آرٹسٹ بھی تھا۔ امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ ابن منذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ سلیمان بن صرد سے روایت کی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور وہ آپ پر گلزار ہو گئی تو آزر نے کہا "کس نے اس سے آگ کو دفعہ کر دیا؟" تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آگ کا ایک شرارہ بھیجا جس نے آزر کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آزر انہی ایام میں ہلاک ہو گیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا چنانچہ آپؑ نے اس کے لئے مغفرت طلب کی کیونکہ آپ نے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مغفرت طلب کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال واضح کی (فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ) تو اس دشمن خدا سے آپؑ نے بیزاری کا اظہار کیا (توبہ ۱۱۴) اور ہمیشہ کے لئے اس کے لئے استغفار کو ترک کر دیا۔ اور یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ کے واقعہ کے بعد ہجرت فرمائی۔

وقال انی ذاھب الی ربی سیھدین (الصافات ۹۹)

اس وقت آپ کی عمر سینتیس برس تھی۔ پھر چھیاسی یا نوے سال کی عمر میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسماعیل سے نوازا۔ چنانچہ جب آپ ان کو اور حضرت ہاجرہ کو کعبہ اللہ کے پاس چھوڑ کر واپس ہوئے تو راستے میں دعا کی کہ اے اللہ میں نے اپنی اولاد کو تیرے حرم کے پاس غیر ذی زرعہ وادی میں ٹھہرا دیا ہے اور پھر ساتھ ہی یہ دعا کی ربنا غفرلی ولوالدی وللمومنین یوما یقوم الحساب (ابراہیم ۴۱) یعنی اپنی اور اپنے والدین کی بخشش کے لئے دعا کی تو جب آزر کو دشمن خدا یقین کر کے بحکم الٰہی اس کی بخشش کی دعا ترک کر چکے تھے تو پھر پچاس سال بعد اس کے لئے دوبارہ دعائے مغفرت کرنے کی کوئی تک نہ تھی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ دعا آزر کے لئے نہیں بلکہ اپنے حقیقی والدین کے لئے فرمائی تھی اور یہ دعا مقبول بھی ہوئی کیونکہ ہر مسلمان نماز میں التحیات کے بعد یہ دعا آپ کی تقلید میں اپنے والدین کے لئے مانگتا ہے۔ پس آزر آپؑ کے چچا تھے والد نہ تھے۔

(الحاوی للفتاوی صفحہ ۲۱۹ ماخوذ از الذکر الحسین از [illegible] محمد شفیع اوکاڑوی مرحوم مطبوعہ کراچی حاشیہ صفحہ ۴۲ تا ۴۴)

المحبر صفحہ ۴ کے مطابق تارخ کی وفات حران میں ہوئی اس سے مزید یہ تائید ہوتی ہے کہ آزر اور تارخ دو مختلف ہستیاں ہیں۔

Marfat.com

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ صفحہ ۷۴۲)

قاموس میں ہے کہ آزر آپ کے چچا کا نام تھا۔

(تفسیر نعیم البیان بر کنزالایمان زیر آیت ۷۴ سورہ انعام)

تارے اور ابراہیم علیہ السلام: نمرود کے خوابوں کے نتیجہ میں حضرات و خواتین پر پابندیوں کے باوجود جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو ل قرار پا گیا تو نجومیوں اور کاہنوں نے حساب لگا کر بتایا کہ وہ بچہ اب شکم مادر میں آچکا ہے۔۔ لیکن آپ والدہ کم عمری کی وجہ سے پہچانی نہ جا سکیں۔ جب ولادت کا زمانہ قریب آیا تو آپ کی والدہ ایک تہ خانہ چلی گئیں جو آپ کے والد نے شہر سے دور تیار کر رکھا تھا۔ اس کا دروازہ پتھروں سے ڈھانپ دیا جاتا۔ یں آپ کی ولادت ہوئی اور اس تہ خانہ میں آپ نے سات تیرہ یا بقول بعض سترہ سال بسر کئے۔ چونکہ ہ تعالیٰ نے آپ کو فطری ہدایت سے نوازا ہوا تھا اس لئے ایک دن اپنی والدہ صاحبہ سے پوچھا میرا رب ن ہے۔ فرمانے لگیں "میں" پھر پوچھا تمہارا رب کون ہے" فرمایا "تیرا باپ" اس پر استفسار فرمایا یرے باپ کا رب کون ہے؟" یہ سنا تو وہ چپ رہیں البتہ تہ خانہ سے واپس شہر میں اپنے خاوند کے پاس یں تو کہا کہ جس بچے کے بارے میں دینی انقلاب لانے کی پیش گوئی کی گئی ہے وہ تمہارا بیٹا ہی لگتا ہے ونکہ اس نے آج اس طرح کے سوال و جواب کیے ہیں پھر ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تہ خانہ اندر سے رات کے وقت کسی طرح جھروکے سے ستارہ زہرہ یا مشتری دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے پھر جب ڈوب گیا تو یقین کر لیا کہ یہ ڈوب جانے والا میرا رب نہیں ہو سکتا۔ پھر (غالباً اگلی کسی رات) چاند کو چمکتا ھ کر اسے رب کہا۔ لیکن غروب ہونے پر اسے بھی مخلوق یقین کیا اور کہا کہ اگر میرا (حقیقی) رب مجھے ھی راہ نہ دکھائے گا تو میں ضرور گمراہ رہوں گا۔ پھر ایک دن سورج کو دیکھا تو اسے رب سمجھا لیکن وہ ب گیا تو یقین کے ساتھ برملا اظہار توحید پرستی کرتے ہوئے فرمایا کہ میں کسی مخلوق کو خدا نہیں مانتا اور اپنا خ اس اللہ کی طرف پھیرتا ہوں جو آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک ہے اور شرک سے دور ہوں۔

(تفسیر از نعیم الدین مراد آبادی حاشیہ نمبر ۱۶۴ زیر آیت ۷۶ سورۃ انعام)

گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیدھی راہ بتا دی۔ چنانچہ جب قوم نے آپ سے حجت بازی شروع ، تو فرمایا **اتحاجونی فی اللہ وقد ھدٰن** (۶-۸۰) یعنی کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے جھگڑتے ہو جبکہ اس نے مجھے راہ ہدایت سے نواز دیا ہے۔

مین و آسمان کی بادشاہی کا مشاہدہ: سورہ انعام کی آیت ۷۵ کی تفسیر میں ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق وغیرہ مراد ہے مجاہد اور سعید بن جبیرؓ **"وکذالک نری ابراہیم ملکوت السموات الارض ولیکون من الموقنین"** (۶-۷۵) کے بارے میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم ہ السلام کو صخرہ (پتھر) پر کھڑا کیا گیا اور آپ کے لئے آسمان کھول دیئے گئے یہاں تک کہ آپ نے عرش و

Marfat.com

کرسی اور آسمانوں کے تمام عجائب اور جنت میں اپنے مقام کو ملاحظہ فرمالیا۔ اسی طرح زمین بھی آپ پر منکشف کر دی گئی اور اس کے عجائب بھی معائنہ فرمائے اس میں اختلاف ہے کہ یہ مشاہدہ بچشم سر تھا یا بچشم باطن۔

(ایضاً حاشیہ نمبر ۱۶۲ زیر آیت ۷۵ سورۃ انعام بحوالہ در منشور و خازن وغیرہ)

عطائے الٰہی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے **ولقد اتینا ابراہیم رشدہ من قبل و کنا بہ عالمین** (۲۱-۵۱) ابتدائی عمر میں بلوغت سے قبل ہی نیک راہ عطا کر دی تھی اور آپ کو قلب سلیم سے نوازا تھا (۳۷-۸۴)) حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے دین و ملت پر تھے اور ان دونوں کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس برس کا وقفہ خیال کیا جاتا ہے۔ اور اس دوران میں صرف دو نبی حضرت ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے یقین و ایمان کی دولت کے ساتھ نبوت سے بھی نوازا تھا اور زمین و آسمان میں اپنی نشانیاں بھی دکھائیں جن سے اطمینان قلب ہوا۔

بت شکنی: آپ کے زمانے کے سب لوگ بتوں کو پوجتے تھے جبکہ آپ کے چچا آزر بت تراش کر فروخت کیا کرتے تھے بعض نے ان کو سرکاری بتخانے کا بڑا افسر بھی لکھا ہے۔ کہ اس کی چابیاں انہی کے پاس ہوتی تھیں۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) جب ان کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھتے تو بہت رنجیدہ ہوتے سورہ مریم میں اپنے چچا سے جس طرح بحث کر کے انہیں بتوں کی خامیوں سے آگاہ فرمایا اس کا ذکر آیت (۴۲ تا ۵۰) میں ملتا ہے۔ یہ بات گھر سے نکل کر عوام میں بھی پھیل گئی کہ ابراہیم علیہ السلام بتوں کی مخالفت کرتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کو بھی آپ نے سمجھایا تو وہ بولے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی روش پر پایا ہے تو آپ نے کہا کہ تم اور تمہارے آباؤ اجداد صریح گمراہی میں تھے۔ اس پر لوگوں نے کہا کیا آپ ہمارے پاس حق لائے ہیں یا یونہی ٹھٹھا کرتے ہو؟" تو فرمایا کہ اللہ تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا مربی اور خالق ہے اور خدا کی قسم میں تمہارے بتوں سے تمہاری غیر حاضری میں ضرور چکر چلاؤں گا۔

(انبیاء ۵۲-۵۷)

پھر جب لوگ ایک میلے میں شرکت کے لئے چلے گئے تو آپ خود کو بیمار کہہ کر وہیں رہ گئے اور کلہاڑے سے سب بتوں کو پاش پاش کر دیا اور کلہاڑا سب سے بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ لوگ واپس آئے تو بتخانے کی یہ حالت دیکھ کر تلملائے اور کہا کہ یہ سب ابراہیم علیہ السلام کا کیا دھرا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا ان کے بڑے سے پوچھو اسی نے کیا ہو گا یہ سن کر لوگ شرمندہ ہوئے مگر ڈھٹائی سے بولے کہ یہ تو بول نہیں سکتے۔ فرمایا "تو پھر ان کو معبود بنانے سے کیا حاصل۔ ایسی عبادت پر تف اور ایسے خداؤں پر افسوس جہالت کی مارے عوام نے مشورہ کیا کہ آپ کو آگ میں جلا کر خاکستر کر دو لیکن اس کے لئے بادشاہ کی منظوری بھی درکار تھی۔

Marfat.com

نمرود سے مناظرہ: نمرود کو لوگوں نے آپؑ کے بارے میں اطلاع دی۔ اس نے آپ کو بلایا اور لاجواب ہو کر اور دلائل حقہ سن کر حکم سنایا کہ آپ کو قید کر دیا جائے۔ آپ سات سال تک قید رہے اور اس عرصے میں آپ کو جلانے کے لئے ایک بہت بڑا آتشکدہ تیار کیا گیا۔

(التذکرالحسین صفحہ ۴۵)

پھر آپ کو نمرود کے سامنے لایا گیا اور نمرود نے کہا دیکھو میرے رب نے مجھے بادشاہی اور عزت بخشی۔ ابراہیمؑ بولے کہ میرا رب زندگی سے نوازتا اور موت دیتا ہے۔" وہ بولا یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں اور ثبوت کے طور پر دو اشخاص کو بلا کر ایک کو قتل کرا دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ آپ اس کی بے وقوفی کو بھانپ گئے مگر دلیل کا اگلا تیر لاجواب چھوڑا اور فرمایا کہ میرا رب مشرق سے سورج نکالتا اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ یہ سن کر کافر کے ہوش اڑ گئے۔

(بقرہ ۲۵۸)

وہ لاجواب ہوا تو ہدایت کی بجائے ظلم کی راہ اختیار کی اور فیصلہ دیا کہ ابراہیمؑ آگ میں جلائے جانے کا ہی مستحق ہے۔

گلزار ابراہیمؑ: آخر ایک عمارت میں آتشکدہ تیار کیا گیا اور جب آگ کے بھانبڑ مچے تو میلوں تک اس کی حرارت جاتی تھی کہتے ہیں کہ شیطان لعین نے گوپھیے میں رکھ کر آپ کو آگ میں پھینکنے کی ترکیب بتلائی۔ جب آپ کو آگ میں پھینکا گیا تو آپ کی زبان پر **حسبی اللہ و نعم الوکیل** کا ورد تھا۔ جبرل امین نے پوچھا کوئی حاجت ہو تو فرمایئے۔ فرمایا تم سے کوئی حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ میرا حال خوب جانتا ہے ادھر آپ آگ کے قریب ہوئے ادھر ارشاد باری تعالی ہوا **یانار کونی بردا و سلاما علی ابراہیم"**

(انبیاء ۶۹)

چنانچہ آگ آپ پر گلزار ہو گئی۔ آپ آگ کے اندر سے زندہ و سلامت نکل آئے تو لوگ حیران رہ گئے مگر بادشاہ کے خوف سے باوجود وہ لوگ ایمان نہ لا سکے اور مچھروں کے عذاب سے ہلاک ہوئے جن میں نمرود سرفہرست تھا۔ آخر آپ نے اس سرزمین کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے۔

شام کو ہجرت: شام کی سرزمین کو قرآن میں بابرکت کہا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم وہاں ہجرت کر گئے پہلے مرحلہ پر آپ اپنے دادا کے وطن حران پہنچے جہاں آپ کے تایا ہاران بن ناحور رئیس اعظم تھے انہوں نے اپنی بیٹی سارہ کی شادی آپ سے کر دی۔

(بعض جگہ حضرت سارہ بنت لابن بن بتویل بن ناحور لکھا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ا صفحہ ۳۴)

وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ اپنی بیوی کو لے کر اردن پہنچے۔ یہاں سے مصر کا قصد کیا۔ مصر کا بادشاہ بڑا جابر اور نفس پرست تھا اسے جب کوئی شادی شدہ عورت پسند آجاتی تو وہ اس کے شوہر کو قتل کروا

Marfat.com

کر اسے اپنے گھر میں ڈال لیتا اگر کوئی کنواری لڑکی پسند آجاتی تو اس کے لواحقین سے طوعاً یا کرہاً اسے حاص
کر لیتا۔ اس مقصد کے لئے اس نے اپنے کارندے چھوڑ رکھے تھے۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلا
اور حضرت سارہ وہاں پہنچے تو کارندے آپ کو دربار شاہی میں لے گئے۔ آپ نے سارہ سے اپنا رش
بربنائے دین "بہن" بتایا جس میں حکمت یہ تھی کہ بطور شوہر قتل کا خدشہ تھا۔ لہٰذا آپ نے عائلی کی بجا
دینی سطح پر اپنا رشتہ بتایا اور بادشاہ حضرت سارہ کو اپنے حرم میں لے گیا مگر اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور
حضرت سارہ کی عظمت اجاگر کی اور عصمت کی حفاظت فرمائی کہتے ہیں کہ بد ارادہ سے ہاتھ بڑھاتے ہی بادش
کے ہاتھ شل ہو گئے جو باز آنے اور توبہ کرنے پر حضرت سارہ کی دعا سے درست ہو گئے۔ لیکن دوسری با
بدنیتی پر اس سے بھی زیادہ سخت گرفت ہوئی۔ اور توبہ کرنے پر آفاقہ ہوا مگر جب تیسری بار پھر بدنیتی کا اظہا
کیا تو گرفت مزید سخت ہوئی اب کی بار اسے جب اصل رشتہ بتایا گیا تو اسے یقین ہو گیا کہ سارہ زوجہ ابراہ
اللہ کی مقبول بندی ہے۔ چنانچہ تہ دل سے توبہ کی اور ان کی خدمت کے لئے اپنی بیٹی کو پیش کیا چنانچہ ابراہ
علیہ السلام نے اللہ کی تعالیٰ کی طرف سے اس غیبی امداد پر بہت زیادہ شکر کیا۔

(مصر کا بادشاہ سامی النسل تھا۔ ابراہیمؑ اور سارہ کی عظمت اجاگر ہونے کے بعد اس نے حضرت ابراہیم ک
ساتھ اپنی بیٹی ہاجرہ کا نکاح کر دیا اور اسے تاکید کی کہ وہ حضرت سارہ کی خدمت گزار بن کر رہے۔ نیز بادش
نے آپ کو مال و منال سے نوازا تورات کا معتبر مفسر ربی شلوم (پیدائش باب ۱۶ آیت نمبر ا کی تفسیر میں) لکھ
ہے۔

"ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھی۔ فرعون نے جب سارہ کی کرامات دیکھی تو کہا کہ اس کے گھر کی لونڈی بن کر ر
دوسرے کے گھر میں ملکہ بن کر رہنے سے بہتر ہے۔ (قصص القرآن حصہ اول صفحہ ۱۹۶ از حفظ الرح
سیوہاروی ارض القرآن ج۔ ۲ صفحہ ۴۱)۔

حضرت ہاجرہ سے نکاح اور اسماعیلؑ کی پیدائش:

حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہ ہو
تھی۔ آخر انہوں نے حضرت ہاجر
سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نکاح کر دیا۔ آپ نے دعا کی **رب ھب لی م
الصالحین** (۳۷-۱۰۰) دعا قبول ہوئی اور ہاجرہ کے بطن سے **فبشرنہ بغل
حلیم** (۳۷-۱۰۱) کی تعبیر کے طور پر اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تورات کے مطا
(پیدائش-۱۶-۱۵-۱۶) اسماعیلؑ کی پیدائش کے وقت آپ کی عمر چھیاسی سال تھی۔ اور آپ کو خوشخبر
سنائی گئی کہ میں اسماعیل کو برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اس کو بہت بڑھاؤں گا اور اس کے
بارہ سردار تولد ہوں گے اور اسے میں بڑی قوم بناؤں گا (پیدائش ۱۷-۲۰) اور حضرت اسماعیل کا نام حضر
ہاجرہ نے فرشتہ سے بشارت پا کر ہی رکھا تھا۔

حضرت ہاجرہ کی ہجرت:

ارض القرآن (ج ۲ صفحہ ۴۰) میں ہے کہ ہاجرہ اصل میں عبرانی
"ہاغار" ہے جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی کے ہیں۔ آپ کا وطن چو

Marfat.com

مصر تھا اور انہوں نے وہاں سے اپنے خاوند اور باکرامت بی بی سارہؓ کے ساتھ ہجرت کی تھی اس لئے ان کا نام ہاغار پڑ گیا۔ لیکن اسی اصول کے پیش نظر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ہاغار کے معنی "جدا ہونے والا" کے ہیں اور عربی میں ہاجر کے معنی بھی یہی ہیں۔ چونکہ حضرت ہاجرہ اپنے لوگوں سے جدا ہو کر اللہ کی راہ میں اس کی خوشنودی اور اس کے برگزیدہ بندوں کی خدمت کے لئے ہجرت کر آئی تھیں اس لئے آپ ہاجرہ کہلائیں۔

(قصص القرآن حصہ اول صفحہ ۱۹۸۔۱۹۹ از سیوہاروی)

مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کا حکم: بخاری شریف میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور آپ کے شیر خوار بچے اسماعیل کو لے کر چلے اور کعبہ کے پاس ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر ان کو چھوڑ گئے وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی وہاں پانی تک نہ تھا۔ اس لئے ایک مشکیزہ پانی اور کھجوروں کی ایک تھیلی ان کے پاس چھوڑی اور منہ پھیر کر روانہ ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ آپؑ کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں کہ ہمیں اس بے آب و گیاہ اور ویران جگہ پر چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔ مگر ابراہیمؑ خاموش چلے جا رہے تھے۔ جب پوچھا گیا کہ کیا یہ اللہ کا حکم ہے تو "ہاں" کہا اور چلتے گئے اب حضرت ہاجرہ نے کہا کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو خدا ہمیں ہرگز ضائع اور برباد نہیں کرے گا وہ واپس (درخت کے نیچے) لوٹ آئیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام ایک ٹیلہ (جہاں سے اہل و عیال او جھل ہو گئے) پر پہنچے تو قبلہ رو ہو کر یوں دعا کی۔

"اے ہمارے پروردگار! میں نے غیر ذی زرعہ وادی میں تیرے معظم گھر کے پاس اپنی بعض اولاد بسائی ہے۔ تاکہ اے خدا کہ تیری نماز پڑھیں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرمانا اور کھانے کو پھل عطا کرنا تاکہ وہ تیرے شکر گزار ہوں۔ (ابراہیم ۳۷)

چند دن تک وہ توشہ کام آیا۔ پھر پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں تو حضرت ہاجرہ پریشان ہوئیں۔ خود بھی بھوکی پیاسی تھیں اور بچہ بھی بے تاب ہو کر رونے لگا تو پانی وغیرہ کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ بے تابی سے بھاگ کر گئیں اور آئیں مگر پانی نہ ملا یہ ادا اللہ کو اس قدر پسند آئی کہ حج میں ہر حاجی کے لئے "سعی بین الصفا والمروہ" ہمیشہ کے لئے لازم قرار دے دی گئی۔ آخری مرتبہ مروہ پر تھیں کہ آواز سی پھر کان لگا کر سننے لگیں اور فرمایا اگر مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ سامنے جبریل امین تھے انہوں نے زمزم کی جگہ ایڑی یا پاؤں مارا اور پانی کا چشمہ ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ نے زمزم "رک جا رک جا" کہہ کر اس کے چاروں طرف مٹی سے مینڈھ بنا دی۔ مگر چشمہ برابر ابلتا رہا (لیکن مینڈھ سے باہر پانی نہ گیا) رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم کرے اگر وہ زم زم کہہ کر پانی نہ روکتیں اور مینڈھ نہ بناتیں تو وہ آج زبردست چشمہ ہوتا۔

حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا جبریل نے کہا خوف اور غم نہ کھا اللہ تعالیٰ تجھے اور

Marfat.com

تیرے بیٹے کو ضائع نہ کرے گا یہاں اللہ کا گھر ہے جس کی تعمیر یہ بچہ اور اس کا باپ مل کر کریں گے۔ اس لئے یہ خاندان بفضلہ تعالیٰ سلامت رہے گا۔

اسی عرصہ میں بنی جرہم کا قبیلہ قریبی وادی میں رکا۔ دور سے انہوں نے زمزم کے قریب پرندے اڑتے دیکھے وہ لوگ تحقیق کے لئے پانی کی تلاش میں آئے۔ پانی کا چشمہ پایا تو خوش ہوئے۔ حضرت اسماعیل انہی لوگوں میں بڑھے پلے اور جوان ہوئے اور ان کی زبان عربی بھی خوب سیکھ لی۔ پھر انہوں نے اپنے خاندان میں حضرت اسماعیل کی شادی کر دی ازاں بعد حضرت ہاجرہ وفات پا گئیں۔ حضرت ابراہیم اپنے بیٹے کی خبر گیری کے لئے تشریف لاتے رہے۔ ایک دفعہ آئے تو گھر میں آپ کی بیوی سے اسماعیلؑ کے بارے میں پوچھا کہنے لگی روزگار کی تلاش میں گئے ہیں۔ پوچھا "گذارا کیسا ہے؟" "بولی مصیبت ہی مصیبت ہے" فرمایا اسماعیل آئے تو کہنا کہ گھر کی چوکھٹ بدل دے اور میرا سلام کہنا" چنانچہ حضرت اسماعیل آئے تو گھر میں نور نبوت کے اثرات ملاحظہ کر کے بیوی سے پوچھا کون آیا تھا۔ بیوی نے سارا قصہ سنایا اور پیغام بھی دیا اور سلام بھی چنانچہ فرمایا "وہ میرے والد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے انہوں نے کہا ہے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں لہٰذا اب تم میری طرف سے فارغ ہو۔"

اس کے بعد اسماعیل علیہ السلام نے دوسری شادی کر لی۔ وہ خاتون بڑی صابر و شاکر تھیں۔ ایک دفعہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے تو آپ شکار کو گئے ہوئے تھے۔ گذران کا پوچھا تو بیوی نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اچھا گذارا ہو رہا ہے۔ کھانے کو گوشت اور پینے کو پانی ملتا ہے۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی **اللھم بارک لھم فی اللحم و الماء** اے اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔

اور چلتے ہوئے پیغام دیا کہ اسماعیل سے کہنا کہ اپنی چوکھٹ کو قائم رکھے۔ آپ شکار سے واپس آئے تو پہلے کی طرح سوال و جواب اور ماجرا سن کر بیوی سے فرمایا کہ وہ بزرگ میرے والد محترم تھے اور انہوں نے کہا ہے کہ میں تمہیں زندگی بھر رفیقہ حیات بنائے رکھوں۔

(بخاری شریف کتاب الرؤیا (تلخیص و مفہوم)

چنانچہ اس بیوی سے حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے ہوئے۔

اسماعیل ذبیح اللہ: دعاؤں کا ثمر اسماعیل کی شکل میں عطا ہو چکا تھا۔ جب یہ بچہ باپ کے ساتھ دوڑنے کے قابل ہوا تو باپ نے بیٹے کو بتایا کہ میں تمہیں خواب میں ذبح کرتے دیکھتا ہوں۔ اس خواب کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ حلیم الطبع اور سعادت مند بیٹا جانتا تھا کہ باپ کا خواب وحی الٰہی ہے اس لئے بولا "**یابت افعل ما تومر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین**" (صافات۔ ۱۰۲) ابا جی! آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کر گزریں انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ چنانچہ جب آپؑ اس آزمائش میں پورے اترے تو ارشاد باری ہوا **انی جاعلک للناس اماما** (۲۔ ۱۲۴) یعنی اے ابراہیم میں تمہیں لوگوں کا امام بناؤں گا اور

Marfat.com

جب بیٹا بھی آزمائش میں پورا اترا تو فرمایا **و فدیناہ بذبح عظیم و ترکنا علیہ فی الآخرین** (۳۷-۱۰۷) یعنی ہم نے اسے عظیم قربانی سے بدلہ دیا۔ اور آنے والی نسلوں میں قربانی کو قائم و باقی رکھا۔

پھر اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی (پیدائش) کی بشارت دی گئی۔

(صافات - ۱۰۱)

لہٰذا جو مسلمان مفسرین حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بجائے حضرت اسحاق کی قربانی کے قائل ہیں وہ گویا نص قطعی کے مقابلے میں "روایات" کو ترجیح دیتے ہیں۔ جبکہ علمائے کثیر نے قرآن مجید، احادیث اور تورات سے بحوالہ جات ثابت کیا ہے کہ حضرت اسماعیل ہی پہلوٹھے ہونے کے ناتے قربانی کے لائق ٹھہرے تھے چنانچہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دو ذبیحوں (حضرت اسماعیل اور حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب) کا فرزند ہوں۔ زیادہ تفصیل کے لئے رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب "اظہار الحق" اور مولانا عبدالحمید فراہی کے رسالہ "الرائے الصحیح فی من ھو الذبیح" دیکھی جا سکتی ہیں۔

تعمیر کعبہ: چونکہ بنی نوع انسان کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اس لئے ان کے لئے بھی پہلی عبادت گاہ بیت اللہ تھا۔ جس کا ذکر تاریخ و سیر کی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری (ج-۸ صفحہ ۲۸۱) میں روایت نقل کی ہے کہ سب سے پہلے کعبہ اللہ کی تعمیر فرشتوں کی نشاندہی پر حضرت آدم اور حضرت شیث علیہ السلام کی ہاتھوں انجام پائی۔ پھر ہزاروں سال کے حوادث نے اس کا نشان مٹا دیا۔ البتہ یہ جگہ ایک ٹیلا کی شکل میں ابھری ہوئی تھی اور پہچانی نہ جاتی تھی کہ یہی کعبہ اللہ ہے۔ اب جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر آزمائش میں پورے اترے اور ان کو لوگوں کا امام بنانے کا اعلان ہوا تو یہ حکم بھی ملا کہ۔

وطھر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق

"اے ابراہیم یہ میرا گھر پاک رکھ ان کے لئے جو طواف کریں، عبادت گزار ہوں اور نمازی ہوں اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے وہ آئیں گے تیرے پاس پیدل اور تھکی ٹوٹی سواریوں پر دنیا کی دور دراز راہوں سے چل چل کر۔" (حج ۲۷)

چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ اللہ تعمیر کر رہے تھے تو دعا کر رہے تھے کہ الٰہی ہماری یہ خدمت قبول فرما اور ہمیں مسلمان بنا اور ہماری اولاد کو بھی اسلام نصیب فرما اور حج کے طریقے بتلا دے وغیرہ اور پھر حضور علیہ السلام کے بارے میں دعا فرمائی کہ ایک نبی انہی میں سے ان میں بھیجنا جو لوگوں کو تیری

Marfat.com

آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب کی تعلیم دے اور حکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ نفوس کرے بے شک تو غالب ہے حکمت والا۔ (بقرہ ۱۲۷ تا ۱۲۹)

دوسرے لفظوں میں خانہ کعبہ کی تعمیر کا کام حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں (بھی) انجام پذیر ہوا تھا۔ یہ ذکر قرآن حکیم میں اس لئے بھی آیا ہے تاکہ یہود و نصاریٰ کو جتلایا جائے کہ بیت المقدس کی تعمیر اولاد ابراہیم کے ہاتھوں ہوئی جبکہ کعبۃ اللہ جو کہ مسلمانوں کا قبلہ ہے خود حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ کا تعمیر کردہ ہے۔ لہٰذا یہ بیت المقدس سے کسی طرح بھی کم اہمیت نہیں رکھتا۔ بلکہ زیادہ متبرک ہے۔

چند روایات: انسانوں میں سب سے پہلے جن کے بال سفید ہوئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی تھے۔ سفید بالوں کو دیکھا تو اللہ سے پوچھا یہ کیا ہے۔ حکم ہوا یہ "وقار" ہے تو عرض گزار ہوئے رب زدنی وقارا اسی طرح سب سے پہلے سلا ہوا تہبند آپ نے ہی پہنا اور اس کا نام سروال رکھا مسند وکیع میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ سجدہ میں تمہاری شرم گاہ زمین پر کھلے لہٰذا سروال کو لازم سمجھو اور ازار (ان سلا) تہمد نہ پہنو۔

دیلمی نے بروائت انسؓ نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے حنا اور وسمہ ابراہیم علیہ السلام نے ہی استعمال فرمایا ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے منبر پر خطبہ آپؑ نے ہی ارشاد فرمانا شروع کیا تھا چنانچہ بزار و طبرانی بروائت معاذ بن جبل حضور سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا ﷺ ۔

"اگر میں اپنے لئے منبر بنواؤں تو کیا مضائقہ ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی منبر بنوایا تھا۔ اور اگر ہاتھ میں عصا لوں تو یہ بھی سنت ابراہیمی ہے۔" ابن عساکر نے بروایت جابرؓ وغیرہ نقل کیا کہ جہاد میں پہل بھی حضرت ابراہیمؑ نے کی۔ آپ نے ہی لڑائی میں تعبیہ کیا اور میمنہ، میسرہ اور قلب قرار دیا۔ سب سے پہلے ثرید بھی آپ ہی نے بنایا (ابن ابی سعید) دیلمی نے نقل کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے شیرمال پکا کر مہمانوں کی خدمت، حضرت ابراہیم نے ہی کی تھی۔ خطیب براویت تمیم داری کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ اظہار محبت کے لئے سب سے پہلے معانقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ آپ سے پہلے تحیت و تعظیم کے لئے سجدہ کی رسم تھی۔ آپ نے معانقہ کا رواج فرمایا اور اسلام نے اس میں مصافحہ کا بھی اضافہ کیا۔

غرضیکہ ممکنات بشریہ سے آپ کو قوت علمیہ نظریہ فکریہ کے لحاظ سے بہمہ وجوہ کمال حاصل تھا اور قوت عملیہ خلقیہ و حالیہ بھی آپ میں بدرجہ کمال موجود تھی بدنی طہارت روحانی صفائی اور لطائف سریہ و خفیہ کو قبول کرنے کی استعداد بھی بدرجہ اتم موجود تھی انہی خصائل کی وجہ سے اللہ نے آپ کو دنیا کا پیشوا اور امام بنایا۔ (تفسیر عزیزی و نعیم البیان فی تفسیر القرآن)

حضرت اسماعیل علیہ السلام: زیاد بن عبداللہ بکائی نے محمد بن اسحاق المطلبی کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ جن میں نابت سب سے بڑے تھے باقی کے نام اس طرح ہیں۔

Marfat.com

قیذر، ازبل، میشا سمعہ ماشی، دما ازر، طیما، طور، نبش، قیذما ان کی والدہ محترمہ کا نام رملہ تھا جو مضاض بن عمرو جرہمی کی بیٹی تھی اور بقول بعض جرہم قحطان کا بیٹا تھا جو تمام یمن والوں کا جد اعلیٰ ہے اور وہ عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح تھا۔

(سیرت ابن ہشام ترجمہ مولانا عبدالجلیل صدیقی مولانا غلام رسول مہر جلد اول صفحہ ۳۲-۳۱ ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر بقول ابن اسحاق ایک سو تیس سال تھی اور آپ کو بعد از وفات مقام حجر (حطیم) میں اپنی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کے پاس دفن کیا گیا۔

رسول اللہ کی وصیت: فرمایا ﷺ مدرہ کے کالے کلوٹے گھنگریالے بالوں والے ذمیوں (حبشیوں) کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ ان سے میرا نسب کا رشتہ بھی ہے اور سمدھیانا کا رشتہ بھی۔

ابن ہشام (مذکور) جلد ا صفحہ ۳۳

بقول ابن اسحاق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

جب تم مصر فتح کرو تو اس کے رہنے والوں سے نیکی کا برتاؤ کرنے کی وصیت یاد رکھنا کیونکہ ان کے متعلق ایک ذمہ داری ہے اور قرابت بھی۔ محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ قرابت یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ (والدہ اسماعیل علیہ السلام) انہی کے خاندان سے تھیں۔

(سیرت ابن ہشام (مذکور) صفحہ ۳۴)

قرآن اور اسماعیل علیہ السلام: آپ حضرت ابراہیم کے بڑے بیٹے تھے۔ والدہ کا نام ہاجرہؑ تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔

(مریم ۵۴/۵۵) آپ کی والدہ اور آپ کو حضرت ابراہیم کعبہ اللہ کے قریب بحکم الٰہی چھوڑ گئے تھے وہیں آپ نے نشو ونما پائی۔ جب آپ سن شعور کو پہنچے تو حضرت ابراہیم نے بحالت خواب دیکھا کہ آپ کو ذبح کر رہے ہیں تین رات متواتر یہی خواب دیکھا تو اسے حکم الٰہی جان کا آپ کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور حضرت اسماعیل نے بھی بخوشی قربان ہونا منظور کر لیا چنانچہ آپ نے خواب کی تعبیر کو عملی روپ دیا تو اللہ کی رحمت جوش میں آگئی اور فدیہ بذبح عظیم کا اعزاز عطا ہوا۔ (صافات ۱۰۱-۱۰۷) پھر حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو پرانی بنیادوں پر تعمیر کیا اور دعا کی کہ یا اللہ! ہماری یہ خدمت قبول فرما۔۔ اور ہماری اولاد میں سے مسلمان امت پیدا کر اور ہمیں حج کے طریقے بتا دے اور ہمارے قصور معاف فرما دے۔۔۔۔ پھر اس گروہ میں انہی میں سے ایک رسول ﷺ بھیج جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب کا علم سکھائے اور حدیث و حکمت سکھائے اور ان کو پاکیزہ بنائے بے شک تو زبردست حکمت والا ہے۔ (بقرہ ۱۲۷-۱۲۹) یہودی حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح کہتے ہیں جبکہ قرآن اور قرآن کی رو سے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ ثابت ہوتے ہیں بعض مسلمان علماء بھی اسرائیلیات کے بھرے میں آکر اسحاق

Marfat.com

علیہ السلام کو ذبیح اللہ کہتے رہے ہیں۔ لیکن جدید تحقیق اور قرآنی ارشادات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح تھے جس کی یادگار آج بھی حج کے موقع پر قربانی کی شکل میں اہل اسلام میں موجود چلی آ رہی ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ و بعد)

حضرت اسحاق علیہ السلام: آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے صاحبزادے اور بی بی سارہ کے بطن سے تھے عمر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ۱۳/۱۴ برس چھوٹے تھے۔ آپ کی پیدائش کی بشارت حضرت سارہ کی پیرانہ سالی میں ملی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت حبرون (دوسرا نام الخلیل) میں ہوئی جہاں مصر سے واپسی پر خلیل اللہ مقیم ہو گئے تھے۔ (ابن خلدون ج ۱ صفحہ ۵۲) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ کی موجودگی میں فرشتوں نے حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت دی تو حضرت سارہ تعجب اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے بے اختیار ہنسنے لگیں۔ (وامراتہ قائمۃ فضحکت (ھود ۷۱)

اہل فرنگ اسحاق کو (Issac) ایساک کہتے ہیں۔ لیکن درست نام اسحاق ہی ہے۔ چالیس سال کی عمر میں آپ کی شادی رفقا (ربقہ Rebecca) سے ہوئی (یعقوبی کی تاریخ جلد ۱ صفحہ ۲۸) ساٹھ سال کی عمر میں جڑواں بیٹے عیصو (عیص) اور یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ بحوالہ تاریخی کتب و تورات ان دونوں میں عمر بھر چشمک رہی والدہ عیصو کی طرفدار اور والد یعقوب کی طرف مائل تھے۔ حضرت اسحاق اللہ تعالیٰ کے حکم پر ایک قحط کے زمانہ میں مصر کی بجائے فلسطین میں اقامت گزین ہو گئے۔ اور زراعت کر کے خوشحالی کی بلندیوں کو چھونے لگے۔ چنانچہ اہل فلسطین حسد کے سبب آپ کے درپے آزار رہنے لگے۔ آخر آپ بئر السبع (Beersheba) منتقل ہو گئے جہاں اللہ تعالیٰ نے ظاہر ہو کر انہیں برکت دی۔ یہاں آپ نے بیت ایل (اللہ کا گھر ہیکل) تعمیر کیا اور آپ کا اثر و رسوخ اتنا زیادہ ہو گیا کہ فلسطینی بادشاہ آپ سے اتحاد و معاونت کا خواستگار ہوا۔ آخری عمر میں آپ نابینا ہو گئے تھے۔ عیصو اور یعقوب علیہ السلام کی چپقلش سے بھی آپ رنجیدہ خاطر رہتے تھے۔ حبرون میں انتقال کیا بڑی طویل عمر پائی اور حبرون میں ہی حضرت ابراہیمؑ اور مائی سارہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ صفحہ ۵۹۲ تا ۵۹۴) اسرائیلی روایات وغیرہ میں آپ کو ذبیح ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے جن کی تقلید میں بعض مسلمان علماء بھی غلط فہمی کا شکار ہوئے۔ لیکن قرآن حکیم اور علمائے محققین نے آپ کی بجائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح کہا ہے اور یہی بات روایات و درایات کی رو سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔

حضرت موسیٰ وہارون علیہ السلام: آپ کا نام موسیٰ تھا اولوالعزم نبی اور رسول تھے کلیم اللہ اس لئے کہلائے کہ عطائے نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے۔ سلسلہ نسب موسیٰ بن عمران بن قاھاث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بتایا جاتا ہے۔ طبری (تاریخ) میں عمران بن مصہر بن قاھث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم لکھا ہے بحوالہ (طبری تاریخ جلد ۱ صفحہ ۳۸۵) ابن اثیر الکامل جلد ۱ صفحہ ۱۶۹ تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۱۱۹) ابن حزم

Marfat.com

قارون کو یصاحریا۔ مصر بن قاھات کا بیٹا لکھتا ہے۔ اس طرح۔ مصر اور عمران گویا حقیقی بھائی تھے۔ تورات (بحوالہ تکوین) حضرت یوسف علیہ السلام نے آل یعقوب کو مصریوں سے الگ جشن یا گوشن نامی علاقے میں آباد کیا تھا کیونکہ مصری متمدن اور مہذب تھے جبکہ عبرانی چرواہے تھے۔ تاہم حکومت کی سرپرستی میں آل یعقوب نے خوب ترقی کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کے انیسویں فرعون رعمیس دوم (Ramases II) کے دور میں پیدا ہوئے جو سیتی اول (Seti-I) کا بیٹا تھا۔ اس نے بنی اسرائیل پر مظالم کی حد کر دی تھی وہ ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا اور لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مروا ڈالتا تھا۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ پیدائش کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دینے کا حکم دیا اور اس کی حفاظت کا ذمہ لیا اور وہ صندوق فرعون کی بیوی کے ہاتھ لگ گیا بچے کو پا کر وہ بہت خوش ہوئی اور اسے پالنے کا ارادہ کر لیا اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام شاہی محل میں پہنچ گئے۔ آپ کی بہن بتے صندوق کے ساتھ ساتھ تھی بچے نے کسی دائی کا دودھ نہ پیا تو آپ کی بہن نے ایک دائی کا پتہ بتایا جو دراصل موسیٰ علیہ السلام کی والدہ تھی۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کی آغوش میں پہنچ گئے اور شاہی محل میں پلنے لگے اور جوان ہو گئے ایک دن آپ محل سے باہر جا رہے تھے کہ دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا ایک فرعونی اور دوسرا اسرائیلی تھا جو کمزور بھی تھا آپ نے فرعونی کو گھونسا مارا جس سے وہ مر گیا۔ آپ نے استغفار کی جو قبول ہو گئی۔ اگلے دن باہر پھر اسی اسرائیلی کو دیکھا جو کسی سے لڑ رہا تھا۔ آپ اسے ڈانٹنے کے لئے غصے میں آگے بڑھے تو وہ بولا اے موسیٰ کیا آج تو مجھے کل والے فرعونی کی طرح قتل کر ڈالے گا؟ اس طرح بات کھل گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مخبر کے اطلاع دینے پر مصر سے بھاگ کر مدین پہنچ گئے کیونکہ فرعونی لوگ آپ کو قتل کرنے کی مشورت کر چکے تھے۔

وہاں ایک کنویں پر حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں اپنے جانوروں کو پانی پلانے آئی ہوئی تھیں۔ جو بچا کھچا پانی پلانے کے انتظار میں تھیں۔ حضرت موسیٰ نے ان کی بے بسی کو بھانپ لیا اور بزور بازو بھاری بھرکم ڈول سے تازہ پانی کھینچ کر ان کے جانوروں کو پلایا اور وہ وقت سے بہت پہلے گھر چلی گئیں ان سے باپ نے جلدی آنے کی وجہ پوچھی۔ ماجرا سنا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا بھیجا اور آخر سارا قصہ سن کر انہیں تسلی دی کہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اور اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر موسیٰ علیہ السلام سے کرنے کا وعدہ کیا کہ آپ ان کے جانوروں کی آٹھ یا دس سال تک دیکھ بھال کریں گے۔ مدت پوری کر کے آپ اپنی بیوی کو لے کر کوہ سینا کی طرف نکل گئے۔ سردی کا موسم اور رات کا سماں تھا۔ آگ کی تلاش میں وادی ایمن کی طرف چلے۔ وہاں آپ کو ایک شعلہ سا نظر آیا۔ آگ سمجھ کر اکیلے وہاں پہنچ گئے بیوی اور جانوروں وغیرہ کو سر راہ چھوڑ گئے قریب پہنچے تو آواز آئی اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں سب جہانوں کا پالنے والا زبردست اور دانا پھر آپ کو جوتے اتار کر مقدس وادی میں پہنچنے کا حکم ملا۔ اور نبوت کی بشارت دی اور تبلیغ کے لئے کہا اور دو معجزے عطا کئے پہلا یہ کہ آپ کا عصا زمین پر پھینکنے سے اژدہا بن جاتا اور

Marfat.com

ہاتھ میں لیتے ہی عصا بن جاتا۔ دوسرا یہ کہ آپ اپنے ہاتھ بغلوں میں دے کر نکالتے تو وہ چمکنے لگتے اور جب دوبارہ بغلوں میں دیتے تو پہلے والی صورت میں آجاتے یہ معجزے دے کر آپ کو فرعون کی طرف مامور کیا۔ اور فرمایا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں اور آپ کی درخواست پر آپ کے بڑے بھائی ہارون کو بھی آپ کا مددگار بنا دیا اور انہیں نبوت بھی عطا کردی۔

آپ فرعون کے دربار میں پہنچے اور نبوت ورسالت کا اعلان کر کے اسے راہ راست پر آنے کی دعوت دی چنانچہ اس نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا اور آپ کو دیوانہ اور پاگل قرار دینے کی کوشش کی (۲۶-۲۷) اور پھر قید کرنے کی دھمکی دی آپ نے بھی اژدہا والا معجزہ دکھا کر فرعون کو طاقت کا استعمال کرنے سے روک دیا اور دوسرا معجزہ بھی دکھایا۔ اب فرعون نے اعیان سلطنت کے سامنے آپ کو جادوگر کہہ کر آپ کی حقانیت کو جھٹلانے کی سعی کی۔ اور سیاسی میدان میں مات دینے کے لئے لوگوں کے سامنے تقاریر بھی کرتا رہا۔ آخر جادوگروں کو اکٹھا کر کے ان کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے کہا جس کے لئے ایک دن مقرر ہو گیا جادوگروں اپنے کرتب دکھائے حضرت موسیٰ کے دل میں خوف پیدا ہوا فوراً وحی آئی ڈرو مت بس آپ جیت جائیں گے آخر آپ نے عصا پھینکا جس نے جادوگروں کی بناوٹوں کو نگل لیا اور میدان صاف ہو گیا اور جادوگر حضرت موسیٰ و ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔ اب فرعون نے جادوگروں کو ایمان لانے کی پاداش میں سزا کا خوف دلایا کہ تم میری اجازت کے بغیر مسلمان کیوں ہوئے ہو چنانچہ جادوگروں نے اس کو سخت جواب دیا اور اللہ پر بھروسہ کا اظہار کیا لیکن فرعون اور اس کی قوم آپ ایمان پر نہ لائی۔ پھر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے درپے ہوا مگر ایک مومن نے اسے روکنے کی سعی کی تاہم فرعون اور اس کے ساتھی بنی اسرائیل پر مظالم ڈھانے سے باز نہ آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سات دیگر عطا شدہ معجزات دکھانے کا عزم کر لیا جو قحط، وبا، طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈکوں کی بہتات اور خون کا نزول سے متعلق تھے ہر بار عذاب سے تنگ آکر فرعونی حضرت موسیٰ پر ایمان لانے کا وعدہ کرتے اور جب آپ کی دعا سے عذاب ٹل جاتا تو پھر سے وعدہ خلافی کرنے لگتے جب بار بار کی وعدہ خلافی حضرت موسیٰ کو انتہائی ناگوار گزری تو آپ نے ان کے حق میں بددعا کی (۱۰-۸۸)

آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر دریا پار نکل گئے۔ دریا نے خشک راستہ دے دیا لیکن فرعون اور اس کے لشکری درمیان میں تھے کہ راستہ میں پانی بھر گیا اور وہ غرق ہو گئے۔ (بقرہ ۵۰ اعراف ۱۳۶ یونس ۹۰ طہ ۷۸ وغیرہ)

فرعون ڈوبنے لگا تو بہانگ دہل ایمان لانے کا اقرار کرنے لگا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان کو رد کر دیا (یونس ۹۰ تا ۹۲) فرعون کی لاش قاہرہ کے عجائب گھر میں حنوط شدہ شکل میں آج بھی موجود ہے پچھلے دنوں فرانس کی حکومت اس کی لاش کو مزید محفوظ کرنے کے لئے اپنے ملک میں لے گئی تھی جس کو حکومت فرانس نے ایک سربراہ مملکت کی طرح پروٹوکول دیا تھا اس طرح اہل کفر نے ایک خدائی دعوے دار کی عزت افزائی کر کے اپنے لادینی کردار کا ثبوت دیا۔

Marfat.com

قارون اور سامری: قارون اتنا بڑا دولت مند ہو گیا تھا کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں ایک طاقتور گروہ لے کر چلتا تھا۔ اس قدر مالدار ہونے کے باوجود وہ نہ زکوٰۃ دیتا نہ صدقہ خیرات کرتا نہ اس کی دولت عوامی فلاح میں صرف ہوتی آخر اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا (قصص ۷۸ تا ۸۲) سامری نے بنی اسرائیل کو سونے کا خود ساختہ بچھڑا پوجنے پر لگا دیا اور حضرت ہارون کی ایک نہ سنی یہ کام اس وقت کیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لئے کوہ طور پر تورات لینے گئے ہوئے تھے یہاں آپ نے اللہ کے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا۔ اور نفی میں جواب پایا لیکن اصرار پر پہاڑ کی طرف تجلی الٰہی دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو مغفرت طلب کی (اعراف ۱۴۵) بہرحال آپ کو تورات کی الواح عطا ہوئیں واپس آئے تو بچھڑے کی پوجا نے آپ کو انتہائی ناراض کر دیا۔ آپ نے سامری کو سخت ملامت کی اور اسے اپنی جماعت سے خارج کر کے اس کا بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا اور آپ کی بددعا سے وہ "لامساس" (مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے) کی رٹ لگاتا ہوا لوگوں کو اپنے سے دور رہنے کے لئے کہتا رہتا۔ (طہٰ ۹۷) اور بچھڑے کو جلا کر راکھ وغیرہ کو دریا میں بہا دیا۔ (طہٰ ۹۷ تا ۹۸)

بنی اسرائیل بڑی لاڈلی قوم تھی۔ وہ جو کوتاہیاں کرتی حضرت موسیٰ کی دعا سے معاف ہو جاتیں پانی کی قلت پر آپ نے چٹان پر لاٹھی مار کر بارہ چشمہ بہا دیئے۔ (بقرہ ۶۰) ان کو کھانے کے لئے من و سلویٰ عطا کیا گیا دھوپ سے بچاؤ کے لئے بادلوں کا سایہ کئے رکھا (قرآن) مگر یہ ناشکری قوم حضرت موسیٰ کو طعن تشنیع کرنے سے کم ہی باز رہتی۔

گائے ذبح کرنے کا واقعہ: بنی اسرائیل میں سے کسی نے ایک شخص کو قتل کر کے الزام اس کے رشتہ داروں پر لگا دیا حضرت موسیٰ کو پتہ چلا تو بحکم الٰہی آپ نے ایک خاص گائے ذبح کروا کر اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارنے کا حکم دیا۔ جس پر وہ شخص جی اٹھا اور اس نے اپنے اصل قاتل کا نام بتا دیا۔ (بقرہ ۶۷ تا ۷۳)

حضرت موسیٰ اور خضر کا واقعہ: بخاری شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ اور خضر کی ملاقات ہوئی تھی۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے حکمت الٰہی کا راز پانے کی کوشش بحکم الٰہی کی تھی۔ مگر تین واقعات کو خلاف شریعت سمجھ کر آپ نے باربار حضرت خضر کی کارکردگی کو تنقید کا نشانہ بنایا حالانکہ ان کو خاموش رہنے کی تلقین کی گئی تھی اور انہوں نے اس کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن بتقاضائے بشریت باربار "حق کی حمایت" میں وعدہ بھلا کر آواز اٹھانے لگتے لیکن حضرت خضر کی کارکردگی کے تہ میں ایسے حقائق پوشیدہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا تھا یہ واقعہ سورہ کہف میں آیت ۶۰ تا ۸۲ میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے آپ نے ایک سو تیس برس کی عمر میں وفات پائی آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون آپ سے پہلے وفات پا گئے تھے۔

تورات کو قرآن حکیم میں ھدی و رحمہ اور نور کہا گیا ہے جس میں حضور علیہ السلام کے بارے میں واضح بشارات تھیں اور یہود و نصاریٰ حضور ﷺ کو ایسے پہچانتے تھے جیسے کوئی اپنے بیٹے کو پہچانتا ہے۔

Marfat.com

(اعراف - ۱۵۷)

سب حضور علیہ السلام معراج کو گئے تو پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور واپسی پر حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی اور آپ کے مشورہ سے آپ ﷺ متعدد بار بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر تخفیف کرواتے رہے حتیٰ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخری ایام میں اپنی قوم کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت کی بشارت دی تھی اور آنے والی نسلوں کو آپ کے تشریف لانے پر آپ ﷺ کا اتباع کرنے کی تلقین کی تھی۔ (تورات و بقرہ ۱۴۶)

ہامان: فرعون کا وزیر اور اس کی شوریٰ کا طاقتور رکن اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سخت ترین مخالف اور اللہ کا منکر تھا۔ وہ بنی اسرائیل کا بھی سخت مخالف تھا اور ان پر ستم و جفا کے نت نئے طریقے آزماتا۔ موسیٰ علیہ السلام کے رب کو پختہ اینٹوں کی بلند ترین عمارت پر چڑھ کر تلاش کرنے کا کام بحکم فرعون اسی کے انجام دیا تھا اور اس طرح نبی کی بات کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کی تھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲۱ صفحہ ۸۲، جلد ۲۳ صفحہ ۸۰، جلد ۲۳ صفحہ ۹۲، جلد ۱)

حضرت شموئیل علیہ السلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی حالت خراب ہو گئی وہ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ ان میں کوئی نبی نہ رہا اور بطور عذاب ان پر قوم جالوت مسلط کی گئی جس کو عمالقہ کہتے ہیں۔ جالوت عملیق بن عاد کی اولاد سے ایک جابر بادشاہ تھا۔ یہ لوگ مصر و فلسطین کے درمیان بحر روم کے ساحل پر رہتے تھے۔ ان لوگوں نے بطور فاتح بنی اسرائیل پر انتہائی ظلم ڈھائے۔ اس وقت خاندان نبوت میں سے صرف ایک خاتون باقی تھیں جو حاملہ تھیں اللہ نے ان کو بیٹا دیا جس کا نام شموئیل رکھا اور پھر آپ بیت المقدس میں علم تورات حاصل کرنے ایک بزرگ عالم کے پاس بٹھا دیے گئے۔ جب آپ وہیں سن بلوغ کو پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے ان کے استاد کی آواز میں شموئیل کو ایک رات پکارا اور وہ اس کے پاس حاضر ہوئے تو فراست سے جان لیا کہ اسے دھوکا ہوا ہے مگر احتیاطاً کہا کہ آپ سو جائیں دوسری مرتبہ بھی جبرئیل نے شموئیل کو اسی انداز میں پکارا جب آپ استاد کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے بات کو ٹال دیا اور کہا کہ اب میں اگر پکاروں تو جواب نہ دینا چنانچہ تیسری دفعہ جبرئیل علیہ السلام خود سامنے حاضر ہو گئے اور ان کو نبوت کی بشارت دی قوم میں تبلیغ کے لئے بھیجے گئے۔ قوم نے نہ مانا بلکہ شرط رکھی کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم پر ایک بادشاہ قائم کیجئے۔

(تفسیر خازن وغیرہ)

جس کی قیادت میں ہم اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد کریں آپ نے پوچھا کیا تم میں ہمت ہے؟ بولے کیوں نہیں ہم اپنے مقبوضہ علاقے واپس لینے کے لئے ضرور لڑیں گے۔ چنانچہ ان پر جہاد فرض کر دیا گیا۔ لیکن ان لوگوں میں سے اکثر لڑائی کا سن کر بھاگ گئے صرف چند لوگ قائم رہے۔

(ان کی تعداد (اہل بدر کے مطابق) ۳۱۳ تھی (تفسیر خازن وغیرہ)

پھر حضرت شموئیل نے فرمایا کہ تمہارا بادشاہ طالوت ہے کہنے لگے وہ تو ہمارا بادشاہ بننے کا اہل نہیں

Marfat.com

نہ اس کے پاس مال و دولت ہے ہم میں سے کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دو۔ فرمایا اسے اللہ نے چن لیا کیونکہ وہ علمی اور بدنی قویٰ سے نوازا گیا ہے اور اللہ جسے چاہے حکومت سونپ دے۔ (بقرہ ۲۴۶ تا ۲۴۸)

طالوت بادشاہ: آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوتے بنیامین کی اولاد سے تھے۔ آپ بہت طویل القامت ہونے کی وجہ سے طالوت کہلائے۔ حضرت شمویل کے پاس ایک ہی عصا تھا اور بتایا گیا تھا کہ جس شخص کا قد اس عصا کے برابر ہو گا وہی بنی اسرائیل کا بادشاہ ہو گا۔ آپ نے طالوت کو دیکھا عصا سے قد ملایا اور پورا پا کر ان کو بفرمان الٰہی بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کر دیا (خازن و جمل) بنی اسرائیل نے اس کی نشانی پوچھی تو فرمایا اس بادشاہ کے ساتھ ایک تابوت ہو گا جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے جس میں تمہارے دلوں کے لئے چین اور موسیٰ و ہارون کے کچھ تبرک وغیرہ ہوں گے۔

تابوت سکینہ: یہ صندوق شمشاد کی لکڑی کا بنا تھا جس کی لمبائی ساڑھے چار فٹ (۳ ہاتھ) اور چوڑائی تین فٹ (۲ ہاتھ) تھی۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔ اس میں تمام انبیاء علیہ السلام کی تصاویر تھیں اور ان کے مساکن و مکانات کی تصویریں تھیں اور سب سے آخر میں حضور علیہ السلام اور آپ کے دولت کدہ کی شبیہ ایک سرخ یاقوت میں تھی جس میں آپ بحالت قیام تھے اور آپ کے گرد صحابہ کرامؓ کا جم غفیر تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان تمام تصاویر کو دیکھا پھر یہ صندوق حضرت شیث علیہ السلام کو ملا پھر حضرت ادریس وغیرہ سے ہوتا ہوا حضرت ابراہیم اور موسیٰ تک پہنچا۔ حضرت موسیٰ اس میں تورات بھی رکھتے تھے اور دوسرے بعض تبرکات بھی مثلاً حضرت موسیٰ کا عصا جبہ وغیرہ جوتا اور حضرت ہارونؑ کا عمامہ انکی چھڑی اور من و سلویٰ میں سے تھوڑا سا نمونہ حضرت موسیٰ جنگوں میں اس تابوت کو بنی اسرائیل کی تسکین خاطر کے لئے آگے آگے رکھتے پھر یہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس عہد بہ عہد منتقل ہوتا رہا وہ اس تابوت کو سامنے رکھ کر دعائیں کرتے جو قبول ہوتیں جنگ میں اس کے واسطے سے فتح کی دعا مستجاب ہوتی لیکن جب بنی اسرائیل پر عذاب آیا اور عمالقہ ان پر فاتح ہوئے تو وہ تابوت سکینہ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے اور اس کی بے حرمتی کی جس کی وجہ سے ان پر بھی مصائب و آلام کی بارشیں ہوئیں اور ان کی پانچ بستیاں تباہ ہو گئیں۔ پھر ان کو خیال آیا کہ یہ سب کچھ اس تابوت کی بے حرمتی کا نتیجہ ہے لہٰذا انہوں نے تابوت سکینہ کو ایک بیل گاڑی پر رکھا اور بیلوں کو ہانک دیا کہ جدھر چاہیں چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق فرشتے اس کو ہانک کر بنی اسرائیل کی موجودگی میں طالوت بادشاہ کے پاس لے آئے جب بنی اسرائیل نے تابوت کو دیکھا تو انہوں نے طالوت کو دل سے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور جہاد کے لئے بھی تیار ہو گئے کیونکہ تابوت کی برکت سے انہیں اپنی فتح کا یقین تھا۔ طالوت نے بنی اسرائیل سے ستر ہزار جوانوں کو چنا جن میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے۔ تابوت سکینہ میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی مساکن کی جو تصاویر تھیں وہ کسی آدمی کی بنائی ہوئی نہ تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار تھیں اور یہ شاہکار حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے انبیاء کو عہد بہ عہد منتقل ہوتا رہا۔ تفسیر جلالین جمل خازن و مدارک وغیرہ)

Marfat.com

جالوت بادشاہ: یہ عمالقہ میں تھا بڑا جابر ظالم تھا بنی اسرائیل پر فتح پا کر اس نے مظالم کی انتہا کر دی۔ قتل وغارت کے علاوہ شاہی خاندان کے چار سو فرزندوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ تابوت سکینہ بھی لے گیا۔ ایک مدت کے بعد طالوت کی سرکردگی میں جالوت کے خلاف بنی اسرائیل نے جہاد کیا راہ میں ایک ندی پڑتی تھی طالوت نے حکم دیا کہ کوئی فوجی اس ندی سے چلو بھر پانی سے زیادہ نہ لے ستر ہزار میں سے صرف ۳۱۳ جانبازوں نے اس حکم پر عمل کیا باقی پانی پی کر ہمت کھو بیٹھے۔ طالوت ان ۳۱۳ جوانوں کے ساتھ ہی مقابلہ کے لئے آگے بڑھا آگے جالوت اور اس کا لشکر تھا دونوں فوجیں ایک میدان میں مقابل ہو گئیں طالوت نے اعلان کیا کہ جو شخص جالوت ایسے قوی اور دیو ہیکل شخص کو قتل کرے گا اسے اپنی بیٹی کا رشتہ مع آدھی سلطنت کے دوں گا مگر کسی کو اس کے مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔

طالوت نے حضرت شمویل علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ اس مسئلہ کا حل نکالا جائے آپ نے دعا کی اور اشارہ ہوا کہ اسے داؤد قتل کرے گا۔ طالوت نے حسب اعلان داؤد علیہ السلام کو دعوت مبارزت دی۔

داؤد علیہ السلام کی بہادری: آپ کے والد "ایشا" طالوت کے لشکر میں شامل تھے اور آپکے بڑے بھائی بھی لیکن آپ خود سب بھائیوں میں چھوٹے اور لاغر و کمزور سے تھے۔ اس لئے گھر والوں نے بکریاں چرانے کے لئے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ آپ جنگل میں رہ کر بڑے جفاکش ہو گئے تھے اور فلاخ (غلیل کی قسم کا ہتھیار) کے بڑے ماہر ہو گئے تھے جب شمویل علیہ السلام نے داؤد کا نام بتایا تو آپ کو بلا کر دعوت مبارزت دی گئی اور ساتھ ہی آدھی سلطنت اور شرف دامادی کی پیش کش بھی ہوئی۔ چنانچہ آپ نے مقابلہ منظور کر لیا۔ آپ جالوت کے سامنے گئے تو اس پر دہشت طاری ہو گئی مگر اس نے متکبرانہ انداز گفتگو سے حضرت داؤد کو مرعوب کرنا چاہا۔ آپ بالکل نہ ڈرے بلکہ موقع پا کر فلاخن سے ایسا نوکدار پتھر پھینکا جو اس کی کھوپڑی کو اڑاتا ہوا دوسری طرف نکل گیا جالوت مر کر گر پڑا حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی لاش کو طالوت کے سامنے لا ڈالا بنی اسرائیل بہت خوش ہوئے طالوت نے حسب وعدہ اپنی بیٹی کا نکاح داؤد علیہ السلام سے کر دیا اور آدھی سلطنت بھی دی پھر ایک عرصہ کے بعد جب طالوت کا انتقال ہوا تو حضرت داؤد علیہ السلام سارے ملک پر حکمران تسلیم کئے گئے۔

(تفسیر جمل وغیرہ نیز کنز الایمان تفسیر از سید نعیم الدین مراد آبادی زیر آیت نمبر ۲۵۱ سورہ بقرہ۔)

بائیبل میں اس قصہ کو "ساؤل" کے ساتھ بری طرح گڈمڈ کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کی ساری زندگی گویا ایک نبی کی بجائے ایک انتہائی خوفزدہ شخص کی زندگی ظاہر کی گئی ہے جو بار بار ساؤل کے سامنے منت سماجت کرتا ہے۔ اس کی وفاداری کا دم بھرتا ہے۔ مگر ساؤل اسے ہر لمحہ قتل کرنے کے درپے نظر آتا ہے۔ قرآن کریم میں طالوت اور جالوت کا قصہ سورہ بقرہ میں رکوع نمبر ۳۲ میں بڑے جامع انداز میں بیان ہوا ہے جس کی تفاصیل تفسیر کی کتابوں میں نہایت مدلل انداز میں ملتی ہیں جبکہ بائیبل میں یہ قصہ غیر منطقی اور ناقابل یقین انداز میں ہے۔

Marfat.com

حضرت داؤد علیہ السلام: آپؑ بنی اسرائیل کے اولوالعزم پیغمبر تھے آپ کا ذکر قرآن مجید کی نو سورتوں میں سولہ مقامات پر ہوا ہے۔ آپکا سلسلہ نسب گیارہ پشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ (البدایہ والنھایہ ج۔ ۲ صفحہ ۹) (النجار صفحہ ۳۰۳) بنی اسرائیل کا جو لشکر طالوت (بادشاہ) کی قیادت میں جالوت کے خلاف برسرپیکار تھا اس میں ایک نوجوان بھی تھا جو اپنے باپ کی طرف سے اپنے بھائیوں کی خبرگیری کے لئے آیا تھا۔ مگر جب اس نے جالوت کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی طرف سے لیت ولعل کو دیکھا تو طالوت کی اجازت سے وہ میدان جنگ میں کود پڑا اور جالوت کو قتل کر ڈالا۔ (بقرہ ۲۴۷ تا ۲۵۱) (النجار صفحہ ۳۰۵) (الثعلبی صفحہ ۲۰۷) یہ باہمت نوجوان حضرت داؤد علیہ السلام تھے۔

اب تک بنی اسرائیل میں نبوت اور بادشاہت بالترتیب خاندان یہود اور خاندان افرایم میں چلی آرہی تھی لیکن جالوت کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے سلطنت کے ساتھ حکمت (نبوت) بھی عطا کر دی بقرہ ۲۵۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر خصوصی کرم نوازیاں کی تھیں جن کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔

۱ پہاڑ آپ کے مطیع تھے اور پرندے بھی جو صبح و شام اللہ کی تسبیح و تہلیل میں آپ کا ساتھ دیتے تھے۔ (سبا ۱۰ ص ۱۷ تا ۱۹)

۲ لوہا آپ کے ہاتھ میں آکر موم کی طرح نرم ہو جاتا۔ آپ اسے جس طرح چاہتے موڑتے اور جوڑتے۔ (سبا ۱۰)

۳ آپ کو زرہ سازی کا علم بھی عطا ہوا تھا جس کے ذریعے آپ اپنی روزی کماتے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا ﷺ ہے کہ بہترین روزی وہ ہے جو داؤد کی طرح ہاتھ سے کمائی اور کھائی جائے۔ (انبیاء ۸۰)

۴ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی سلطنت کو مضبوط کیا اور خلافت ارضی سے نواز کر عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم دیا۔ (ص ۲۵-۲۶) مورخین بیان کرتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ساری اقوام کے تمام خطوں پر حکومت عطا کی تھی جس میں شام عراق فلسطین اور جزیرہ عرب کے بعض حصے بھی شامل تھے۔ (البدایہ والنھایہ ج ۲ صفحہ ۱۲ الثعلبی ۲۱۳)

۵ آپ کو حکمت و دانائی اور صحیح فیصلے کی قوت کے ساتھ ساتھ نبوت اور قوت خطابت سے بھی نوازا تھا۔ (ص ۱۹)

۶ آپ پر آسمانی کتاب زبور نازل ہوئی۔ (نساء ۱۶۳ بنی اسرائیل ۵۵) جس میں یہ بھی لکھ دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین کے وارث (صرف) اس کے نیک بندے ہوں گے (انبیاء ۱۰۵) یہ کتاب حکمت اور موعظت کا مجموعہ تھی جو ماہ رمضان میں نازل ہوئی تھی۔ (البدایہ والنھایہ ج ۲ صفحہ ۱۲)

۷ آپ کی عبادت و ریاضت مثالی تھی یعنی آپ نصف شب تک آرام فرماتے تہائی رات عبادت

Marfat.com

کرتے اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن چھوڑتے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پسندیدہ روزہ داؤد علیہ السلام کا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ صفحہ ۱۰)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی مترنم آواز سے نوازا تھا کہ لحن داؤدی ضرب المثل بن گیا۔ حضور علیہ السلام جب ابو موسیٰ اشعری کی شیریں آواز کو سنتے تو فرماتے کہ ان کو لحن داؤدی عطا ہوا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ صفحہ ۱۱) (الثعلبی صفحہ ۲۱۰) (النجار صفحہ ۳۱۱)

ایک فیصلہ: حضرت داؤد کے سامنے ایک مقدمہ لایا گیا ایک شخص کے جانوروں نے دوسرے کا کھیت یا باغ (رات کے وقت) گھس کر تباہ کر دیا اور نقصان کی مالیت جانوروں کی مالیت کے برابر محسوب کی گئی۔ آپ نے فیصلہ دیا کہ جانور کھیت کے مالک کو دے دیئے جائیں۔ حضرت سلیمان کو معلوم ہوا تو کہا کہ اس مقدمے کا فیصلہ زیادہ بہتر یوں بھی ہو سکتا ہے کہ جانوروں کو ایک مدت کے لئے کھیت کے مالک کے حوالے کر دیا جائے وہ ان سے فائدہ اٹھائے جبکہ کھیت جانوروں کے مالک دے دیا جائے وہ اس کی دیکھ بھال کرے اور اسی نہج پر لے آئے جیسا کہ چرنے سے پہلے تھا۔ اور پھر دونوں اپنی اپنی ملکیت کے مالک ہو جائیں۔ اس طرح کوئی فریق بھی خسارہ میں نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فیصلے کو پسند فرمایا۔ سلیمان کی عمر اس وقت ۱۱ سال تھی۔ (انبیاء ۷۸-۷۹)

دوسرا واقعہ: حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ایک اور واقعہ بھی قرآن میں مذکور ہے۔ آپ اپنے عبادت خانے میں محو عبادت تھے کہ دو شخص دیوار پھاند کر اندر آئے۔ آپ ڈرے وہ بولے کہ ڈرو نہیں بس ہمارے مقدمہ کا فیصلہ ٹھیک کردو مقدمہ یہ ہے کہ یہ میرا بھائی ۹۹ دنبیوں کا مالک ہے اور میرے پاس ایک دنبی ہے اب یہ میری ایک دنبی کو بھی لینا چاہتا ہے۔ اگرچہ یہ درست نہیں مگر یہ شخص میری بات مانتا ہی نہیں کیونکہ وکالت میں (بات چیت میں) بھی مجھ پر غالب ہے یعنی میں اس کے مقابلے میں بات کرنے میں دبتا ہوں اور پھر یہ زیادہ مالدار ہونے کی وجہ سے اثر و رسوخ کا مالک بھی ہے اور لوگ باگ بھی اس کے طرفدار بن گئے ہیں کیونکہ وہ بھی اس کا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں آپ نے فیصلہ دیا کہ یہ شخص زیادتی کرتا ہے جو تمہاری ایک دنبی کو بھی اینٹھنا چاہتا ہے۔ پھر داؤد علیہ السلام کو احساس ہوا کہ یہ تو کوئی آزمائش تھی۔ پس وہ تائب اور بخشش کا طالب ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کا قصور معاف کر دیا اور آپ کو خلیفہ فی الارض کے منصب سے نوازا تاکہ حق اور انصاف کا بول بالا کریں۔ (ص ۲۱-۲۶) کہتے ہیں کہ آپ کی ننانوے بیویاں تھیں۔ ایک اور شخص جس کا نام "اوریا" تھا کی بیوی بہت خوبصورت تھی اتفاق سے آپ نے اسے کہیں دیکھ لیا آپ نے اسے طلاق کے لئے کہا یا یہ کہ اسے کسی محاذ پہ بھیج دیا جہاں وہ شہید ہو گیا اور پھر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ خواہش پسند نہ آئی جس پہ "مقدمہ مذکورہ" کے ذریعے یاد دہانی کرائی گئی چنانچہ آپ نے توبہ و استغفار کی کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ (تبویب القرآن حاشیہ نمبر ۷، ۱۹۰۸ از مولانا وحید الزمان مطبوعہ لاہور بسلسلہ قصص القرآن)

Marfat.com

حضرت داؤد تیس برس کے تھے کہ بادشاہ بنے۔ اور چالیس سال چھ ماہ حکومت کی۔ ساڑھے سات سال حبرون میں اور ۳۳ سال یروشلم میں رہ کر حبرون سمیت سب علاقوں پر حکمران رہے۔ (بائیبل سموئیل (۲) باب نمبر ۵ آیت ۴-۵) آپ کے والد کا نام یسی تھی جو بیت لحم کے باشندے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے یسی بن عوبید بن بوعز بن سلمون بن نحسون بن عمیناداب بن رام بن حصرون بن فارص۔ (بائیبل روت باب ۴ آیت ۱۸ تا ۲۲)

حضرت سلیمان علیہ السلام: آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ آپ کا ذکر قرآن میں سورہ بقرہ، نساء، انعام، انبیا، نمل، سبا اور ص میں آیا ہے۔

والد کی وفات کے بعد ۱۳ سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔ (بقول بعض ۲۲ سال عمر تھی) آپ بڑے ذہین و فطین تھے۔ نبوت اور بادشاہت کے علاوہ جنوں، پرندوں، درندوں اور انسانوں اور ہواؤں وغیرہ پر بھی کنٹرول عطا ہوا تھا۔ آپ نے داؤد کے بنا کردہ ھیکل بیت المقدس کی تکمیل کی آپ عدل و انصاف میں بے مثل تھے۔ قرآن مجید میں آپ کی دانائی اور عقل سلیم کی تعریف ملتی ہے۔ (انبیا ۷۸-۷۹) جبکہ آپ کی عمر ۱۱ سال تھی۔ آپ نے ۴۰ سال حکومت کی (بائیبل تواریخ باب ۲ آیت نمبر ۹ تا ۳۰) اور ۵۳ یا ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی (ایضا آیت ۲۱) اور داؤد علیہ السلام کے شہر میں مدفون ہوئے۔ (ایضا) آپ خالص تورات کے احکام کے مطابق حکومت کرتے تھے مگر بعض لوگ آپ کے عہد میں جادوگری کی طرف مائل ہو گئے جسے وہ شیاطین سے سیکھتے تھے اور جسکا منبع بابل میں ہاروت اور ماروت کو گردانا جاتا تھا۔ جو آزمائش کے لئے آئے تھے۔ اور وہ بھی جب تک جادوگری کے نقصانات اور اس کے کفر ہونے کا اعلان نہ کر دیتے کسی کو جادو نہ سکھاتے تھے اور صرف اسی کو سکھاتے تھے جو دین اور ایمان کھو دینے پر رضامند ہو جاتا تھا جادو کو وہ لوگ میاں بیوی میں جدائی ڈالنے کے لئے استعمال کرتے تھے اور یہ بات حضرت سلیمان اور توراۃ کی تعلیمات سے گویا بغاوت تھی۔ (بقرہ ۱۰۲-۱۰۳)

آپ جنوں پر بھی حاکم تھے جو آپ کے لئے سمندر سے جواہرات بذریعہ غوطہ زنی نکالتے تھے اور دوسرے کام بھی انجام دیتے تھے۔ (انبیاء ۸۲) حضرت سلیمان کو ریح یعنی ہوا پر بھی حکمرانی حاصل تھی۔ جو آپ کے حکم سے بابرکت ملک شام کی طرف چلتی تھی۔ (ایضا ۸۱) حضرت سلیمان کا ایک تخت تھا جس پر چھ لاکھ کرسیاں بچھتی تھیں آدمی اور جنوں کے رئیس اس پر بیٹھتے پرندے حسب حکم سلیمانؑ پروں سے اس پر سایہ فگن رہتے۔ پھر ہوا اس کو اڑا لے جاتی جب چاہتے تیز چلتی یا حسب حکم دھیمی صبح کو ایک مہینہ کی راہ طے کرتی اور شام کو ایک مہینہ کی راہ (سبا ۱۲ نیز تبویب القرآن از وحید الزمان حاشیہ نمبر ۸ صفی نمبر ۵۲۷ مطبوعہ ادارہ محمدیہ نشتر روڈ لاہور) آپ کو جانوروں کی بولیاں بھی اللہ نے سکھائی تھیں۔ (نمل ۱۶)

قصہ بلقیس: دسویں صدی قبل مسیح میں یمن میں ملوک حمیر بن سبا میں سے ایک بادشاہ جس کا نام مالک تھا بڑا خبیث تھا وہ باکرہ عورتوں کی آبروریزی کر کے بڑا خوش ہوتا۔ اس کی چچازاد بہن بلقیس تھی جس سے اس نے اپنے عندیہ کا اظہار کیا بلقیس ایک نیک دل اور بہادر خاتون تھی۔ اس نے

Marfat.com

تدبیر سے اسے محل میں بلا بھیجا اور اپنے عزیزوں میں سے دو قاتل گھات میں بٹھا دیئے۔ جب مالک اس کے محل میں داخل ہوا تو ان آدمیوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ لوگوں کو پتہ چلا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور انہوں نے اپنی نجات دہندہ بلقیس کو تخت کی وارث تسلیم کر لیا جس کا قصہ قرآن میں مذکور ہے۔ (سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی صفحہ ۷ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور) قرآن کے مطابق ایک دن حضرت سلیمانؑ نے (دربار عام میں) نظر کی اور دیکھا کہ ہدہد پرندہ غیر حاضر ہے۔ فرمایا کہ اگر اس نے غیر حاضری کی معقول وجہ پیش نہ کی تو اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا۔ اتنے میں ہدہد نے آتے ہی بتایا کہ میں ملک سبا کی آپ کے لئے نئی خبر لایا ہوں جہاں ایک عورت ملکہ ہے اور حکومت اور عوام خوشحال ہیں اور وہ ایک بڑے شاندار تخت پر بیٹھنے والی ہے لوگ سورج کے پجاری اور گمراہ ہیں اور ایک اللہ کو ماننے والے نہیں وغیرہ۔ سلیمانؑ نے کہا اچھا تو یہ میرا خط لے جا کر ان کو دے پھر دیکھ وہ کیا کرتے ہیں چنانچہ ہدہد نے وہ خط بلقیس کی گود میں ڈال دیا اس نے پڑھا اور سرداروں سے مشورہ کیا کہ یہ خط سلیمان نے بنام خدا لکھا ہے اور کہا ہے کہ میرے تابعدار بن کر آجاؤ سرداروں نے (غلامانہ ذہنیت کے تحت پہلے تو یہ) رائے دی کہ ہم بڑے زور آور ہیں اور جنگجو بھی۔ آگے آپ مالک ہیں بلقیس بولی کہ بادشاہ لڑائی میں فتح پا کر مفتوحہ لوگوں کے عزت داروں کو ذلیل کرتے ہیں اور خرابی مچاتے ہیں پس میرا خیال ہے کہ سلیمان کو تحفے بھیج کر دیکھتی ہوں پس اس نے تحائف بھیجے سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ تم مجھے تحائف اور مال و دولت کا بھوکا خیال کرتے ہو جبکہ اللہ نے مجھے وہ بے انتہا عطا کر رکھا ہے اور پھر پیغمبری سے بھی نوازا ہے۔ تم اپنے تحائف واپس لے جاؤ ہم تم پر چڑھائی کریں گے وغیرہ۔ (گویا حکومت کا مقصد خوشحالی کی زندگی بسر کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام کا نفاذ ہوتا ہے۔)

قاصدوں نے جا کر سارے حالات بتائے پھر ملکہ نے کہلا بھیجا کہ میں تابعدار بن کر آ رہی ہوں۔ اب سلیمان علیہ السلام نے دربار عام میں فرمایا کوئی ہے جو بلقیس کا تخت اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے لا سکے" ایک جن (عفریت) بولا کہ میں کچہری برخاست ہونے سے پہلے پہلے لانے کی استطاعت رکھتا ہوں۔ فرمایا مجھے اس سے بھی زیادہ جلدی چاہئے پس ایک آدمی (آپ کا وزیر آصف بن برخیا) بولا جس کو علم کتاب حاصل تھا کہ میں وہ تخت پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر سکتا ہوں اور اتنے میں تخت کو سلیمانؑ نے سامنے پایا اور وہ اس پر خدا کا شکر بجا لائے۔

پھر کاریگروں سے کہہ کر تخت کو کچھ بدل سا دیا جب بلقیس آئی تو وہ حیران رہ گئی کہ میرے تخت کی مثل یہ تخت؟ چنانچہ وہ دل سے آپکی مطیع ہو گئی لیکن کافرہ تھی پھر جب وہ محل میں پہنچی تو شیشے کا فرش اسے لہراتا ہوا پانی لگا حالانکہ پانی فرش کے نیچے بہتا تھا پانی سمجھ کر اس نے پائینچے اوپر کئے جس سے اس کی پنڈلیاں کھل گئیں اور غلط فہمی پر شرمندہ ہوئی اور سلیمان علیہ السلام کی عظمت کی معترف ہو کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ (سورہ نمل آیت ۲۰۔ ۴۴) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت سلیمان نے اس سے نکاح کر لیا۔

Marfat.com

واقعہ نمل: آپ سب جانوروں کی بولیاں بھی جانتے تھے۔ ایک دفعہ شکر نعمت کے طور پر جنوں انسانوں وغیرہ ہر طرح کے لشکر اکٹھے کئے تاکہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر انعام و اکرام سے نوازا ہے اور شکر زیادہ تہ دل سے کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز استسقاء کے لئے سب کو میدان میں لے گئے تھے وہاں ایک چیونٹی کو دیکھا جو چت لیٹے ہوئے اپنے پاؤں اوپر اٹھائے اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہی تھی یا اللہ میں تیری (ضعیف) مخلوق ہوں۔ اگر تو کھانے کو نہ دے تو کیسے جی سکتی ہوں۔ لہٰذا ہمیں کھانے کو دے یا پھر مار ڈال۔ (تبویب القرآن حاشیہ نمبر۶ صفحہ ۷۵۳) یہ سنا تو آپ نے لشکریوں کو بتایا کہ اب انشاءاللہ بارش ضرور ہوگی اسی میدان میں لشکر کو آتا دیکھ کر ایک چیونٹی نے اپنی ساتھی چیونٹیوں کو باآواز بلند خبردار کرتے ہوئے کہا کہ فوراً اپنے بلوں میں گھس جاؤ مبادا لشکر سلیمان تمہیں بے خبری میں روند ڈالے آپؑ یہ سن کر مسکرائے اور اللہ کی بے اندازہ نعمتوں کے لئے شکر گذار ہوئے (نمل ۱۵ تا ۱۹)

آپ کی موت کا واقعہ بھی عجیب ہے ہیکل کی تعمیر کا کام جنوں اور انسانوں کے ذریعے جاری تھا۔ کہ پیغام اجل آگیا۔ دعا کی کہ الٰہی جن اسی طرح کام کرتے رہیں اور ان کو میری موت کی خبر نہ ہو۔ پس آپ عصا کے سہارے بطور نگران کھڑے ہو گئے اور جان قبض کرلی گئی۔ آپ کوئی سال بھر یا کم بیش ایک ہی طرح پر کھڑے رہے اور کسی کو آپ کی موت کی خبر نہ ہوئی آہستہ آہستہ آپ کے عصا کو دیمک نے چاٹ کھایا اس طرح سارا ٹوٹا تو آپ کا بدن بھی گر پڑا۔ جنوں کو اپنی غیب دانی کے دعویٰ پر سخت شرمندگی ہوئی اور مشقت پر بھی جو وہ آپ کی وفات کے بعد بے خبری میں کرتے رہے تھے اس واقعہ سے حضور علیہ السلام کی اس حدیث کی صداقت مزید روشن ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ انبیاء کے جسم کو وفات کے بعد زمین نہیں کھاتی یعنی کوئی چیز بھی نقصان نہیں پہنچاتی۔

سبق: جاہ و جلال دنیوی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس سلطنت اور مقام سے نوازا اس قدر کسی اور نبی کو نہ نوازا (ص ۳۰ تا ۴۰) اور ساتھ نبوت اور حکمت سے بھی وافر حصہ عطا ہوا۔ قرآن مجید میں آپ کا ذکر خاصی تفصیل سے ملتا ہے یعنی اسلامی سلطنت کے دور اقتدار میں جس حکمت عملی کو اپنانا چاہئے اس کی نشاندہی ہوتی ہے یعنی مسلمان جب بطور حاکم ہوں تو ان کو کیا طریقہ اپنانا چاہئے۔ جبکہ دوسرے بعض انبیاء کے حالات میں مسلمانوں کو دور محکومی میں جو لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے اس کی نظیریں ملتی ہیں۔ آپ ان مسلمان بادشاہوں کے لئے مثالی حیثیت رکھتے ہیں جو کاروبار سلطنت میں شریعت مطہرہ کی پابندی نہیں کرتے اور "وقت کی قلت" کا بہانہ کرتے ہیں اور ان کے لئے بھی جو عارضی جاہ و جلال میں کھو کر خدا کی راہ اور اس کی یاد سے بھٹک جاتے ہیں۔ اور چند روزہ زندگی میں نہ تو اسلام پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور نہ نفاذ اسلام کی کوشش کرتے ہیں۔ یا اگر کرتے ہیں تو بادل نخواستہ یا اس طرح کہ کچھ حصہ اسلام کا نافذ کرنا مناسب سمجھا اور جس میں ذرا خلاف طبع بات سمجھی اسے نافذ کرنے سے گریز کیا وغیرہ۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس قدر وسیع سلطنت کا انتظام بڑی خوش اسلوبی سے کیا۔ حالانکہ آپ کی رعایا میں انسان، جن، پرند چرند اور کیڑے مکوڑے اور ہوائیں وغیرہ بھی شامل تھیں اور وقت وہی چوبیس گھنٹے کا دن

Marfat.com

رات لیکن آپ ہر میدان میں پورے اترے اور اللہ کے احکام بھی ساتھ ساتھ نبھاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان حکمرانوں اور حاکموں کو دنیاوی جھمیلے نمٹانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین کامل نافذ کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے آمین۔

حضرت عیسیٰ (بن مریم) علیہ السلام:

بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام میں آخری نبی جو حضرت مریمؑ کے بیٹے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

عیسیٰ بن مریم بنت عمران بن پاشم بن امون بن میشابن حزقیابن احریق بن موشم بن عزازیابن امصیا بن یاوش بن احریہو بن یازم بن یہفاشاط بن ایشابن ایان بن رجبعام بن سلیمان بن داؤد (البدایہ والنھایہ ج ۲ صفحہ ۵۶ از ابن کثیر) ابن حزم (بحوالہ جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۵۰۶) کے ہاں ان ناموں کے تلفظ میں خاصا اختلاف ہے۔ قرآن حکیم میں حضرت مریمؑ کے والد عمران کا ذکر ہے۔ لیکن بائیبل میں ان کا کوئی ذکر نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شجرہ بحوالہ حضرت مریم بنت عمران اناجیل سے یکسر غائب ہے۔ بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شجرہ (ان کے فرضی والد) یوسف نجار کی طرف شمار کیا گیا ہے۔ (متی ۱-۱۶ لوقا ۳- ۲۴ تا ۲۸) اگرچہ عیسائی نجار کو حضرت عیسیٰ کا والد تسلیم نہیں کرتے تاہم انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی رو سے ان کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ کا نام ۳۶ بار اور ان کی جگہ مسیح کا لفظ بھی تقریباً ۱۱ مرتبہ آیا ہے۔ "عیسیٰ" عبرانی کے لفظ "Jesu" کا معرب ہے۔ جبکہ مسیح (تفسیر روح المعانی ج ۲ صفحہ ۱۶۱ مطبوعہ ملتان) عبرانی کے لفظ (Mashiah) (بمعنی تیل لگایا ہوا) سے ماخوذ ہے اور انگریزی کے لفظ (Christ) کے ہم معنی ہے۔ جس کے معانی ہیں (۱) مبارک (۲) بیماروں کو ہاتھ پھیر کر شفا بخشنے والا (۳) ولادت کے وقت جس پر روح الامین نے ہاتھ پھیرا۔

قران میں عیسیٰ اور مسیح کے علاوہ کنیت ابن مریم کے حوالے سے آپ کا نام ۲۳ مرتبہ عبداللہ دو مرتبہ وجیہا فی الدنیا والاخرۃ ایک مرتبہ، کلمہ (اللہ کے کلمہ کن اور بغیر ظاہری اسباب کے پیدا ہونے والا) ایک مرتبہ اور روح اللہ ایک مرتبہ آیا ہے۔ نیز آپ کو اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی "آیت اللہ" بھی قرار دیا گیا ہے۔

حضرت مریم اپنے باپ عمران کی اکلوتی اولاد تھیں۔ آپ کی والدہ کا نام حنہ بنت فاقوذ تھا۔ اس خاندان کا قرآن حکیم میں نہایت اچھے الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ (العمران ۳۳-۳۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی طرح عام طریقے سے ہٹ کر ہوئی (العمران ۵۹) آدم علیہ السلام بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے تھے جبکہ عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا کئے گئے۔ حضرت مریم کو ان کی پاکیزگی اور پارسائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی عورتوں میں سے بطور خاص منتخب فرمایا تھا۔ (العمران ۳۷ تا ۴۲) پھر انہیں کسی ظاہری واسطے کے بغیر اپنے خصوصی فضل و کرم سے

Marfat.com

اپنے ایک نبی کی ماں بننے کا شرف بخشا۔ چنانچہ آپ ایک دن مسجد اقصیٰ کے مشرقی جانب لوگوں سے الگ تھلگ مصروف عبادت تھیں کہ انہیں جبرئیل انسانی شکل میں نظر آئے اور آپ انہیں ایک مرد سمجھ کر گھبرا گئیں مگر حضرت جبرئیل نے کہا کہ میں تمہارے اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں بی بی مریم نے کہا کہ مجھے تو کسی مرد نے چھوا تک نہیں میرے بیٹا کیسے ہو گا۔ جبرئیل نے کہا بس یہ ہو کر رہے گا۔ (۳-۷-۴۷-۱۹-۲۰) چنانچہ بغیر پدری واسطہ کے حضرت عیسیٰ شکم مادر میں قرار پا گئے۔ (۱۹-۲۱) اسی لئے آپ کو قرآن حکیم میں روح اللہ (۶۶-۱۲) اور کلمۃ اللہ (۴-۱۷۱) بھی کہا گیا ہے۔

حمل قرار پانے کے بعد حضرت مریم لوگوں کے طعنوں کے خوف سے بیت المقدس سے دور چلی گئیں اور پیدائش کے وقت کوہ ساعیر کے دامن میں چلی گئیں (قصص القرآن از سیوہاروی جلد ۴ صفحہ ۴۲ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۲ء) یہ جگہ بیت لحم کے نام سے مشہور ہے۔ بعض علما ناصرہ کو حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش قرار دیتے ہیں۔ (تفسیر عبدالماجد دریابادی صفحہ ۶۲۶) یہودیوں نے حضرت مریم پر بہتان لگانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مریم یوسف بن یعقوب النجار کی بیوی تھیں۔ اور اس ذکر کو انجیل (متی ۱ تا ۱۶) میں جگہ بھی مل گئی کیونکہ اناجیل اس واقعہ کے بہت عرصہ بعد لکھی گئی تھیں لیکن قرآن حکیم اور اسلامی مستند روایات میں اس کا ذکر قطعاً نہیں ملتا البتہ بعض مسلم مفسرین نے اسرائیلی روایات کی بناء پر یوسف نجار کو حضرت مریم کا خالہ زاد بھائی اور ہیکل میں ان کے ساتھ عبادت اور خدمت کرنے والا بتایا ہے۔ (ابن کثیر البدایہ والنھایہ ج ۲ صفحہ ۶۵)، طبری تاریخ الرسل والملوک ج ۱ صفحہ ۷۲۵ مطبوعہ لائیڈن) حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت حضرت مریم نہایت مغموم اور کرب کی حالت میں ایک کھجور کے درخت تلے اس کا سہارا لے کر بیٹھ گئیں اور کہا کہ کاش میں بچپن میں ہی مر کھپ گئی ہوتی۔ اس وقت فرشتہ نے کھجوروں کے نشیبی باغ سے آپ کو آواز دے کر کہا۔

"مریم غمگین نہ ہو تیرے رب نے تیرے نیچے نہر جاری کر دی ہے اور تو کھجور کا تنا پکڑ کر ہلا تجھے پکی ہوئی تازہ کھجوریں ملیں گی تو کھا پی اور اپنے بچے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر" (مریم ۲۴ تا ۲۶)

جب حضرت مریم کو بچے کے باپ کے بارے میں لوگوں کے پوچھنے کا خیال آیا تو فرشتے نے اللہ کی طرف سے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ جب کوئی اس بچے کے بارے میں تم سے پوچھے تو کہنا کہ میں نے آج چپ کا روزہ رکھا ہے (جو کچھ پوچھنا ہے اس بچے سے پوچھ لو یعنی صرف بچے کی طرف اشارہ کر دینا) چنانچہ جب لوگوں نے مریم کی گود میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو متہم کرنا شروع کر دیا اور جب اشارہ کے مطابق حضرت عیسیٰ سے گفتگو کرنے پر اظہار تعجب کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود ہی بولنے لگے اور فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور اپنا نبی بنایا ہے اور مجھے جہاں میں ہوں اور جس حال میں ہوں صاحب برکت بنایا ہے اور مجھے میری زندگی تک نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔ اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا (ان تمام دنوں میں) مجھ پر سلام ہے اور رحمت

Marfat.com

ہے۔" (۱۹۔ ۳۰ تا ۳۳) اور یہ گفتگو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اولین معجزہ قرار دی جاتی ہے۔ اناجیل میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ جب آپ آٹھ دن کے ہوئے تو موسوی شریعت کے مطابق آپ کا ختنہ کیا گیا (قصص الانبیا صفحہ ۳۸۵ از عبدالوہاب النجار) البدایہ والنہایہ (ج ۲ صفحہ ۷۵) میں بحوالہ وھب بن منبہ وغیرہ منقول ہے کہ حضرت مریمؑ بادشاہ وقت ہیرودویس (Herediae) کے خوف سے حضرت عیسیٰ کو لے کر چلی گئیں حتیٰ کہ آپ کی عمر بارہ سال ہو گئی۔

سورہ مومنون (آیت ۵۰) سے مترشح ہوتا ہے کہ بچپن کے زمانہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم کو ایک جگہ قرار عطا فرمایا تھا۔ اور یہ جگہ قدرے بلند تھی جہاں ٹھنڈے پانی، عمدہ آب و ہوا اور ماحول کا انتظام بھی تھا۔ ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے بعض واقعات نقل کئے ہیں۔ ابن کثیر وغیرہ نے بارہ سال کی عمر میں حضرت عیسیٰ سے بعض معجزات کا ظہور ثابت کیا ہے۔ (البدایہ ج ۲ صفحہ ۷۵)

جب بیت المقدس کا بادشاہ مرگیا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ اور عیسیٰ علیہ السلام کو بلا بھیجا واپس آکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب بمقام ناصرہ رہائش اختیار کی جو صوبہ گلیلی میں تھا۔ بقول بعض اسی وجہ سے آپ کے پیروکاروں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔

۳۰ سال کی عمر میں آپ پر نزول وحی کا آغاز ہوا (البدایہ ج ۲ صفحہ ۸۷ ثعلبی عرائس المجالس ج ا صفحہ ۲۸) یہ ۱۸ رمضان المبارک کی رات تھی انجیل (متی ۳۔ ۱۳ تا ۱۷) کی رو سے حضرت عیسیٰؑ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اصطباغ (بپتسمہ) لیا۔

وحی کے کچھ عرصہ بعد آپ نے ایک پہاڑ پر بھرپور خطبہ دیا جسے خطبہ کوہ (Sermon on the mont) کہا جاتا ہے۔ اس وعظ میں حضرت عیسی علیہ السلام کی مجموعی تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے۔ جب عوام آپ کے معتقد ہونے لگے تو کاہن اور فریسی آپ کے مخالف ہوتے گئے اور مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا آپ جہاں جاتے وہاں سے انہیں نکالنے کا حکم ملتا۔ آخر آپ جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے لگے اور وہیں سے اپنے بارہ مبلغین شہروں اور دیہاتوں میں روانہ کرتے رہے۔ جو حواری کہلائے۔ لیکن حکومت نے آپ کو جنگلوں میں بھی چین نہ لینے دیا۔ لیکن حواریوں نے سفر و حضر میں آپ کا ساتھ خوب نبھایا یہ حواری پسے ہوئے طبقوں سے تعلق رکھنے والے تھے۔ لیکن اللہ کے نبیؑ کا ساتھ دینے کی وجہ سے ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔

جب حضرت عیسیٰ کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو انہوں نے اللہ سے مدد مانگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے دنیا میں رہنے کی تیری مدت پوری کروا کر اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تجھے کافروں سے پاک کروں گا (۳۔ ۵۵) حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ابھی وفات نہیں پائی اور وہ دوبارہ قیامت سے پہلے نازل ہوں گے۔

تفاسیر میں بھی یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہونے سے

Marfat.com

بچالیا اور آسمان پر زندہ اٹھالیا پھر وہ آپ کو قیامت کے قریب دنیا میں بھیج کر آپ کی عمر پوری کر کے وفات دے گا۔ دشمن حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے میں بری طرح ناکام رہے اس کی گواہی قرآن نے بانگ دہل دی ہے (نساء ۱۵۷-۱۵۸) اور زندہ اٹھالئے جانے کے لئے **بل رفعہ اللہ الیہ** کے الفاظ آئے ہیں۔

عیسائی اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کئے جانے کے قائل ہیں کہ قتل کے بعد وہ تین دن مردہ پڑے رہے پھر زندہ ہوئے اور آسمان پر اٹھالئے گئے ان دونوں کو قرآن شک میں پڑے قرار دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ صفحہ ۵۷۴ فتح الباری ج ۶ صفحہ ۳۰۴ از عسقلانی) انجیل برناباس سے اسلامی نقطہ نظر کی مکمل تائید ہوتی ہے کہ جب سپاہی یہوداہ کے ساتھ اس جگہ کے قریب پہنچے جہاں عیسیٰ علیہ السلام تھے تو وہ آنے والوں کی آہٹ سن کر گھر کی طرف چلے گئے اور ان کے گیارہ شاگرد سوتے رہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے عیسیٰ کو خطرے میں دیکھا تو اپنے سفیروں جبرئیل، میکائیل، رفائیل اور اوریئل کو حکم دیا کہ وہ ان کو دنیا سے اٹھالائیں چنانچہ ان فرشتوں نے دکھن کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے ان کو لیا اور اٹھا کر تیسرے آسمان پر لے جاکر فرشتوں کی صحبت میں بٹھادیا (انجیل برناباس باب ۲۱۵ آیت ۱ تا ۵ مفہوم و ملخص) یہ واقعہ آپ کی ۳۳ سال کی عمر میں پیش آیا روایات کی رو سے گرفتار کروانے والے کی شکل ہو بہو حضرت عیسیٰ کی شکل جیسی ہو گئی جسے پکڑ کر سولی چڑھادیا گیا حالانکہ وہ بہت شور مچاتا رہا کہ میں تو تمہارا مخبر (ناوٹ) ہوں لیکن کوئی اس کی بات ماننے پر تیار نہ ہوا۔

نزول مسیح: بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور وہ وقت آنے والا ہے جب عیسیٰ بن مریم عادل حاکم بن کر نازل ہوں گے وہ صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اور جنگ موقوف کر دیں گے اور مال کی اس درجہ کثرت ہوگی کہ کوئی لینے والا نہ ملے گا۔

مسند احمد بن حنبل میں بھی ایک طویل روایت اس بارے میں ہے جس میں تفصیلات زیادہ ہیں یعنی نزول کے وقت حضرت عیسیٰ کا قد درمیانہ اور رنگ سرخ و سفید ہو گا۔ اور سرخی مائل دو چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے اور اس حال میں نازل ہوں گے جیسے ابھی ابھی غسل کر کے آرہے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نزول مسیح ملک شام میں اس وقت ہو گا جب اہل اسلام ایک معرکے کے دوران نماز پڑھنے لگے ہوں گے (مسلم بروایت ابوہریرہؓ) چنانچہ نزول مسیح کا عقیدہ ایسا ہے جس پر ہر مسلمان کا ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ اس بارے میں روایات کے پندرہ کے قریب ثقہ صحابہ کرام راوی ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۴/۴ زیر عنوان عیسیٰ بن مریم)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سراپا معجزہ بنایا اور آپ کی والدہ کو بھی کہ آپ کو باپ کے سبب کے بغیر پیدا فرمایا۔ (۳-۴۵ تا ۴۷) (مریم ۲۱) (مومنون ۵۰) قرآن کی رو سے آپ کو بہت سے معجزات عطا کئے گئے مثلاً (۱) گہوارے میں کلام کرنا (۴۶/۳ ۲۹/۱۹) (۲) پیدائشی طور پر کتب انبیاء کا ماہر ہونا (۴۸/۳) (۳) مٹی

Marfat.com

کے پرندے بنا کر پھونک مار کر انہیں جاندار کر کے اڑا دینا۔ (۴) مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو محض ہاتھ پھیر کر تندرست کر دینا (۴۹/۳) (۵) مردوں کو زندہ کر دینا (۶) آپ کے لئے آسمان سے دستر خوان کا اترنا (مائدہ ۱۱۵/۱۱۱) (۷) آپ کو آسمان پر زندہ اٹھالینا (۱۵۸/۴) (۸) لوگوں کو ان کے گھروں کے ذخیرے کی خبر دینا (۳-۴۹) وغیرہ ان میں سے بعض معجزات مثلاً مٹی کے پرندوں میں پھونک مار کر اڑا دینے والے معجزہ کا ذکر اناجیل میں بھی موجود نہیں۔ ان معجزات کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی غلط فہمی پیدا ہوئی تھی۔ پس وہ آپ کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے اور باپ بیٹا اور روح القدس کی تثلیث میں الجھ کر رہ گئے چنانچہ قرآن حکیم میں ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے بار بار تصریح کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے تھے بیٹے نہ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان کسی کو بیٹا بنانے سے بہت ہی بلند ہے (مریم ۳۴ تا ۳۵) پھر ان قائلین کو سخت تنبیہہ کی ہے (مریم ۸۸ تا ۹۲) اور حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے رسولوں کی طرح کا ایک رسول اور آپ کی والدہ کو صدیقہ کہا اور بتایا کہ وہ انسان تھے اور دونوں کھانا کھا کر ہی زندگی بسر کرتے تھے۔ (مائدہ ۷۵) اگر وہ الوہیت سے بہرہ ور ہوتے تو وہ خدا کی طرح کھانے پینے سے بے نیاز ہوتے۔

بنی اسرائیل کے نبی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام ساری دنیا کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اور ان کی شریعت ایک خاص قوم تک محدود تھی جو عالمگیر نہ تھی (العمران ۴۹) (الصف ۶) انجیل میں بھی حضرت عیسیٰ کا اس بارے میں اپنے شاگردوں سے خطاب اس طرح ہے جنہیں آپ مبلغ بنا کر بھیجتے وقت تلقین کر رہے تھے۔

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی گم شدہ بھیڑوں کے پاس جانا۔" (متی ۹-۵ تا ۶) حضرت عیسیٰ بنیادی طور پر موسوی شریعت کے مبلغ اور پیرو کار تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپکو انجیل بھی عطا کی تھی پس آپ تورات اور انجیل کی تعلیم دیتے تھے۔ (العمران ۴۸ تا ۵۰) انجیل متی میں ہے کہ آپ نے فرمایا "یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں (متی ۵-۱۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دین کی حتمی تکمیل کے سلسلہ میں آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بشارت آپ کا نام (احمد) لے کر دی ہے (الصف ۶) اور یوحنا کی انجیل میں ہے کہ جب وہ سچائی کی روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کچھ کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (یوحنا ۱۶ آیت ۷-۸، ۱۳-۱۴)

Marfat.com

سابقہ آسمانی کتابیں اور قرآن حکیم

تورات: تورات موجودہ بائیبل کا ایک حصہ ہے "کتاب مقدس" میں دو حصے ہیں۔

۱ عہد نامہ قدیم(Old testament)(۲) عہد نامہ جدید(New testament)

پہلا حصہ دوسرے حصہ کی بہ نسبت زیادہ ضخیم ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک پوری بائیبل ان کی مذہبی کتاب ہے۔ جبکہ یہودی عہد نامہ جدید کو نہیں مانتے۔ علمائے یہود نے عہد نامہ قدیم کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱ تورات (قانون یا شریعت(Law)۔
۲ صحائف انبیاء۔(Prophets)
۳ صحائف مقدسہ۔(Hagiographa) یا محض(Writings)

تورات: تورات نہ تو کل بائیبل ہی ہے اور نہ کل عہد نامہ قدیم کیونکہ مندرجہ بالا تقسیم کی رو سے تورات کے علاوہ اور بھی صحائف ہیں جو یہودیوں کی کتاب مقدس کے لازمی اجزاء ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ تقدس اور اہمیت تورات ہی کو حاصل ہے۔ جو دراصل پانچ حصوں پر مشتمل ہے یعنی (۱) تکوین(۲) خروج(۳) احبار(Leviticus)(۴) اعداد یا گنتی(۵) استثناء

صحائف انبیاء: یہ آٹھ صحائف ہیں جو دو اقسام پر مشتمل ہیں۔

(الف) انبیائے اوائل:۔ (۱) یوشع (Joshua) (۲) قضاۃ (Judges) (۳) سموئیل (Samuel)(۴) سلاطین(Kings)

(ب) انبیائے اواخر (۵) اشعیاء(Isaiah)(۶) ارمیا(Jeremiah)(۷) حزقیال(Ezekiel)

(۸) انبیائے اصاغر(Minor Prophets)

(انبیائے اصاغر بارہ صحیفوں پر مشتمل ہے لیکن یہ سارے مل کر ایک صحیفہ شمار ہوتے ہیں۔)

صحائف مقدسہ: یہ کل گیارہ صحیفے ہیں جو تین اقسام پر مشتمل ہیں۔

(الف) صحف اشعار (۱) مزامیر(Psalms) (۲) امثال (Proverbs) (۳) ایوب (Job) واعظ۔

Marfat.com

(ب) مجلات خمسہ (Megilloth) (۴) نشید الانشاد یا غزل الغزلات (Song of songs) (۵) راعوت (Ruth) (۶) مراثی یا نوحہ (Lamentation) (۷) کتاب جامعہ سلیمان (Ecclesiastes) (۸) استیر (Esther)۔

(ج) باقی صحائف (۹) دانیال (Daniel) عزرا (Ezra) نحمیا (Nehemia) (یہ تینوں ملا کر ایک صحیفہ ہوا) (۱۰-۱۱) ایام (Chronicles) یہ کل ۲۴ صحیفے ہوئے۔

ان کی اصل زبان عبرانی ہے سوائے چند عبارتوں کے جو دانیال اور عزرا میں آرامی زبان میں ہیں۔

قرآن اور تورات: قرآن شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تھی جیسا کہ بعد ازاں عیسیٰ پر انجیل اور محمد مصطفیٰ ﷺ پر قرآن حکیم نازل فرمایا۔ اس کے علاوہ صحف ابراہیم (۸۷-۱۹) اور صحف موسیٰ (۵۳-۳۶) کا ذکر بھی قرآن میں آیا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو بنی اسرائیل کے لئے سرچشمہ ہدایت تھی (۱۷-۲) نیز اس میں موعظت ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔ (۷-۱۴۵)

اگرچہ تورات کے بعد زبور (۴-۱۶۳) حضرت داؤد علیہ السلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر (۵۷-۲۷) نازل فرمائی مگر شریعت موسوی برقرار رہی حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اسے برقرار رکھا چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ (متی ۵-۱۷، تا ۱۸)

قرآن نے تورات کو الفرقان وضیا (الانبیاء ۴۸) بصائر (قصص ۴۳) اور اماما ورحمتہ تک کہا ہے۔

قرآن کی رو سے تورات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے لئے قرآن مجید کی طرح نازل کردہ کتاب تھی جسے کوہ طور پر جا کر حضرت موسیٰ نے چالیس روز میں حاصل کیا اور اسے الواح پر لکھ لیا۔ (اعراف ۱۴۵) یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بلاواسطہ جبرئیل نازل کی گئی۔ (۴-۱۶۴) بنی اسرائیل ایک برگزیدہ قوم تھی اور اللہ تعالیٰ نے اسے دیگر اقوام پر فضیلت بخشی تھی۔ (بقرہ ۱۲۲/ ۴۷ جاثیہ ۱۹) لہٰذا تورات ان کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر بعثت خاتم النبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک ایک مکمل اور مفصل دستور حیات تھی اور ایسا جامع دستور اس سے پیشتر شاید ہی کسی نبی اور اس کی قوم کو دیا گیا ہو لیکن بنی اسرائیل کی سرکشی اور عصیان اور قتل انبیاء جیسے کبائر نے اسے مغضوب و مردود ٹھہرایا جیسا کہ سورہ نساء آیات ۱۵۵ تا ۱۵۷ سے واضح ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل نے تورات میں تحریف و تغیر بھی کی اور اسے اصلی وحی کی شکل میں قائم نہ رکھا (نساء ۴۵، مائدہ ۱۴)

کبھی وہ "یحرفون الکلم عن مواضعہ" (نساء ۴۶) یعنی الفاظ کو آگے پیچھے

Marfat.com

کرکے تحریف کے مرتکب ہوتے کبھی صحیح مطلب سمجھنے کے بعد اسے (اپنے مطلب کے مطابق) تبدیل کردیتے تھے (بقرہ ۷۵) اور کبھی صحائف کو اپنے ہاتھ سے لکھتے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے (بقرہ ۷۹) اور کبھی آیات کو سرے سے نکال دیتے تھے یا چھپا جاتے تھے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۴ اور آل عمران کی آیت ۱۸۷ سے ظاہر ہوتا ہے اور ان تحریفات کی تصدیق یسعیاہ باب ۲۴ آیت ۵ (سرزمین ان کے نیچے جو اس پر بستے ہیں نجس ہوئی کہ انہوں نے شریعتوں کو عدول کیا قانونوں کو بدلا عہد ابدی کو توڑ ڈالا) اور ارمیاہ باب ۲۳ آیت ۳۶ (تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کی باتوں کو بگاڑ ڈالا ہے۔) وغیرہ سے بھی ہوتی ہے۔ عیسائی علماء میں مسی اوریجن (Origen) جس کا زمانہ ۱۸۵ء تا ۲۵۴ء ہے پر سب سے پہلے واضح طور پر منکشف ہوا کہ خصوصاً عہد نامہ قدیم میں بعض عبارتیں ایسی ہیں جو یا تو معنوی لحاظ سے درست نہیں یا اخلاقی معیار سے پست اور مذموم ہیں۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا بذیل لفظ بائبل)

لیکن اس نے اسے اپنی عقل کا قصور خیال کرتے ہوئے دل کو تسلی دے لی اور یہی مسلک آگسٹن (۳۴۵ء تا ۴۳۰ء) اور ٹامس ایکوے ناس (Thomas Aquinas) جس کا زمانہ ۱۲۲۵ء سے ۱۲۷۴ء تک ہے نے اختیار کیا علاوہ ازیں پوفری "Porphyry" (۲۳۳ء تا ۳۰۴ء) نے صحیفہ دانیال کے بارے میں خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ بابل کی جلاوطنی کے زمانے میں تحریر نہیں کیا گیا بلکہ چار صدی بعد لکھا گیا تھا۔ اسی طرح ہسپانیہ کے یہودی عالم ابن عزرا (۱۰۹۲۔ ۱۱۶۷ء) نے تحقیق کے بعد ثابت کیا کہ صحائف خمسہ (Pentateuch) حضرت موسیٰ کے بعد کی تالیف ہیں۔ لیکن عام لوگ ان باتوں کو اہمیت نہ دیتے رہے۔

فرانسیسی عالم کاپیلو (Capellus) (تقریباً ۱۶۲۴ء) نے ثابت کیا کہ تورات کا اصل عبرانی متن بغیر ماثوری (Massoretic) اعراب کے اور طریقوں پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ نیز عبرانی متن حتمی طور پر درست بھی نہیں ہے۔ رچرڈ سائمن (۱۶۸۵ء کے قریب) نے بائبل کا مطالعہ تاریخی تنقید کے اصولوں پر کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور اس طرح متنی تنقید اور ادبی تنقید یا تنقید عالیہ کی بنیاد پڑی جس کی مزید تائید مارگن (Morgan) (زمانہ تقریباً ۱۷۴۳ء) نے بھی اس طرح کی کہ بائبل کا مطالعہ علم اور عقل کی روشنی میں کرنا چاہئے۔

جرمن سکالر رائماروس (Reimarus) نے ۱۷۷۴ء میں ایک ضخیم کتاب شائع کی جس میں بائبل کے منزل من اللہ (Revelation) ہونے سے انکار کیا گیا تھا ایک اور جرمن سکالر لیسنگ (Lessing) (جس کا زمانہ تقریباً ۱۷۲۹ء تا ۱۷۸۱ء) نے بھی دعویٰ کیا کہ بائبل میں مندرج واقعات پر تاریخ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ جدید تنقید و تحقیق نے بالآخر ثابت کر دیا کہ موجودہ تورات اور دیگر صحائف عہد قدیم، قدیم مذہبی عقیدے کے برخلاف اللہ کا کلام یا وحی کردہ مواد پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ ان کو زمانہ مابعد میں مختلف لوگوں نے تصنیف کیا اور یہ کہ موجودہ تورات موسیٰ کے بعد کی تالیف ہے۔ اس وقت عہد نامہ قدیم کا قدیم ترین عبرانی قلمی نسخہ ۹۱۶ء کا تحریر شدہ ہے۔

Marfat.com

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ٦ مقالہ تورات)

کتاب مقدس کا عبرانی متن جو اس وقت مخطوطات اور مطبوعات کی شکل میں موجود ہے ماثوری متن (Massoretic Text) کہلاتا ہے جو چھٹی تا آٹھویں صدی عیسوی میں متعین کیا گیا تھا۔ یعنی اس پر اعراب لگائے گئے جن کے ذریعے تلفظ کا تعین ہو گیا۔ لیکن متن اور دوسرے مختلف قسم کے بے شمار اختلافات پر جدید ناقدین نے بھی گرفت کی ہے اور یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ واقعی تورات اور دیگر متعلقہ صحائف منزل من اللہ نہیں اور جس بات کو یہودی اور عیسائی علماء نے صدیوں کے بعد تسلیم کیا وہ بات قرآن نے چودہ سو سال پہلے واضح طور پر بیان کر دی تھی جس سے قرآن کی حقانیت روز روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے۔

لیکن: اس کا مطلب یہ نہیں کہ تورات کے تمام مندرجات غلط ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مفہوم کے لحاظ سے بعض مقامات واقعی شریعت موسوی کا حصہ ہیں جن کی تصدیق قرآن سے بھی ہوتی ہے نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک بعض یہودی علماء کے پاس غیر تحریف شدہ کتاب یا اس کے بعض اہم حصے جو یہودیوں نے غائب کر دیئے ہوئے تھے بھی کہیں موجود تھے۔ اور بعض علمائے یہود جو بعد میں اسلام بھی لائے ان سے کافی حد تک واقف تھے اور اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن سلام سرفہرست ہیں۔

زبور: دوسری آسمانی کتاب جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی زبور کہلاتی ہے قرآن میں آیا ہے کہ رسولوں کو "البینت و الزبر" (١٦-٤٤) (٢٦-١٩٤) دے کر بھیجا گیا۔ یہاں زبر سے مراد کتابیں ہیں بعض جگہ و الزبر و الکتاب المنیر آیا ہے۔ (آل عمران ١٨٤ فاطر ٢٥)

لیکن سورہ انبیاء میں و لقد کتبنا فی الزبور (٢١-١٠٥) سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی سورہ نساء (١٦٣) میں (و اتینا داؤد زبورا) بطور نکرہ ہے یعنی ایک زبور (کتاب) جسے قرآنا کے وزن پر زبوری قرار دیا جا سکتا ہے۔

امام راغب کے مطابق "بقول بعض زبور اس کتاب کا نام ہے جو صرف عقلی حکمتوں پر مشتمل ہو۔ اور اس میں شرعی احکام نہ ہوں جبکہ "کتاب" وہ ہے جس میں شرعی احکام اور حکمتیں (دونوں) ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں کوئی شرعی حکم نہ تھا۔ گویا صحیفہ حکمت ہونے کی بناء پر اسے زبور کہا گیا۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ زبور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور ذکر مبارک کے بعد یہ لکھا گیا تھا کہ زمین کا وارث ہم اپنے صالح بندوں کو بنائیں گے۔ (انبیاء ١٠٥)

عہد نامہ قدیم کے ذکر میں "تیسری قسم" کا ذکر آیا ہے۔ زبور ان بارہ کتابوں میں سے ایک ہے جو "تیسری قسم" مذکورہ میں شامل ہیں۔ لہٰذا تورات پر بحث و تنقید کا اطلاق "زبور" پر بھی ہوتا ہے کیونکہ تورات کی طرح زبور بھی اپنی اصل حالت میں مفقود ہے۔

زبور کے ترجمے کا ایک جز جو دوسری صدی ہجری کا تحریر کردہ ہے اور جسے مسیحی عربی لٹریچر

Marfat.com

قدیم ترین سمجھا جاتا ہے۔ اور جسے "B-Violet" نے دمشق میں دریافت کیا تھا اس میں زبور ۷۸ آیات ۲۰ تا ۳۱، ۵۱ تا ۶۱ کا عربی ترجمہ یونانی جلی (Majuscular) حروف میں لکھا گیا ہے۔ الکندی نے اپنی تصنیف "الرسالہ" (مولفہ تقریباً ۲۰۴ھ مطابق ۸۱۹ء) میں اور ابن قتیبہ نے (جیسا کہ ابن جوزی نے الوفا میں بیان کیا) بھی زبور کی آیات کا لفظی ترجمہ نقل کیا ہے۔ طبری نے اپنی کتاب الدین والدولہ (مصنفہ تقریباً ۲۴۰ھ) میں ایک پورا باب (مزامیر) زبور کے لئے وقف کیا ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد نمبر ۱۰ صفحہ ۴۷-۴۴۵)

اہل اسلام کے مطابق تورات کی طرح زبور میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پیش گوئیاں موجود ہیں۔ ابن قتیبہ کے نزدیک مزامیر کی بعض آیات کا مصداق رسول اکرم ﷺ ہیں۔

زبور کے باب ۳۷ میں اس موعود کے انتظار کا ذکر یوں ہے:۔

خداوند میں مطمئن رہ اور صبر سے اس کی آس رکھ --- (آیت نمبر ۷)

کیونکہ بدکردار کاٹ ڈالے جائیں گے لیکن جن کو خداوند کی آس ہے ملک کے وارث ہوں گے کیونکہ تھوڑی دیر میں شریر نابود ہو جائے گا۔ لیکن حلیم ملک کے وارث ہوں گے اور سلامتی (اسلام) کی فراوانی سے شاد رہیں گے۔ "صادق کا تھوڑا سا مال بہت سے شریروں کی دولت سے بہتر ہے کیونکہ شریروں کے بازو توڑے جائیں گے لیکن خداوند صادقوں کو سنبھالتا ہے۔ کامل لوگوں کے ایام کو خداوند جانتا ہے ان کی میراث ہمیشہ کے لئے ہوگی وہ آفت کے وقت شرمندہ نہ ہوں گے اور کال (قحط) کے دنوں میں آسودہ رہیں گے لیکن شریر ہلاک ہوں گے ------ شریر قرض لیتا ہے اور ادا نہیں کرتا لیکن صادق رحم کرتا ہے اور دیتا ہے کیونکہ جن کو وہ برکت دیتا ہے وہ زمین کے وارث ہوں گے اور جن پر وہ لعنت کرتا ہے وہ کاٹ ڈالے جائیں گے شریروں کی نسل کاٹ ڈالی جائے گی صادق زمین کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے۔ صادق کے منہ سے دانائی نکلتی ہے اور اس کی زبان سے انصاف کی باتیں۔ اس کے خدا کی شریعت اس کے دل میں ہے۔ وہ اپنی روش میں پھسلے گا نہیں شریر صادق کی تاک میں رہتا ہے اور اسے قتل کرنا چاہتا ہے خداوند اسے اس کے ہاتھ میں نہیں چھوڑے گا ------ خداوند کی آس رکھ اور اسی کی راہ پر چلتا رہ اور وہ تجھے سرفراز کرکے زمین کا وارث بنائے گا۔ (زبور باب ۳۷ آیت ۱۶ تا ۳۴)

اس باب کی آیت نمبر ۷ میں ایک موعود کا ذکر ہے۔ جسے بعد میں صادق کہہ کر اس کی تعریف کی گئی ہے۔ جسے شریر قتل کرنا چاہیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھے گا۔ (واللہ یعصمک قرآن) اور سورہ انبیاء (آیت ۱۰۵) میں ہے کہ نے زبور میں محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذکر کے بعد لکھا تھا کہ صالح لوگ زمین کے وارث ہوں گے۔ باب ۳۷ میں صادق حضور ﷺ کے لئے ہی آیا ہے اور بعد ازاں آپ ﷺ کی برکت سے آپ کی امت کو فتوحات سے نوازا گیا اور سلطنت اسلامیہ دور دور تک پھیل گئی۔

بنی اسرائیل پر مصیبت: حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی یعنی دس اسباط بنی اسرائیل پر مشتمل سلطنت کا

Marfat.com

دارالحکومت ساریہ تھا جبکہ دو اسباط یہود اور بنی امین پر مشتمل دوسری سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم
آٹھویں صدی قبل مسیح میں اہل شام نے ساریہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے
نینوا لے گئے۔ اور پھران دس قبائل اسرائیل کا کوئی سراغ نہ ملا قیاسات دوڑانے والوں کا خیال ہے کہ بنی
اسرائیل کے یہ دس قبائل افغانستان اور ہندوستان کی طرف بڑھ کر پھیل گئے۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کے حکمران بخت نصر نے یروشلم پر حملہ کیا اور اسے تاخت و تاراج
کرنے کے بعد یہودیوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ بابل لے گیا اور بیت المقدس کے ہیکل میں حضرت
سلیمانؑ کے محفوظ کردہ تبرکات اور الواح تورات کو جلا کر راکھ کر دیا گیا اور بخت نصر باقی سب کچھ اپنے ساتھ
لے گیا بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو جن کی تعداد ۴۰ چالیس ہزار سے زیادہ نہ تھی پچاس سال تک قیدی
اور مظلوم کے رہنے کے بعد عزراؑ اور نحمیاہؑ نبیوں کی کوششوں سے واپس یروشلم آنے کی اجازت ملی اور
بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا اور یہ لوگ بنی اسرائیل کی کل آبادی کا بیسواں حصہ بھی نہ تھے۔

(سپنگلر کی کتاب "Decline of the west" جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۰۸)

سلاطین ا (باب ۸ آیت ۶ تا ۹) کے مطابق ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد جب مقدس الواح کے
صندوق کو لایا گیا تو اس "صندوق میں کچھ نہیں تھا سوائے پتھر کی دو الواح کے جنہیں حضرت موسیٰؑ نے
حورب پر اس میں رکھا جبکہ خداوند نے بنی اسرائیل سے ان کے زمین مصر سے اخراج کے موقع پر عہد
باندھا تھا۔"

اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف دو الواح پر پوری تورات کے پانچوں ابواب اور بنی اسرائیل
کے تمام صحیفے لکھے گئے تھے۔ جو ناممکن لگتا ہے لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ تورات اور دیگر صحائف حضرت سلیمانؑ
کے وقت تک محفوظ شکل میں موجود نہ تھے۔

بہرحال عزرا نبی (جسے تورات میں فقیہہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔

(نحمیاہ باب ۸ آیت ۱)

اور اس سے مراد قرآن میں بیان کردہ نبی نہیں بلکہ یہودی لٹریچر میں یہ لفظ ہیکل کے ایک اعلیٰ
منصبدار کے لئے مخصوص تھا) نے تورات کے پہلے پانچ صحیفوں کو از سرنو مرتب کیا اور اسے مورخانہ حیثیت
سے قلمبند کیا جس کی تفصیل نحمیاہ باب ۸ میں ملتی ہے یہ سارا مواد روایت معنوی پر مشتمل تھا۔ نہ کہ لفظی
پر کیونکہ پچاس سالہ قید و بند کے دوران بنی اسرائیل کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ وہ ہر سبت (ہفتہ) کو علماء کی ایک
مجلس لگاتے اور وہاں جس کو تورات سے جو یاد ہوتا وہ اس کا مفہوم بیان کرتا جو کہ قدیم عبرانی زبان میں
ہوتا۔ بعد ازاں اس کی تفسیر یا ترجمہ ارامی میں بیان کیا جاتا۔ کیونکہ پچاس سالہ دور غلامی میں بنی اسرائیل
کی زبان بھی بدل گئی تھی (اور عبرانی جاننے والے بزرگ آہستہ آہستہ ختم ہو گئے اور نئی نسل نے کلام
الملک ملک الکلام کے مصداق بابل والوں کی زبان سیکھ لی تھی جو کہ آرامی تھی نیز بنی اسرائیل کے کچھ
لوگوں نے اشدودی، عمونی اور موآبی عورتوں سے شادیاں بھی رچائیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اولاد کی

Marfat.com

زبان پر انکی ماؤں کے اثرات مرتب ہوتے گئے) اور یہ سلسلہ غلامی ختم ہونے کے بعد بھی جاری رہا۔ تحقیق کہتی ہے کہ عزرا فقیہہ نے تورات کی پانچ کتابیں ۴۴۵۔۴۴۴ ق م میں مرتب کر لی تھیں۔

(Chronoloigical Index,to the Holy Bible)

انجیل

نام اور وجہ تسمیہ: عموماً اس لفظ کو "یونانی" قرار دیا گیا ہے جس کی اصل شکل (Eu-angellion) یا (Evangelium) ہے جس کے معنی ہیں خوشخبری اور بشارت آکسفورڈ ڈکشنری میں یہ اشارہ موجود ہے کہ انجیل یونانی لفظ (Anggelos) سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پیغام

بعض علمائے لغت نے اس لفظ کو عربی مادہ "ن ج ل" سے مشتق قرار دیا ہے اور نجل الشی (۔ینجلہ، نجلا) کے معنی ظاہر کرنا اور روشن کرنا کے ہیں جبکہ نجل کے معنی "اصل، بنیاد، استخراج، اور علوم و حکم کا سرچشمہ ہیں"

(السجستانی غریب القرآن طبع محمد علی (مصر) صفحہ ۲۹)

لیکن تاج العروس (۸-۱۳۸) میں اس اشتقاق کے بارے میں "قیل" کے لفظ سے اس کی کمزوری کی طرف اشارہ کر دیا ہے جبکہ صاحب منتہی الارب نے بھی اس اشتقاق کو درست تسلیم کیا عربی میں انجیل کی ایک قرات کو بھی انجیل کہتے ہیں اور انجل کے معنی وسیع و عریض کے ہیں اسی بناء پر الاصمعی سے روایت قول ہے کہ انجیل افعیل کے وزن پر ہے اور اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں بہت سی سطریں ہوں۔

(تاج العروس ۸-۱۳۸)

اور یہ بات بھی اس لفظ کے عجمی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ افعیل عربی اوزان میں شامل نہیں۔ (۳)

(۳) الکشاف ۳۳۵-۳۳۶ مطبوعہ مصر ۱۳۶۵/۱۹۴۶ء

قدیم مفسرین میں سے جار اللہ الزمخشری (متوفی ۵۳۸ء/ ۱۱۴۳ء)

(بحوالہ الکشاف ۳۳۶۱)

نے بھی اسے غیر عربی لفظ قرار دیا ہے اور یہی رائے علامہ بیضاوی (متوفی ۶۸۵ء/ ۱۲۸۶ء) نے انوار التنزیل (ص ۶۲) میں دی ہے چونکہ اناجیل اور ان کے اجزا کے قدیم ترین تراجم سریانی سے عربی میں ہوئے۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۳ صفحہ ۵۱ تحت مادہ بائبل نیز انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ائیڈن تحت مادہ۔ طبع اول)

اس لئے زیادہ تر قیاس یہ ہے کہ اصل لفظ یونانی سے سریانی میں آیا ہے سریانی اناجیل بھی "Evangelion" ہی کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انجیل کا لفظ سریانی الاصل ہے

(تاج العروس ۸-۱۳۸)

Marfat.com

حبشہ کی زبان میں انجیل کے لئے لفظ Wangel ہے۔ بقول ابن منظور یہ لفظ عبرانی ہے یا سر
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری نسلاً اور مذہباً اسرائیلی تھے اور ان کی مادری زبان عبرانی تھ
مغربی آرامی۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۳ صفحہ ۵۲۲ عمود ۲۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابتدائی عیسائیوں نے اپنے مذہبی صحیفے اور دینی بزرگوں کے حالات
مشتمل کتاب کا نام عبرانی کی بجائے یونانی میں کیوں رکھا؟

اس کا ٹھیک جواب تب ملے گا اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ اصل انجیل کس زبان میں تھی۔ اگر ع
میں تھی اور بعد میں ترجمہ یونانی میں کیا گیا تو ظاہر ہے کہ کتاب کا نام انجیل نہیں ہو گا جو کہ یونانی لفظ
لیکن جس طرح ہمارے پاس اصل عبرانی اناجیل موجود نہیں اسی طرح انجیل کا اصل نام بھی ناپید ہ
ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۸)

انجیل کو عہد نامہ جدید یا New Testament کا نام عیسائیوں نے دوسری صدی عیسوی کے
میں دیا۔

(یسوریوس کا انسائیکلو پیڈیا جلد ۹ صفحہ ۲۴۶)

لفظ بائبل ازمنہ وسطیٰ کی لاطینی زبان سے ماخوذ ہے جو یونانی الاصل ہے اور معنی ہیں "کتا
مجموعہ" پھر یہ لفظ انگریزی میں آیا اور الہامی نوشتوں کے مجموعہ کے لئے مستعمل ہے۔

بنیادی اناجیل: عیسائیوں کے نزدیک انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و تعلیمات و
مشتمل وہ چار کتابیں ہیں جو وقتاً فوقتاً لکھی گئیں اور وہ متی مرقس لوقا اور ی
طرف منسوب ہیں لیکن کبھی کبھی یہ لفظ پورے "عہد نامہ جدید" کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

متروک اناجیل: مسیحیت کے ابتدائی زمانے میں بہت سی انجیلیں موجود تھیں۔ مگر اتھا
(Athanasius) نے اپنے زمانے (۲۹۷ء تا ۳۷۳ء) میں کوشش کی جس کے
سے کلیسا کے مذہبی پیشواؤں نے ۳۲۵ء میں منعقد کی جانے والی مجلس نیقیہ (Nicaea) کے فیصلہ کے
مذکورہ بالا چار اناجیل کو مسلمہ قرار دے دیا جبکہ باقی اناجیل کو ترک کر دیا گیا۔

متروک اناجیل: متروک اناجیل کو انگریزی میں (Apocryphal) یعنی غیر مستند، غیر مو
متروک کہتے ہیں مسیحی لٹریچر میں انجیلی ذخیرہ کتب میں مندرجہ ذیل اناجیل
ہے۔

(بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع ۱۱ تحت مادہ Apocryphal نیز
Introduction to the Critical study: Honne. Literature of the
Scriptures (London-1825 AD: 1 : 642

Marfat.com

(۱) انجیل طفولیت منسوب بہ متی (۲) انجیل پطرس (مروجہ) (۳) انجیل یوحنا (اول) (مروجہ) (۴) انجیل یوحنا (دوم) (۵) انجیل اندریاس (۶) انجیل فیلبوس (۷) انجیل بارتھالوسی (۸) انجیل اول طفولیت منسوب بہ توما (۹) انجیل دوم طفولیت منسوب بہ توما (۱۰) انجیل یعقوب (۱۱) انجیل نیقودیس (۱۲) انجیل متھیاس (۱۳) انجیل مرقس (مصریوں کی) (۱۴) انجیل مرقس (مروجہ) (۱۵) انجیل برنباس یا برناباس (۱۶) انجیل لوقا (مروجہ) (۱۷) انجیل متی (مروجہ) (۱۸) انجیل تھیڈ کیس (۱۹) انجیل پولوس (۲۰) انجیل لیڈس (Besi Lides) یا بازی دس (۲۱) انجیل سرتھس (۲۲) انجیل ابیانی (۲۳) انجیل یہودیہ (۲۴) انجیل مارکیون (Marcion) (۲۵) انجیل ناصرین (۲۶) انجیل ٹاٹیان (۲۷) انجیل ولن ٹینس (۲۸) انجیل تھیس (۲۹) انجیل الپس (۳۰) انجیل انکرائیس (۳۱) انجیل ولادت مریم (۳۲) انجیل جوڈرس (۳۳) انجیل کالمیٹ۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں بذیل مادہ "Gospel" بعض مزید اناجیل کے نام بھی ملتے ہیں۔ مذکورہ بالا اناجیل کے علاوہ ایک بڑی تعداد ایسے مکتوبات کی ہے جو مختلف حواریوں کی طرف منسوب ہیں اور ہر فرقہ اپنے موقف کی تائید میں انہیں بطور سند پیش کرتا تھا۔ ان مکتوبات کی تعداد ۳۱۳ تک شمار کی گئی ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۳ صفحہ ۳۰۹)

اسی طرح بعض حواریوں کے اعمال (اسوہ) پر مشتمل تعلیمات وغیرہ کا سراغ بھی ملتا ہے جن کے نام اس طرح ہیں۔

(۱) اندریاس کے اعمال (۲) یوحنا کے اعمال (۳) پولوس کے اعمال (۴) پطرس کے اعمال (۵) پطرس کی تعلیمات (۶) توما کے اعمال (۷) بارہ حواریوں کی تعلیمات

مذکورہ بالا مسیحی لٹریچر اور الہامی کتب میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اور ان کے طریق تدوین اور تعیین زمان پر بھی اتفاق نہیں جس کی تفصیل یہودیوں کا انسائیکلوپیڈیا (ج ۹ صفحہ ۵۸۸) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے جبکہ عہد نامہ جدید (New Testement) کو الہامی اور مقدس کتاب قرار دینے کا تصور عیسائیت میں یہودیت سے آیا ہے۔

(Encyclo Paedia Of Religion and Ethics vol 2 page 588)

اصل بائیبل: حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کی بائیبل فقط عہد نامہ قدیم "Old testament" تھی اور جہاں تک ہمارا موجودہ علم رہنمائی کرتا ہے وہ خود اور ان کے حواری اسی عہد نامہ قدیم کو اپنے لئے بالکل کافی خیال کرتے تھے۔ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بیس سال بعد تک کسی کو نئی کتاب کی تدوین کا خیال نہ آیا اور جب آیا تو پرانے عہد نامے کو سامنے رکھ کر انجیل کی ترتیب کا کام شروع ہوا جس نے بالآخر عہد نامہ جدید کی صورت اختیار کر لی۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع نمبر ۱۱ جلد ۳ بذیل مادہ "New testament")

Marfat.com

عہد نامہ جدید کے اجزاء: موجودہ اناجیل کی ترتیب و تدوین میں "اتھانسیوس" (Athanasius) متوفی ۳۷۳ء کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جو کہ ۳۲۵ء میں منعقد ہونے والی "مجلس نیقیہ" کا بھی اہم رکن تھا۔ جس کی کوششوں سے فیصلہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت جامع الوہیت و ناسوتیت تھی۔ اسی شخص نے ۳۶۷ء میں عہد نامہ جدید کو موجودہ شکل دی اور پھر ۳۸۲ء میں اس کے موجودہ اجزائے ترکیبی کا قطعی فیصلہ ہوا۔ اس سال روم کے پوپ دماسس (Damasus) (۳۶۶ تا ۳۸۴ء) کی سرکردگی میں ایک مجلس کلیسا منعقد ہوئی جس میں عہد نامہ جدید کے لئے اتھانسیوس کی مجوزہ شکل تسلیم کر لی گئی جس میں مندرجہ ذیل مسیحی لٹریچر شامل کیا گیا۔

(۱) اناجیل اربعہ (۲) رسولوں کے اعمال (۳) پولوس کے ۱۴ مکتوبات (۴) عبرانیوں کے نام (لکھنے والا نامعلوم) ایک خط (۵) یعقوب، پطرس، یوحنا اور یہودا کے آٹھ مکتوبات (۶) یوحنا کا مکاشفہ۔

چنانچہ اس لٹریچر کے علاوہ باقی سارا لٹریچر اور اناجیل کو غیر مستند اور متروک قرار دے دیا گیا اور پوپ کلاسیوس (عرصہ بطور پوپ ۴۹۲ء تا ۴۹۶ء) نے اپنے عہد میں اس کی توثیق کر دی۔

پھر بھی مختلف گروہ اس مسلمہ عہد نامہ جدید کے مقابلے میں بعض دوسرے مجموعے پیش کرتے رہے جس کے نتیجہ میں ترامیم و اضافہ جات مسلمہ مسودے میں ہوتے رہے۔ اور یہ سلسلہ دو تین صدیوں تک جاری رہا۔ حتیٰ کہ ۶۹۲ء میں مسیحی دنیا کے سواد اعظم نے ایک مکمل بائیبل پر اتفاق کیا۔ اس کے باوجود صورت حال آج بھی یہ ہے کہ مختلف فرقوں کی "بائیبل" میں کتابوں کی تعداد مختلف ہے۔ مثلاً کیتھولک بائیبل بہتر ۷۲ کتب پر مشتمل ہے اور پروٹسٹنٹ بائیبل چھیاسٹھ ۶۶ کتب پر۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۳ صفحہ ۳۱۰)

انجیل میں تحریف: غیر مسلم مستشرقین نے قرآن مجید کے (مختلف ممالک سے) قدیم و جدید نسخے حاصل کر کے ان کا موازنہ کیا تو ان کو سوائے کتابت کی بعض غلطیوں کے کوئی لفظی فرق نظر نہ آیا اور بالآخر انہوں نے مہر تصدیق ثبت کر دی کہ قرآن مجید روز اول سے آج تک اصلی حالت میں موجود ہے۔

اس کے مقابلہ میں مسیحی علماء نے عہد نامہ جدید کے متن کی تصحیح کے لئے سر توڑ کوشش کی ہے لیکن نتیجہ صفر رہا۔ مشہور جرمن ڈاکٹر میل نے عہد نامہ جدید کے چند نسخے جمع کر کے تقابلی مطالعہ کیا تو تیس ہزار اختلافات شمار کئے جان جیمس اور بلطسلین نے مختلف ممالک میں پھر کر متقدمین کی نسبت بہت زیادہ نسخے بچشم خود دیکھ کر تقابل کیا تو دس لاکھ اختلافات شمار کئے جو کتاب اور قرات سے متعلق بھی ہیں لیکن بکثرت ایسے بھی ہیں جن سے حق و باطل اور اصلی و جعلی عبارات کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ جبکہ بعض حصے الحاقی ہیں اور کہیں کچھ حصے کم ہیں اور کہیں عبارت کو بدل دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس تقابلی مطالعہ کے بعد محققین اس قطعی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے۔ چنانچہ مل (Mill) نے ۱۷۰۷ء میں اور ویٹ شائین (Wetstein) نے ۱۷۵۱ء میں بڑی تحقیق و تدقیق کے بعد ثابت کیا کہ عہد نامہ جدید میں بڑی زبردست اور

Marfat.com

اہم تحریف ہوئی ہے اور اس بات کو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں "بائبل" پر مقالہ لکھنے والا عالم (F.C.Burkitt) بھی تسلیم کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ بڑے بڑے اور نہایت اہم اختلافات اس کی ترتیب و تدوین کے اوائل میں ہی پیدا ہو گئے تھے۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۳ صفحہ ۵۲۲)

یہودی انسائیکلو پیڈیا (جلد ۹ صفحہ ۷ ۹۴) میں بھی اناجیل میں زبردست تحریف کی نشاندہی بعض متضاد مثالیں دے کر کی گئی ہے۔ جنکی کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔

تحریف کی وجوہات: پادری ہارن (Horne) نے اپنی مشہور کتاب "دیباچہ علوم بائبل" (جلد ۲ صفحہ ۳۱۷) میں اس کی چار وجوہات بیان کی ہیں۔

الف (۱) نقل و کتابت میں بے احتیاطی (۲) عبرانی اور یونانی لفظوں کی مشابہت کی وجہ سے ناقلوں نے ایک کی جگہ دوسرا لفظ لکھ دیا (۳) اختصاریات (واحد اختصاریہ) "Abbriviations" اور مخففات لکھنے کا رواج شروع میں تھا۔ لیکن ناقل اور کاتب حضرات ان کا صحیح مفہوم نہ سمجھ سکے اور اپنی سمجھ کے مطابق لکھ گئے اور بعض تشریحات بھی کیں جن کو بعد میں متن کا حصہ شمار کیا گیا۔

ب) (۱) غلط نسخوں سے نقل در نقل کی وجہ سے معاملہ مزید دگرگوں ہو گیا۔ (۲) ردی کاغذ یا چمڑے وغیرہ پر لکھی عبارات مرور ایام سے خراب ہو جاتیں تو نقل کرتے وقت کچھ کا کچھ ہو جاتا۔

ج) بعض ایک جیسے واقعات کو جو مختلف مقامات پر مذکور ہیں ان میں تطابق پیدا کرنے کی غرض سے قیاس کے ذریعے بعض تبدیلیاں لانے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح تحریف کا دروازہ کھل گیا اور بعض لوگوں نے عہد نامہ جدید کے نسخوں مین اس لئے بھی تبدیلی کی تاکہ انہیں لاطینی ترجمہ و لگیٹ کے مطابق کر لیں۔

د) بعض لوگوں نے مسلمہ طور پر دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے کچھ تحریفات کیں تاکہ جو عقائد اور مسائل بنیادی تسلیم کر لئے گئے تھے اور جہاں کہیں ان سے متناقض عبارات موجود تھیں ان کو حذف کر دیا گیا یا تبدیل کر دی گئیں تاکہ سب عبارات میں تطابق پیدا ہو جائے۔

انگریزی ترجمہ: اناجیل اربعہ کے قدیم ترین مخطوطات (۱) (بوزنطی) (۲) اسکندری اور (۳) مغربی میں بھی شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ۱۶۱۱ء میں بائبل کا انگریزی ترجمہ شاہ جیمز اول نے کروایا جس کے بعض مقامات کو ستائیس مشہور مسیحی علما کی مجلس نے الحاقی ثابت کیا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۳ صفحہ ۳۱۲)

مجلس نیقیہ ۳۲۵ء: مجلس نیقیہ جو ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی اس میں "مستند" کتابوں کے انتخاب کا طریق کار کچھ اس طرح تھا:

یہ مجلس شہنشاہ قسطنطین کے زیر اہتمام منعقد ہوئی تھی جس میں سلطنت روما کے اطراف و جوانب سے دو ہزار اڑتالیس مندوبین شریک ہوئے جو اس وقت تک مروج اناجیل وغیرہ کے تمام نسخے اپنے ساتھ

Marfat.com

رکھتے تھے۔ اس مجلس کا مقصد یہ تھا کہ مسیحی فرقوں میں پیدا شدہ اختلافات دور کئے جائیں یا ان کی تطبیق و توفیق کی صورت پیدا کر کے ایک متفق علیہ مذہب کی داغ بیل ڈالی جائے۔ جب کونسل میں اس معاملے پر بحث و تمحیص شروع ہوئی تو اس نے جنگ و جدل کی صورت اختیار کر لی آخر شاہ قسطنطین کے حکم سے ایک ہزار سات سو تیس مندوبین کو زبردستی باہر نکال دیا گیا مگر لطف کی بات یہ ہوئی کہ باقی تین سو اٹھارہ مندوب بھی کسی متفقہ فیصلے پر صاد نہ کر سکے کہ مختلف مسودات پر مشتمل مختلف فرقوں کی اناجیل میں سے کسے باقی رکھا جائے اور کسے مسترد کیا جائے۔

بالآخر ایک رات انہوں نے سب کتابوں کو فرش پر بکھیر دیا اور خود سب لوگ مجلس سے باہر نکل گئے۔ صبح آ کر انہوں نے دیکھا کہ کچھ کتابیں اور خطوط میز پر رکھے ہوئے تھے ان کو اہل مجلس نے (منجانب اللہ سمجھ کر) مقدس قرار دے کر منتخب کر لیا اور باقی سب کو مسترد قرار دے دیا گیا چنانچہ اس کونسل کی روئداد میں مذکور ہے کہ جو کچھ ان تین سو (اٹھارہ) پادریوں نے متفقہ فیصلہ کر لیا اسے خداوند کی خوشنودی سمجھ لینا چاہئے بالخصوص اس لئے کہ ان قابل ہستیوں کے دل میں روح القدس سما رہا تھا جس نے انہیں خداوند کی مرضی کی طرف رہنمائی کر دی۔

(Historical view of the council of nicaea by rev. issac boyle.)

اس سے قبل علمائے یہود نے عہد نامہ عتیق کی کتابوں کا انتخاب اپنی فراست و بصیرت کی بنا پر کیا جس کے بارے میں جوزف اپنی کتاب (Judaism Ascreed And life) میں لکھتا ہے:

جس فیصلہ کی رو سے بعض کتابیں عہد نامہ عتیق میں شامل کر لی گئی اور دوسری مسترد کر دی گئیں وہ فیصلہ انسانی تھا۔ خدائی نہ تھا۔ بڑے بڑے استاد ان کتابوں کو لے کر بیٹھ گئے اور محض اپنی فراست سے فیصلہ کر دیا کہ ان میں فلاں فلاں کتاب مستند ہے۔ بعض حالات میں یہ فیصلہ بہت مشکل ہو جاتا تھا چنا بعض کتابوں کے متعلق تیسری صدی عیسوی تک بھی فیصلہ نہ ہو سکا کہ انہیں کس زمرے میں ر جائے۔۔۔ بائبل چونکہ خدا پرست انسانوں کا کارنامہ ہے اس لئے اس میں لازمی طور پر خدائی اور انس دونوں عناصر شامل ہیں لیکن ہر شے جو انسانی ہو گی غیر مکمل ہو گی اس لئے ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہ کہ ان آسمانی کتابوں میں خدا کی صداقت صحیح صحیح طور پر پیش کر دی گئی ہے۔ جب روشنی کی شعاعیں رنگین شیشہ سے گزریں گی تو یہ نہ صرف اپنی درخشندگی ہی کھو بیٹھیں گی بلکہ اس شیشہ سے مختلف ر بھی مستعار لیں گی یہی کیفیت بائبل کی ہے۔ اس کے علاوہ (اسے) کچھ اور سمجھنا (گویا) اس امر کے متراد ہو گا کہ ان انسانوں کو انسانی حدود سے بلند لے جا کر خدائی دائرہ میں شامل کر دیا جائے تاریخ اور وقائع مستند ماخذ کی حیثیت سے بائبل کی حالت عام طور پر مایوس کن ہے۔ اس کے بیانات اور معلومات یا تو اور متضاد ہیں اور یا اس زمانہ کی تاریخ سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔"

(مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں از غلام احمد پرویز صفحہ ۲۷-۲۸ طبع ۱۹۷۷ء مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام گل

Marfat.com

لاہور)

عہد نامہ عتیق کے سفر ایوب کے بارے میں سپنگلر اپنی کتاب زوال مغرب (جلد ۲ صفحہ ۲۰۸) میں لکھتا ہے کہ اس کا انداز قطعاً یہودی نہیں بلکہ اسلامی ہے۔"

کرسچین: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو کار پہلے شریعت موسوی پر چلتے تھے اور ان کا اپنا کوئی الگ نام نہ تھا۔ انجیل کی رو سے (اعمال ۲۶/۱۱) ان کا نام کرسچین پہلے پہل ۴۳ء میں رکھا گیا۔ اور انسائیکلو پیڈیا آف ریلجس نالج کی رو سے یہ نام ۶۵ء میں عیسائی حضرات کے دشمنوں نے از راہ طنز و تعریض رکھا جس کے معنی ہیں تیل یا چربی مل کر گندہ مندا رہنے والے (Christ) ۷۰ء میں جب یہودیوں کا شیرازہ بکھرا تو عیسائیت پر یہودی عنصر غالب آگیا جس کی وجہ سے عیسائیت اپنی تعلیم سے الگ ہو کر کچھ کی کچھ ہو گئی۔ ۱۴۴ ق م میں یہودیوں کے تین فرقے تھے (۱) فریسی (۲) صدوقی (۳) اسین (Essene) یہ تیسرا فرقہ اپنے وقت کا نیک دل اور خدا پرست فرقہ تھا۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے حواری اس فرقہ کے لوگ تھے۔ سینٹ پال جب عیسائی ہوا تو اس نے عیسائیت کی عام تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو بڑھ چڑھ کر عیسائی بنایا۔ اب نئے (غیر یہودی) عیسائیوں کے لئے یہ مسئلہ تھا کہ وہ شریعت موسوی کی پابندی کہاں تک کریں۔ سینٹ پال کی کوششوں سے ان کو بہت سے امور میں چھوٹ مل گئی اور بالآخر عیسائی مذہب یہودیت سے الگ ہو گیا جس کی بنیاد تثلیث پر رکھی گئی یعنی (۱) باپ (۲) بیٹا اور (۳) روح القدس اور ان کو الوہیت کے مستقل بالذات ارکان تسلیم کر لیا گیا۔ اور اس طرح تثلیث عیسائیت کا بنیادی عقیدہ قرار پائی۔

معافی نامے: کفارہ کے عقیدہ کا بانی سینٹ پال ہے۔ کفارہ ادا کرنا کوئی بری بات نہیں بشرطیکہ حکم خداوندی کے مطابق ہو لیکن اس معاملے نے صلیبی جنگوں کے دوران معافی ناموں کی صورت اختیار کر لی اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ پوپ اربن دوئم (Urhan-II) نے ایک حکم نامہ جاری کیا کہ جو لوگ جنگ میں خود شریک نہ ہو سکتے ہوں وہ اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو بھیج دیں جس کے بدلے میں انہیں معافی نامہ دے دیا جائے گا جو ان کی نجات کا کفیل ہو گا چنانچہ یہ سلسلہ چلتا رہا پھر جب پوپ لیو دہم (Leo X) نے روما میں سینٹ پیٹر کا گرجا بنوانا چاہا تو اس نے بھی اسی قسم کے معافی نامے بیچنے شروع کر دیے۔ بس پھر کیا تھا ان معافی ناموں کی عام تجارت چل نکلی اور سولھویں صدی عیسوی میں اس تجارت نے ایک طوفانی شکل اختیار کر لی۔ ہر گناہ کی معافی کے لئے الگ قیمت کا معافی نامہ موجود تھا۔ جس کی تفصیل (Buck's Theological Dictionary) میں زیر عنوان "Indulgences" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس زمانے کے لحاظ سے چند ایک گناہوں کی معافی کی قیمتیں درج ذیل ہیں۔

۱ اسقاط حمل --- تین شلنگ چھ پنس

۲ عدالت میں جھوٹی قسم --- صرف ۹ شلنگ

۳ چوری ------ صرف ۱۲ شلنگ۔

Marfat.com

۴ کسی عفیفہ کی عصمت دری ------- ۹ شلنگ

۵ زنا کی دیگر بھیانک صورتوں میں ------ سات شلنگ ۶ پنس۔

۶ قتل کے لئے -------- ۷ شلنگ ۶ پنس۔

۷ لونڈی رکھنے کے لئے ------ ۱۰ شلنگ ۶ پنس وغیرہ

یہ معافی نامے زندہ حضرات کے علاوہ مردوں کے گناہوں کی بخشش کے لئے بھی بطور کفار خریدے جاسکتے تھے ان کے ایجنٹ حضرات اس طرح کی آوازیں لگاتے پھرا کرتے تھے۔

---- تم بارہ پنس کے عوض اپنے باپ کی روح کو دوزخ سے نکلوا سکتے ہو ---- اور کچھ نہیں تو اپنا کوٹ ہی اتار دو تاکہ اس قدر گراں بہا متاع خرید سکو۔

(مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں ۶۶ تا ۶۸ از غلام احمد پرویز مطبوعہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور ۱۹۷۷ء)

اسلام اور انجیل: قرآن مجید میں انجیل کو "فیہا ھدی و نور" (۳-۴۶) کہا گیا ہے۔ اہل اسلام کے نزدیک انجیل سے مراد وہ کتاب یا احکام الٰہی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بذریعہ وحی نازل ہوئے اور اس کا عہد نامہ جدید سے کوئی تعلق نہیں علماء اسلام کی تحقیق کے مطابق رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اصل تورات اور انجیل موجود نہ تھی اور یہ جو مجموعے عہد نامہ قدیم و جدید کے نام سے ملتے ہیں ان کو تورات اور انجیل قرار دینا کم فہمی اور دھوکا ہے۔

(فتح المنان از مولانا عبدالحق حقانی جلد ۴ صفحہ ۴۶ مطبوعہ لاہور ۱۳۶۴ھ)

اور یہ اناجیل وہ نہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں صیغہ واحد سے کیا گیا ہے جو حضرت عیسیٰ پر نازل کی گئی تھی۔

(تفسیر المنار جلد ۳ صفحہ ۱۵۹-۱۵۸ مطبوعہ مصر)

خال خال: قدیم علمائے اسلام میں سے بعض افراد اصل انجیل اور تورات کے کچھ نہ کچھ عالم تھے معلوم ہوتا ہے کہ اصل تورات اور انجیل یا ان کے کچھ حصے حضور علیہ السلام کے عہد تک دنیا میں کہیں نہ کہیں موجود تھے جن کی تعلیم سے یہودی اور عیسائی ایک نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے اور وہ اصل نسخے عوام کی نظروں سے یا تو غائب کر دیئے گئے تھے یا بعض راہب حضرات نے اپنی حکومتوں کے خوف سے انہیں کہیں ایسی جگہ چھپا رکھا تھا جہاں تک حکومت کے کارندوں کی رسائی نہ ہو سکتی تھی۔ اس سلسلے میں ورقہ بن نوفل اور عبداللہ بن سلام کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ورقہ بن نوفل عبرانی میں انجیل لکھتے تھے اور اس کے عالم بھی تھے اور انہوں نے ہی حضور علیہ السلام کی ڈھارس بندھائی جب آپ نزول وحی کے ابتدائی دنوں میں بتقاضا بشریت خوف زدہ رہتے تھے اور حضرت خدیجہ آپ ﷺ کو ان کے پاس لے گئی تھیں عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام سے چند سوالات پوچھے جو نبی کے سوا کوئی دوسرا نہ بتا سکتا تھا۔ جب حضور علیہ السلام نے ان کو درست جواب دے دیئے تو وہ ایمان لے آئے صحابہ کرامؓ نے تورات اور انجیل کی تلاش و جستجو

Marfat.com

مناسب نہ سمجھا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے کسی نے تورات یا انجیل پڑھ پر سنانے کی کوشش کی تو آپ نے اسے فوراً سختی سے منع کر دیا اور فرمایا ہمیں قرآن کے ہوتے ہوئے کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب اسلام کا عروج ہونے لگا تو اسلام دشمن عناصر (یہود و نصاریٰ) نے ان اصل کتابوں (تورات و انجیل) کو بالکل نیست و نابود کر دیا خاص کر کے ۶۹۲ء میں مسیحی دنیا کے سواد اعظم نے جب ایک مکمل بائیبل کو تسلیم کر لیا تو اس وقت دیگر کتب کے سب نسخے تقریباً ضائع کر دیئے گئے اور یہی وجہ ہے کہ الیعقوبی نے اپنی تاریخ (تالیف ۲۵۹ھ/ ۸۵۸ء) میں اناجیل اربعہ کا ہی خلاصہ دیا ہے اور قرآن و انجیل کے بیانات کے فرق پر غور بھی کیا ہے۔ البتہ المسعودی (متوفی ۹۴۵ء) نے بتایا ہے کہ وہ ناصرہ کے ایک گرجے میں پہنچا اور وہاں اناجیل کے بہت سے قصے حاصل کئے۔ اس نے پولوس اور پطرس کے قتل کا ذکر دوبار کیا ہے اور توما (حواری) کے متعلق لکھا ہے کہ ہندوستان میں مسیحیت کی تبلیغ کے لئے جانے والا حواری وہی تھا۔

(مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ بعد)

البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ/ ۱۰۴۸ء) نے اپنی کتاب آلاثار الباقیہ لکھنے کی خاطر نسطوری مسیحیوں سے بھی معلومات حاصل کیں۔ اس نے واریشوع (Jesudad) کی شرح پر عمدہ تنقید بھی لکھی ہے۔ اس کے مطابق اناجیل اربعہ درحقیقت "انجیل" کے چار نسخے ہیں۔ جن کا موازنہ اس نے عہد نامہ قدیم کے ان نسخوں کے ساتھ کیا ہے جو یہودیوں، عیسائیوں اور سامریوں کے پاس کسی نہ کسی طرح محفوظ تھے۔ البیرونی نے ان اناجیل کا ذکر بھی کیا ہے جن کو نیقیہ کی مجلس منعقدہ ۳۸۲ء میں متروک و مسترد قرار دے دیا تھا اور جو مختلف مسیحی فرقوں کے پاس تھیں البیرونی نے متی اور لوقا میں مسیح علیہ السلام کے نسب ناموں کے اختلاف کی بنا پر ان اناجیل کی "الہامی" صحت کو چیلنج بھی کیا ہے۔

علامہ ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ/ ۱۰۶۴ء) بھی مسیحی لٹریچر پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے بائیبل کی تحریف کے بارے میں بہت اہم اور قیمتی مواد فراہم کیا ہے۔

(الفصل جلد ۲ صفحہ ۲ تا ۳۹)

امام غزالی (متوفی ۴۷۸ھ/ ۱۰۸۵ء) اور شہاب الدین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۴ء) وغیرہ نے بھی اس سلسلے میں معلومات افزا مواد کے حوالے دیئے ہیں مگر آج کل ان حوالہ جات کی عبارات کو موجودہ عہد ناموں میں تلاش کرنا بے سود ہے کیونکہ مسلسل تحریف کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہیں رہا۔ یا بعض عبارات اگر ملتی بھی ہیں تو خاصی بدلی ہوئی شکل میں اسی طرح شہاب الدین القرانی (متوفی ۱۲۸۵ء/ ۶۸۴ھ) نے "الاجوبۃ الفاخرہ" کے نام سے رد مسیحیت کے نام سے ایک کتاب لکھی علامہ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۵ء) نے "الجواب الصحیح فی من بدل دین المسیح" کی تیسری جلد میں ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی مسیحیت کی شکل بدل چکی تھی جسکی تائید مسلم شریف کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح بعد کے مسلم مفکرین مثلاً علامہ ابن قیم (م ۷۵۱ھ) اور صاحب کشف

Marfat.com

الظنون (م-۱۰۶۸ھ) اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی اور عبدالحق حقانی دہلوی وغیرہ نے بھی اس بارے بہت دلچسپ اور معلوماتی بحث کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ یہودیوں اور نصرانیوں کے پاس عہد رسالت اصل الہامی کتب موجود نہ تھیں۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳ صفحہ ۱۹-۳۱۸)

اور اگر کسی کے پاس تھیں بھی تو منظر عام پر ان کا لانا ممنوع تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اس با کی گواہی ملتی ہے کہ یہودی اور نصرانی حضور علیہ السلام کو اپنی کتب میں لکھی ہوئی علامات کے ذریعے ا طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (بقرہ ۱۴۶) نیز قرآن میں بارہا جان بوجھ کر صداقت چھپانے پر تنبیہہ کی گئی ہے۔

پھر یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں کہ عرب کے بعض لوگوں نے یہودیوں اور عیسائیوں سے یہ سن کہ آخری نبی کا نام محمد ﷺ ہو گا اپنے بیٹوں میں سے بعض کے نام "محمد ﷺ" رکھے تھے تاکہ شا وہی کوئی نبی ہو جائے اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اصل کتابیں تو کہیں نہ کہیں موجود تھیں۔ البتہ وہ قصداً چھپائی گئی تھیں۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتی تھیں۔ ا یہودی حضور علیہ السلام کے منکر تھے لہٰذا اگر وہ اصل کتب سماویہ ظاہر کرتے تو انہیں خود جھوٹا ہونا پڑ لہٰذا اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اصل الہامی کتب اس دور میں موجود نہ تھیں۔ تو پھر بحیرٰی اور نسطورا راہب سفر شام میں حضور علیہ السلام کو بعثت سے پہلے پہچان لینا کس طرح ممکن ہوا جس کی گواہی تاریخ اسلام او دینی لٹریچر ببانگ دہل دیتا ہے۔ اسی طرح جب آیت "محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم اور ذالک مثلھم فی التورۃ کے نزول کے بعد حضور علیہ السلام کے صحابہ کی تعریف کے بارے میں عبداللہؓ بن سلام سے پوچھا گیا کہ تورات میں اس کا ذکر کیسے ہے تو انہوں نے کہا جس طرح قرآن میں ہے اسی طرح ہو بہو تورات میں ہے۔

قرآن نے بھی اہل کتاب کو چیلنج کیا ہے کہ اسلامی قانون میں ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان کا جو ذکر ہے یہ تورات کے مطابق ہے چاہے ان سے پوچھ لو۔

پس ایسی بے شمار شہادتیں موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام کے عہد میں اصل تورات و انجیل اگر چہ عوام و خواص کی نظروں سے اوجھل کر دی گئی تھی۔ لیکن وہ کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی کے پاس اصل حالت میں پوری کی پوری یا اس کا وہ خاص حصہ موجود تھا۔ جو توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تھا اور جس کو اس وقت کی مروجہ کتب سماویہ میں سے تحریف کے ذریعے نکال دیا گیا تھا۔

دور حاضر کی عظیم دریافت

Marfat.com

انجیل برناباس: انجیل برناباس وہ کتاب ہے جو زمانے کی دست برد سے کسی طرح محفوظ رہ گئی اور جسے پڑھ کر ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب میں تحریف یا تو بالکل نہیں ہوئی یا کم سے کم ہوئی۔

مسیحی لٹریچر سے یہ تو ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہی آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا تسلیم کرنے والوں کی کمی نہ تھی۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ کو اللہ کا نبی اور بندہ مانتے تھے اور یہ سلسلہ آپ کی وفات کے بعد صدیوں تک رہا۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ایڈیشن نمبر ۱۴ مضمون چرچ ہسٹری)

چنانچہ پہلے گروہ نے مجلس نیقیہ منعقدہ ۳۲۵ء میں جو طاقتور تھا توحید و رسالت وغیرہ کے عقائد کو غیر مسیحی قرار دے دیا اور پھر ۴۹۶ء میں پاپائے روم گلاسیس اول نے ایک فتویٰ جاری کیا جس کی رو سے مجوزہ اناجیل اربعہ کے علاوہ باقی سب اناجیل (جن کی تفصیل گذر چکی ہے) گمراہ کن اور غلط قرار دے کر ان کی ضبطی کا حکم دے دیا اور ان میں انجیل برناباس بھی شامل تھی۔ حتیٰ کہ ان کتابوں کو کسی عیسائی کے لئے اپنے پاس رکھنا جرم تھا۔ اس طرح آہستہ آہستہ "ممنوعہ کتب" عیسائیوں سے اوجھل کر دی گئیں۔

حضور علیہ السلام کے زمانہ پیدائش تک بعض ایسے عیسائی علماء موجود تھے جو حضور علیہ السلام کا نام "محمد ﷺ" اپنی کتب سماویہ میں مندرج ہونے کی وجہ سے جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے لوگوں نے ان علماء سے سن کر ہی اپنے بعض بچوں کے نام محمد ﷺ رکھے تھے کہ شاید وہی نبی آخر الزمان ہو جائیں۔ کیونکہ ان کو بتایا گیا تھا کہ حضور علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے۔ اور ان کا نام محمد ﷺ ہوگا۔

(سیرت سرور عالم از مولانا مودودیؒ جلد ۲ صفحہ ۹۴ حاشیہ نوٹ)

قاضی عیاض نے "محمد ﷺ" نام رکھنے والوں کی تعداد چھ بتائی ہے ابن خالویہ اور سہیلی نے تین اور عبدان المروزی نے چار لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے محمد ﷺ نام کے پندرہ اشخاص تھے۔ پھر اصابہ میں انہوں نے بتایا کہ بعض محمد ﷺ نامی حضرات نے حضور کا زمانہ پایا اور اسلام بھی قبول کیا۔ محمد بن عدی بن ربیعہ کے حالات میں وہ لکھتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا۔ آپ کے والد نے دور جاہلیت میں آپ کا نام "محمد" کیسے رکھ دیا؟ تو انہوں نے بتایا کہ شام میں دوران سفر ایک عیسائی دیر کے راہب نے ہمیں بتایا تھا کہ تمہاری قوم میں آخری نبی آنے والا ہے جس کا نام محمد ﷺ ہوگا۔ چنانچہ اس کے بعد ہمارے ہاں جو لڑکا بھی پیدا ہوا اس کا نام محمد رکھا گیا۔

(سیرت سرور عالم ج ۲ حاشیہ صفحہ ۹۴ از مولانا مودودی)

اسی طرح ورقہ بن نوفل کا واقعہ گزر چکا ہے کہ انہوں نے یقینی طور پر بتایا کہ حضور علیہ السلام پر نازل ہونے والا فرشتہ وہی ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا کرتا تھا وغیرہ اور قرآن مجید میں بھی لکھا ہے کہ۔

الذین اتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم

Marfat.com

"یعنی اہل کتاب حضور علیہ السلام کو اس طرح (واضح طور پر) پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔ (بقرہ ۱۴۶ انعام ۲۰)

تو گویا ایسے اہل کتاب آپ کی بعثت کے زمانے تک موجود تھے جو اصل تورات اور انجیل پڑھ کر حضور کو پہچان جایا کرتے تھے۔ جس کی گواہی سے قرآن مجید سمیت اسلامی لٹریچر بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ جہاں دوسری متروک کتب (جو ان کے عقیدہ الوہیت کے خلاف تھیں) بعض اہل کتاب کے پاس تھیں۔ وہاں انجیل برناباس بھی اپنی اصلی حالت میں کہیں محفوظ رہ گئی اور پھر صدیوں تک اس کا سراغ نہ ملا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی لٹریچر میں برناباس کی انجیل کے حوالے نہیں ملتے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب پوپ سکٹس (Sixtus) کے کتب خانے میں محفوظ رہ گئی تھی لیکن اس کے پڑھنے پر سخت پابندی تھی۔ حتیٰ کہ اس کی موجودگی کا کسی کو احساس تک نہ ہونے دیا جاتا تھا۔ ۹۰-۱۵۸۵ء کے دوران یہ کتاب پوپ سکٹس کے ایک دوست فرا مارینو Framarino نامی راہب نے کہیں دیکھ لی اور چونکہ یہ ممنوعہ کتابوں میں شمار ہوتی تھی اور اسے دیکھنا یا لینا یا پڑھنا جرم تھا اس لئے اس نے کسی کو بتائے بغیر اس کتاب کو اڑا لیا اور پھر اس کا ترجمہ اطالوی زبان میں کیا۔

۱۷۰۹ء میں یہ اطالوی ترجمہ یا اس کی نقل شاہ پروشا کے ایک درباری کریمر "Cramer" کے ہاتھ لگی جسے اس نے "سیوائے" کے پرنس یوجین (Prince Eugene) کی خدمت میں نذرانہ کے طور پر پیش کیا۔ ۱۷۳۸ء میں جب پرنس یوجین کا ذاتی کتب خانہ "وی آنا" کی امپریل لائبریری کو بطور عطیہ دے ڈالا گیا تو انجیل برناباس کا یہ نسخہ بھی وہیں منتقل ہو گیا جو اب تک اسی لائبریری میں موجود بتایا جاتا ہے۔

تقریباً اسی دور میں اس کتاب کا ایک ترجمہ شدہ نسخہ میڈرڈ پہنچ گیا جہاں اس کا ترجمہ اسپینی زبان میں ہوا۔ جسے بنیاد بنا کر کوئنس کالج آکسفورڈ کے ایک ممبر "ڈاکٹر منک ہاؤس" نے اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا۔ لیکن انگریزی اور اسپینی زبان کے یہ دونوں تراجم عیسائیوں نے غائب کر دیئے۔ اور اس طرح ایک بار پھر انجیل برناباس گمنامی کے گھپ اندھیروں میں ڈوب کر رہ گئی۔ حتیٰ کہ ۱۹۰۷ء میں ایک بڑے محقق اور سکالر پادری مسٹر ریگ (Ragg) اور اس کی بیوی نے انجیل برناباس کا اطالوی ترجمہ والا نسخہ کسی طرح حاصل کر کے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس کی طرف سے یہ کتاب چھپ گئی۔ لیکن اس کے منظر عام پر آتے ہی اس کے سارے نسخے ایک سازش کے تحت غائب کر دیئے گئے۔

۱۹۰۸ء میں مصر کے ایک عرب عیسائی عالم "خلیل بک سعادت" نے اس انجیل کا ترجمہ عربی میں کیا اور ۱۹۱۰ء میں اس عربی ترجمے کو سامنے رکھ کر مولوی محمد انشا مالک و مدیر اخبار وطن کی فرمائش پر مولوی محمد حلیم انصاری ردولوی نے اسے اردو کا جامہ پہنایا اور یہ کتاب ۱۹۱۶ء میں دوسری بار چھپی اور تیسری بار ۱۹۶۲ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ ۱۹۷۳ء میں مسٹر ریگ کا انگریزی ترجمہ ایک بار پھر کراچی سے شائع کیا گیا۔ جسے سامنے رکھ کر پروفیسر آسی ضیائی رامپوری نے اسے اردو میں ترجمہ کیا اور اردو ترجمہ والی یہ انجیل جولائی ۱۹۷۴ء میں لاہور سے اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ نے شائع کی۔ اسکا دوسرا ایڈیشن جنوری ۱۹۷۸ء میں اور تیسرا

Marfat.com

اپریل ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔

(دیباچہ انجیل برناباس مترجمہ آسی ضیائی طبع سوم ۱۹۸۱ء)

انجیل برناباس کے بارے میں مولانا مودودیؒ کی رائے: مولانا مودودیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:

(۱) مجھے آکسفورڈ سے شائع شدہ انگریزی ترجمے کی فوٹو سٹیٹ کاپی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اسے لفظ بہ لفظ پڑھا ہے۔ میرا احساس یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جس سے عیسائیوں نے تعصب اور ضد کی بناء پر اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے۔

(سیرت سرور عالم جلد اطبع اول)

(۲) بائبل میں جو چار انجیلیں قانونی اور معتبر قرار دے کر شامل کی گئی ہیں ان میں سے کسی کا لکھنے والا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحابی نہ تھا اور ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا ہے کہ اس نے آنحضرت (عیسیٰ علیہ السلام) کے صحابیوں سے حاصل کردہ معلومات اپنی انجیل میں درج کی ہیں۔ جن ذرائع سے ان لوگوں نے معلومات حاصل کی ہیں ان کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا ہے۔ جس سے یہ پتہ چل سکے کہ راوی نے آیا خود وہ واقعات دیکھے اور وہ اقوال سنے ہیں جنہیں وہ بیان کر رہا ہے یا ایک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اسے پہنچی ہیں۔ بخلاف اس کے انجیل برناباس کا مصنف کہتا ہے کہ میں مسیحؑ کے اولین بارہ حواریوں میں سے ایک ہوں۔ شروع سے آخر تک مسیحؑ کے ساتھ رہا ہوں اور اپنی آنکھوں دیکھے واقعات اور کانوں سنے اقوال اس کتاب میں درج کر رہا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ کتاب کے آخر میں وہ کہتا ہے کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضرت مسیحؑ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میرے متعلق لوگوں میں جو غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں ان کو صاف کرنا اور صحیح حالات دنیا کے سامنے لانا تیری ذمہ داری ہے۔

(۳) "ایک بہت بڑا جھوٹ": مولانا مرحوم رقمطراز ہیں:

"مسیحی لٹریچر میں اس انجیل (برناباس) کا جہاں کہیں ذکر آیا ہے اسے یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ ایک جعلی انجیل ہے۔ شاید کسی مسلمان نے تصنیف کر کے (اسے) برناباس کی طرف منسوب کر دیا ہے لیکن یہ ایک بہت بڑا جھوٹ ہے جو صرف اس بنا پر بول دیا گیا کہ اس میں جگہ جگہ بصراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئیاں ملتی ہیں۔"

"اول تو اس انجیل کو پڑھنے سے ہی صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ کتاب کسی مسلمان کی تصنیف کردہ نہیں ہو سکتی۔ دوسرے اگر یہ کسی مسلمان نے لکھی ہوتی تو مسلمانوں میں یہ بکثرت پھیلی ہوتی اور علمائے اسلام کی تصنیفات میں بکثرت اس کا ذکر پایا جاتا۔ مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ جارج سیل کے انگریزی مقدمہ قرآن سے پہلے مسلمانوں کو سرے سے اس کے وجود تک کا علم نہ تھا۔ طبری، یعقوبی، مسعودی،

Marfat.com

البیرونی، ابن حزم، اور دوسرے مصنفین جو مسلمانوں میں مسیحی لٹریچر پر وسیع اطلاع رکھنے والے تھے ان میں سے کسی کے ہاں بھی مسیحی مذہب پر بحث کرتے ہوئے انجیل برناباس کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا۔ دنیائے اسلام کے کتب خانوں میں جو کتابیں پائی جاتی تھیں ان کی بہترین فہرستیں ابن ندیم کی الفہرست اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون ہیں اور وہ بھی اس کے ذکر سے خالی ہیں انیسویں صدی سے پہلے کسی مسلمان عالم نے انجیل برناباس کا نام تک نہیں لیا ہے۔"

"تیسری اور سب سے بڑی دلیل اس بات کے جھوٹ ہونے کی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بھی ۷۵ سال پہلے پوپ گلاسیس اول (Gelasius) کے زمانے میں بدعقیدہ اور گمراہ کن کتابوں کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی اور ایک پاپائی فتوے کے ذریعے جن کا پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا تھا ان میں انجیل برناباس (Erangelium Bernabe) بھی شامل تھی سوال یہ ہے کہ اس وقت کونسا مسلمان تھا جس نے یہ جعلی انجیل تیار کی تھی۔ یہ بات تو خود عیسائی علماء نے تسلیم کی ہے کہ شام اسپین، مصر وغیرہ ممالک کے ابتدائی مسیحی کلیسا میں ایک مدت تک برناباس کی انجیل رائج رہی ہے اور چھٹی صدی (عیسوی) میں اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(۴) متی اور مرقس نے حواریوں نے Apostles کی جو فہرست دی ہے برناباس کی دی ہوئی فہرست اس سے دو ناموں میں مختلف ہے ایک توما جس کی بجائے برناباس اپنا نام دے رہا ہے دوسرا شمعون قنانی جس کی جگہ وہ یہوداہ بن یعقوب کا نام لیتا ہے (اور لوقا کی انجیل میں یہ دوسرا نام بھی موجود ہے۔) اس لئے یہ قیاس کرنا صحیح ہو گا کہ بعد میں کسی وقت برناباس کو حواریوں سے خارج کرنے کے لئے توما کا نام داخل کیا گیا ہے۔ تاکہ اس کی انجیل سے پیچھا چھڑایا جا سکے اور اس طرح کے تغیرات اپنی مذہبی کتابوں میں کر لینا ان حضرات کے ہاں کوئی ناجائز کام نہیں رہا ہے۔" (دیکھیے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ایڈیشن ۱۹۴۶ء، مضمون بائبل)

(۵) "اس انجیل کو اگر کوئی شخص تعصب کے بغیر کھلی آنکھوں سے پڑھے اور نئے عہد نامے کی چار انجیلوں سے اس کا مقابلہ کرے تو یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ انجیل برناباس ان چاروں سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور اس طرح بیان ہوئے ہیں جیسے کوئی شخص فی الواقع وہاں سب کچھ دیکھ رہا تھا اور ان واقعات میں خود شریک تھا۔ چاروں (مروجہ) انجیلوں کی بے ربط داستانوں کے مقابلے میں یہ تاریخی بیان زیادہ مربوط بھی ہے اور اس میں سلسلہ واقعات بھی زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اس انجیل برناباس میں چاروں انجیلوں کی بہ نسبت زیادہ واضح مفصل اور موثر طریقے سے بیان ہوئی ہیں توحید کی تعلیم، شرک کی تردید، صفات باری تعالیٰ عبادات کی روح اور اخلاق فاضلہ کے مضامین اس میں بڑے ہی پرزور اور مدلل اور مفصل ہیں جن سبق آموز تمثیلات کے پیرائے میں مسیح نے یہ مضامین بیان کئے ہیں ان کا عشر عشیر بھی چاروں انجیلوں میں نہیں پایا جاتا۔ اس سے یہ بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت کس حکیمانہ طریقے سے فرماتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

کی زبان طرز بیان اور طبیعت و مزاج سے کوئی شخص اگر کچھ بھی آشنا ہو تو وہ اس انجیل کو پڑھ کر یہ ماننے پر مجبور ہو گا کہ یہ کوئی جعلی داستان نہیں ہے جو بعد میں کسی نے گھڑی ہو۔ بلکہ اس میں حضرت مسیح اناجیل اربعہ کی بہ نسبت اپنی اصلی شان میں بہت زیادہ نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اور اسمیں ان تضادات کا نام و نشان بھی نہیں ہے جو اناجیل اربعہ میں ان کے مختلف اقوال کے درمیان پایا ہے۔"

(٦) "اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کی زندگی اور آپ کی تعلیمات ٹھیک ٹھیک ایک نبی کی زندگی اور تعلیمات کے مطابق نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں تمام پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ صاف کہتے ہیں کہ جو انبیاء کو چھوڑتا ہے وہ دراصل خدا کو چھوڑتا ہے توحید، رسالت، اور آخرت کے ٹھیک وہی عقائد پیش کرتے ہیں جن کی تعلیم انبیاء نے دی ہے۔ نماز روزے اور زکوۃ کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کی نمازوں کا جو ذکر بکثرت مقامات پر برناباس نے کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور تہجد کے اوقات تھے جن میں وہ نماز پڑھتے تھے اور ہمیشہ نماز سے پہلے وضو فرماتے تھے۔ انبیاء میں سے وہ حضرت داؤد اور سلیمان کو وہ نبی قرار دیتے ہیں حالانکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ان کو انبیاء کی فہرست سے خارج کر رکھا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ اسلام کو وہ ذبیح قرار دیتے ہیں اور ایک یہودی عالم سے اقرار کرواتے ہیں کہ فی الواقع ذبیح حضرت اسماعیل ہی تھے اور بنی اسرائیل نے زبردستی کھینچ تان کر کے حضرت اسحاق کو ذبیح بنا رکھا ہے۔ آخرت، اور قیامت، جنت اور دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔"

(٦) مخالفت کی اصل وجہ: "عیسائی جس وجہ سے انجیل برناباس کے مخالف ہیں وہ دراصل یہ نہیں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جگہ جگہ صاف اور واضح بشارتیں ہیں کیونکہ وہ تو حضور ﷺ کی پیدائش سے بھی بہت پہلے اس انجیل کو رد کر چکے تھے۔ (بلکہ) ان کی ناراضی کی اصل وجہ کو سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیلی بحث درکار ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروکار آپ کو صرف نبی مانتے تھے، موسوی شریعت کا اتباع کرتے تھے۔ عقائد اور احکام و عبادات کے معاملے میں اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے اور یہودیوں سے ان کا اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ یہ حضرت کو مسیح تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے تھے اور وہ یہودی ان کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے بعد میں جب سینٹ پال اس جماعت میں داخل ہوا تو اس نے رومیوں، یونانیوں اور دوسرے غیر یہودی اور غیر اسرائیلی لوگوں میں بھی اس دین کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی اور اس غرض کے لئے ایک نیا دین بنا ڈالا جس کے عقائد اور اصول اور احکام اس دین سے بالکل مختلف تھے جسے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے پیش کیا تھا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰ کی کوئی صحبت نہیں پائی تھی۔ بلکہ ان (حضرت عیسیٰ) کے زمانے میں وہ ان کا سخت مخالف تھا۔ اور ان کے بعد بھی کئی سال تک ان کے پیروؤں کا دشمن بنا رہا۔ پھر جب اس جماعت میں داخل ہو کر اس نے نیا دین بنانا شروع کیا۔ اس وقت بھی اس نے حضرت عیسیٰ کے کسی قول کی سند پیش نہیں کی بلکہ اپنے کشف و الہام کو بنیاد بنایا۔ اس

Marfat.com

نئے دین کی تشکیل میں اس کے پیش نظر بس یہ مقصد تھا کہ دین ایسا ہو جسے غیر یہودی (Gentile) دنیا قبول کرلے اس نے اعلان کردیا کہ ایک عیسائی، شریعت یہود کی تمام پابندیوں سے آزاد ہے۔ اس نے کھانے پینے میں حرام و حلال کی ساری قیود ختم کردیں اس نے ختنے کے حکم کو بھی منسوخ کردیا جو غیر یہودی دنیا کو خاص طور پر ناگوار تھا۔ حتیٰ کہ اس نے مسیح کو الوہیت اور ان کے ابن خدا ہونے اور صلیب پر جان دے کر اولاد آدم کے پیدائشی گناہ کا کفارہ بن جانے کا عقیدہ بھی تصنیف کرڈالا۔ کیونکہ عام مشرکین کے مزاج سے یہ بہت مناسبت رکھتا تھا۔ مسیح کے ابتدائی پیروں نے ان بدعات کی مزاحمت کی مگر سینٹ پال نے جو دروازہ کھولا تھا اس سے غیر یہودی عیسائیوں کا ایک ایسا زبردست سیلاب اس مذہب میں داخل ہوگیا جس کے مقابلے میں وہ مٹھی بھر لوگ کسی طرح نہ ٹھہر سکے تاہم تیسری صدی عیسوی کے اختتام تک بکثرت لوگ ایسے موجود تھے جو مسیح کی الوہیت کے عقیدے سے انکار کرتے تھے۔ مگر چوتھی صدی کے آغاز (۳۲۵ء) میں نیقیہ کی کونسل نے پولوسی عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا مسلم مذہب قرار دے دیا۔ پھر رومی سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا۔ اسکے بعد قدرتی بات تھی کہ وہ تمام کتابیں جو اس عقیدے کے خلاف ہوں مردود قرار دے دی جائیں اور صرف وہی کتابیں معتبر ٹھہرائی جائیں جو اس عقیدے سے مطابقت رکھتی ہوں ۳۶۷ء میں پہلی مرتبہ اتھاناسیوس کے ایک خط کے ذریعے معتبر و مسلم کتابوں کے ایک مجموعے کا اعلان کیا گیا پھر اس کی توثیق ۳۸۲ء میں پوپ ڈیمیس (Damasius) کے زیر صدارت ایک مجلس نے کی اور پانچویں صدی کے آخر میں پوپ گلاسیس نے اس مجموعے کو مسلم قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کی ایک فہرست مرتب کردی جو غیر مسلم تھیں حالانکہ جن پولوسی عقائد کو بنیاد بنا کر مذہبی کتابوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کا یہ فیصلہ کیا گیا تھا ان کے متعلق کبھی کوئی عیسائی عالم یہ دعویٰ نہیں کرسکا ہے کہ ان میں سے کسی عقیدے کی تعلیم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی بلکہ معتبر کتابوں کے مجموعے میں جو انجیلیں شامل ہیں خود ان میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے کسی قول سے ان عقائد کا ثبوت نہیں ملتا۔

(۸) انجیل برناباس ان غیر مسلم کتابوں مین اس لئے شامل کی گئی کہ وہ مسیحیت کے اس سرکاری عقیدے کے بالکل خلاف تھی۔ اس کا مصنف کتاب کے آغاز ہی میں اپنا مقصد تصنیف یہ بیان کرتا ہے کہ ان لوگوں کے خیالات کی اصلاح کی جائے جو شیطان کے دھوکے میں آکر یسوع کو ابن اللہ قرار دیتے ہیں۔ ختنہ کو غیر ضروری ٹھہراتے ہیں اور حرام کھانوں کو حلال کردیتے ہیں جن میں سے ایک دھوکہ کھانے والا "پولوس" بھی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں موجود تھے اس زمانے میں ان کے معجزات دیکھ کر سب سے پہلے مشرک رومی سپاہیوں نے ان کو خدا اور بعض نے خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا۔ پھر یہ چھوت بنی اسرائیل کے عوام کو بھی لگ گئی۔ اس پر حضرت عیسیٰ سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے بار بار نہایت شدت کے ساتھ اپنے متعلق اس غلط عقیدے کی تردید کی۔ اور ان لوگوں پر لعنت بھیجی جو ان کے متعلق ایسی باتیں کہتے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے شاگردوں کو پورے یہودیہ میں اس عقیدے کی تردید کے لئے بھیجا اور ان کی دعا سے شاگردوں کے ہاتھوں بھی وہی معجزے صادر کرائے گئے جو خود حضرت عیسیٰ سے

Marfat.com

صادر ہوئے تھے۔ تاکہ لوگ اس غلط خیال سے باز آجائیں کہ جس شخص سے یہ معجزے صادر ہو رہے ہیں وہ خدا یا خدا کا بیٹا ہے۔ اس سلسلے میں وہ حضرت عیسیٰ کی مفصل تقریریں نقل کرتا ہے جن میں انہوں نے بڑی سختی کے ساتھ اس غلط عقیدے کی تردید کی تھی اور جگہ جگہ بتاتا ہے کہ آنجناب اس گمراہی کے پھیلنے پر کس قدر پریشان تھے۔ مزید برآں وہ اس پولوسی عقیدے کی بھی صاف صاف تردید کرتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے صلیب پر جان دی تھی اور اپنے چشم دید حالات یہ بیان کرتا ہے کہ جب یہوداا سکریوتی کی شکل اور آواز بالکل وہی کر دی گئی جو حضرت عیسیٰ کی تھی۔ صلیب پر بھی وہی چڑھایا گیا تھا نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس طرح یہ انجیل پولوسی مسیحیت کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ اور قرآن کے بیان کی پوری توثیق کرتی ہے حالانکہ نزول قرآن سے ۱۱۵ سال پہلے اس کے ان بیانات ہی کی بناء پر مسیحی پادری اسے رد کر چکے تھے۔"

(۹) "اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انجیل برناباس درحقیقت اناجیل اربعہ سے زیادہ معتبر انجیل ہے۔ مسیح علیہ السلام کی تعلیمات اور سیرت اور اقوال کی صحیح ترجمانی کرتی ہے اور یہ عیسائیوں کی اپنی بدقسمتی ہے کہ اس انجیل کے ذریعے سے اپنے عقائد کی تصحیح اور حضرت مسیح کی اصل تعلیمات کو جاننے کا موقع ان کو ملا تھا اسے محض ضد کی بناء پر انہوں نے کھو دیا۔ اس کے بعد ہم پورے اطمینان کے ساتھ وہ بشارتیں نقل کر سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں برناباس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت کی ہیں۔" (اقتباسات از تفہیم القرآن جلد ۵ تفسیر سورہ الصف)

پیر محمد کرم شاہ کی رائے: انجیل برناباس کے بارے میں جناب پیر محمد کرم شاہ الازہری (سجادہ نشین بھیرہ شریف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان) چاروں اناجیل میں پائی جانے والی حضور علیہ السلام کے بارے میں بشارات کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"یہ صورت حال تو اس وقت ہے جب کہ ان چاروں انجیلوں پر اعتماد کیا جائے لیکن صدیوں کی گمنامی کے بعد پردہ غیب سے ایک انجیل ظہور میں آئی ہے جس کو انجیل برناباس کہتے ہیں۔ اس کے مطالعے سے بڑے بڑے پیچیدہ عقدے حل ہو جاتے ہیں اور شکوک و شبہات کا غبار خود بخود چھٹ جاتا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیسیوں ایسے ارشادات موجود ہیں جن میں نام لے لے کر حضور کی آمد کی بشارتیں دی گئی ہیں اور بار بار اپنے امتیوں کو حضور کا دامن رحمت مضبوطی سے تھام لینے کے تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ہم وہ ایمان افروز حوالہ جات آپ کے سامنے پیش کریں، پہلے برناباس اور اس کی انجیل کے بارے میں کچھ وضاحتیں ضروری ہیں تاکہ کوئی شخص بلاوجہ اور نامعقول اعتراض کر کے آپ کو پریشان نہ کر سکے۔

برناباس قبرص کا باشندہ تھا۔ اس کا پہلا مذہب یہودیت تھا۔ اس کا نام Joses تھا۔ لیکن دین عیسوی کی اشاعت اور ترقی کے لئے اس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ حواری اس کو برناباس کے نام سے پکارتے تھے جس کا معنی ہے "واضح فرزند" بڑا کامیاب مبلغ تھا۔ جاذب قلب و نظر شخصیت کا مالک تھا۔

Marfat.com

حضرت مسیح کے ساتھ مدت العمر جو قرب اسے نصیب رہا اس نے اس کو اپنے حلقہ میں بڑا اہم مقام عطا کر دیا تھا۔

ابتداء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اپنے آپ کو یہود سے الگ کوئی امت تصور نہیں کیا کرتے تھے۔ نہ ان کی علیحدہ عبادت گاہیں تھیں لیکن یہودی انہیں شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی حقیقت آپ کی فطرت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق ان کے پہلے ماننے والوں کے نزدیک قطعاً وجہ نزاع نہ تھا۔ سب آپ کو انسان اور اللہ کا برگزیدہ بندہ سمجھتے تھے۔ اس وقت کے عیسائی یہودیوں سے بھی زیادہ توحید پرست تھے۔ یہاں تک کہ سینٹ پال نے عیسائی مذہب قبول کیا اس طرح عیسائیت میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا جس کے نظریات اور معتقدات کا منبع انجیل یا حضرت مسیح کے اقوال نہ تھے، بلکہ اس کی ذاتی سوچ بچار کا نتیجہ تھے۔ پال یہودی تھا۔ طرسوس کا باشندہ تھا کافی عرصہ روم میں رہا۔ ان کے فلسفہ اور مشرکانہ عقائد سے وہ بہت متاثر ہوا۔ عیسائیت کو اس نے اسی مشرکانہ سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جو عوام کو بہت پسند تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے حواری اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اپنے مذہب کی ترقی اور اشاعت کے لئے برناباس اور سینٹ پال کچھ عرصہ ایک ساتھ کام کرتے رہے لیکن امراء روسا میں اختلافات کی خلیج بڑھتی گئی۔ پال نے حلال و حرام کے بارے میں موسوی احکام کو بالائے طاق رکھ دیا۔ نیز ختنہ کی سنت ابراہیمی کو بھی نظرانداز کر دیا۔ برناباس کے لئے اس کے ساتھ مل کر کام کرنا مشکل ہو گیا چنانچہ دونوں علیحدہ ہو گئے۔ پال کو عوام الناس کی تائید کے علاوہ حکومت کی ہمدردیاں بھی حاصل تھیں۔ اس لئے اس کے پھیلائے ہوئے عقائد کو لوگوں نے دھڑا دھڑ قبول کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح برناباس اور اس کے ساتھی پس منظر میں چلے گئے۔ بایں ہمہ چوتھی صدی عیسوی تک برناباس کے ہم عقیدہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے جو خدا کی باپ کی حیثیت سے نہیں بلکہ مالک الملک اور قادر مطلق کی حیثیت سے عبادت کرتے تھے۔ اس وقت انطاکیہ کے بشپ پال کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے بلکہ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ انطاکیہ کا دوسرا بشپ جس کا نام Lucian تھا اور جو تقویٰ اور علم میں بڑی شہرت کا مالک تھا۔ وہ بھی تثلیث کے عقیدے کا سخت مخالف تھا۔ اس نے انجیل سے ایسی عبارتیں نکال دیں جن سے تثلیث ثابت ہوتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ جملے بعد میں بڑھائے گئے۔ اس کو ۳۱۲ء میں شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے شاگرد Arius نے توحید کا پرچم بلند کیا۔ اسے کئی بار کلیسا کے عہدے پر کبھی فائز کیا گیا اور کبھی معزول کیا گیا۔ لیکن اس نے اپنا مشن جاری رکھا۔ کلیسا کی مخالفت کرنا آسان کام نہ تھا۔ لیکن Aruis نے ان مشرکانہ عقائد کی ڈٹ کر مخالفت کی اور لوگ جوق در جوق اس کے نظریات کو قبول کرتے چلے گئے۔

اسی اثناء میں دو ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے یورپ کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ شاہ قسطنطین جس نے یورپ کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا اس نے عیسائیت قبول کئے بغیر عیسائیت کی امداد شروع کر دی۔ لیکن عیسائی فرقوں کے باہمی اختلافات نے اسے سراسیمہ کر دیا۔ شاہی محل میں بھی یہ نظریاتی

Marfat.com

کشمکش زوروں پر تھی۔ مادر ملکہ توپال کے نظریات کی حامل تھی جب کہ بادشاہ کی بہن اریس کی معتقد تھی۔ بادشاہ کے پیش نظر تو صرف ملک میں امن و امان کا قیام تھا اور اس کی صرف یہ صورت تھی کہ سارے فرقے ایک کلیسا کو قبول کر لیں۔ اریس اور بشپ الیگزنڈر کی مخالفت روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ بادشاہ کے لئے مداخلت ناگزیر ہو گئی چنانچہ ۳۲۵ء میں "نیقیا" کے مقام پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ متواتر کئی روز تک اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے امن و امان کی خاطر کلیسا کی حمایت حاصل کرنا ضروری سمجھا اس لئے اس نے اریس کو جلاوطن کر دیا۔ اس طرح توحید کی بجائے تثلیث کا عقیدہ ملک کا رسمی مذہب بن گیا۔ کلیسا کی منظور شدہ انجیل کے بغیر کوئی انجیل اپنے پاس رکھنا جرم قرار دیا گیا۔ دو سو ستر مختلف انجیلوں کے نسخے نذر آتش کر دیئے گئے۔ شہزادی قسطنطائین کو یہ بات ناپسند ہوئی اس کی کوشش سے ۳۴۶ء میں اریس کو واپس بلایا گیا جب وہ فاتحانہ انداز میں قسطنطنیہ میں داخل ہو رہا تھا اس کی موت واقع ہو گئی۔ بادشاہ نے اسے قتل عمد قرار دیا۔ اس جرم کی پاداش میں سکندریہ کے بشپ کو دو اور بشپوں کے ساتھ جلاوطن کر دیا اور خود اریس کے ایک معتقد بشپ کے ہاتھ پر عیسائیت قبول کر لی توحید سرکاری مذہب قرار پایا۔ ۳۴۱ء میں انطاکیہ میں ایک کانفرنس ہوئی اور توحید کو عیسائی مذہب کا بنیادی عقیدہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ ۳۵۹ء میں سینٹ جیروم (S.Jerome) نے لکھا کہ اریس کا مذہب مملکت کے تمام باشندوں نے قبول کر لیا۔ پوپ ہونوریس (Honorious) (یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم عصر تھا) کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ ۶۳۸ء میں اس نے وفات پائی۔ لیکن ۶۸۰ء میں پھر تثلیث کے حق میں ایک لہر اٹھی قسطنطنیہ میں پھر اجلاس ہوا جس میں پوپ ہونوریس کو مطعون اور مردود قرار دیا گیا اور اس کے نظریات کو مسترد کر دیا گیا۔ اگرچہ آج عیسائی دنیا تثلیث کو ایک مسلمہ اصول کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہے اس کے باوجود ان میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے اظہار سے کتراتے ہیں۔

برناباس کی انجیل ۳۲۵ء تک مستند انجیل تسلیم کی جاتی رہی۔ ارانیس Iranaeus نے جب سینٹ پال کے مشرکانہ عقائد کے خلاف مہم شروع کی تو اس نے برناباس کی انجیل سے بکثرت استدلال کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں یہ انجیل معتبر تسلیم کی جاتی تھی اور اپنے دین کے بنیادی مسائل ثابت کرنے کے لئے اس کی عبارتوں کو بطور حجت پیش کیا جاتا تھا لیکن ۳۲۵ء میں جو کانفرنس نیقیا میں ہوئی اس میں یہ طے پایا کہ عبرانی زبان میں جتنی انجیلیں موجود ہیں، ان سب کو ضائع کر دیا جائے۔ جس کے پاس یہ انجیل ملے اس کی گردن اڑا دی جائے۔

۳۸۳ء میں پوپ نے انجیل برناباس کا نسخہ حاصل کیا اور اپنی پرائیویٹ لائبریری میں اسے محفوظ کر لیا زینو بادشاہ کی حکمرانی کے چوتھے سال برناباس کی قبر کھودی گئی۔ اس انجیل کا ایک نسخہ جو اس نے اپنے قلم سے لکھا تھا۔ اس کے سینے پر رکھا ملا۔ پوپ (Siritus) (۹۰-۱۵۸۵ء) کا ایک دوست تھا۔ جس کا نام فرامارینو (Framarino) تھا۔ اسے پوپ کی ذاتی لائبریری میں اس کا وہ نسخہ ملا۔ فراما کو اس سے بڑی دلچسپی

Marfat.com

تھی- کیونکہ اس نے ایرانیس کی تحریروں کا مطالعہ کیا تھا جس میں اس نے برناباس کی انجیل کے بکثرت حوالے دیئے تھے- اطالوی زبان میں لکھا ہوا یہ مسودہ مختلف لوگوں سے ہوتا ہوا ایمسٹرڈم (Amsterdam) کی ایک مشہور و معروف ہستی کے ہاں پہنچا- یہاں سے پرشیا کے بادشاہ کے مشیر جے ایف کریمر کو ملا- اس سے سیوے کے ایک علم دوست شہزادے یوگین (Eugene) نے ۱۷۱۳ء میں حاصل کیا- ۱۷۳۸ء میں شہزادے کی پوری لائبریری کے ساتھ یہ نسخہ بھی وانا پہنچا- اب بھی یہ نسخہ وہاں محفوظ رکھا ہے-

ٹولینڈ (Toland) نے اپنی تصنیف "Miscellanehous works" جو اس کی وفات کے بعد ۱۷۴۷ء میں شائع ہوئی کی جلد اول صفحہ ۳۸۰ پر ذکر کیا کہ انجیل برناباس کا قلمی نسخہ اب بھی محفوظ ہے- اسی کتاب کے پندرھویں باب میں لکھا ہے کہ ۴۹۶ء میں ایک حکم کے ذریعے اس انجیل کو ان کتب میں شامل کیا گیا جن کو کلیسا نے ممنوع قرار دے دیا تھا- اس سے پہلے ۴۶۵ء میں پوپ انوسینٹ (Invecent Pope) نے بھی اسی قسم کا حکم جاری کیا تھا- نیز ۳۸۲ء میں مغربی کلیسا نے متفقہ طور پر اس پر بندش عائد کی تھی-

مسٹر اور مسز ریگ (Ragg) نے ۱۹۰۷ء میں ایک لاطینی نسخے سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو اب ہمارے سامنے ہے آکسفورڈ کی کلیرنڈن پریس نے اسے چھاپا- آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے شائع کیا- جب اس کا انگریزی ترجمہ چھپ کر بازار میں آیا تو اس کے سارے نسخے پراسرار طریقے پر بازار سے غائب کر دیئے گئے- صرف دو نسخے محفوظ رہے- ایک برٹش میوزیم میں اور دوسرا واشنگٹن کی کانگریس لائبریری میں- یہ پیش نظر انگریزی ترجمہ مائیکرو فلم کے ذریعے پبلشر نے ایک دوست کی وساطت سے واشنگٹن کی کانگریس لائبریری سے حاصل کیا ہے-

برناباس کے حالات اور اس کی انجیل کی تاریخ کو قدرے شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام کو حالات کا پوری طرح علم ہو اور اس الزام کی قلعی کھل جائے جو بعض عیسائی حلقوں کی طرف سے لگایا جا رہا ہے کہ اس انجیل کا مصنف کوئی ایسا شخص ہے جو عیسائیت سے مرتد ہو کر مسلمان ہوا اور دجل و تزویر سے ایک کتاب تصنیف کر کے اسے برناباس کی طرف منسوب کر دیا-

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے کلیسا نے اس کتاب کو ممنوعہ لٹریچر میں شامل کر دیا تھا اور اس شخص کو واجب القتل قرار دیا تھا جس کے پاس یہ کتاب پائی جائے- نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں جو بشارتیں اس میں بکثرت موجود ہیں، کلیسا کے غیظ و غضب کا گو سبب نہ تھیں، لیکن ان کے علاوہ اس میں کچھ ایسی تعلیمات تھیں جو سینٹ پال کے پیش کردہ عیسائی مذہب کی بیخ کنی کرتی تھیں، اس لئے کلیسا کو یہ آخری اقدام کرنا پڑا- قدم قدم پر اس میں عقیدہ تثلیث کا بطلان کیا گیا ہے- اللہ تعالیٰ کی توحید کو زوردار دلائل سے بڑے حسین انداز میں پیش کیا گیا ہے- خود حضرت عیسیٰ کے ارشادات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اس کے بندے اور رسول تھے- کلیسا کے نزدیک یہ باتیں ناقابل برداشت تھیں- اس لئے انہوں نے اس

Marfat.com

کو اپنی مقدس کتب کی فہرست سے خارج کر دیا۔

برناباس نے اپنے رسول کی تعلیمات کو بلا کم و کاست بیان کیا۔ اسی طرح حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں جو بشارتیں حضرت عیسیٰ نے ایک بار نہیں بلکہ بار بار دی تھیں، انکا اس میں مندرج ہونا بھی قدرتی امر ہے چنانچہ ان بے شمار بشارتوں میں سے صرف چند پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ان کا مطالعہ کیجئے اپنے ایمان کو تازہ کیجئے اور انہی کی روشنی میں اس آیت کی صحیح تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

انجیل برناباس کے باب ۱۷ کا ایک حوالہ سماعت فرمایئے۔

"*But after me shall come the splendour of all the Prophets and Holy ones, and shall shed light upon the darkness of all that the Prophets have said because he is the messenger of God*"

"لیکن میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور نفوس قدسیہ کے لئے آب و تاب ہے اور پہلے انبیاء نے جو باتیں کی ہیں ان پر روشنی ڈالے گی کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

For I am not worth to unloose the ties of the hosen or the latchets of the shoes of the maessenger of God whom ye call "MESSIAH" who was made before me and shall come after me and shall bring the words of truth. So that his faith shall have no end.

"یعنی جس ہستی کی آمد کا تم ذکر کر رہے ہو، میں تو اللہ کے اس رسول کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں جس کو تم مسیحا کہتے ہو۔ اس کی تخلیق مجھ سے پہلے ہوئی اور تشریف میرے بعد لے آئے گا۔ وہ سچائی کے الفاظ لائے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔" (باب ۴۲)

"*I am indeed sent to the house of israel as a Prophet of salvation, but after me shall come the messiah sent of God to all the world for whom God Hath made the world and then through all the world will God be worshipped and mercy received.*"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: "بے شک میں تو فقط اسرائیل کے گھرانے کی نجات کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لیکن میرے بعد مسیحا تشریف لائے گا جسے اللہ تعالٰی سارے جہاں کے لئے مبعوث فرمائے گا۔ اسی کے لئے اللہ تعالٰی نے ساری کائنات تخلیق کی ہے اور اسی کی کوششوں کی باعث ساری دنیا میں اللہ تعالٰی کی پرستش کی جائے گی اور اس کی رحمت نصیب ہو گی۔" (باب ۸۲)

Marfat.com

آپ پریشان ہیں کہ لوگوں نے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا ہے۔ رومی گورنر اور بادشاہ آپ کی خدمت میں ظاہر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم روم کی شہنشاہ سے ایک ایسا فرمان جاری کروائیں گے جس میں سب کو آپ کے متعلق ایسی باتیں کہنے سے روک دیا جائے گا۔ ان کے جواب میں آپ فرماتے ہیں مجھے تمہاری ان باتوں سے اطمینان حاصل نہیں ہوا۔

"*But my consolation is in the coming of messenger—who shall destroy every false opinion of me. and his faith shall spread and shall take hold of the whole world, for so hath God Promised to Abraham our father.*"

"بلکہ میرا اطمینان تو اس رسول کی تشریف آوری سے ہو گا جو میرے بارے میں تمام جھوٹے نظریات کو نیست و نابود کر دے گا۔ اس کا دین پھیلے گا اور سارے جہاں کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ ابراہیم سے اسی طرح کا وعدہ کیا۔"

اس کے بعد پادری نے ایک اور سوال پوچھا کیا اس رسول کی آمد کے بعد اور نبی بھی آئیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

"*There shall not come after him true Prophets sent by God, but there shall come a great number of false Prophets, where at I sorrow for satan shall raise them up.*"

"یعنی آپ کے بعد اللہ کا بھیجا ہوا کوئی سچا نبی نہیں آئے گا البتہ کثرت سے جھوٹے نبی آئیں گے جنہیں شیطان کھڑا کرے گا۔"

اس پادری نے دوسرا سوال کیا اس مسیحا کا نام کیا ہو گا اور کن علامات سے اس کی آمد کا پتہ چلے گا؟ اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"*The name of the Messiah is Admirable, for God himself gave him the name when had created his soul and placed it in celesetial, splendour. God said "wait Mohammed for thy sake I will to create paradise the world and a great multitude of creatures.*"

....I shall send thee into the world I shall send thee as my messenger of salvation and thy word shall be true,

Marfat.com

in so much that heaven and earth shall fail, but thy faith shall never fail."

"*Muhammad is his blessed name.*"

""مسیحا کانام قابل تعریف" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا کیا اور آسمانی آب و تاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا۔ اللہ نے فرمایا "اے محمد! انتظار کرو' میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے۔ ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہو گی۔ آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔" (آپ نے کہا کہ) محمد اس کا بابرکت نام ہے۔"

پھر تمام سامعین نے یہ سن کر یہ کہتے ہوئے فریاد کرنی شروع کی۔

"*O God send us thy messenger o Mohammed come quickly for the salvation of the world.*"

"اے خدا! اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج۔ یا رسول اللہ! دنیا کی نجات کے لئے تشریف لے آیئے۔" (باب ۹۷)

حضرت مسیح اپنے حواری برناباس سے اپنے آخری حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں میرے قتل کی سازش کی جائے گی چند ٹکوں کے عوض مجھے میرا ایک حواری گرفتار کرا دے گا لیکن وہ مجھے پھانسی نہیں دے سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے زمین سے اٹھا لے گا اور جس نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے اس کو میرے بجائے سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔

فرماتے ہیں:

"*I shall abide in that dishonour for a long time in the world but when Mohammed shall come, the sacred messenger of God, that infami shall be taken away and this shall God do, because I have confessed the truth of the MessiaH, who shall give me this reward that I shall be known to be alive and to be a stranger to that death of infami.*"

"طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے۔ لیکن جب محمد تشریف لائیں گے جو خدا کے مقدس رسول ہیں تب میری یہ بدنامی اختتام پذیر ہو گی اور اللہ تعالیٰ یوں کرے گا کیونکہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں وہ مجھے یہ انعام دے گا۔ لوگ مجھے زندہ جاننے لگیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس رسوا کن موت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔" (باب ۱۱۲)

Marfat.com

آپ نے متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ ذی شان رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہو گا۔ اس مقام کی تنگ دامانی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں ان تمام حوالوں کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ امید ہے اگر بنظر انصاف آپ ان اقتباسات کا مطالعہ کریں گے تو حقیقت کا روئے زیبا یقیناً بے نقاب ہو جائے گا۔

رہا یہ سوال کہ جس شخص کا نام غلام احمد ہو وہ اس آیت کا مصداق بن سکتا ہے اور اسے احمد قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس کے بارے میں اتنا ہی سمجھ لیں کہ ایک شخص جس کا نام عبداللہ ہو وہ اپنے نام سے عبد حذف کر کے اگر اللہ نہیں کہلا سکتا تو اسی طرح غلام احمد نامی شخص غلام کا لفظ کاٹ کر اپنے آپ کو احمد کہلائے گا تو اس سے بڑھ کر قرآن کی کوئی تحریف نہیں ہو سکتی۔ پس جب وہ رسول جس کا نام نامی احمد ہے حضرت مسیح کی پیش گوئی کے مطابق تشریف لے آیا اور روشن معجزات سے اپنی صداقت کو آشکارا کر دیا۔ تو ان لوگوں کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور معجزات نبوت کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔"

(ضیاالنبی جلد اول صفحہ ۵۰۴ تا ۵۱۳ از پیر محمد کرم شاہ الازہری مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور)

نوٹ: انجیل برناباس کے بعض اقتباسات مع انگریزی متن صرف انگریزی عبارت کے نمونہ کے طور پر یہاں دیئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مبشرات سے متعلقہ جملہ اقتباسات کا اردو ترجمہ آگے ملاحظہ فرمائیں۔ (احقر قدر آفاقی)

انجیل برناباس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ذکر اور پیشین گوئیاں

اب انجیل برناباس میں دی گئی وہ پیشین گوئیاں نقل کی جاتی ہیں جن کا تعلق حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یہ اقتباسات (تقریباً) آسی ضیائی کے اردو ترجمہ (جو انہوں نے انجیل برناباس کا کیا) پر مشتمل ہیں۔ البتہ بعض جگہ وضاحتی الفاظ اختیار کیے گئے ہیں اور قوسین میں بھی مطالب کو منضبط و مختصر کرنے کی سعی کی ہے۔ (قدر آفاقی)

(بحوالہ انجیل برناباس ترجمہ آسی ضیائی ایڈیشن اپریل ۱۹۸۱ء مطبوعہ اسلامک پبلیکشنز لمیٹڈ لاہور۔)

وہ ہے سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم: تب یسوع اس مقام پر چڑھ گیا جہاں سے فقیہ تقریر کیا کرتے تھے اور ہاتھ سے خاموشی کا اشارہ کر کے اپنا منہ کھولا اور کہا:

1 مبارک ہو خدا کا پاک نام جس نے اپنی بھلائی اور رحمت سے اپنی مخلوق پیدا کرنے کی مشیت کی تاکہ وہ اس کی تمجید کریں۔

Marfat.com

مبارک ہو خدا کا پاک نام جس نے تمام قدوسوں اور نبیوں کے سرتاج کو تمام مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا تاکہ اسے دنیا کی نجات کے لئے بھیجے جیسا کہ اس نے اپنے بندے داؤد کی زبانی فرمایا کہ "ستارہ صبح سے پہلے قدوسوں کی تابانی میں میں نے تجھے پیدا کیا۔" (باب ۱۲)

۲ "---تمام نبیوں نے جو ایک لاکھ چوالیس ہزار ہوئے ہیں---- پردے میں بات کی ہے مگر میرے بعد تمام نبیوں اور قدوسوں کا سرتاج آئے گا اور تمام پردے کی باتوں کو جو نبیوں نے کیں واضح کرے گا کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے۔" (باب ۱۷)

۳۔ وہی ﷺ اول وہی ﷺ آخر: (شاگردوں نے شیطان کے مغرور اور مردود ہونے کا سبب پوچھا تو یسوع نے فرمایا)

"خدا نے مٹی کا ایک تودہ پیدا کیا اور اسے پچیس ہزار سال تک کچھ کئے بغیر رہنے دیا شیطان جو فرشتوں کا کاہن اور سردار تھا اپنی عظیم دانائی سے جو اسے حاصل تھی جان گیا کہ خدا اس مٹی کے تودے سے ایک لاکھ چوالیس ہزار نبوت کے نشان زدہ نکالے گا اور خدا کا رسول بھی جس کی روح اس نے ہر چیز سے ساٹھ ہزار سال پہلے پیدا کی تھی----" (باب ۳۵)

۴ یسوع نے کہا "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو دعائیں مانگتا وہ شیطان سے زیادہ شریر ہے----اب جبکہ تمام نبی آچکے ہیں سوائے خدا کے رسول ﷺ کے جو میرے بعد آئے گا کہ یہی خدا کی مشیت ہے اور یہ کہ میں اس کی راہ تیار کروں---" (باب ۳۶)

وہ صاحب لولاک ہے:

۵ یسوع نے کہا---"جب آدم اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے ہوا میں ایک تحریر دیکھی جو سورج کی طرح چمکتی تھی کہ "خدا ایک ہی ہے اور محمد ﷺ خدا کا رسول ہے۔" اس پر آدم نے منہ کھولا اور کہا "اے خداوند میرے خدا میں تیرا شکر گزار ہوں کہ میری تخلیق کی تقدیر فرمائی مگر میں تیری منت کرتا ہوں مجھے بتا ان الفاظ کا مطلب کیا ہے "محمد ﷺ خدا کا رسول ہے۔" "کیا مجھ سے پہلے اور انسان بھی ہوئے ہیں" تب خدا نے کہا مرحبا اے میرے بندے آدم! میں تجھے بتاتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جسے میں نے پیدا کیا اور وہ جسے تو نے (مندرج) دیکھا ہے وہ تیرا بیٹا ہے جو دنیا میں اب سے بہت سال بعد آئے گا اور میرا رسول ہو گا جس کے لئے میں نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ جو آئے گا تو دنیا کو نور بخشے گا جس کی روح میرے ہر چیز پیدا کرنے سے ساٹھ ہزار سال پہلے ملکوتی شان میں رکھی گئی تھی۔" آدم نے خدا کی منت کی کہ خداوند یہ تحریر میرے ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخنوں پر درج فرما دے تب خدا نے پہلے انسان کے انگوٹھوں پر یہ تحریر درج کی دائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا تھا "خدا ایک ہی ہے" اور بائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا تھا "محمد ﷺ خدا کا رسول ہے" تب پہلے انسان نے پدرانہ شفقت سے یہ الفاظ چومے اور (انگوٹھوں سے) اپنی آنکھیں ملیں اور کہا "مبارک

Marfat.com

ہو وہ دن جب تو دنیا میں آئے۔" (باب ۳۹)

آدم اور حوا کا رسول اللہ کے وسیلے سے بخشش مانگنا:

۶ "تب خدا نے (شیطان سے) کہا "ملعون! میرے حضور سے دور ہو۔ تب شیطان رخصت ہوا
کے بعد خدا نے آدم (اور) حوا سے جو دونوں رو رہے تھے کہا" تم بہشت سے چلے جاؤ اور توبہ کر
اور تمہاری آس نہ ٹوٹے۔ کیونکہ میں تمہارا بیٹا اس حال میں بھیجوں گا کہ تمہاری نسل شیطان
حکومت نوع انسانی سے دور کر دے گی۔ کیونکہ وہ میرا رسول جو آئے گا اسے میں سب چیزیں ع
کروں گا۔"

(پھر) خدا نے اپنے تئیں پوشیدہ کیا اور فرشتے میکائیل نے انہیں بہشت سے باہر کر دیا اس پر آد
نے گھوم کر پھاٹک پر لکھا دیکھا "خدا ایک ہی ہے اور محمد ﷺ اس کا رسول ہے۔ اس پر اس (آدم)
رو کر کہا "خدا کی مرضی ہو اے میرے بیٹے! کہ تو جلد آئے اور ہمیں مصیبت سے چھٹکارا دے۔ (باب ۴۱)

۷ (کاہنوں کے بھیجے ہوئے لاویوں اور فقیہوں نے سوال کئے اور پوچھا) تو کون ہے؟
یسوع نے اقرار کیا اور سچ بات کہی "میں مسیح نہیں ہوں۔"
انہوں نے کہا کیا تو ایلیاہ ہے؟ یا یرمیاہ یا کوئی اور قدیم نبی ہے؟
یسوع نے جواب دیا "نہیں" (میں ان میں سے کوئی بھی نہیں ہوں)
پھر انہوں نے کہا "تو کون ہے۔۔۔؟" تب یسوع نے کہا۔
میں ایک آواز ہوں جو سارے یہودیہ کو پکارتی ہے کہ "خداوند کے رسول کے لئے راہ تیار کرو۔
جیسا۔ سعیاہ کی کتاب میں لکھا ہے۔

جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے کراتا ہے ان سے ظاہر ہے کہ میں وہی کہتا ہوں جو خدا کی مرضی ہے
نہ میں فی الواقع اپنے آپ کو وہ کہلواتا ہوں جس کا تم ذکر کرتے ہو کیونکہ میں اس لائق نہیں کہ خدا کے اس
رسول کی جرابوں کے بند یا جوتیوں کے تسمے کھول سکوں جسے تم مسیح کہتے ہو۔ جو مجھ سے پہلے بنایا گیا اور
میرے بعد آئے گا اور سچائی کا کلام لائے گا کہ اس کے دین کی انتہا نہ ہو گی۔ (باب ۴۲)

۸۔ آپ ﷺ اسماعیل کی اولاد سے:

یسوع نے کہا۔ جو کوئی کچھ کرتا ہے کسی مقصد
سے کرتا ہے جس میں وہ تسکین پاتا ہے چونکہ
خدا کامل ہے سو اس نے کچھ کرنے کا ارادہ کیا تو سب چیزوں سے پہلے اپنے رسول کی روح پیدا کی جس کے
لئے اس نے سب کچھ پیدا کرنا طے کیا تا کہ مخلوق کو خدا میں مسرت اور برکت ملے جس سے اس کے رسول
کو اس کی تمام مخلوقات میں جنہیں اس نے اس ﷺ کا غلام بنایا ہے خوشی حاصل ہو اور ایسا کیوں کر ہے
سوائے اس کے کہ اس کی مرضی یہی ہے۔

"۔۔۔۔ ہر نبی جب آیا ہے خدا کی رحمت کا نشان صرف ایک قوم کے لئے لایا ہے اور اسی لئے

Marfat.com

ی کا کلام نہ پھیلا سوائے ان لوگوں تک کہ جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے پر خدا کا رسول جب وہ آئے گا تو
وہ اسے گویا اپنے ہاتھ کی مہر عطا کرے گا کہ وہ دنیا کی ان تمام قوموں کے لئے جو اس کا دین قبول کریں گی
نجات اور رحمت لائے گا۔ وہ بے دینوں پر طاقت کے ساتھ آئے گا اور بت پرستی مٹا دے گا یہاں تک کہ وہ
شیطان کو مبہوت کر دے گا کیونکہ خدا نے ابرہام سے یہی وعدہ کیا تھا کہ۔

"دیکھ تیری نسل میں میں زمین کے تمام قبیلوں کو برکت دوں گا اور جس طرح اے ابرہام! تو نے
بت پاش پاش کئے اسی طرح تیری نسل بھی کرے گی۔"

یعقوب نے۔۔۔ کہا اے استاد! ہمیں بتا کہ یہ وعدہ کس میں تھا کیونکہ یہودی کہتے ہیں اضحاق
میں اور اسماعیلی کہتے ہیں اسمٰعیل میں۔

یسوع نے جواب دیا داؤد کس کا بیٹا تھا اور کس نسل سے تھا؟

یعقوب بولا۔۔۔ اضحاق کا کیونکہ اضحاق یعقوب کا باپ تھا اور یعقوب یہودا کا باپ تھا جس کی
نسل داؤد ہے۔

تب یسوع نے کہا اور خدا کا رسول جب وہ آئے گا تو کس کی نسل سے ہو گا۔

شاگرد بولے "داؤد کی"

اس پر یسوع نے کہا "تم اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہو کیونکہ داؤد روح کے جوش میں اسے آقا کہتا
ہے۔۔۔ "خدا نے میرے آقا سے کہا تو میرے داہنے ہاتھ بیٹھ"۔۔۔ اگر خدا کا رسول جسے تم مسیح
کہتے ہو داؤد کا بیٹا ہوتا تو داؤد اسے آقا کیونکر کہتا یقین کرو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ وعدہ اسمٰعیل میں تھا
نہ کہ اضحاق میں۔"

اس پر شاگردوں نے کہا "اے استاد! موسیٰ کی کتاب میں یوں لکھا ہے کہ یہ وعدہ اضحاق میں کیا گیا
تھا۔

یسوع نے کراہ کر جواب دیا۔

"ایسا ہی لکھا ہے مگر موسیٰ نے نہیں لکھا نہ یشوع نے لکھا بلکہ ہمارے ربیوں نے جو خدا سے نہیں
ڈرتے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم فرشتے جبریل کے الفاظ پر غور کرو تو تم ہمارے فقیہوں اور عالموں کا
بغض جان لو گے کیونکہ فرشتے نے کہا۔

"ابرہام ساری دنیا جان لے گی کہ خدا تجھ سے کتنی محبت رکھتا ہے پر دنیا یہ کیونکر جانے کہ تجھے خدا
سے کتنی محبت ہے۔۔۔ تو خدا کی محبت کے لئے کچھ کر۔۔۔ ابرہام نے جواب دیا "دیکھو خدا کا بندہ جو
کچھ خدا کی مرضی ہو کرنے کو تیار ہے۔"

تب خدا نے ابرہام سے فرمایا "اپنا بیٹا پہلوٹھا اسمٰعیل لے اور پہاڑ پر آ کر اس کی قربانی دے"
اضحاق پہلوٹھا کیونکر ہوا کہ جب اضحاق پیدا ہوا تو اسمٰعیل سات سال کا تھا۔

تب شاگردوں نے کہا کہ ہمارے عالموں کا فریب ظاہر ہے سو ہمیں سچی بات بتا۔۔۔ یسوع نے

Marfat.com

جواب دیا"۔۔۔۔ پس میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول ایک شان ہے جو تقریباً سب کو، جنہیں خدا نے بنایا مسرت بخشے گا کیونکہ وہ آراستہ ہے فہم اور صلاح کی روح سے عقل اور طاقت کی روح سے خوف اور محبت کی روح سے دانائی اور اعتدال کی روح سے۔ وہ آراستہ ہے۔ سخاوت اور رحم کی روح سے انصاف اور تقویٰ کی روح سے شرافت اور صبر کی روح سے جو اسے خدا نے اپنی تمام مخلوقات سے تین گنا زیادہ عطا کی ہیں۔ کیا ہی مبارک ہے وہ وقت جب وہ دنیا میں آئے گا یقین جانو میں نے اسے دیکھا ہے اس کی تعظیم کی ہے جیسے ہر نبی نے اسے دیکھا ہے کیونکہ اس کی روح سے خدا نے انہیں نبوت دی اور جب میں نے اسے دیکھا تو میری روح تسلین سے بھر گئی یہ کہہ کر کہ اے محمد ﷺ! خدا تیرے ساتھ ہو اور وہ مجھے اس لائق بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھول سکوں کیونکہ یہ (سعادت) پاکر میں ایک بڑا نبی اور خدا کا قدوس ہو جاؤں گا۔" یہ کہہ کر یسوع نے خدا کا شکر ادا کیا۔

(باب ۴۳-۴۴)

۹۔ ہر شے کا آقا احمد ﷺ ہے:

خدا کا روزِ عدالت ایسا خوفناک ہو گا۔۔۔۔ کہ نہ صرف مجرم ڈریں گے بلکہ ولی اور خدا کے برگزیدہ بھی یہاں تک کہ ابرہام کو اپنی راست بازی پر بھروسہ نہ ہو گا اور ایوب کو اپنی بے گناہی پر اعتماد نہ ہو گا اور میں کیا کہوں خدا کا رسول بھی خوف زدہ ہو گا کیونکہ خدا اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے اپنے رسول کا حافظہ محو کر دے گا یہاں تک کہ اسے (یہ بھی) یاد نہ رہے گا کہ خدا نے اسے سب چیزیں عطا کی ہیں۔ (باب ۵۲)

۱۰۔ بخشش کا وسیلہ پاک نبی ﷺ:

(قیامت برپا ہو چکنے کے بعد) چالیس سال تک دنیا پر تاریکی چھائی رہے گی۔ جب تنہا خدا زندہ ہو گا یہ چالیس سال گزر جائیں گے تو خدا اپنے رسول کو زندہ کرے گا جو پھر سورج کی طرح مگر ہزار سورجوں جیسا تابندہ اٹھے گا وہ بیٹھ جائے گا مگر بات نہ کرے گا کیونکہ وہ گویا بے خود سا ہو گا پھر خدا اپنے چاروں برگزیدہ فرشتے اٹھائے گا۔ جو خدا کے رسول کو تلاش کریں گے اور اسے پاکر اس جگہ کے چار اطراف پر نگہبانی کے لئے کھڑے ہو جائیں گے اس کے بعد خدا تمام فرشتوں کو اٹھائے گا جو خدا کے رسول کے گرد مھاؤں یا شہد کی مکھیوں کی طرح چکر لگاتے آئیں گے۔ اس کے بعد خدا تمام نبیوں کو زندگی بخشے گا جو آدمؑ کے پیچھے ایک ایک کرکے خدا کے رسول کا ہاتھ آکر چومیں گے اور اپنے آپ کو اس کی پناہ میں سونپ دیں گے پھر خدا تمام برگزیدوں کو زندہ کرے گا جو پکار اٹھیں گے۔

"اے محمد ﷺ! ہمارا خیال رکھیو۔"

ان کی پکاروں پر خدا کے رسول کا رحم جاگ اٹھے گا اور وہ ان کی نجات پر فکر مند ہو کر سوچے گا کہ وہ کیا کرے۔ پھر خدا ہر مخلوق کو زندگی دے گا اور وہ اپنے سابق وجود پر لوٹ آئیں گی پر ساتھ ہی ہر ایک کو بولنے کی طاقت بھی (عطا) ہو گی پھر خدا تمام مجرموں کو زندہ کرے گا جن کے اٹھتے ہی ان کی بدہیتی کے باعث خدا کی تمام مخلوقات ڈر جائیں گی۔۔۔۔ صرف خدا کا رسول ایسی شکلوں سے خوف نہ کھائے گا کیونکہ وہ

Marfat.com

صرف خدا سے ڈرے گا۔۔۔۔ تب فضا میں وادی یہوسفط کے اوپر ایک نورانی تخت نمودار ہو گا۔ (یہ خدا کا تخت ہو گا) تب خدا کا رسول ڈرے گا کیونکہ وہ دیکھے گا کہ کسی نے خدا سے، جیسی چاہئے تھے محبت نہیں کی۔۔۔۔" (باب ۵۴)

۱۱۔ محمد ﷺ شافع محشر:

(پھر) خدا کا رسول تمام نبیوں کو جمع کرنے جائے گا جن سے وہ منت کرے گا کہ اس کے ساتھ چل کر (وہ) اہل ایمان کے لئے دعا کریں اور ہر ایک خوف کے مارے عذر کرے گا۔ (یسوع نے کہا) خدائے زندہ کی قسم میں بھی نہ جاؤں گا کیونکہ مجھے معلوم ہے جو معلوم ہے تب خدا یہ دیکھ کر اپنے رسول کو یاد دلائے گا کہ اس نے اس کی محبت میں سب چیزیں پیدا کیں۔ سو یوں اس (رسول خدا) کا ڈر جاتا رہے گا اور وہ (خدا کے) تخت کے پاس محبت اور ادب سے جائے گا جبکہ فرشتے (اس طرح) نغمہ سرا ہوں گے۔

مبارک ہو تیرا پاک نام

اے خدا ہمارے خدا

اور جب وہ تخت کے قریب پہنچے گا تو خدا اپنے رسول سے (اپنا ذہن) کھولے گا جیسے ایک دوست دوست سے، جب وہ بہت مدت سے نہ ملے ہوں۔ بولنے میں پہل خدا کا رسول کرے گا جو کہے گا میں تیری پرستش اور تجھ سے محبت کرتا ہوں اے میرے خدا اور اپنے سارے دل اور جان سے تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے پیدا فرمایا کہ تیرا خادم ہوں اور میری محبت میں سب کچھ بنایا تاکہ میں تجھ سے سب چیزوں کی خاطر اور سب چیزوں میں سب سے بڑھ کر محبت کروں سوائے میرے خدا! اپنے تمام مخلوقوں کو اپنی حمد کرنے (کی اجازت) دے۔ تب خدا کی پیدا کی ہوئی تمام چیزیں کہیں گی:

"ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں خداوند! اور تیرے پاک نام کی تقدیس کرتے ہیں۔۔۔۔" اور خدا اپنے رسول سے کلام کرے گا کہ:

تیرا آنا مبارک اے میرے وفادار بندے! سو مانگ جو تو چاہے کہ تجھے سب کچھ ملے گا۔" خدا کا رسول جواب دے گا اے خداوند! مجھے یاد ہے کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا تھا تو فرمایا تھا کہ میری محبت میں تو دنیا اور بہشت اور فرشتے اور انسان بنانا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ مجھ تیرے بندے کے واسطے سے، تیری تمجید کریں سو اے) خداوند! خدائے رحیم و عادل! میں تیری منت کرتا ہوں کہ اپنے خادم سے کیا ہوا وعدہ یاد فرما۔

اور خدا جیسے ایک دوست دوست سے ہنسی کرتا ہے فرمائے گا کیا تیرے پاس اس بات کے گواہ ہیں؟ اے میرے دوست (حبیب) محمد ﷺ اور وہ ادب سے کہے گا ہاں خداوند! گواہ بھی ہیں) تب خدا جواب میں کہے گا جا اور انہیں بلا اے جبریل فرشتہ جبرئیل خدا کے رسول کے پاس آئے گا اور کہے گا تیرے گواہ کون ہیں؟" خدا کا رسول جواب دے گا وہ ہیں آدم' ابراہام' اسمٰعیل' موسیٰ' داؤد اور یسوع مریم کا بیٹا تب فرشتہ جا کر ان مذکورہ گواہوں کو بلائے گا جو ڈرتے ہوئے ادھر جا میں گے اور جب وہ حاضر ہو جائیں گے تو خدا ان سے کہے گا:

Marfat.com

"میرا رسول جس بات کا دعویٰ کرتا ہے تمہیں یاد ہے۔
وہ جواب دیں گے کیا بات؟ اے خداوند!"
خدا فرمائے گا یہ کہ میں نے اس رسول کی محبت میں سب چیزیں بنائیں تاکہ سب چیزیں اس کے واسطے سے میری حمد کریں۔"
تب ان میں سے ہر ایک جواب دے گا ہمارے پاس تین گواہ ہم سے بہتر ہیں۔"
اور خدا جواب دے گا یہ تین گواہ کون ہیں؟
تب موسیٰ کہے گا پہلا (گواہ) وہ کتاب ہے جو تو نے مجھے عطا کی اور داؤد کہے گا "دوسرا (گواہ) وہ کتاب ہے جو تو نے مجھے دی اور جو تم سے مخاطب ہے (یعنی عیسیٰ یسوع) کہے گا "خداوند ساری دنیا نے شیطان کے بہکانے سے مجھے تیرا بیٹا اور تیرا ساجھی کہا مگر جو کتاب تو نے مجھے دی اس نے سچ سچ کہا کہ میں تیرا بندہ ہوں اور جو تیرا رسول دعویٰ کرتا ہے یہ کتاب اس کی تصدیق کرتی ہے تب خدا کا رسول گویا ہو کر کہے گا اے خداوند! جو کتاب تو نے مجھے دی ہے وہ بھی یہی کہتی ہے اور جب خدا کا رسول کہہ چکے گا تو خدا فرمائے گا۔
جو کچھ میں نے اب کیا (یعنی گواہوں کی گواہی وغیرہ لی یہ) اس لئے کیا کہ ہر ایک جان لے کہ میں (اے محمد ﷺ) تجھے کتنا عزیز رکھتا ہوں!" اور جب وہ یہ کہہ چکے گا تو خدا اپنے رسول کو ایک کتاب عطا کرے گا جس میں خدا کے تمام برگزیدوں کے نام درج ہیں۔ تب ہر مخلوق خدا کی تقدیس کرے گا۔
"اے خدا! تجھی کو جلال اور عزت ہو کیونکہ تو نے ہمارے تئیں اپنے رسول کو دیا ہے۔"
(باب ۵۵)

"خدا اپنے رسول کے ہاتھ میں وہ کتاب کھولے گا اور اس کا رسول اس میں سے پڑھ کر تمام فرشتوں اور نبیوں اور سب برگزیدوں کو بلائے گا اور ہر ایک کی پیشانی پر خدا کے رسول کی نشانی لکھی ہو گی اور کتاب میں بہشت کی شان لکھی ہو گی۔ تب خدا کے داہنے ہاتھ ہر ایک چلا جائے گا۔ خدا کے برابر خدا کا رسول بیٹھے گا اور اس کے بعد نبی بیٹھیں گے اور نبیوں کے بعد ولی بیٹھیں گے اور ولیوں کے بعد نیکو کار بیٹھیں گے اور تب فرشتہ نرسنگا بجا کر ابلیس کو عدالت میں طلب کرے گا۔ (باب ۵۶)
"جب سب کا حساب ہو چکے گا تو خدا اپنے رسول سے کہے گا دیکھو اے میرے دوست ان کی شرارت یہ کتنی بڑی رہی ہے کیونکہ میں ان کے خالق نے تمام مخلوق چیزیں ان کی خدمت پر لگائیں اور انہوں نے تمام باتوں میں میری بے حرمتی کی سو یہ عین انصاف ہے کہ میں ان پر رحم نہ کروں خدا کا رسول جواب دے گا یہ سچ ہے خداوند ہمارے پر جلال خدا تیرے دوستوں اور خادموں میں سے ایک بھی ان پر رحم کرنے کو تجھ سے نہ کہہ سکے گا بلکہ میں تیرا بندہ سب سے پہلے ان پر انصاف مانگتا ہوں۔" اور اس کے یہ بات کہتے ہی تمام فرشتے اور نبی مع خدا کے تمام برگزیدوں کے بلکہ میں (یسوع) برگزیدوں کو کیا کہوں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ مکڑیاں اور مکھیاں، پتھر اور ریت تب بدکاروں کے خلاف پکار اٹھیں گے اور انصاف طلب کریں گے۔" (باب ۵۷)

Marfat.com

باول ان کو چھاؤں کرے گا لوری چاند سنائے گا: یسوع نے جواب دیا---- میں اب دنیا میں خدا کے رسول ﷺ کے لئے راہ تیار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے لئے نجات لائے گا مگر خبردار دھوکا نہ کھانا کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی آئیں گے جو میری انجیل کو ناپاک کریں گے---- وہ (رسول) تمہارے وقت میں نہ آئے گا بلکہ کئی سال تمہارے بعد آئے گا جب میری انجیل کالعدم کردی جائے گی حتیٰ کہ بمشکل تیس ایماندار (دنیا میں) رہ جائیں گے اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا سو وہ اپنا رسول بھیجے گا جس کے سر کے اوپر ایک سفید بادل چھایا رہے گا جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جان لیا جائے گا اور خدا اسی کے ذریعے دنیا پر ظاہر ہو گا۔ وہ بے دینوں پر بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا اور زمین پر بت پرستی کو نیست کردے گا اور اس سے مجھے مسرت ہے کیونکہ اسی کے ذریعے ہمارے خدا کی معرفت اور تمجید ہو گی اور میرا نام سچا ہو گا اور وہ ان سے انتقام لے گا جو مجھے بشر سے کچھ بڑھ کر بتائیں گے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس کے بچپن میں چاند اس کو لوریاں دے کر سلایا کرے گا اور جب وہ بڑا ہو گا تو چاند کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے گا---- وہ تمام نبیوں سے زیادہ واضح سچائی کے ساتھ آئے گا---- ہمارے باپ کے شہر کے برج خوشی سے ایک دوسرے کو مبارک کہیں گے---- (باب ۷۲-۷۳)

۱۳۔ تحویل کعبہ کی خبر نیز یہ کہ ساری دھرتی کو مسجد کا درجہ ملے گا: یسوع نے کہا---- خدا روح اور سچائی ہے---- خدا کا عہد یروشلم میں سلیمان کے مقدس میں ہوا تھا نہ کہیں اور پر میرا یقین کر ایک وقت آئے گا جب خدا اپنی رحمت ایک اور شہر میں دے گا اور ہر جگہ سچائی میں اس کی عبادت کرنا ممکن ہو گا اور خدا رحمت سے سچی عبادت ہر جگہ پر قبول فرمائے گا۔"

عورت (جس سے یسوع باتیں کرتے تھے) نے کہا "ہم مسیح کے منتظر ہیں جب وہ آئے گا تو ہمیں تعلیم دے گا یسوع نے کہا اے عورت تو جانتی ہے کہ مسیح ضرور آئے گا۔

عورت---- ہاں آقا۔

تب یسوع نے خوش ہو کر کہا اے عورت تو ایماندار ہے----

عورت "اے آقا شاید تو ہی مسیح ہے۔

یسوع بے شک میں اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مگر میرے بعد ساری دنیا کی طرف خدا کا بھیجا ہوا مسیح آئے گا۔ جس کے لئے خدا نے دنیا بنائی ہے اور تب ساری دنیا میں خدا کی عبادت ہو گی اور رحمت ملے گی یہاں تک کہ جشن کا سال جو اب ہر سویں (۱۰۰) برس آتا ہے مسیح کی بدولت ہر سال (غالباً لیلۃ القدر) اور ہر جگہ آنے لگے گا۔ (باب ۸۲)

۱۴۔ غالباً لیلۃ القدر: آدھی رات کی نماز کے بعد شاگرد یسوع کے قریب آئے اور اس نے ان سے کہا کہ "خدا کے رسول کے وقت میں یہ رات ہر سال جشن کی رات ہو

کی جو اب ہر سویں برس آتا ہے میں نہیں چاہتا کہ ہم سوئیں۔ بلکہ آؤ دعا کریں۔۔۔۔" (باب ۸۳)

دعا مانگ کر یسوع نے کہا "آؤ خدا کا شکر ادا کریں کیونکہ اس نے ہمیں اس رات بڑی رحمت عطا کی ہے کہ اس نے وہ وقت پیچھے لوٹا دیا جو اسی رات میں گزرے گا اس طرح کہ ہم نے خدا کے رسول کے ساتھ مل کر نماز پڑھی ہے اور میں نے اس کی آواز سنی ہے۔ (باب ۸۴)

۱۵۔ ایمان کیسے ملتا ہے؟

(جب (فجر کی) نماز ہو چکی تو یسوع نے یوحنا کو پاس بلا کر بتلایا)

"۔۔۔۔ایمان ایک مہر ہے جو خدا اپنے برگزیدوں پر لگاتا ہے یہ مہر اس نے اپنے رسول کو دی جس کے ہاتھوں ہر ایک نے جو برگزیدہ ہے ایمان حاصل کیا کیوں؟ جیسے خدا ایک ہے اسی طرح ایمان بھی ایک ہے۔ اسی خدا نے سب چیزوں سے پہلے اپنا رسول پیدا کر کے اسے ہر چیز سے پہلے ایمان دیا جو گویا خدا کی اور ہر کچھ خدا نے کیا اور کہا اس کی شبیہ ہے سو یوں جو کوئی اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اس سے بہتر ایماندار ایمان کی آنکھوں اور روشنی سے سب چیزیں دیکھتا ہے کیونکہ آنکھیں غلطی کر سکتی ہیں مگر ایمان کبھی غلطی نہیں کرتا۔ (باب ۹۰)

۱۶۔ رسول رحمت و خاتم النبیین:

یسوع نے کہا "۔۔۔میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کا انتظار دنیا کی تمام قوموں کو ہے جیسا کہ خدا نے ہمارے باپ ابرہام سے وعدہ کیا تھا تیری نسل میں میں زمین کی تمام قوموں کو برکت دوں گا۔ لیکن جب خدا مجھے دنیا سے اٹھالے گا۔۔۔۔ اور میری تعلیم ناپاک ہو جائے گی یہاں تک کہ بمشکل تمیں ایک صاحب ایمان رہ جائیں گے جس پر خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنا رسول بھیجے گا جس کے لئے اس نے سب چیزیں بنائی ہیں جو دکھن سے طاقت کے ساتھ آئے گا اور بتوں کو بت پرستوں سمیت برباد کر دے گا جو ابلیس سے وہ غلبہ چھین لے گا جو اسے انسانوں پر حاصل ہے وہ اپنے ساتھ خدا کی رحمت ان کی نجات کے لئے لائے گا جو اس پر ایمان لائیں گے اور مبارک ہے وہ جو اس کے کلام پر ایمان لائے گا۔ (باب ۹۶)

"گو میں اس (رسول) کے موزے کھولنے کے لائق نہیں ہوں پر مجھے خدا کا فضل اور رحمت ملی کہ اسے دیکھوں۔" (باب ۹۷)

تب یسوع نے کہا۔۔۔۔ "میری تسلی اس رسول کے آنے میں ہے جو میرے بارے میں ہر فاسد خیال مٹائے گا اور اس کا دین پھیل کر تمام دنیا پر حاوی ہو جائے گا۔ کیونکہ یہی وہ وعدہ (ہے جو) خدا نے ہمارے باپ ابراہیم سے کیا ہے۔۔۔۔ کاہن نے پوچھا کیا خدا کے رسول کے آنے کے بعد اور نبی (بھی) آئیں گے؟" یسوع نے جواب دیا اس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہ آئیں گے مگر جھوٹے نبیوں کی بڑی تعداد آئے گی جس کا مجھے رنج ہے۔ کیونکہ ابلیس انہیں خدا کے سچے انصاف کے مطابق اٹھائے گا اور وہ اپنے آپ کو میری بشارت کے پردے میں چھپائیں گے۔" (باب ۹۷)

Marfat.com

۱۷۔ محمد ﷺ قابل تعریف ہے روز ازل سے ہی:

کاہن نے کہا وہ مسیح کیا کہلایا جائے گا اور کس نشان سے اس کا آنا ظاہر ہو گا؟ یسوع نے جواب دیا "اس مسیح کا نام قابل تعریف ہے کیونکہ خود خدا نے اس کا یہ نام رکھا ہے جب اس نے اس کی روح پیدا کی اور اسے ملکوتی شان میں رکھا خدا نے کہا اے محمد ﷺ! انتظار کر کیونکہ میں تیری خاطر بہشت، دنیا اور بڑی تعداد میں مخلوق پیدا کیا چاہتا ہوں۔ جس کو میں تجھے تحفے میں دیتا ہوں یہاں تک کہ جو تجھے مبارک کہے گا مبارک ہو گا اور جو تجھے کوسے گا لعنتی ہو گا۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو اپنا رسول نجات بنا کر بھیجوں گا اور تیرا کلام سچا ہو گا یہاں تک کہ آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن تیرا دین نہ ٹلے گا سو اس کا پاک نام محمد ﷺ ہے۔

تب بھیڑ (ہجوم) نے اپنی آوازیں بلند کر کے کہا "اے خدا ہمیں اپنا رسول بھیج اے محمد ﷺ! دنیا کی نجات کے لئے جلد آ۔ (باب ۹۷)

۱۸۔ اسمٰعیل ہی ذبیح تھے:

(یسوع نے کہا) ابرہام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو جائز حد سے زیادہ چاہا جس پر خدا نے ابرہام کے دل سے یہ غلط محبت ختم کرنے کے لئے حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دے اور وہ یہ کر ڈالتا اگر چھری کام کر جاتی۔" (باب ۹۹)

۱۹۔ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا اور رسول اللہ ﷺ کی گواہی:

یسوع نے برناباس کو بتلایا۔ یقین جان برناباس کہ جتنا رویا جانا چاہئے میں (اتنا) نہیں رو سکتا کیونکہ اگر لوگ مجھے خدا نہ کہتے تو میں خدا کو یہاں دیکھ لیتا۔ جیسے بہشت میں وہ دیکھا جائے گا۔۔۔۔ اگر میں خدا نہ کہلایا جاتا تو میں دنیا چھوڑنے پر بہشت میں پہنچا دیا جاتا۔ جبکہ اب میں وہاں عدالت تک نہ جاؤں گا۔۔۔۔ اے برناباس! جان لے کہ میں اس کی بدولت بڑی اذیت میں مبتلا ہوں اور میں اپنے ایک شاگرد (یہوداہ) سے تیس روپے کے عوض بیچا جاؤں گا۔ جس پر مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہ میرے نام سے مارا جائے گا کیونکہ خدا مجھے زمین سے اٹھا لے گا اور اس غدار کی شکل بدل دے گا کہ ہر کوئی اسے سمجھے گا کہ میں عیسیٰ ہوں۔ پھر بھی جب وہ بری موت مرے گا تو میں دنیا میں لمبی مدت تک اسی ذلت میں رہوں گا۔ لیکن جب محمد ﷺ خدا کا مقدس رسول آئے گا تو یہ بدنامی (خدا یا خدا کا بیٹا) دور ہو جائے گی اور خدا یہ اس لئے کرے گا کیونکہ میں نے مسیح کی سچائی کا اقرار کیا ہے جو مجھے یہ انعام دے گا کہ مجھے زندہ اور بدنامی کی موت سے اجنبی (مبرا) جان لیا جائے گا۔۔۔۔ (باب ۱۱۲)

۲۰۔ دعائے عیسیٰ:

"خداوند خدائے قادر و رحیم! جس نے ہمیں اپنی رحمت سے پیدا کیا ہمیں انسانوں اپنے بندوں کا رتبہ بخشا۔ تیرے سچے رسول پر ایمان رکھنے کے ساتھ ہم تیری تمام نعمتوں کے لئے تیرے شکرگزار ہیں اور اپنے جیتے جی تیری ہی تقدیس کرتے رہیں گے اور

Marfat.com

مرتے دم تک تیری بندگی میں اپنی زندگی وقف کردیں گے اے خدا تو ہمیں محفوظ رکھ ابلیس سے، جسم کی ہوس سے، اور دنیا سے جیسے تو نے اپنے برگزیدوں کو محفوظ رکھا تیری اپنی محبت کی خاطر اور اپنے رسول کی محبت کی خاطر جس کے لئے تو نے ہمیں پیدا کیا اور اپنے تمام مقدسوں اور نبیوں کی خاطر۔" (باب ۱۲۲)

(اور شاگرد آمین کہتے رہے۔)

۲۱- دین حق میں تبدیلی کا نتیجہ:

یسوع نے کہا جو بات موسیٰ کی کتاب کے مطابق ہو اسے سچی جان کر قبول کرو کیونکہ خدا ایک ہے تو سچائی بھی ایک ہے۔ اسی سے یہ نتیجہ نکلا کہ تعلیم ایک ہے اور تعلیم کا معنی (بھی) ایک ہے اور لہٰذا ایمان ایک ہے میں تم کو سچ کہتا ہوں کہ اگر موسیٰ کی کتاب سے سچائی مٹانہ دی گئی ہوتی تو خدا ہمارے باپ داؤد کو دوسری کتاب نہ دیتا۔ اور اگر داؤد کی کتاب آلودہ نہ کردی گئی ہوتی تو خدا مجھے انجیل نہ عطا کرتا کیونکہ خداوند ہمارا خدا غیر متبدل ہے اور تمام انسانوں کو ایک ہی پیغام دیتا آیا ہے سو جب خدا کا رسول آئے گا تو وہ سب پاک کرنے آئے گا جس سے بدکاروں نے میری کتاب ناپاک کردی ہوگی۔" (باب ۱۲۴)

۲۲- رسول اللہ دوزخ کا ملاحظہ فرمائیں گے:

یسوع نے کہا "ہر ایک خواہ کوئی بھی ہو جہنم میں جاکر رہے گا البتہ یہ سچ ہے کہ خدا کے مقدس اور نبی وہاں سزا پانے نہیں بلکہ ملاحظہ کرنے جائیں گے وہاں تو خدا کا رسول بھی جائے گا۔ خدا کا انصاف ملاحظہ کرنے اس وقت اس کی موجودگی سے جہنم کانپ اٹھے گی۔ اور چونکہ اس کا جسم بشری ہے تو وہاں جتنے بشری بدن والے سزا پار رہے ہوں گے جب تک خدا کا رسول جہنم ملاحظہ کرنے کے لئے وہاں ٹھہرے گا تب تک ان کی سزا موقوف رہے گی لیکن وہ وہاں اتنی دیر (ہی) ٹھہرے گا جتنی دیر آنکھیں موندنے اور کھولنے (آنکھ جھپکنے) میں لگتی ہے اور خدا ایسا اس لئے کرے گا کہ تمام مخلوق جان لے کہ اس پر خدا کے رسول کا احسان ہوا ہے۔ جب وہ (رسول خدا) وہاں جائے گا تو تمام شیطان چلائیں گے اور ایک دوسرے سے یہ کہہ کر اپنے تئیں جلتی بھوبھل کے نیچے چھپانے کی کوشش کریں گے کہ "بھاگو بھاگو! ہمارا دشمن محمد ﷺ آتا ہے۔" جسے سن کر ابلیس اپنے منہ پر دو ہتڑ مارے گا اور چیخ مار کر کہے گا "اے محمد ﷺ! تو میرے علی الرغم مجھ سے افضل (ٹھہرایا گیا) اور یہ (فیصلہ) غیر منصفانہ ہوا ہے۔ (باب ۱۳۶)

۲۳- بد عمل اہل ایمان کی دوزخ سے خلاصی بوسیلہ محمد ﷺ:

یسوع نے کہا

"رہے اہل ایمان جن کے بہتر ۷۲ درجے ہیں۔ تو آخری دو درجوں والے جن کا ایمان تو ہے لیکن نیک اعمال نہیں۔۔۔۔۔ ستہ ہزار سال تک جہنم میں رہیں گے۔ ان سالوں کے بعد فرشتہ جبرئیل جہنم میں آئے گا اور انہیں یہ کہتے ہوئے سنے گا۔

"اے محمد ﷺ! کہاں ہیں ہم سے کیے ہوئے تیرے وہ وعدے کہ جن کا ایمان ہو گا وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے نہ رہیں گے؟ تب خدا کا فرشتہ واپس جائے گا اور خدا کے رسول کے پاس پہنچ کر ادب

Marfat.com

سے، جو کچھ سنا تھا بیان کرے گا تب خدا کا رسول خدا سے عرض کرے گا خداوند میرے خدا یاد کر وہ وعدہ جو تو نے اپنے بندے سے ان کی بابت کیا تھا کہ جنہوں نے میرا دین قبول کیا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہیں گے" خدا جواب دے گا---- جو چاہے مانگ اے میرے حبیب تو جو کچھ مانگے میں تجھے عطا کروں گا----"

تب خدا کا رسول عرض کرے گا اے خداوند ایمان داروں میں سے وہ بھی ہیں جو ستر ہزار سال سے جہنم میں ہیں اے اللہ---- کہاں ہے تیری رحمت؟ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں خداوند کہ انہیں بے پناہ سزاؤں سے آزاد فرما---- "تب خدا چاروں مقرب فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ جہنم میں جا کر ہر ایک کو جو اس کے رسول کے دین پر (ایمان رکھتے) ہوں نکال لیں اور بہشت میں لے جائیں اور وہ ایسا ہی کریں گے اور خدا کے رسول کے دین کا یہ فائدہ ہو گا کہ جو (لوگ) اس پر ایمان لائے ہوں گے، چاہے انہوں نے کوئی نیک کام نہ بھی کئے ہوں (تو بھی) اس دین پر مرنے کے باعث وہ بہشت میں جائیں گے اس سزا کے بعد جس کا میں نے ذکر کیا۔" (باب ۱۳۶-۱۳۷)

۲۴- تقدیر کا بھید محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہی جانتے ہیں:

یسوع نے کہا "اے بھائیو- تقدیر ایسے راز کی بات ہے کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں یہ ایک آدمی پر عیاں ہوگی وہ وہی ہے تو میں جس کی راہ دیکھ رہی ہیں جس پر خدا کے راز ایسے عیاں ہیں کہ جب وہ دنیا میں آئے گا تو مبارک ہوں گے وہ جو اس کا کلام سنیں گے کیونکہ خدا ان پر اپنی رحمت سے ایسے ہی سایہ فگن کرے گا جیسے یہ نخل ہم پر سایہ فگن ہے- ہاں جیسے یہ درخت ہمیں دھوپ کی چلچلاتی گرمی سے بچاتا ہے ویسے ہی خدا کی رحمت ابلیس سے انہیں بچائے رکھے گی جو اس پر ایمان لائیں" شاگردوں نے اسے پوچھا وہ آدمی کون ہو گا اے استاد جس کا تو ذکر کرتا ہے جو دنیا میں آئے گا؟

یسوع نے دلی مسرت سے جواب دیا۔

"وہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا رسول ہے اور جب وہ دنیا میں آئے گا تو جیسے بارش زمین سے پھل اگاتی ہے جب بہت عرصے سے بارش نہ ہوئی ہو، ویسے ہی اس بے انتہا رحمت کی بدولت جو وہ لائے گا وہ لوگوں میں نیک کاموں کا باعث ہو گا کیونکہ وہ ایک سفید بادل ہے خدا کی رحمت سے معمور اور یہ رحمت ایمانداروں پر خدا بارش کی طرح برسائے گا۔" (باب ۱۶۳)

۲۵- بہشت میں روح کے ساتھ بدن بھی ہو گا (اسی طرح دوزخ میں بھی):

پطرس نے کہا تو کیا ہمارا یہ بدن بھی جو اب ہے بہشت میں جائے گا؟

یسوع نے جواب دیا۔ "خبردار پطرس کہیں تو صدوقی نہ ہو جائے کیونکہ صدوقی کہتے ہیں کہ جسم دوبارہ نہ اٹھے گا اور یہ کہ فرشتے بھی نہیں ہیں- اسی لئے ان کے بدن اور روح پر بہشت میں جانا حرام

Marfat.com

ہے---- کیا تو ایوب، خدا کے نبی اور دوست، کو بھول گیا وہ کیا کہتا ہے---- "میں جانتا ہوں کہ میرا خدا زندہ ہے اور آخری دن، میں اپنے جسم میں پھر اٹھوں گا اور اپنی آنکھوں سے خدا، اپنے منجی، کو دیکھوں گا۔" پریقین کر---- ہمارا یہ جسم (بہشت میں) ایسا پاک ہو جائے گا کہ اس میں ان باتوں کی ایک بھی خصوصیت نہ رہے گی جو اب ہیں۔ اس لئے کہ وہ ہر بری خواہش سے پاک کر دیا جائے گا اور خدا اسے اس حالت میں لے آئے گا جو گناہ کرنے سے پہلے آدم کی (حالت) تھی۔" (روح اور بدن گویا ایک مالک کے دو نوکر ہیں۔ ایک حکم دیتا ہے دوسرا بجالاتا ہے لیکن مزدوری کے وقت حکم دینے والے کو اجر ملے اور بجالانے والے کو گھر سے نکال دیا جائے۔ یہ انصاف نہیں۔)

"پھر خدا کا انصاف یہ کیسے برداشت کرے؟ انسان کی روح اور بدن مع نفس کے خدا کی خدمت کرتے ہیں۔ روح صرف کام دیکھتی اور حکم چلاتی ہے کیونکہ روح جب کھاتی نہیں تو روزہ بھی نہیں رکھتی۔ (روح) چلتی نہیں گرمی اور سردی محسوس نہیں کرتی۔ بیمار نہیں پڑتی اور قتل نہیں ہوتی کیونکہ روح غیر فانی ہے وہ جسمانی دکھ بھی نہیں بھگتتی جو عناصر کے ہاتھوں بدن بھگتتا ہے سو میں کہتا ہوں کیا یہ انصاف ہے کہ صرف روح بہشت میں جائے اور بدن نہ جائے جس نے خدا کی خدمت میں اپنے آپ کو اتنا کھپایا ہے؟" (باب ۱۷۳)

"---- بھلا بہشت کے کھانے کون کھائے گا اگر بدن وہاں نہ جائے کیا روح---- ؟

بالکل نہیں---- وہ تو جوہر ہے۔" (باب ۱۷۴)

"یقیناً خدا صاف صاف کہتا ہے۔ آخر کس مقصد کے لئے بہشت میں قیمتی مشروب کے چار دریا ہیں---- اور اتنے بہت سے پھل۔ یقیناً نہ خدا کھاتا ہے نہ فرشتے---- نہ روح اور نہ نفس کھاتا ہے۔ بلکہ ہمارا جسم جو ہمارا بدن ہے (ہی کھا سکتا ہے) لہٰذا بہشت کی عظمت بدن کے لئے کھانے ہیں اور روح اور نفس کے لئے خدا ہے اور فرشتوں اور مبارک روحوں کی گفتگو---- بہشت کی عظمت اور بھی اچھی طرح خدا کا رسول واضح کرے گا جو ہر دوسری مخلوق سے کہیں (کئی درجے) بہتر باتیں جانتا ہے (کہ اسی کی محبت میں خدا نے سب چیزیں پیدا کی ہیں۔" (باب ۱۷۶)

۲۶۔ بہشت کے سورج اور چاند:

برناباس نے عرض کی---- "اے استاد! کیا بہشت بھی سورج سے روشنی لیتی ہے؟---- جیسے یہ دنیا؟"

یسوع نے جواب دیا "اے برناباس! خدا نے مجھے یوں فرمایا ہے:

"جس دنیا میں تم انسان جو گنہگار ہو، رہتے ہو---- اس کے سورج اور چاند ستارے ہیں جو تمہارے فائدے اور تمہاری مسرت کے لئے اسے زینت دیتے ہیں کہ (وہ) اسی لئے میں نے پیدا کئے ہیں۔"

"سو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جس گھر میں میرے ایماندار رہتے ہیں وہ بہتر نہ ہوگا؟---- یقیناً تمہارا یہ خیال غلط ہے---- کیوں کہ میں تمہارا خدا، بہشت کا سورج ہوں اور میرا رسول (بہشت کا) چاند

Marfat.com

ہے۔ جو مجھ سے سب کچھ لیتا ہے اور سارے میرے انبیاء ہیں جنہوں نے تمہیں میری مرضی کی تبلیغ کی ہے۔۔۔۔" (باب ۱۷۷)

۲۷۔ بہشت کی وسعت: "۔۔۔۔ میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ بہشت ساری زمین اور سارے آسمانوں سے (ملا کر) اتنی بڑی ہے جتنی ساری زمین۔۔۔۔ ریت کے (ایک) ذرے سے بڑی ہے۔" (باب ۱۷۸)

۲۸۔ حضور ﷺ اسمٰعیل کی اولاد سے: حضرت عیسیٰ نے ایک بڑے یہودی عالم سے پوچھا کہ تو تو مفتی ہے بتا۔۔۔۔ توراۃ کی رو سے مسیح کا وعدہ ابرہام سے کس میں ہوا تھا وہ عالم ڈرتے ہوئے اقرار کرتا ہے کہ میں سچ بتا دوں تو موت کی سزا پاؤں گا۔ تب خدا کی شریعت کی ترجیحی بنیادوں پر طرفداری کے حوالے سے فقیہ نے کہا۔

فقیہ۔۔۔۔ "میں نے ایک پرانی کتاب خدا کے خادموں اور نبیوں، موسیٰ اور یشوع کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہے۔۔۔۔ جو موسیٰ کی اصلی کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اسمٰعیل مسیح کا باپ ہے اور اضحاق مسیح کے رسول کا باپ۔۔۔۔ اور وہ کتاب یوں کہتی ہے کہ موسیٰ نے کہا:"

"خداوند! اسرائیل کے خدا۔۔۔۔ قوی و رحیم! اپنے خادم پر اپنی کبریائی کی شان ظاہر فرما"۔۔۔۔ جس پر خدا نے اسے اپنا رسول اسمٰعیل کی گود میں اور اسمٰعیل (کو) ابرہام کی گود میں دکھلایا۔۔۔۔ اسمٰعیل کے قریب اضحاق کھڑا تھا۔ جس کی گود میں ایک بچہ۔۔۔۔ تھا۔ جو خدا کی رسول کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے کہتا تھا۔

"یہ ہے وہ جس کے لئے خدا نے سب چیزیں پیدا کیں۔"

اس پر موسیٰ خوشی سے پکار اٹھا:

"اے اسمٰعیل! تیری گود میں ساری دنیا اور بہشت ہے۔۔۔۔ مجھ خدا کے خادم۔۔۔۔ کا خیال رکھیو! کہ میں تیرے بیٹے کے ذریعے، جس کے لئے خدا نے سب کچھ بنایا، خدا کی نظر میں وسعت پا سکوں۔" (باب ۱۹۰۔۱۹۱)

(نوٹ: باب ۱۹۲ میں لکھا ہے کہ اس فقیہ کا نام نیکودمس یا نیکدمس تھا)

یسوع نے کہا۔۔۔۔ "۔۔۔۔ میں سچ کہتا ہوں ابرہام کا یہ بیٹا اسمٰعیل تھا جس کی نسل سے مسیح آنے کو ہے جس کا ابرہام سے وعدہ تھا۔۔۔۔ کہ اسی میں زمین کے تمام قبیلے برکت پائیں گے۔" (باب ۲۰۸)

یہ سن کر سردار کاہن غضبناک ہو کر بولا کہ یہ شخص اسمٰعیلی ہے اسے سنگسار کر دو کیونکہ اس نے موسیٰ اور خدا کی شریعت کے خلاف کفر بکا ہے۔ اس پر یسوع لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

۲۹۔ دعائے عیسیٰ: (پھر یسوع نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی)۔۔۔۔ "خداوند کریم و رحمت ماب! اپنے غلام کو عدالت کے دن اپنے رسول کی جماعت میں ہونے کی سعادت بخش

Marfat.com

اور مجھ کو نہیں بلکہ ہر ایک امتی کو جو تو نے مجھے دیا ہے' ان سب سمیت جو ان کی تبلیغ کے وسیلے سے مجھ پر ایمان لائیں' (ان کو بھی یہی سعادت بخش) اور اے خداوند! ایسا اپنی ہی خاطر کر تاکہ ابلیس تیرے مقابل شیخی نہ بگھارے ---- خداوند ---- ! ---- زمین کے ان تمام قبیلوں کا (بھی) خیال رکھیو جنہیں تو نے اپنے رسول کی معرفت برکت دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس کے لئے تو نے دنیا پیدا کی۔ دنیا پر رحم فرما اور اپنا رسول جلد بھیج تاکہ ابلیس کی' جو تیرا دشمن ہے سلطنت چھن جائے۔" اور یہ کہہ کر یسوع نے تین بار (آمین) کہا ---- ایسا ہی ہو "خداوند عظیم و رحیم۔" (باب ۲۱۲)

۳۰۔ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف زندہ اٹھایا جانا اور واپسی اور دوبارہ ترفیع:

(آخر یہوداہ نامی حواری نے سردار کاہن سے تیس اشرفیوں کے عوض عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑوانے کا سودا کر لیا۔ رقم حاصل کر کے یہوداہ سپاہیوں کے ساتھ وہاں جا پہنچا جہاں عیسیٰ علیہ السلام اپنے گیارہ حواریوں کی ساتھ موجود تھے۔)

"تب خدا نے اپنے خادم (عیسیٰ) کو خطرہ میں دیکھ کر اپنے کارگزاروں جبرئیل' میکائیل' رفائیل اور اوریل کو حکم دیا کہ یسوع کو دنیا سے نکال لائیں ---- (مقدس فرشتے دکھن کو کھلنے والی کھڑکی میں سے یسوع کو نکال کر لے گئے) اور انہوں نے اسے تیسرے آسمان پر لا بٹھایا۔ ان فرشتوں کی صحبت میں جو ابد تک خدا کی حمد کرتے ہیں۔" (باب ۲۱۵) "یہوداہ (اتنے میں) جھپٹ کر سبھوں سے پہلے اس حجرے میں داخل ہوا۔ جہاں سے یسوع کو اٹھالیا گیا تھا اور شاگرد سو رہے تھے۔ اس پر خدا نے حیرت انگیز کام کیا وہ یہ کہ یہوداہ کو بدل کر بول چال اور چہرے میں ایسا یسوع کی مانند ہو گیا کہ (بقول برناباس) ہم اسے یسوع ہی سمجھے اور وہ ہمیں جگا کر دریافت کرنے لگا کہ استاد کہاں ہے۔ اس پر ہم نے تعجب کیا اور جواب دیا ---- "آقا! تو ہی تو ہمارا استاد ہے۔ کیا تو اب ہمیں بھول گیا؟" وہ مسکرا کر بولا "کیا تم احمق ہو کہ مجھے یہوداہ اسکریوتی کو نہیں سمجھتے (پہچانتے) وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ سپاہ داخل ہوئی اور یہوداہ پر ہاتھ ڈال دیا کیونکہ وہ ہر طرح سے یسوع جیسا تھا ہم یہوداہ کی باتیں سن کر اور سپاہیوں کا انبوہ دیکھ کر گویا بدحواس (ہو کر) بھاگ کھڑے ہوئے ---- اور یوحنا جو ایک مہین چادر لپیٹے ہوئے تھا جاگ کر بھاگا اور جب ایک سپاہی نے اسے چادر سے پکڑا تو وہ چادر چھوڑ کر ننگا (ہی) بھاگ کھڑا ہوا۔ کیونکہ خدا نے یسوع کی دعا سن لی اور گیارھوں کو آفت سے بچالیا۔ (باب ۲۱۶)

سپاہیوں نے یہوداہ کو پکڑ کر باندھا اور مذاق بھی اڑایا کیونکہ اس نے یسوع ہونے سے صحیح انکار کیا ---- تب سپاہیوں کا صبر جواب دے گیا اور وہ یہوداہ کی گھونسوں اور لاتوں سے تواضع کرتے ---- یروشلم لے گئے ---- (برناباس کہتا ہے کہ) میں یہ کیوں کہوں کہ بڑے کاہن ہی یہوداہ کو یسوع نہیں سمجھ رہے تھے بلکہ سب شاگرد (حواری) بھی اس سمیت جو یہ لکھتا ہے (برناباس بھی) ---- (حتیٰ یسوع کی کنواری ماں مریم بھی ---- اور اس کے رشتہ دار بھی) (باب ۲۱۷) (اور برناباس کو غم کی شدت کی وجہ سے

Marfat.com

یہ بھی یاد نہ رہا کہ یسوع نے اپنے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر کیا تھا وغیرہ۔)
(آخر یہوداہ کو صلیب پر لٹکا دیا گیا اور اس کے شاگردوں نے اسے دفنا دیا) (پھر لوگوں نے اس کی لاش قبر سے غائب کر دی اور مشہور کر دیا کہ مسیح دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔ پھر دعائے مریم سے عیسیٰ علیہ السلام انہی چار فرشتوں کے ہمراہ آسمان سے اترے اور مریم کو سارا واقعہ سنایا۔ اس موقع پر برناباس نے یسوع سے سوال جواب بھی کئے یسوع نے بتایا کہ یہوداہ کی شکل میں میرا مذاق اڑایا جا چکا ہے) "اور یہ ہنسی اس وقت تک اڑتی رہے گی جب تک محمد ﷺ خدا کا رسول نہ آجائے کہ وہ جب آئے گا تو اس فریب کو ان پر فاش کرے گا جو خدا کی شریعت پر ایمان لائیں۔ (باب ۲۲۰)

برناباس کو عیسیٰ علیہ السلام کی آخری نصیحت: پھر یسوع اس کی طرف مڑا جو لکھتا ہے---- اور بولا---- "دیکھ برناباس! تو ضرور بالضرور میری انجیل لکھنا۔ اس سب کے متعلق جو میرے دنیا میں رہتے ہوئے پیش آیا ہے اور اسی طرح وہ بھی لکھنا جو یہوداہ پر افتاد پڑی تاکہ ایمان والے فریب سے نکل سکیں---- پھر یسوع نے ماں اور شاگردوں کے لئے دعا کی اور---- "تب ان کی آنکھوں کے سامنے چاروں فرشتے اسے آسمان میں اٹھا کر لے گئے۔" (باب ۲۲۱)

Marfat.com

سیرت سید لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حصّہ دوم

حضورؐ کا حسب نسب، آباؤ اجداد
ولادت سے وفات تک کے حالات

ابوالبقاء قدر آفاقی

Marfat.com

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حسب نسب

حسب نسب کو یاد رکھنے کی ابتداء ہابیل اور قابیل (بن آدم علیہ السلام) کے درمیان اٹھنے والے جھگڑے کی وجہ سے ہوئی۔ جس میں قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا اور اس وقت کی شریعت کے برخلاف اس لڑکی سے زبردستی شادی رچالی جو اس کے لئے حرام تھی لیکن قابیل اپنی زبردستی کی بیوی کو لیکر پہاڑوں کی طرف نکل گیا جہاں اس کی اولاد خوب بڑھی پھولی۔ ادھر آدم علیہ السلام کے فرمانبردار بیٹے آدم علیہ السلام کے ساتھ رہائش رکھا کئے یہ لوگ اللہ کے راستے پر تھے۔ لہٰذا کوشش یہ ہوتی کہ نافرمانوں سے تعلق نہ رکھا جائے اور اہل حق و اطاعت اہل فسق و فجور سے خلط ملط نہ ہوں۔ انسانیت کے اسی دور سے رشتوں کا لحاظ رکھنے کی ابتداء ہوئی اور شجرہ یاد رکھنے کا کام انسانیت کا لازمی جزو قرار پایا اور دنیا بھر میں شعوب و قبائل کا نظام متعارف اور جاری ہوا جس کا لحاظ قرآن حکیم نے بھی رکھا اور نسلی وارثان کو ہی جائیداد متروکہ وغیرہ کا صحیح وارث قرار دیا ہے۔ ورنہ مدینہ منورہ میں اسلامی سلسلہ مواخات کے بعد یہ خیال کیا جانے لگا تھا کہ شاید یہ بھائی چارہ سسٹم پرانے وراثتی نظام کی جگہ لے لے گا جس کی بنیاد اسلامی مواخات پر تھی۔

تورات اور انجیل میں بھی یہودی اور عیسائی علمائے نسب نے شجرہ نویسی کو بڑی وضاحت سے جگہ دی ہے۔ قرآن حکیم میں اختصاراً بعض انبیاء اور ان کے خاندانوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہودی اور عیسائی علمائے نسب نے حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی طرف کم ہی توجہ دی تھی۔ نیز حضرت اسماعیل حجاز کی مقدس وادی میں آن بسے تھے اس لئے ان سے رابطہ بھی کم ہی ہوتا تھا۔ بہرحال اسماعیلی سلسلہ کے بزرگوں نے اپنا شجرہ نسب یاد رکھنے کی شاندار مثالیں قائم کیں حتیٰ کہ بعض عرب قبائل اپنے اونٹوں کے شجرے بھی خوب یاد رکھتے تھے اور یہ سب کچھ زبانی یادداشت کا کمال تھا۔ جن کو علمائے نسب نہایت تحقیق کے بعد قلمبند کر لیتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شجرہ یاد رکھنا برکت کا باعث ہے۔ معد بن عدنان تک اپنا شجرہ آپ ﷺ خود بھی بیان فرمایا کرتے تھے۔

دنیا بھر کے ممالک میں شعوب و قبائل کی پہچان بڑی اہمیت کی حامل ہوتی تھی۔ قرآن حکیم نے تقویٰ اور پرہیزگاری کو معیار شرافت قرار دیا ہے اور شعوب و قبائل کو محض پہچان کا ذریعہ کہا ہے۔ بہرحال اپنی خاندانی شرافت اور بزرگی پر سید لولاک ﷺ (متکبرانہ) فخر فرمایا کرتے تھے۔ جسے صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ آئندہ صفحات میں آپ کا شجرہ مختلف روایات کی روشنی میں باحوالہ بیان کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

محمد رسول اللہ ﷺ کا شجرہ نسب: محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب (اصل نام شیبہ) بن ہاشم (اصل نام عمرو) بن عبد مناف (اصل نام المغیرہ) بن قصیٰ (اصل نام زید) بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (اصل نام عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

(یہاں تک سلسلہ نسب مسلمہ ہے۔ اس سے آگے قطعی نہیں اگرچہ سیرت ابن ہشام میں اس سے آگے بھی سلسلہ نسب دیا ہے جس کی بنیاد محمد بن اسحاق کی روایت پر ہے)

عدنان بن اد (یا۔ ادد) بن مقوم بن ناحور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ

محمد بن اسحاق المطلبی کی روایت سے زیاد بن عبداللہ بکائی نے مندرجہ بالا شجرہ نسب حضرت ابراہیمؑ تک بیان کیا اور اس سے آگے یہ شجرہ اس طرح دیا:

ابراہیمؑ بن تارح بن ناحور بن ساروغ بن راعو بن فالخ بن عیبر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوع (آپ کو ادریسؑ بھی کہتے ہیں) بن یرد بن مہلیل بن قینن بن یانش بن شیث بن آدم علیہ السلام خلاد بن قرہ بن خالد السدوسی نے شیبان بن زہیر بن شقیق بن ثور سے اور انہوں نے قتادہ دعامہ کی روایت سے حضرت اسماعیلؑ سے آگے اس طرح شجرہ بیان کیا ہے:

اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ بن تارح بن ناحور، بن اسرغ بن ارعو، بن فالخ بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوع بن یرذ ابن مہلائیل بن قائن بن انوش بن شیث بن آدمؑ (ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۱)

ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کی زبانی سنا۔۔۔ "معد بن عدنان بن ادد بن زند بن یری بن اعراق الثریٰ" آپؓ فرماتی ہیں کہ زند ہمیسع ہے، یری نبت ہے اور اعراق الثریٰ خود اسماعیل بن ابراہیمؑ ہیں۔

(تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۳۵ (ترجمہ اردو) از مولوی سید محمد ابراہیم ایم اے مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن (۱۹۳۶ء)

مقداد بن اسود البہرانی کی بیٹی سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

"معد بن عدنان بن ادد بن یری بن اعراق الثریٰ" ایضاً۔

بعض نساب کہتے ہیں عدنان بن ادد بن مقوم بن ناحور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن اسماعیلؑ بن ابراہیم

ایک نساب کا کہنا یوں ہے۔

عدنان بن ادد بن ایتحب بن ایوب بن قیذر بن اسماعیل بن ابراہیم، (ایضاً) یہی نساب کہتا ہے کہ قصیٰ بن کلاب نے اپنے ایک شعر میں اپنی نسبت قیذر کی طرف کی ہے اور ہشام نے اپنے باپ سے قصیٰ کا

Marfat.com

یہ شعر نقل کیا ہے۔

فلست لحاضن ان لم تاثل بها اولاد قیذر والنبیت

میں ایسی کسی ماں کو نہیں مانتا اگر اس سے قیذر اور نبیت کی اولاد ثابت نہ ہوتی ہو۔ نبیت سے مراد نبت بن اسماعیل ہے۔ (ایضا) جبکہ ابن شہاب نے یوں بیان کیا ہے۔ معد بن عدنان بن اد بن الہمیسع بن احب بن نبت بن قیدار بن اسماعیل (تاریخ طبری مذکور صفحہ ۳۶) ایک اور نساب نے بیان کیا: عدنان بن مسیدع بن منیع بن اود بن کعب بن یشجب بن یعرب بن الہمیسع بن قیذر بن اسماعیل بن ابراہیم ------ اور بقول (اس کے) راوی کے یہ تفصیل عہد نامہ عتیق سے لی گئی ہے۔ (ایضا صفحہ ۳۵)

ہشام کا بیان ہے کہ ایک شخص نے میرے باپ کا نسب اس طرح بیان کیا۔ حالانکہ میں نے اپنے باپ سے اس طرح نہیں سنا تھا۔ "معد بن عدنان بن اود بن الہمیسع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن ابی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن تاحش بن ماخی بن عیفی بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن ارعوئی بن عیفی بن دیشان بن عیصر بن اقناد بن ایہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی بن عوص بن عرام بن قیذر بن اسماعیل بن ابراہیم (ایضا صفحہ ۳۶)

ہشام بن محمد نے کہا۔ اہل تدمر کے ایک شخص نے جس کی کنیت ابو یعقوب تھی اور وہ بنی اسرائیل میں سے تھا اور مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے یہودیوں کی کتابیں اور ان کے علوم پڑھ رکھے تھے، بیان کیا کہ ارمیا کے کاتب "بروخ بن ناریا" نے معد بن عدنان کا نسب اچھی طرح معلوم کر کے اپنے پاس لکھ لیا تھا۔ جس سے یہودی احبار بھی بخوبی آگاہ ہیں کیونکہ وہ ان کی کتابوں میں مرقوم ہے وہ نام مذکورہ بالا ناموں سے ملتے جلتے ہیں اگر کہیں اختلاف ہے تو ایک زبان سے دوسری میں املاء کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ ان کو عبرانی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

(تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۳۶ (ترجمہ اردو) از مولوی سید محمد ابراہیم ایم اے مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن (۱۹۳۶ء)

ایک نساب کا بیان اس طرح ہے۔ "معد بن عدنان بن اود بن امین بن شاجب بن ثعلبہ بن عتد بن مرح بن محلم بن العوام بن المحتمل بن رائمہ بن العیقان بن علہ بن الشحدود بن الطریب بن عیقر بن ابراہیم بن اسماعیل بن یزن بن اعوج بن المطعم بن الطمح بن القسور بن عبود بن دعدع بن محمود بن الزائد بن ندوان بن امامہ بن دوس بن حصن بن النزال بن القمیر بن المجشر بن معدمر بن صیفی بن نبت بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم" (ایضا صفحہ ۳۶-۳۷)

ایک اور نساب کا بیان یوں ہے

معد بن عدنان بن اد بن زید بن مقدر بن مقدم بن ہمیسع بن نبت بن قیذر بن اسماعیل بن ابراہیم

Marfat.com

(تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم مترجم اردو ۳۷-۳۶)

دوسرا کہتا ہے: معد بن عدنان ابن اد بن الہمیسع بن نبت بن سلمان (یہی سلامان ہے) بن حمل بن نبت بن قیذر بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ (ایضاً)

ایک اور کہتا ہے: معد بن عدنان ابن اد بن المقوم بن ناحور بن مشرح بن یشجب بن ملک بن ایمن بن النبت بن قیذر بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ (ایضاً)

ایک اور کہتا ہے: معد بن عدنان بن اد بن ادد بن الہمیسع بن اسحب بن سعد بن مریح بن نضیر بن حمیل بن منحم بن لافث بن الصابوح بن کنانہ بن العوام بن نبت بن قیذر بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ (ایضاً)

تاریخ طبری کے مولف ابی جعفر محمد بن جریر الطبری سے ایک نساب نے بیان کیا کہ علمائے عرب کی ایک جماعت کے پاس حضرت اسماعیلؑ سے معد تک چالیس آبا کے نام محفوظ ہیں اور ان سب پر انہوں نے عرب کے اشعار سے سند لی ہے۔ میں نے ان کا بیان دوسرے اہل کتاب کے اقوال سامنے رکھ کر جانچا تو تعداد آباء میں فرق نہ تھا البتہ لفظوں کی املاء مختلف پائی گئی۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

معد بن عدنان بن اد بن ہمیسع (یہی سلمان بمعنی امین ہے) بن ہمیتع (یہی ہمیدع بمعنی غمگین ہے) بن سلامان (یہی منجر بن نیست ہے منجر اس لئے کہ اس نے بزمانہ قحط لوگوں کو نجیرہ کھلا کر موت سے بچایا تھا) بن نیست بن عوص (یہی ثعلبہ ہے اور بنو ثعلبہ اس کی طرف منسوب ہیں) بن بورا (یہی بور ہے اسی نے سب سے پہلے عرب میں خاندان کی بنیاد ڈالی) بن شوخا (یہی سعد رجب جس نے عرب میں رجبیہ کی بنیاد ڈالی) بن لماما (یہی قموال ہے یہی مریح الناصب ہے یہ حضرت سلیمانؑ کا ہمعصر تھا) بن کسدانا (یہی محلم وذوالعین ہے) بن حراما (یہی العوام ہے) بن بلدان (یہی محتمل ہے) بن بدلانا (یہی یدلاف ہے اور یہی رائمہ ہے) بن طبہا (یہی طابب ہے اور یہی عیقان ہے) بن جمی (یہی جاحم اور یہی ملہ ہے) بن محشی (یہی ناحش اور یہی شہدود ہے) بن معجالی (یہی ماحی اور ظریب بمعنی آگ بجھانے والا بھی ہے) بن عقارا (یہی عالی عبقر ابوالجن ہے) بن عاقاری (یہی عاقر ابراہیم جامع الشمل ہے جس نے ہر خوفزدہ کو پناہ دی مسافر کو گھر پہنچایا اور لوگوں کی حالت سدھار دی) بن سدائی (یہی دعاء اسمٰعیل ذوالمطابخ ہے کیونکہ اس نے اقتدار میں آ کر عرب کے ہر شہر میں سرکاری مہمان خانے قائم کئے) بن ابدائی (یہی ہے عبید بن اللعان یعنی نیزوں کا موجد اور ان کے ساتھ لڑائی کرنے والا بن (نامعلوم) بن ہمادی۔ (یہی ہمدان اسماعیل ذوالاعوج ہے اعوج اس کے گھوڑے کا نام تھا) بن بشمانی (یہی قسین ہے بمعنی قحط میں کھلانے والا) بن بثرانی (یہی ہے بثرم بمعنی مدارج اعلیٰ پر نظر رکھنے اور ان کے لئے کوشش کرنے والا) بن یحزانی (یہی ہے یحزن بمعنی جابر) بن یلحانی (یہی ہے یلحن اور عبود) بن رعوانی (یہی ہے رعوئی یعنی کمزوری کی وجہ سے آہستہ آہستہ چلنے والا) بن عاقاری (یہی عاقر ہے) بن داسان (یہی زاید ہے) بن عاصار (یہی عاصر ہے اسی کا نام نیدوان صاحب مجالس ہے) بن قنادی (یہی ہے قناد اور امامہ بھی) بن ثامار (یہی بہامی اور دوس العتق ہے) بن مقصر (یہی ہے مقاصری بمعنی قلعہ نیز ناحث بمعنی اترنا) بن زارح (یہی قمیر ہے) بن سمی (یہی ہے سما اور بجشر یہ بڑا عادل مدبر اور منتظم بادشاہ تھا ہرقل کے دربار میں امینہ بن

Marfat.com

ابوالصلت نے اپنے ایک شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے)

وہ شعر یہ ہے:

کن کالمجشر اذ قالت رعیتہ کان المجشر اوفانا بما حملا

تم بھی مجشر ایسے بنو جس کی رعیت کہا کرتی تھی کہ مجشر ہم میں سب سے زیادہ وعدہ وفا کرنے والا ہے۔

بن مزرا (یہی ہے مرہر) بن صیفتا (یہی سمر اور صیفی ہے)

یہ بھی بہت سخی اور عقلمند حکمران تھا امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے:

ان الصفی بن النبیت ملکا اعلی واجود من ہرقل و قیصرا

بیشک صفی بن النبیت ایسا بادشاہ گزرا ہے جو ہرقل اور قیصر سے بہتر اور زیادہ سخی تھا

بن جشم (یہی عرام ہے یہی نیست اور تیذر ہے اسے قیدار بھی کہتے ہیں تیذر کے معنی ہیں صاحب ملک۔ آل اسماعیل میں یہی سب سے پہلے فرمانروا تھے) بن اسماعیل (سچے وعدے والے) بن ابراہیم خلیل الرحمٰن بن تارح بن ناحور بن ساروع بن ارغو بن بالغ (سریانی میں بالغ بمعنی تقسیم کرنے والا کیونکہ آپ نے زمینوں کو اولاد آدم میں تقسیم کر دیا تھا۔ اسی کا دوسرا نام فالج بھی ہے) بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوع (یہی ادریس ہے) بن یرد (یہی ہے یارد جس کے عہد میں پہلے پہل بت بنائے گئے) بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شث (یہی شیث اور یہی ہبتہ اللہ ہیں) بن آدم علیہ السلام۔

(تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۳۴ تا ۴۰ اردو ترجمہ از مولوی سید محمد ابراہیم ایم اے مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۳۶ء)

جزیرہ نمائے عرب

اہل عرب اس کو جزیرہ العرب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کی شکل ایک بے قاعدہ چوکور کی سی ہے اس کا طول شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف تقریباً ۲۲۰۰ (بائیس سو) کلو میٹر اور عرض ۱۲۰۰ (بارہ سو) کلو میٹر کے قریب ہے۔ عمان کا خطہ اس چوکور سے کافی آگے نکلا ہوا ہے جو ایران کے ساحل کے بہت قریب پہنچ جاتا ہے۔ مغرب، جنوب اور مشرق میں اس کی حد بندی کافی واضح طور پر بحرۂ احمر، خلیج عدن، بحرۂ عرب، خلیج عمان اور خلیج فارس سے ہوتی ہے۔ شمال میں شام اور عرب کی سرحد کے بارے میں خود عربوں کے ہاں بھی اختلاف رہا ہے۔ کیونکہ شمال میں نفود کے صحرائے اعظم سے ایک وسیع چٹیل میدان پھیلا ہوا ہے۔ جہاں سرحد کا تعین مشکل ہے۔

Marfat.com

جزیرہ نمائے عرب

ملک عرب براعظم ایشیا کے انتہائی جنوب مغربی حصہ میں واقع ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس کا حدود اربعہ یوں ملتا ہے:

عرب کے جنوب مغرب میں بحرۂ احمر، جنوب میں خلیج عدن، بحرۂ عرب شمال مشرق میں خلیج عمان اور خلیج فارس اور شمالی سرحد جو خلیج فارس کے دہانہ سے شروع ہو کر خلیج عقبہ تک چلی گئی ہے، غیر متعین شدہ ہے۔ تاہم مملکت سعودی عرب اور کویت کی سرحد کو عرب کی شمالی سرحد کہا جاتا ہے۔ اس حدود اربعہ کے مطابق صحرائے شام جزیرہ عرب کا حصہ نہیں لیکن قدیم اور جدید جغرافیہ دانوں کی نظر میں یہ علاقہ اپنی طبعی اور جغرافیائی خصوصیات اور آبادی کے لحاظ سے جزیرہ عرب کا ہی حصہ ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کا رقبہ دس لاکھ مربع میل اور طویل ترین سرحد جو بحرۂ احمر کے ساتھ ساتھ چلتی ہے چودہ سو میل ہے اور طویل ترین عرض (یمن تا اومان) ساڑھے بارہ سو میل ہے بعض مورخ اس کا رقبہ بارہ لاکھ مربع میل بتلاتے ہیں۔ (سیرۃ النبی شبلی جلد ۱ صفحہ ۱۰۵)

سیاسی تقسیم: جزیرہ عرب آجکل سعودی عرب، یمن، مسقط، اومان کی مملکتوں پر مشتمل ہے۔ اس جزیرہ کے پانچ بڑے حصے ہیں:

۱۔ تہامہ: بحرۂ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ ۔ینبوع سے (یمن میں) نجران تک کا نشیبی علاقہ تہامہ کہلاتا ہے۔ نشیبی ہونے کی وجہ اسے "الغور" بھی کہتے ہیں۔ سخت گرمی اور حبس کا علاقہ ہے۔

۲۔ حجاز: یہ علاقہ تہامہ کے مشرق اور یمن کے شمال میں واقع ہے۔ اس میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھی واقع ہے۔

۳۔ نجد: یمن کے جنوب میں اور صحرائے سماوہ کے شمال میں بلند سطح پر واقع ہے۔

۴۔ یمن: بحرۂ ہند کے جنوب اور بحرۂ احمر کے مغرب میں نجد کے ساتھ اور مشرق میں حضرموت اور الشحر اور عمان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ قدیم اقوام کی آماجگاہ اور جنگوں کا گہوارہ رہا۔ یہاں مارب، عمدان اور ظفار کے شاہی محلات بھی تعمیر کئے گئے تھے۔

۵۔ العروض: یہ علاقہ یمامہ، عمان اور بحرین پر مشتمل ہے۔

عرب قبائل

عرب مورخین کے نزدیک عرب قبائل کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

عرب بائدہ: یہ قبائل عاد، ثمود، طسم، جدیس وغیرہ تھے جو فنا ہو چکے ہیں اور ان کا نام شاعری اور تاریخ میں ہی محفوظ ہے نیز قرآن حکیم میں بھی بعض قبائل کا ذکر ہے۔

عرب عاربہ: ان کا اصل وطن یمن تھا۔ عرب بائدہ کے بعد نقل مکانی کر کے یہاں آباد ہوئے جن کو عرب کے اصلی باشندے تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ بنو قحطان تھے۔

عرب مستعربہ: یہ بنو اسماعیل تھے۔ بنو قحطان اور بنو اسماعیل کو ہی عرب کے اصل باشندے کہا جاتا تھا۔ بنو اسماعیل کو عدنانی قبائل بھی کہتے تھے۔ نیز کہیں کہیں یہودیوں کی آبادی بھی تھی۔

بنو قحطان کی شاخیں

(۱) قضاعہ (۲) کہلان (۳) ازد

قضاعہ: علمائے انساب قضاعہ کو بنو قحطان میں شمار کرتے ہیں جبکہ بعض محققین کے نزدیک وہ بنو اسماعیل سے ہیں۔ بہرحال قضاعہ کی بڑی شاخیں بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرہم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بنو بلی، بنو سلیح، بنو مجعم، بنو تغلب، بنو نمر، بنو اسد وغیرہ ہیں۔

کہلان: اس کی بڑی شاخیں بنو بجیلہ، بنو خثعم، ہمدان، کندہ، مذحج، طے لخم، جذام اور بنو عاملہ ہیں۔

ازد: اس کی شاخیں بنو اوس، بنو خزرج، بنو خزاعہ، بنو غسان اور بنو دوس ہیں۔ انصار مدینہ بھی ازدی تھے۔

عدنانی قبائل

یہ مضر کی اولاد تھے۔ جس کی دو بڑی شاخیں بنی خندف اور بنو قیس مشہور ہیں۔

بنو خندف: اس کی ذیلی شاخوں میں بنو ہذیل، بنو کنانہ، بنو اسد، بنو منبہ، بنو مزینہ، بنو رباب، بنو تمیم اور بنو ہون زیادہ شہرت کی حامل ہیں۔ پھر ان ذیلی شاخوں کا تسلسل اس طرح سامنے آتا ہے:

بنو کنانہ ---- سے قریش اور دول

بنو ہون سے قارہ

بنو رباب سے عدی، تیم، عکل اور ثور

بنو تمیم سے مقاعس، قریع، بہدلہ، یربوع، بنی ثعلبہ اور کلیب

بنو قیس کی ذیلی شاخیں

بنو عدوان، بنو غطفان، بنو اعصر، بنو سلیم، بنو ہوازن اور بنو ذبیان مشہور ذیلی شاخیں ہیں۔

Marfat.com

ذبیان، بنو فزارہ اور بنو مرہ بنو اعصر کی ذیلی شاخیں ---- بنو غنی، بنو باہلہ

بنو ہوازن کی ذیلی شاخیں ---- بنو سعد، بنو نصر، بنو خثعم، بنو ثقیف، بنو سلول اور بنو عامر ----

جبکہ بنو ہلال، بنو میر اور بنو کعب، بنو عامر کی ذیلی شاخیں ہیں۔

بت پرستی اور مشہور بت

حضرت آدمؑ کی اولاد میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کا آغاز قابیل اور اس کی اولاد کے پھلنے پھولنے کی مدت میں ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت نوحؑ کی قوم بت پرستی میں بری طرح مبتلا تھی اور تبلیغ کے جواب میں کہتی کہ لوگو اپنے خداؤں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ اور ود، سواع ،یغوث، یعوق اور نسر (کی عبادت) کو ترک نہ کرنا (نوح: ۲۳)

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں دنیا میں بت پرستی زوروں پر تھی۔ جس کے خلاف آپؑ نے جہاد کیا اور آپ کی آل اولاد خوب پھلی پھولی مکہ معظمہ کے قرب و جوار میں بنی اسماعیل اور دوسرے ممالک میں بنی اسرائیل تھے۔ یہ لوگ توحید پرست تھے لیکن اللہ تعالیٰ سے روگردانی ان کا شیوہ ہوتی گئی۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں انبیاءؑ آتے رہے اور لوگوں کو شرک و طغیانی سے منع کرتے رہے۔

حضرت اسماعیل کی اولاد مکہ معظمہ میں بت پھیلی حتیٰ کہ ان میں سے بعض قبائل کو طوعاً یا کرہاً وہاں سے نکلنا پڑا۔ چنانچہ جو قبائل مکہ معظمہ سے خروج کرتے وہ وطن اور حرم سے محبت کی علامت کے طور پر حرم کا ایک پتھر اٹھا کر اپنے ساتھ لے جاتے اور نئے وطن میں اس پتھر کے گرد طواف کر کے دل کی پیاس بجھاتے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ دور دراز سے سفر کرتے ہوئے مکہ معظمہ جا کر حج اور عمرہ بھی ادا کرتے رہے۔ وقت کی گرد نے ابراہیمی دین کو ان سے اوجھل کر دیا اور آہستہ آہستہ فرط عقیدت کے بندھنوں نے حقیقت کو بدل کے رکھ دیا۔ حتیٰ کہ عرب میں دوسروں کی دیکھا دیکھی بت پرستی کا رواج زور پکڑ گیا۔

عمرو بن ربیعہ عرف لحی بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے دین اسمٰعیل میں تبدیلی کی اور اس غرض سے بتوں کے مجسمے بنا کر نصب کئے اور سائبہ وصیلہ، بحیرہ اور حامیہ

(سائبہ سانڈنیوں کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑنا کہ نہ ان سے کام لیا جائے نہ ذبح کر کے گوشت کھایا جائے، وصیلہ آٹھویں حمل میں بچے دینے والی بکری کا دودھ عورتوں کو منع اور مردوں کو جائز اور اسے خدا کے نام پر ذبح کرنے کی رسم، بحیرہ، سائبہ اونٹنی کی بچی کو کہتے اور یہ بھی اپنی ماں کی طرح آزاد تصور ہوتی اور علامت کے طور پر اس کے کان چھید دیئے جاتے تھے۔ حامیہ بوڑھے اونٹ کو کہتے تھے۔ دور جاہلیت میں اس پر سواری حرام تھی اور اسے آزادی سے چرنے پھرنے کی اجازت عام تھی۔)

کی مشرکانہ رسمیں جاری کیں۔ عمرو بن لحی کعبہ کا متولی تھا۔ ایک دفعہ یہ بیمار پڑا اور شام کے شہر بلقاء میں گرم پانی کے چشمہ میں نہانے سے شفایاب ہو گیا وہاں اس نے بتوں کی پرستش ہوتے دیکھی۔

Marfat.com

لوگوں نے بتایا کہ بت ہمارے لئے بارش برساتے ہیں اور دشمنوں پر غلبہ عطا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ شخص ان مشرکوں سے بت لیکر مکہ معظمہ پہنچا

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ از شیخ محمد رضا مصری صفحہ ۹۴ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)

ایک روایت میں ہے کہ یہ ہبل نامی بت لایا اور اسے کعبہ میں رکھ دیا۔ اس طرح مکہ معظمہ میں بت پرستی کی ابتدا ہوئی۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دوزخ دکھائی گئی۔ میں نے اس میں عمرو (بن لحی) کو دیکھا یہ ایک پستہ قد، سرخ رنگ، کرنجی آنکھ والا شخص تھا جو دوزخ میں اپنی آنتوں کو کھینچ رہا تھا۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہ وہی عمرو بن لحی ہے جس نے سائبہ، وصیلہ، بحیرہ اور حامیہ کی رسمیں جاری کی تھیں اور مکہ میں بت پرستی کی ابتداء کی تھی۔

(ایضاً صفحہ ۹۵ بحوالہ ہشام بروائت کلبی، ابو صالح و ابن عباسؓ)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمرو بن لحی کو جدہ کے ساحل کے قریب قوم نوحؑ کے بت ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر پڑے ہوئے ملے تھے۔ جنہیں وہ اٹھالایا اور عرب قبائل میں تقسیم کر دیئے۔ جنہیں انہوں نے اپنا اپنا معبود بنالیا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ (سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی صفحہ ۷-۴۸ بحوالہ ابو المنذر ہشام کلبی (م-۲۰۴ھ) کی تصنیف کتاب الاصنام)

ود: یہ انسانی شکل کا عظیم الجثہ بت تھا جس پر دو حلہ منقوش تھے۔ تلوار آڑے لٹکائے اور کمان شانے پر۔ سامنے ایک تھیلے میں نیزہ اور جھنڈا تھا اور ایک تیروں سے پر ترکش، یہ بت دمشق اور مدینہ کے وسط میں دومتہ الجندل میں نصب تھا۔ بنو کلب اس کے پجاری تھے۔ حارثہ اجداری اپنے بیٹے مالک کو دودھ دیکر بھیجتا کہ اپنے معبود کو پلا آؤ۔

سواع: یہ مقام "رہاط" میں نصب تھا۔ بنو ہذیل اس کے پجاری تھے اور بنو لحیان اس کے پجاری اور متولی تھے۔

یغوث: یہ مذحج میں نصب تھا۔ اس کی شکل شیر جیسی تھی۔ مذحج یمن میں ایک ٹیلہ کا نام ہے۔ اس کے پجاری مذحج اور اہل جرش تھے۔

یعوق: یہ خیوان میں نصب تھا جو صنعاء یمن سے مکہ کی جانب دو دن کی مسافت پر تھا۔ فاصلہ تقریباً ۴۰ میل) ہمدان اور اس کے نواح کے لوگ یمن میں اس کے پجاری تھے۔ اس کی شکل گھوڑے جیسی تھی۔

نسر: یہ چیل یا عقاب کی شکل کا بت تھا۔ جس کی پوجا حمیر اور ذی الکلاع کرتے تھے۔

(امی مدنی ماہی صفحہ ۴۹ از قدر آفاقی)

یہ بت یمن میں علاقہ سبا کے مقام بلخع میں نصب تھا۔ حمیر کو بعد میں ذو نواس نے یہودی بنایا تھا۔ اسی طرح حمیر کے لئے یہودی ہونے سے قبل صنعا (یمن) میں ایک مندر "ریام" تھا جس پر وہ قربانیاں

Marfat.com

چڑھاتے۔

فلس: یہ انسانی شکل کا بت تھا۔ یہ مقام "اجا" میں رکھا گیا تھا جو مدینہ منورہ سے شمال کی طرف کوئی ساٹھ میل دور ہے جہاں قبیلہ طئی کے دو پہاڑ اجا اور سلمٰی تھے۔ قبیلہ طئی اس کا پجاری تھا۔ اگر کوئی جانور بھاگ کر اس کی حدود میں آجاتا تو وہ اسی کا ہو جاتا۔

ایک حکایت: فلس کا پجاری صیفی ایک عورت کی اونٹنی بھگا لایا اور اس کی حدود میں باندھ دی۔ عورت نے اپنے ہمسایہ سے شکایت کی۔ وہ اونٹنی کھول کر لے گیا۔ پجاری نے بت سے فریاد کی مگر بے سود۔ عدی بن حاتم نے یہ دیکھا تو بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرلی اور پھر ۹ھ میں مشرف باسلام ہو گیا۔"

منات: یہ بت "قدید" کے نزدیک سمندری ساحل پر کوہ مشلل کے نواح میں نصب تھا۔ بنو اوس، خزرج، ہذیل اور خزاعہ اس کے پجاری تھے۔ قریش اور دیگر تمام عرب بھی اس کی عبادت کرتے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے۔ اوس اور خزرج جب مدینہ سے حج کرنے آتے تو ارکان حج ادا کر کے اس بت کے نزدیک اپنے سر منڈواتے اور اس کے بغیر حج کو نامکمل سمجھتے۔

لات: یہ طائف میں نصب تھا۔ بنو ثقیف اس کے پجاری تھے۔ تمام عرب بھی اس کی تعظیم کرتے تھے۔ یہ ایک مربع پتھر تھا۔ اسے اللہ کی تانیث خیال کیا جاتا۔ لات کا دوسرا نام طاغیہ اور ربہ بھی تھا (ربہ رب کی تانیث)

عزیٰ: (اعز کی مونث بمعنی عزیز ترین) لات اور منات کے بعد کا یہ جدید ترین بت تھا۔ یہ وادی نخلہ شامیہ (وادی حراض) جو مکہ سے شمال کی جانب دو منزل کا فاصلہ ہے، میں نصب تھا۔ قریش کے نزدیک یہ سب سے بڑا بت تھا۔ وہ اس کی زیارت کو جاتے۔ اس پر چڑھاوے چڑھاتے۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک شیطانہ تھی۔ جس کا مقام ببول کے تین درختوں میں تھا۔ قریش نے حرم کعبہ کی طرح وادی حراض میں ایک درہ کو اس کا حرم قرار دیا تھا۔ جس کا نام سقام تھا اور قربان گاہ کا نام غبغب تھا۔ اہل عرب لات، منات اور العزیٰ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کی شفاعت کے امیدوار ہوتے تھے۔ قرآن کریم میں ان کا ذکر اس طرح ہے **افرایتم اللٰت و العزی و مناۃ الثالثۃ الاخری** - کیا تم نے لات و عزیٰ اور تیسرے اور آخری بت منات کو دیکھا ہے؟ ابن حبیب نے کہا ہے کہ عزیٰ ایک درخت کا نام تھا جس کے قریب ایک بت نصب تھا اور بنو غطفان اسے پوجتے تھے۔

(محمد ﷺ رسول اللہ از محمد رضا مصری صفحہ ۹۶، اردو مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)

ذوالخلصہ: یہ تبالہ میں ایک عمارت میں تھا تبالہ مکہ سے یمن کی راہ پر سات آٹھ دن کی مسافت کے فاصلہ (۱۴۰ میل تقریبا) پر واقع ہے۔ یہ بت سفید پتھر پر منقوش تھا۔ جس پر تاج کی مثل کوئی شے تھی۔ بنو خثعم، بجیلہ، وغیرہ قبائل اس کی پرستش کرتے تھے۔

Marfat.com

سعد: یہ جدہ کے ساحل پر نصب تھا یہ ایک طویل پتھر تھا۔ جس پر خون بہایا جاتا۔ کنانہ کے بیٹے مالک و ملکان اس کی پرستش کرتے تھے۔

ذوالکفلین: یہ دوس کے مقام پر نصب تھا جو یمن میں ہے۔ قبیلہ دوس اس کا پجاری تھا۔ طفیل بن عمرو دوسی نے اسے بعد از فتح مکہ بحکم رسول پاک ﷺ جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔

ذوی الشریٰ: یہ مکہ کے قریب ذوی الشریٰ کے مقام پر نصب تھا۔ اس کے پجاری بنو حارث بن یشکر ازدی تھے۔

اُقیصر: یہ مشارف شام میں نصب تھا۔ قبائل قضاعہ، لخم، جذام، عاملہ اور غطفان اس کے پجاری تھے۔ وہ اس کا حج کرتے، قربانی دیتے اور اس کے پاس سر منڈاتے، سر منڈانے والا ہر بال کے بدلے ایک مٹھی گیہوں کا آٹا چڑھاوا چڑھاتا۔

نہم: اس کے پجاری مزینہ قبیلے کے لوگ تھے اور متولی خزاعی بن عبد نہم مزنی تھا۔ اس نے رسول خدا کا حال سنا تو بت کو توڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایمان کی دولت سے سرفراز ہوا۔

عائم: یہ بھی ایک بت تھا جس کے پجاری ازد سرات تھے۔

رضاء یا رضی: اس بت کا ذکر صنعاء کے پرانے کتبوں میں بھی ملتا ہے۔ بنو ربیعہ بن کعب بن سعد تمیمی اس کے پجاری تھے۔ زمانۂ اسلام میں مستوغر یعنی عمرو بن ربیعہ تمیمی نے اسے منہدم کر دیا۔

سعیر: یہ غزہ قبیلہ کا بت تھا۔ وہ اس پر قربانیاں چڑھاتے اور اس کی پوجا پاٹھ کرتے تھے۔

عمیانس: یہ یمن میں موضع خولان میں نصب تھا اور بنو خولان اس کے پجاری تھے۔ وہ اپنے مویشیوں اور کھیتوں کو اس بت اور خدا تعالیٰ کے درمیان تقسیم کر دیتے تھے۔ ہشام کلبی کے مطابق آیت "وجعلو للہ مما ذرا من الحرث والانعام نصیبا" خولان ہی کے بارے میں ہے۔ (انعام۔۱۳۶)

ہبل: کعبہ کے گرد اور اندر بعثت رسول اکرم ﷺ سے قبل تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ ہبل جوف کعبہ میں نصب تھا۔ بقول بعض کعبہ کی چھت پر نصب تھا اور تمام بتوں کا گویا سردار شمار ہوتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہ انسانی شکل کا سرخ عقیق سے تراشیدہ بت تھا جب یہ قریش کو ملا تو اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے یہ کمی سونے کا ہاتھ بنوا کر پوری کر دی۔ چونکہ سب سے پہلے اسے خزیمہ بن مدرکہ بن یاس بن مضر نے نصب کیا تھا لہٰذا اس کا نام ہبل خزیمہ پڑ گیا۔ حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو قربان کرنے کے سلسلے میں تفاول کا تیر اسی بت کے پاس پھینکا تھا۔ اس کے پاس ہر وقت سات تیر رکھے رہتے۔ جن کے ذریعے پجاری قرعہ اندازی کرتے اور شگون لیتے تھے۔

Marfat.com

اساف اور نائلہ: کہتے ہیں کہ اساف اور نائلہ مرد اور عورت تھے انہوں نے کعبہ کے قریب زنا کا ارتکاب کیا اور عذاب الٰہی کی وجہ سے بت بن گئے تھے۔ چنانچہ زمزم کے قریب یہ دونوں بت نصب تھے۔ جب حضرت عبدالمطلب نے الہام کے بعد چاہ زمزم کھودنا چاہا تھا تو اساف اور نائلہ کی قربت کی وجہ سے لوگ کھدائی میں مانع ہوئے۔ قریش ان کے پاس قربانیاں دیتے۔

مناف: قریش کا ایک بت مناف تھا۔ علاوہ ان کے مکہ کے گھر گھر میں ایک ایک بت ہوتا تھا۔ جب کوئی سفر کو جاتا تو بطور تبرک اس کو چھو کر جاتا اور واپس لوٹ کر بھی اسے چھوتا۔ (سیرت ابن ہشام، کتاب الاصنام از ابن الکلبی، روح المعانی پارہ ۲ صفحہ ۲۵، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۷، ۱۳ وغیرہ)

عرب میں مذاہب: عرب میں قبل از اسلام مختلف قبائل میں مختلف مذاہب جاری تھے۔ قرآن مجید میں اس بارے میں آیا ہے کہ کچھ لوگ دہریئے تھے۔

وقالو ماھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحی وما یھلکنا الا الدھر

"وہ کہتے ہیں۔ جو کچھ ہے بس یہی دنیاوی زندگی ہی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی تو ہلاک کرتا ہے" (جاثیہ آیت ۲۴)

• کچھ لوگ آخرت میں جی اٹھنے کے قائل نہ تھے۔ سورۃ یٰسین میں ایسے لوگوں کو جواب کہا گیا۔ **قل یحیھا الذی انشاھا اول مرۃ** یعنی اے نبی ﷺ فرمادیجئے کہ دوبارہ تمہیں وہی زندہ کریگا جس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا فرمایا تھا۔ (یٰسین = ۷۸-۷۹)

بعض لوگ خدا کو مانتے تھے مگر ان کے خیال میں رسول یا نبی انسان نہیں بلکہ کوئی فرشتہ ہونا چاہئے تھا۔ (**قالو ابعث اللہ بشرا رسولا** (بنی اسرائیل ۹۴) اور حیرت سے کہا کرتے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟

لیکن اکثر لوگ بت پرست تھے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قائل تھے لیکن بتوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کے لئے پوجتے۔ (**مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی** (زمر۔ ۳)

بعض عرب طبقے آواگون یعنی تناسخ کے قائل تھے۔ بعض ستاروں کو پوجتے۔ قبیلہ حمیر سورج کی پوجا کرتا۔ کنانہ چاند کو پوجتے۔ بنو تمیم دبران کو، بنو قیس شعریٰ کو

(اس کی عبادت کا ذکر قرآن ۵۳:۴۹ میں آیا ہے)

اسد عطارد کو اور لخم و جذام مشتری کو پوجتے تھے

(طبقات الامم از ابن صاعد اندلسی مطبوعہ بیروت ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۳)

(دبران بمعنی ستاروں کے پیچھے آنے والا دوسرے برج ثور کا ایک نام)

کچھ لوگ درختوں کو پوجتے۔ مکہ معظمہ کے قریب ایک بڑا اور سرسبز درخت تھا۔ سال میں یہاں

Marfat.com

ایک بار میلہ لگتا۔ لوگ درخت پر اپنے ہتھیار لٹکا دیتے اور بطور تعظیم بغیر چادروں کے حرم میں داخل ہوتے لہٰذا اس درخت کو انواط کہتے تھے۔

(معجم البلدان از یاقوت حموی تحت انواط)

ابن اسحاق نے حدیث وہب بن منبہ میں ذکر کیا ہے کہ جب فیمیون نصرانی اپنی سیاحت کے دوران نجران میں بطور غلام فروخت ہوا تو نجران کے لوگوں کو ایک درخت کی پوجا کرتے دیکھا۔ یہ لوگ اس درخت کے پاس سال میں ایک بار جشن مناتے۔ اچھے اچھے کپڑے پہنتے اور عورتوں کے زیورات اس درخت پر ڈال دیا کرتے تھے پھر وہ لوگ فیمیون کی کرامت دیکھ کر عیسائی ہو گئے تھے۔

(سیرت ابن ہشام قصہ اصحاب الاخدود)

عرب میں یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت بھی کہیں کہیں رائج تھی۔ حمیر، کنانہ، بنو حارث بن کعب اور کندہ میں یہودیت تھی۔ خیبر اور مدینہ میں یہودیوں کا زور تھا۔ ربیعہ غسان اور قضاعہ میں نصرانیت تھی۔ مجوسیت صرف بنو تمیم میں کسی حد تک پائی جاتی تھی۔ حضرت حاجب بن زرارہ تمیمی اسی قبیلہ سے تھے۔ جنہوں نے کسریٰ کے ہاں اپنی کمان رہن رکھی تھی۔ اور رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں چھڑا کر بطور ہدیہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجی تھی

(سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی صفحہ ۵۲)

بعض لوگ اکثر امراض کو جنات کی طرف منسوب کرتے تھے۔ وہ جنوں کی عبادت بھی کرتے تھے۔ بعض ستارہ پرست زہرہ ستارہ کے لئے طلوع آفتاب سے پہلے انسان یا سفید اونٹ کو بہت جلدی جلدی ذبح کرتے اور اس کا گوشت کچا کھا جاتے اور طلوع آفتاب سے پہلے یہ عمل مکمل کر لیتے۔

(ایضاً صفحہ ۵۲ بحوالہ مذہب و اخلاق کا انسائکلو پیڈیا تحت عرب قدیم)

دین ابراہیم کے بعض متلاشیان

عرب و عجم میں بت پرستی اور شرک کا اگرچہ زور تھا تاہم بعض ممالک میں بعض عیسائی راہب خالص توحید کے قائل اور آخری نبی ﷺ کے منتظر تھے۔ دوسری طرف عرب میں آل اسماعیل کے بعض افراد جو فطرت سلیم کے مالک تھے بت پرستی اور مشرکانہ رسومات سے نہ دل سے نفرت کرتے تھے جس کا اظہار بھی وہ اکثر کرتے رہتے۔ ابن اسحاق کے مطابق ایک دن تمام قریش اپنی سالانہ عید کے موقع پر ایک بت کے گرد جمع تھے اور اعتکاف و طواف میں مشغول تھے کہ یکایک ان میں سے یہ چار اشخاص سب سے الگ تھلگ ہو گئے۔ (۱) ورقہ بن نوفل بن اسد بن عزیٰ (۲) عبید اللہ بن جحش بن رئاب (۳) عثمان بن حویرث بن اسد بن عبد العزیٰ (۴) زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزیٰ۔ یہ چاروں حضرات آپس میں باتیں کرتے ہوئے بولے:

یاد رکھو کہ اس قوم کا مذہب کوئی نہیں۔ یہ لوگ دین ابراہیمی کو سراسر بھلا چکے ہیں۔ بھلا اس بت

Marfat.com

کے طواف اور اعتکاف سے کسی کو کیا حاصل ہو سکتا ہے جو نہ کچھ سنتا سمجھتا ہے نہ کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پس ہمیں چاہیے کہ ہم صحیح دین ابراہیم کی تلاش کریں۔

چنانچہ یہ لوگ دین حق کی تلاش میں مختلف شہروں میں پھیل گئے: محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری صفحہ ۹۵ اردو۔

۱- ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ کے چچیرے تھے۔ انہوں نے مختلف عیسائی راہبوں سے عیسائیت کی موحدانہ تعلیم حاصل کی۔ وہ عبرانی میں انجیل لکھتے پڑھتے تھے اور عیسائیت قبول کرکے موحد بن گئے تھے۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کی بعثت کا ابتدائی زمانہ پایا۔ آپ ﷺ پر وحی الٰہی کی تصدیق کی اور آپ ﷺ کو آئندہ پیش آنے والے مصائب سے آگاہ کیا اور وعدہ کیا کہ اگر وہ مذکورہ دور مصائب تک زندہ رہے تو آپ ﷺ کی بھرپور مدد کریں گے۔ مگر عمر نے وفا نہ کی۔

۲- عبید اللہ بن جحش کو صحیح دین تلاش کے باوجود نہ مل سکا چنانچہ وہ تردد اور اضطراب کی حالت میں رہے حتیٰ کہ اسلام کی دولت سے فیضیاب ہوئے۔ پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کی بیوی حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان بھی ہمراہ تھیں۔ لیکن وہاں جا کر وہ مرتد ہو کر عیسائی ہو گئے اور وہیں بحالت ارتداد مر گئے۔ ان کی موت کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت ام حبیبہ سے عقد کر لیا۔

۳- عثمان بن حویرث روم پہنچے اور عیسائیت قبول کرکے قیصر روم کے دربار سے وابستگی اختیار کی اور بڑا درجہ پایا اور وہیں وفات پائی۔

۴- زید بن عمرو بن نفیل نے عیسائیت اختیار کی نہ یہودیت کیونکہ وہ دونوں ان کے معیار توحید سے لگا نہ کھاتی تھیں۔ ادھر وہ اہل مکہ کے دین و مذہب سے بھی بیزار رہے۔ آپ حضرت عمرؓ کے چچا تھے۔ بخاری شریف میں حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ میں نے زید کو دیکھا کہ وہ کعبہ سے پشت لگائے لوگوں سے کہتے تھے:

اے اہل قریش، تم میں سے کوئی شخص بھی میرے سوا دین ابراہیم پر نہیں"۔

عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا جو رواج تھا اس کی پہلے پہل مخالفت زید بن عمرو نے ہی کی۔ وہ ایسے شخص سے اس کی بیٹی کو مانگ کر گھر لے آتے اور خود اس کی پرورش کرتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبل از بعثت زید کو دیکھا تھا اور ان سے صحبت بھی رہی تھی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ مسٹر کانون سل نے اپنی تصنیف "حیات محمد ﷺ" میں لکھا ہے کہ زید اور اس کے رفقاء دین ابراہیمی کی طرف مائل ہو گئے تھے لہٰذا خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے (معاذ اللہ) انہی سے دین اسلام کا نظریہ اخذ کیا تھا۔ پھر اس نے لکھا ہے۔

"زید اپنی قوم کے دین سے الگ رہے اور بتوں کی پرستش پر اہل مکہ کی مذمت کرتے تھے لہٰذا اہل مکہ ان کے مخالف ہو گئے۔ وہ مکہ چھوڑ کر غار حرا میں پناہ گزین ہوئے اور گوشہ نشینی اختیار کی اور ایک عرصہ تک غور و فکر میں مشغول رہنے کے بعد انتقال کیا اور وہیں پہاڑ کے دامن میں دفن کئے گئے۔ حضرت محمد

Marfat.com

ﷺ پر ان کا بہت اثر تھا اور آپ ﷺ ان کا احترام اور ان کی قدر فرماتے تھے"

(محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری (اردو) مطبوعہ تاج کمپنی کراچی صفحہ ۱۰۰)

یہ لوگ اگرچہ مشرکانہ رسم و رواج سے متنفر تھے لیکن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بذات خود بھی تو فطرت سلیم کے مالک تھے اور دور جاہلیت کی ہر قسم کی مشرکانہ آلودگیوں سے نہ صرف متنفر تھے بلکہ ان سے توفیق الٰہی کمل طور پر مجتنب رہتے تھے اور آپ ﷺ کی، بعثت سے پہلے کی زندگی بھی مثالی زندگی تھی۔ جس کی بناء پر اہل مکہ آپ ﷺ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی کی یہ مدت بھی ایک طرح اسلامی اصولوں (جن کی دعوت کے لئے آپ بعد ازاں مبعوث ہوئے) کے عین مطابق تھی۔ لہذا آپ ﷺ کا کسی سے دین اسلام کے اصولوں اور اسلامی تعلیمات کو اخذ کرنا کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں۔ بلکہ بعد از بعثت آپ ﷺ کو دین و ایمان اور دیگر علوم الہیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے گئے تھے اور انہی علوم کی روشنی میں جب زید بن عمرو کے بیٹے سعیدؓ (صحابی) نے اپنے باپ کی مغفرت کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمرو بن نفیل اکیلے امت واحدہ کے طور پر قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور میں ان کے لئے بخشش مانگتا ہوں۔

(معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۹۷۔ ۱۹۸ (اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور)

لہذا مستشرقین کے شبہات ان کے تعصب کے مظہر ہیں۔ حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ عمرو بن نفیل حضرت ابراہیم کے دین پر ہونے کا مدعی تھا اور نبی آخر الزمان کا انتظار کرتا تھا۔ ایک دن اس نے کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز ادا کی اور مجھے پیغام دیا کہ اگر تو آخری نبی ﷺ کو پالے تو انہیں میرا سلام پہنچا دینا۔ عامر نے کہا کہ میں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ان کا سلام پہنچایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "علیک السلام رحمتہ اللہ وبرکاتہ" میں نے اسے بہشت میں دیکھا ہے۔ ٹہل رہا تھا اور اس کا دامن جنت کی زمین پر گھسیٹ رہا تھا"۔ (طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۶۱ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰)

اسی زمانہ میں امیہ بن ابی صلت نے جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا بت پرستی کی مخالفت کی حافظ ابن حجر نے اصابہ میں زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہے کہ اس نے سابقہ آسمانی کتب پڑھ رکھی تھیں اور دین ابراہیمی اختیار کر لیا تھا۔ وہ غزوہ بدر تک زندہ رہا۔ امیر معاویہؓ کا نانا عتبہ اس کا ماموں زاد بھائی تھا۔ عتبہ جنگ بدر میں قتل ہوا تو امیہ نے اس کا پر زور مرثیہ لکھا اور دین ابراہیم کا متلاشی ہونے کے باوجود، غالباً اسی غم واندوہ اور جاہلانہ حمیت کی وجہ سے اسلام قبول نہ کر سکا۔ شمائل میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت کے پیچھے سوار تھے۔ صحابی نے امیہ کا ایک شعر پڑھا۔ ارشاد فرمایا کہ اور سناؤ۔ اس طرح آپ نے ایک ایک کرکے سو شعر سنے۔ آخر میں فرمایا کہ امیہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا۔

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۲۵ طبع پنجم)

ان کے علاوہ عرب کے مشہور خطیب قس بن ساعدۃ الایادی اور قیس بن نشبہ بھی بت پرستی چھوڑ

Marfat.com

چکے تھے۔ اصابہ میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ قیس کو اسلام کی دولت سے حصہ بھی ملا تھا۔ اور یہ امر اکثر روایتوں سے ثابت ہے کہ عرب اور خصوصاً مکہ اور مدینہ میں متعدد اشخاص بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے اور دین ابراہیم کے متلاشی تھے۔

(ایضاً صفحہ ۱۲۶)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے آباؤ اجداد کے مختصر حالات

حضرت عدنان: آپ کی بیوی کا نام مہدد یا مہدہ بنت اللہم تھا۔ آپ کے تیس بیٹے اور بیٹیاں تھیں سب سے بڑے بیٹے کا نام معد تھا۔ جب بخت نصر نے عرب پر پہلا حملہ کیا تو حضرت ارمیاہ علیہ السلام (نبی) نے اسے تنبیہہ کی کہ وہ دیگر عرب قبائل پر چاہے حملہ آور ہو جائے مگر عدنان پر حملہ کرنے سے باز رہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا ایک شاعر کہتا ہے۔

وکم اب قد علا بابن ذوی شرف
کما علا برسول اللہ عدنان

یعنی بہت سے باپ ایسے بھی ہیں جنہوں نے بیٹے کے سبب سے شرف کی بلندیوں کو پایا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے عدنان کو شرف وعلو حاصل ہوا۔ عدنان کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جن وانس آپ کو قتل کرنے کے درپے رہتے تھے کیونکہ آپ سرور عالمین ﷺ کے جد امجد ہونے والے تھے۔ مگر اللہ کریم نے ہمیشہ آپ کی حفاظت فرمائی۔ ایک دفعہ تنہا گھوڑے پر سوار جا رہے تھے راہ میں فارس کے اسی (۸۰) جوان حملہ آور ہوئے۔ آپ مقابلہ کرتے ہوئے بھاگ نکلے۔ مگر دشمنوں کے تعاقب کی وجہ سے مایوس ہو کر بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ قریبی پہاڑ سے ایک ہاتھ برآمد ہوا جس سے سب دشمن ہلاک ہو گئے۔ (معارج النبوت جلد اول)

حضرت معد: آپ کی بیوی کا نام معانہ بنت جوشم بن جلہم تھا۔ جن سے نزار پیدا ہوا۔ معد کے معنی ہیں۔ تر و تازہ، پُر رونق چہرے والا۔ نور محمدی ﷺ عدنان سے آپ کو منتقل ہوا۔ آپ اس کی وجہ سے نہایت خوبصورت تھے اور آپ کا چہرہ نہایت تر و تازہ اور پُر رونق رہتا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کا یہ نام رکھا گیا۔ آپ کی انیس اولادیں تھیں۔ نزار اور قنص کے علاوہ ابن سعد نے سنام، عرف عوف، شک، قناصہ، حیدان، حیدہ، عبید الرماح، جنید، جناوہ نامی بیٹے بھی آپ کی طرف منسوب کئے ہیں۔ (رحمۃ للعالمین ج ۲ صفحہ ۵۳ حاشیہ نمبر ۱) جب بخت نصر نے عرب پر دوسرا حملہ کیا تو بنی عدنان یمن کی طرف چلے گئے مگر معد کو حضرت ارمیاہ علیہ السلام اللہ کے ارشاد کے مطابق اپنے ساتھ شام لے گئے تھے۔ چنانچہ امام ابو جعفر طبری لکھتے ہیں۔

وامر اللہ ارمیا ان یحتمل معہ معد بن عدنان علی البراق کے تصیبہ النقمۃ فانی مستخرج من صلبہ نبیا کریم اختم بہ الرسل ففعل ارمیا ذالک واحتمل معد الی ارض الشام فنشاء مع بنی اسرائیل ثم عاد بعد ان ہدات الفتن (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ صفحہ ۴۲۴)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے ارمیا کو حکم دیا کہ وہ معد بن عدنان کو اپنے ساتھ براق پر بٹھا کر لے جائیں تاکہ ان کو کوئی مصیبت نہ پیش آجائے کیونکہ میں اس کی پشت سے ایک نبی کریم نکالنے والا ہوں۔ جس پر رسالت ختم کروں گا۔ چنانچہ حضرت ارمیاہ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور معد کو اپنے ساتھ لے کر ملک شام کی طرف چلے گئے جہاں وہ بنی اسرائیل کے ساتھ رہا کئے۔ اور جب فتنہ دور ہوا تب واپس آئے۔

حضرت معد بنی اسماعیل کے خلاف برپا ہونے والی جنگوں کے ہیرو تھے خواہ وہ میدانی تھیں یا چھاپہ مار قسم کی۔ وہ جس مہم پر بھی گئے کامیابی و کامرانی نے ان کے قدم چومے۔

(محمد رسول اللہ مؤلفہ شیخ محمد رضا مصری ترجمہ مولوی محمد عادل قدوسی صفحہ ۱۵ مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور)

عیسائی محققین کے مطابق حضرت ارمیاہ کا زمانہ ۵۸۸ ق-م کا ہے اور معد آپ کے معاصرین میں تھے۔ لہٰذا حضرت عدنان اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان ۱۱۵۹/۱۱۵۸ سال کا عرصہ بنتا ہے۔ (۵۸۸ق-م+۵۷۱ء)

حضرت نزار: آپ کی زوجہ محترمہ کا نام سودہ بنت مک بن الریث بن عدنان تھا۔ آپ کی کنیت ابو ایاد ہے۔ امام احمد بن حنبل کا سلسلہ نسب آپ سے ملتا ہے۔ (رحمۃ للعالمین ج ۲ صفحہ ۵۳) زرقانی علی المواہب میں ہے۔

انہ لما ولد ونظر ابوہ الی نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بین عینیہ فرح فرحا شدیدا واطعم وقال ان ھذ کلہ نزرای قلیل لحق ھذا المولود فسمی نزار لذالک۔

(ج ۱ صفحہ ۷۹) آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور محمدی ﷺ کو دیکھا اور بہت خوشی منائی۔ اور اس خوشی میں سب لوگوں کو کھانا کھلایا اور کہا کہ اس بابرکت بچے کے سلسلے میں یہ کھانا وغیرہ گویا بہت قلیل سا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام نزار رکھا گیا۔

آپ اپنے زمانے کے کبیر العرب مشہور تھے لوگ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ آپ حسن و جمال اور عقل و دانش میں اپنے ہم عصروں پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ مضر اور ایاد (بیوی سودہ بنت مک سے) اور ربیعہ اور انمار (دوسری بیوی سے) نور محمدی ﷺ کی امانت جناب مضر کے حصہ میں آئی۔ مضر اور ربیعہ کی نسل وسط عرب میں انمار کی اولاد نجد اور اطراف حجاز میں اور ایاد کی اولاد غور واطراف میں آباد ہوئی۔ (بحوالہ کتاب بکر و تغلب محمد بن اسحاق مطبوعہ نخبۃ الاخبار مصر ۱۳۰۵ھ)

مضر: آپ کی بیوی کا نام رباب بنت حیدہ بن معد بن عدنان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا۔ مضر کو برا نہ کہو کیونکہ وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۳۵) آپ بڑے وجیہہ اور حسین تھے، جو کوئی دیکھتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا آپ کے اقوال حکیمانہ میں سے چند

Marfat.com

یہ ہیں۔

- o سب سے بہتر نیکی وہ ہے جس پر جلدی عمل کر لیا جائے۔
- o خود کو مصائب کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رکھو۔
- o نفس کو فساد انگیز خواہشات سے باز رکھو، کیونکہ فساد اور اصلاح کے درمیان صبر ہی ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔

آپ بڑے خوش الحان تھے۔ آپ نے ہی سب سے پہلے اونٹوں کے لئے حدی خوانی کا آغاز کیا۔ طبری اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ آپ کے والد نزار نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے مال میں سے سرخ چمڑے کا خیمہ اور اس کے مشابہ چیزیں مضر کی ہیں۔ سیاہ خیمہ اور اس کے مشابہ اشیاء ایاد کی ہیں۔ یہ چادر اور اس کے مشابہ اشیاء انمار کی اور باقی ربیعہ کی۔ لیکن اگر فیصلہ نہ کر سکو تو افعی الجرہمی راہب کے پاس جا کر فیصلہ کرا لینا۔ چنانچہ بوقت تقسیم جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور وہ افعی الجرہمی کے پاس چل دیئے۔ راستے میں ان چاروں نے قیافہ سے اندازہ لگایا کہ جس اونٹ نے راستہ کی گھاس چری تھی وہ ایک آنکھ سے کانا تھا۔ ٹانگ سے لنگڑا تھا۔ دم کٹا بھی تھا اور بھاگا ہوا بھی---- ابھی تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک شخص ناقہ سوار ملا۔ اس نے اپنے اونٹ کے بارے میں پوچھا۔ جواب میں انہوں نے مذکورہ بالا نشانیاں بتائیں۔ وہ بولا بالکل وہی ہے۔ کہنے لگے، ہم نے نہیں دیکھا مگر اس سوار نے پیچھا نہ چھوڑا۔ حتی کہ یہ سب لوگ افعی الجرہمی راہب کے پاس نجران پہنچ گئے۔ ناقہ سوار نے جرہمی راہب سے کہا کہ ان لوگوں سے میرا اونٹ دلوا دو۔ لیکن جب وہ انکاری ہوئے تو پوچھا کہ تم نے علامات کیسے بتادی تھیں۔ مضر نے کہا۔ میں نے یکطرفہ گھاس چری دیکھ کر کانا ہونے کا اندازہ لگایا تھا۔ ربیعہ نے کہا کہ اس کے پاؤں کے نشانات ایسے تھے کہ اگلے ایک پیر کا نشان پورا پڑتا تھا اور دوسرے کا کمتر جس سے میں نے لنگڑا پن معلوم کیا۔ ایاد نے کہا کہ اس کی مینگنیاں (لیڈے) جہاں کہیں تھیں اکٹھی پڑی تھیں نہ کہ بکھری ہوئی۔ پس میں نے معلوم کیا کہ اس کی دم کٹی ہوئی ہے۔ ورنہ وہ بکھر کر گرتیں۔ انمار بولا کہ میں نے دیکھا کہ وہ سرسبز اور گنجان جھاڑیاں چھوڑ کر کہیں کہیں منہ مارتا گیا ہے۔ اس سے میں نے اونٹ کا مفرور ہونا معلوم کیا۔ یہ سن کر راہب بولا۔ "میاں ناقہ سوار! تم جاؤ۔ ان کے پاس تمہارا اونٹ نہیں ہے۔"

پھر اس نے چاروں بھائیوں سے آمد کا سبب معلوم کر کے کہا کہ تم جیسے عقلمندوں کو میرے فیصلے کی کوئی حاجت نہیں۔ اتنے میں کھانا آ گیا جس میں شراب بھی تھی۔ کھانے پینے کے بعد مضر نے کہا شراب تو اچھی تھی مگر ایسے انگور سے بنی تھی جو ایک قبر پر اگا ہوا ہے۔ ربیعہ بولا آج گوشت تو بڑا مزیدار تھا البتہ بکری مذبوحہ کو کتیا کا دودھ پلا کر پالا گیا تھا۔ ایاد نے کہا۔ ہمارا میزبان تو اچھا ہے مگر کاش کہ وہ اپنے باپ کا بیٹا ہوتا۔ اور انمار بولا کہ آج جیسی باتیں کبھی بھی سننے میں نہیں آئیں۔

کسی طرح ان کی یہ باتیں جرہمی راہب نے بھی سن لیں۔ اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ فوراً اٹھا اور اپنی ماں سے باپ کے بارے میں استفسار کیا۔ وہ کہنے لگی، میں جس کے نکاح میں تھی اس سے

Marfat.com

اولاد نہ ہوئی تو میں نے سرداری کو اپنے خاندان میں قائم رکھنے کے لئے کسی اور سے حاملہ ہو کر تجھے حاصل کیا۔ پھر ساقی کے پاس پہنچا اس نے کہا کہ انگور کی ایک بیل تیرے باپ کی قبر پر لگائی تھی۔ یہ شراب اسی کی ہے۔ پھر چرواہے سے پوچھا تو وہ بھی معترف ہوا کہ اس نے مذکورہ بکری کو کتیا کا دودھ پلا کر پالا تھا۔ جب ان سب باتوں کی تصدیق ہو گئی تو وہ مہمان خانے پہنچا اور قیافہ کی وضاحت چاہی۔ مضر نے کہا کہ شراب پی کر سخت پیاس لگی۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ پھر باہمی اختلاف کا فیصلہ اس طرح کیا۔

۱۔ سرخ خیمہ، سرخ دینار اور سرخ اونٹ مضر کے لئے ہے۔

۲۔ سیاہ خیمہ اور کالے گھوڑے اور خچر وغیرہ ربیعہ کے۔

۳۔ بوڑھی خادمہ، بھیڑ بکری اور مویشی وغیرہ ایاد کے۔

۴۔ زمین اور گدھے وغیرہ انمار کو دیئے جائیں۔

پس وہ اس فیصلہ پر راضی ہو کر خوشی خوشی واپس آئے۔ تاریخ میں حضرت کا نام مضر الحمراء مشہور ہے کیونکہ آپ کے حصہ میں سرخ اشیاء آئی تھیں۔ (۲)

(۱) ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۱۲، طبری ج ۲ صفحہ ۱۹

(۲) رحمتہ للعالمین ج ۲ صفحہ ۵۴

حدی خوانی کی ابتداء: مشہور ہے کہ ایک دفعہ حضرت مضر اونٹ سے گرے اور ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا وہ اس طرح چلائے۔ یا یداہ۔۔۔۔ یا یداہ۔۔۔۔ (ہائے میرا ہاتھ۔۔۔۔)

آپ بڑے خوش الحان تھے۔ سریلی آواز سن کر اونٹ چراگاہ سے آکر ان کے گرد جمع ہو گئے۔ جس سے انہوں نے اس آواز کے اثر کا اندازہ کیا جو اونٹوں پر ہو گیا تھا۔ تندرست ہونے کے بعد انہوں نے یہی تجربہ کیا۔ تو واقعی کامیاب ہوئے۔ ان کا قول ہے:

حینئذ ابصبصن اذ حدین بالاذناب (کامل ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۱۴)

جب اونٹنیاں گانا سنتی ہیں تو دمیں ہلا ہلا کر مسرور ہوتی ہیں۔

آپ لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے اور ابراہیمی دین پر قائم رہنے کی تلقین کرتے رہتے۔

آپ کے دو بیٹے عیلان اور الیاس مشہور ہیں۔ نور محمدی ﷺ سے حضرت الیاس سرفراز ہوئے۔

حضرت الیاس: آپ کی بیوی کا نام لیلیٰ خندف بنت حلوان تھا۔ اور آپ کے پانچ بیٹے تھے سب سے بڑا مدرکہ تھا آپ اپنی قوم میں لقمان حکیم کی حیثیت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔

آپ کے دانشمندانہ اقوال میں ایک یہ ہے کہ جو کوئی نیکی کا بیج بوئے گا وہ خوشی اور شادمانی کا پھل کاٹے گا۔ اور برائی بونے والا ندامت کا پھل پائے گا۔ زرقانی علی المواہب میں ہے کہ

کان یسمع فی صلبه تلبیه النبی صلی الله علیه وسلم بالحج (ج ۱ صفحہ ۷۸)

Marfat.com

آپ حج کے دنوں میں اپنی صلب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تلبیہ (**اللھم لبیک**) کہا سنتے تھے۔

آپ کی کنیت ابو عمرو تھی۔ الیاس کو الف پر زبر یا زیر دونوں طرح صحیح کہا گیا ہے۔ آپ کا لقب کبیر قوم تھا۔ اہل عرب آپ کو سید العرب کہہ کر بلاتے۔ آپ بڑے خوبصورت، سخی، محترم اور بزرگ ہستی تھے۔ آپ کی بیوی لیلیٰ خندف کو آپ سے اس قدر محبت تھی کہ آپ کے انتقال کے بعد وہ جب تک زندہ رہیں۔ اس جگہ سے نہ اٹھیں جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ اور نہ کبھی سائے میں بیٹھیں۔ لوگ ان کے اس حزن وملال کی مثال دیا کرتے۔ آپ اپنے والد کی طرح دین ابراہیمی پر قائم تھے اور دوسروں کو اس کی تلقین فرماتے رہتے، امام سہیلی نقل کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

(الحاوی للفتاوی ج ۲ صفحہ ۲۲۴)

لا تسبوا الیاس فانہ کان مومنا یعنی الیاس مومن تھے ان کو برا نہ کہو۔

نور محمدی ﷺ کی امانت آپ کے بڑے بیٹے مدرکہ کی سرفرازی کا باعث ہوئی۔

حضرت مدرکہ: آپ کا نام عمرو اور لقب مدرکہ تھا۔ آپ کی بیوی کا نام سلمیٰ بنت اسلم تھا۔ زرقانی علی المواہب (ج ۱ صفحہ ۷۸) میں ہے کہ:

کان فیہ نور المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہرا بینا

یعنی حضرت مدرکہ (کی پیشانی) میں نور مصطفےٰ ظاہر اور روشن تر تھا۔

مدرکہ لقب کی وجہ تسمیہ یوں ہے کہ ایک دفعہ آپ کے والد حضرت الیاس اونٹ چرانے جارہے تھے کہ راستے میں وہ ایک خرگوش سے ڈر کر بھاگ گئے۔ انہوں نے تلاش کے لئے آپ کو بھیجا اور آپ تلاش بسیار کے بعد اونٹوں کو لے آئے۔ پس آپ کو مدرکہ (ڈھونڈھ کر لے آنے والا) کہا جانے لگا۔ آپ کے پانچ بیٹے مشہور ہیں۔ بڑے کا نام خزیمہ تھا۔ وہی نور محمدی ﷺ سے سرفراز ہوئے۔

حضرت خزیمہ: خزیمہ کا اسم تصغیر خزم ہے۔ آپ کی بیوی کا نام عوانہ بنت سعد تھا۔ آپ کے زمانہ میں لحی بن حارث قحطانی نے یمن سے مکہ مکرمہ آکر قمعہ بن الیاس بن مضر کی بیٹی خزاعہ سے نکاح کیا جس سے عمرو بن لحی پیدا ہوا۔ یہی عمرو ہے جس نے بت پرستی کو عرب میں رواج دیا۔ جس کے بعد آہستہ آہستہ خانہ کعبہ بت خانہ بن کے رہ گیا۔ اور پھر سارے عرب قبائل کو کفر و شرک میں مبتلا کر کے رکھ دیا۔ البتہ کچھ لوگ راہ راست پر رہے۔ جن میں سے ایک خزیمہ بھی تھے زرقانی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ **مات خزیمہ علی ملۃ ابراھیم علیہ السلام** (جلد ۱ صفحہ ۷۸) یعنی حضرت خزیمہ نے دین ابراہیمؑ پر وفات پائی حضرت خزیمہ کے سات بیٹے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام کنانہ تھا۔ نور محمدی ﷺ انہی کو تفویض ہوا۔ جو پیشانی سے پھوٹ پھوٹ پڑتا تھا۔ زرقانی علی المواہب میں ہے:

Marfat.com

وفیہ نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (زرقانی ج ا صفحہ ۷۷)

حضرت کنانہ بن خزیمہ: آپ کی زوجہ محترمہ کا نام برہ بنت مر تھا۔ حضرت کنانہ کی کنیت ابوالنضر تھی۔ آپ حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کے دور میں ہوئے۔ اور آپ کو ان تین انبیاء کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت آپ کی عمر پندرہ برس تھی۔ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوران سفر شام اور فلسطین سے ہوتے ہوئے حجاز مقدس بھی تشریف لائے۔ جب حضرت کنانہ سے ملاقات ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔ اور آپ کو بشارت دی کہ نبی آخرالزمان آپ کی پشت سے ظہور فرمائیں گے۔ اور تمہارا نام ان کے آباؤ اجداد میں روشن رہے گا۔ ابو عامر عدوانی فرماتے ہیں کہ میں نے کنانہ بن خزیمہ کو بزرگ، بیباک اور عظیم القدر ہستی پایا۔ ان کے علم و فضل کی وجہ سے لوگ کسب فیض کے لئے ان کے پاس اکثر آتے تھے۔ (زرقانی علی المواہب ج ا صفحہ ۷۷) آپ کے چودہ بیٹے تھے۔ البتہ نور محمدی ﷺ ان میں سے حضرت نضر کو تفویض ہوا۔ حضرت کنانہ کی اولاد بنو کنانہ کہلائی۔ جن کو دیگر بنی اسماعیل پر اللہ تعالیٰ نے فضیلت بخشی۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم اسماعیل واصطفی من ولد اسماعیل بنی کنانۃ واصطفی من بنی کنانۃ قریشا واصطفی من قریشا بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم (مسلم، ترمذی، مشکوۃ ا)

بیشک اللہ تعالیٰ نے بنی ابراہیم علیہ السلام میں سے اسماعیل علیہ السلام کو فضیلت دی۔ اور اولاد اسماعیلؑ میں سے بنی کنانہ کو برگزیدہ کیا اور بنی کنانہ میں سے قریش کو، قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ فرمایا۔

حضرت نضر بن کنانہ: آپ کی زوجہ کا نام عکرشہ بنت عدوان تھا۔ حضرت نضر کا اصل نام قیس تھا اور کنیت ابومخلد تھی۔ نور محمدی ﷺ کی برکت سے آپ نہایت حسین و جمیل تھے لہٰذا آپ کو نضر بمعنی تروتازہ، خوبصورت پُررونق و رعنا کہا جانے لگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

(الحاوی للفتاوی ج ۲ صفحہ ۴۲۴)

لا تسبوا قیسا فانہ کان مسلما

یعنی قیس کو برا نہ کہا جائے کیونکہ وہ مسلمان

Marfat.com

تھے۔

آپ کے آٹھ بیٹے تھے نور محمدی ﷺ جناب مالک کو عطا ہوا۔

حضرت مالک بن نضر: آپ کی زوجہ محترمہ کا نام جندلہ بنت عامر بن الحارث تھا۔ آپ کی کنیت ابو الحارث اور نام مالک تھا۔ کہتے ہیں کہ آپ کا نام مالک اس وجہ سے تھا کہ آپ ملک العرب تھے۔ (زرقانی علی المواہب ج۱ صفحہ ۷۶) آپ بڑے سخی اور مہمان نواز تھے۔ نور محمدی ﷺ کی امانت آپ کے پسر اکبر حضرت فہر کو تفویض ہوئی۔

فہر بن مالک: آپ کی بیوی کا نام لیلیٰ بنت الحارث تھا۔ آپ کی کنیت ابو غالب اور لقب قریش تھا۔ بقول بعض والدہ نے آپ کا نام قریش اور والد نے فہر رکھا تھا۔ قریش قرش کی تصغیر ہے۔ اور قرش اس مچھلی کو کہتے ہیں جو پانی کے دیگر جانوروں کو دانتوں سے کاٹ کر رکھ دے۔ حضرت فہر اور آپ کا کنبہ جملہ قبائل سے طاقتور اور بہادر تھا اس لئے اس قوت و شجاعت کی وجہ سے آپ اور آپ کی آل اولاد کو قریش کہا جانے لگا۔ آپ کے سات بیٹے تھے بڑے صاحبزادے کا نام غالب تھا۔ نور محمدی ﷺ حضرت غالب کو ہی تفویض ہوا تھا۔ حضرت فہر شجاع ہونے کے علاوہ بہت کریم النفس، سخی اور غریب پرور تھے۔ اپنا مال لوگوں کی بھلائی کے لئے صرف فرماتے اور ضرورت مندوں کی کفالت فرماتے۔ آپ کے عہد میں حسان حاکم یمن بڑی فوج لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا تاکہ کعبہ مکرمہ کو گرا کر اس کے پتھروں کو اٹھا کر یمن لے جائے اور وہاں ایک مسجد تعمیر کرے جس کی زیارت کو لوگ آیا کریں۔ حضرت فہر اور ان کے بھائیوں نے مل کر اس کا مقابلہ کیا اور اللہ کے فضل و کرم سے فتح پائی۔ حسان گرفتار ہوا اسے تین سال قید رکھا اور بعد میں فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ لیکن وہ یمن پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں مر گیا۔

(کامل ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۱۲)

حضرت غالب بن فہر: آپ کی زوجہ محترمہ کا اسم گرامی عاتکہ بنت یخلد بن نضر بن کنانہ تھا۔ آپ کی کنیت ابو تیم اور نام غالب تھا جو غلب سے مشتق ہے۔

(زرقانی علی المواہب ج۱ صفحہ ۷۵)

آپ بڑے عقلمند اور دانا تسلیم کئے جاتے تھے۔ لوگ اہم ترین معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے۔ نور محمدی ﷺ آپ کے بیٹے لوئی کو تفویض ہوا۔

حضرت لوئی بن غالب: آپ کی زوجہ کا نام ماویہ بنت کعب تھا۔ آپ کی کنیت ابو کعب اور نام لوی یا لوئی تھا۔ امام اللغت اصمعی کے مطابق لوی واء الجیش کی تصغیر ہے لہٰذا ممکن ہے کہ آپ کا یہ نام اپنی قوم کے علمبردار ہونے کی وجہ سے ہو (زرقانی علی المواہب ج۱ صفحہ ۷۵) آپ کے بڑے بیٹے کعب کو رسول اکرم ﷺ کا جد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ دیگر تین بیٹے عوف، عامر اور حرث تھے۔

Marfat.com

حضرت کعب بن لوئی: آپ کی زوجہ محترمہ کا نام مخشیہ بنت شیبان تھا۔ جو آپ کے فرزند مرہ کی والدہ تھیں---- آپ اپنے خاندان میں بڑے اشرف اور اعلیٰ گنے جاتے تھے۔ آپ جمعہ کے دن لوگوں کو جمع کر کے انہیں وعظ و نصیحت فرماتے۔ آپ سے پہلے جمعہ کا نام عروبہ تھا۔ آپ نے جمعہ رکھا۔ جمعہ کے روز وعظ و نصیحت انہی سے اول اول چلی۔ آپ جمعہ کے وعظ میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر خیر فرماتے اور بتلاتے کہ وہ نبی میری نسل سے ہوں گے۔ نیز وہ آپ ﷺ کے اتباع کی ہدایت کرتے۔ عرب کے لوگ آپ کو بہت بلند مرتبہ تسلیم کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سن فیل سے پہلے اہل عرب نے آپ کی تاریخ وفات کو اپنا سنہ قرار دے لیا تھا۔

(کامل ابن اثیر ج ۱ صفحہ ۱۱)

یہ دو شعر آپ کی طرف منسوب ہیں۔

نهار وليل كل يوم بحادث سواء علينا ليلها ونهارها

لیل و نہار کی انتہا آخر فنا ہے، لہٰذا یہ ہمارے لئے برابر ہیں۔

على غفلتها ياتى النبى محمد فيخبر اخبارا صدوقا خبيرها

جب زمانے کے لوگ غفلت میں ہوں گے اس وقت محمد مصطفےٰ تشریف لائیں گے وہ سچی خبریں دیں گے اور زمانہ کے سچے خبیر ہوں گے۔

(مراۃ العالم ج ۱ صفحہ ۲۰۵ نیز الوفا ابن جوزی)

حضرت مرۃ بن کعب: آپ کی زوجہ کا نام ہند بنت سریر تھا جو آپ کے تین بیٹوں کلاب، تیم اور یقظہ کی والدہ محترمہ تھیں کلاب کو نور محمدی ﷺ کی دولت سے نوازا گیا۔ حضرت مرہ کی کنیت ابو یقظہ تھی۔ یقظہ کے بیٹے مخزوم کی اولاد بنی مخزوم کہلائی حضرت خالدؓ بن ولید اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب انہی سے ملتا ہے۔ جبکہ حضرت صدیق اکبرؓ اور طلحہؓ (از عشرہ مبشرہ) تیم بن مرہ کی پشت سے تھے۔ امام مالکؒ کا سلسلہ نسب بھی مرہ پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

حضرت کلاب بن مرہ: آپ کی زوجہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت سعد تھا۔ آپ کا اپنا نام حکیم اور کنیت ابو زہرہ تھی۔ کلاب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اہل عرب اپنے بچوں کے نام درندوں کے نام پر رکھتے تھے جیسے کلب، ذئب، اسد وغیرہ تاکہ وہ بہادر ہوں اور لوگ ان سے ڈریں۔ اس لئے آپ کا نام کلاب رکھا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے بہت سے کتے (شکار کیلئے) پال رکھے تھے اور ان سے بڑی محبت کیا کرتے اور اس طرح آپ کا نام کلاب مشہور ہو گیا۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ صفحہ ۷۴)

آپ بڑے فراخ دل سخی بردبار اور انصاف پرور تھے۔ مظلوموں کی مدد کرتے اور ظالموں کو راہ

Marfat.com

راست دکھاتے اور لوگوں کے درمیان مساوات اور برابری قائم کرتے۔ کسی کو دوسرے کا حق مارنے کی اجازت نہ دیتے اور ضرورت پڑنے پر اپنے قبیلے کے لئے دیوار بن جاتے اور ان کو مصائب و آلام سے محفوظ رکھتے آپ کے دو فرزند زہرہ اور قصی تھے۔ نور محمدی ﷺ کے امانتدار قصی قرار پائے۔

آپ کا نام حکیم کے علاوہ عروہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کلاب تو آپ کا لقب تھا۔ جو شکاری کتوں کی پرورش کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔ آپ کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے عربی مہینوں کے وہ نام رکھے جو آج تک رائج چلے آ رہے ہیں۔

(محمد ﷺ رسول اللہ از شیخ محمد رضا مصری قاہرہ اردو ترجمہ مطبوعہ تاج کمپنی' لاہور' کراچی صفحہ ۱۶)

حضرت قصی بن کلاب: آپ کی بیوی کا نام حبی بنت حلیل خزاعی تھا۔ حضرت قصی کا اصل نام زید' کنیت ابو المغیرہ اور لقب المجمع یا مجمع تھا کیونکہ آپ نے کوشش کر کے بنو اسماعیل کے درمیان اختلافات دور کر کے انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا تھا۔ ان کے متعلق حذافہ بن عالم کا ایک شعر یوں ہے۔

ابو کم قصی کان یدعی مجمعا به جمع الله القبائل من فہر

تمہارے مورث اعلیٰ قصی تھے جن کو مجمع کہا جاتا تھا۔ (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے قبائل فہر کو متحد کر دیا تھا۔ آپ نے مختلف قبائل کو دور دراز علاقوں سے بلا کر کعبے کے ارد گرد اور آس پاس مختلف وادیوں اور گھاٹیوں میں آباد کیا۔

قصی کا مطلب: قصی دور رہنے والے کو کہتے ہیں۔ آپ چونکہ اپنی قوم سے دور رہے تھے اس لئے آپ کا یہ نام پڑ گیا۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ابھی طفل شیر خوار ہی تھے کہ آپ کے والد کلاب کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت سعد بن سہیل نے ربیعہ بن حزام سے عقد ثانی کر لیا۔ ربیعہ کا قبیلہ شام کی سرحد پر رہا کرتا تھا۔ لہٰذا آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ وہاں رہے۔ وہیں آپ کی پرورش ہوئی۔ اور آپ خود کو ربیعہ کا بیٹا ہی سمجھتے تھے۔ کیونکہ کسی نے ان سے اس بارے میں ذکر نہیں کیا تھا۔ عالم شباب میں ایک دن آپ کا مقابلہ رفیع نامی شخص سے ہوا جو تیر اندازی پر تھا۔ رفیع ربیعہ کے خاندان کا ایک آدمی تھا۔ اس مقابلہ میں آپ جیت گئے۔ رفیع کو از راہ حسد آپ کے ساتھ دشمنی سی ہو گئی اور ایک دن باتوں باتوں میں اس نے جتلا دیا کہ تو پرایا ہو کر ہم میں کیوں رہتا ہے؟ چل اپنی قوم میں جا کر رہ۔ یہ سنا تو آپ فوراً والدہ کے پاس آئے اور اپنے خاندان اور والد کے بارے میں استفسار کیا۔ والدہ نے ساری بات بتا دی اور کہا کہ تمہارا باپ کلاب اور اس کا خاندان اس قوم کے مقابلے میں ہر لحاظ سے اشرف و افضل ہے۔ جو مکہ معظمہ میں رہائش پذیر ہے۔ اور تمہارا بڑا حقیقی بھائی زہرہ بھی وہیں ہے۔ یہ سن کر آپ کے دل میں واپسی کا شوق پیدا ہوا اور حاجیوں کے ایک قافلہ کے ساتھ اپنے بھائی کے پاس آ گئے۔ بھائی اور دیگر افراد قبیلہ آپ کے آنے سے بہت خوش ہوئے اور جائیداد میں سے ان کا حصہ ان کو دلوا دیا۔

Marfat.com

آپ نہایت خوبصورت اور شریف النفس تھے۔ حلیل بن حبشیہ الخزاعی ان دنوں کعبہ کا متولی اور مکہ کا سردار تھا۔ اس نے اپنی بٹی حبی کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اور بہت سامال وغیرہ جہیز میں دیا۔ اس طرح آپ اپنے وطن میں باعزت اور خوشحال زندگی گزارنے لگے۔ اللہ نے آپ کو چار بیٹے عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبد عطا کئے۔

کعبہ کی تولیت: آپ کے سسر نے مرتے وقت کعبہ شریف کی تولیت کا حق اپنی بٹی حبی کو عطا کیا جبکہ بیت اللہ کے دروازے کھولنے اور بند کرنے کا حق اپنے بیٹے المحترش کے سپرد کیا جس کی کنیت ابو غبشان تھی۔ حلیل کی وفات کے بعد ابو غبشان نے ایک یا چند اونٹوں اور شراب کی ایک بوتل کے عوض بیت اللہ کی کلید برداری کا حق بھی اپنے بہنوئی کے ہاتھ ہمیشہ کے لئے فروخت کر دیا۔ بقول بعض کلید برداری کا حق بھی حلیل خزاعی نے مرتے وقت اپنے داماد کو ہی دے دیا تھا اور کہا تھا کہ قصی بنو خزاعہ کی بہ نسبت اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ (طبقات ابن سعد ج ا صفحہ ۷۳ نیز کامل ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۹)

اس طرح کعبہ شریف کی تولیت مکمل طور پر آپ کے ہاتھ آ گئی۔ بنو خزاعہ نے جب دیکھا کہ کعبہ شریف کی تولیت کا شرف کھونے سے وہ بے وقار ہو گئے ہیں تو انہوں نے بزور شمشیر اس حق کو چھین لینے کی تدبیر کی۔ آپ اپنے قبائل کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے گئے۔ بہت سے افراد فریقین کے کام آئے اور زخمی بھی بہت ہوئے۔ پھر فریقین نے بنو کنانہ میں سے عمرو بن عوف کو ثالث تسلیم کر کے جنگ ختم کرنے کا معاہدہ کرایا۔ انہوں نے تحقیقات کے بعد فیصلہ حضرت قصی کے حق میں دیا۔ اور جو کشت و خون ہوا تھا فریقین کی رضامندی سے ایک دوسرے سے معافی دلا کر ان کی آپس میں صلح کرا دی۔ کعب بن لوئی کی اولاد میں آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے کعبہ کی تولیت حاصل ہونے کے بعد اس کا انتظام زیادہ بہتر طریقے سے کیا۔

تعمیر کعبہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آپ نے ہی کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ آپ نے ہی سب سے پہلے مزدلفہ میں آگ روشن کی تھی جو برابر روشن رہتی تھی حتیٰ کہ عرفات سے واپس آنے والوں کو نظر آتی تھی کلید برداری کے علاوہ حاجیوں کے لئے فراہمی آب اور ان میں لنگر کی تقسیم اور مہمان نوازی بھی آپ کے سپرد تھی۔ آپ دارالندوہ یا مجلس شوریٰ کے صدر بھی تھے جس کے اجلاس آپ کے دیوان خانے میں منعقد ہوتے۔ آپ کا دیوان خانہ عوام کے لئے دارالنکاح بھی تھا۔ نیز آپ کی صدارت میں ہر طرح کے قومی اور انفرادی مسائل زیر بحث آتے اور فیصلے ہوتے، گویا آپ اپنے عہد میں پوری قوم کا ملجاء ماویٰ بنے ہوئے تھے، آپ نے جب اسی (۸۰) سال کی عمر (۴۸۰ء) میں وفات پائی تو وصیت میں اپنے بیٹوں کو شراب نوشی وغیرہ سے منع فرمایا آپ بڑے عقلمند اور ذی جاہ سردار تھے آپکی پر حکمت باتیں آج بھی اپنی عالمگیر معنویت کے لحاظ سے مشعل راہ ہیں چنانچہ فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ جو شخص کسی بدبخت اور شقی کا احترام کرتا ہے وہ اس کی شقاوت میں برابر کا حصہ دار بن جاتا ہے۔

۲۔ کوئی کسی برائی کو پسند کرتا ہے۔ وہ ایک نہ ایک دن اس سے سرزد ہو کر رہتی ہے۔

Marfat.com

۳۔ استحقاق سے زیادہ کا طلبگار بالآخر محروم اور ناکام رہتا ہے۔
۴۔ جو عزت کو قبول کرنے سے مجتنب رہے، اسے ذلت ہی حاصل ہوتی ہے۔
۵۔ حاسد چھپا ہوا دشمن ہے۔

آپ کے بڑے بیٹے عبدالدار حسن و جمال اور شرافت میں اپنے دوسرے بھائیوں کے ہم پایہ نہ تھے۔ چنانچہ آپ نے آخری عمر میں حرم شریف کے تمام مناصب عبدالدار کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نوازش کے ذریعے تجھے تیرے بھائیوں کے برابر کر دیا ہے۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۴۱)

عبد مناف بن قصی: آپ کی زوجہ محترمہ کا نام عاتکہ بنت مرہ بن ہلال تھا۔ آپ کا نام مغیرہ اور کنیت ابو عبد شمس اور لقب عبد مناف تھا۔ مناف انافۃ سے ہے جس کا مطلب ہے بلند اور نمایاں ہونا یا شرافت میں ممتاز ہونا۔ گویا عبد مناف کا مطلب یہ ہوگا۔ ممتاز، بلند اور شریف بندہ بقول بعض آپ کی پیدائش کے بعد والدہ نے آپ کو مشہور بت منات (یا مناف) کے سامنے لا ڈالا تھا۔ لہٰذا آپکا لقب عبد مناف مشہور ہو گیا۔

واقدی نے کہا کہ عبد مناف کی پیشانی میں نورِ محمدی ﷺ روشن تھا۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ صفحہ ۷۳) جس کی وجہ سے آپ اتنے حسین و جمیل نظر آتے کہ لوگ آپ کو قمر البطحا (بطحا کی وادی کا چاند) کہہ کر پکارتے۔ آپ اہل قریش کو نیکی اور پرہیزگاری کی تلقین کیا کرتے۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ (۱) نوفل، (۲) المطلب، (۳) عبدالشمس، (۴) ہاشم۔ نورِ محمدی ﷺ جناب ہاشم کو تفویض ہوا۔

آپ بڑے سخی تھے اور اس وجہ سے فیاض کے نام سے موسوم تھے۔ آپ چوتھی پشت میں حضرت عثمان غنی کے اور نویں پشت میں امام شافعی کے جد امجد تھے۔

آپ کے والد قصی بن کلاب نے کعبے کی تولیت اپنے بیٹے عبدالدار کو سونپی تھی۔ قصی کے بعد جب عبدالدار اور عبد مناف بھی وفات پا گئے تو ہاشم کے بیٹوں نے اپنا حق ظاہر کیا۔ جس کی وجہ سے ایک لڑائی کھڑی ہو گئی۔ آخر ان شرائط پر صلح ہو گئی۔ سقائت و افادہ (حاجیوں کے لئے لنگر پانی) بنی عبد مناف کے لئے حجابہ ولوا (کعبہ کی دربانی اور علم جنگ) اور دار الندوہ بنی عبدالدار کے پاس رہیں گے۔ بھائیوں میں ہاشم سب سے بڑے تھے چنانچہ سقایت و افادہ کا انتظام انہوں نے خود بطریق احسن انجام دیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۴۴ سیرت ابن ہشام (عربی) ج ۱ صفحہ ۱۴۵)

ہاشم بن عبد مناف: آپ کی بیوی، جن کے بطن سے حضرت عبدالمطلب تھے، کا نام سلمیٰ بنت عمرو بن زید خزرجی تھا۔ حضرت ہاشم کا نام عمرو اور لقب العلا تھا۔ ایک مرتبہ آپ تجارت کے لئے شام گئے۔ راستے میں مدینہ منورہ میں بنو عدی بن نجار میں سے ایک شخص عمرو بن زید خزرجی کے ہاں ٹھہرے۔ اس کی بیٹی سلمیٰ سے آپ کی شادی اس شرط پر طے پائی کہ وہ جو بچہ بھی جنے گی وہ میکے میں ہی جنے گی۔ شادی کے بعد آپ شام کو چلے گئے، اور واپسی پر سلمیٰ کو مکہ میں ساتھ لائے۔

Marfat.com

ہاشم کی وجہ تسمیہ: ایک دفعہ مکہ معظمہ میں سخت قحط پڑا۔ جس کا تدارک اور اس کا حل کسی کے بس کی بات نہ رہی۔ آپ نے فوراً ملک شام کی راہ لی، اور وہاں سے بہت زیادہ مقدار میں خشک روٹیاں خرید لائے، پھر مکہ میں آکر ان کا چورہ کیا، اور شوربے میں بھگو کر اہل مکہ کو کھلاتے رہے حتیٰ کہ قحط سالی ختم ہوئی۔ ہشم کے معنی ہیں چورا کرنا توڑنا ٹکڑے کرنا وغیرہ۔ لہٰذا آپ کو ہاشم کہا جانے لگا۔ وہب بن قصی کہتا ہے۔

تحمل هاشم ما ضاق عنه
واعيا ان يقوم به بن بيض
اتاهم بالغرائر متاقات
من ارض الشام بالبرا النفيض
فاوسع اهل مكه من هشيم
وشاب الخبزبا للحم الغريض

(طبقات ابن سعد ج ا صفحہ ۷۶)

ہاشم نے اپنی قوم کے لئے وہ بوجھ اٹھایا جسے اٹھا کر قائم رہنے سے بڑے بڑے بہادر اور شریف بھی عاجز تھے۔ وہ اپنی قوم کے لئے شام سے عمدہ گندم کی روٹیوں کے بورے بھر لائے جن کے سب مشتاق تھے۔

پھر انہوں نے وسعت اور فراخی کے ساتھ ان روٹیوں کو توڑ کر چورا کیا اور گوشت کے شوربے میں نرم اور تازہ کر کے اہل مکہ کو کھلائیں۔

آپ بڑے مہمان نواز اور اپنی قوم میں نہایت معظم و مکرم تھے، اور آپ کا دستر خوان اور لنگر چوبیس گھنٹے جاری رہتا۔

زرقانی علی المواہب (ج ا صفحہ ۷۳) میں ہے

وكان نور رسول الله صلى الله عليه وسلم في وجهه يتوقد شعاعه ويتلا لاضيائه ولا يراه حبرالا قبل يده ولا يمر بشئى الا سجداليه

نور محمدی ﷺ آپ کے چہرہ مبارک سے عیاں تھا۔ اس کی شعاعیں چمکتی تھیں اور ضیا میں دلکتی تھیں، اور جو عالم دین آپ کو دیکھتا آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا، اور آپ جدھر نکل جاتے تو اشیاء آپ کو جھک کر سجدہ کرتیں۔

چنانچہ عرب کے قبائل اور احبار کے نمائندے اور وفود آپ کے پاس آتے اور لڑکیوں کے رشتے پیش کرتے یہاں تک کہ بادشاہ روم نے اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کیا۔ مگر آپ نے سب کو انکار کر دیا۔

(زرقانی علی المواہب ج ا صفحہ ۷۳)

Marfat.com

سلمیٰ سے شادی کے بعد آپ مکہ میں رہا کئے۔ جب بچے کی امیدواری ہوئی تو آپ سلمیٰ کو لیکر مدینہ منورہ گئے تا کہ اس کے والدین کے پاس چھوڑ دیں۔ آپ وہاں سے عازم شام ہوئے اور وہیں غزہ میں وفات پائی اور مدفون بھی وہیں ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد عبدالمطلب کی پیدائش ہوئی۔ (کامل ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۵)

حضرت ہاشم کعبہ شریف کے متولی بھی تھے۔ آپ نے حاجیوں کے لئے خورد و نوش کے بہترین انتظامات کئے۔ چمڑے کے بڑے بڑے حوض بنوا کر مختلف جگہوں پر رکھوائے تا کہ پانی کی قلت نہ رہے۔
آپ کے دور میں تجارت کو بڑی ترقی ملی قیصر کی طرف سے ایک حکمنامہ جاری کروایا جس کے تحت قریش کے تجارتی قافلوں سے ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ سیرت النبی ج ا صفحہ ۱۲۵ از شبلی نعمانی) ایسا ہی ایک فرمان حبش کے بادشاہ سے حاصل کیا گیا تھا۔ (ہاشم نے قیصر روم اور ملک غسان سے، عبد شمس نے حبشہ کے بادشاہ سے، نوفل نے عراق کے اکاسرہ سے اور مطلب نے یمن کے شاہ حمیر سے فرامین حفظ و امن حاصل کئے۔ اس کے بعد ہاشم نے قریش کے لئے سال میں دو تجارتی سفر مقرر کئے۔ (بحوالہ سیرت رسول عربی صفحہ ۲۳ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

ان دنوں عرب سردیوں میں یمن اور حبشہ کی طرف بغرض تجارت سفر کرتے تھے اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک کی طرف انقرہ تک جاتے تھے۔ (ان سفروں کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ قریش میں آیا ہے۔ "رحلة الشتاء والصيف" سے مراد سرما اور گرما کے تجارتی سفر ہیں۔) ان فرامین کی وجہ سے قریش تاجر بہت نفع کماتے۔ حضرت ہاشم ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو صبح کے وقت کعبہ سے پشت لگا کر یوں مخاطب ہوتے:

"اے گروہ قریش! تم خدا کے گھر کے پڑوسی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بنی اسماعیل میں سے کعبہ کی تولیت کا شرف عنایت کیا ہے، اور تمہیں کعبہ کے جوار میں رہنے کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اللہ کے مہمان اور زائرین تمہارے پاس آ رہے ہیں۔ جو اس گھر کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کے ان مہمانوں کی میزبانی کا حق تم پر سب سے زیادہ ہے۔ پس تم خدا کے مہمانوں اور بیت اللہ کے زائرین کا اکرام کرو جو دور دور کے شہروں سے تیروں جیسی لاغر اور سبک اندام اونٹنیوں پر تھکے ماندے ژولیدہ مو اور غبار آلود آ رہے ہیں۔ رب کعبہ کی قسم اگر میرے پاس وافر سرمایہ ہوتا تو میں تمہیں تکلیف نہ دیتا۔ میں اپنے کسب حلال میں سے دے رہا ہوں۔ تم میں سے جو بھی چاہے ایسا کرے۔ میں تمہیں اس گھر کی حرمت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اپنی حلال کمائی کے علاوہ زائرین پر کوڑی بھی خرچ نہ کرنا۔ اس پر قریش اپنی حلال کمائی میں سے دارالندوہ میں جمع کرا دیتے" اور حاجیوں کی خوب خدمت کرتے۔ حضرت ہاشم کی ان خدمات جلیلہ کی وجہ سے لوگ آپ کو ابوالبطحا اور سید البطحا بھی کہا کرتے۔ آپ نے شام میں غزہ کے مقام پر ۵۱۰ء میں وفات پائی۔ (محمد رسول اللہ ﷺ مولفہ محمد (ص) مصری قاہرہ صفحہ ۱۸ (اردو ترجمہ) اس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ آپ کے بھائی مطلب نے رومان میں، عبد شمس نے مکہ میں اور نوفل نے سلمات (عراق تا مکہ اثنائے راہ میں ایک قطعہ آب) میں وفات پائی۔

Marfat.com

(سیرت رسول عربی صفحہ ۲۴ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

عبدالمطلب بن ہاشم: آپ کا نام شیبۃ الحمد اور کنیت ابوالحارث تھی۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے سر میں چند سفید بال بھی تھے اس لئے آپ کا نام شیبہ یعنی سفید بالوں والا رکھا گیا۔

عبدالمطلب کیسے کہلائے: ابن اثیر لکھتے ہیں کہ آپ چونکہ اپنے ننھیال کے ہاں مدینہ میں پیداء ہوئے تھے اس لئے وہیں پرورش پا رہے تھے۔ آپ ایک دن بچوں کے ساتھ تیراندازی کر رہے تھے۔ آپ جو تیر چلاتے وہ نشانے پر بیٹھتا اور آپ ہر تیر چلاتے وقت فرماتے "میں ابن ہاشم سید البطحا ہوں" حسن اتفاق سے ادھر سے ایک شخص کا گزر ہوا جو عبدمناف میں سے تھا۔ اس نے یہ الفاظ سنے تو پاس بلا کر پیار سے پوچھا کہ تم کس کے بیٹے ہو۔ فرمایا۔ میں شیبہ بن ہاشم بن عبدمناف ہوں۔ جب وہ شخص واپس مکہ لوٹا تو اس نے مطلب بن عبدمناف سے اس ہونہار بچے کا ذکر کیا اور اسے مکہ لانے کی تاکید کی۔ چنانچہ مطلب فوراً یثرب پہنچے اور واپسی پر شیبہ کو ہمراہ لے آئے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی عمر سات آٹھ سال تھی، اور آپ کے کپڑے بھی پھٹے پرانے سے تھے اور آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ مطلب نے آپ کو وہیں سے اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا، اور آپ کی والدہ صاحبہ کو خبر تک نہ کی کہ مبادا وہ بھیجنے سے انکار کر دیں۔ بقول بعض آپ کو جناب مطلب بن عبدمناف آپ کی ماں کی اجازت سے اپنے ساتھ مکہ لائے بہرحال جب یہ چچا بھتیجا مکہ پہنچے تو اس وقت شیبہ بن ہاشم کے کپڑوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ چنانچہ مطلب سے جب لوگوں نے استفسار کیا کہ یہ بچہ کون ہے تو شرم کے مارے انہوں نے کہا یہ میرا غلام ہے۔ بعد ازاں انہوں نے بہت کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ مگر لوگوں کی زبان پر عبدالمطلب کا نام کچھ ایسا چڑھا کہ اصل نام پر غالب آگیا۔ لوگ شیبہ کی بجائے آپ کو عبدالمطلب کہہ کر پکارنے لگے۔ آپ کے چچا مطلب نے آپ کو اپنے بھائی ہاشم کی ساری جائیداد کا وارث بنا دیا۔ کامل ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۵ اور خود کفالت کرنے لگے وہ ہاشم کی وفات کے بعد سردارِ مکہ بنے تھے اور جب مطلب کی وفات ہوئی تو مکہ کی سرداری اور کعبہ کی خدمت گزاری بھی آپ کے حصہ میں آئی۔ آپ کا رعب اور دبدبہ بہت زیادہ تھا۔ آپ نہایت پاکیزہ خو اور شریف تھے۔ لوگ آپ کو سید القریش اور اشرف القریش کہہ کر پکارتے۔ بڑے بڑے لوگ آپ کا چہرہ دیکھتے تو مبہوت ہو کر رہ جاتے اور بے اختیار تعظیم و تکریم کرنے لگتے۔ آپ کی بدنی طہارت و نفاست اس قدر تھی کہ آپ کے بدن سے خالص کستوری کی خوشبو آتی تھی۔

وکان نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضیئی فی غرتہ وکانت قریش اذ اصابہا قحط شدید فاخذ بید عبدالمطلب فتخرج بہ الی جبل ثبیر فیستقربون بہ الی اللہ ویسئلونہ ان یسقیہم الغیث وکان یغیثہم ویسقیہم

Marfat.com

ببرکت نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیثا عظیما

اور آپ کی پیشانی سے نور محمدی ﷺ چمکتا تھا۔ سخت قحط پڑتا تو قریش آپ کا ہاتھ پکڑ کر کوہ ثبیر پر لے جاتے اور آپ کے ذریعے اللہ کا قرب چاہتے اور اس کی بارگاہ میں دعا کرتے کہ وہ آپ کے وسیلہ سے بارش برسا دے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی فریاد رسی کرتا اور نور محمدی ﷺ کی برکت سے ان کو بارانِ عظیم سے سیراب فرماتا۔ (زرقانی علی المواہب ج ا صفحہ ۵۲)

چاہ زمزم: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے فرزند نابت کعبہ کے متولی ہوئے تھے اور ان کی وفات کے بعد آپ کا نانا مضاض بن عمرو جرہمی متولی بنا۔ بنو جرہم میں آہستہ آہستہ ظلم و ستم نے جڑ پکڑلی جسے روکنے کے لئے بنو بکر بن عبد منات بن کنانہ اور بنی غبشان (یہ خزاعی تھے) نے کمر ہمت باندھی، اور اُن کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عمرو بن حرب بن مضاض جرہمی اور اس کے ساتھیوں کو جب مکہ سے نکلنا پڑا تو یہ لوگ جاتے ہوئے ایک اور ظلم ڈھاگئے یعنی انہوں نے حجر اسود اور غلاف کعبہ کو چاہ زمزم میں ڈال کر اوپر سے بند کر دیا اور ایسا بے نشان کیا کہ باوجود کوشش کے بعد ازاں یہ چاہ دریافت نہ ہو سکا۔ جرہمی یمن کی طرف بھاگ گئے۔ اور مکہ معظمہ میں بنی غبشان کو کعبہ کی تولیت ملی جن کا سردار عمرو بن حرث غبشانی (خزاعی) تھا اور بنو اسماعیل کے مختلف قبائل آپس میں دست و گریباں رہتے تھے۔ اس لئے ان کو تولیت سے کوئی واسطہ نہ رہا۔ حلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو خزاعہ میں سے آخری متولی تھا جو قصی بن کلاب کا سسر تھا۔ حلیل کی وفات کے بعد کعبہ کی تولیت قصی کے سپرد ہوئی اور ہوتے ہوتے حضرت عبد المطلب تک پہنچی۔ ابن اسحاق نے حضرت علی کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت عبد المطلب کو خواب میں حکم ملا کہ طیبہ کو کھودو۔ اگلی رات کہا گیا کہ مضنونہ کو کھودو۔ اور کسی نے ان لفظوں کا مطلب نہ بتایا تیسری دفعہ خواب میں حکم ہوا کہ زمزم کو کھودو۔ وہاں پانی بہت ملے گا۔ صبح کو قربان گاہ کے قریب جاؤ گے تو وہاں ایک کوا چونچ سے زمین کھودتا ملے گا۔ زمزم اسی جگہ ہے نیز وہاں چیونٹیوں کا ایک بل بھی ملے گا۔ ابن اسحاق کے بقول حضرت عبد المطلب اس غیبی اشارہ کے مطابق اپنے اکلوتے بیٹے حارث کو ساتھ لے کر کھدائی میں مصروف ہو گئے۔ اور جلد ہی پانی نکل آیا۔ نعرہ تکبیر بلند ہوا تو قریش بھی اس کنوئیں پر دعویٰ جمانے لگے کیونکہ یہ حضرت اسماعیل کی یادگار تھا۔ جو ان کے جد امجد تھے حضرت عبد المطلب نے انکار کیا تو بات بڑھی۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ لڑنے بھڑنے کی بجائے ملک شام کی سرحد پر رہائش پذیر کاہنہ کے پاس حاضر ہو کر فیصلہ کرالیا جائے۔

پس حضرت عبد المطلب اور قریش کے ہر قبیلے میں سے ایک ایک دو دو آدمی اس سفر پر اکٹھے روانہ ہوئے۔ راستہ بڑا پرخطر اور مخدوش تھا۔ راہ میں پینے کا پانی ختم ہو گیا۔ اور جن کے پاس تھوڑا بہت تھا انہوں نے دوسروں کو پلانے سے انکار کر دیا اب موت سامنے تھی۔ عبد المطلب نے کہا کہ ہمیں اپنی اپنی قبر کھود لینی چاہئے۔ سب نے ایسا کیا اور اپنی اپنی قبر میں یہ پیاسے لوگ لیٹ کر موت کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں عبد المطلب نے سوچا کہ یہ خودکشی اچھی نہیں۔ جب تک جان ہے کہیں پانی تلاش کیا جائے۔ چنانچہ سب

Marfat.com

اپنے اپنے اونٹوں پر بیٹھ کر چلنے کو تیار ہوئے۔ خدا کی قدرت سے جب عبدالمطلب کی اونٹنی چلنے لگی تو اس کے پاؤں کے نیچے سے پانی کا چشمہ ابلنے لگا۔ جس کا پانی نہایت صاف اور میٹھا تھا۔ عبدالمطلب نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اور سب کو پانی لینے کی دعوت دی، اور ان کو بھی جن کے پاس تھوڑا سا موجود تھا۔ سب نے اپنے مشکیزے بھر لئے۔ پھر یہ سب لوگ متفقہ طور پر حضرت عبدالمطلب کی عظمت اور زمزم پر ان کے حق کے معترف ہو کر اسی جگہ سے واپس مکہ معظمہ آ گئے۔

ابن ہشام کے بقول ایک روایت اس طرح ہے کہ خواب میں دو بتوں اساف اور نائلہ کے درمیان جہاں چیونٹیوں کا بل تھا کی نشاندہی کرائی گئی اور صبح کو ایک کو ابھی وہاں چونچیں مارتا دیکھا۔ آپ حارث کو ساتھ لے کر اس جگہ کو کھودنے لگے۔ قریش نے مزاحمت کی کہ یہ جگہ ہماری پوجا اور قربانی کی ہے۔ حارث تو رک گئے مگر عبدالمطلب نے تہورانہ للکار سے کھدائی شروع کی قریش ڈھیلے پڑ گئے۔ تھوڑی سی کھدائی کے بعد کنواں بر آمد ہوا۔ جس میں سے سونے کے دو بت اور بہت سی زرہیں اور تلواریں بر آمد ہوئیں جن کو بنو جرہم کنواں بند کرتے وقت ڈال گئے تھے اب قریش نے ان چیزوں میں سے اپنا حصہ مانگا۔ عبدالمطلب نے قرعہ اندازی کا مشورہ دیا۔ وہ مان گئے۔ عبدالمطلب نے دو زرد پیالے کعبہ کے لئے۔ دو سیاہ پیالے اپنے لئے اور دو سفید پیالے سب سے بڑے بت ہبل کے پاس رکھے۔ اور قرعہ ڈالا۔ سونے کے بت کعبہ کے حصہ میں آئے۔ تلواریں اور زرہیں عبدالمطلب کو مل گئیں اور قریش خالی رہے۔ حضرت عبدالمطلب نے اس سونے کے پترے بنوا کر ان کو کعبہ کے دروازہ پر لگوا دیا۔ یہ پہلا سونا تھا جو خانہ کعبہ کی تزئین کے لئے استعمال ہوا۔ جب کنواں نکل آیا تو زمزم کا پانی حاجیوں کی ضرورت کا کفیل ہوا (سیرت ابن ہشام جلد اول وابن اسحاق)

چاہ زمزم کے علاوہ کنوئیں: چاہ زمزم کی گمشدگی کے زمانے میں بہت سے دوسرے کنوئیں بھی سرزمین مکہ میں کھودے گئے تھے۔ زیاد بن عبداللہ بکائی نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ عبدالشمس بن عبد مناف نے طویٰ نامی کنواں مکہ کی چڑھائی کی جانب بیضا میں محمد بن یوسف کے مکان کے قریب اور ایک کنواں ہاشم بن عبد مناف نے شعب ابی طالب کے منہ پر کھدوایا تھا۔ جسے انہوں نے عام استعمال کے لئے وقف کر دیا تھا۔

مطعم بن عدی نے ایک کنواں "سجلہ" کھدوایا اور اس کا پانی عام استعمال کے لئے بھی تھا۔ بقول بعض یہ کنواں دراصل مطعم نے اسد بن ہاشم سے خریدا تھا۔ اور بقول بعض اسد نے یہ کنواں مطعم کو عطا کر دیا تھا کیوں کہ چاہ زمزم کی دریافت کے بعد ان کو اور کنوؤں کی ضرورت نہ رہی تھی۔ امیہ بن شمس نے ایک کنواں جس کا نام خصر تھا، کھدوایا اور بیر بنی اسد بھی ایک چاہ تھا جو بنی اسد نے کھدوایا جبکہ بنی عبدالدار نے ام حراد نامی کنواں کھدوایا، اور بنو جمح اس کو سنبلہ کہتے تھے۔ بنی سہم کے کنوئیں کا نام غمر تھا جسے بیر بنی سہم بھی کہتے تھے۔ پرانے وقتوں میں مرہ بن کعب بن لوئی نے ایک کنواں کھدوایا تھا جس کا نام انہوں نے زمزم رکھا تھا۔ اور بنی کلاب بن مرہ کے کنوئیں کا نام خم تھا۔

Marfat.com

(سیرت ابن ہشام جلد اول)

عبداللہ بن عبدالمطلب: آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابو محمد اور لقب ذبیح تھا۔ باپ کے بڑے پیارے اور لاڈلے تھے۔ آپ اور آپ کی بہن ام بیضا توأم پیدا ہوئے تھے۔ اور ابو طالب کے ماں جائے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عاز مخزومی تھا۔

ذبیح ہونے کی وجہ: حضور علیہ السلام فرماتے ہیں **انا ابن الذبیحین** یعنی میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ پہلے ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ جن کی نسل سے آپ ﷺ پیدا ہوئے۔ اور دوسرے ذبیح آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ تھے۔ روایت ہے کہ چاہ زمزم (کی تلاش میں زمین) کھودتے وقت حضرت عبدالمطلب کو قریش نے روکا۔ آپ کے ساتھ اس وقت صرف حارث تھے۔ خیال آیا کہ اگر میرے زیادہ بیٹے ہوتے تو ان کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوتی چنانچہ منت مانی کہ اگر دس بیٹوں کو اپنی زندگی میں جوان دیکھوں تو ان میں سے ایک بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کردوں گا۔ جب اللہ کے فضل وکرم سے آپ کے دس بیٹے کڑیل جوان ہو چکے تو ایک رات کعبہ مکرمہ کے قریب سو رہے تھے کہ خواب میں نذر پوری کرنے کا اشارہ ہوا۔ آپ نے اگلے روز مینڈھا ذبح کر کے گوشت صدقہ کر دیا۔ اگلی رات پھر اشارہ ہوا کہ وہ چیز مینڈھے سے بڑی ہے۔ تو آپ نے ایک بیل ذبح کر کے صدقہ میں دیا۔ تیسری رات وضاحت کی گئی کہ منت کے مطابق ایک بیٹا ذبح کر۔ صبح اٹھے تو سب بیٹوں کو خواب سنایا۔ سب نے اپنی اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ آپ نے قرعہ ڈالا تو عبداللہ کا نام نکلا۔ مگر عبداللہ کے بھائی بہنیں اور ننھیال (بنی مخزوم) مانع ہوئے اور سرداران قریش بھی اس رسم سے خائف ہوئے کہ مبادا کل کلاں انہیں بھی اولاد کی قربانی دینی پڑے۔ چنانچہ طے پایا کہ حجاز کی معروف کاہنہ "نجاح" سے مشورہ لیا جائے۔ نجاح نے "دیت" کی وضاحت چاہی تو بتایا گیا "دس اونٹ" تو اس نے کہا کہ دس اونٹ اور عبداللہ کا نام لکھ کر قرعہ ڈالا جائے اور جب تک عبداللہ کا نام نکلتا رہے دس دس اونٹ بڑھاتے چلے جائیں۔ چنانچہ سو اونٹوں پر قرعہ ڈالا تو اونٹ نکل آئے جنہیں بطیب خاطر اللہ کی راہ میں قربان کر دیا گیا۔ اور اس واقعہ کے بعد خون بہا کی مالیت سو اونٹ مقرر ہو گئی۔

(سیرت ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۱۶۴ کامل ابن اثیر۔ معارج النبوۃ ج ۱ صفحہ ۱۴-۱۶-۱۷ (اردو)

جمال وحسن: حضرت عبداللہ بڑے جمیل وحسین تھے۔ اس واقعہ کے بعد آپ کی قدر وعظمت اور بھی بڑھ گئی آپ اپنے خاندان میں اخلاق وجمال میں سے سب سے نمایاں تھے۔ جب آپ کی عمر باختلاف روایات اٹھارہ، پچیس یا تیس سال ہوئی تو کئی رشتے آئے۔ نیز کئی عورتوں نے آپ کو ورغلانے کی بھی کوشش کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر بدی سے محفوظ رکھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک کاہنہ فاطمہ بنت مرالخثعمہ نے اظہار محبت کیا اور سو اونٹوں کا لالچ بھی دیا مگر آپ نے غلط کاری سے انکار کر دیا اور کہا **اما الحرام فالممات دونہ۔ والحل لاحل فاستبینہ** یعنی حرامکاری سے تو موت بہتر ہے۔ حلال پسندیدہ تو ہے مگر میرا تمہارا نکاح نہیں ہوا۔

Marfat.com

فکیف الامرالذی تبغینہ یحمی الکریم عرضہ و دینہ

یعنی پس تمہاری خواہش پر کیسے چلوں۔ کیونکہ شریف آدمی کو تو اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرنی چاہئے (خصائص کبری جلد ۱ صفحہ ۴۰ ابو نعیم ابن عساکر وغیرہ نیز رحمتہ اللعالمین ج ۲ صفحہ ۱۰۱)

آپ کی عمر کے سلسلہ میں بعض روایات میں پچیس سال کو ترجیح دی گئی ہے (رحمتہ اللعالمین ج ۲ صفحہ ۱۰۲) زرقانی نے سترہ سال سے زاید (سیرت النبی ج ۱ صفحہ ۱۶۹) جبکہ مراثخیمہ کی بجائے بعض روایات میں ورقہ بن نوفل کی بہن ام قتال کا ذکر ہے۔ (معارج النبوۃ ج ۱ صفحہ ۳۹۷ (اردو)

حضرت عبداللہ کی شادی: اب حضرت عبدالمطلب کو حضرت عبداللہ کی شادی کی فکر ہوئی۔ جو رشتے آئے تھے ان میں سے آمنہ بنت وہب کا رشتہ آپ نے قبول کر لیا اور اس طرح حضرت عبداللہ کی شادی ان سے ہو گئی۔ "سیدہ آمنہ نکاح کے پہلے ہی ہفتہ میں امانت دار نور محمدی بن گئی تھیں ان کا بیان ہے کہ مجھے بوڑھی عورتوں نے کہا کہ حمل کے دنوں میں کچھ لوہا گردن میں لٹکا لو۔ اور کچھ بازوؤں میں باندھ لو۔ میں نے ایسا ہی کر لیا۔ مگر چند روز کے بعد دیکھا کہ وہ لوہے کی چیزیں کہیں گر گئی تھیں۔ پھر میں نے کچھ نہ باندھا۔

(رحمتہ اللعالمین ج ۲ صفحہ ۱۰۳ بحوالہ ابن سعد)

سیدہ آمنہ کو خواب میں بتایا گیا کہ پیٹ والے بچے کا نام احمد ﷺ رکھنا چنانچہ ماں نے آنحضرت کا نام احمد ﷺ رکھا اور دادا نے محمد ﷺ تجویز کیا۔ پس محمد و احمد ﷺ دونوں مبارک نام حضور کے ذاتی نام ہیں۔

(رحمتہ اللعالمین ج ۲ صفحہ ۱۰۳ ابن سعد)

ابن سعد نے بروایت محمد بن علی یعنی ابن الحنفیہ بیان کیا کہ انہوں نے اپنے والد علی المرتضیٰ سے سنا کہ انہوں نے رسول خدا سے سنا کہ فرمایا ﷺ **سمیت احمد** میرا نام احمد ﷺ رکھا گیا۔ یہ روایت مرفوع ہے۔

(رحمتہ اللعالمین ج ۲ صفحہ ۱۰۳ حاشیہ ۲ بحوالہ ابن سعد)

اس خواب کے بعد سیدہ آمنہ کو حضور علیہ السلام کے مبارک قدم اور بابرکت و مسعود ہونے کا یقین ہو گیا تھا۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ظہور قدسی سے پہلے قریش قحط اور افلاس کا شکار تھے۔ جب آمنہ کو یہ امانت سپرد ہوئی تو باران رحمت کا نزول ہوا۔ قحط کے سال کو **سنتہ الفتح والابتہاج** کہا جانے گا۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ صفحہ ۴۷) زرقانی علی المواہب (ج ۱ صفحہ ۱۰۵) میں ہے کہ جمعہ کی رات کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ کو نور محمدی ﷺ کی امانت سے سرفراز فرمایا۔ اس رات اللہ تعالیٰ نے خازن جنت کو ابواب جنت کھولنے کا حکم دیا۔ اور حضور کی تشریف آوری کی منادی فرشتوں کے ذریعے آسمانوں اور زمینوں میں کرائی اور ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق مشرق و مغرب کے وحشی،

Marfat.com

چرند اور دریائی جانوروں نے ایک دوسرے کو رسول خدا کے آنے کی بشارت دی۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ صفحہ ۱۰۸)

حضرت عبداللہ کی وفات: حضور علیہ الصلوۃ والسلام ابھی شکم مادر میں ہی تھے کہ حضرت عبداللہ قریش کے تاجروں کے ہمراہ تجارت کا مال لے کر ملک شام گئے۔

واپسی پر کھجوریں خریدنے کے لئے مدینہ منورہ میں رکے۔ اور وہاں چند روز بیمار رہنے کے بعد ۲۵ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور وہیں دفن ہوئے۔

سیدہ آمنہ کو آپ کی وفات پر گہرا صدمہ ہوا۔ جس کا اظہار آپ نے ایک مرثیے میں کیا ہے جسے طبقات ابن سعد میں نقل کیا گیا ہے۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۱۰۰ نیز خصائص کبریٰ ج ۱ صفحہ ۴۷)

عفا جانب البطحا من ابن هاشم — وجاور لحدا خارجا فی الغماغم

بطحا کی سرزمین ابن ہاشم (عبداللہ) سے خالی ہو گئی — اور وہ کفن اوڑھے اپنے اہل سے دور قبر میں چلے گئے

وعته المنایا دعوة فاجابها — وما ترکت فی الناس مثل ابن هاشم

موت نے اسے پکارا اس کی دعوت اس نے قبول کر لی — افسوس لوگوں میں موت نے اس جیسا ابن ہاشم نہ چھوڑا

عشیة راحوا یحملون سریره — تعاوره اصحابه فی التزاحم

اس کے دوست عشا کے وقت اس کا جنازہ لے گئے — محبت کے ساتھ باری باری کندھا دیتے ہوئے

فان یک غالته المنایا و ریبها — فقد کان معطاء کثیر التراحم

اگرچہ موت نے عبداللہ کو ہم سے جدا کر دیا — مگر بلاشبہ وہ بہت بڑا سخی، مہربان ہمدرد اور رحمدل تھا

پاکیزہ کردار حضرت عبداللہ کا تازہ واقعہ: حضرت عبداللہ ظاہری اور باطنی طور پر کس قدر موحد باکرامت اور پاکیزہ کردار کے مالک تھے

اس کی توثیق تاریخ و سیر کے اوراق سے تو ہوتی ہی ہے لیکن اس کا تازہ ترین ایک ثبوت مندرجہ ذیل خبر بھی ہے۔

"چودہ سو برس بعد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا جسد مبارک قبر سے صحیح حالت میں برآمد ہوا۔ سات صحابہ کرام کے جسد بھی اصل حالت میں تھے۔"

کراچی ۲۰ جنوری اج۔ ل) یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ میں مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کے لئے کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ بن حضرت عبدالمطلب کا جسد مبارک جس کو دفن کئے ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ بالکل صحیح و سالم حالت میں برآمد ہوا۔ علاوہ ازیں صحابی رسول حضرت مالک بن سونانی کے علاوہ دیگر چھ صحابہ کرام کے جسد مبارک بھی اصل حالت میں پائے گئے جنھیں جنت البقیع میں نہایت عزت واحترام کے ساتھ دفنا دیا گیا جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ کے جسم نہایت

Marfat.com

تر و تازہ اور اصلی حالت میں تھے۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور (جلد ۳۸ شمارہ ۲۴۲ آخری صفحہ کالم ۸) پانچ ستارے والا ایڈیشن مورخہ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۹۸ھ بمطابق ۲۱ جنوری ۱۹۷۸ء (۸ ماگھ ۲۰۳۴ بکری)

ایسا ہی ایک اور واقعہ ۱۹۳۲ء میں عراق میں دیکھنے میں آیا۔ جب دو صحابہ حضرت حذیفہؓ اور جابرؓ بن عبداللہ کے اجساد کو پرانی قبور کی سیلاب زدگی پر نئی جگہ منتقل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ یہ واقعہ سہ روز ایشیا لاہور نے اپنے ۴ مارچ ۱۹۸۴ء تیس ۳۰ جمادی الاول ۱۴۰۴ کے شمارہ نمبر ۱۰ جلد ۳۳" میں ریڈی اینس دہلی کے حوالے سے اس طرح نقل کیا ہے۔

یہ قصہ کہانی نہیں تاریخی حقیقت ہے:

"عراق میں واقع سلمان پاک وہی شہر ہے جسے تاریخ قدیم میں مدائن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ شہر دریائے دجلہ کے کنارے بغداد سے چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس شہر میں کسریٰ کا وہ محل ابھی تک موجود ہے جو آج سے قریب دو ہزار برس قبل تعمیر ہوا تھا یہ محل شہنشاہ یزدگرد نے تعمیر کرایا تھا۔ حکومت عراق نے ایک اور قابل تعریف کام یہ کیا ہے کہ اس نے اس شہر میں ایک وسیع نمائش گاہ (پنوراما تھیٹر) بنوائی ہے جس میں جنگ قادسیہ کی یاد میں اس کے تمام مناظر تاریخ اور تخیل کی مدد سے دکھائے گئے ہیں۔ جنگ قادسیہ اسلامی فوجوں اور ایرانی فوجوں کے درمیان ۶۳۷ بعد مسیح میں لڑی گئی تھی۔ ایک طرف جناب ابی وقاصؓ فوجوں کی کمان کر رہے تھے تو دوسری طرف ایرانی سپہ سالار رستم تھا۔ حکومت عراق نے اس نمائش گاہ کی تعمیر پر ۲۵ کروڑ روپیہ صرف کیا ہے اور قریب چھ ہزار مزدوروں اور کاریگروں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔

اس نمائش گاہ کی بلند و بالا دیواروں پر جنگ قادسیہ کے مناظر اس طرح دکھائے گئے ہیں گویا واقعی جنگ آنکھوں کے سامنے ہو رہی ہو۔ جنگ کے یہ مناظر کوریا کے مصوروں نے عراقی فنکاروں کی مدد سے کھینچے ہیں، رات کے وقت ان پر روشنی پڑتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا حقیقت سامنے آن کھڑی ہوئی ہے اور آدمی قلعہ کی دیوار سے سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ یہ پنوراما تھیٹر اپنی نوعیت کا دنیا بھر میں انوکھا تھیٹر ہے، اس جیسی نمائش یا تو روس میں موجود ہے یا شمالی کوریا میں۔

صحابہ کرامؓ کے مزار: اسی شہر یعنی سلمان پاک میں حضرت سلمان فارسیؓ کا مزار ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار پر سالانہ عرس لگتا ہے جس میں اعیان حکومت اور عوام پیدل چل کر آتے ہیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار سے قریب ہی دو اور صحابہؓ کے مزار ہیں ایک حضرت حذیفہؓ ہیں اور دوسرے جابر بن عبداللہؓ ان کے مزار قبل ازیں دجلہ کے قریب واقع تھے لیکن بعد میں ان کو دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔ منتقلی کا یہ واقعہ بجائے خود حیرت انگیز ہے۔

Marfat.com

۱۹۳۲ء میں عراق کے شاہ فیصل اول نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حذیفہؓ اسے فرمارہے ہیں کہ مجھے اور جابر بن عبداللہؓ کو یہاں سے کسی دوسری محفوظ جگہ منتقل کردو کیونکہ دریا اپنا راستہ بدل رہا ہے اور اس کا پانی ہماری قبروں تک پہنچ گیا ہے۔

بادشاہ نے یہ خواب دیکھا لیکن اس کی کوئی تعبیر اس کی سمجھ میں نہ آئی اس لئے اس نے اس طرف توجہ نہ کی۔ دوسری رات اسے پھر یہی خواب آیا کہ حضرت حذیفہؓ فرمارہے ہیں کہ ہمیں جلدی سے یہاں سے منتقل کردو۔ لیکن بادشاہ کی سمجھ میں پھر بھی کوئی بات نہ آئی۔ تیسری رات یہی خواب مفتی اعظم عراق کو آیا۔ مفتی اعظم نے دیکھا کہ حضرت حذیفہؓ اس سے فرمارہے ہیں کہ میں دو راتوں سے بادشاہ سے کہہ رہا ہوں کہ مجھے اور جابر بن عبداللہؓ کو یہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ منتقل کردو لیکن بادشاہ نے کوئی توجہ نہیں کی اس لئے میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ بادشاہ کو توجہ دلاؤ کہ ہمیں جلدی سے یہاں سے منتقل کردیا جائے۔

مفتی اعظم عراق یہ خواب دیکھتے ہی وزیراعظم عراق نور سعید پاشا کے پاس پہنچے اور اسے ساتھ لے کر بادشاہ کے پاس گئے اور اپنا خواب اسے سنایا۔ شاہ فیصل نے کہا۔ یہی خواب مجھے بھی آیا ہے اور میں اسے مسلسل دو رات سے دیکھ رہا ہوں۔

حضرت حذیفہؓ کے ارشاد پر سب غور کرتے رہے۔ شاہ فیصل نے مفتی اعظم سے کہا کہ آپ مجھے مزار کھولنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کا حکم دے دوں گا۔ چنانچہ مفتی اعظم عراق نے تحریری فتویٰ دیا تو بادشاہ نے فرمان جاری کیا کہ عیدالاضحیٰ (جو قریب ہی تھی) کو ظہر کے بعد دونوں صحابہ کرامؓ کے مزار کھولے جائیں گے۔

یہ فرمان جونہی جاری ہوا سارے عالم اسلام میں اس کی خبر پھیل گئی۔ ادھر حج کا موسم بھی شروع ہو چکا تھا۔ یہ خبر ملتے ہی تمام زائرین حج کی جانب سے بھی شاہ فیصل سے استدعا ہونے لگی کہ مزار کے کھولنے کو دو چار روز کے لئے مزید موخر کردیا جائے تاکہ اہل شوق بھی مناسک حج سے فارغ ہو کر تدفین جدید صحابہؓ کی تقریب سعید میں شریک ہو سکیں۔ لیکن یہ درخواست صرف زائرین حج ہی کی نہیں تھی بلکہ پورے عالم اسلام سے ہو رہی تھی شاہ فیصل کی خدمت میں مصر، شام، لبنان، ترکی، فلسطین، ایران، روس، اور ہندوستان سے اس مضمون کے تاروں کا تانتا بندھا ہوا تھا جن میں درخواست کی گئی تھی کہ صحابہ کرامؓ کی تدفین نو کی تقریب کو اتنا موخر کردیا جائے کہ ہر ملک کے اہل شوق بھی اس تقریب سعید میں شریک ہو سکیں۔ اس پر شاہ فیصل نے دوسرا فرمان جاری کیا اور مزاروں کے کھولنے اور صحابہ کرامؓ کی تدفین نو کی تاریخ حج کے دس روز بعد مقرر کردی گئی۔ اس دوران میں دونوں صحابہ کے مزاروں کے گرد کچھ ایسے انتظامات کردیئے گئے کہ دریا کا پانی ان میں رسنا بند ہو جائے۔

صحابہؓ کے مزاروں کا کھولے جانا: یہ سوموار کا دن تھا۔ نماز ظہر کے بعد مسلمانوں کے اجتماع عظیم کے سامنے مزاروں کو کھولا گیا۔ یہ دیکھ کر سب کو

Marfat.com

حیرت ہوئی کہ قبور کے اندر پانی واقعی رسنا شروع ہو گیا تھا کیونکہ دجلہ مزاروں سے قریب دو فرلانگ کے فاصلے تک پہنچ گیا تھا۔

جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کے لئے یہ چیز معجزے سے کم نہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے کفن اسی طرح صحیح حالت میں تھے اور وہ نہ میلے ہوئے تھے نہ ان پر بوسیدگی طاری ہوئی تھی۔

صحابہ کرامؓ کی داڑھیاں بھی اپنی اصلی حالت میں تھیں حالانکہ ان کو دفن ہوئے تیرہ صدیاں گذر چکی تھیں اس سے بھی حیرت انگیز صحابہ کرام کی آنکھوں کی چمک تھی۔ وہ کھلی ہوئی تھیں اور یوں معلوم ہوتا تھا گویا امتداد وقت بھی ان کی دمک کو ماند نہ کر سکا تھا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر اپنی نگاہیں اور سر جھکا لئے۔ اس موقع پر کئی نامی ڈاکٹر بھی موجود تھے۔ لیکن سب پر حیرت سے سکوت طاری تھا۔ اور وہ اس کرشمے کی کوئی توجیہہ نہ کر سکے تھے۔ انہی لوگوں سے ایک جرمن ماہر چشم بھی تھا۔ وہ صحابہؓ کی آنکھوں کی چمک دیکھ رہا تھا اور مہر بلب تھا۔ پھر وہ مفتی اعظم عراق اور وزیر اعظم نوری سعید کی طرف بڑھا اور دونوں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا۔ اسلام کی سچائی کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں حضرات تیرہ صدیاں قبل فوت ہوئے تھے لیکن ان کے جسد آج بھی اس طرح تر و تازہ ہیں گویا آج فوت ہوئے ہیں میں اسلام کی حقانیت کا چشم دید گواہ ہوں اور آج سے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔

مزاروں کو کھولنے کے وقت شاہ فیصل، اس کے تمام اعیان حکومت اور دنیا بھر کے سفراء اور متعدد مسلم ممالک کے سربراہان موجود تھے۔ اس موقع پر ہجوم کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔ اس لئے ایک خصوصی کرین کے ذریعے صحابہ کرامؓ کے اجساد کو اٹھایا۔ پہلے حضرت حذیفہؓ کو پھر حضرت عبداللہ کو اٹھایا گیا۔ ان کے جنازوں کو شاہ فیصل کے علاوہ تمام موجود مسلم سربراہان اور مفتی اعظم عراق نے کندھا دیا۔ ان کے لئے شیشے کے تابوت بنوائے گئے تھے۔ دونوں کے اجساد کو بڑے احترام کے ساتھ ان میں رکھا گیا۔

بے پناہ ہجوم ہونے کے وجہ سے ایک جرمن فلم کمپنی نے ایک بلند چوکور آہنی ڈھانچہ کھڑا کر دیا تھا جس پر چار ٹی وی سکرین لگے ہوئے تھے جن سے مزاروں کے کھولنے اور تدفین کی پوری کارروائی دکھائی دیتی تھی۔ اس طریقے سے میدان میں موجود ساری خلقت بھی اس منظر کو بخوبی دیکھ سکی۔

دوسرے دن اس تقریب کی دستاویزی فلم بغداد کے تمام سینما گھروں میں دکھائی گئی۔ یہ فلم دیکھ کر بہت سے عیسائی اور یہودی مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ کوئی خیالی قصہ کہانی نہیں بلکہ اس کا وقوع ۱۹۳۲ء میں ہوا تھا اور اس کے عینی شاہد ہزارہا افراد تھے۔"

بعض اہم واقعات

اصحاب فیل کا واقعہ: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پچاس، باون یا پچپن روز پیشتر مکہ معظمہ کی سرزمین میں ایک معجزانہ واقعہ پیش آیا۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ فیل میں بھی ملتا ہے۔ یہ ایسا جلیل القدر واقعہ ہے جس کے گواہان مشرکین مکہ بھی

Marfat.com

تھے اور دوسرے گردونواح کے لوگ بھی اور اس واقعہ (کی معجزانہ شان) کا انکار کسی سخت ترین دشمن اسلام نے بھی کبھی نہ کیا لیکن آج کے مغربی مورخین اور متشرقین اس واقعہ کو جھٹلانے کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کبھی وہ ابرہہ کو مشتبہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی وہ ۵۵۰ء تک تحریر کردہ کتبہ جات کو بنیاد بناتے ہیں کہ اگر یہ واقعہ وقوع پذیر ہوا ہوتا تو اس کا ذکر ان کتبہ جات میں ہوتا۔ حالانکہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ واقعہ ۵۷۰ء میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ اور اگر یہ واقعہ درست نہ ہوتا تو اسلام کے اولین مخالفین سورہ فیل کے نزول کے فوراً بعد اس واقعہ کی بھرپور انداز میں تردید کر سکتے تھے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ایسا کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہو سکی۔

شاہ حبشہ کی طرف سے یمن میں ابرہہ (ابرہتہ الاشرم) نامی گورنر مقرر تھا۔ اس نے اپنے دارالحکومت "صنعا" میں کعبہ کی اہمیت ختم کرنے کی غرض سے ایک بہت عالیشان عبادت خانہ بنوایا۔ اور دنیا بھر میں منادی کرادی کہ لوگ اس کی زیارت کو آیا کریں۔ لیکن کوئی نہ آیا۔ پھر اس نے محمد بن خزاعی بن علقمہ السلمی کے ذریعے قبیلہ مضر کو اس کی زیارت کا حکم بھیجا لیکن وہ جب بنو کنانہ کی بستیوں میں دعوت دے رہا تھا تو اس کو عروہ بن حیاض کنانی نے تیر مار کر ہلاک ڈالا۔ جبکہ اس کا بھائی قیس بن خزاعی کسی طرح ابرہہ کے پاس پہنچا اور داد چاہی۔ چنانچہ ابرہہ بنو کنانہ پر چڑھ دوڑا اور قسم کھائی کہ جب تک وہ کعبہ معظمہ کو ڈھا کر برابر نہ کر دے گا چین سے نہیں بیٹھے گا۔

جلتی پر تیل کا کام اس واقعہ نے کیا کہ بنو کنانہ میں سے کسی شخص نے صنعا کے عبادت خانہ میں پاخانہ کر دیا۔ (اور دوسری روایت یہ ہے کہ کچھ بدوؤں نے اس کے قریب ڈیرا ڈالا اور رات کو ذاتی استعمال کے لئے آگ سلگائی۔ لیکن تیز ہوا کی وجہ سے آگ اس عبادت خانہ کو جا لگی) جس پر ابرہہ نے ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر مکہ معظمہ پر چڑھائی کر دی۔

اثنائے راہ میں اس کا پہلا مقابلہ یمنی سردار "ذونفر" نے اپنے جوانوں کے ساتھ کیا مگر شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ پھر بنو خثعم میں سے دو قبیلوں "شہران اور ناہس" نے مزاحمت کی مگر مات کھائی۔ ان کا ایک سردار نفیل بن حبیب گرفتار ہوا۔ جس نے مکہ معظمہ تک رہبری کرنے کا وعدہ کر کے جان بخشی کروائی۔

آگے بڑھے تو بنو ثقیف نے مزاحمت کی ٹھانی مگر ہمت نہ ہوئی اور اپنے بت "اللات" کو بچانے کی خاطر انہوں نے نہ صرف صلح کر لی بلکہ رسد سے ابرہہ کی امداد بھی کی۔ طائف پہنچنے پر وہاں کے سردار مسعود بن معتب نے ابرہہ کا استقبال کیا اور اپنا ایک غلام "ابو رغال" رہبری کی غرض سے لشکر کے ساتھ کر دیا۔ لیکن ابو رغال راہ میں "المغمس" کے مقام پر فوت ہو گیا جہاں یہ لشکر چار دن تک رکا رہا۔ پھر چلا تو "المحصب" کی گھاٹی کی طرف "الصفاح" میں قیام پذیر ہو گیا۔

ابرہہ کا ایک سپہ سالار "الاسود بن مقصود" بیس ہزار کی نفری لے کر منیٰ، عرفہ، مزدلفہ اور مکہ کی درمیانی وادی محسر تک پہنچ گیا اور لوگوں کے مویشی ہانک کر اپنے ساتھ لے گیا جن میں دو سو اونٹ تو حضرت عبدالمطلب کے ہی تھے پھر ابرہہ نے حناطہ الحمیری کو سفیر بنا کر مکہ کی طرف بھیجا اور کہلوایا کہ ہمیں لوگوں سے

Marfat.com

کوئی بیر نہیں البتہ خانہ کعبہ کو ڈھانا مقصود و مدعا ہے۔ بروایت دیگر ذو نفر نے انیس فیلبان حضرت عبدالمطلب کے پاس بھیجے۔ ان میں سے ایک فیلبان (کسی سابقہ تجارتی سفر میں) آپ کا شناسا نکل آیا۔ جس کی وساطت سے آپ ابرہہ کو ملنے کے لئے گئے۔ بنو بکر کے سردار یعمر بن نفاثۃ الکنانی اور بنو ہذیل کے سربراہ خویلد نہ واثلہ بھی ساتھ گئے۔ جب ابرہہ سے ملے تو وہ آپ کے جاہ و جلال اور شان عظیم کے سامنے نہایت مرعوب ہوا اور تخت سے اتر کر اس نے استقبال کیا۔ اور ترجمان کے ذریعے بات چیت شروع ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب نے صرف اپنے لوگوں کے مویشی واپس کرنے کا مطالبہ کیا جس پر ابرہہ متحیر رہ گیا اور بولا۔ "میں تو آپ کو بہت بلند شخصیت خیال کرتا تھا۔ مگر آپ کی باتوں سے اس کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ خانہ کعبہ کے مقابلے میں آپ نے صرف مویشیوں پر اکتفا کیا۔ یہ سن کر عبدالمطلب نے کہا مویشی ہمارے ہیں اس لئے انہی کا مطالبہ کیا ہے۔ خانہ کعبہ کا مالک اس کی حفاظت خود کرلے گا۔ یہ سنا تو ابرہہ لاجواب ہو گیا اور اس نے سب کے مویشی واپس کر دیے۔ حضرت عبدالمطلب نے خانہ کعبہ میں آکر یوں دعا کی:

"یا اللہ ہر کوئی اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ عیسائیوں کی صلیب اور ان کی طاقت تیری قوت کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ اگر تیری مرضی یہ ہے کہ خانہ کعبہ گرادیا جائے تو پھر ہم بھی تیرے ساتھ ہیں۔"

پھر آپ نے لوگوں کو پہاڑوں اور وادیوں میں نکل جانے کا حکم دیا ادھر ابرہہ نے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا حکم دے دیا۔ اس سفر میں اس کے ساتھ سات یا نو ہاتھی بھی تھے۔ سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا۔ اسے فیلبانوں نے بہت جتن کر کے اٹھانا چاہا مگر وہ آگے بڑھنے سے گریزاں رہا۔ البتہ پیچھے کی طرف بھاگنے میں کوشاں رہتا تھا۔

اسی اثناء میں بحر احمر کی طرف سے بے شمار ابابیل ٹکڑیوں کی شکل میں نمودار ہوئے ان کی چونچوں اور دونوں پنجوں میں مسور کے دانے کے برابر تین تین کنکریاں تھیں وہ جس پر گرتیں آرپار گزر جاتیں اور چند لمحوں میں ساٹھ ہزار کا یہ لشکر عظیم بھس بن کر رہ گیا۔

اس لشکر کے لوگ کچھ موقع پر کچھ اثنائے راہ میں اور کچھ اپنے وطن پہنچ کر مرے۔ اور دیکھنے والوں کے لئے باعث عبرت ثابت ہوئے۔ ابرہہ بھاگ نکلا اور حبشہ کی طرف چلا۔ راہ میں کوڑھ کا شکار ہوا اور کیفر کردار کو پہنچا۔

اس کارروائی کے بعد چیچک کی وبا پھیلی جس سے مکہ کے لوگ پہلی بار آشنا ہوئے۔ لیکن مکہ کے لوگوں میں یہ وبا نہ پھیلی بلکہ صرف ابرہہ کے لشکروں تک محدود رہی ان کنکریوں کے کچھ نمونے حضرت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمزاد ام ہانی بنت ابی طالب کے پاس بھی موجود تھے۔ حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ انہوں نے چھوٹی عمر میں ان فیلبانوں میں سے دو کو دیکھا تھا۔ جو اندھے اور لولے تھے اور بھیک مانگ کر گزارا کرتے تھے آپ کی بہن حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ (ذوالنطاقین) سے روایت ہے کہ انہوں نے بھی ان دونوں کو اساف اور نائلہ (دو بتوں) کے قریب بھیک مانگتے دیکھا تھا۔ نیز عتاب بن اسد نے بھی ان

Marfat.com

دونوں کو دیکھنے کی تصدیق کی ہے۔

(یہ ساری تفصیل سیرت ابن ہشام، ارض القرآن (ج ا صفحہ ۳۱۶) طبقات ابن سعد، سیرت سرور عالم (از مولانا مودودی) ج ا صفحہ ۲۹۲ بعد سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ج ۱۵ صفحہ ۹۰۹۷ ج ۲ صفحہ ۸۲۴ تا ۸۲۷، ج ا صفحہ ۳۷۹ تا ۳۸۹ پنجابی سیرت کی مدنی ماہی ۱۸۶ تا ۱۹۰ اور معارج النبوۃ ج ا صفحہ ۱۸۷ تا ۳۴۷ (اردو) سے اخذ کی ہے۔)

ن فیل: اس خصوصی اور معجزانہ واقعہ سے اہل مکہ اور اہل عرب میں سن فیل کا رواج ہوا اور حضور علیہ السلام اسی سال ربیع الاول میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔

ثت نبوی سے پہلے بعض لوگوں کے خواب: نصر بن ربیعہ لخمی نے ایک ہولناک خواب دیکھا اور کاہنوں کو جمع کر کے پوچھا ۔ میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ خواب تو بتاؤ۔ کہنے لگا۔ "خواب بھی خود ہی بوجھو اور تعبیر ں بتاؤ۔" کاہن بولے۔ یہ کام تو سطیح اور شق ہی کر سکیں گے۔ چنانچہ سطیح کو منگوایا گیا۔ اس نے بتایا۔ ے نصر تو نے خواب میں دیکھا کہ ظلمت و تاریکی سے ایک شعلہ بلند ہوا، اور نشیبی زمین حجاز و تہامہ میں را۔ جس سے ہر جاندار جل کر بھسم ہو گیا اور ہر سر پھوٹ گیا۔ "نصر بولا بیشک یہی خواب دیکھا۔ اب اس ، تعبیر بھی کہو۔

سطیح بولا۔ تمہاری زمین پر حبشی حملہ آور ہوں گے، اور آبین و جرش کے درمیانی علاقہ پر قابض جائیں گے اور یہ واقعہ تیری موت کے ساٹھ یا ستر سال بعد رونما ہو گا۔ ان کا تسلط نوے سال کے قریب ہے گا۔ پھر ان کو ایک سپہ سالار اور حاکم ارم ذی یزن (یعنی سیف بن ذی یزن جو عظمت، قوت میں ارم ی طرح ہو گا) شکست دے کر علاقہ بدر کر دے گا اور پھر اس کا اقتدار بھی ختم ہو جائے گا۔ جسے ایک دس اور پاکیزہ نبی جس پر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہو گی، ختم کرے گا وہ بنی غالب بن فہر بن مالک بن النضر کی لاد سے ہو گا اور پھر یمن میں قیامت تک اس کی قوم کی حکمرانی رہے گی۔ سطیح یہ باتیں بتا چکا تو "شق" نامی ہن بھی آ پہنچا۔ اس نے بھی خود ہی خواب اور پھر اس کی تعبیر وہی بتائی جو سطیح نے بتائی تھی۔ (الوفا ابن زی صفحہ ۹۷-۹۵)

(۲)

حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک وحشت ناک خواب دیکھا اور ایک کاہنہ سے اس ، تعبیر معلوم کرنے گیا اور خواب اس طرح بیان کیا:

آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سر بفلک درخت ہے جس کی شاخیں مشرق و مغرب ں پھیلی ہوئی ہیں اور اس درخت سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ جو سورج کی شعاعوں سے نوے گنا وشن تر ہیں۔ اس نورانی درخت کے سامنے عرب و عجم کو سجدہ ریز دیکھا اور ہر لحہ وہ درخت ترقی پذیر ہو

Marfat.com

رہا تھا۔ مگر کبھی کبھی وہ چھپ جاتا اور پھر نمودار ہوتا۔ قریش کی ایک جماعت اس کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی جب کہ دوسری جماعت اسے کاٹنے پر مصر تھی۔ مگر جونہی وہ بداندیش لوگ اس کے قریب پہنچتے۔ ایک نوجوان حسین و جمیل اور معطربدن ان کو مار بھگاتا۔ بعض کی اس نے کمریں توڑ دیں۔ بعض کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ میں اس درخت سے متمتع ہونے کے لئے آگے بڑھا تو اس نوجوان نے روک دیا اور کہا کہ اس میں تمہارا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس جماعت کا حصہ ہے جو اس درخت سے چمٹ کر رہ گئی ہے اور آپ سے سبقت لے گئی ہے۔ پس میں گھبرایا ہوا بھاگا۔

آپ نے خواب بیان کر کے جب کاہنہ کے چہرے پر نظر کی تو اس کا حال دگرگوں تھا۔ ایک رنگ آتا ایک جاتا۔ آخر کہنے لگی کہ اگر واقعی تم نے یہی خواب دیکھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری پشت سے ایک ہستی پیدا ہوگی جو مشرق و مغرب پر حکمران ہوگی اور ابو طالب (جو ساتھ ہی تھے) کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ آپ شاید اس ہستی کے چچا جان ہوں گے۔

رسول کریم ﷺ کی بعثت کے زمانے میں حضرت ابو طالب یہ واقعہ بیان کرتے اور کہتے کہ وہ درخت ابوالقاسم ﷺ ہے۔ لوگ ایمان لانے کا کہتے تو جواب دیتے کہ اپنی قوم کا طریقہ چھوڑ دوں تو لوگ مجھے گالیاں دیں گے۔ عار دلائیں گے۔ ورنہ میں ضرور ایمان لے آتا۔ (الوفا لابن جوزی صفحہ ۱۰۲۔ ۱۰۳)

(۳)

حضرت خالد بن سعید بن زید سے منقول ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے خواب میں مکہ معظمہ کو سخت تاریکی میں ڈوبا پایا۔ پھر اچانک چاہ زمزم سے ایک نور نکل کر فضا میں بلند ہوا جس سے بیت اللہ شریف منور ہو گیا۔ پھر اس کی روشنی سے مکہ معظمہ کی ساری وادی منور ہو گئی۔ پھر وہ نور یثرب کے نخلستان کی طرف بڑھا اور اُسے بقعہ نور بنا دیا۔ حتیٰ کہ مجھے درختوں پر لگی ہوئی کھجوریں بھی نظر آ گئیں۔ بیدار ہوا تو اپنے بھائی عمرو بن سعید سے تعبیر پوچھی۔ اس نے بتایا کہ عنقریب ایک عظیم ہستی بنی عبدالمطلب میں سے ظاہر ہوگی۔ کیونکہ چاہ زمزم کا تعلق انہی کے مورث اعلیٰ سے ہے۔

حضرت خالد کہتے ہیں۔ کہ مجھے اسلام کی دولت اس خواب کی بدولت زیادہ آسانی سے نصیب ہو گئی۔ حضرت خالد کی والدہ فرماتی ہیں۔ کہ خالد نے رسولِ اکرم کو یہ خواب سنایا۔ تو آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم وہ نور میں ہی ہوں، اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ خالد فوراً ایمان لے آئے۔ نیز ان کے بھائی عمرو بن سعید بھی دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ (ابن جوزی الوفا صفحہ ۱۰۴)

(۴)

عمرو بن مرہ جہنی نے کہا۔ کہ میں جاہلیت کے زمانہ میں مکہ پہنچا تاکہ حج کروں۔ رات کو خواب میں

Marfat.com

دیکھا کہ کعبہ مبارک سے ایک نور بلند ہوا۔ جس نے مکہ سے مدینہ منورہ تک کے پہاڑوں کو روشن کر دیا اور جنیہ کے پہاڑ اشعر تک وہ نور پھیل گیا اور اس نور سے یہ آواز سنی۔

اندھیرا چھٹ گیا۔ نور غالب آیا' اور خاتم الانبیاء تشریف لے آئے۔ پھر وہ نور دوبارہ چمکا جس سے مجھے حیرہ کے محلات اور مدائن میں کسریٰ کے سفید سفید محلات نظر آ گئے اور آواز آئی۔ اسلام کا غلبہ ہوا۔ بت پاش پاش ہو گئے۔ قطع رحمی صلہ رحمی میں تبدیل ہو گئی۔

بیدار ہوا تو لوگوں سے کہا کہ کوئی عجیب بات ہونے والی ہے۔ حج سے فارغ ہو کر گھر پہنچا تو اطلاع ملی کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو گیا۔ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا خواب بیان کیا۔ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم - عمرو تیرے خواب کی تعبیر مجسم میں ہوں' اور وہ نور مجسم بھی جو تو نے خواب میں دیکھا میں نبی ہوں۔ سب کی طرف اور اسلام کی ----- دعوت دیتا ہوں' اور اس طرح میں ایمان لے آیا۔ (ابن جوزی -- الوفا (صفحہ ۱۰۵)

Marfat.com

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صبح ظہور نور حق: سیدنا سرور محمد ﷺ جو اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں منجدل تھے۔ وہ سیدو سرور عالم ﷺ جس کی خاطر کونین کو سجایا گیا۔ جس کو "لولاک" کی شہنشاہی سے نوازا گیا۔ جس کی شان کے اظہار کے لئے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کو امانت خداوندی قبول کرنے کی پیش کش کی گئی۔ جس کے نور کی تکمیل کو کائنات کی تخلیق کا مدعا و مقصود ٹھہرایا گیا۔ جسے **ورفعنالک ذکرک** کے ارشاد سے نوازا گیا۔ جسے قرآن جیسی عظیم سوغات سے بہرہ ور فرمایا گیا۔ جسے **کافۃ للناس بشیرا و نذیرا** کے مقام بلند پر فائز کیا گیا ہے۔ جسے **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی وسعتوں اور رحمتوں کا راز دار اور حامل و باعث قرار دیا۔ جس کی شان بلند سے کوئی بشر کماحقہ آگاہ نہیں اگر کوئی ذات شان محبوب کبریا ﷺ کی پہنائیوں کی مدرک ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے۔ اس لئے کہ نبی امی ﷺ کی روحانی جسمانی وجدانی اور علمی وسعتوں کے ادراک کا ادعا صرف اس کے خالق اور معلی جل شانہ کو ہی ہو سکتا ہے۔ مخلوقات خود جس کے توسط سے عدم سے وجود میں آئیں وہ اپنے کرم فرما کی شان والا کو کیا جانیں خالق کائنات کو جس کی عملی زندگی اب مادیت کے حوالے سے شروع کرنا مقصود تھی تاکہ مادی دنیا بھی تکمیلی عمل کی ساری منزلیں طے کر کے کمال حاصل کرے۔ اب اس کو دنیا میں بھیجنے کا وقت قریب تھا۔ فاران کی چوٹیوں سے اللہ کا نور ظہور پذیر ہونے کو تھا خالق کائنات نے آج کے دن کو خصوصی شرف سے نوازا۔ یہ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، یا عیسیٰؑ کی پیدائش کا دن نہ تھا بلکہ یہ دن امام الانبیاء و المرسلین خاتم النبین ہادی انس و جان رسول کائنات فخر موجودات باعث کونین شہنشاہ ثقلین کی تشریف آوری کا دن تھا۔ آج آسمانوں پر "آتش بازی" کا سماں تھا۔ جنات اور شیاطین مارے خوف کے سہمے سے تھے۔ جنت اور افلاک میں حوریں اور فرشتے خوش تھے۔ زمین پر کفر و شرک و ظلم و استبداد اور سرکشی کے ایوان لرزہ براندام تھے۔ توحید و رسالت کے باغوں میں رونق پذیری کے لئے خصوصی بہاریں انگڑائیاں لے رہی تھیں حق و انصاف کے نخلستانوں میں شگوفے پھوٹ رہے تھے۔ آج "احسن تقویم" کی بزم جلوہ آرا کا دولہا "**لولاک لما خلقت الافلاک**" کا سہرا لگائے حسن و کمال کی پرشان اداؤں کے ساتھ پوری سنجیدگی اور متانت سے فریضہ تبلیغ و رسالت نبھانے کے لئے جلوہ افروز ہونے والا تھا۔ وہی کہ جس سے سب سے پہلے میثاق لیا گیا اور جس کو میثاق النبین کا مرکز و محور قرار دیا گیا۔ آج وہ اس دنیائے فانی میں لذت فنا سے آشنا ہو کر حیات دوام کے سمندر کا شناور بننے کے لئے تشریف لانے والا

Marfat.com

تھا۔ جس کے لئے روز ازل سے **ولسوف یعطیک ربک فترضی** اور **وللاخرۃ خیرلک من الاولی** کا توشہ مقدر کر رکھا تھا۔

ظہور قدسی: آج کے دن وہ اول آہی گیا جو "آخر" بھی تھا وہ خاتم آن پہنچا جسے گذشتہ انبیاء کی نبوتوں پر مہر تصدیق ثبت کرنا تھی۔ آج وہ ظہور پذیر ہو گیا جس کی منتظرانہ بشارتیں سابقین کو بے چین کئے ہوئے تھیں۔ آج وہ عالی شہسوار آگیا جسے عرب و عجم میں حق و صداقت اور احدیت و رسالت عظمیٰ کے پھریرے لہرانے تھے صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ وسلم یہ شبلی نعمانی ہے جو میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے "ظہور قدسی" کی شمع لیکر حاضر ہو رہا ہے اور جشن میلاد النبی ﷺ کے زمزمے اس طرح گا رہا ہے۔

"چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں چرخ نادرہ روز گار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سرو سامان سے سجائی کہ نگاہ خیرہ ہو کر رہ گئی۔۔۔۔ لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے سرراہ تھے۔ چرخ کہن مدتہائے دراز سے اسی صبح جان نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنان قضا و قدر کی بزم آرائیاں عناصر کی جدت طرازیاں ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں ابر و باد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک توحید ابراہیم جمال یوسف معجز طرازی موسیٰ جان نوازی مسیحؑ سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں ارز شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے۔" آج کی صبح وہی صبح جان نواز وہی ساعت ہمایوں وہی دور فرخ فال ہے ارباب سیر اپنے محدود پیرایہ بیان میں لکھتے ہیں کہ "آج کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ آتشکدہ فارس بجھ گیا۔ دریائے ساوہ خشک ہو گیا لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں کہ شان عجم شوکت روم، اوج چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتشکدہ کفر، آذر کدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ بت کدے خاک میں مل گئے۔ شیرازہ مجوسیت بکھر گیا نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کرکے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا۔ چمنستان سعادت میں بہار آگئی۔ آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہ حرم، حکمران عرب، فرمانروائے عالم شہنشاہ کونین۔۔۔۔ عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا **اللھم صل علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم**

(سیرۃ النبی جلد اول از شبلی نعمانی مرحوم صفحہ ۷۱۔۷۰)

Marfat.com

۳۔ **صبح بہار:** اور یہ "معراج انسانیت کا مولف غلام احمد پرویز (مرحوم) صبح بہار کا گلدستہ عقیدت لئے میلاد النبی ﷺ کے موقع دنیا جہان کے ساتھ انکی خوشیوں میں یوں شریک ہو رہا ہے۔

"رب ذوالمنن کا سحاب کرم زندہ امیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزار جنتیں اپنے آغوش میں لئے ربیع الاول کے مقدس مہینے میں فاران کی چوٹیوں پر جھوم کر آیا اور **بلد امین** کی مبارک وادیوں میں کھلکھلا کر برسا جس سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ اخلاق و تمدن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آگئی۔ عمرانیت و مدنیت کے سبزہ پامال میں نزہت و لطافت پیدا ہوگئی اعمال صالحہ کے خشک چشمے حیات تازہ کے جوئے رواں میں تبدیل ہو گئے۔۔۔۔ آسمان نے جھک کر زمین کو مبارک باد دی کہ تیرے بخت بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذروں کو اس ذات اطہر و اعظم کی پابوسی کی سعادت نصیب ہو گئی جو عالم موجودات کے سلسلہ کی آخری کڑی ہے جس سے شرف مجد انسانیت کی تکمیل ہوگئی جو علم و بصیرت کے اس افق اعلیٰ پر جلوہ بار ہے جہاں عقل و عشق، فکر و نظر، دین اور دنیا قوسین کی طرح آپس میں ملتے ہیں۔ جو دانش نورانی اور حکمت برہانی کے اس مقام بلند پر فائز ہے جہاں غیب و شہود کی وادیاں دامن نگاہ میں سمٹ کر آجاتی ہیں ہاں تو آسمان نے خوش بخت زمین کی بارگاہ عالیہ میں جھک جھک کر ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کیا۔ نوامیس فطرت نے جنت سے نکالے ہوئے آدم کے اس طالع بیدار کا تقدیس و تحمید کے زمزموں سے استقبال کیا دنیا سے طاغوتی قوتوں کے تخت الٹ گئے کہ وہ آنے والا آگیا جس کی آمد ملوکیت و قیصریت کے لئے پیغام فنا تھی ایران کے آتشکدوں کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی کہ اب سے انسانی تصورات کی دنیا تاریکی جگہ نور سے معمور ہو گئی۔ دنیا کے صنم کدوں کے بت پاش پاش ہو گئے۔ کہ آج مسلک ابراہیمی کی تکمیل کا دن آگیا شیاطین نے پہاڑوں میں جا کر منہ چھپا لیا۔۔۔۔ آج اس آفتاب عالمتاب کا طلوع ہوا جس کے بھیجنے والے نے اسے "سراجا منیرا" یعنی جگمگاتا ہوا چراغ کہہ کر پکارا۔۔۔۔ جب وہ آیا تو اس نے تمام اغلال و سلاسل کو ایک ایک کر کے توڑ دیا جن میں انسانیت جکڑی چلی آرہی تھی۔۔۔۔ تقسیم انسانیت کے انسانیت کش نسلی جغرافیائی، وطنی، غیر فطری معیار سب ایک ایک کر کے ٹوٹتے چلے گئے۔۔۔۔ انسان ایک مرتبہ پھر زمین پر سر اونچا کر کے چلنے کے قابل ہو گیا انسانیت کو۔۔۔۔ سیدھی راہ مل گئی، عقل کو عشق کا جنون اور عشق کو عقل کی فرزانگی عطا ہوئی فقر کو شکوہ خسروی اور پادشاہی کو استغنائے فاروقی عنایت ہوا تھی وہ ذات گرامی ﷺ کہ:

محبت از نگاہش پائیدار است
سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدہٗ آمد و لیکن
جہان شوق را پرور دگار است

ان ذالک لمحی الموتی (۳۰:۵۰)

Marfat.com

"اس طرح وہ دل کی مردہ بستیوں میں پھر سے زندگی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔"

(معراج انسانیت از غلام احمد پرویز چوتھا ایڈیشن ۱۹۸۴ء ناشر ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور صفحہ ۷۰-۷۲)

اس کا ذوق و شوق ابھی ختم نہیں ہوا وہ کہہ رہا ہے: "جب مشیت ایزدی کی یہ تدبیر محکم جس کے لئے زمین و آسمان قرنہا قرن سے یوں سرگرداں پھر رہے تھے اپنی پختگی تک پہنچی جب انسانیت جس کے لئے کائنات نے ایک ایک ذرے کو لاکھوں چکر دیئے تھے۔ گہوارہ طفولیت سے حریم شباب میں آگئی۔ جب اس صحیفہ فطرت کی تکمیل کا وقت آگیا۔ جس کے مختلف اوراق ستاروں کی ٹھنڈی ٹھنڈی مرمریں روشنی میں کوثر و تسنیم سے دُھلے ہوئے قلم سے لکھے گئے تھے۔ جب سینہ کائنات میں اتنی کشاد پیدا ہو گئی کہ وہ اپنے اندر رازہائے درون پردہ کے معدن لعل و گوہر کو سمولے تو آسمان کی حوریں زمین پر اتریں کہ جنت کے تر و تازہ پھولوں سے وادی بطحا کی تزئین و آرائش کریں۔ صحن گلستان کائنات پر بہار آگئی ہر طرف سے مسرتوں کے چشمے ابلنے لگے۔ چاند مسکرایا ستارے ہنسے آسمان سے نور کی بارش ہوئی۔ فرشتوں کی معصوم نگاہوں میں "**انی اعلم مالا تعلمون**" کی تفسیر ایک پیکر محبوبیت کا حسین تصور بن کر چمکنے لگی۔ فلک تعظیم کے لئے جھکا۔ زمین نے اپنی خاک آلودہ پیشانی سجدہ سے اٹھائی کہ آج اس کی قرنہا قرن کی دعاؤں کی قبولیت کا وقت آپہنچا تھا۔ صحرائے حجاز کے ذرے جگمگا اٹھے۔ بلد امین کی گلیوں کا نصیبہ جاگا کہ آج اس آنے والے کی آمد تھی جس کی طرف جبل تین پر حضرت نوحؑ نے اشارہ کیا تھا اور جسے کوہ زیتون پر حضرت مسیحؑ نے اپنے حواریوں کو "وجہ تسکین خاطر" بتایا تھا۔ جس کی آمد کی بشارتیں وادی طور سینین میں بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں اور جس کے لئے دشت عرب میں حضرت خلیل اکبرؑ اور ذبیح اعظمؑ نے اپنے خدا کے حضور دامن پھیلایا تھا۔ وہ آنے والا کہ جس کے انتظار میں زمانہ نے لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں۔ آیا اور اس شان زیبائی و رعنائی سے آیا کہ زمین و آسمان میں تہنیت کے غلغلے بلند ہوئے فرشتوں نے زمزمہ تبریک گایا۔ سدرۃ المنتہیٰ کی حدود فراموش شاخوں نے جھولا جھلایا۔ ملاء اعلیٰ کی مقدس قندیلوں نے چراغاں کیا کائنات کے ذرے چمک اٹھے فضائے عالم صلوٰۃ سلام کی فردوس گوش صداؤں سے گونج اٹھی اور انس و جان وجد و کیف کے عالم میں پکار اٹھے:

اے سوار اشہب دوراں بیا اے فروغ دیدہ امکاں بیا
درجہان ذکر و فکر و انس و جاں تو صلوٰۃ صبح تو بانگ اذاں

یہ آنے والا رسول ﷺ **کافۃ للناس** اور **رحمۃ للعالمین** بن کر آیا۔۔۔۔ صداقت جہاں کہیں بھی تھی اسی کتاب مبین کا کوئی نہ کوئی ورق تھی جو محمد ﷺ کی وساطت سے دنیا کو ملی۔۔۔۔ مقام محمدی کیا ہے؟ انہی درخشندہ و تابندہ ذرات نادرہ کا پیکر حسن و زیبائی جن کی حقیقی آب و تاب کو ان کے ستائش گروں کی غلو آمیز عقیدت کی رنگینیوں نے مستور کر رکھا تھا۔ وہاں یہ جو ہر الگ الگ پڑے تھے یہاں یہ پیکر جلال و جمال ان سب کا حسین مجموعہ تھا۔۔۔۔ وہ موتی تھے یہ مالا تھی۔ وہ

Marfat.com

پتیاں تھیں یہ پھول تھا۔ وہ ذرے تھے یہ چٹان تھی وہ قطرے تھے یہ سمندر تھا وہ ستارے تھے یہ کہکشاں تھی وہ افراد تھے یہ ملت تھی۔۔۔۔ "خلق وتقدیر وہدایت ابتداست رحمتہ للعالمینی انتہاست"
یہ تھا حاصل بہار چمن کائنات کہ جس کا ظہور صبح بہار کائنات تھا۔

وہ راز خلقت ہستی و معنی کونین
وہ جان حسن ازل وہ بہار صبح وجود
وہ آفتاب حرم نازنین کنج حرا
وہ دل کا نور وہ ارباب درد کا مقصود
وہ سرور دو جہاں وہ محمد ﷺ عربی
بروح اعظم و پاکش درود لامحدود

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنو صلو علیہ و سلموا تسلیما (۳۳/۵۶)

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنور مصطفیٰ او را بہا است
یاہنوز اندر تلاش مصطفیٰ ﷺ است

(ایضاً صفحہ ۷۳-۷۵)

اور یہ ابوالکلام آزاد "رسول رحمت" صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عجز و نیاز کا نذرانہ یوں پیش کر رہا ہے:

۱۔ **رفع ذکر کی حقیقت:** ورفعنالک ذکرک اور یہی وہ مقام ہے کہ اصحاب کشف و مشاہدات کے سامنے کھلا تو انہوں نے "حقیقت محمدیہ ﷺ" کے احاطہ و حیات اور عدم زوال و بقاو استمرار کو تمام انبیائے کرام کے حقائق تعینات سے مافوق اور بوجہ دائرہ الدوائر اور مرکز ادوار تعینات مابعد اور نقطہ الحیات فی الاصل والحقیقت ہونے کے تمام انوار تعینات و وجود کو اس کی نورانیت کے سامنے بے فروغ اور ماند پایا۔ اس لئے شیخ اکبر نے اس کو تعین اول اور مورد صحیح اصطلاح "عقل اول" کا قرار دیا۔ پھر "انسان کامل" "روح اعظم نفس واحدہ، قلم الاعلیٰ، نور الانوار اور نفس الکائنہ سے بھی تعبیر کیا گیا کہ بلحاظ بقائے ذکر و دوام فیضان و حیات وہی ایک انسان کامل روح الاعظم اور النفس الواحدہ و الکائنہ ہے اور حیات معنویہ مستمرہ نوع و ارض کی مرکزیت صرف اسی کو پہنچتی ہے اور اسی لئے قرآن نے صرف اسی وجود کو "العبد" سے تعبیر کیا کہ ساری عبودیتیں آنی و وقتی ہیں مگر صرف یہی وہ عبودیت کاملہ واحدہ ہے جو ہمیشہ عباد و معبود میں واسطہ ہدایت اور ہمیشہ عبد کو معبود سے واصل کر دینے کے

Marfat.com

لئے حی و قائم ہے۔

۲۔ **حقیقت محمدیہ ﷺ:** "اور چونکہ نوع انسانی کی سعادت و تنویر کا مرکز و مبدا وجود انبیائے کرام ہے اور حقیقت محمدیہ ﷺ "**بحکم وجئنا بک علی ھاؤلاء شہیدا** (نسا۔ ۴۰) ان سب سے مافوق اور شمس و کواکب اور صباح و مصباح کا حکم رکھتی ہے۔ اس لئے حیات قائمہ و دائمہ کا نور الانوار اور مصباح المصابح صرف وہی دائرہ ٹھہرا اور اسی لئے شیخ اکبر و جیلی نے اس کو "حقیقت الاسمائیہ" اور "لوح محفوظ" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ سبحان اللہ یہ آخری تسمیہ و تعبیر کس درجہ ترجمان حقیقت و اوفق بالشرع والعقل ہے! دنیا میں جس قدر بھی ہدائت و تعلیم کی لوحیں تھیں سب کے لئے تغیر و تبدل ہوا حتیٰ کہ آج کوئی بھی محفوظ نہیں، لیکن اللہ اکبر مقام محمدی ﷺ کی محفوظیت و مصونیت کہ اس کی سیرت طیبہ اور حیات حیہ و قائمہ کی لوح محفوظ کا ایک نقطہ بھی محو نہ ہو سکا۔ پس قرآن کے بعد اگر کوئی اور ہستی "لوح محفوظ" ہو سکتی ہے تو وہ صرف وہی روح اعظم و خالد ہے جس کے ذکر کو خود قرآن نے اپنی آغوش حفظ و صیانت میں ہمیشہ کے لئے لے لیا ہے۔ (رسول رحمت از ابوالکلام آزاد ۲۱۔ ۲۲ مرتبہ غلام رسول مہر)

۳۔ **اسوۂ رسول:** "میرے اعتقاد میں قرآن کریم جو ایک "**کتاب مستور فی رق منشور**" ہے اس کی لوح محفوظ حامل قرآن کی زندگی تھی اور میں **قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین**" (مائدہ:۱۷) میں "نور" کو کتاب کا وصف نہیں سمجھتا بلکہ اس وجود کامل کی زندگی سمجھتا ہوں جس کی نسبت دوسری جگہ کہا گیا کہ "**وداعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا**" (احزاب۔۴۶) (رسول رحمت از ابوالکلام آزاد باب ۴ صفحہ ۲۵ مرتبہ غلام رسول مہر" ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور طبع دوم ۱۹۸۱ء)

۴۔ **عبودیت کبریٰ:** "خدا کی الوہیت و ربوبیت جس طرح وحدہ لاشریک ہے۔۔۔۔۔اسی طرح اس انسان کامل کی انسانیت اعلیٰ اور عبدیت کبریٰ بھی وحدہ لاشریک ہے کیونکہ اس کی انسانیت و عبدیت میں کوئی اس کا ساجھی نہیں اور اس کے حسن و جمال فردانیت کا کوئی شریک نہیں"

منزہ عن شریک فی محاسنہ
فی جوہر الحسن فیہ غیر منقسم

(دوسرے انبیاء کو قرآن میں نام لے کر پکارا گیا مگر" اس انسان کامل اس فرد اکمل، اس صفات عبدیہ کے وحدہ لاشریک ہونے کا اکثر مقامات پر اس طرح ذکر کیا ہے کہ نہ تو اس کا نام لیا گیا نہ ہی کسی دوسرے وصف سے نامزد کیا گیا بلکہ صرف عبد کے لفظ سے اس کے پروردگار نے یاد فرمایا۔

۱۔ **سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا** (بنی اسرائیل۔۱)

۲۔ **وانہ قام عبداللہ یدعوہ کادو یکونون علیہ لبدا**

Marfat.com

(جن۔۱۹)

۳۔ الحمد لله الذی انزل علی عبده لکتب (کہف)

۴۔ فاوحی الی عبده ما اوحی (نجم۔۱۰)

۵۔ نزل القران علی عبده لیکون للعالمین نذیرا (فرقان)

لیکن دوسرے انبیاء کو اگر عبد کے لفظ سے مخاطب کیا بھی تو ساتھ نام بھی لیا (مفہوم) مثلاً (۱) ذکر رحمت ربک عبده زکریا (مریم۔۲) (۲) واذکر عبدنا داوٗد (ص:۱۷) (۳) واذکر عبدنا ایوب (ص۔۴۱)

"اس خصوصیت و امتیاز سے اس حقیقت کو واضح کرنا مقصودِ الٰہی تھا کہ اس وجود گرامی ﷺ کی عبدیت اور بندگی اس درجہ آخری و مرتبہ قصویٰ تک پہنچ چکی ہے جو انسانیت کی انتہاء ہے اور جس میں اور کوئی عبد اس عبد کامل کا شریک و سہیم نہیں۔ پس عبدیت کا فرد کامل وہی ہے اور اس لئے بغیر اضافت و نسبت کے صرف "عبد" کا لقب اس کو ناموں اور علموں کی طرح پہچنوا (متعارف کروا) دیتا ہے کیونکہ تمام کائناتِ ہستی میں اس کا سا اور کوئی عبد نہیں۔ "پس یہ وہ تھا کہ اس کے صفاتِ الیہ کا یہ حال رہا کہ اس کی انسانیت و عبدیت کی وحدت اس طرح فرمان فرمائے جمیع کائنات ہے، اس کی محبت و محبوبیت کا خود رب السموات والارض نے اعلان کیا اور اس کی رحمت کو اپنی ربوبیت کی طرح تمام عالمین پر محیط کر دیا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات رافت و رحمت سے متصف فرمایا اور اگر اپنے آپ کو الرحمن الرحیم کہا تو اسے بھی "بالمومنین رئوف رحیم" قرار دیا اسے تمام قرآن میں کبھی بھی نام لے کر نہ پکارا بلکہ کبھی صدائے عزت سے نواز کر "یاایها الرسول اور کبھی طریق محبت سے پکارا۔ یایها المزمل اس کے وجود باجود کی عزت و عظمت کو اپنی عزت کی طرح اپنے بندوں پر فرض کر دیا، اور جابجا حکم دیا تعزروه و توقروه (اس کی عزت کرو اور اس کی توقیر بجالاؤ) پھر وہ ﷺ کہ اس کی محبوبیتوں اور عظمتوں کا یہ حال تھا کہ اس کا وجود مقدس واطہر تو بڑی چیز ہے، وہ جس آبادی میں بسا اور جس شہر کی گلیوں میں چلا پھرا اس کی عزت کو بھی خدائے زمین و آسمان نے تمام عالم میں نمایاں کیا۔ لااقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد (بلد:۱)

ومن مذهبی حب الدیار لاهلها
وللناس فیما یعشقون مذاهب

پس جس کی قدوسیت و جبروتیت کا یہ مرتبہ ہو اس کی یاد میں جتنی گھڑیاں بھی کٹ جائیں، اس کے عشق میں جتنے آنسو بھی بہہ جائیں، اس کی محبت میں جتنی آہیں بھی نکل جائیں اور اس کی مدح و ثنا میں جس قدر بھی زبانیں زمزمہ پیرا ہوں، انسانیت کا حاصل، روح کی سعادت، دل کی طہارت، زندگی کی پاکی اور ربانیت والہیت کی بادشاہی ہے۔ (رسول رحمت از ابوالکلام آزاد مرتبہ غلام رسول مہر صفحہ ۵۵۔۵۷)

Marfat.com

ولادت باسعادت ﷺ

مخدوم بن ہانی اپنے باپ سے جن کی عمر ایک سو پچاس برس تھی، نقل کرتے ہیں کہ جس رات رسول اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی۔ ایوان کسریٰ لرز اٹھا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا اور متواتر ہزار سال سے روشن فارس کا آتشکدہ سرد ہو گیا۔ آتش پرستوں کے کاہن و سردار موبذان نے خواب دیکھا کہ صعب و سرکش اونٹ عربی گھوڑوں کی قیادت میں دجلہ پار کر کے سرزمین فارس میں داخل ہوئے اور ادھر ادھر پھیل گئے۔ کسریٰ نے ان معاملات پر اپنے وزراء و ارکان دولت سے بات کی اور پوچھا۔ موبذان نے اپنے خواب کا ذکر بھی کیا اور بتایا کہ سرزمین عرب کی طرف سے کوئی اہم بات رونما ہونے والی ہے۔ کسریٰ نے یہ سنا تو حکم دیا کہ کسی کاہن وغیرہ کو بلایا جائے چنانچہ والی یمن نعمان بن منذر نے عبدالمسیح بن عمرو بن حیان بن بقیلہ غسانی کو کسریٰ کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے حقیقت حال معلوم کر کے معذوری کا اظہار کیا اور رائے دی کہ اس بارے میں میرا ماموں "سطیح" جو شام میں رہتا ہے، بتلا سکے گا چنانچہ عبدالمسیح "سطیح" کے پاس پہنچا جو اس وقت قریب المرگ تھا۔ عبدالمسیح نے اس سے اسی حالت میں سوال کر دیا۔ سطیح نے جواباً کہا کہ ایران میں چودہ بادشاہ (کنگروں کے تعداد کے مطابق) گزرنے کے بعد سلطنت ساسانیہ ختم ہو جائے گی اور صاحب عصا (محمد مصطفےٰ ﷺ) آکر رہے گا اور کلام اللہ کی تلاوت بکثرت ہوا کرے گی۔ ہزار سال سے خشک وادی سیماوہ پانی سے لبریز ہو گی اور بحیرہ ساوہ خشک ہو جائے گا اور سطیح کی زندگی ختم ہی سمجھو چنانچہ یہ کہہ کر سطیح فوت ہو گیا۔ عبدالمسیح کسریٰ کے پاس پہنچا۔ حالات سن کر اسے اطمینان ہوا کہ چودہ بادشاہ تو کئی صدیوں میں گزر سکیں گے لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ دس بادشاہ چار سال میں ہو گزرے اور باقی چار میں سے آخری بعد عثمان بن عفانؓ قتل ہوا اور ایران پر امت مسلمہ کا قبضہ ہوا۔

(الوفا باحوال مصطفےٰ از ابن جوزی صفحہ ۳۰۔۱۲۷ مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور (ملخص) نیز مدارج النبوت، خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۵۱، شواہد النبوت از مولانا جامی صفحہ ۲۶، نشر الطیب صفحہ ۲۵ بحوالہ بیہقی، ابو نعیم، ابن عساکر و خرائطی فی الہواتف و مواہب مدنیہ)

رسول خدا ﷺ ناف بریدہ پیدا ہوئے جیسا کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ناف بریدہ پیدا ہوا اور کسی نے میری شرمگاہ کو نہ دیکھا۔

(الوفا صفحہ ۱۲۶)

حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا بوقت ولادت ختنہ شدہ تھے اور آپ مسکرا رہے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے آپ کو ایسا پایا تو کہا کہ میرے اس بیٹے کی عجب شان ہونے والی ہے۔

(الوفا صفحہ ۱۲۵)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے منقول ہے کہ جب آپ ﷺ تولد ہوئے تو کوہ ابو قیس کے

Marfat.com

"جن" کو مقام حجون کے "جن" نے رسول اکرم ﷺ کی ولادت کی خبر دیتے ہوئے کہا:
(الوفا صفحہ ۱۲۶-۱۲۵)

فاقسم ما انثی من الناس انجبت
ولا ولدت انثی من الناس واحده
کما ولدت ذهریه ذات مفخر
نجیة من لوم القبائل ماجده
وقد ولدت خیر البریه احمدا
فاکرم مولود واکرم والده

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کسی بھی سعادت مند عورت نے اتنا سعادت مند بچہ آج تک نہیں جنا جیسا کہ بنو زہرہ میں سے اس قابل صد فخر امتیازی اوصاف والی عورت جو قبائل کی ملامت و طعن سے منزہ اور بزرگی کی مالکہ ہے، نے سعادت مند ترین بچے کو جنم دیا ہے اور اس نے مخلوق میں سے افضل ترین احمد ﷺ کو جنم دیا۔ سبحان اللہ! ایسی ماں اور بیٹے کے رتبہ کا کیا کہنا۔"

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جس رات میں نے اپنے نور نظر کو جنم دیا تو ایک نور عظیم دیکھا جس کی روشنی میں، میں نے شام کے محلات کو دیکھ لیا۔ (الوفا لابن جوزی صفحہ ۱۲۳)

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ ولادت کے وقت بچے سے ایک ایسا نور برآمد ہوا جس کی وجہ سے جائے ولادت روشن روشن ہو گئی اور ہر طرف نور ہی نور چھا گیا۔ (الوفا لابن جوزی صفحہ ۱۲۳)

حضرت آمنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے نور نظر کو جنم دیا تو وہ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر مٹی کی مٹھی لی اور مائل بسجدہ ہوا۔ ولادت کے وقت آپ ناف بریدہ تھے۔
(الوفا ابن جوزی صفحہ ۱۲۴ نیز نشر الطیب صفحہ ۲۳ بحوالہ مواہب لدنیہ عن محمد بن سعد، عطاء و ابن عباسؓ)

حضرت ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میری ماں نے بوقت ولادت یوں ملاحظہ کیا کہ گویا مجھ سے ایک عظیم نور نمودار ہوا جس کی ضیاپاشیوں سے شام کے محلات تک روشن ہو کر نظر آئے۔ (الوفا صفحہ ۱۲۴)

حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ نے حفاظتاً آپ کو ایک بڑے برتن کے نیچے لٹا کر چھپا دیا تو وہ فوراً دو ٹکڑے ہو کر دور جا گرا اور آپ ﷺ آنکھیں کھولے، لیٹے تھے اور نظر آسمان کی طرف تھی۔ (الوفا صفحہ ۱۲۴)

حضرت آمنہ کہتی ہیں کہ زچگی کا وقت آیا تو مجھے ستارے اس طرح نظر آئے کہ گویا وہ جھک کر زمین پر آ لگیں گے اور مجھ پر گر پڑیں گے۔ (الوفا صفحہ ۱۲۳)

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی والدہ حضرت شفا جنہوں نے دائی کے فرائض انجام دیئے، فرماتی

Marfat.com

ہیں کہ آپ ﷺ تولد ہو کر میرے ہاتھوں پر آئے اور بچوں کی طرح آواز نکالی تو میں نے یہ آواز سنی رحمک اللہ یا رحمک ربک یعنی "تیرا اللہ تجھ پر رحمتیں کرے۔" پھر مجھ پر مشرق و مغرب کے درمیان ساری زمین روشن ہو گئی حتیٰ کہ میں نے شام کے بعض محلات دیکھے۔ پھر میں لیٹ گئی اور جلد ہی مجھے تاریکی اور تیرگی اور رعب و خوف نے آلیا اور رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایسے میں دائیں جانب ایک نور دکھائی دیا اور آواز آئی۔ "تو اس محبوب بچے کو کدھر لے گیا۔" جواب میں ندا آئی۔ "مغرب کی سمت۔" آپ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد مجھ پر دوبارہ وہی تیرگی اور رعب و خوف کی کیفیت چھا گئی اور بائیں جانب سے ایک نور برآمد ہوا اور ساتھ ہی آواز آئی۔ "اس سعادت مند بچے کہاں لے گئے ہو؟" تو جواب آیا۔ "میں اسے مشرق کی طرف لے گیا ہوں۔" (الوفا صفحہ ۱۲۳)

آپ فرماتی ہیں کہ یہ واقعہ میرے دل پر نقش رہا اور جب آپ ﷺ نے اعلان نبوت کیا تو میں فوراً آپ ﷺ پر ایمان لے آئی اور سابقین واولین میں شمار کی گئی۔ (الوفا صفحہ ۱۲۴)

حضرت حسان بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں سات آٹھ سال کا سمجھدار اور توانا لڑکا تھا۔ ایک دن صبح سویرے ایک یہودی کو مدینہ منورہ میں زور زور سے چلاتے سنا وہ یہودیوں کو بلا رہا تھا۔ اس نے سب کو بلا کر اکٹھا کیا اور گویا ہوا:

"آج رات، وہ ستارہ جسے محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ولادت کے وقت طلوع ہونا تھا، طلوع ہو چکا ہے۔" (نشر الطیب صفحہ ۲۶ بحوالہ بیہقی وابو نعیم)

حضرت حسان فرماتے ہیں کہ وہ یہودی اس وقت بھی زندہ اور موجود تھا جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے مگر حسد کی وجہ سے کفر و ضلالت میں گم رہا اور اس نے اسلام قبول نہ کیا۔

حضرت حسان سے ہی مروی ہے کہ میں بوقت سحر فارغ نامی ایک ٹیلے پر موجود تھا کہ اچانک ایک بلند آواز کانوں میں پڑی۔ غور کیا تو وہ ایک یہودی کی آواز تھی۔ جو مدینہ منورہ کے بلند ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر کھڑا، ہاتھ میں مشعل لئے اپنے یہودی بھائیوں کو پکار رہا تھا چنانچہ وہ اکٹھے ہو کر آئے اور پوچھا۔ تجھے کیا ہوا کہ اس قدر چلا رہا ہے۔ اس نے (ایک ستارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا یہ ستارہ احمد مجتبیٰ ﷺ والا ہے جو طلوع ہو چکا ہے۔ یہ ستارہ نبیوں کے ظہور کے وقت طلوع ہوا کرتا ہے اور اب صرف آخری نبی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ہی تشریف لانے والے ہیں۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہو چکے ہیں۔"

لوگوں نے یہ سنا تو وہ اس بات پر ہنسنے لگے اور حیرانی کا اظہار بھی کیا۔ (الوفا باحوال مصطفیٰ صفحہ ۱۱۸ از ابن جوزی)

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ محمد بن اسحاق صاحب اکسیر کہتے ہیں کہ میں نے حسان بن ثابتؓ کے پوتے سعید بن عبدالرحمن سے پوچھا کہ جب رسول اللہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو حسان بن ثابت کی عمر کتنی تھی۔ انہوں نے جواب دیا "ساٹھ سال" ہجرت کے وقت حضور ﷺ کی عمر ۵۳ سال تھی۔ اس حساب سے یہ روایت درایتاً بھی درست ثابت ہوتی ہے۔ (نشر الطیب صفحہ ۲۶ بحوالہ سیرت ابن ہشام)

Marfat.com

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک یہودی مکہ میں رہا کرتا تھا جس رات حضور ﷺ پیدا ہوئے اس نے گروہ قریش سے کہا۔ "کیا آج رات آپ کے ہاں کسی گھر میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟" انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو بولا، تحقیق کرو۔ ضرور آج رات اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے اور اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشانی (مہر نبوت) ہے۔ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ آمنہ کے ہاں بچہ تولد ہوا ہے۔

وہ یہودی حضرت آمنہ کے پاس حاضر ہوا اور حضور ﷺ کو دیکھا تو فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا اور جب ہوش آیا تو کہا۔ "بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہوئی۔ اے گروہ قریش! یاد رکھو یہ نبی ﷺ ہے اور ایک دن یہ بچہ (بڑا ہو کر) تم پر ایسا غلبہ پائے گا کہ مشرق و مغرب میں اس کی دھوم مچ جائے گی۔"

(نشر الطیب صفحہ ۲۶-۲۷ بحوالہ فتح الباری عن یعقوب بن سفیان باسناد حسن و کذا فی المواہب نیز دیکھئے زرقانی علی المواہب جلد ۱، صفحہ ۱۲۰ سیرت ابن ہشام جلد ۱، صفحہ ۱۶۸ خصائص کبریٰ جلد ۱، صفحہ ۴۹ نیز ابو نعیم و بیہقی حاکم اور ابن سعد نیز انذکرا لحسین فی سیرت النبی الامین حصہ اول از مولانا محمد شفیع اوکاڑوی مرحوم صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

حضرت عثمان بن ابی العاص کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کی ولادت کے وقت خانہ کعبہ کے پاس تھی۔ میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نور سے منور ہو گیا اور ستارے زمین سے اس قدر قریب ہو گئے کہ مجھے گمان ہوا کہ کہیں مجھ پر گر نہ پڑیں۔

(نشر الطیب صفحہ ۲۴ بحوالہ مواہب لدنیہ، بیہقی نیز دیکھئے زرقانی علی المواہب جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۴۵، وطبرانی و ابو نعیم و ابن عساکر نیز سیرت سرور عالم جلد ۲ صفحہ ۹۵ از مولانا مودودی)

جس رات فجر کو حضور علیہ السلام پیدا ہوئے اس رات تارے مسلسل ٹوٹتے رہے اور ستارے ٹوٹنے کا یہ تماشا بعض لوگ رات بھر دیکھتے رہے اور ایک دوسرے سے اس کی وجہ پوچھتے رہے۔ قریش نے ولید بن مغیرہ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ وقوع پذیر ہونے والا ہے۔

(خطبات نبوی از پروفیسر مولوی محمد عبداللہ خاں مطبوعہ ۱۹۲۴ء طبع دوم ناشر دائرۃ المعارف، لاہور)

یعقوبی نے اپنی تاریخ میں منجملہ دیگر واقعات کے، حضور کی ولادت کے وقت ایک بہت بڑا زلزلہ آنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس نے تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ (محمد ﷺ رسول اللہ از محمد رضا مصری اردو ترجمہ صفحہ ۳۲ مطبوعہ تاج کمپنی، کراچی)

تفسیر ابن کثیر (جلد ۴ صفحہ ۳۶۰) میں ابو امامہ (بواسطہ لقمان بن عامر، فرج بن فضالہ، ابو نصر، احمد) سے روایت ہے:

- ابا امامة قال قلت يا رسول الله ما كان بدء امرك قال دعوة ابي ابراهيم و بشرى عيسى و رائت امي انه يخرج منها نور اضاءت له قصور الشام

"ابو امامہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے آپ ﷺ کی ابتداء کے بارے میں پوچھا تو

Marfat.com

فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا عیسیٰ کی بشارت اور اپنی ماں کا (وہ) خواب ہوں جس میں ان سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔"

حاکم نے مستدرک میں یہی بات خالد بن معدان (جو پسندیدہ تابعین میں سے تھے) سے بحوالہ اصحاب رسول ﷺ نقل کی ہے کہ صحابہ نے آپ ﷺ سے ان کی ذات بابرکات کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہ ہوں جس کے لئے میرے باپ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی اور جس کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور ایام حمل میں جس کا خواب میری والدہ نے دیکھا تھا کہ اس سے ایک نور نکلا ہے جس سے بصریٰ روشن ہو گیا (جو شام میں ہے) حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے مستدرک کی تلخیص میں اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔ (المستدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۶۰۰)

حاکم نے ہی بروایت سلمیٰ (بحوالہ عرباض بن ساریہ، سعید بن سوید، ابوبکر بن ابی العنانی، ابی الیمان، دارمی، عثمان بن سعید، ابوالحسن احمد بن محمد العنزی) مستدرک میں بیان کیا ہے کہ میں (سلمیٰ) نے آپ ﷺ سے سنا کہ فرماتے تھے:

انی عندالله فی اول الکتاب لخاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینة و سانبئکم بتاویل ذالک دعوة ابی ابراهیم وبشارة عیسی قومه و رویا امی اللتی رات انه خرج منها نور اضاءت له قصور الشام قال نعم هذا حدیث صحیح الاسناد شاهد لحدیث اول عرباض بن ساریه

"میں ﷺ اللہ کے نزدیک لوح محفوظ میں تمام نبیوں کا خاتم لکھا گیا ہوں جبکہ آدم ابھی مٹی میں گندھ رہے تھے اور میں اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہوں کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی وہ بشارت ہوں جو انہوں نے اپنی قوم کو دی اور اپنی ماں کے خواب کے موافق ہوں جس میں ان سے ایک نور نکلا جس کی روشنی میں شام کے محلات نظر آ گئے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اس کی شاہد حدیث اول ہے۔" (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۰۰)

بعض روایتوں میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

و کذالک امهات الانبیاء یرین "یعنی انبیاء علیہم السلام کی مائیں ایسا ہی دیکھا کرتی ہیں۔"

(احمد، بزار طبرانی، حاکم، بیہقی عن عرباض بن ساریہ)

حافظ ابن حجر نے کہا کہ حاکم اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(نشر الطیب صفحہ ۲۴ مطبوعہ تاج کمپنی، کراچی بحوالہ مواہب لدنیہ)

حضور علیہ السلام کی ولادت پر ایک واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ شہاب ثاقب کے ذریعے آسمان کی مزید

Marfat.com

حفاظت کر دی گئی اور شیطانوں کی گھاتیں ختم کر دی گئیں اور انہیں چوری چھپے آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا۔ اس بارے میں شعراطیسی نے کیا خوب کہا ہے:

(محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری مدیر مکتبہ جامعہ فواد قاہرہ (ترجمہ اردو از مولوی محمد عادل قدوسی) مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی صفحہ ۳۱-۳۲)

ضاءت لمولده الآفاق واتصلت
بشرى الهواتف في الاشراق واطفل
وصرح كسرى تداعى من قواعده
وانقض منكسر الارجاء ذاميل
ونار فارس لم توقد وما خمدت
مذ الف عام و نهر القوم لم يسل
خرت لمبعثه الاوثان وانبعثت
ثواقب الشهب ترمي الجن بالشهب

"آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے نور سے آفاق جگمگا اٹھے اور ہاتف غیبی کے ذریعے شرق و غرب میں آپ کی خوشخبری پھیل گئی کسریٰ کے محل کی بنیادیں زلزلہ سے ہلنے لگیں اور اس کے محل کے کنگرے جھک گئے اور ٹوٹ کر گر پڑے فارس کا آتشکدہ جو ہزار سال سے دہک رہا تھا بجھ گیا اور بحیرہ طبریہ کا پانی خشک ہو گیا۔ آپ کی تشریف آوری پر بت اوندھے منہ زمین پر گر پڑے اور شیطانوں کو شہاب ثاقب سے مارا جانے لگا۔"

سبب تالیف قصیدہ بردہ: امام شرف الدین بوصیری" (متوفی ۶۹۴ھ) اپنے مشہور قصیدہ بردہ شریف کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کی شان اقدس میں بہت سے قصائد لکھے جن میں سے بعض وزیر زین الدین یعقوب بن زبیر کی درخواست پر تصنیف ہوئے۔ پھر اتفاقاً میں فالج میں مبتلا ہوا جس سے میرا نصف دھڑ بے حس و حرکت ہو کے رہ گیا۔ جی میں آئی کہ رسول اللہ کی شان اقدس میں ایک اور قصیدہ لکھوں چنانچہ میں نے قصیدہ لکھا اور اس کے توسل سے بارگاہ رب العزت میں صحت کے لئے دعا کی اور اس قصیدہ کا ورد کرتا ہوا نہ جانے کب سو گیا۔ خواب میں حضور ﷺ سرور عالم کی زیارت کی سعادت ملی۔ آپ نے اپنا دست شفا میرے بدن کے مفلوج حصہ پر پھیرا اور پھر اپنی چادر مبارک مجھ پر ڈال دی۔ (چادر کو عربی میں بردہ کہتے ہیں) آنکھ کھلی تو خود کو تندرست و قوی پایا۔ میں نے اس قصیدہ کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا مگر جونہی صبح گھر سے نکلا تو راستے میں ایک درویش نے کہا کہ وہ قصیدہ جو حال ہی میں تم نے رسول اللہ کی مدح میں لکھا ہے مجھے عنایت فرمایئے۔ میں نے وضاحت چاہی تو فرمایا، وہی جو آپ نے بیماری کی حالت میں لکھا تھا اور ساتھ ہی اس کا مطلع بھی بتا دیا اور کہا۔ خدا کی قسم! رات کو یہی قصیدہ ہم نے دربار نبوی ﷺ میں سنا ہے۔ جب یہ قصیدہ پڑھا

Marfat.com

رہا تھا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام اس کو سن سن کر ایسے جھوم رہے تھے جیسے باد نسیم سے میوہ دار درخت کی شاخیں جھومتی ہیں۔ حضور ﷺ نے اس کو پسند فرمایا اور پڑھنے والے پر ایک چادر ڈال دی۔۔۔ بوصیری نے یہ بات سنی تو اپنا خواب بیان کیا اور درویش کو یہ "قصیدہ بردہ" دے دیا۔ پھر یہ خواب اور قصیدہ بہت جلد دنیا میں مشہور و مقبول ہو گیا۔

(سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی مرحوم صفحہ ۴۸-۴۷ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی' لاہور بحوالہ فوات الوفیات از علامہ محمد بن شاکر بن احمد کتبی متوفی ۷۶۴ھ ترجمہ محمد بن سعید بوصیری)

قصیدہ بردہ کی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں اور ہمارے علماء اور محققین کے نزدیک اس قصیدہ کی بڑی فضیلت اور اہمیت ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب میں جابجا اس قصیدہ کے اشعار سے بعض روایتوں کی تصدیق کی ہے۔ اوپر جو روایات مختلف اسناد سے بیان ہوئی ہیں۔ ان کی تصدیق قصیدہ بردہ شریف کے مندرجہ ذیل اشعار سے بھی ہوتی ہے:

ابان مولده عن طیب عنصره
یا طیب مبتدا منه و مختتم

"آپ کے زمان ولادت نے آپ کے عنصر کی پاکیزگی' لطافت اور طہارت کو ظاہر کر دیا۔ سبحان اللہ آپ ﷺ کی ابتداء و انتہا کی طہارت اور خوشبو کا کیا کہنا۔"

یوما تفرس فیه الفرس انهم
قد انذروا بحلول البوس والنقم

"آپ ﷺ کا یوم ولادت وہ ہے کہ جس میں اہل فارس نے فراست سے جان لیا کہ وہ (آپ کی ولادت کے ذریعے) آئندہ مصائب اور زوال سلطنت سے ڈرائے گئے ہیں جو قریب ہی تھے۔"

وبات ایوان کسری وهو منصدع
کشمل اصحاب کسری غیر ملتئم

"آپ ﷺ کی ولادت کے سبب سے ایوان نوشیرواں پھٹ کر رہ گیا۔ گویا لشکر کسریٰ کو دوبارہ مجتمع ہونا نصیب نہ ہوا۔"

والنار خامدة الانفاس من اسف
علیه والنهر ساهی العین من سدم

"آپ کے میلاد کے وقت مجوسیوں کی آگ افسوس کی وجہ سے ٹھنڈی ہو گئی اور نہر فرات حیرانی اور ندامت کے سبب سمٹ کر ساوہ کا کھالا سا بن کے رہ گئی۔"

وساء ساوة ان غاصت بحیرتها
ورد واردها بالغیظ حین ظمی

Marfat.com

"آپ کے روزِ ولادت اہل ساوہ غمگین ہو گئے اور گھاٹ پر آنے والے پیاسے بے نیل و مرام واپس لوٹ گئے۔"

كان بالنار ما بالماء من بلل
حزنا و بالماء ما بالنارمن ضرم

"آپ کی ولادت کے سبب آگ بوجہ رنج کیفیت تری (پانی جیسی حالت) کی حامل ہو گئی اور پانی کو آگ کا خاصہ حاصل ہو گیا۔"

والجن تهتف والانوار ساطعة
والحق يظهر من معنا ومن كلم

"آپ کے یوم ولادت جن آپ کی خبریں دیتے تھے اور آپ کے انوار ظاہر ہو رہے تھے اور حق ظاہر و باطن سے ظہور میں آ رہا تھا۔"

عموا و صموا فاعلدن البشائر لم
تسمع وبارقة الانذار . لم تشم

آپ کے منکرین اندھے اور بہرے ہو گئے لہٰذا وہ بشارات کا اعلان نہ سن سکے اور نہ خوف کی بجلی کو ہی دیکھ سکے۔"

من بعد ما اخبر الاقوام كاهنهم
بان دينهم المعوج لم يقم

"حالانکہ ان منکروں کو ان کے کاہنوں نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ اب (آپ کی ولادت کے بعد) ان کا ٹیڑھا دین قائم نہ رہ سکے گا۔"

وبعد ماعا ينوا فى الافق من شهب
منقضة وفق ما فى الارض من صنم

"اور باوجود اس کے کہ وہ آفاق میں شہاب ثاقب گرتے ہوئے دیکھتے اور زمین پر بتوں کو اوندھے منہ گرا دیکھا۔ (پھر بھی منکرین ہدایت نہ پا سکے۔)"

صلى الله على حبيبه سيدنا محمد وآله واصحابه وسلم

ولادت کی خوشی اور ابولہب: مروی ہے کہ ابولہب کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت کی خوشخبری اس کی کنیز ثوبیہ نے دی اور ابولہب بہت خوش ہوا کہ اس کے مرحوم بھائی کے ہاں اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا ہے۔ اسی خوشی میں اسی وقت اس نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا۔ حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ ابولہب کی موت کے بعد میں نے اسے خواب میں دیکھا اور حال پوچھا اس نے کہا کہ میں مسلسل عذاب میں ہوں لیکن ہر پیر کے دن محمد ﷺ کی ولادت کی خوشی منانے

Marfat.com

ثویبہ کو آزاد کرنے) کی وجہ سے میرے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے اور پانی کا گھونٹ پلایا جاتا ہے۔

گویا حضور علیہ السلام کے میلاد مبارک کی خوشی منانے کا عمل ایک کافر مطلق کو بھی ربی فیض و رحمت کا حقدار بنا دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں حضور کی رحمۃ للعالمینی کی وسعت کا کیا کہنا۔ سبحان اللہ !

چنانچہ حافظ شمس الدین محمد بن ناصر کہتے ہیں:

اذا کان ھذا کافر جاء ذمه و تبت یداه فی الجحیم مخلدا

اتی انه فی یوم الاثنین دائما یخفف عنه للسرور با حمدا

وما الظن بالعبد الذی کان عمره باحمد مسرور و مات موحدا

"جب ایک کافر جس کی مذمت میں پوری سورۃ "تبت یدا" نازل ہوئی اور جو تاابد جہنم میں رہے گا۔ اس کے بارے میں ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت پر اظہار مسرت کی برکت سے ہر سوموار کو اس کے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے تو تمہارا کیا خیال ہے اس بندے کے بارے میں جو زندگی بھر احمد مجتبیٰ کی ولادت باسعادت پر خوشی مناتا رہا اور کلمہ توحید پڑھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا۔"

آپ ﷺ مختون و مسرور (ناف بریدہ) پیدا ہوئے:

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ختنہ شدہ پیدا ہونا آپ کے خواص میں شامل نہیں ہے اور ابوالفرج جوزی نے اس حدیث کو "موضوع" قرار دیا ہے جس میں آپ کا پیدائشی طور پر مختون ہونا درج ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دوسری روایت کی رو سے حضور کا ختنہ فرشتوں نے شق صدر کے وقت کیا جب آپ حلیمہ سعدیہ کی تحویل میں پرورش پا رہے تھے اور بقول ان کے تیسری روایت جو غریب ہے، یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دادا نے آپ کا ختنہ پیدائش کے بعد ساتویں دن کروایا جس کے لئے ایک دعوت کا اہتمام بھی کیا گیا نیز آپ کا نام محمد ﷺ رکھا گیا۔ امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ کمال الدین بن طلحہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

(زاد المعاد حصہ اول صفحہ ۷۰-۷۱ (اردو) مطبوعہ کراچی)

حاکم نے مستدرک (جلد ۲ صفحہ ۶۰۲) میں کہا ہے:

وقد تواترت الاخبار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد مختونا و مسرورا

"احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔"

زرقانی نے (زرقانی علی المواہب جلد ۵ صفحہ ۴۴) بھی اسی کو لیا ہے:

Marfat.com

ومنها انه ولد مختونا مقطوع السرة فقد قال الحاک
به تواترت الاخبار

"اور ان احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ آپ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ پس حاکم نے کہا ہے کہ اس کی احادیث متواترہ ہیں۔"

وعن ابن الجوزی لاشک انه ولد مختونا

"ابن جوزی سے منقول ہے کہ آپ ﷺ بلاشک مختون پیدا ہوئے۔" (رواہ الطبرانی و ابن عساکر)

عن انس رضی الله عنه رفعه ان النبی صلی الله علی
وسلم قال من کرامتی علی ربی انی ولدت مختونا ولم یری
احد سواتی

"حضرت انسؓ سے مرفوع حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے رب کی طرف سے مجھے (ایک) کرامت یہ حاصل ہے کہ میں ختنہ کیا ہوا پیدا کیا گیا ہوں اور کسی نے میرے ستر کو نہیں دیکھا۔" (طبرانی، خطیب و ابن عساکر، ابونعیم و زرقانی جلد ا صفحہ ۱۳۴) البدایہ والنھایہ (جلد ۲ صفحہ ۲۶۵) میں حضرت عباس بن عبدالمطلب سے بواسطہ ابن عباس، عکرمہ، الحکم بن عیان (ابان) الیسقی سے منقول ہے:

قال (عباس بن عبدالمطلب) ولد رسول الله صلی الل
علیه وسلم مختونا ومسرورا

"حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔" یہ بات عبدالمطلب کو انوکھی لگی تو فرمایا میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی۔ (نیز ابن عساکر، ابو نعیم نے بھی اسے روایت کیا۔) عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

انه صلی الله علیه وسلم ولد مختونا مسرورا ا
مقطوع السرة

"آپ ﷺ بیشک ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔" (طبرانی، ابونعیم، زرقانی جلد ا صفحہ ۱۳۴)

ابن درید نے "الوشاح" میں کہا ہے کہ آدم علیہ السلام اور بارہ پیغمبر مختون پیدا ہوئے ہیں جن میں سب سے آخری حضرت محمد ﷺ ہیں۔ درمیان میں حضرت شیثؑ، ادریسؑ، نوحؑ، سامؑ، لوطؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، سلیمانؑ، شعیبؑ، یحییٰؑ، ہود اور صالح علیہم السلام تھے۔

(خصائص کبری جلد اول باب ۱۹)

Marfat.com

کعب احبار کہتے ہیں کہ تیرہ نبی ختنہ شدہ پیدا ہوئے آدم، شیث، ادریس، نوح، سام، لوط، یوسف، موسیٰ، شعیب، سلیمان، یحییٰ، عیسیٰ و محمد ﷺ وعلیہم السلام

(شمامة العنبریه--- نواب صدیق حسن بھوپالی صفحہ ۸ بحوالہ حیوۃ الحیوان + نوٹ ابن درید کی روایت بھی ابن الکلبی نے کعب احبار سے نقل کی ہے جبکہ حیوۃ الحیوان والی روایت بھی انہی سے مروی ہے مگر انبیاء کے بعض نام مختلف ہیں۔)

گہوارے میں تھا چاند کھلونا تیرا ﷺ: حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ میں نے آپ کے گہوارے میں آپ کی نبوت کی علامت دیکھی تھی کہ آپ ﷺ چاند سے باتیں کر رہے تھے اور اس کی طرف انگلی سے اشارہ فرماتے۔ آپ ﷺ جدھر اشارہ کرتے چاند اسی طرف ہو جاتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں چاند سے اور وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ مجھے رونے سے بہلا رہا تھا چنانچہ جب چاند عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتا ہے تو میں اس کی پکار (تسبیح) سنتا ہوں۔

(یہ حدیث بیہقی، صابونی، ابن عساکر اور خطیب نے نقل کی ہے۔ بیہقی نے اس کے راوی احمد بن ابراہیم جیلی کو مجہول راوی کہا ہے۔ صابونی نے سند کے لحاظ سے اسے غریب کہا مگر معجزات کے متن میں حسن کہا۔

(خصائص کبریٰ جلد اول باب ۲۰)

حضور ﷺ کا اولین کلام: حافظ ابوالفضل بن حجر سیرالواقدی میں کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا۔ ابن سبع نے "الخصائص" میں بیان کیا کہ آپ کا پنگھوڑا مبارک فرشتے ہلا رہے تھے اور جو کلام فرمایا وہ یہ تھا۔ **اللہ اکبر کبیرا والحمدللہ کثیرا**

(خصائص کبریٰ جلد اول باب ۲۱)

بیہقی اور ابن عساکر، محمد بن زکریا غلابی سے، وہ یعقوب بن جعفر بن سلیمان سے، وہ علی بن عبداللہ بن عباسؓ سے، وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد (عباس بن عبدالمطلب) سے روایت کرتے ہیں کہ حلیمہ کہتی ہیں کہ جب انہوں نے رسول اکرم ﷺ کا دودھ چھڑایا تو آپ ﷺ نے یہ کلام فرمایا:

(۱) خصائص کبریٰ جلد اول باب ۲۲

اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ بکرۃ واصیلا

یوم پیدائش: ابن جوزی نے الوفا میں تحریر کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت بروز پیر عام الفیل میں دس ربیع الاول کے بعد ہوئی۔

ایک روایت یہ ہے کہ ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے کے بعد یعنی تیسری تاریخ کو ولادت ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول (سن الفیل) کو ہوئی۔

Marfat.com

حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ کسی نے آپ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔ "پیر کو میری ولادت ہوئی، اسی دن مجھ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور اعلان نبوت کا حکم دیا گیا۔" (مسلم شریف)

ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل میں ربیع الاول کی بارہویں رات کے بعد (تڑکے صبح سویرے) ہوئی یعنی ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی (چندی ماہ میں رات پہلے ہوتی ہے اور دن بعد میں آتا ہے۔)

زہری سے منقول ہے کہ آپ کی ولادت عام الفیل کے دس سال بعد ہوئی مگر یہ قول صحیح نہیں ہے۔

(ابن جوزی الوفا صفحہ ۱۱۸)

حضرت براءؓ کے مطابق آپ ﷺ آٹھ ربیع الاول بمطابق دس نیساں (ایک شمسی مہینہ) کو تولد ہوئے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہوئے بتایا ہے کہ حضور علیہ السلام ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے بھی یہی کہا ہے اور اہل علم میں یہی تاریخ مشہور ہے۔

(سیرت سرور عالم جلد ۲ صفحہ ۹۳ از مولانا مودودی)

طبری (جلد ۳ صفحہ ۳۲۹) اور ابن خلدون نے بھی ۱۲ ربیع الاول کو ہی اختیار کیا ہے۔ علامہ احمد بن محمد القسطلانی الشافعی مصری کہتے ہیں:

والمشهور انه صلى الله عليه وسلم ولد يوم الاثنين ثاني عشر ربيع الاول وهو قول محمد ابن اسحاق وغيره وقال عمل عليه اهل مكة قديما وحديثا في زيارتهم موضع مولده في هذا الوقت

"مشہور یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ یہی قول محمد بن اسحاق کا ہے اور اسی پر عمل اہل مکہ کا پہلے بھی تھا اور آج کل بھی ہے کہ وہ ۱۲ ربیع الاول کو ہی حضور ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت کرتے ہیں۔" (زرقانی علی المواہب جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک آپ ﷺ کی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول ہی مشہور ہے اور محدث ابن جوزی اور ابن جزار ہر دو نے اسی پر اجماع نقل کیا ہے اور اسی پر (امت کا) عمل ہے۔

(زرقانی علی المواہب جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

علامہ ابن اثیر اور ابن ہشام نے محمد ابن اسحاق کی روایت کو ہی اختیار فرمایا اور لکھا ہے:

Marfat.com

"رسول اللہ ﷺ بروز پیر ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔"

(ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۶۷ و کامل ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۲۰۵ (عربی ایڈیشن)

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ (متوفی ۸۹۸ھ) لکھتے ہیں:

ولادت وے ﷺ روز دوشنبہ دوازدہم ربیع الاول پنجاہ و پنج روز بعد از واقعہ فیل بود

"آپ ﷺ بروز پیر ۱۲ ربیع الاول واقعہ فیل کے پچپن روز بعد تولد ہوئے۔" (شواہد النبوت صفحہ ۲۲)

مدارج النبوت (جلد دوم صفحہ ۱۴) میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں:

"جمہور اہل سیر و تواریخ اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت واقعہ فیل کے چالیس یا پچپن روز بعد اسی سال ہوئی اور یہی قول تمام اقوال سے صحیح تر ہے اور مشہور یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی اور بعض علماء اس قول پر اتفاق و اجماع بیان کرتے ہیں اور بعضے ۲ ربیع الاول، بعض آٹھ ربیع الاول اور بعض ۱۰ ربیع الاول کو آپ کا یوم ولادت بتاتے ہیں۔ اگرچہ آٹھ ربیع الاول کو بہت علماء نے اختیار کیا ہے لیکن قول اول یعنی ۱۲ ربیع الاول ہی زیادہ مشہور ہے اور اسی پر علماء کی اکثریت ہے اور اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے کہ وہ اسی تاریخ کو جائے ولادت پر حاضر ہو کر اس کی زیارت کرتے اور میلاد شریف پڑھتے ہیں۔

- ہندوؤں کی مذہبی کتاب بھاگوت پران (اسکند ۱۲، باب ۲، شلوک ۱۸) میں لکھا ہے:

"وہ مظہر حق ۱۲ ربیع الاول بروز پیر پیدا ہوگا، امن والے شہر میں، ایک سردار کے ہاں جس کا نام عبداللہ ہوگا۔ اس کی ماں کا نام آمنہ ہوگا۔" (بحوالہ نور اسلام، شرقپور شریف ماہ دسمبر ۱۹۹۴ء صفحہ ۲۳)

- جس مہینے میں حضور پیدا ہوئے اس کا نام تو ربیع تھا ہی مگر وہ موسم بھی بہار کا تھا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ربیع فی ربیع . فی ربیع
و نور فوق نور . فوق نور

"ایک تو وہ پررونق چہرہ مبارک، پھر موسم بہار بھی اور مہینہ بھی ربیع الاول (پر بہار) گویا وہ نور۔۔۔ نور علیٰ نور کا مصداق ہے۔"

(سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی مرحوم و مغفور صفحہ ۱۳ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی اردو بازار، لاہور)

- مصر کے ماہر فلکیات محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا جس میں جدید حساب کی بناء پر ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اگر حضور ﷺ پیر کو پیدا ہوئے تھے تو گویا آپ ﷺ ۹ ربیع الاول کو پیدا ہوئے تھے (۲۰ اپریل ۵۷۱ء) چنانچہ مولانا شبلی نے سیرت النبی (جلد ۹ صفحہ ۱۷۱) اور سلمان منصور پوری نے رحمۃ للعالمین (جلد ۹ صفحہ ۴۳) میں ۹ ربیع الاول کو اختیار کیا ہے جبکہ محمد طلعت نے بھی تاریخ دول العرب والاسلام میں ۹ ربیع الاول کو ہی درست مانا ہے۔

- لین (Lane) اپنی کتاب "The Modern Egyptians" میں لکھتا ہے کہ مصری مسلمان ہر

Marfat.com

سال ۱۲ ربیع الاول کو حضور کا یوم ولادت مناتے ہیں۔ (صفحہ ۴۰۸)

بادشاہ نامہ میں ہے کہ شاہجہان ۱۲ ربیع الاول کو مولود النبی ﷺ کی محفل کا اہتمام کیا کرتا تھا
پاکستان میں ۱۲ ربیع الاول کو ہر سال عید میلاد النبی ﷺ عوامی اور سرکاری سطح پر بڑی عقیدت اور احترام
کے ساتھ منائی جاتی ہے۔ یہ عید علامہ نور بخش توکلیؒ نے انگریزی دور میں منظور کروائی کہ انہوں نے
گورنمنٹ کے سرکاری گزٹ میں (۱۲ ربیع الاول کو جسے عام طور پر بارہ وفات کہا جاتا تھا) عید میلاد النبی
ﷺ کا نام منظور کروایا اور اس کی عام تعطیل منظور کروائی۔ اب یہی نام پاک و ہند میں بچے بچے کی زبان
پر ہے۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت والجماعت مرتبہ اقبال احمد فاروقی صفحہ ۲۹۸)

تاریخ پیدائش کے بارے میں تحقیق: جدید دور میں علم ہیئت کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ اسی لئے محمود پاشا فلکی کی تحقیقات کو بعض علماء اور
مؤرخ بلاچون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں تحقیق کی ہے۔ آیئے ہم ذرا دیکھیں کہ آیا
اسلامی لٹریچر میں درج کردہ اسلامی تواریخ اور تقویمی عمل سے حاصل کردہ تواریخ میں فرق کی مثالیں کہیں
اور بھی ملتی ہیں یا صرف یہ فرق آپ ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں ہی پایا جاتا ہے۔

۱۔ ہجرت کر کے حضور قبا میں تشریف کب لائے۔ کتابوں میں بروز پیر ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ درج ہے
جبکہ تقویمی حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو جمعہ تھا۔ (بخاری و مسلم۔ ابن ہشام)

۲۔ قریش کی تجارتی ناکہ بندی کی مہم (غزوہ ینبع) کے لئے روانگی ۲ شعبان ۲ھ بروز جمعرات کتابوں میں
درج ہے۔ جبکہ تقویمی حساب سے ۲ شعبان ۲ھ کو اتوار تھا۔ (ابن حبیب صفحہ ۱۱۱)

۳۔ کتابوں میں ہے کہ بنو مسلم اور بنو غفار کے ساتھ معاہدہ بروز منگل ۱۴ شعبان ۲ھ کو ہوا جبکہ تقویمی
حساب سے ۱۴ شعبان کو جمعہ کا دن تھا۔ (ایضاً)

۴۔ غزوہ بدر ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ بروز جمعہ یا ۱۶ رمضان المبارک ۲ھ بروز جمعہ کتابوں میں درج
ہے (ابن سعد ج ۲ صفحہ ۱۳ مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ جبکہ تقویمی حساب سے ۱۶ رمضان کو پیر اور ۱۷
رمضان کو منگل تھا۔

۵۔ واقدی (ج ۳ صفحہ ۱۷۷) کے مطابق غزوہ بنو قینقاع بروز ہفتہ ۱۵ شوال ۲ھ کو واقع ہوا۔ لیکن تقویمی
حساب سے ۱۵ شوال ۲ھ کو منگل بنتا ہے۔

۶۔ غزوہ سویق ۵ ذوالحجہ ۲ھ بروز اتوار واقع ہوا (واقدی ج ۳ صفحہ ۱۸۶) لیکن تقویم کہتی ہے کہ اس روز
اتوار کی بجائے منگل تھا۔

۷۔ مستند اور مسلمہ تاریخی معلومات کی رو سے غزوہ احد ۱۱ شوال ۳ھ بروز ہفتہ واقع ہوا۔ جبکہ بلحاظ
تقویم ۱۱ شوال ۳ھ کو بدھ کا دن تھا۔

۸۔ غزوہ بنو نضیر بروز منگل مورخہ ۱۲ ربیع الاول ۴ھ کو ہوا (ابن حبیب صفحہ ۱۱۳) لیکن تقویم کی رو سے ۱۲
ربیع الاول ۴ھ کو جمعرات کا دن تھا۔

Marfat.com

۹۔ غزوہ بدر موعد مستہل شعبان ۴ھ بروز جمعرات واقع ہوا۔ (ابن حبیب صفحہ ۱۱۳) لیکن تقویمی حساب سے اس دن۔ اتوار (یا پیر ہو سکتا) تھا۔

۱۰۔ خسرو پرویز (شاہ ایران) ۱۰ جمادی الاول ۶ یا ۷ ھ کو بروز منگل قتل ہوا تھا (ابن خلدون ج ۲ صفحہ ۳۸، طبری ج ۳ صفحہ ۹۱) لیکن تقویمی حساب بتلاتا ہے کہ ۱۰ جمادی الاول ۶ھ کو اتوار کا دن تھا جبکہ ۷ ھ کو جمعرات تھی۔

۱۱۔ فتح مکہ کے لئے مدینہ منورہ سے روانگی ۱۰ رمضان ۸ ھ بروز بدھ ہوئی (ابن سعد ج ۲ صفحہ ۹) اور تقویم کہتی ہے کہ ۱۰ رمضان ۸ھ کو پیر کا دن تھا۔

۱۲۔ غزوہ حنین کے لئے فوج کا مکہ سے کوچ ۶ شوال ۸ ھ بروز ہفتہ ہوا۔ جبکہ تقویمی حساب سے ۶ شوال ۸ ھ کو جمعرات کا دن تھا۔

نوٹ: میں نے یہ معلومات مولوی اسحاق النبی علوی کے مضمون "سیرت نبوی توقیت کی روشنی میں" سے اخذ کی ہیں۔ جو نقوش کے رسول نمبر میں شائع ہوا تھا۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ماہناہ نقوش لاہور۔ رسول نمبر جلد ۲ صفحہ ۵۶ تا ۵۹)

(قدر آفاقی)

مندرجہ بالا مثالوں سے ثابت ہوا کہ قمری مہینوں کی تاریخوں اور دنوں میں بلحاظ تقویم وہیئت ۲، ۳، ۴ یا ۵ روز کا فرق معمولی بات ہے۔ یہ بات تو مسلمہ ہے کہ آپ ﷺ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور دن پیر تھا اور تاریخ ۸ تا ۱۲ ربیع الاول کوئی تھی جبکہ پیر کا دن خود حضور ﷺ نے بتایا کہ آپ اس روز پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ اور جابر بن عبداللہؓ کے مطابق آپ بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے تھے جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مکہ معظمہ میں اہل مکہ کے حساب کی رو سے اس روز ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ تھی۔

تقویمی حساب اور رویت ہلال: اسلام میں بعض عبادات مثلاً روزہ اور حج وغیرہ کا تعلق رویت ہلال سے ہے اور تقویمی حساب کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں حتیٰ کہ جدید سہولتوں کے پس منظر میں آج کل بھی اہل اسلام یہی کوشش کرتے ہیں کہ چاند نظر آجائے تو ماہ رمضان وغیرہ شروع ہو جاتا ہے ورنہ اسے ایک دن مؤخر کر دیا جاتا ہے۔ یہ تو ایک شہر یا چھوٹے ملک کا معاملہ ہوا۔ اب بین المملکتی طور پر استہلال کا جائزہ لیجئے۔ جس زمانے کی بات ہم کر رہے ہیں تو وہ زمانہ بہت پرانا تھا۔ چودہ پندرہ سو سال پہلے کے لوگ چندی مہینے کے آغاز کو رویت ہلال پر ہی منحصر رکھتے تھے نہ کہ ہیئت دانی پر لیکن چونکہ ذرائع ابلاغ انتہائی سست ہوتے تھے اس لئے ایک ہی ملک میں استہلال میں فرق پڑ جانا معمولی بات ہوتی تھی۔ ہمارے ملک میں واقعات گواہ ہیں کہ مختلف شہروں میں ایک ایک یا دو دو دن کے وقفے سے عید منائی جاتی تھی اور بین المملکتی سطح پر یہ وقفہ اس سے زیادہ بھی ہوتا تھا اور آج کل بھی عملی طور پر مشاہدے میں یہ فرق آتا رہتا ہے کہ سعودی عرب اور پاکستان میں عید الضحیٰ اور حج کی تاریخ مختلف ہوتی ہے اور یہ فرق ہم نے ٹی وی کے ذریعے تحقیق کیا ہے۔ حالانکہ دونوں ممالک کے سٹینڈرڈ ٹائم میں

Marfat.com

صرف دو گھنٹے کا فرق ہے۔

لیکن ذرا چودہ سو سال پیچھے جھا نکئے اور اندازہ کیجئے کہ ایک بچہ مکہ معظمہ میں پیدا ہوا تو اہل مکہ کے حساب کے مطابق اس روز پیر کا دن تھا اور تاریخ ۱۲ ربیع الاول تھی جس کی تصدیق ابن عباسؓ اور جابرؓ بن عبداللہ کے بیانات سے ہوتی ہے اور جسے عظیم مؤرخین اور محققین نے اختیار کیا ہے اور اس کے مقابلے میں تیرہ سو سال کے بعد ایک ماہر فلکیات کا حساب ہے جس کی رو سے وہ ۹ ربیع الاول اور دن پیر بنتا ہے تو ہمارے لئے اس کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ رویت ہلال کے بعد جس واقعہ کو کسی شہر کے رہنے والوں نے اختیار کر لیا اور اس کے مطابق عمل پیرا ہو گئے تو گویا وہی تاریخ حتمی تصور کی جائے گی۔ کسی دوسرے شہر یا ملک میں ۸، ۹، ۱۰ یا ۱۱ ربیع الاول ہو تو پڑی ہو کہ وہ غیر اہم متصور ہو گی۔ اس بات کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل مثال پر غور کیجئے:

ایک مثال: فرض کیجئے ایک شخص دور سے سفر کر کے لاہور پہنچتا ہے، رمضان کا مہینہ ہے اور اس کے حساب کے مطابق ابھی ایک یا دو روزے باقی ہیں لیکن لاہور میں چاند نظر آ جاتا ہے تو اسے اہل لاہور کی تقلید میں اگلے روز عید منانا ہو گی۔ فقہی لحاظ سے اس کے باقی ماندہ روزوں کی قضاء عید کے بعد ہو گی۔ دوسرے لفظوں میں جس ملک یا شہر کے لوگوں نے چاند کی تاریخ کے بارے میں رویت ہلال کے بعد جو بھی فیصلہ کر لیا وہی حتمی ہے۔ دوسرے ممالک کے شہروں یا لوگوں کا فیصلہ مختلف بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑ سکتا جیسا کہ (سعودی عرب میں) مکہ معظمہ میں حج کی تاریخ پاکستان میں حج کی تاریخ سے واقعتاً مختلف مشاہدہ میں آتی ہے۔ لہٰذا ہمیں خواہ مخواہ بحث مباحثہ میں نہیں پڑنا چاہئے بلکہ مندرجہ بالا نقشہ توقیت کو سامنے رکھ کر ۱۲ ربیع الاول کو ہی مستند اور حتمی تسلیم کرنا چاہئے جس کی تصدیق جابر بن عبداللہؓ اور عبداللہؓ بن عباسؓ کی روایتوں سے ہوتی ہے اور یہی تاریخ مشہور و معروف ہے اور اسی پر عوام و خواص اور علماء کی اکثریت کا عمل ہے اور زرقانی کا قول ہے کہ جب کسی امر کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے کافی دلائل موجود نہ ہوں تو مشہور قول کو اختیار کر لینا ہی بہتر ہے

(سیرت سرور عالم جلد ۲ صفحہ ۶۴۴ از مولانا مودودیؒ)

جبکہ یہاں دلائل بھی موجود ہیں اور "مشہوریت" کی سند بھی حاصل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول عام الفیل بروز پیر اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے۔

جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امام ابو شامہ شیخ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے دور کی نئی مگر بہترین اختراع حضور علیہ السلام کا یوم ولادت منانا ہے جس میں حضور کی ولادت کی خوشی میں صدقہ و خیرات، محفلوں کی زیبائش و آرائش اور اظہار مسرت کیا جاتا ہے۔ یہ مبارک تقریبات فقراء سے حسن سلوک کے علاوہ امتیوں کی آنحضرت

Marfat.com

...ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت اور اہل محفل کے دل میں حضور علیہ السلام کی فضیلت و عظمت کی پختگی
...ور آپ کی شان رحمتہ للعالمینی پر قلبی شکرو احسان مندی کا احساس دلاتی ہیں۔
امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کا آغاز تین صدی بعد ہوا۔ اس کے بعد سے تمام ممالک و
امصار میں مسلمانان عالم جشن میلاد النبی ﷺ مناتے چلے آرہے ہیں۔ علامہ ابن جوزیؒ فوائد میلاد
شریف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے سال بھر امن و عافیت رہتی ہے اور یہ مبارک عمل نیک
مقاصد کی بر آری کا سبب بنتا ہے۔
سرکاری سطح پر سب سے پہلے سلطان مظفر ابو سعید نے تقریب میلاد النبی ﷺ منائی اور ان کی
ہی فرمائش پر حافظ ابن دحیہؒ نے ایک کتاب "التنویر فی مولد البشیر النذیر" تالیف کی تھی اور ایک ہزار دینار
انعام پایا تھا۔ سلطان موصوف ہر سال ربیع الاول میں یہ تقریب میلاد بڑی عقیدت و محبت اور ادب و احترام
سے اعلیٰ پیمانے پر منایا کرتے تھے جس پر وہ ہر سال تین لاکھ دینار خرچ کیا کرتے تھے۔
سلطان ابو حمو موسیٰ شاہ تلمسان بھی جشن میلاد النبی ﷺ بڑے تزک و احتشام سے مناتے تھے
نیز یہ جشن ان کے زمانہ میں اور اس سے قبل مغرب اقصیٰ و اندلس کے سلاطین بھی منایا کرتے تھے۔ مصر
میں بھی یہ جشن ہر سال منایا جاتا ہے اور عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر قاہرہ میں جلوس بھی نکالا جاتا ہے
اور سرکاری سطح پر بھی یہ جشن بڑی سنجیدگی اور وقار سے منایا جاتا ہے۔
(یہ تفصیل "محمد رسول اللہ ﷺ" از شیخ محمد رضا مصری قاہرہ (اردو ترجمہ) صفحہ ۳۲-۳۴ مطبوعہ تاج کمپنی،
کراچی سے اخذ کی گئی ہے۔)
پاکستان میں عوامی اور سرکاری سطح پر جبکہ دوسرے غیر مسلم ممالک میں عوامی سطح پر اہل اسلام
حضور علیہ السلام کا یوم ولادت بڑے تزک و احتشام سے مناتے ہیں۔ مسجدوں اور شاہراہوں اور خصوصی
عمارتوں پر چراغاں کیا جاتا ہے، غریبوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، وعظ و نصیحت کی مجالس برپا کی جاتی ہیں اور حضور
ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے پر زور دیا جاتا ہے چنانچہ سیرت کانفرنس، جلسہ سیرۃ النبی، جشن میلاد
النبی ﷺ، میلاد کانفرنس، عید میلاد النبی ﷺ وغیرہ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ سب واما
بنعمت ربک فحدث کی عملی تفسیریں ہیں۔

ایام اللہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے **وذکرھم بایام اللہ** یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کے ایام یاد دلاؤ۔
حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، مجاہدؒ اور قتادہؒ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ ایام
اللہ سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعامات فرمائے۔
(تفسیر ابن جریر، خازن اور مدارک، مفردات راغب وغیرہ۔)
دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذالک فلیفرحوا
"(اے نبی ﷺ!) فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر لوگوں کو خوشی منانی

Marfat.com

چاہیے۔" (یونس ۵۸)

رحمتہ للعالمین: حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے **وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین** کے مقام ارفع و اعلیٰ سے نوازا ہے۔ گویا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے لئے ازلی اور ابدی رحمت ہیں۔ یوں تو بارش بھی اللہ کی رحمت ہے مگر حضور کی رحمت کے مقابلے میں بارش کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی طرح اللہ کی دوسری ان گنت رحمتوں پر "رحمتہ للعالمین" کی ذات اقدس والی "رحمت" سب سے بھاری ہے جسے اللہ کا فضل کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔ لہٰذا قرآن کی رو سے اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ اللہ کے فضل عظیم اور اس کی رحمت عظیمہ کے حاصل ہونے پر خوشی و مسرت اور انبساط و فرحت کا اظہار کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ کا یہ ظہور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت کی شکل میں ہوا۔ لہٰذا آپ ﷺ کا یوم ولادت مسلمانان عالم کے لئے ان پر اللہ کی رحمت عظمیٰ کا نقطۂ آغاز ہے۔ اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ قرآن پر عمل کرتے ہوئے اللہ کی یہ رحمت عالیہ حاصل ہونے پر خوشی منائیں چنانچہ اہل اسلام حضور کا یوم ولادت بڑے پرشکوہ انداز میں دنیا بھر میں مناتے ہیں اور اسے صرف اہل اسلام ہی مناتے ہیں کیونکہ اہل اسلام کو ہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تشریف لانے کی سب سے زیادہ خوشی ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک حضور علیہ السلام کی پیدائش کا دن دوسرے سب ایام اللہ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی ذات کائنات میں خالق کے بعد مرکزی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا حزب اللہ کو یہ دن جشن و مسرت اور اظہار تشکر کے طور پر بھی منانا چاہیے چنانچہ اگر ہم یوم بدر یا یوم فتح مکہ منائیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اسی طرح یوم میلاد النبی ﷺ منانے میں بھی شرعی طور پر کوئی قدغن یا رکاوٹ یا قباحت نہیں۔

ایک سچا واقعہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا۔ وجہ معلوم کی تو پتہ چلا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون سے نجات بخشی تھی جس کی تعظیم میں وہ عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا:

فنحن احق بموسی منکم فصامہ وامر بصیامہ

"کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی فتح کا دن منانے میں تم سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔" (بخاری، مسلم، ابوداؤد) پس حضور نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا۔

سنت انبیاء: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ **ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا و آخرنا** "یا اللہ ہم پر آسمان سے دستر خوان بھیج (اور) اسے ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید بنا۔" تو گویا دستر خوان کا نزول عیسائیوں کے لئے عید ٹھہرا۔ حضور ﷺ کی ذات "مائدہ" سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ پس آپ ﷺ کی

Marfat.com

تشریف آوری کا دن اہل اسلام کے لئے خوشی کا دن یعنی عید کیوں نہ ہو گا جبکہ ارشاد ربانی ہے **واذکرو نعمۃ اللہ علیکم** (مائدہ۔۲۰) "اور حضور ﷺ تو سب نعمتوں کی نعمت اولیٰ ہیں۔" پس **واما بنعمۃ ربک فحدث** کے تحت بھی ہمارا فرض ہے کہ اس نعمت عظمیٰ جو اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر احسان کرتے ہوئے عطا فرمائی کا چرچا اور ذکر خیر کریں۔

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے لوگوں میں اعلان فرمایا **و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** "گویا انہوں نے آپ ﷺ کے میلاد کا ذکر ایک کئی سو سال پہلے اپنے لوگوں میں کیا۔" ہم آج حضور ﷺ کا ذکر کریں تو گویا یہ سنت عیسیٰ علیہ السلام پر عمل کے مترادف بھی ہے۔ ازاں پیشتر دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی ذکر میلاد النبی ﷺ کرتے ہوئے اپنے لوگوں کو حضور علیہ السلام کی عظمت سے آشنا کیا تھا۔ آج ہم اہل اسلام ذکر میلاد النبی کر کے گویا ان انبیاء کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ پھر اپنے دور اقدس میں سرکار دوعالم ﷺ نے بھی منبر پر چڑھ کر اپنی شان اور آمد کا مقصد و مدعا بیان فرمایا چنانچہ مشکواۃ شریف میں باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ میں ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ شاید حضور ﷺ کو خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب میں طعن کرتے ہیں۔ پس آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا **من انا** "میں کون ہوں؟" صحابہ نے عرض کی آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا، میں محمد ﷺ ابن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے بہتر مخلوق میں رکھا۔ پھر عرب و عجم میں دنیا کو بانٹا تو مجھے بہترین عرب سے کیا پھر عربوں کے قبائل میں بہترین قبیلہ "قریش" میں مجھے رکھا پھر مجھے قریش کے بہترین قبیلہ بنوہاشم سے کیا۔۔۔ وغیرہ۔ ایک اور موقع پر فرمایا۔ "میں آخری نبی ﷺ ہوں۔ میں ابراہیم کی دعا عیسیٰ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں کہ میری ولادت کے وقت ایک نور نکلا جس سے ان کو شام کے محلات نظر آ گئے۔" گویا آپ ﷺ کی شان و عظمت اور میلاد و انوار کا بیان کرنا خود حضور علیہ السلام کی سنت بھی ہے چنانچہ سینکڑوں احادیث گواہ ہیں کہ حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر صحابہ کرام کے روبرو اپنا نسب نامہ، صفات عالیہ اور اپنی ولادت پاک کا ذکر فرمایا۔

سنت صحابہؓ: مشکواۃ میں حضرت عطا ابن یسار سے مروی ہے کہ میں عبداللہ بن عمرو ابن عاص کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی وہ نعت سناؤ جو تورات میں ہے چنانچہ انہوں نے پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح کعب احبار نے حضور علیہ السلام کی نعت تورات سے پڑھ کر اس طرح بیان فرمائی۔ "محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ میرے پسندیدہ بندے، نہ کج خلق نہ سخت طبیعت، ان کی ولادت گاہ مکہ مکرمہ اور ہجرت گاہ طیبہ ہو گی۔ ان کا ملک شام میں ہو گا۔ ان کی امت اللہ کی بے حد حمد کرنے والی ہو گی، رنج و مسرت کی حالت میں بھی۔"

ابن عساکر نے حسن کے طریق سے سلمان سے تخریج کی کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے کعب سے کہا کہ حضور علیہ السلام کے فضائل جو سابقہ کتب میں ہیں، بیان کرو۔ کعب نے کہا میں نے پڑھا ہے کہ

Marfat.com

ابراہیم خلیل اللہ کو ایک ایسا پتھر ملا تھا جس پر چار سطریں تحریر تھیں۔ (۱) میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔ (۲) میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں محمد ﷺ میرا رسول ہے۔ خوشا وہ جو اس پر ایمان لا کر اس کا اتباع کرے۔ (۳) میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں جو میرا حکم مانے نجات پائے گا۔ (۴) میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ حرم میری ملک ہے، کعبہ میرا گھر ہے جو اس میں آئے گا میرے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

گویا آپ ﷺ کا ذکر خیر سننا سنانا صحابہؓ کی بھی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں لغویات سے بچائے اور خلوص سے نوازے۔ آمین!

محافل میلاد کا انعقاد اور بدعت: بعض علمائے اسلام محافل میلاد کے انعقاد کو "بدعت" کہتے ہیں حتیٰ کہ "بدعت سیئہ" میں اس کو شمار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر نئی بات جس کا تعلق دین سے ہو وہ بدعت ہے اور حدیث شریف کی رو سے ہر بدعت گمراہی ہے حالانکہ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے:

من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها

"جس نے کوئی نیک طریقہ جاری کیا اسے اس طریقے کے اجراء کا ثواب بھی ملے گا اور اس پر عمل کرنے والے کے اجر سے حصہ بھی۔" (مسلم شریف و ریاض الصالحین)

اس حدیث کو امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے اپنی کتاب مبدا و معاد (اردو ترجمہ صفحہ ۵۲) میں بھی نقل کیا ہے۔ اس بارے میں "بعض علمائے اسلام" کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازھری لکھتے ہیں:

"بعض متشددین، محفل میلاد کے انعقاد کو بدعت کہتے ہیں اور بدعت بھی وہ جو مذمومہ ہے اور ضلالت ہے بیشک حدیث پاک میں بدعت سے اجتناب اور پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ بدعت کا مفہوم کیا ہے۔ اگر بدعت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عمل جو عہد رسالت میں اور عہد خلافت راشدہ میں نہ تھا اور اس کے بعد ظہور پذیر ہوا وہ بدعت ہے اور بدعت مذمومہ ہے اور اس پر عمل کرنے والا گمراہ ہے اور دوزخ کا ایندھن ہے تو پھر اس کی زد صرف محفل میلاد پر ہی نہ پڑے گی بلکہ امت کا کوئی فرد بھی اس کی زد سے بچ نہیں سکے گا۔ یہ علوم جن کی تدریس کے لئے بڑے بڑے مدارس اور جامعات اور یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں اور جن پر کروڑہا روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے ان علوم میں سے بیشتر وہ علوم ہیں جن کا خیر القرون میں یا تو نام و نشان ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اس کی موجودہ صورت کا کہیں وجود نہ تھا۔ صرف، نحو، معانی، بلاغت، اصول الفقہ، اصول حدیث یہ تمام علوم بعد کی پیداوار ہیں کیا جن علماء فضلاء نے ان علوم کو مدون کیا اور اپنی گراں قدر زندگیاں، اپنی قیمتی صلاحیتیں اور اوقات ان کو معراج کمال تک پہنچانے کے لئے اور ان کی نوک پلک سنوارنے کے لئے صرف کئے کیا وہ سب بدعتی تھے اور اس بدعت کے ارتکاب کے باعث وہ سب ان حضرات کے فتویٰ کے مطابق جہنم کا ایندھن بنے پھر گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلام کے

Marfat.com

دامن میں کون رہ جاتا ہے جسے جنت کا مستحق قرار دیا جائے۔ اسی طرح علوم قرآن و سنت اور فقہ کی تدوین تو خیر القرون میں نہیں کی گئی تھی یہ بھی بعد میں آنے والے علماء و فضلاء کی شبانہ روز جگر کاویوں اور کاوشوں کا ثمر ہیں۔ پھر یہ علوم جن کا وجود ہی مجسمہ بدعت ہے، کی تدریس کے لئے جو جامعات اور یونیورسٹیاں آج تک تعمیر کی گئیں یا اب بھی تعمیر کی جارہی ہیں اور ان پر کروڑہا روپیہ خرچ کیا جارہا ہے کیا یہ سب تعلیمات دین کی خلاف ورزی ہے اور غضب الٰہی کو دعوت دینے کا باعث ہے؟ یہ عظیم الشان مسجدیں اور ان کے فلک بوس مینار اور ان کے مزین محراب، عہد رسالت میں کہاں تھے؟ کیا ان سب کو آپ گرا دینے کا حکم دیں گے؟ کیا آپ قامع بدعت کہلانے کے جنون میں اپنی فوج سے توپیں، ٹینک، بمبار طیارے سب چھین لیں گے اور اس کے بجائے انہیں تیر کمان دے کر میدان جنگ میں جھونک دیں گے؟ جو بدعت کی آپ نے تعریف کی ہے وہ تو ان تمام چیزوں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ کیا اسلام جو دین فطرت ہے اس کی ہمہ گیر تعلیمات اور اس کی جہاں پرور روح کو آپ اپنے ذہن کے تنگ زنداں میں بند کرنے کی ناکام کوشش میں اپنا وقت ضائع کرتے رہیں گے؟ ہم ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ علماء اسلام نے بدعت کی جو وضاحت اور تشریح کی ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے تو اس قسم کے توہمات سے انسان کو واسطہ ہی نہیں پڑتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجب، مستحب، مکروہ، مباح اور حرام۔

واجب

۱۔ اس نئی چیز میں کوئی مصلحت ہو تو وہ واجب ہے جیسے علوم صرف و نحو وغیرہ کی تعلیم و تدریس اور اہل زیغ و باطل کا رد۔ اگرچہ یہ علوم عہد رسالت میں موجود نہ تھے لیکن قرآن و سنت اور دین کو سمجھنے کے لئے اب ان کی تعلیم اور تدریس واجبات دینیہ میں سے ہے۔ اسی طرح جو باطل فرقے اس زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئے تھے بلکہ بعد میں موجود ہوئے ان کی تردید آج کل کے علماء پر فرض ہے۔

مستحب

۲۔ وہ چیزیں جن میں لوگوں کی بھلائی، بہتری اور فائدہ ہے وہ مستحب ہیں جیسے سراؤں کی تعمیر تاکہ مسافر وہاں آرام سے رات بسر کر سکیں یا میناروں پر چڑھ کر اذان دینا تاکہ موذن کی آواز دور دور تک پہنچ سکے یا عام مدارس کا قیام تاکہ علم کی روشنی ہر سو پھیلے۔ یہ مستحبات اور مندوبات میں سے ہے۔

۳۔ مباح: جیسے کھانے پینے میں وسعت اور فراخی، اچھا لباس پہننا، آٹا چھان کر استعمال کرنا یہ مباحات شرعیہ ہیں۔ اگرچہ عہد رسالت میں ان چھنے آٹے کی روٹی استعمال ہوتی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ خود بھی ان چھنے آٹے کی روٹی تناول فرمایا کرتے لیکن اگر کوئی شخص آٹا چھان کر روٹی پکاتا ہے تو یہ اس کے لئے مباح ہے، بدعت اور گمراہی نہیں تاکہ اس کو دوزخی ہونے کی یہ حضرات بشارت سنائیں۔

مکروہ

۴۔ وہ کام جن میں اسراف ہو، وہ مکروہ ہیں۔ اسی طرح مساجد اور مصاحف کی غیر ضروری زیب و

Marfat.com

زینت۔

۵۔ حرام: ایسا فعل جو کسی سنت کے خلاف ہو اور اس میں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو۔

امام ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی نے شرح مسلم اور تہذیب الاسماء واللغات میں لفظ بدعت پر سیر حاصل بحث کی ہے جس کے مطالعہ کے بعد اس کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے شبہات جو اذہان و قلوب کو پریشان کرتے ہیں، خود بخود کافور ہو جاتے ہیں۔ تہذیب الاسماء واللغات کی چند سطور ناظرین کے مطالعہ کے لئے یہاں نقل کر رہا ہوں تاکہ وہ اسے غور سے پڑھیں اور اپنی تسلی کر لیں:

البدعة بكسر الباء في الشرع هي احداث مالم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وهي منقسمة الى حسنة وقبيحة قال الشيخ الامام المجمع على امامته و جلالته وتمكنه في انواع العلوم وبراعته ابو محمد عبدالعزيز بن عبدالسلام رحمه الله تعالى و رضي عنه في آخر كتاب القواعد:

البدعة منقسمة الى واجبة ومحرمة ومندوبة و مكروهة و مباحة (القسم الثاني من تهذيب الاسماء صفحه ۲۲)

"شریعت میں بدعت اس کو کہتے ہیں کہ ایسی نئی چیز پیدا کرنا جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہیں تھی اور اس کی دو قسمیں ہیں بدعت حسنہ، بدعت قبیحہ۔ علامہ ابو محمد عبدالعزیز بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ و رضی اللہ عنہ جن کی امامت پر اور جلالت شان پر ساری امت متفق ہے اور تمام علوم میں ان کی مہارت اور براعت کو سب تسلیم کرتے ہیں، انہوں نے اپنی تصنیف کتاب القواعد کے آخر میں بیان کیا ہے کہ بدعت کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔ واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔"

امام ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی صحیح مسلم کی اپنی شرح میں کل بدعة ضلالة کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

هذا عام مخصوص والمراد غالب البدع قال اهل اللغة هي كل شي عمل على غير مثال سابق قال العلماء البدعة على خمسة اقسام واجبة و مندوبة و محرمة و مكروهة و مباحة فمن الواجبة نظم ادلة المتكلمين للرد على الملاحدة و المبتدعين و شبه ذلك ومن المندوبة تصنيف

Marfat.com

کتب العلم و بناء المدارس والربط وغیر ذلک من المباح التبسط فی الوان الاطعمة وغیر ذلک والحرام والمکروہ ظاهران

"کل بدعة ضلالہ اگرچہ عام ہے لیکن یہ مخصوص ہے یعنی ہر بدعت ضلالت نہیں بلکہ غالب بدعة ضلالت ہوتی ہے۔ لغت میں اس چیز کو بدعت کہتے ہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو اور علماء کرام کہتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱)واجب (۲) مستحب (۳)حرام (۴)مکروہ (۵)مباح

واجب کی مثال یہ دی ہے جیسے متکلمین کا ملحدوں اور اہل بدعت پر رد کرنے کے لئے اپنے دلائل کو منظم کرنا مستحب کی مثال یہ ہے مختلف علوم و فنون پر کتابیں تصنیف کرنا مدرسے تعمیر کرنا اور سرائیں وغیرہ بنانا۔ مباح کی مثال یہ ہے جیسے طرح طرح کے لذیذ کھانے پکانا وغیرہ اور حرام اور مکروہ ظاہر ہیں۔" (شرح مسلم امام انوری صفحہ ۲۸۵)

امام موصوف نے تہذیب الاسماء واللغات میں بدعہ محرمہ کی مثال یہ دی ہے قدریہ، جبریہ، مرجیہ اور مجسمہ کے مذاہب باطلہ بدعہ مکروہ کی مثال مساجد کی بلاضرورت و مقصد تزئین وغیرہ۔ (تہذیب الاسماء صفحہ ۲۲)

لیکن محفل میلاد کے انعقاد میں نہ کسی سنت ثابتہ کی خلاف ورزی ہے اور نہ کسی فعل حرام کا ارتکاب ہے بلکہ یہ نعمت خداوندی پر اس کا شکر ہے اور شکر کا ادا کرنا کثیر آیات سے ثابت ہے۔ اسی طرح آیت "فلیفرحوا" سے اس فضل و نعمت خداوندی پر اظہار مسرت کرنا حکم الٰہی ہے۔

علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے معترضین کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ محفل میلاد کا انعقاد بے اصل نہیں ہے بلکہ اس کے لئے سنت نبوی میں اصل موجود ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ حدیث تحریر فرمائی جو صحیحین میں موجود ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قدم المدینة فوجد الیهود یصومون یوم عاشوراء فسالهم فقالوا هو یوم اغرق فیه فرعون و نجا موسی و نحن نصومه شکرا فقال نحن اولی بموسی منکم

"کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں کو پایا کہ وہ عاشوراء کے دن روزہ رکھا کرتے حضور نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا یہ وہ دن ہے جس دن فرعون غرق ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھتے ہیں۔ رحمت عالم نے فرمایا، تم سے زیادہ ہم اس بات کے حق دار

Marfat.com

ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔"

(چنانچہ حضور نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنی امت کو بھی ایک دن کے بجائے دو دن روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔)

صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کی خبر جب ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے اسے دی تو اپنے بھتیجے کی ولادت کی خوشخبری سن کر اس نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا اگرچہ اس کی موت کفر پر ہوئی اور اس کی مذمت میں پوری سورت نازل ہوئی لیکن میلاد مصطفیٰ پر اظہار مسرت کی برکت سے ہر سوموار کو اسے پانی کا گھونٹ پلایا جاتا ہے اور اس کے عذاب میں بھی اس روز تخفیف کی جاتی ہے۔

اس لیے ہم بصد ادب اور از راہ جذبہ خیراندیشی ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ اس تشدد کو ترک کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی ولادت باسعادت سب امتیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان احسان ہے۔ آیئے اس روز مل کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا کریں۔ سب مل کر اس کی تسبیح و تہلیل کے نغمے الاپا کریں، اظہار مسرت کے ہر جائز طریقہ کو شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے بروئے کار لائیں۔ ایسی محفلوں کا انعقاد کریں جن میں امت مصطفویہ کے افراد جمع ہوں اور ان کے علماء اور حکماء سیرت محمدیہ سے انہیں آگاہ کریں اس کے محبوب کریم ﷺ کی بارگاہ جمال و کمال میں عقیدت و محبت سے صلوۃ و سلام کے رنگین پھول پیش کیا کریں اور یہ اہتمام بہرحال ملحوظ خاطر رہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جس میں کسی فرمان الٰہی کی نافرمانی ہو یا سنت نبویہ کی خلاف ورزی ہو۔

اس سلسلہ میں ہم سب متفق ہیں اور ہمارا غیر مشروط تعاون ان مصلحین امت کو میسر رہے گا جو اس نیک مقصد کے لیے کوشاں ہیں۔

ولادت مصطفیٰ ﷺ ابدی مسرتوں اور سچی خوشیوں کی پیغامبر بن کر آئی تھی جس سے کائنات کی ہر چیز شاداں و فرحاں تھی۔ فرشتے شکر ایزدی بجا لا رہے تھے، عرش اور فرش میں بہار کا سماں تھا لیکن ایک ذات تھی جو فریاد کناں تھی جو مصروف آہ و فغاں تھی جو چیخ چلا رہی تھی اور اپنی بدبختی اور حرماں نصیبی پر اشک فشاں تھی اور وہ ملعون ابلیس کی ذات تھی۔

علامہ ابوالقاسم سہیلی لکھتے ہیں:

ان ابلیس لعنه الله رن اربع رنات رنة حين لعن رنة حين اهبط و رنة حين ولد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم و رنة حين انزلت فاتحة الكتب قال والرنين والنخار من عمل الشيطان

"ابلیس ملعون زندگی میں چار مرتبہ چیخ مار کر رویا، پہلی مرتبہ جب اس کو ملعون قرار دیا گیا۔

Marfat.com

دوسری مرتبہ جب اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیلا گیا۔ تیسری مرتبہ جب سرکار دوعالم کی ولادت باسعادت ہوئی، چوتھی مرتبہ جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔" (روض الانف جلد ا صفحہ ۱۸)

علامہ ابن کثیر نے بھی علامہ سہیلی کی اس عبارت کو السیرۃ النبویہ صفحہ ۲۱۲ جلد ا میں جوں کا توں نقل کیا ہے اور ابن سید الناس نے "عیون الاثر" صفحہ ۲۷ جلد ا میں بھی اس روایت کو بعینہٖ درج کیا ہے۔

علامہ احمد بن زینی دحلان، السیرۃ النبویہ میں رقمطراز ہیں:

وعن عكرمة ان ابليس لما ولد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ورای تساقط النجوم قال لجنوده قد ولد الليلة ولد يفسد امرنا فقال له جنوده لو ذهبت فخبلته فلما دنا من رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث الله جبريل فركضه برجله ركضة وقع بعدن

"عکرمہ سے مروی ہے کہ جس روز رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی تو ابلیس نے دیکھا کہ آسمان سے تارے گر رہے ہیں۔ اس نے اپنے لشکریوں کو کہا رات وہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے (شیطانی) نظام کو درہم برہم کر دے گا۔ اس کے لشکریوں نے کہا کہ تم اس کے نزدیک جاؤ اور اسے چھو کر جنون میں مبتلا کر دو۔ جب وہ اس نیت سے حضور علیہ السلام کے قریب جانے لگا تو جبرئیل نے اسے پاؤں سے ٹھوکر لگائی اور اسے دور عدن میں پھینک دیا۔" (السیرۃ النبویہ زینی دحلان جلد ا صفحہ ۴۷۔۴۸)

(بحوالہ ماہنامہ "نور اسلام" شرق پور شریف بابت ماہ اگست ۱۹۹۵ء بمطابق ربیع الاول شریف ۱۴۱۶ھ صفحہ ۲۷ تا ۳۴)

شہد سے میٹھا محمد ﷺ نام: جب آپ ﷺ کی ولادت کی خبر حضرت عبدالمطلب کو ملی تو وہ اس وقت بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ آپ فوراً گھر آئے حضرت آمنہ سے بچے کو لیا، آپ ﷺ کو خوب جی بھر کر دیکھا اور بہت ہی خوش ہوئے۔ پھر آپ ﷺ کو خانہ کعبہ میں لے گئے اور آپ ﷺ کے لئے حق تعالیٰ سے ہر طرح کے فتنہ و شر سے حفاظت کی دعا کی اور آپ کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر آپ کو واپس لائے اور آپ کی والدہ کے حوالے کر دیا۔

ساتویں دن حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا عقیقہ کیا اور قریش کی دعوت کی۔ دعوت کے بعد قریش نے بچے کا نام پوچھا تو کہا اس کا نام محمد ﷺ رکھا ہے۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ ایسا نام پہلے تو ہم میں سے کسی کا نہیں تو عبدالمطلب نے فرمایا، یہ نام اس لئے رکھا ہے کہ میرا یہ بیٹا قیامت تک تعریف کیا جائے۔

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ کو اشارہ ہوا تھا کہ تم امت کے سردار کی ماں ہو۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد ﷺ رکھنا۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ "احمد ﷺ" نام رکھنے کا اشارہ ہوا تھا۔

(رحمتہ للعالمین جلد اول صفحہ ۴۴ بحوالہ ابو الفدا صفحہ ۱۱۰)

سابقہ آسمانی کتب میں حضور علیہ السلام کا نام "محمد ﷺ" واضح طور پر لکھا تھا اور اہل عرب کو اہل کتاب کے ذریعہ کبھی کبھی یہ معلوم ہوتا رہتا تھا کہ آنے والے آخری نبی ﷺ کا نام محمد ﷺ ہوگا جو بنی اسمٰعیل سے ہوگا چنانچہ عرب کے بعض لوگوں نے اپنے بیٹوں کے نام اس امید پر "محمد" رکھے تھے کہ شاید کوئی ان میں سے نبی ہو جائے۔ قاضی عیاض نے محمد نامی اشخاص کی تعداد چھ بتائی جو حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے جنم لے چکے تھے۔ ابن خالویہ اور سہیلی نے تین اور عبدان المزوری نے یہ تعداد چار بتائی ہے لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حضور ﷺ سے پہلے محمد نامی اشخاص کی تعداد پندرہ لکھی ہے اور اصابہ میں محمد نامی ایسے اشخاص کی نشاندہی کی ہے جنہوں نے حضور کی بعثت کا زمانہ پایا اور اسلام بھی قبول کیا۔ محمد بن عدی بن ربیعہ کے حالات میں وہ لکھتے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے والد نے تمہارا نام محمد کیسے رکھ دیا تھا؟ وہ بولے کہ ملک شام میں ایک عیسائی خانقاہ پر ہمارا گزر ہوا تو وہاں کے راہب نے کہا۔ تمہاری قوم میں آخری نبی ﷺ آنے والا ہے جس کا نام محمد ﷺ ہوگا چنانچہ اس کے بعد ہمارے جو لڑکا بھی پیدا ہوا اس کا نام محمد ﷺ رکھا گیا۔

(سیرت سرور عالم جلد دوم حاشیہ صفحہ ۹۴-۹۵ (مفہوم) از مولانا مودودیؒ)

سابقہ کتب میں سے تورات میں آپ کا نام مبذ مبذ، انجیل میں طاب طاب زبور میں عاقب بعض صحیفوں میں "روحاہ بعض میں "اولایا" بعض میں "ایا" بعض میں فار قلیط بعض میں ضحوک بعض میں مشفح، بعض میں امیدا، بعض میں ماذماذ بعض میں مختار بعض میں روح الحق، مقیم السنہ، مقدس، حرز الامین، قثیم، نبی الملاحتہ اور قتال وغیرہ آیا ہے۔

(معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۹ (اردو) و شمامہ العنبریہ از نواب صدیق حسن بھوپالیؒ)

حضور ﷺ کے اسماء آسمانوں اور زمینوں میں:

آسمان اول پر آپ ﷺ کا اسم گرامی مجتبیٰ ﷺ، دوسرے آسمان پر مرتضیٰ تیسرے پر مزکی چوتھے پر مجیب پانچویں پر محب ﷺ، چھٹے پر مظہر ﷺ اور ساتویں پر مقرب ﷺ ہے۔

سات زمینوں میں طبقہ اول میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام معظم ﷺ، دوسرے میں میکل ﷺ، تیسرے میں محب ﷺ، چوتھے میں مشرف ﷺ، پانچویں میں مظہر ﷺ، چھٹے میں امین اللہ ﷺ اور ساتویں میں نور اللہ ﷺ ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اور مخلوقات کے نزدیک آپ کے اسماء:

حاملین عرش آنحضور ﷺ کو "مصطفیٰ ﷺ" کہتے ہیں۔ کروبیان "مختار ﷺ" اور روحانیاں "مکرم ﷺ"--- ساق عرش پر آپ کا نام حبیب اللہ ﷺ، کرسی کی پیشانی پر رسول اللہ ﷺ، لوح محفوظ پر صفی اللہ ﷺ، شجر طوبیٰ کے پتوں پر صفوۃ اللہ ﷺ، لواء الحمد پر خیرۃ اللہ ﷺ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ طٰہٰ ﷺ، یٰسین ﷺ اور عبداللہ ہیں۔ ملائکہ کے درمیان آپ کا نام عبدالمجید ﷺ ہے۔ انبیاءؑ کے نزدیک آپ عبدالوہاب ﷺ ہیں، شیاطین کے لئے آپ کا نام عبدالقہار ﷺ ہے، جنات کے لئے عبدالرحیم ﷺ، اہل جبال کے نزدیک عبدالخالق ﷺ، جنگلات میں رہنے والوں کے نزدیک عبدالقادر ﷺ، آبی و سمندری مخلوقات کے نزدیک آپ ﷺ عبدالقدوس ﷺ، حشرات الارض کے لئے آپ کا نام نامی عبدالغیاث ﷺ، وحوش کے نزدیک عبدالرزاق ﷺ، پرندوں کے نزدیک عبدالغفار ﷺ، سباع کے لئے عبدالسلام ﷺ اور بہائم کے لئے عبدالمومن ﷺ ہے اور مومنین کے نزدیک آپ کا اسم گرامی محمد ﷺ ہے۔

(امام قسطلانی نے یہ سارا ذکر "مواہب لدنیہ" میں کیا ہے۔ ابن وحیہ کے مطابق حضور کے تقریباً تین سو اسمائے گرامی ہیں جبکہ بعض صوفیاء کے نزدیک آپ کے اسماء کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرا نام محمد ﷺ، احمد ﷺ اور ماحی ﷺ ہے یعنی میرے سبب سے اللہ کفر کو محو کرے گا اور حاشر ہے کہ حشر میں سب سے پہلے محشور ہوں گا اور میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

قرآن مجید میں آپ کے اٹھائیس نام آئے ہیں۔

(شمامۃ الغبریہ من مولد خیر البریہ سید نواب صدیق حسن خاں بھوپالی)

جن میں سے چند یہ ہیں:

محمد ﷺ، احمد ﷺ، طٰہٰ ﷺ، یاسین ﷺ، مزمل، مدثر، عبدہ ﷺ، عبداللہ ﷺ، عبدہ ﷺ، منذر ﷺ، بشیر ﷺ، منیر، نذیر، رؤف، رحیم، رحمۃ للعالمین ﷺ، خاتم النبیین ﷺ

حضور کے اسم گرامی کی برکات:

کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے بنی آدم کو مخلوقات میں مکرم بنایا **ولقد کرمنا بنی آدم** (قرآن) اور اس کی کرامت یہ ہے کہ وہ (انسان) نام محمد کی شکل پر پیدا ہوا ہے یعنی انسانی بچے کا سر م، ہاتھ ح، جوف دار شکم میم ثانی اور اس کے پاؤں دال کی طرح ہیں "محمد" یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کافر کو بھی دوزخ میں ڈالیں گے اس کی انسانی شکل مسخ کر دی جائے گی اور شیطانی ہیئت میں تبدیل کر کے اسے عذاب کیا جائے گا کیونکہ انسانی شکل میرے نام (محمد ﷺ) کی شکل پر ہے اور اللہ اس

Marfat.com

شکل میں کسی انسان کو عذاب نہیں فرمائے گا۔ حدیث میں ہے، انس بن مالکؓ نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے روز دو بندوں کو اللہ کے حضور لایا جائے گا اور جنت میں لے جانے کا حکم ہو گا۔ وہ کہیں گے کہ ہمارے اعمال تو اس قابل نہ تھے پھر یہ کرم نوازی کیسی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جنت میں داخل ہو جاؤ، مجھے یہ گوارا نہیں کہ محمد ﷺ اور احمد ﷺ نام کے اشخاص کو دوزخ میں ڈالوں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس گھر میں محمد ﷺ، احمد ﷺ اور عبداللہ کے نام کے اشخاص ہوں، اس گھر میں فقر نہیں آتا۔

ابن مسعودؓ رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہر وہ بندۂ مومن جو اپنے بیٹے کا نام میرے ساتھ محبت اور عقیدت کی بناء پر میرے نام پر (محمد ﷺ، احمد ﷺ وغیرہ) رکھتا ہے تو وہ اور اس کا فرزند میرے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب بندۂ مومن اپنے بیٹے کا نام محمد ﷺ رکھتا ہے اور پھر اسے "یا محمد ﷺ" کہہ کر پکارتا ہے تو حاملین عرش "لبیک یا ولی اللہ" کہہ کر جواب دیتے ہیں اور اسے بشارت دیتے ہیں، اے ولی اللہ خوش ہو کہ تو ہماری طاعات و عبادات میں ہمارے ساتھ شریک ہے اور تجھے اس کا یہ اجر ملے گا کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ تمہیں حاملین عرش کا ثواب عنایت فرمائے گا۔ عبدالرحمٰن بن عمرو بن جبابہ، رشدہ بنت سعید سے، وہ ام کلثوم بنت عتبہ سے اور وہ اپنی ماں جلیلہ بنت عبدالجلیل سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے ہاں جو لڑکا بھی پیدا ہوتا ہے، بچپن میں ہی فوت ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس دفعہ جب تو حاملہ ہو تو یہ نیت کرنا کہ میں اپنے بیٹے کا نام محمد رکھوں گی۔ مجھے امید ہے کہ وہ لڑکا عمر اور نسل میں برکت پائے گا۔ وہ کہتی ہیں، میں نے ایسا ہی کیا۔ میرا وہ بچہ زندہ رہا اور بحرین کے ایک علاقے میں اس کی اولاد سے زیادہ کسی قبیلہ کے افراد نہیں۔

(معارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۸۲-۸۳)

Marfat.com

الذین اٰتینھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم

(بقرہ ۱۴۶، انعام ۲۰)

قرآن کریم نے صریح طور پر دعویٰ کیا ہے کہ اہل کتاب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی کتابوں میں بیان کردہ واضح علامات کی وجہ سے اس طرح واضح طور پر پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ دنیا میں کون سی ایسی ماں ہے جو اپنے نومولود لخت جگر کو نہ پہچانتی ہو یا ایسا کون سا باپ ہے جو اپنے بیٹے کو پہچاننے سے انکار کردے۔ اہل کتاب میں یہود و نصاریٰ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو پہچاننے میں معنوی طور پر بمنزلہ والدین ہیں جو اپنے بیٹوں (حقیقی) کو پہچاننے میں کبھی کسی شک وشبے میں مبتلا نہیں ہوسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم بار بار یہود و نصاریٰ کو حضور علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ یاد دلا دلا کر ان کو راہ راست اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور ان کو اسلام کا قائل کرنے کا قرآنی مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور فرمودات کی روشنی میں حضور ﷺ کی بعثت حقہ کے اولین اور مستند ترین گواہ ثابت ہوسکتے ہیں۔ یہ بات مزید وضاحت کے ساتھ سورہ فتح میں یوں بیان فرمائی گئی ہے:

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضل من اللہ و رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذالک مثلھم فی التورات و مثلھم فی الانجیل (فتح۔ ۲۹)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی، کافروں کے حق میں بڑے سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے رکوع میں، سجدہ میں وہ خدا کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں اور سجدے کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔"

گویا تورات اور انجیل میں رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کبارؓ کے بارے میں واضح علامات بیان فرمادی گئی تھیں۔ احادیث کے مرتبین فرماتے ہیں کہ فضائل مصطفیٰ کے سلسلے میں ہم احادیث کی زیادہ پرکھ پڑتال نہیں کیا کرتے تھے۔ البتہ اعمال واحکام شرعیہ کے بارے میں احادیث ثقہ حضرات سے بھی سنتے تو دیگر ذرائع سے اگر ممکن ہوتا تو ان کی تصدیق کی کوشش کرتے۔

حضور علیہ السلام کے فضائل حسنہ کے بارے میں محدثین والاکرام نے جو احادیث بیان فرمائی ہیں، ان میں بھی مندرجہ بالا اصول کے پیش نظر ایسی احادیث کی "تصحیح" پر زیادہ زور نہیں دیا جن کے

Marfat.com

"طرق" ایک سے زیادہ ثابت ہو گئے چنانچہ ابن سعد و ابن عساکر سے لے کر ابو نعیم، بیہقی وغیرہ تک فضائل مصطفیٰ کے بارے میں صحیح، حسن، غریب، ضعیف، مرسل اور مرفوع وغیرہ ہر طرح کا سرمایہ حدیث کافی جرح تعدیل کے بعد محدثین والا کرام نے ہم تک پہنچایا ہے اور وہ محدثین آج کل کے محدثین سے یقیناً بلند پایہ تھے مگر برا ہو مغرب سے مرعوبیت کا کہ ہمارے بعض محقق اور دانشور اس میدان میں جب نکلتے ہیں تو نہایت معذرت خواہانہ انداز اختیار کرتے ہیں۔ بہر حال سیرت اور احادیث کی کتابوں سے **کما یعرفون ابناء ھم** سے متعلق واقعات یہاں باحوالہ پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ جب حضور علیہ السلام پیدا ہوئے تو ایک یہودی نے آپ ﷺ کو دیکھنا چاہا۔ آپ ﷺ کی پیٹھ کھولی تو وہاں تل جیسی ابھری نشانی موجود تھی، دیکھتے ہی بیہوش ہو گیا۔ حواس درست ہوئے تو پوچھنے پر کہا کہ اب بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہوئی۔ اے جماعت قریش خوشی مناؤ کہ یہ بچہ نبوت پا کر مشرق تا مغرب ہر طرف چھا جائے گا۔

(ابن سعد، حاکم، بیہقی، ابو نعیم بروایت عائشہ صدیقہؓ)

۲۔ مرالظہران میں عیصی نامی شامی راہب کبھی کبھی مکہ معظمہ آتا اور لوگوں کو بتلاتا کہ آج کل تم میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جس کے آگے عرب سپر انداز ہوں گے اور وہ عجم کا مالک ہو جائے گا۔ خدا کی قسم میں ناز و نعم کی سرزمین چھوڑ کر اس بھوک اور افلاس زدہ جگہ پر اسی کی تلاش میں آیا ہوں۔ وہ ہر نومولود بچے کو دیکھتا مگر لوٹا دیتا۔ ایک دن عبدالمطلب نے اسے محمد ﷺ بن عبداللہ کی ولادت کا بتایا تو بولا:

"شاید تم ہی اس بچے کے باپ ہو، آج وہ بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ اسے پیر کو پیدا ہونا تھا۔ پیر کو ہی مبعوث ہو گا اور پیر کو ہی وفات پائے گا۔ اس کا ستارہ کل شام طلوع ہو چکا۔ اسے اب درد ہے تین دن بعد درد ٹھیک ہو گا۔ بس تم اپنی زبان بند رکھو کیونکہ اس کے ساتھ سب سے زیادہ حسد اور دشمنی کی جائے گی۔ عمر اس کی ستر سال سے کم کسی طاق سن تک ہو گی یہی اس کی امت کی عمریں ہوں گی۔"

(ابو نعیم، ابن عساکر بروایت مسیب بن شریک (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۰۰)

آپ ﷺ کی ولادت طلوع فجر کے وقت بروز پیر ہوئی۔

(زبیر بن بکار و ابن عساکر بروایت معروف بن خربوذ (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۰۱)

۳۔ شق صدر کے واقعہ کے بعد مائی حلیمہؓ آپ کو ایک کاہن کے پاس لے گئیں۔ اس نے سارا واقعہ حضور علیہ السلام سے سنا اور واویلا کرتا ہوا بولا۔ "اے اہل عرب ایک برائی قریب آ گئی ہے۔ مجھے اور اس لڑکے کو ایک ساتھ قتل کر دو۔ ورنہ یہ بڑا ہو کر بڑے بڑے لوگوں کی عقلوں کو خبط کر دے گا اور تمہارے دین کے برخلاف نئے رب اور نئے دین کی طرف بلائے گا۔"

مائی حلیمہؓ نے آپ ﷺ کو فوراً اٹھایا اور جلدی جلدی گھر پہنچ کر دم لیا۔

(بیہقی و ابن عساکر بروایت محمد بن زکریا غلابی (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۰۹)

Marfat.com

۴۔ حضور علیہ السلام کو آپ کی انا (حلیمہ سعدیہ) ایک دفعہ عکاظ کے بازار لے گئیں۔ وہاں ایک کاہن نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہا۔ "اس لڑکے کو قتل کر دو کیونکہ یہ بادشاہ بننے والا ہے۔ آپ ﷺ کی انا نے آپ ﷺ کو کاہن سے چھین لیا اور فوراً گھر کی راہ لی۔

(بیہقی بروایت زہری خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۱۰)

۵۔ جب حضرت حلیمہؓ حضور کو آپ کی والدہ سے اجازت لے کر دوبارہ مکہ معظمہ سے اپنے گھر کو چلیں تو رلہ میں وادی سعد کے قریب حبشہ کے کچھ لوگ ساتھ آن ملے۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کو غور سے دیکھا خصوصاً آنکھوں کی سرخی اور مہر نبوت کو اور جب سرخی کے بارے میں "مستقلاً" رہنے کا سنا تو بولے۔ "خدا کی قسم یہ بچہ ضرور نبی ہوگا۔" پھر ایک روز ذوالمجاز سے گزریں تو ایک قیافہ شناس نے آپ ﷺ کی مہر نبوت اور آنکھوں کی سرخی دیکھ کر پہچانتے ہوئے کہا کہ اس بچے کو قتل کر دو کیونکہ بصورت دیگر ایک دن یہ تمہارے اہل دین کو قتل کر دے گا اور بت توڑ ڈالے گا اور تمہارے اوپر غلبہ پالے گا۔ مائی حلیمہ آپ ﷺ کو لے کر کھسک گئیں۔ پھر اس کے بعد انہوں نے کسی کاہن وغیرہ کو حضور علیہ السلام کی زیارت نہ کرنے دی۔

ایک دفعہ ایک کاہن یا قیافہ شناس آیا۔ سب عورتوں نے اپنے بچے اسے دکھائے مگر حلیمہؓ نے آپ ﷺ کو گھر پر ہی رکھا۔ پھر اچانک آپ ﷺ کھیلتے کودتے باہر نکلے۔ اس نے دیکھا تو پاس بلایا مگر آپ ﷺ نہ گئے اور خیمے میں واپس آگئے۔ پھر اس نے حلیمہ سے استدعا کی مگر آپ کے انکار کرنے پر وہ بولا۔ "یہ نبی ﷺ ہے۔"

(خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۱۴۔۱۱۳ (اردو ترجمہ) بحوالہ ابو نعیم از واحدی بروایت عبدالصمد بن محمد بن سعدی ا)

۶۔ حضرت حلیمہ ایک دفعہ آپ ﷺ کو قبیلہ ہذیل کے ایک کاہن کے پاس لے گئیں وہ دیکھتے ہی بولا۔ "اس کو قتل کر دو کیونکہ یہ بڑا ہو کر تمہارے ہم مذہبوں کو قتل کرے گا۔ بتوں کو توڑ ڈالے گا اور تم سب پر غالب آئے گا۔" حلیمہ نے یہ سنا تو وہ آپ ﷺ کو وہاں سے لے کر چل دیں۔

(ابن سعد اور حسن بن طراح بروایت زید بن اسلم)

ابن سعد اور حسن بن طراح عیسیٰ بن عبداللہ بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ ہذیل بوڑھا اہل ہذیل اور ان کے بتوں کو پکارنے لگا کہ یہ بچہ ایک دن آسمانی حکم کا انتظار کرے گا۔ پس وہ آپ ﷺ کے خلاف لوگوں کو اکسانے لگا مگر کسی عملی اقدام سے پہلے پہلے چند دنوں کے اندر اندر وہ مخبوط الحواس اور دہشت زدہ ہو کر بحالت کفر دنیا چھوڑ گیا۔

(خصائص کبریٰ (اردو) جلد ۱ صفحہ ۱۱۵)

۷۔ رضاعت حلیمہ کے زمانہ میں حلیمہ نے ایک دفعہ چند یہودیوں کو گزرتے دیکھا اور انہیں حضور علیہ السلام کی ماں کے طور پر وہ حالات حمل بتائے جو ان کو حضرت آمنہ نے بتائے تھے۔ یہودیوں نے آپ ﷺ کے بارے میں یہ سب کچھ سنا تو بولے۔ "اسے قتل کر دو۔" پھر حلیمہ سے پوچھا کیا یہ

Marfat.com

یتیم ہے فرمایا۔ "نہیں، میں اس کی ماں اور وہ (رضاعی والد) اس کے باپ ہیں۔" تب وہ بولے۔ "اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم اسے ضرور قتل کر دیتے۔"

(ابن سعد، وحسن بن طراح بروایت اسحاق بن عبداللہ)

۸۔ ابن سعد حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ یہودیوں کی درس گاہ میں تشریف لے گئے اور ان کے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن صوریا کو علیحدگی میں فرمایا۔ "تمہیں تمہارے دین اور من و سلویٰ اور سایہ ابر اور دوسری نعمتوں کی قسم، سچ بتاؤ کیا تمہیں علم ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ ہوں؟" وہ بولا "ہاں مجھے بھی علم ہے اور ساری قوم بھی جانتی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں کیونکہ تورات میں آپ کی صفات اور خصوصیات مذکور ہیں مگر یہ لوگ آپ کے حاسد ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟" بولا "قوم کی مخالفت سے ڈرتا ہوں مگر ہو سکتا ہے کہ آئندہ یہ لوگ ایمان لے آئیں، تو پھر میں بھی اسلام قبول کر لوں گا۔"

(خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۴۲)

۹۔ رسول اکرم ﷺ ایک دفعہ ایک یہودی، جو تورات کی تلاوت کر رہا تھا کے پاس سے گزرے جبکہ پاس ہی اس کا لڑکا بیمار پڑا تھا۔ آپ ﷺ نے یہودی سے "اپنے ﷺ" بارے میں پوچھا تو اس نے سرہلا کر انکار کیا۔ اس پر اس کا بیمار بیٹا بولا۔ یا رسول اللہ! حضرت موسیٰ پر تورات اتارنے والے خدا کی قسم میرا باپ آپ ﷺ کی صفات آپ کے زمانہ اور آپ کی بعثت کو اپنی کتاب تورات میں ہر طرح مذکور پاتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔" حضور علیہ السلام نے یہودی کو اس لڑکے کے پاس سے اٹھا دیا۔ پھر وہ لڑکا فوت ہو گیا اور آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(احمد، ابن سعد بروایت ابو صخر عقیلی نیز بیہقی نے بھی ایسی ہی روایت حضرت انسؓ اور ابن مسعودؓ سے نقل کی ہے۔)

۱۰۔ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ کو یثرب کے یہودیوں کے پاس حضور علیہ السلام کے بارے میں پتہ کرنے بھیجا کہ کیا ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کا ذکر موجود ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی صفات دریافت کیں اور پھر ایک یہودی عالم ہنستا ہوا کہنے لگا۔ "یہی تو وہ نبی ﷺ ہے جس کا وصف ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور جس کی اپنی قوم ہی اس کی سب سے بڑی دشمن ہوگی۔"

(ابن سعد بروایت کلبی، ابو صالح اور ابن عباسؓ)

۱۱۔ آپ ﷺ ایک یہودی کے مقروض تھے۔ اس نے اتنا تقاضا کیا کہ آپ ﷺ کو ادھر ادھر جانے تک سے روک دیا۔ آپ ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور اگلے دن فجر کی نمازیں وہیں ادا

Marfat.com

فرمائیں۔ صحابہؓ کو بہت غصہ آیا مگر آپ ﷺ کے سامنے بپاس ادب اس کا اظہار نہ کرتے تھے۔ آخر انہوں نے یہودی کو دھمکایا اور رسول خدا سے عرض کی کہ آپ کو تو اس یہودی نے محبوس کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' میرے رب نے مجھے کسی پر زیادتی کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ دن چڑھے وہ یہودی ایمان لے آیا اور اپنا نصف مال اللہ کی راہ میں دے دیا اور کہا میں آپ کا امتحان تورات میں بیان کردہ صفات کی روشنی میں لے رہا تھا جس میں آپ کا ذکر اس طرح ہے:

"محمد ﷺ اللہ کے بندے' ان کی جائے پیدائش مکہ' جائے ہجرت یثرب اور ان کا ملک شام تک وسیع ہے۔ آپ ﷺ نہ سخت گو ہیں نہ درشت مزاج اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے۔ آپ ﷺ بری باتوں کے مرتکب نہیں ہوتے اور جھوٹ نہیں بولتے۔"

(حاکم، بیہقی، ابن عساکر بروایت علیؓ بن ابی طالب)

۱۲۔ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں دین حق کی تلاش میں مختلف راہبوں کے پاس سے ہوتا ہوا آخر مدینہ منورہ پہنچ گیا جو کہا کرتے تھے کہ اس زمانے میں سرزمین عرب میں ایک نبی آنے والے ہیں جس کے شانے پر مہر نبوت ہوگی چنانچہ میں نے حضور کو دیکھا تو سب علامات آپ ﷺ میں موجود تھیں۔ پھر میں نے مہر نبوت بھی دیکھ لی اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

(طبرانی اور ابو نعیم بروایت شرجیل بن سمط عن سلمان فارسی)

۱۳۔ ابن سعد نے یزید بن رومان اور عاصم بن عمرو غیرہ سے روایت کی کہ جس روز حضور علیہ اسلام بنی قریظہ کے قلعہ میں داخل ہوئے تو کعب بن اسد نے یہود کو مخاطب کر کے کہا کہ اس نبی ﷺ کا اتباع کرو کیونکہ یہ وہی نبی ﷺ ہے جس کا ذکر تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو اور اب اس کی وضاحت بھی ہو گئی ہے۔ یہود بولے بیشک یہ وہی نبی ہیں لیکن ہم تورات کے حکم کو نہیں چھوڑیں گے۔ ابن سعد نے ہی ثعلبہ بن مالک سے روایت کی کہ ثعلبہ بن سعید اور اسد بن عبید نے بنو قریظہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کو کہا۔ "تم بخوبی جانتے ہو کہ یہ وہی رسول ہیں جن کا ذکر اور صفت و نعت تورات میں ہے اور ہمارے علماء کے علاوہ بنی نضیر کے علماء نے بھی آپ ﷺ کے بارے میں مطلع کیا ہے۔ یہ حی بن اخطب علمائے یہود میں اول ہے اور یہ یہودی عالم ابن الہیبان اور اصدق الناس ہے جس نے مرنے سے پہلے ہمیں آنے والے نبی ﷺ کی نشانیاں بتلائی تھیں۔۔۔" بنو قریظہ نے جواب دیا (کچھ بھی ہو) ہم تورات کے احکام کو نہیں چھوڑیں گے۔"

(خصائص کبریٰ جلد اصفحہ ۶۹۔ ۶۸ا ۱۴اردو)

۱۴۔ ایک دفعہ بنی قریظہ کے پاس ایک شخص ابن الہیبان جو یہودی عالم تھا ملک شام سے آیا۔ جب بارش نہ ہوتی تو بنو قریظہ اسے دعا کے لئے کہتے۔ وہ ان کو صدقہ و خیرات کرنے کا مشورہ دیتا پھر سب وہ میدان حرہ تک جاتے اور دعا کرتے اور واپسی پر دیکھتے کہ فوراً بارش سے جل تھل ایک ہو جاتے۔ یہ معاملہ متعدد بار واقع ہوا۔ جب اس مقبول بندے کا وقت قریب آیا تو اس نے یہودیوں سے کہا۔

Marfat.com

"کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ موت نے مجھے آباد سرزمین سے اس بھوک اور افلاس کی سرزمین کی طرف نکال دیا؟" وہ بولے۔ "آپ ہی بتائیں؟" تو اس نے کہا۔ "ایک نبی ﷺ مبعوث ہونے والا ہے' یہ شہر اس کا دار الہجرت ہے۔ وہ نبی خون بہانے والا اور اولاد کو قید کرنے کے لئے مبعوث ہو گا تم اس کی اطاعت کرنا اور اس سے جنگ و جدل نہ کرنا۔" یہ کہہ کر وہ فوت ہو گیا چنانچہ یہ واقعہ ثعلبہ بن سعید' اسید بن سعید اور اسد بن عبید کے اسلام لانے کا سبب بنا اور وہ اس رات ایمان لائے جس رات قریظہ کا قلعہ فتح ہوا۔

(بیہقی' ابن السکن اور ابو نعیم بطریق ابن اسحاق بروایت عاصم بن عمر بن قتادہ عن یکے از شیخان بنو قریظہ)

۱۵۔ ابن اسحاق نے حضرت صفیہؓ بنت حیی بن اخطب سے روایت کی کہ جب حضور علیہ السلام وارد مدینہ ہوئے تو دوسرے دن آپ ﷺ کے پاس میرے والد اور چچا ابو یاسر بن اخطب گئے اور واپس آ کر وہ آپ کے بارے میں باتیں کرنے لگے حیی بن اخطب نے کہا کہ یہ وہی رسول ہیں۔ چچا نے کہا کیا تمہیں یقین ہے؟ میرے باپ نے کہا خدا کی قسم میں ان کو پہچانتا ہوں مگر میں زندگی بھر ان سے دشمنی کروں گا۔

(ابو نعیم' بیہقی و ابن اسحاق (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۳۸۱)

رضاعت اور بچپن: حضور علیہ السلام کو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کے علاوہ سب سے پہلے ابولہب کی آزاد کردہ کنیز ثویبہ اسلمیہ نے دودھ پلایا۔ ثویبہ نے حضور علیہ السلام کے چچا حضرت حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ نیز اس نے ام المومنین حضرت ام سلمہ کے پہلے خاوند حضرت ابو سلمہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔

(الوفا' ابن جوزی (ترجمہ) صفحہ ۱۳۷ تا ۱۳۹)

ثویبہ کا اپنا بیٹا مسروح بھی ان کا دودھ پیتا تھا۔ انہی ایام میں عبداللہ بن عبدالاشد مخزومی نے بھی ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔

(زاد المعاد حصہ اول (اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری) صفحہ ۲۷ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع اول اگست ۱۹۶۶ء)

یہ سب رسول اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔

پھر حلیمہ سعدیہ نے حضور علیہ السلام کو دودھ پلایا۔ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی ابو سفیان بن حارث نے بھی حلیمہ کا دودھ پیا تھا لیکن آپ کا یہ رضاعی بھائی آپ کے ساتھ نہایت درجہ کی عداوت رکھتا تھا۔ تاہم فتح مکہ کے بعد وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ ابن قیم نے کہا ہے کہ حلیمہ سعدیہ کے علاوہ سعدیہ نامی ایک عورت نے بھی آپ کو دودھ پلایا۔

(شمامۃ العنبریہ صفحہ ۱۱۳)

حلیمہ کی گود میں پلنے کے دوران حلیمہ کے بیٹے عبداللہ بھی آپ کے ساتھ ان کا دودھ پیتے تھے۔

Marfat.com

انیسہ اور حذافہ جس کالقب شیماتھا حلیمہ کی بیٹیاں تھیں گویا وہ آپ کی رضاعی بہنیں تھیں حلیمہ (بنت ابی ذویب) سعدیہ کی کنیت ام کبشہ تھی سب سے زیادہ عرصہ تک انہوں نے ہی حضور علیہ السلام کو دودھ پلایا۔

حلیمہ سے قبل خولہ بنت منذر اور ام ایمن نے بھی آپ کو دودھ پلایا نیز قبیلہ عواتک کی تین خواتین کادودھ بھی آپ ﷺ نے پیا۔ اس طرح کل آٹھ رضاعی ماؤں کادودھ آپ ﷺ نے پیا۔

سہیلی نے نقل کیاکہ حضور نے فرمایا **انا ابن العواتک** یعنی میں عواتک کا بیٹاہوں۔

حیوۃ الحیوان میں ہے کہ عواتک تین عورتیں ہیں جن کا آپ نے دودھ پیا: ۱۔ عاتکہ بنت ہلال بن فالج مادر عبد مناف بن قصی۔ ۲۔ عاتکہ بنت مرہ بن ہلال مذکور مادر ہاشم بن عبد مناف۔ ۳۔ عاتکہ بنت الاوقص بن ہلال حضرت آمنہ کی دادی اور عاتکہ بمعنی خوشبودار (**شمامۃ العنبریہ صفحہ** ۱۱۴)

حلیمہ سعدیہ رض: آپ کے خاوند کانام حارث بن عبدالعزیٰ سعدی تھا۔ آپ اپنے قبیلہ کی دس عورتوں میں شامل تھیں جو رضاعت کی غرض سے بچے حاصل کرنے مکہ معظمہ پہنچیں۔ سب خواتین کو امراء کے بچے مل گئے مگر حلیمہ سعدیہ کو کوئی بچہ میسر نہ آسکا۔ آخر انہوں نے خالی ہاتھ لوٹنے کی بجائے ایک یتیم بچے کو ہی قبول کرنا مناسب سمجھا مگر اسے کیا خبر تھی کہ یہ در یتیم وہ ہستی ہے جو وجہ تخلیق کائنات ہے۔ بقول ابن ہشام حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ ہم دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مفلس تھے۔ ہماری گدھی بھی کمزور اور لاغر تر تھی اور اونٹنی بھی ایسی ہی تھی جو دودھ کم ہی دیتی تھی۔ ادھر ہمارے علاقے میں خشک سالی اور قحط کا سماں تھا۔ گزر اوقات بہ مشکل ہوتی۔ میرا اپنا دودھ بھی اتنا کم تھا کہ میرا بیٹا عبداللہ بھی سیر نہ ہو سکتا۔ وہ بھوک کی شدت سے بلبلاتا اور رات دن ہم بے چینی سے گزارتے۔ ہماری دراز گوش چونکہ لاغر اور کمزور تھی اس لئے مکہ کی طرف جاتے وقت میں اپنی ساتھی عورتوں سے پیچھے رہ گئی اور انہوں نے پہلے پہنچ کر امراء کے بچوں کو لے لیا اور رسول اکرم ﷺ کو کسی نے نہ لیا۔ شاید اس لئے کہ جب ان کو بتایا جاتا کہ یہ بچہ یتیم ہے تو وہ آگے بڑھ جاتیں۔ جب میں مکہ پہنچی تو اس وقت صرف آپ ﷺ ہی کسی انا کے منتظر تھے۔ میں نے شوہر سے کہا کہ خالی ہاتھ جانا بد شگونی ہے۔ شوہر نے تائید کی اور میں محمد بن عبداللہ ﷺ کو لینے چل پڑی۔

علامہ امام محمد عبدالباقی الملکی روایت کرتے ہیں کہ جب حلیمہ گھر میں داخل ہوئیں تو ہاتف کی آواز سنائی دی:

ان ابن آمنة الامين محمدا　　خير الانام و خيرة الاخيار
ما ان له غير الحليمة مرضعة　　نعم الامينة هي على الاسرار
مامونة من كل عيب فاحش　　و نقية الانواب والاوزار
لا تسلمه الى سواها انه　　امر و حكم جاء من الجبار

Marfat.com

ترجمہ: (۱) بیشک آمنہ کا لال امین محمد ﷺ ہے --- (جو) تمام مخلوق میں بہتر (بلکہ) بہتروں میں بہترین ہے۔ (۲) حلیمہ ہی اس کی انا ہے وہ نیکوں پر بہت ہی اچھی امانت دار ہے۔ (۳) وہ ہر عیب فاحش سے مامون و محفوظ ہے جس کا لباس سفید اور بدن صاف ہیں۔ (۴) محمد ﷺ کو حلیمہ کے سوا کسی کے سپرد نہ کرو کیونکہ خدائے جبار کا یہی حکم ہے۔

حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کے پاس حاضر ہو کر نام بتایا تو وہ بہت مسرور ہوئے اور کہا کہ سعادت اور حلم تم میں دو خوبیاں ہیں جن کے باعث تم کامیاب و کامران ہو اور ہمارا بچہ یتیم ضرور ہے مگر بڑی شان والا ہے۔ پھر حضرت عبدالمطلب بی بی حلیمہ کو اس کمرے میں لے گئے جہاں حضور پر نور ﷺ محو استراحت تھے۔ حلیمہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ دودھ ایسے سفید صوف کے پارچہ میں لپٹے ہوئے سبز حریر پر سیدھا سو رہے تھے۔ آپ ﷺ کا ہاتھ سینے پر رکھا تھا اور بدن سے کستوری کی سی پاکیزہ خوشبو آ رہی تھی۔ آپ ﷺ کے حسن و جمال کا یہ حال تھا کہ میں آپ کو تکتے ہی بصد جان و ہزار دل فریفتہ ہو گئی۔ جب میں نے شفقت سے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے سینہ اقدس پر رکھا تو آپ ﷺ متبسم ہوئے اور آنکھیں کھول دیں جن کا نور آسمان تک لہرایا۔ میں نے فرط محبت سے آپ کو اٹھایا۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور گود لے کر داہنی چھاتی سے دودھ پلانا شروع کر دیا اور خدا کی شان کہ دودھ اتنا زور کر کے اتر آیا کہ میں خود حیرت زدہ ہو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے سیر ہو کر پیا اور بائیں چھاتی کا دودھ بالکل نہ پیا اور آپ ﷺ ہمیشہ داہنی چھاتی کا دودھ ہی پیتے بائیں کو کبھی منہ نہ لگایا بلکہ اسے میرے بیٹے عبداللہ کے لئے چھوڑ دیا کرتے۔

اہل دل و نظر اس عادت شریفہ سے حضور کی عادلانہ فطرت و جبلت مراد لیتے ہیں جو قدرت کاملہ نے آپ کے اندر ودیعت فرما دی تھی۔

جب حضرت حلیمہ سعدیہ رسول مکرم ﷺ کو آپ کی والدہ اور دادا کی اجازت سے لے کر روانہ ہوئیں اور شوہر کے پاس پہنچیں تو وہ بھی آپ ﷺ کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے اور بہت خوش ہوئے۔

مائی حلیمہ کا بیان ہے:

"ہماری کمزور اور لاغر اونٹنی کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ میرا اپنا دودھ بھی زیادہ اترنے لگا اور ہم خوشی اور خوشحالی محسوس کرنے لگے۔ میرے شوہر نے کہا حلیمہ! اس بچے کی برکات کا اتنا زیادہ چرچا نہ کر کیونکہ میں نے سنا ہے کہ یہودی حاسدین اس بچے کے دشمن ہیں۔ مبادا کوئی مصیبت آن پڑے---" ہم تین روز مکہ میں ٹھہرے۔ پھر قافلہ کے ساتھ اپنے گھر روانہ ہوئے۔ روانگی سے پہلے میں بچے کو ملاقات کے لئے آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے گئی اور آپ کی برکات کا ذکر کیا۔ حضرت آمنہ نے اپنے لخت جگر ﷺ کو جی بھر کر پیار کیا اور پھر مجھے دیتے ہوئے کہا۔

"میں اس بچے کو خدائے ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں ہر بیماری اور جسمانی تکلیف سے جو پہاڑوں پر تیرتی رہتی ہے حتیٰ کہ میں اسے امر حلال کا حامل دیکھوں اور غلاموں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے والا

Marfat.com

پاؤں۔ نہ صرف غلاموں بلکہ دوسرے ادنیٰ درجے کے لوگوں سے بھی اس کا حسن سلوک قابل رشک ہو۔" پھر انہوں نے بچہ کو میرے حوالے کرتے ہوئے تاکید کی کہ اس بچہ کی طرف سے خبردار رہنا کیونکہ عنقریب اس کی بڑی شان ہونے والی ہے۔" (طبقات ابن سعد صفحہ ۱۱۱)

واپسی پر جب میں اپنی دراز گوش پر سوار ہوئی جبکہ آپ ﷺ میری گود میں تھے تو گدھی نے چلنے سے پہلے قبلہ رخ ہو کر اپنا منہ زمین پر تین بار رکھا اور پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور پھر روانہ ہوئی۔ (جیسے اس نے حضور کی سواری بننے کی خوشی میں سجدہ شکر ادا کیا ہو۔) پھر وہی لاغری گدھی بڑی تیز رفتاری سے قافلے میں سب سے آگے نکل گئی۔ یہ دیکھ کر دوسری خواتین حیران رہ گئیں اور مجھے پوچھنے لگیں۔ "اے ابی ذویب کی بیٹی کیا یہ وہی گدھی ہے جس پر تو سوار ہو کر مکہ آئی تھی؟ میں نے کہا ہاں! تو وہ اعتبار نہ کرتی تھیں آخر بصد مشکل انہیں یقین دلایا۔ پھر میں نے گدھی کو کچھ کہتے سنا وہ کہہ رہی تھی:

وهل تدرين من على ظهرى خيارا لنبيين و سيد المرسلين و خير الاولين والآخرين و حبيب رب العالمين (صلى الله عليه وسلم)

"اے بنی سعد کی عورتو! تم بے خبر ہو اور غافل تم کیا جانو کہ میری پیٹھ پر کون سوار ہے۔"

"میری پیٹھ پر خیرالانبیاء سید المرسلین خیرالاولین والاخرین اور حبیب رب العالمین سوار ہیں۔"

(زرقانی علی المواہب صفحہ ۱۴۵، مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲۵)

مدارج النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ مائی حلیمہ نے راہ چلتے ہوئے دائیں بائیں سے اس طرح کی باتیں سنیں۔ "حلیمہ! تو محمد ﷺ کی وجہ سے دولت مند ترین اور افضل ترین ہو گئی ہے۔" پھر جب وہ بکریوں کے ریوڑ کے پاس سے گزریں تو وہ دوڑ کر حلیمہ کے قریب آئیں اور کہا۔ حلیمہ! تجھے پتہ ہے کہ تیرا رضیع (دودھ پیتا بچہ) محمد ﷺ اللہ کا رسول اور بہترین اولاد آدم ہے۔" مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵)

حضور کی رضاعت کی برکت سے حلیمہ سعدیہ کا گھر بار اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا گہوارہ بن گیا۔

لقد بلغت بالهاشمی حلیمة
مقاما علی فی ذرواة العز والمجد

"بے شک حلیمہ اس ہاشمی (بچے) کے سبب ایسے ارفع مقام پر پہنچی جو عزت و عظمت کا بلند تر مقام ہے۔"

زرقانی علی المواہب (جلد ۱ صفحہ ۱۴۵) میں ہے کہ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی برکات اور سعادت کا شہرہ بنو سعد میں پھیلا تو ہر کوئی آپ ﷺ کا گرویدہ ہونے لگا حتیٰ کہ اگر کوئی شخص یا جانور وغیرہ کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتا تو لوگ اسے ہمارے گھر لاتے اور آپ کو لے کر آپ ﷺ کا دست

Marfat.com

مبارک مریض پر پھراتے تو اللہ کے فضل سے وہ تندرست ہو جاتا۔

ابن راہویہ، ابو علی، طبرانی، بیہقی، ابو نعیم اور ابن عساکر نے بھی اس سے ملتی جلتی روایات نقل کی ہیں جن سے حضور کا بابرکت اور خصوصی شان کا حامل ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

چند صحابہ کرامؓ کی التماس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

"میں اپنے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ جب میری والدہ ماجدہ کو حمل ہو کر میں ان کے شکم میں آیا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے اندر سے ایک ایسا نور نکلا جس کی روشنی میں ان کو ملک شام کے محل نظر آ گئے اور مجھے قبیلہ بنی سعد بن بکر کی ایک عورت کے سپرد کیا گیا تاکہ وہ مجھے دودھ پلایا کرے۔ ایک دن میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہا تھا کہ یکایک دو آدمی سفید لباس میں نمودار ہوئے۔ ان کے پاس سونے کا طشت تھا جو برف سے پر تھا۔ انہوں نے مجھے لٹا کر میرا سینہ چاک کیا دل نکال کر چیرا اور اس میں سے سیاہ ٹکڑا نکال کر پھینک دیا اور سینہ و دل کو برف سے خوب دھو کر چاک کو برابر کر دیا۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ اسے اس کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔ وزن کیا تو میں بھاری نکلا۔ پھر سو اور ہزار کے ساتھ وزن کیا تو بھی میں غالب رہا۔ پھر اس شخص نے کہا خدا کی قسم اگر ان کو ساری امت کے ساتھ بھی وزن کیا جائے تو یہ غالب رہیں گے۔

(سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۷۶، نیز کتاب الشفاء قاضی عیاض مالکیؒ اردو ترجمہ صفحہ ۵۴-۱۵۳ مطبوعہ اللہ والے کی قومی دکان کشمیری بازار، لاہور)

ظہور اقدس ﷺ اور سابقین انبیاء وغیرہ کے درمیان مدت:

محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ آپ ﷺ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ بعثت سے چھ سو سال بعد تولد ہوئے۔ اس وقت ذوالقرنین کی وفات کو ۸۸۲ سال ہو چکے تھے اور داؤد علیہ السلام کے دور سے ۱۸۰۰ سال بعد آپ کی ولادت ہوئی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گزرے ۲۳۰۰ سال ہو چکے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کو ۳۰۷۰ سال بیت چکے تھے اور نوح علیہ السلام کو گزرے ۴۴۹۹ سال ہوئے تھے اور آدم علیہ السلام کے دور کو ۶۷۵۰ سال گزر چکے تھے۔ واللہ اعلم حقیقۃ الحال!

(معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۸۴ (اردو) مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور)

شق صدر کا واقعہ:

دو سال تک دودھ پلانے کے بعد حلیمہ سعدیہ حضور علیہ السلام کو آپ ﷺ کی والدہ کی خدمت میں لے گئیں لیکن مکہ معظمہ میں گرمی اور وباء کا بہانہ کر کے آپ کو واپس لانے میں کامیاب ہو گئیں۔ اس واقعہ کے بعد جب آپ کی عمر سوا دو سال سے چار سال کے درمیان تھی (ابن کثیر جلد ا صفحہ ۲۲۸، طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۱۲) اور آپ حلیمہ سعدیہ کی آغوش میں پرورش پا رہے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ باہر بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک (یا دو فرشتے) آنے والا آیا۔ اس نے آپ کو لٹا کر سینہ مبارک چاک کیا۔ قلب اقدس سے خون کا ایک لوتھڑا نکال کر پھینک دیا اور کہا

Marfat.com

کہ یہ تجھ میں شیطان کا حصہ تھا۔ پھر سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھو کر برابر کر دیا۔ لڑکے بھاگ کر حلیمہ کے پاس پہنچے کہ محمد ﷺ کو کسی نے مار ڈالا۔ وہ دوڑی آئیں، دیکھا تو آپ کا چہرہ فق تھا۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ باب معجزات، ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۹۶، مسند داری (ذکر ما اکرم اللہ نبیہ) مسند ابو علی، و ابونعیم و ابن عساکر و احمد (عن عتبہ بن عبدان)

بقول حضرت انسؓ آپ ﷺ کے سینے میں اس زخم کے ٹانکے ہم کو نظر آتے تھے۔

(ابن سعد جلد اول صفحہ ۹۷، مسند احمد بن حنبل روایات حضرت انسؓ بروایت صحیح نیز سیرہ النبی جلد ۳ صفحہ ۵۳-۵۵۲)

شق صدر کی تعداد: آپ کی عمر شریف میں کل چار مرتبہ آپ کا سینہ مبارک شق کیا گیا۔ پہلا واقعہ اوپر گزرا۔ دوسرا واقعہ اس وقت ہوا جب آپ ﷺ کی عمر دس برس تھی تاکہ آپ کامل اور پاکیزہ اوصاف کے ساتھ بچپن سے لڑکپن اور جوانی میں قدم رکھیں۔ تیسری بار شق صدر کا واقعہ غار حرا میں پیش آیا جب بار نبوت سپرد کیا جاتا تھا اور چوتھی دفعہ معراج کو لے جاتے وقت مکہ معظمہ میں آغاز سفر سے قبل آپ ﷺ کا سینہ شق کر کے اس کی صفائی کی گئی اور اس میں ایسی نورانیت بھری گئی جس کی وجہ سے آپ ﷺ سدرہ کی منزل عبور کر کے قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر متمکن ہو سکے اور **مازاغ البصر و ماطغی** کی عظمت سے نوازے گئے۔

واپسی: جب شق صدر کا واقعہ گزرا تو حلیمہؓ بی بی آپ ﷺ کو لے کر آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں آئیں اور بہانہ سے ادھر چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ وجہ پوچھی تو بات گول کر گئیں۔ آخر نبی پاک ﷺ کی ماں بھی کوئی معمولی خاتون نہ تھیں، تاڑ گئیں کہ ضرور کوئی بات ہے۔ جب زیادہ اصرار کیا تو بھید کھل گیا کیونکہ ابھی کچھ ہی عرصہ پیشتر حلیمہ بی بی آپ ﷺ کو آپ کی والدہ کی اجازت سے دوبارہ اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ والدہ ماجدہ نے سنا تو فرمایا۔ "حلیمہ میرے بچے پر شیطان کا اثر نہیں ہو سکتا۔ اس کی شان بہت بلند ہے۔" نیز انہوں نے اپنے حمل اور آپ ﷺ کی ولادت وغیرہ کے دوران پیش آنے والے واقعات سنائے اور انہیں تسلی دے کر حضور علیہ السلام کو پھر سے ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔

حلیمہ کے پاس رہنے کی مدت: حلیمہ سعدیہؓ کے پاس آپ ﷺ کتنا عرصہ رہے۔ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ دو سال تک حلیمہ کے پاس رہنے کے بعد وہ آپ ﷺ کو آپ کی والدہ کے پاس لے گئیں مگر مکہ معظمہ میں "وباء" کا بہانہ کر کے حضور ﷺ کو والدہ ماجدہ کی اجازت سے دوبارہ اپنے ساتھ لے گئیں کیونکہ وہ آپ ﷺ کو مبارک قدم پاتی تھیں اور آپ کے ذریعے جو برکات خداوندی حاصل تھیں ان سے محروم ہونا نہیں چاہتی تھیں۔ اب کے شق صدر کا واقعہ پیش آیا تو آپ ﷺ کو واپس لائیں مگر والدہ صاحبہ نے حضور کو پھر انہی کے ساتھ بھیج دیا اور آپ مزید دو سال تک صحرائی فضاؤں میں پلتے رہے اور مشیت ایزدی کے تحت آپ

Marfat.com

ﷺ نے عربی زبان خوب سیکھ لی جو بنو سعد کا خاصہ تھی۔

ابن اسحاق کے مطابق آپ ﷺ حلیمہ کے پاس چھ سال تک رہے بعض نے چار سال اور بعض نے پانچ سال کہا ہے۔

(رحمتہ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ رحمتہ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۴۴ سیرۃ النبی (از شبلی) جلد ۱ صفحہ ۱۷۳)

آپ ﷺ کے رضاعی بہن بھائیوں میں عبداللہ اور حذافہ عرف شیماؔ کا اسلام لانا ثابت ہے۔ آپ ﷺ کے رضاعی والد اور والدہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔

(سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۷۵)

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات: امام عبداللہ مروزیؒ نے مناظر میں روایت بیان کی ہے کہ جب آپ ﷺ دو ماہ کے تھے تو بچوں کے ساتھ ہر طرف لڑھکتے ہوئے جاتے تھے۔ تین ماہ کے تھے جب اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور چار ماہ کی عمر میں دیوار وغیرہ کے سہارے چلنے لگے۔ پانچ ماہ کے تھے جب بغیر سہارے کے چلتے اور چھ ماہ کے ہوئے تو تیز دوڑنے لگے۔ آٹھ ماہ کی عمر میں بات کرتے تو اس کی سمجھ آ جاتی، نو ماہ کے ہوئے تو داناؤں کی طرح فصیح باتیں کرنے لگے۔ دس ماہ کی عمر ہوئی تو تیر اندازی میں ساتھیوں پر سبقت لے جانا شروع کی اور فرماتے **للہ درک یا نفس انا بن عبدالمطلب** یعنی اے نفس! اللہ تجھے بھلائی دے، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔ انہی ایام میں لوگوں نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟" تو ننھے محمد ﷺ نے فرمایا "میں بلحاظ طاقت عربوں میں مضبوط ترین عرب ہوں اور ان اہل عرب کے لئے شراب تلخ کا جام، نیزہ زنی میں سب سے دلیر، دین میں اعلیٰ ترین، میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔" دو سال کی عمر میں کافی بڑے لگتے تھے۔ (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۰۔ ۱۴۱ اردو ترجمہ)

ننھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھو گئے: ایک دن مائی حلیمہؓ حضور ﷺ کو دیکھنے باہر نکلیں۔ دیکھا کہ شیما آپ کو دھوپ میں لئے کھڑی ہیں۔ فرمایا اتنی دھوپ اور گرمی میں باہر پھرنا اچھا نہیں۔ شیما بولی، اماں! میرے بھائی کو گرمی نہیں لگتی اسے ایک بادل سایہ کئے رہتا ہے۔ جب یہ چلتا ہے تو بادل بھی سایہ کناں ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے اور رکنے پر رک جاتا ہے۔

(الوفا باحوال مصطفیٰ لابن جوزی جلد ۱ صفحہ ۱۱۴)

اس پر حلیمہ نے طے کیا کہ بچے کو اس کی ماں کے سپرد کر دینا چاہئے۔ جب آپ اس ارادہ سے آپ کو لے کے واپس چلیں تو مکہ کے قریب پہنچ کر آپ کو دراز گوش کے قریب بٹھا کر خود رفع حاجت کے لئے گئیں۔ واپس آئیں تو حضور کو غائب پایا۔ بہت تلاش کیا مگر آپ ﷺ کا پتہ نہ چلا۔ آخر حضرت عبدالمطلب کو مطلع کیا، وہ فوراً انتہائی فکرمندی سے آپ کی تلاش میں نکلے۔ دوسرے قریش بھی ادھر ادھر بھاگے مگر لاحاصل۔ آخر عبدالمطلب تنہا بیت الحرام پہنچے اور مناجات کرنے لگے۔ ہاتف نے ندا کی کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو ضائع نہیں کرے گا اور بتایا کہ وہ وادی تہامہ میں یمنی درخت (بروایتے کیلے کے درخت)

Marfat.com

کے پاس بیٹھے ہیں چنانچہ عبدالمطلب ہتھیار لگا کر وادی تہامہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ورقہ بن نوفل ساتھ ہو لئے۔ جائے مسئولہ پر پہنچے تو آپ ﷺ کو وہاں درخت کے نیچے کھڑا دیکھا۔ آپ اس کی ٹہنیوں اور پتوں سے کھیل رہے تھے۔ ورقہ نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟" ننھے محمد ﷺ نے جواب دیا۔ "میں محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔" وہ آپ کو اٹھا کر عبدالمطلب کے پاس لائے۔ دادا نے آپ کو بہت پیار کیا اور سوار کر کے مکہ واپس لائے۔ حلیمہ کو پتہ چلا تو اس کی جان میں جان آئی ورنہ پہلے وہ خودکشی تک کا ارادہ کر چکی تھی۔ پھر حضرت عبدالمطلب اور بی بی آمنہ نے مائی حلیمہ کو بہت سا مال و دولت وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ صفحہ ۱۸ نیز ابن ہشام صفحہ ۱۰۶' بلاذری انساب الاشراف جلد ا صفحہ ۹۵' الوفا لابن جوزی جلد ا صفحہ ۱۱۶ مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۰ نیز دیکھئے معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳۱۔ ۱۳۲)

غالباً مولانا رومؒ نے اس واقعہ کو مثنوی میں بڑے والہانہ انداز میں بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ محمد ﷺ کہاں گم ہو سکتے ہیں البتہ یہ ممکن ہے کہ ساری کائنات محمد ﷺ میں گم ہو کر رہ جائے۔ اسی بات کو علامہ اقبالؒ نے مومن کے حوالہ سے یوں بیان کیا ہے ؂

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

آنحضرت ﷺ والدہ ماجدہ کے ساتھ: جب مائی حلیمہؓ آخری بار حضور ﷺ کو آپ کی والدہ کے سپرد کر گئیں تو اپنے لاڈلے کو تندرست توانا اور ہونہار دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئیں۔ پھر انہوں نے بھی آپ کی تربیت اور پرورش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور ام ایمن کو آپ کی ہمہ وقت خبرگیری حضانت اور نگہداشت کے لئے مقرر فرمایا۔ ام ایمن بیان کرتی ہیں۔ "ننھے محمد مصطفیٰ نے کبھی بھی بھوک یا پیاس کی شکایت نہ فرمائی۔ آپ ﷺ صبح آب زمزم نوش فرما لیتے اور پھر سارا دن کچھ کھانے کو طلب نہ فرماتے۔ اکثر ایسا ہوا کہ میں نے ناشتہ وغیرہ تیار کر کے سامنے رکھا تو آپ ﷺ نے کہہ دیا کہ مجھے طلب نہیں۔"

(مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۰)

ام ایمن: آپ کا اصل نام برکت تھا۔ حبشہ کی رہنے والی تھیں۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں دن رات ایک کر کے آپ ﷺ کو پالا پوسا۔ جب آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوا تو اس وقت حضور ﷺ نے ام ایمن کو آزاد کر دیا۔ ان کے پہلے خاوند کا نام عبید بن الحارث الخزرجی تھا۔ ان سے ایک بیٹا ایمن پیدا ہوا جس کی نسبت سے ام ایمن کہلائیں۔ حضور ﷺ آپ کی بہت عزت کرتے تھے اور "میری ماں" کہہ کر یاد فرمایا کرتے۔ عبید کی وفات کے بعد ان کا نکاح بعثت نبوی کے آغاز میں آپ نے زید بن حارثہؓ سے کر دیا جن سے اسامہ بن زیدؓ تولد ہوئے۔ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو ام ایمن رونے لگیں اور فرمایا۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ آپ ﷺ تشریف لے جائیں گے لیکن

Marfat.com

روتی اس بات پر ہوں کہ اب سلسلہ وحی منقطع ہو گیا ہے۔ جب حضرت عمر شہید ہوئے تو فرمایا۔ "آج اسلام کمزور ہو گیا ہے۔" انہوں نے خلافت عثمانی میں وفات پائی۔

(اندلسی سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۱)

ام ایمن سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ اپنی والدہ کے ہمراہ مدینہ منورہ گئے تھے، ان دنوں بعض یہودی حضور ﷺ کو غور سے دیکھتے۔ میں نے ایک کو یہ کہتے سنا کہ یہ شخص اس قوم کا نبی ﷺ ہے اور یہ شہر اس کا دار الہجرت ہو گا۔

(طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۱۶ ابن کثیر السیرۃ النبویہ جلد ا صفحہ ۲۳۵ الوفا ابن جوزی جلد ا صفحہ ۱۱۷)

والدہ ماجدہ کی وفات: آپ ﷺ کی عمر چھ سال تھی جب آپ کی والدہ محترمہ اپنے لخت جگر کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ گئیں۔ غالباً اپنے خاوند کی قبر پر حاضری دینے گئی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی خادمہ ام ایمن بھی ساتھ تھیں۔ مدینہ طیبہ میں ایک ماہ قیام کیا۔ واپسی پر ابوا کے مقام پر جو جحفہ سے ۲۳ میل دور ہے۔ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کو اللہ کی طرف سے بلاوا آ گیا اور تیس سال کی عمر میں اپنے لخت جگر کو ام ایمن کے حوالے کر کے داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں آپ ﷺ کو سپرد خاک کیا گیا۔ ام ایمن حضور پر نور کو لے کر مکہ معظمہ پہنچیں اور عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔

مدینہ منورہ کی یادیں: جب آپ ﷺ سینتالیس سال بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو ایک دن بنو عدی کے محلہ میں سے گزر ہوا اور فرمایا۔ "اس مکان میں، میں نے اپنی والدہ کے ساتھ قیام کیا تھا اور اس باؤلی (تالاب نما کنواں) میں، میں نے تیرنا سیکھا تھا اور اس میدان میں، میں اور انیسہ (ایک لڑکی) اکٹھے کھیلا کرتے تھے۔"

(رحمتہ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔۱۰۵ خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۴۴ اردو ترجمہ)

دادا کی کفالت: والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی پرورش کا ذمہ لیا اور آپ کی نگہداشت اور کفالت کا پورا پورا حق ادا فرمایا۔ وہ آپ ﷺ کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے۔ لاڈ پیار کرتے اور عزت و توقیر اور محبت سے آپ کی پرورش کرتے حتیٰ کہ وہ آپ ﷺ کی عدم موجودگی میں کھانا نہ کھاتے۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے لئے دیوار کعبہ کے ساتھ مسند بچھائی جاتی تھی بعض نے کہا کہ آپ کے حجرہ میں ایک خاص نشست گاہ تھی جس پر حضرت عبدالمطلب کے سوا کوئی نہ بیٹھتا حتیٰ کہ آپ کے بیٹے اور قریش کے سردار بھی اس مسند کے ارد گرد بیٹھتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ اس مسند پر شان جلالت سے جا بیٹھتے۔ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کو اس مسند سے اٹھانا چاہتا تو حضرت عبدالمطلب منع فرما دیتے اور کہتے **دعوا ابنی فواللہ ان لہ شانا عظیما** یعنی میرے بیٹے کو بیٹھنے دو، خدا کی قسم میرے بیٹے کی بڑی شان ہے اور اسے ﷺ اپنے شرف اور مرتبے کا بڑا احساس ہے

Marfat.com

اور مجھے امید ہے کہ وہ اتنا بلند اور اعلیٰ مقام پائے گا کہ اس سے پہلے کسی عربی کو نہ ملا اور نہ بعد میں ملے گا پھر وہ آپ کے بدن مبارک پر محبت اور شفقت سے ہاتھ پھیرتے اور آپ کو دیکھ دیکھ کر پھولے نہ سماتے اور آپ کا بہت زیادہ خیال رکھتے۔ ان کو یہ بھی یقین تھا کہ ان کا پوتا بڑا ہو کر نبوت اور حکومت سے نوازا جائے گا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور جلد ۱۹ صفحہ ۲۱، معارج النبوۃ صفحہ ۱۴۰ جلد دوئم اردو)

اسی لئے وہ آپ کی خادمہ ام ایمنؓ سے فرمایا کرتے کہ وہ ایک پل کے لئے بھی آپ ﷺ سے غافل نہ ہوا کرے۔

(طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۱۸، سیرۃ نبویہ (ابن کثیر) جلد ا صفحہ ۴۰-۲۳۹، الوفا (ابن جوزی) جلد ا صفحہ ۱۱۹-۱۲۰، ۱۳۰، معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۰-۱۴۱ (اردو ترجمہ)

بنی مدلج کے بعض لوگوں نے جو قیافہ شناسی میں ممتاز و مشہور تھے، ایک دفعہ حضور علیہ السلام کے قدموں کو ملاحظہ کیا اور عبدالمطلب سے کہا کہ اس بچے کے قدم سے زیادہ حضرت ابراہیم کے قدم کا نشان (جو مقام ابراہیم میں ظاہر ہے) کسی اور سے مشابہ نہیں دیکھا۔ پاس ہی حضرت ابو طالب تھے، حضرت عبدالمطلب نے فرمایا۔ سنو یہ جماعت کیا کہتی ہے (چنانچہ اس روز سے حضرت ابو طالب آنحضرت ﷺ کی زیادہ عزت اور لحاظ کرنے لگے۔

(طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۱۸)

مبارک قدم: ایک صحابیؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے پہلے ایام جاہلیت میں حج کرنے گئے۔ دیکھا کہ ایک شخص طواف کرتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہا ہے ؎

رد الی راکبی محمد ---
یا رب رد واصطنع عندی ید

"یا اللہ! میرے سوار محمد ﷺ کو واپس بھیج اور مجھ پر یہ احسان کر۔"

پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ عبدالمطلب ہیں۔ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا جس کی تلاش کے لئے انہوں نے اپنے پوتے محمد ﷺ کو بھیجا ہے جس کا اب انتظار ہے اور وہ پوتا ایسا بابرکت ہے کہ جب بھی اسے کسی کام کے لئے بھیجا وہ ضرور کامیاب ہو کر لوٹا۔۔۔ اتنے میں آپ ﷺ اونٹ تلاش کر کے لے آئے اور حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو سینے سے لگا لیا۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۶۰۳ ذہبی نے اس روایت کو علی شرط مسلم تسلیم کیا ہے نیز یہ واقعہ تاریخ بخاری، ابن سعد، ابو یعلی، طبرانی، بیہقی، ابو نعیم اور ابن مندہ میں بھی مذکور ہے۔) (سیرۃ النبی جلد ۳ صفحہ ۵۵۳)

سیف بن ذی یزن اور عبدالمطلب: ابرہہ کی موت کے بعد سیف بن ذی یزن حمیری نے حبشہ کو فتح کر لیا۔ قریش کا ایک وفد اس کو فتح کی مبارک دینے گیا جس میں حضرت عبدالمطلب، امیہ بن عبد شمس، اسد بن عبدالعزیٰ اور عبداللہ بن جدعان وغیرہ

Marfat.com

شامل تھے۔ یہ لوگ ایک ماہ تک وہاں مہمان رہے۔ ایک دن عبدالمطلب کو ابن ذی یزن نے تخلیہ میں بلا کر کہا کہ تہامہ (شدت گرما اور ہوا کے حبس کی وجہ سے اس کا نام تہامہ رکھا گیا۔ اس کی حدیں شمال میں حجاز اور جنوب میں یمن سے ملتی ہیں۔) میں ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کے شانوں کے درمیان ابھرے ہوئے گوشت کی مہر ہوگی اور وہ قیامت تک تمام عالم کا سردار ہوگا۔ عبدالمطلب کے استفسار پر اس نے مزید بتایا:

"اس بچے کی پیدائش کا زمانہ یہی ہے اور ممکن ہے کہ وہ پیدا ہو چکا ہو۔ اس کے والدین وفات پا جائیں گے۔ پہلے دادا اور پھر چچا اس کی پرورش کریں گے۔ حق تعالیٰ اسے نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمائے گا اور ہم میں سے اس کے معاون و مددگار بنائے گا۔ اس کے دوست عزت اور دشمن ذلت پائیں گے، وہ بتوں کو توڑ ڈالے گا۔ ادیان باطل کو مٹا دے گا۔ ایک خدائے رحمان کی عبادت کرے گا۔ اس کا قول محکم اور فیصلہ کن ہوگا۔ اس کا حکم مبنی برانصاف و احتیاط ہوگا۔ وہ بھلائی کا داعی اور عامل اور برائیوں سے منع کرنے والا ہوگا اور اس کا نام محمد ﷺ ہوگا۔"

مزید استفسار پر اس نے کہا:

"اے عبدالمطلب! آپ ہی اس برگزیدہ ہستی کے دادا ہیں اور یہ بات یقینی ہے۔"

اس پر حضرت عبدالمطلب سجدۂ شکر بجالائے اور پھر ابن ذی یزن کو بتایا کہ میرے مرحوم بیٹے عبداللہ کی بیوی آمنہ کو اللہ نے چاند سا بیٹا عطا کیا جس کے شانوں کے درمیان گوشت کا ابھار ہے۔ میں نے اس کا نام محمد ﷺ رکھا۔ اب اس کی والدہ بھی فوت ہو چکی ہے اور اس کی پرورش میرے ذمہ ہے۔

ابن ذی یزن نے کہا کہ اس بچہ کی حفاظت کیجئے کیونکہ یہودی اسے بوجہ حسد قتل کر سکتے ہیں۔ پھر اس نے وفد کے ارکان کو دس دس غلام اور کنیزیں اور مال و تحائف دے کر رخصت کیا اور عبدالمطلب کو دوسرے ارکان کی بہ نسبت دس گنا تحائف دیئے اور درخواست کی کہ ایک سال کے بعد بچے کے حالات سے مجھے آگاہ کرنا مگر ایک سال پورا ہونے سے پیشتر ہی اس نے انتقال کیا۔

تاریخ اسد الغابہ میں ہے کہ سیف بن ذی یزن نے حضور علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا اور حضرت عبدالمطلب نے انہیں حضور ﷺ کے اوصاف عالیہ سے مطلع کیا تھا۔ یمن، حبشہ کے زیر نگیں تھا۔ ابن ذی یزن نے اپنے آبائی ملک کو واپس لینے کے لئے پہلے شہنشاہ روم سے مدد طلب کی۔ جب ناکامی ہوئی تو ایران کی مدد سے اسے حاصل کیا۔ اس جنگ میں حبشہ کا بادشاہ مسروق مارا گیا۔ یہ واقعہ تقریباً ۶ فیل کا ہے۔ اسی سال حضرت آمنہ کا انتقال ہوا تھا۔

تاریخی شواہد کی بناء پر اس واقعہ پر اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ چند سال پیشتر ابرہہ نے اہل مکہ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا۔ اس میں حاکم حبشہ کا بھی کچھ کم قصور نہ تھا۔ لہٰذا ایسے دشمن کی معزولی اور ہلاکت کے بعد سیف بن ذی یزن ایسے حکمران کو قریش کا مبارکباد دینا بالکل سیدھی سی بات ہے۔ مسٹر بریفال نے تسلیم کیا ہے کہ پہلی مرتبہ ۵۷۵ء میں حبشہ کو شکست ہوئی اور اہل حبش مکمل طور پر ۵۹۷ء تک یمن سے بے دخل کئے جا سکے تھے۔ ولیم میور اس واقعے کو پوری طرح جھٹلا تو نہ سکے البتہ کثرت مبالغہ کا

Marfat.com

الزام لگا کر آگے بڑھ گئے حالانکہ سیرت کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ واقعہ کوئی انوکھا واقعہ نہ تھا کیونکہ سلمان فارسیؓ سے لے کر یہود و نصاریٰ کے حق پرست اکابرین نے حضور علیہ السلام کے بارے میں واضح طور پر باتیں بتائی تھیں اور یہ سب واقعات از روئے قرآن **یجدونہ مکتوبا عندھم** کی تفاسیر تھیں۔

(محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری سابق مدیر مکتبہ جامعۃ الفواد قاہرہ (مصر) ترجمہ اردو مطبوعہ تاج کمپنی کراچی صفحہ ۴۲۔۴۷ نیز خصائص کبریٰ جلد۱ صفحہ ۱۴۹ (اردو) بحوالہ بیہقی، ابو نعیم، ابن عساکر بروایت عفیر بن زرعہ بن سیف بن ذی یزن)

آشوب چشم: آپ ﷺ کی عمر سات سال تھی کہ آشوب چشم کی شکایت ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں علاج معالجہ سے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کو عکاظ کی طرف ایک راہب کا پتہ بتایا جو آنکھوں کا علاج کرتا تھا چنانچہ وہ حضور علیہ السلام کو علاج کے لئے اس کے پاس لے گئے۔ دیکھا کہ راہب کا عبادت خانہ بند ہے۔ اسے آواز دی تو کوئی جواب نہ آیا۔ گویا راہب نے سنی ان سنی کا مظاہرہ کیا۔ اتنے میں عبادت خانہ پر زلزلہ طاری ہوا جو اتنا شدید تھا کہ صومعہ کے گرنے کا اندیشہ ہوا چنانچہ راہب فوراً باہر آیا۔ آپ ﷺ کو دیکھا اور بولا۔ یہ بچہ اس امت کا نبی ﷺ ہے۔ اگر میں آپ کو مزید زحمت انتظار دیتا تو میرا عبادت خانہ مسمار ہو جاتا اور میں اس میں دب کر مرجاتا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کو آنکھوں کی دوائی دی اور نصیحت کی کہ اس بچے کو اہل کتاب کی مہلکانہ شرارتوں سے بچا کر رکھیں۔

(الوفا باحوال مصطفےٰ از ابن جوزی (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور نیز شمامۃ العنبریہ صفحہ ۱۴ از نواب صدیق حسن بھوپالیؒ)

عبدالمطلب کی وفات: ابھی آپ ﷺ کو اپنے دادا کے پاس رہتے ہوئے دو ہی برس ہوئے تھے اور آپ کی عمر آٹھ سال تھی جب آپ کے پیارے دادا جان نے بیاسی، (ایک سو دس یا ایک سو بیس) برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ وفات سے پہلے انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلا کر حضور کی کفالت کے لئے کہا۔ ہر ایک نے برضا و رغبت اقرار کیا مگر انہوں نے یہ کام آپ ﷺ کے حقیقی چچا ابو طالب کے سپرد کرنا مناسب سمجھا بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس کے پاس رہنا چاہو اس کا ہاتھ پکڑ لو چنانچہ حضور علیہ السلام آگے بڑھ کر ابو طالب کے زانو پر بیٹھ گئے۔

(طبقات ابن سعد جلد۱ صفحہ ۱۱۸ معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۵۔۱۴۲ (اردو ترجمہ)

یاد رہے کہ ابو طالب حضرت عبداللہ کے ماں جائے تھے جبکہ آپ کے دیگر چچاؤں کی مائیں مختلف تھیں۔

ام ایمن کا بیان ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کا جنازہ چلا تو حضور علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے

Marfat.com

روتے ہوئے جا رہے تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۱۹)

ان کو کوہ حجون کے قبرستان میں دفن کیا گیا اور ان کے دادا قصی کے قریب ان کی قبر بنائی گئی۔

حضرت ابو طالب کی کفالت: آپ حضور علیہ السلام کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اپنی اولاد سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال فرماتے۔ آپ کو اپنے ساتھ سلاتے، باہر جاتے تو آپ کو ساتھ لے جاتے۔ کسی اہم کام کو نکلتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لے لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت عزت و اکرام کرتے اور فرماتے **انک لمبارک** "بلاشبہ تم بہت مبارک ہو۔" وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دوپہر اور شام کا دسترخوان ہرگز نہ بچھاتے کیونکہ وہ کثیر العیال تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے جتنا کھانا بھی ہوتا سب کو بخوبی کفایت کر جاتا۔ ورنہ بے برکتی دیکھتے تھے۔ لہٰذا جب تک حضور علیہ السلام کھانے کے لئے ہاتھ نہ بڑھاتے اہل خاندان کھانا شروع نہ کرتے۔ حضرت ابو طالب کے دوسرے بچے صبح بیدار ہوتے تو ژولیدہ مو اور گندے مندے ہوتے مگر حضور علیہ السلام نورانی چہرے والے، صاف ستھرے اور سرمگیں چشم بیدار ہوتے۔ ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چمڑے کے گدے پر بٹھا کر فرماتے۔ "خدائے ربیعہ کی قسم اس فرزند کی بڑی شان ہوگی۔"

(طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۲۰ معارج النبوۃ (اردو) جلد ۲ صفحہ ۴۸۔۱۴۷)

نوشیرواں اور حاتم طائی کی وفات: حضور صلی اللہ علیہ وسلم گیارہویں سال میں تھے نوشیرواں اپنی مملکت اپنے بیٹے ہرمز کے سپرد کرکے آگے سدھار گیا اور بارہویں سال میں تھے کہ حاتم طائی نے وفات پائی۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ میں نوشیرواں عادل اور حاتم طائی جو جود و سخا میں ضرب المثل تھے، کے زمانے میں پیدا ہوا۔ (مفہوم)

گلہ بانی: بکریاں چرانا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ حضرت عبید بن عمیرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من نبی الا و قد رعی الغنم قالوا و انت یا رسول اللہ قال وانا

"کوئی ایسا پیغمبر نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے بھی؟ فرمایا، ہاں میں نے بھی۔" (طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۲۵)

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے کہ آپ نے مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں کئی سال تک چرائیں۔ عرب میں بھی بکریاں چرانا کوئی معیوب کام نہ تھا بلکہ بڑے بڑے سرداروں کے بچے بھی بکریاں وغیرہ چراتے چنانچہ حضور علیہ السلام نے بھی دس بارہ سال کی عمر میں بکریاں چرائیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو طالب کی کفالت میں آچکے تھے۔ رسالت کے زمانہ میں ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے۔ صحابہؓ جھڑبیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے فرمایا جو زیادہ سیاہ ہوتے ہیں، زیادہ مزے دار ہوتے ہیں اور یہ میرا اس زمانے کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۷۷ طبع پنجم)

امام بخاری نے کتاب الاجارہ میں آپ ﷺ کا قول نقل کیا ہے کہ میں قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ قراریط کے معنی کے بارے میں ابن ماجہ کے شیخ سوید بن سعید کی رائے ہے کہ یہ قیراط کی جمع ہے اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے اور حدیث کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضور علیہ السلام بچپن میں اجرت پر بکریاں چرایا کرتے تھے اور اسی بنا پر بخاری میں اس حدیث کو کتاب الاجارہ کے تحت درج کیا گیا لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک جگہ کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے۔ ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی تشریح میں کافی بحث کی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے درست ہے۔

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۷۷۔ ۱۷۸ بحوالہ عینی جلد ۶ صفحہ ۱۳۱)

بتوں وغیرہ سے اجتناب: ام ایمنؓ فرماتی ہیں کہ قریش مکہ "بوانہ" نامی بت کی عبادت کیا کرتے تھے اور سال میں ایک روز صبح سے شام تک اس کے سامنے قیام میں رہتے۔ حضرت ابو طالب بھی وہاں حاضر ہوتے اور آنحضرت ﷺ کو بھی حاضر ہونے کی تاکید کرتے مگر آپ ﷺ قبول نہ فرماتے جس پر وہ ناراضگی کا اظہار کرتے۔ ایک روز وہ لوگ آپ ﷺ کو بھی ساتھ لے گئے۔ آپ ﷺ ابھی پہنچے ہی تھے کہ آپ ﷺ کو کوئی اٹھا کر لے گیا اور ایک دن غائب رکھا۔ ہر طرف تلاش کیا مگر بے سود پھر اچانک آپ ڈرے ڈرے اور سہمے ہوئے تھے کہ تشریف لائے اور چچاؤں کو بتایا کہ مجھے ڈر ہے کہ جن مجھ پر قابو نہ پالے۔ انہوں نے کہا بخدا ایسا ممکن نہیں کیونکہ آپ ﷺ کی خصلتیں بہت بلند ہیں۔ پھر استفسار پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب میں بت کے قریب ہونے لگا تو بلند قامت سفید فام ایک شخص نے مجھے ڈانٹا اور کہا۔ "محمد ﷺ! بت کے سامنے سر نہ جھکانا اور ہرگز اس کی عید نہ منانا چنانچہ اس واقعہ کے بعد آپ کبھی ایسے جشن میں شریک نہ ہوئے حتیٰ کہ نبوت سے نوازے گئے۔

(محمد ﷺ رسول اللہ از محمد رضا مصری (اردو) صفحہ ۲۷ و معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۹۔ ۱۵۰ (اردو)، خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۴۳ بحوالہ ابن سعد وغیرہ)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بچپن میں بچوں کے ساتھ تھا۔ وہ اپنے کندھوں پر اپنے تہمد رکھ کر (ننگے) پتھر ڈھو رہے تھے۔ میں نے بھی ایسا کرنا چاہا کہ اچانک کسی نے مجھ پر ہاتھ مارا اور کہا **شد علیک ازارک** "اپنا تہمد باندھے رکھ" چنانچہ میں نے تہمد باندھے رکھا اور گردن پر پتھر ڈھوتا رہا۔ ان سب بچوں میں ایک میں ﷺ ہی تہمد باندھے تھا باقی سب برہنہ تھے۔

(سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۹۴)

Marfat.com

ایک دن فرمایا کہ جب میں ﷺ قریش کے ایک لڑکے کے ساتھ مکہ کی چوٹی پر اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا تو ایک دن میں نے اس لڑکے سے کہا کہ آج میری بکریوں کا دھیان رکھنا تاکہ میں آج رات مکہ میں جا کر کہانیاں سنوں جس طرح اور لڑکے سنتے ہیں چنانچہ میں مکہ کے قریب پہنچا تو ایک گھر سے شادی کے گیتوں کی آواز آئی۔ میں چند لمحوں کے لئے اس آواز میں کھو گیا اور پھر مجھے نیند آ گئی اور اگلے دن سورج کی تپش نے مجھے بیدار کیا۔ واپس پہنچا تو ساتھی لڑکے کو ماجرا سنایا اور اگلے دن بھی یہی عمل کیا اور مجھے وہی حالات پیش آئے حتیٰ کہ میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

(محمد ﷺ رسول اللہ از محمد رضا مصری (اردو) صفحہ ۲۷ مطبوعہ تاج کمپنی، کراچی)

آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی بتوں کے نام کا ذبیحہ نہیں کھایا تھا۔ بعثت کے بعد کسی نے پوچھا۔ "کیا آپ ﷺ نے کبھی بتوں کی پوجا کی تھی؟" فرمایا، "کبھی نہیں۔" شراب پینے کے بارے میں جواب دیا کہ میں ہمیشہ یہی سمجھا کرتا تھا کہ یہ لوگ جس طریقے پر ہیں، وہ کفر ہے لیکن میں اس وقت واضح طور پر یہ نہیں جانتا تھا کہ کتاب اور ایمان کیا ہیں اور ان کی طرف لوگوں کو بلانے کی کیا صورت ہے۔"

ایک دفعہ فرمایا کہ جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتوں اور شعرو نغمہ کے خلاف نفرت بڑھتی گئی۔"

(سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۷۲)

ابو نعیم اور ابن عساکر عطا بن ابی رباح سے اور وہ حضرت عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ اساف نامی بت کے پاس کھڑے ہوئے، آپ نے بیت اللہ کی طرف کچھ دیر کے لئے نظر اٹھائی اور پھر لوٹائی۔ بھائیوں نے پوچھا۔ "محمد ﷺ! کیا ہوا؟" فرمایا، "مجھے اس بت سے دور رہنے کو کہا ہے۔"

(خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۶۴۔ ۱۶۵ (اردو)

آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعائے بارش:

ابن عساکر اپنی تاریخ میں جلہمہ بن عرفطہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں (جلہمہ) ایک دفعہ مکہ آیا۔ قحط کا دور دورہ تھا۔ لوگ مفلوک الحال اور بھوکے مر رہے تھے۔ قریش کے کچھ لوگ حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور دعا کی درخواست کی۔

حضرت ابو طالب نکلے اور ان کے ساتھ ایک لڑکا تھا جیسے سیاہ بادل ہٹ کر دھوپ نکلی ہو۔ ان کے گرد چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ ابو طالب نے اس روشن چہرے والے بچے کا ہاتھ پکڑا اور کعبہ کے ساتھ ٹیک لگائی اور ایک انگلی سے لڑکے کو چھوا اور اس کے وسیلے سے باران رحمت کی دعا کی۔ مطلع بالکل صاف تھا مگر فوراً ہی ہر طرف سے بادل گھر آئے اور جل تھل ایک ہو گئے۔ وادی پانی سے بھر گئی جس سے شہر اور گاؤں تر و تازہ ہو گئے۔

(خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۵۷ (اردو)

Marfat.com

یہودی فرار ہو گئے: ابو نعیم ابن عون سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن سعید نے بیان کیا کہ کچھ یہودی حضرت ابو طالب سے کچھ سامان کا سودا کرنے آئے۔ اتنے میں زیر کفالت دس بارہ سالہ محمد مصطفیٰ ﷺ آ گئے۔ یہودیوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بلا تاخیر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ابو طالب نے ان کے تعاقب میں ایک آدمی کو بھیجا کہ انہیں روک کر اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر بھاگ آنے کی وجہ دریافت کریں کہ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ تم بغیر کوئی وجہ بتائے بھاگ نکلے، یہودی بولے۔ "یہ تو اتنی عجیب بات نہیں البتہ اس سے زیادہ عجیب بات ہم نے یہ دیکھی ہے کہ ہم نے ان آنکھوں سے محمد ﷺ کو زمین پر چلتے دیکھا ہے۔"

(خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۵۸)

حضور ﷺ سے ابولہب کی دشمنی کی ابتداء: ابن عساکر ابو الزناد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابو طالب اور ابو لہب میں کشتی ہوئی۔ ابو لہب ان کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ حضور ﷺ سے نہ رہا گیا۔ آپ ﷺ نے ابو لہب کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹنا چاہا۔ وہ بولا۔ "میں بھی تو تیرا چچا ہوں۔ تم اس کی ہی کیوں مدد کرتے ہو؟" فرمایا، "وہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہیں۔" چنانچہ یہ واقعہ ابو لہب کو ہمیشہ کے لئے حضور ﷺ کا دشمن بنا گیا۔

(خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۵۸)

شام کا پہلا سفر

جب حضور علیہ السلام تیرہویں سال میں لگے اور بقول بعض ۱۲ سال دو ماہ اور دس دن کے ہو گئے تو حضرت ابو طالب نے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بغرض تجارت شام کے سفر کا ارادہ کیا۔ حضور علیہ السلام کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے ان کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور معصومانہ انداز میں ساتھ جانے کے لئے بضد ہوئے۔ رشتہ داروں نے بھی اس صغیر سنی میں اتنا طویل سفر نامناسب سمجھا چنانچہ ابو طالب متردد ہوئے۔ کچھ دیر بعد دیکھا کہ حضور تنہا ایک کونے میں رو رہے ہیں۔ آخر وہ آپ ﷺ کو ساتھ لے جانے پر راضی ہو گئے چنانچہ اہل قافلہ "کفریہ" کے مقام پر پہنچے جو شام کے شہر بصریٰ سے چھ میل دور ایک گاؤں تھا وہاں ایک صومعہ میں بحیریٰ نامی راہب رہتا تھا جس کا لقب جرجیس اور کنیت ابو مدرس تھی۔ یہ نصاریٰ کا بہت بڑا عالم اور زاہد بے مثل تھا اور آسمانی کتابوں کا زبردست عالم تھا۔ یہ صومعہ عیسائیوں کا تبلیغی اور دینی مرکز تھا دیگر یہودی اور عیسائی علماء کی طرح بحیریٰ نے بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں بہت سی بشارات اور علامات کتابوں میں پڑھ رکھی تھیں۔ اسی وجہ سے اہل کتاب کے باخبر حلقے ایک نبی آخر الزمان کے منتظر تھے۔

(بخاری کتاب ا باب ۲۶ ترمذی ابواب المناقب باب الدارمی مقدمہ باب الطبقات ابن سعد ۱/۸ صفحہ ۱۵۳، ۱۰۳ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۴ صفحہ ۱۰۴)

Marfat.com

قریش کے قافلے پہلے بھی گزرا کرتے مگر بحیریٰ نے کبھی ان کی طرف التفات نہ کیا تھا البتہ اس دفعہ خلاف معمول یہ قافلہ اس کی توجہ کا مرکز بن گیا کیونکہ اس نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام پر بادل سایہ فگن تھا۔ یہاں تک کہ جب قافلہ دن کے وقت ایک درخت کے نیچے فروکش ہوا تو بھی وہ بادل درخت پر سایہ فگن رہا اور درخت کی ٹہنیاں سرسبز و شاداب ہو کر آنحضرت ﷺ پر جھک گئیں۔ یہ حیرت انگیز بات دیکھی تو بحیریٰ نے اہل قافلہ کی دعوت کا بندوبست کیا اور ہر شخص کو اس میں شریک ہونے کی گزارش کی۔ ایک قریشی نے پوچھا کہ آج خصوصی کرم فرمائی کی وجہ کیا ہے تو بحیریٰ نے کہا کہ میں تمہاری عزت افزائی کے لئے ایسا کر رہا ہوں کیونکہ تم لوگ واقعی اس عزت و تکریم کے حق دار ہو چنانچہ سب لوگ کھانے میں شریک ہوئے لیکن آنحضرت ﷺ کو مال و اسباب کے پاس بچہ سمجھ کر چھوڑ آئے لیکن جب بحیریٰ نے ان لوگوں میں وہ بزرگی نہ پائی جس کا اسے ادراک اور احساس ہوا تھا تو تفتیش کی۔ پتہ چلا کہ صرف ایک نوعمر بچہ اسباب کے پاس رہ گیا ہے۔ باقی سب لوگ آگئے ہیں۔ اس نے کہا کہ اسے بھی ضرور لاؤ چنانچہ آپ ﷺ کو لایا گیا اور بادل بھی سایہ کناں آپ کے ساتھ چلا آیا۔ بحیریٰ حضور ﷺ کو بغور دیکھتا رہا اور علامات کی بناء پر آپ ﷺ کو پہچان لیا کہ یہ نبی آخرالزمان ﷺ ہیں۔ اطمینان کی خاطر اس نے آپ ﷺ کو لات و عزیٰ کی قسم دے کر سچ سچ کہنے کی تلقین کی۔ آپ ﷺ نے لات و عزیٰ سے بیزاری کا اظہار کیا تو اللہ کا واسطہ دے کر بہت سی باتیں دریافت کیں اور نیند کا حال بھی پوچھا۔ پھر دونوں آنکھوں کے درمیان کچھ دیکھا اور پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی اور ساری علامات کو پیشگوئیوں کے مطابق پا کر مہر نبوت کو بوسہ دیا۔ قریش نے دیکھا تو چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ جب ابوطالب نے بتایا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو بحیریٰ بولا' اس کا باپ زندہ نہیں ہونا چاہیے۔ پھر حضرت ابوطالب نے کہا کہ اس کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے والد فوت ہو گئے تھے اور چھ سال کے تھے کہ ماں بھی چل بسی۔ یہ سنا تو بحیریٰ نے ان کو مشورہ دیا کہ فوراً ان کو واپس لے جائیں مبادا یہودی بوجہ حسد ان کو گزند پہنچائیں کیونکہ یہ بچہ ایک دن بلند اقبال اور عظیم الشان انسان ہو گا چنانچہ ابوطالب آپ ﷺ کو واپس لے آئے اور پھر کبھی ساتھ نہ لے گئے۔

(ابن سعد ۱/۱ صفحہ ۹۹ تا ۱۰۱)

یہ روایت بعض لفظی اختلافات و تفصیلات کے ساتھ تاریخ و سیرت کی بنیادی کتب مثلاً طبریٰ' ابن اثیر' ابن ہشام' السہیلی' ابن خلدون' جامع ترمذی' مستدرک حاکم' میزان الاعتدال' زاد المعاد' اصابہ اور حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں موجود ہے۔ امام ترمذی کی روایت میں آیا ہے کہ بصریٰ سے واپسی کے وقت آپ ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ اور بلالؓ کے ساتھ واپس بھیجا۔ ابن قیم نے اس روایت کے صرف اتنے حصہ کو غلط کہا ہے اور باقی حصہ کو درست قرار دیا ہے۔ مسند بزاز کی روایت میں حضرت ابوبکرؓ اور بلالؓ کی جگہ "رجل" یعنی ایک آدمی آیا ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۴ صفحہ ۱۰۵ بحوالہ زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۱۷)

حافظ ابن حجر کے مطابق ترمذی کی روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔ البتہ کسی راوی کی غلطی سے

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ و بلالؓ کے نام اس روایت میں شامل ہو گئے ہیں حالانکہ وہ دوسری روایت کے الفاظ ہیں جس کی رو سے آپ ﷺ نے بیس برس کی عمر میں حضرت صدیق اکبر کے ساتھ شام کا تجارتی سفر کیا تھا۔ اس سفر میں بھی بحیریٰ سے ملاقات اور علامات و آثار نبوت کا ذکر آتا ہے۔

(اصابہ جلد ۱ صفحہ ۳۵۱)

مولانا شبلی مرحوم نے اس حدیث کو "مرسل" ہونے کی بناء پر ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے جبکہ حدیث کے اصولوں کے ماہر ترین محدث حافظ عراقیؒ نے "مراسیل صحابہ" کو صحیح مذہب کی رو سے "موصول" کے حکم میں شمار کیا ہے۔ سلمان منصور پوری مرحوم نے بھی اس روایت کو درست نہیں سمجھا اور دلیل یہ دی ہے کہ یہودی تو خود حضور کا نام لے کر فتح کے طلب گار ہوا کرتے تھے۔ بھلا وہ حضور کے دشمن کیسے ہو سکتے ہیں؟ جبکہ بحیریٰ نے ابو طالب کو یہودیوں کی دشمنی سے ڈرایا تھا لہٰذا یہ روایت ہی ناقابل اعتبار ہے حالانکہ قرآن میں اسی آیت میں آگے یہ بیان ہوا ہے کہ اب جبکہ ان کے پاس وہ نبی ﷺ آ بھی گیا اور انہوں نے اسے پہچان بھی لیا تو اب وہ اس کے منکر ہو بیٹھے۔

(رحمت للعالمین جلد ۱ صفحہ ۴۵ و سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۳۱)

یہ انکار اس حسد کی بنا پر تھا کہ اب نبوت بنی اسرائیل میں موقوف ہوئی اور بنو اسمٰعیل کو ملی۔

مولانا مودودی مرحوم کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں ترمذی، بیہقی (فی الدلائل) ابن عساکر، حاکم، ابو نعیم، ابوبکر الخرائطی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ اس موقع پر بحیریٰ نے حضور کا ہاتھ پکڑ کر کہا یہ سید العالمین ہیں، یہ سید المرسلین ہیں اور بہت جلد اللہ تعالیٰ ان کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ ترمذی کے مطابق قریشی سرداروں نے پوچھا کہ تمہیں کیسے پتہ چلا؟ تو بحیریٰ نے بتایا کہ جب تم سامنے سے آ رہے تھے تو پتھر اور اشجار ان ﷺ کو سجدہ کرتے تھے نیز میں آپ ﷺ کو مہر نبوت سے پہچانتا ہوں۔ نیز ان پر بادل کو سایہ کناں دیکھا۔

(سیرت سرور عالم جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ نیز معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)

جناب بحیریٰ کا حضور علیہ السلام کو یقین کے ساتھ پہچان لینا بعض بزرگوں کی نظر میں مشکوک معاملہ ہے حالانکہ قرآن کریم میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، وہ اس نبی ﷺ کو ایسے (یقین کے ساتھ) پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔" بقرہ ۱۴۶

لہٰذا ہمیں خواہ مخواہ اس معاملے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو کر قرآن سے انکار کا مرتکب نہ ہونا چاہئے۔ یہ شک و شبہ والا معاملہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ عیسائی مصنفین حضور ﷺ کی تعلیمات کو بحیریٰ سے اخذ کرنے کا الزام لگاتے ہیں لہٰذا ہمارے بعض بزرگوں نے روایات کو ضعیف کہہ کر واقعہ سے ہی انکار کرنے میں عافیت دیکھی۔ حالانکہ اہل کتاب کا حضور کو پہچان لینا اور وہ بھی ایسے یقین کے ساتھ جیسے کوئی اپنے بیٹے کو پہچان لیتا ہے۔ قرآن سے ثابت ہے لہٰذا اگر بحیریٰ نے حضور کو پہچان لیا تھا تو کون سی خلاف توقع بات تھی جبکہ احادیث و سیرت کی کتابیں بھی اس واقعہ کی گواہی دے رہی ہیں۔ روایات پر جرح و تنقید

Marfat.com

اپنی جگہ لیکن اس قدر قرآنی تائید کے باوجود سرے سے واقعہ کا ہی انکار کرنا درست نہیں۔

بحیریٰ راہب نے جس خدشہ کا اظہار کیا تھا اس کی تصدیق درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔

نقل ہے کہ سات رومی جن میں تین کاہن بھی تھے، انہی دنوں حضور علیہ السلام کو قتل کرنے کی نیت سے بحیریٰ راہب کے صومعہ کے قریب آکر ٹھہرے۔ کاہنوں کے نام ردیس، زریر اور شام تھے۔ ان کے حساب کتاب کے مطابق ان دنوں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ صومعہ کے قریب والے درخت کے نیچے قیام کرنے والے تھے جہاں قریش کا قافلہ ٹھہرا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ بحیریٰ ان کی مدد کرے۔ بحیریٰ نے کہا کہ میں اللہ کے ہونے والے آخری نبی کے قتل میں تمہارا معاون نہیں ہو سکتا اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس نبی ﷺ کی ضرور حفاظت کرنے پر قادر ہے۔ لہٰذا اس کی رضا کے خلاف دنیا کی کوئی طاقت محمد ﷺ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ لہٰذا اپنے ارادہ سے باز آؤ چنانچہ وہ لوگ تائب ہو گئے اور باقی عمر بحیریٰ کے ساتھ ان کی متابعت میں بسر کی کیونکہ واپسی کی صورت میں بادشاہ کی حکم عدولی کی پاداش میں انہیں اپنی جانوں کا خطرہ تھا۔

(سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۹۴، ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۶، معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۵۸-۱۵۹)

علامہ ذہبیؒ نے تجرید الصحابہ میں کہا کہ بحیریٰ راہب نے آپ ﷺ کو قبل از بعثت دیکھا ہے اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لایا ہے جبکہ علامہ زرقانی نے (زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ۱۹۵) حضرت ابو سعید سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر جب دوسری بار عازم شام ہوئے تو بحیریٰ نے اس وقت بھی آپ کی علامات اور مہر نبوت کو مزید غور سے دیکھا اور کہا:

اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد انک رسول اللہ النبی الامی الذی بشر بہ عیسی ابن مریم

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور وہی امی نبی ﷺ ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریم نے دی تھی۔" (کذا فی المواہب جلد ا صفحہ ۱۹۵)

چنانچہ ابن منذر اور حافظ ابو نعیم نے بحیریٰ کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ آیت **الذین اتینھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولئک یومنون بہ** کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل سفینہ کے حق میں نازل ہوئی جو حضرت جعفر بن ابو طالب کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور ایمان لائے) تھے۔ ان کی تعداد چالیس تھی بتیس اہل حبشہ اور آٹھ شام کے راہب اور بحیریٰ راہب بھی ان میں تھا۔

(تفسیر خازن جلد ا صفحہ ۸۵ نیز الذکر الحسین حصہ اول صفحہ ۱۶۲ از محمد شفیع اوکاڑویؒ)

Marfat.com

حروب الفجار

جو جنگیں حرام مہینوں میں وقوع پذیر ہوئیں انہیں فجار کا نام دیا گیا۔ ایسی جنگیں مختلف وقفوں سے چار دفعہ ہوئیں۔

(لسان العرب بذیل مادہ فجر)

جنگ فجار اول: قبائل کنانہ، عجز اور ہوازن کے درمیان ہوئی۔

جنگ فجار ثانی: قریش اور کنانہ کے درمیان ہوئی۔

جنگ فجار ثالث: کنانہ اور بنو نصر بن معاویہ کے درمیان ہوئی مگر اس میں کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی تھی۔

جنگ فجار رابع: یہ جنگ قریش اور تمام قبائل کنانہ اور ہوازن کے درمیان ہوئی اور صرف اسی میں رسول اکرم ﷺ بعمر ۱۵ سال شریک ہوئے تھے۔

سبب: شاہ حیرہ، نعمان بن منذر کا ایک قافلہ خوشبو اور ریشم وغیرہ لے کر حجاز پہنچا جس کا سالار عروۃ الرحال بن عتبہ بن جعفر بن کلاب کو بنایا گیا۔ اس نے ذمہ داری اٹھائی کہ وہ قافلہ کو بطور "کفو" بخیر و عافیت منزل تک پہنچائے گا۔ ایک اور شخص براض بن قیس بن رافع بن قیس الضمری بھی سالار بننے کا بشدت خواہش مند تھا چنانچہ اس نے موقع پا کر نجد کے بالائی علاقہ میں تیمن کے مقام پر عروہ کو قتل کر ڈالا اور خود اس قافلے کا سالار بن گیا۔ جب ذوالحجہ کے مہینے میں عکاظ کا میلہ لگا تو عروہ کے قتل کا چرچا ہو کر مخالفت پیدا ہو گئی جو ۵۸۵ء میں مستقل اور مسلسل جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔ ۵۸۶ء میں شمند کے میلہ پر جنگ ہوئی۔ ۵۸۷ء میں عکاظ کے قریب عبلا کے مقام پر جھڑپیں ہوئیں۔ ۵۸۸ء میں عکاظ کے میلے پر لڑائی ہوئی اور یہ سب لڑائیاں ذوالحجہ کے مہینے میں ہوئیں جس میں قریش کے لئے خصوصاً جنگ کرنا حرام تھا چنانچہ انہوں نے کہا **قد فجرنا** یعنی ہم نے ارتکاب گناہ کیا۔ اس وجہ سے اس سلسلہ جنگ کا نام حروب الفجار مشہور ہوا۔ اس جنگ میں معرکوں کے بارے میں تفصیلات نیز تقدیم و تاخیر میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم اس قدر طے ہے کہ جنگ کا نتیجہ قریش کے حق میں نکلا۔ بنیادی طور پر یہ جنگ بنو کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان شروع ہوئی تھی۔ قیس عیلان کے حلیف بنو ثقیف اور بنو ہوازن تھے اور عروہ بنو ہوازن میں سے تھا۔ دوسری طرف بنو کنانہ کے ساتھی قریش تھے اور براض بنو کنانہ میں سے تھا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۶-۱۸۷)

Marfat.com

چوتھی جنگ فجار: صرف اسی جنگ میں حضور علیہ السلام شریک ہوئے تھے۔ ابن ہشام کے مطا... آپ ﷺ کی عمر ۱۴-۱۵ سال تھی۔ عقد الفرید، اغانی اور جوہری کی صحاح مطابق یہ جنگ تین دفعہ پہلے بھی ہو چکی تھی۔ چوتھی جنگ میں حضور صرف اس حد تک شریک ہوئے کہ جو تیر مخالف سمت سے آتے اور خطا جاتے، آپ ﷺ ان تیروں کو اٹھا کر اپنے چچاؤں کو پکڑا جاتے۔ ابن خلدون کے مطابق آپ ﷺ کی عمر دس سال تھی۔ ابن اسحاق، ابن سعد، بلاذری اور طبـ... کے مطابق یہ جنگ ماہ شوال ۲۰ عام الفیل میں ہوئی اور اس طرح اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔

(تاریخ ابن خلدون جلد ا صفحہ ۱۳۶ (اردو ترجمہ)

اس جنگ میں بنو عبدالعزیٰ اور بنو عبد کی قیادت خویلد بن اسد (والد حضرت خدیجہؓ) نے عبدالدار کی ابو طلحہ عبداللہ نے، بنو عبدالسم کی عبداللہ بن عدی بن سعد بن سہم نے کی تھی۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۷)

آل ہاشم کے علمبردار زبیر بن عبدالمطلب تھے اور حضور علیہ السلام انہی کے ساتھ تھے۔ لڑائی ... قریش کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حضرت امیر معاویہؓ کا دادا حرب بن امیہ تھا۔ اس معرکے میں اول قیـ... غالب آئے بعد ازاں قریش کا پلا بھاری ہو گیا۔ آخر عتبہ بن ربیعہ نے جس کی عمر ابھی تیس سال سے بھی... تھی، صلح کا نعرہ بلند کر دیا اور فریقین میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ مقتولین کو شمار کیا جائے گا۔ قیس... مقتولوں کا خون بہا قریش ادا کریں گے جبکہ قریش کے مقتولوں کا خون بہا ادا نہ کیا جائے گا۔ ان معرکوں میـ... قتل ہونے والوں میں حضرت خدیجہؓ کے بھائی اور حضرت زبیرؓ کے والد، العوام بن خویلد اور کلدہ... جدعان کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس جنگ میں ایک طرف قریش کے سردار عبداللہ بن جدعان، ہشام بن مغیرہ، حرب بن امیہ، ابو احیحہ سـ... بن عاص، عتبہ بن ربیعہ عاص بن وائل، معمر بن حبیب جمحی، عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف... عبدالدار تھے۔ دوسری جانب قیس بن عیلان کے ساتھیوں میں ابو براء عامر بن مالک بن جعفر، سبیع، ربیعہ... معاویہ نصری درید بن صمہ، مسعود بن معتب، ابو عروہ بن مسعود، عوف بن ابی حارثہ مری، عباس بن ر... سلمی اپنے قبائل کے سردار تھے۔ (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱۸۲ طبع پنجم " الثعالبی لطائف المعارف صـ... ۶۷ " جمہرہ انساب العرب صفحہ ۱۳۶)

زمانہ جاہلیت میں اوس اور خزرج کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں بھی ایک یوم الفجار اول اور دوسری یوم الفجار ثانی کے نام سے مشہور تھی۔

(تاریخ العرب قبل الاسلام از جواد علی جلد ۴ صفحہ ۳۵۴)

یمن کا سفر: ۱۷ میلاد النبی ﷺ میں زبیر بن عبدالمطلب (اور ایک قول کے مطابق عباس بن عبدالمطلب) نے یمن کی طرف سفر کا ارادہ کیا اور حضرت ابو طالب سے درخواست کی کہ برکت کے لئے وہ حضور علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیجیں چنانچہ آپ کو بھیج دیا گیا اور اثنائے راہ میں بہت سی اہم باتیں حضور کے بارے میں مشاہدہ میں آئیں۔

Marfat.com

(معارج النبوۃ (اردو) جلد ۲ صفحہ ۱۶۵)

اسی سال ہرمز بن نوشیرواں کو معزول کر کے اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور آپ ﷺ کی ولادت کے انیسویں سال ہرمز کو قتل کر دیا گیا اور اسی سال لوگوں نے ہرمز کے بیٹے خسرو پرویز (پرویز بمعنی فتح مند) کو تخت پر بٹھایا۔ اسی سال اور بقول بعض ولادت کے بیسویں سال حضرت ابو بکر صدیقؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شام کے سفر کے ارادہ سے نکلے اور جب بصریٰ پہنچے تو بحیریٰ کے صومعہ کے قریب بیری کے درخت کے نیچے آنحضرت ﷺ نے نزول فرمایا جبکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کھانا لانے کے لئے صومعہ میں گئے۔ وہاں بحیریٰ نے آپ سے پوچھا کہ اس درخت کے نیچے کون اترا ہے؟ بتایا "محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب" بحیریٰ نے کہا۔ خدا کی قسم وہ ضرور پیغمبر ہیں اور ختم المرسلین ہیں کیونکہ میں نے سنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس درخت کے نیچے پیغمبر آخر الزمان کے سوا کوئی نہ بیٹھے گا چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دل میں اسی دن سے عظمت مصطفیٰ گھر کر گئی۔

(معارج النبوۃ (اردو) جلد ۲ صفحہ ۱۶۵۔۱۶۶)

۲۰ میلاد النبی ﷺ: اس سال آپ ﷺ کو بعض اوقات فرشتے نظر آتے جو ایک دوسرے سے حضور ﷺ کے بارے میں آپ ﷺ کو سنا سنا کر باتیں کرتے۔ ایک روز آپ ﷺ نے حضرت ابو طالب کو بتایا کہ چند راتیں پہلے تین آدمی میرے پاس آئے، مجھے غور سے دیکھتے رہے اور کہا کہ یہ وہی ہے لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ دوسری بار آپ ﷺ نے ان کو بتایا کہ وہی آدمی دوبارہ آئے۔ ایک نے مجھ پر حملہ کر دیا اور میرے پیٹ میں اپنا ہاتھ ڈال دیا جس سے ایک گونہ خوشی اور راحت محسوس ہوئی۔

(معارج النبوۃ (اردو) جلد ۲ صفحہ ۱۶۶)

حلف الفضول یا حلف الفضول: کوئی چار ہزار سال پہلے قبیلہ بنو جرہم، جن کے ہاں حضرت اسمٰعیلؑ کی شادی ہوئی تھی، کے تین سرداروں، الفضل بن وداعہ (متفقہ) الفضل بن قضاعہ (یا الفضل بن فضالہ) اور الفضیل بن الحارث (یا الفضیل بن شراعہ) نے قسمیں کھا کر اقرار کیا تھا کہ وہ کسی کمزور اور بے بس پر ظلم نہ ہونے دیں گے اور مظلوم کی حمایت اپنے کنبوں سمیت اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک ظالم سے اسے اس کا حق نہ دلا دیں۔

(السہیلی جلد ۱ صفحہ ۹۱)

اور ضعیف کو قوی سے اور اجنبی کو مقامی ظالم سے اس کا حق دلا کر دم لیں گے۔

(لسان العرب بذیل مادہ فضل و حلف)

حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ 2015 ق م خیال کیا جاتا ہے۔ ۸۶ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے بیٹے اسمٰعیلؑ سے نوازا۔ آپ ان کو اور آپ کی والدہ ہاجرہ بی بی کو بحکم خداوندی (قرآن ۱۴:۳۷) مکہ معظمہ کے قریب بسا کر چلے گئے۔ جہاں زمزم کا کنواں معجزانہ طور پر حضرت ہاجرہ کو عطا ہوا اور ان کی اجازت سے

Marfat.com

قبیلہ جرہم وہاں بس گیا۔ یہ تینوں سردار اسی قبیلہ سے متعلق تھے جنہوں نے پہلا حلف الفضول قائم کیا اور اسے نبھایا۔

دوسرا واقعہ سن ہجری سے کوئی ۴۳ سال پہلے کا ہے۔ جب مکہ معظمہ میں جاہلیت کا دور دورہ تھا اور باہمی خانہ جنگی برسوں سے معمول بن چکی تھی۔ سارے قبائل حتیٰ کہ اشراف قریش بھی دو دھڑوں میں بٹ گئے تھے۔ (۱) "مطیبین" جس میں بنی عبد مناف، بنی اسد، بنی زہرہ، بنی تیم، بنی الحارث اور بنی فہر اور (۲) "احلاف" جس میں بنی عبد الدار، بنی سہم، بنی جمع بنی مخزوم اور بنی عدی شامل تھے۔

معاہدہ کی وجہ: چوتھی حرب الفجار سے فراغت کے ایک ماہ بعد اتفاقاً یمن کے قبیلہ زبید کا ایک شخص بغرض عمرہ مکہ معظمہ حاضر ہوا اس کے ساتھ حسب رواج کچھ مال تجارت بھی تھا۔ یہ مال وغیرہ اس سے ایک شخص عاص بن وائل سہمی (اور بروایت ابی بن ثابت در کتاب المنمق حذیفہ بن قیس سہمی) نے خرید لیا مگر رقم ادا کرنے میں غیر معمولی تاخیر اور لیت و لعل سے کام لیا۔ تاجر مذکور دادرسی کے لئے "احلاف" کے سرداروں سے ملا مگر انہوں نے الٹا اسے ڈانٹا اور بھگا دیا۔ اگلے دن وہ تاجر جبل ابو قیس پر چڑھ کر بلند آواز میں طنزیہ شعروں کے ذریعے دہائی دینے لگا جسے سن کر "احلاف" تو چپ رہے مگر مطیبین کو بڑا دکھ ہوا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب نے معمر اور مالدار ترین بزرگ سردار عبد اللہ بن جدعان التیمی سے ملاقات کر کے طے کیا کہ وہ اپنے مکان پر ضیافت کا اہتمام کرے جس میں اس ظلم کا سد باب اور تلافی کی جائے چنانچہ حلف الفضول کی طرز پر ایک تنظیم کا وجود عمل میں آیا جس میں بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو زہرہ، بنو تیم اور بنو الحارث بن فہر یا بنو اسد بن عبد العزیٰ شامل تھے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸ صفحہ ۵۱۳)

اس تنظیم میں بنو ہاشم میں سے زبیر بن عبد المطلب کے علاوہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعمر ۲۰ سال (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۲۸) یا ۲۵ سال (کتاب المنمق اور ابن ہشام صفحہ ۱۲۱) پوری گرمجوشی سے شریک ہوئے تھے اور ضیافت کے شرکاء کو حجر اسود اور رکن یمانی کا دھوون (جو آب زمزم تھا) پلا کر حلف لیا گیا۔

اس حلف کی اہم شقیں کچھ یوں تھیں:

۱۔ خدا کی قسم ہم مکہ معظمہ میں کسی پر ظلم برداشت نہ کریں گے بلکہ مظلوم کی تائید و حمایت میں متفقہ قدم اٹھائیں گے، چاہے ظلم کرنے والا شریف ہو یا وضیع، اپنا ہو یا اجنبی اور حق دار کو اس کا حق دلا کر دم لیں گے۔

۲۔ ہم اس معاہدے کی خلاف ورزی نہ کریں گے جب تک سمندر اسفنج کو بھگوتا رہے اور جبل حرا و ثبیر اپنی جگہ قائم رہیں۔

۳۔ زندگی میں ایک دوسرے کی مالی اعانت (التاسی فی المعاش) کریں گے۔

اس حلف کی ایک خامی یہ تھی کہ اس میں نئے لوگ شامل نہ ہو سکتے تھے چنانچہ "احلاف" میں سے

Marfat.com

عتبہ بن ربیعہ (ابو سفیانؓ کے خسر اور مائی ہندؓ کے والد) کو اس حلف پر بڑا رشک آتا مگر وہ اس میں شامل نہ ہو سکتا تھا چنانچہ وہ کہا کرتا تھا۔ "اگر کسی حلف میں شرکت کے لئے اپنے خاندان اور نسب سے دستبردار ہو سکتا تو میں بنو عبد شمس سے نکل کر حلف الفضول میں شرکت کرتا۔"

(کتاب المنمق صفحہ ۵۳ الاغانی جلد ۱۶ صفحہ ۷۰)

چند مثالیں: ابی بن خلف الجمی نے ایک ثمالی سے سامان خرید کر بد عہدی کی تو حلف الفضول کی دہائی نے اسے حق دلایا۔ نبیہ بن حجاج سہمی ایک خثعمی مسافر کی لڑکی کو چھین کر گھر لے گیا اور حلف الفضول کی برکت سے اسے اس کا حق ملا۔ ابو جہل نے ایک اراشی سے سامان خرید کر رقم دینے سے انکار کر دیا۔ اس شخص نے واویلا کیا تو مذاقاً کسی نے حضور علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا (جبکہ بعد از بعثت آپ کی مخالفت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی) کہ یہی شخص تمہیں تمہارا حق دلا سکتا ہے چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ ابو جہل کے گھر گئے اور اس کا حق دلا کر دم لیا۔ جب ولید بن عتبہ (امیر معاویہؓ کا بھتیجا اور مدینہ کا گورنر) نے امام حسینؓ سے بدسلوکی کی تو حلف الفضول کی دہائی نے فوری انصاف مہیا کیا وغیرہ۔

احابیش: احابیش تین بڑے قبائل کے دوستانہ معاہدہ کے شرکاء تھے جو مکہ کے زیریں علاقے میں احبش نامی وادی میں رہتے تھے۔ ان میں بنو الحارث بن عبد مناۃ بن کنانہ، بنی الھون بن خزیمہ بن مدرکہ (عضل، قارہ اور دلش کے قبیلے) اور بنو مصطلق شامل تھے۔

حلف الفضول کی حدود مکہ معظمہ کے علاوہ احابیش قبائل کے علاقوں تک وسیع اور موثر تھیں بعض مخالفین معاہدہ اسے مذاقاً فضول قرار دیتے تھے اور یہی اس کی وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے جبکہ واقدی نے کہا کہ جرہمی دور کے معاہدہ (جس کے بانی فضل، فضیل نامی لوگ تھے) کے نام پر اس کا نام حلف الفضول رکھا گیا تھا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام حلف الفضول کو اور مضبوط کرتا ہے اور اگر کوئی مجھے آج بھی اس کے لئے پکارے تو میں دوڑ کر جاؤں۔

حلف الفضول کا خاتمہ: اس معاہدہ میں نئے لوگ شامل نہ ہو سکتے تھے چنانچہ بنو امیہ کی خلافت کے دور میں اس کا آخری شریک جب فوت ہو گیا تو یہ معاہدہ بھی ستر اسی سالہ انصاف پرورانہ عمر پا کر ختم ہو گیا۔

(استفادہ از سیرۃ النبی ﷺ رحمتہ للعالمین سیرت سرور عالم (از مودودی) سیرت رسول عربی و اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸ صفحہ ۵۱۲ تا ۵۱۵)

شام کا دوسرا سفر

جب آنحضرت ﷺ کی عمر پچیس سال کی ہوئی تو آپ ﷺ کے صدق و امانت کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا تھا اور زبان خلق نے آپ کو صادق اور امین کا لقب دے دیا تھا۔ قریش اور ان کے آباؤ اجداد (بنی اسمٰعیل) صدیوں سے تجارت پیشہ تھے۔ خود حضرت ابو طالب بھی تاجر تھے جن کے ساتھ حضور

Marfat.com

علیہ السلام سفر تجارت کر چکے تھے۔ جب آپ ﷺ جوان ہوئے تو آپ کو بھی تجارت ہی بھلی لگی۔ راست گو اور ایماندار تاجر کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

خدیجہ الکبریٰ: حضرت خدیجہؓ مکہ کی نہایت معزز اور مالدار خاتون تھیں۔ آپ دو دفعہ بیوہ ہونے کے بعد تجربہ کار کارندوں کے ذریعے تجارت کرتی تھیں۔ آپ کو نیک نامی اور پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے طاہرہ اور سیدۃ النساء قریش کہہ کر پکارا جاتا۔ حضور علیہ السلام کی دیانت اور امانت کا شہرہ سنا تو آپ کے ذریعے تجارت کا خیال پیدا ہوا۔ ادھر حضرت ابو طالب اور حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کے روزگار کے بارے میں غور کیا اور سوچا کہ اگر آپ ﷺ بی بی خدیجہؓ کا مال بغرض تجارت لے جائیں تو مناسب ہوگا۔

آغاز سفر: چنانچہ بات چیت کے بعد آپ ﷺ مال تجارت لے کر قافلے کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ آپ کی مدد کے لئے حضرت خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ کو ساتھ کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق اپنے ایک رشتہ دار خزیمہ بن حکیم سلمٰی کو بھی ساتھ بھیجا۔ خزیمہ کو حضور ﷺ سے بہت محبت تھی۔ راستے میں میسرہ اور خزیمہ نے حضور کی شان و عظمت کے کئی واقعات ملاحظہ کئے۔ نقل ہے کہ میسرہ نے ایک موقع پر اونٹوں کی درماندگی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اونٹوں کے مونہوں پر ہاتھ پھیرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی ان کے اونٹ سب سے آگے نکل کر چلنے لگے۔

نسطورا راہب: بصریٰ پہنچ کر نسطورا نامی راہب کے کلیسا کے قریب اترے۔ وہاں ایک درخت کے نیچے حضور نے نزول فرمایا۔ نسطورا راہب نے دیکھا تو میسرہ سے پوچھا کہ اس درخت کے نیچے کون اترا ہے؟ جواب ملا کہ قبیلہ قریش کا ایک جوان! تو راہب بولا **ما نزل تحت هذه الشجرة الا نبي** یعنی اس کے نیچے نبیؐ کے سوا کبھی کوئی شخص نہیں اترا۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس جوان کی آنکھوں میں سرخی ہے؟ "ہاں!" میں جواب پاکر کہنے لگا۔ "یہ تو خاتم الانبیاء ﷺ ہے۔"

(سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۹۹۔ ۲۰۰ زرقانی علی المواہب جلد ۱ صفحہ ۱۹۸ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۵۶)

علامہ زرقانی نقل فرماتے ہیں:

ان الراهب دنا اليه صلى الله عليه وسلم و قبل راسه وقدميه وقال امنت بك وانا اشهد انك الذي ذكر الله في التوراة فلما راى الخاتم قبله وقال انك رسول الله النبي الامي الذي بشربك عيسى فانه قال لا ينزل بعدى تحت هذه الشجرة الا النبي الامي الهاشمي العربي المكي صاحب الحوض والشفاعة ولواء الحمد

Marfat.com

"راہب آپ ﷺ کے قریب گیا اور آپ کا سر چوما اور قدموں کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں آپ ﷺ پر ایمان لاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ وہی (نبی ﷺ) ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا۔ پھر اس نے آپ کی مہر نبوت کو دیکھا تو اسے بوسہ دیا اور کہا کہ آپ اللہ کے رسول اور وہی امی نبی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور کہا تھا کہ میرے بعد اس درخت کے نیچے بس ایک وہی امی نبی ہاشمی، عربی، مکی اترے گا جو صاحب حوض کوثر، صاحب شفاعت اور صاحب لواالحمد ہو گا۔" (زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ۱۹۸)

ابوجہل کی دشمنی کا آغاز: جب یہ قافلہ مکہ معظمہ سے روانہ ہونے کو تھا تو اس وقت قافلے کی سرداری کا سوال اٹھا۔ بنی مخزوم نے عمر بن ہشام (ابوجہل) کا نام دیا۔ بنو عدی نے مطعم کا بنو نضر نے نضر بن حارث کا بنی زہرہ نے اجنحہ بن جلاح کا بنی نوی نے ابوسفیان کا اور عمرو اور بنی ہاشم نے محمد ﷺ بن عبداللہ کو سالار قافلہ بنانے کی تجویز دی۔ ابوجہل بنو ہاشم کی تجویز پر تلملا کر بولا کہ تم ایک نوجوان چھوکرے کو جو غیر کفو ہے، سالار بنانا چاہتے ہو۔ باز آ جاؤ ورنہ میں خودکشی کر لوں گا۔ حضرت حمزہ شمشیر بدست طیش میں آ کر بولے۔ "کیوں نہ میں تمہارے دست و پا کاٹ کے رکھ دوں؟"

حضور ﷺ نے بات بڑھتی دیکھی تو فرمایا۔ "چچا جان! سفر کا آغاز لڑائی سے نہ کریں۔ عمر بن ہشام سے کہیں کہ وہ کوچ کرے۔ ہم پیچھے چلیں گے اور اس طرح بھی سالار قریش ہی کا ہو گا۔"

بہرحال قافلہ ابوجہل کی سرکردگی میں رخصت ہو کر منزل مقصود پر جا پہنچا۔ پہنچتے ہی ابوجہل نے اپنے پسندیدہ لوگوں کا مال فروخت کے لئے کھول دیا چنانچہ ان کا مال ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ اتنے میں بصریٰ کے نواحی علاقوں میں تجارتی قافلہ کے آنے کی خبر پھیل گئی اور لوگ خریداری کے لئے دور دور سے آنے لگے۔ اب جو مال موجود تھا وہ زیادہ تر وہ تھا جس کو لے کر حضور علیہ السلام گئے تھے۔ گاہک زیادہ تھے اس لئے مال بڑھتے داموں فروخت ہونے لگا۔ روایات میں ہے کہ حضرت خدیجہ کا مال پورے قافلے میں نصف کے برابر ہوتا تھا۔

ابوجہل نے یہ چال اس لئے چلی تھی کہ پہلے پہلے ہمارا مال نکل جائے گا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آخر میں سستے داموں مال بیچنے پر مجبور ہوں گے کیونکہ سابقہ تجربات شاید اسی قسم کے ہوں گے لیکن یہاں الٹ معاملہ ہو گیا۔ "بازار مصطفیٰ خریدار خدا" کے مصداق خریداروں کا جمگھٹ لگ گیا اور محمد ﷺ کا مال اونے پونے کی بجائے دگنے داموں بکا۔ پھر واپسی پر بھی آپ ﷺ نے کافی مال خرید لیا جو مکہ معظمہ میں بہت اچھے دام دے گیا۔ اس طرح اس سفر میں اللہ کے فضل و کرم سے بہت ہی زیادہ منافع ہوا۔ پھر آپ ﷺ کا لین دین ایسا کھرا کہ پائی پائی کا حساب چکتا کیا۔ صداقت و امانت کا شہرہ پہلے ہی تھا اب یمن و سعادت اور نفع و برکت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا چنانچہ حضرت خدیجہ آپ سے بہت متاثر ہوئیں اور آپ کو طے کردہ معاوضہ سے دگنا پیش کیا۔

(خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۲۴۹ بحوالہ ابن اسحاق)

Marfat.com

نیز تحفہ کے طور پر بھی بہت کچھ پیش کیا۔

(السہیلی روض الانف جلد ا صفحہ ۱۴۳)

شان محمد ﷺ کی گواہی:

واپس آکر میسرہ نے بی بی خدیجہ ؓ کو نسطورا راہب والا واقعہ سنایا نیز بتلایا کہ سخت گرمی میں آپ پر فرشتے یا بادل سایہ کناں رہتے تھے۔

میسرہ نے یہ بھی بتایا کہ خرید و فروخت کے دوران ایک شخص آپ ﷺ کے ساتھ جھگڑنے لگا اور بولا۔ "لات و عزیٰ کی قسم کھایئے۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میں نے کبھی لات و عزیٰ کی قسم نہیں کھائی اور اگر کبھی ادھر سے گزرنا پڑ بھی جائے تو کنارا کشی کر کے گزر جاتا ہوں۔" یہ سن کر وہ شخص بولا کہ آپ ﷺ سچ کہتے ہیں۔ میسرہ نے بتایا کہ پھر اس شخص نے مجھے علیحدگی میں بتایا۔ "واللہ یہ نبی ہیں۔ ان کی صفات ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔"

(خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۷۰ بحوالہ ابن سعد اور ابن عساکر بروایت نفیسہ بنت یعلی بن منبہ کی بہن)

حضرت خدیجہ ؓ نے باتیں سنیں تو ان کا یقین مزید پختہ ہو گیا کیونکہ ایک خواب کی تعبیر کے طور پر انہیں کسی عالم نے کچھ عرصہ پہلے بتایا تھا کہ وہ نبی آخر الزمان کی بیوی بننے کا شرف پائیں گی۔

سعید بن جبیر ؓ اور ابن عباس ؓ سے ابن سعد نے روایت کی کہ رجب کے مہینے میں مکہ کی چند عورتیں جشن کے دن خوشی منا رہی تھیں۔ ان میں حضرت خدیجہ ؓ بھی شامل تھیں۔ یہ سب عورتیں ایک بت کے قریب کھڑی تھیں۔ ان میں کسی مسئلہ پر اختلاف ہو گیا۔ یکایک ایک انسانی ہیولا نظر آیا اور قریب آکر با آواز بلند اس نے کہا:

"تیما کی عورتو! تمہارے شہر میں ایک نبی ہو گا جس کا نام احمد ہو گا اور وہ اللہ کا رسول ہو گا جس عورت کو توفیق ملے وہ اس کی زوجیت اختیار کرے۔"

یہ سن کر عورتیں اسے کنکریاں مارنے لگیں اور لعن طعن کیا جبکہ حضرت خدیجہ نے چشم پوشی اور اعراض سے کام لیا۔

(خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۷۱-۱۷۰ (اردو)

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ کسی اہل کتاب نے حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے حضرت خدیجہ کو بتلایا تھا کہ یہ اس امت کا نبی ﷺ جا رہا ہے چنانچہ شان محمد ﷺ کی یہ شہادتیں اور اسی طرح کی بشارتیں تھیں جن کو جان کر حضرت خدیجہ کو حضور علیہ السلام کی خدمت کا شوق پیدا ہوا جس کی بہترین شکل آپ ﷺ کے ساتھ شادی ہی تھی۔

حضرت خدیجہ ؓ سے شادی:

آپ واقعہ فیل سے پندرہ برس پہلے پیدا ہوئیں۔ باپ کا نام خویلد بن اسد تھا۔ وہ جنگ فجار سے قبل وفات پا گئے تھے۔

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۸۸ بحوالہ سہیلی)

البتہ آپ کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے۔ حضرت خدیجہ کی طرف سے نکاح کا پیغام بذریعہ اپنی بہن

Marfat.com

یا بقول بعض اپنی کنیز نفیسہ کے ذریعے بھیجا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے پاس نکاح کے اخراجات کے لئے رقم وغیرہ نہیں ہے۔ جب آپ کو بتایا گیا کہ مصارف سے آپ بے فکر رہیں تو فرمایا کہ ایسی خاتون کون ہے؟ عرض کیا۔ "خدیجہ طاہرہ!" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "مجھے منظور ہے۔" جب حضرت خدیجہؓ کو آپ کی منظوری کی اطلاع ملی تو آپ نے وقت اور مقام کا تعین کر کے اپنے چچاؤں کے ہمراہ آپ کو نکاح کے لئے دعوت دے دی اور ادھر اپنے چچا عمرو بن اسد کو بطور ولی بلالیا چنانچہ حضرت ابوطالب، حضرت حمزہ وغیرہ کے ساتھ حضور تشریف لے گئے۔ نکاح کے بعد حضرت ابوطالب نے خطبہ پڑھا۔ اس کے بعد عمرو بن اسدؓ نے بھی خطبہ پڑھا۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی اس نکاح میں شریک تھے۔ مہر کی مالیت ۵۰۰ درہم طلائی یا ساڑھے بارہ اوقیہ سونا مقرر ہوئی۔ دوسری روایت کے مطابق مہر کی مالیت بیس اونٹنیاں مقرر ہوئی۔ حضور علیہ السلام کی طرف سے دو اونٹنیاں ذبح کر کے دعوت ولیمہ کی گئی۔ سیدہ خدیجہؓ کی کنیزوں نے دف بجاکر اور معروف طریقے سے خوشی منا کر اظہار مسرت کیا۔ حضرت ابوطالبؑ اس نکاح پر بہت خوش ہوئے۔ یہ نکاح حضور کی شام سے واپسی کے تین ماہ بعد منعقد ہوا۔ اس وقت حضور کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہ کی چالیس برس تھی۔ اس کے علاوہ عمر کے بارے میں جو روایات ہیں، وہ ناقابل اعتبار قرار دی گئی ہیں۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸ صفحہ ۸۵۹ تا ۸۶۳، محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری صفحہ ۶۳ تا ۶۶ مطبوعہ تاج کمپنی، کراچی (اردو)، الوفا باحوال مصطفیٰ ابن جوزی جلد ا صفحہ ۱۴۵)

حضور علیہ السلام نے حضرت خدیجہ کی موجودگی میں دوسری شادی نہ فرمائی۔ تقریباً ۲۴ سال کی رفاقت کا زمانہ بڑے اطمینان اور باہمی محبت سے گزرا۔ حضور علیہ السلام کی ساری اولاد سوائے ابراہیم کے جو ماریہؓ قبطیہ کے بطن سے تھے، حضرت خدیجہ سے ہوئی۔ صرف حضرت فاطمہؓ سے حضور کی نسل چلی۔ باقی صاحبزادیاں اور صاحبزادے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی تفصیل کہیں اور آئے گی۔

تعمیر کعبہ: علامہ ازرقی تاریخ مکہ میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام دی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی جس میں جبل لبنان، جبل طور سینا، جبل طور زیتا، جبل جودی اور جبل حرا کے پتھر استعمال کئے گئے چنانچہ بنیادوں میں جبل حرا کے پتھر لگائے اور باقی تعمیر دوسرے پتھروں سے کی گئی۔ تیسری تعمیر آدم علیہ السلام کے بیٹے شیث علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر کی جو حضرت آدمؑ نے اٹھائی تھیں۔ کعبہ کو چوتھی بار حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا جبکہ پانچویں بار اس کی تعمیر و مرمت بنو عمالقہ میں سے ایک شخص نے انجام دی۔ چھٹی بار تعمیر کعبہ کا کام بنو جرہم نے انجام دیا۔ ساتویں بار جناب قصی بن کلاب نے کعبہ کو تعمیر کیا۔ آپ نے گوگل کی لکڑی کے شہتیر ڈال کر کھجور کے پتوں کی چھت ڈالی تھی جو بالآخر گر گئی اور کعبہ غیر مسقف ہو گیا۔ آٹھویں بار تعمیر کعبہ قریش نے انجام دی جب کہ حضور علیہ السلام کی عمر ۳۵ سال تھی جس کا تفصیلی ذکر کیا جاتا ہے۔ کعبہ شریف نشیبی جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے سیلاب سے دیواروں کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ قبل ازیں بخور

Marfat.com

جلاتے وقت کعبے کے پردے جل گئے تھے۔ اس طرح عمارت کمزور ہو گئی تھی۔ ان دنوں کعبہ پر چھت بھی نہ تھی، چار دیواری سی تھی جس کے اندر تہ خانہ تھا جس میں چڑھاوے کی چیزیں رکھی رہتیں۔ اتفاق سے انہی دنوں کسی نے چڑھاوے کی قیمتی چیزیں جن میں سونے کا ایک ہرن بھی تھا چرالیں۔ یہ ہرن موتیوں اور جواہرات سے مرصع تھا اس کی تہمت عامر بن حارث، ابوہارب بن عزیز اور ابولہب بن عبدالمطلب پر لگی مگر چوری کا مال دویک نامی شخص سے برآمد ہوا جو ملیح بن عمرو خزاعی کا غلام تھا چنانچہ تعزیراً اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔

(زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ۲۰۳)

حسن اتفاق سے انہی دنوں ایک رومی تاجر کا جہاز ساحل سمندر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ یہ جہاز مصر سے آرہا تھا۔ جب شعیبہ (جدہ) پہنچا تو یہ حادثہ ہوا جس میں سوار بہت سے لوگ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ تباہ شدہ جہاز کے بچنے والے سامان میں لکڑی کے کچھ تختے بھی تھے۔ اہل مکہ کو خبر لگی تو بچا کھچا سامان انہوں نے خرید لیا۔ ولید بن مغیرہ کو لکڑی کے تختے خریدنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے یہ تختے خرید لئے اور باقوم نامی کاریگر کو بھی (زندہ بچ رہنے والے لوگوں میں سے) اپنے ساتھ لے آئے جو معمار بھی تھا اور بڑھئی بھی۔

(طبقات ابن سعد صفحہ ۱۴۵، ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۹، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ صفحہ ۲۷)

تعمیری مقاصد کے لئے قریش نے حلال کی کمائی سے چندہ جمع کیا کیونکہ حضور علیہ السلام کے والد گرامی حضرت عبداللہ کے ماموں ابو وہب نے اعلان کر کے کہا تھا کہ ہر شخص صرف حلال کی کمائی سے ہی تعمیر میں حصہ لے۔

کعبہ کی مسماری: اب پرانی دیواروں کو ڈھانا مذاق نہ تھا۔ ہر کوئی ڈرتا تھا کہ کہیں اللہ کی رضا کے خلاف کچھ صادر نہ ہونے پائے۔ کعبہ کے تہ خانے میں ایک بڑا سانپ بھی رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ باہر نکل کر دیواروں پر پھرنے لگا۔ اتفاق سے ایک بڑا پرندہ اسے اچک کر چلتا بنا۔ قریش کا کچھ خوف دور ہوا اور انہوں نے اس سے یہ شگون لیا کہ اللہ تعالیٰ کعبہ کی تعمیر نو سے راضی ہے کیونکہ اس سانپ کے خوف سے بھی مسماری کا کام رکا ہوا تھا۔

(سیرت ابن ہشام جلد اول)

بقول ابن ہشام عاید بن عمران بن مخزوم نے کعبہ کی دیوار سے ایک پتھر اکھاڑا۔ وہ پتھر اس کے ہاتھ سے اچھل کر اپنی اصل جگہ پر جا نصب ہوا۔ اس نے قریش کو مخاطب کر کے کہا۔ ہر کوئی اپنا حلال کا مال ہی کعبہ کے لئے دے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ ولید بن مغیرہ نے کہے۔ ابن اسحاق، عبداللہ بن ابی نجیح مکی سے روایت کرتے ہیں کہ یہ پتھر ابو وہب بن عمرو (جو رسول خدا کے والد کے ماموں تھے اور نہایت

Marfat.com

قبائل قریش نے کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے عمارت کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا مگر پہل کرنے کو کوئی تیار نہ تھا۔ آخر ولید بن مغیرہ نے ہمت کی۔ وہ کعبہ کے اوپر گیا اور دعا کی اور اپنے خلوص نیت کا اظہار کیا اور پھر دونوں رکنوں کی طرف سے کعبہ کو گرانا شروع کیا۔ باقی قبائل تماشا کرتے رہے اور رات گزرنے کے منتظر رہے کہ دیکھیں مغیرہ کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ صبح کو جب انہوں نے مغیرہ کو بخیر و عافیت پایا تو انہدام کا کام شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اساس ابراہیمی تک پہنچ گئے۔ وہاں ان کو چند سبز پتھر نظر آئے جو باہم پیوستہ کئے گئے تھے۔ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ جب ان میں سے دو پتھروں کو کدال کے ذریعے اڑیس دے کر نکالنا چاہا تو اس کے صدمہ سے سارا شہر مکہ متزلزل ہو گیا چنانچہ قریش نے بنیادوں کو مزید کھودنا موقوف کر دیا۔

ایک کتاب ملی: ابن اسحاق نے یہ بھی لکھا ہے کہ قریش کو کھدائی کے دوران رکن کے پاس سے ایک کتاب ملی جو سریانی خط میں تھی۔ ایک یہودی نے اسے پڑھ کر بتایا کہ لکھا ہے:

"میں خدا ہوں، مکہ میرا ہے۔ میں نے اسے اس روز پیدا کیا جس دن زمین و آسمان اور چاند سورج بنائے اور ہمیشہ کے لئے اس پر سات فرشتوں کو متعین کیا کہ وہ اس پر سایہ فگن رہیں اور یہ زائل نہ ہو گا۔ جب تک کہ اس کے دونوں طرف پہاڑ قائم ہیں۔ یہ اپنے اہالیان کے لئے پانی اور دودھ میں باعث برکت ہے۔" (سیرت ابن ہشام جلد اول)

ایک اور تحریر: ابن اسحاق نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ مقام ابراہیم کی کھدائی کے وقت ایک مکتوب بھی ملا تھا جس میں تحریر تھا کہ مکہ اللہ کی حرمت والی جگہ ہے۔ تین راستوں سے اس کا رزق اس میں آئے گا۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول)

ایک اور کتبہ: ابن اسحاق نے لیث بن ابی سلیم کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعثت نبوی سے چالیس سال پہلے کعبہ میں ایک پتھر ملا جس پر یہ عبارت کندہ تھی:

"جو نیکی کرے گا لوگ اس پر رشک کریں گے اور شریر کو ندامت اٹھانا ہو گی۔ یہ ناممکن ہے کہ برائی کر کے بھلائی کی امید رکھو کیونکہ کیکر کے پیڑ پر انگوروں کے خوشے نہیں لگا کرتے۔" (سیرت ابن ہشام جلد اول)

نقشین پتھر: ابو نعیم، حریش بن ابی حریش سے روایت کرتے ہیں کہ علماء نے بیان کیا کہ بیت اللہ کی پہلی کھدائی میں ایک نقشین پتھر ملا۔ ایک شخص کو پڑھنے کے لئے بلایا گیا اس میں تحریر تھا:

"میرا پسندیدہ بندہ جو متوکل، منیب اور مختار ہے وہ مکہ میں پیدا ہو گا طیبہ کو ہجرت کرے گا بگڑی راہ سنوارے گا اور میری واحدانیت کی گواہی دے گا۔ اس کی امت بہت حمد کرنے والی ہو گی۔ یہ لوگ ہر بلندی پر حمد کریں گے۔ درمیان میں تہہ باندھیں گے۔ ہاتھ پاؤں صاف ستھرے رکھیں گے۔" (خصائص

Marfat.com

حجر اسود: انہدام کی طرح تعمیر کا کام بھی مختلف قبیلوں نے آپس میں بانٹ کر انجام دیا۔ تعمیر کے لئے پتھر لانے کا کام بھی ہر قبیلہ نے الگ الگ کیا۔ دو دو مرد مل کر دور سے پتھروں کو کندھوں پر اٹھا کر لاتے چنانچہ حضور علیہ السلام اپنے چچا عباسؓ کے ساتھی بن کر یہ کام انجام دے رہے تھے اور کوہ صفا سے متصل اجیاد سے پتھر لا رہے تھے۔ جب کعبہ کی دیواریں حجر اسود کی تنصیب کے مقام تک بلند ہو گئیں تو حجر اسود کو نصب کرنے کا مرحلہ قبائل کی انا کی نذر ہو کر جھگڑے کا باعث بن گیا کیونکہ ہر قبیلہ تنصیب کی سعادت حاصل کرنے کا متمنی تھا۔ یہ جھگڑا چار روز تک جاری رہا۔ آخر تلواریں نکل آئیں۔ بنو عبدالدار اور بنو عدی بن کعب نے خون بھرے پیالے میں انگلیاں ڈبو کر چاٹ لیں کہ ہم مرجائیں گے مگر ہار نہ مانیں گے۔ پانچویں دن سب لوگ کعبہ میں جمع تھے۔ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کے والد ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی جو قریش میں معمر ترین بزرگ تھے، آگے بڑھے اور سب کو اس بات پر متفق کیا کہ کل صبح جو شخص حرم میں باب بنی شیبہ سے گزر کر سب سے پہلے اندر آئے اسے ثالث تسلیم کر لیا جائے چنانچہ اگلے دن حضور سرور کائنات سب سے پہلے حرم میں داخل ہوئے تو خوشی سے سب پکار اٹھے۔ "لو جی محمد ﷺ اور امین ﷺ آگئے، ہم ان پر راضی ہیں۔" **هذا محمد هذا الامين قد رضينا به**

(شفا شریف از قاضی عیاض جلد ا صفحہ ۷۸)

دانش مندی: آپ ﷺ نے ایک چادر بچھائی اور حجر اسود کو خود اس میں رکھا۔ پھر قبائل کے سرداروں سے کہا کہ وہ سب مل کر چادر کو مقام تنصیب تک اٹھائیں اور وہاں سے مقدس پتھر کو اٹھا کر حضور علیہ السلام نے مطلوبہ مقام پر نصب فرمادیا۔ اس طرح ایک بڑی جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔

(زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ۲۰۵)

ابو نعیم اور ابن سعد نے ابن عباسؓ اور محمد بن جبیر مطعم سے روایت کی کہ جس وقت نبی اکرم ﷺ نے حجر اسود نصب فرمایا تو ایک نجدی شخص ایک پتھر آپ ﷺ کو پکڑانے لگا تاکہ آپ ﷺ اس کے ذریعے حجر اسود کو مضبوط کر دیں۔ حضرت عباس نے اسے پرے ہٹا دیا اور خود ایک پتھر حضور ﷺ کو دیا جس سے آپ نے حجر اسود کو مضبوط کر دیا۔ یہ دیکھ کر نجدی بابا بہت سٹپٹایا اور بولا، تم عجیب قوم ہو کہ اس قدر عقلمند، حسین، شریف اور جمیل ہونے کے باوجود ایک کم عمر جو عقل میں بھی (معاذ اللہ) کم ہے، شخص کی اس قدر تعظیم کرتے ہو جیسے وہ مخدوم ہے اور تم سب گویا خادم ہو۔ یاد رکھو، ایک دن یہ شخص تم سے سبقت لے جائے گا اور تمہارے حصے تمہارے درمیان خود تقسیم کرے گا۔ کہا گیا ہے کہ یہ نجدی ابلیس ملعون تھا۔

(خصائص کبریٰ (اردو) جلد اول صفحہ ۱۶۷)

Marfat.com

تکمیل: تعمیر کے بعد پندرہ شہتیر ڈال کر کعبہ کو مسقف کر دیا گیا۔ سامان چونکہ کچھ کم پڑ گیا تھا للذا حدود کعبہ میں اختصار کرتے ہوئے غربی جانب کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا اور بنیادیں قائم کر کے چار دیواری بنا دی گئی کہ جب کبھی موقع ملا اسے کعبہ میں شامل کر لیں گے۔ اس حصہ کو حطیم یا حجر کہتے ہیں۔ یہ کعبہ ہی کا حصہ ہے۔ تعمیر سے قبل کعبہ کا ارتفاع نو ذراع (ہاتھ - ڈیڑھ فٹ) تھا۔ اب اسے اٹھارہ ذراع کر دیا گیا اور دروازہ جو زمین کے برابر تھا اسے بلند کر دیا گیا۔

(بخاری شریف میں ہے کہ بقول ابن عباسؓ حجر کو حطیم نہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ نام دور جاہلیت میں وضع ہوا تھا کیونکہ لوگ یہاں ایام جاہلیت میں قسم کھایا کرتے اور قسم کی علامت یہ ہوتی معاہدین اپنا جوتا چابک یا کمان حجر کی طرف پھینک دیا کرتے للذا حجر کو حطیم کہا کرتے۔)

حضرت ابراہیم کی بنیادوں کے مطابق احاطہ کی تفصیل اس طرح تھی:

طول (سامنے کی طرف) حجر اسود سے رکن شامی تک = ۳۲ ذراع

عرض (میزاب شریف کی طرف) رکن شامی سے رکن غربی تک = ۲۲ ذراع

طول (پچھواڑے کی طرف) رکن غربی سے رکن یمانی تک = ۳۱ ذراع

عرض --- رکن یمانی سے حجر اسود تک = ۲۰ ذراع

Marfat.com

وحی کانزول اور تبلیغ اسلام

ابھی آپ ﷺ کی عمر چالیس سال سے کم تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنہائی اور غور و فکر کا متوالا بنا دیا چنانچہ آپ سال میں دو مرتبہ کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور وہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور کائنات وغیرہ کی تخلیق کے بارے میں غور و فکر فرماتے۔ غار حرا کا رخ قدرتی طور پر کعبہ کی طرف ہے چنانچہ اس گوشہ نشینی کے دوران آپ ﷺ کا رخ کعبہ کی طرف رہتا تھا اور مراقبہ اور استغراق کے دوران آپ ﷺ جب چاہتے کعبہ مبارک کو بھی ایک نظر دیکھ لیتے۔

جوں جوں بعثت کا زمانہ قریب تر آ رہا تھا کثرت عبادت و مراقبہ کا ذوق و شوق روز بروز بڑھتا جا رہا تھا اور غار حرا کی گوشہ نشینی محبوب تر ہوتی جا رہی تھی چنانچہ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو آپ گھر تشریف لاتے اور سامان خورد و نوش لے کر واپس غار حرا میں چلے جاتے اور یہ سلسلہ نزول وحی تک جاری رہا۔

اس بارے میں علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری فرماتے ہیں:

یہ امر دلائل کے ذریعے واضح ہو چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات نہ صرف بعثت بلکہ ولادت و ظہور بشریت سے بھی پہلے شرف نبوت سے بہرہ ور تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو اس مرتبہ و مقام عالی پر تخلیق آدم جہاں سے سلسلہ آدمیت کا آغاز ہوا، سے بھی بہت پہلے فائز کر دیا گیا تھا اور آپ کے فیضان نبوت سے اس وقت بھی ارواح انبیاء و صدیقین مستفید و مستنیر ہوتی تھیں۔ تخلیق آدمؑ کے بعد آپ کا نور اقدس نسلاً بعد نسل اور قرناً بعد قرن جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، پاک اصلاب و ارحام میں سے منتقل ہوتا ہوا اس دور تک آن پہنچا جس میں آپ کی بشریت مطہرہ کے ظہور کا وقت مقرر تھا۔ آپ کی ولادت ہوئی تو آپ شروع سے ہی اپنے مقام نبوت سے آشنا تھے لیکن بعثت یعنی اعلان نبوت کے لئے ایک خاص مدت اور وقت مقرر کر دیا گیا تھا اور ذات حق سے بصورت وحی مخاطبہ و کلام بھی اسی بعثت کے موقع تک موخر کیا گیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی قبل از بعثت زندگی بھی اسی طرح پاکیزہ، مثالی اور لائق تقلید تھی جس طرح کہ بعد از بعثت۔ جوں جوں عمر مبارک مقررہ حد کے قریب پہنچتی گئی اور وقت بعثت نزدیک آتا گیا حضور علیہ السلام کی بے تابی و بے قراری بڑھتی گئی۔ اضطراب و التہاب میں اضافہ ہوتا گیا یہ کیفیت بالکل اسی طرح کی تھی جیسے ہجر و فراق کے طویل عرصے کے بعد کسی محبوب کی ملاقات ہونے والی ہو۔ جوں

Marfat.com

بھڑکنے لگتی ہیں۔ عشق و محبت کے جذبات بے تابانہ جوش مارنے لگتے ہیں اور جی یوں چاہتا ہے کہ آن واحد میں سب فرقتیں اور فاصلے دور ہو جائیں اور جلوہ حسن اتنا قریب ہو کہ اس میں گم ہو جانے کی آرزو پوری ہو سکے۔ احادیث و سیر کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ وحی قریب آ گیا اور حضور علیہ السلام کو خلوت و تنہائی عزیز تر ہوتی گئی۔ آپ کاروبار حیات کو چھوڑ کر دور ویرانے میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن تک غار حراء میں معتکف رہتے۔

حضور ﷺ کے شب و روز فکر و مراقبہ میں بسر ہونے لگے۔ آپ محبوب حقیقی کا جلوہ حسن دیکھنے اور اس کے لذت بھرے کلمات سننے کے لئے زیادہ بے قرار ہوتے گئے۔ وقت بعثت در حقیقت اظہار نبوت کے لئے بشریت محمدی ﷺ کی حد بلوغ تھی۔ اس حد بلوغ سے پہلے جلوہ حق بے نقاب نہ ہو سکتا تھا۔ ادھر شوق نظارہ مضطرب تھا لیکن قدرت اسے خاص وقت تک منتظر رکھنا چاہتی تھی۔ بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، حجابات اٹھ گئے۔ وہی غار جسے آپ ﷺ نے خلوت کے لئے منتخب کیا تھا حسن محبوب کی جلوہ گاہ بن گئی۔

اسی غار میں قاصد **"اقراء باسم ربک الذی خلق"** کے لفظوں میں محبوب کا پہلا پیغام لے کر آن پہنچا۔ یہ وہ الفاظ تھے جن سے مخاطبہ الٰہی کا آغاز ہوا اور نور نبوت انتظار کے پردوں کو چاک کرتا ہوا منصہ عالم پر جلوہ ریز ہو گیا۔ (منہاج القرآن کالم نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۸۹ء)

وحی کی ابتداء: حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے سچے خوابوں کے ذریعے آپ ﷺ کو وحی ہوتی یہ حالت چھ ماہ تک رہی چنانچہ جو کچھ آپ کو خواب میں نظر آتا ہو بہو وہی کچھ حالت بیداری میں وقوع پذیر ہو جاتا۔ اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔ (۲۳ سالہ دور نبوت میں چھ ماہ کی مدت اس کا چھیالیسواں حصہ ہوتی ہے۔) اس عرصہ میں آپ برابر غار حرا میں تشریف لے جاتے رہے۔ پورے چالیس سال کی عمر میں جبرئیل امین اسی غار میں آپ ﷺ کی پاس آئے اور ریشمی جزدان میں لپٹی ایک کتاب لائے اور کہا **اقراء** یعنی پڑھئے۔ آپ نے فرمایا **ما انا بقاری** یعنی میں پڑھنے والا نہیں۔ اس پر جبرئیل نے آپ ﷺ کو سینے سے لگا کر زور سے بھینچا حتیٰ کہ وہ تھک گئے۔ پھر انہوں نے حضور ﷺ سے کہا **اقراء** یعنی پڑھئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں۔ پھر جبرئیل نے کہا **اقراء باسم ربک الذی خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقرو ربک الاکرم ○ الذی علم بالقلم ○ علم الانسان مالم یعلم ○** (۹۶: ۱-۵) چنانچہ آپ ﷺ نے رب کا حکم سنتے ہی فوراً قرات فرمائی۔ اس میں نکتے کی بات یہ ہے کہ نبی امی ﷺ کا کائنات میں کوئی بھی معلم نہیں ہو سکتا تھا۔ جبرئیل اقراء، اقراء کہتے رہے مگر مصطفیٰ کریم ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ میں (تم سے)

Marfat.com

پڑھنے والا نہیں لیکن جب چوتھی بار اقراء کے ساتھ **باسم ربک الذی خلق** کہا تو اب چونکہ شاگردی براہ راست اللہ سے قائم ہو رہی تھی لہٰذا اللہ کا نام سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھنا شروع کر دیا چنانچہ یہ آیات ربانی پڑھا کر جبریل امین تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ میرے ذہن میں نقش ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۰ء، سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۵۴-۲۵۱ مطبوعہ قاہرہ (مصر)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جبریل و میکائیل نے پہلے آپ کا سینہ اقدس چاک کیا اور قلب اطہر کو دھویا اور بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **اقراء باسم ربک الذی خلق** پڑھا۔

(مسند ابو داؤد طیالسی مسند حارث، بیہقی، ابو نعیم فی الدلائل و زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ۲۲۵ بحوالہ در الذکر الحسین از مولانا محمد شفیع اوکاڑوی صفحہ ۱۸۹)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر میں غار سے باہر نکلا تو میں نے سنا کہ کوئی پکار کر کہتا ہے:

یا محمد انک رسول اللہ و انا جبریل "یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔" میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیکھنے کے لئے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو جبریل آسمان کے کنارے پر بشکل انسان نظر آئے وہ کہہ رہے تھے **یا محمد انک رسول اللہ و انا جبریل**

(سیرت ابن ہشام)

پھر فرمایا کہ میں اسی کیفیت میں گھر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں جو بھی پتھر اور درخت ملتا بلند آواز سے کہتا **السلام علیک یا رسول اللہ**

(بزار، ابو نعیم، خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۷۴ (اردو) بحوالہ مسلم و بیہقی)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کیفیت جلال الٰہی اور ہیبت حق سے لبریز حالت میں گھر پہنچے۔ خدیجہ الکبریٰؓ نے خندہ پیشانی سے استقبال فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا **زملونی زملونی** "مجھے کمبل اوڑھا دو۔" پس آپ لیٹ گئے۔ جب قدرے سکون محسوس کیا تو کہا۔ "خدیجہ! میرا کیا حال ہے؟" عرض کیا کیا بات ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارا واقعہ سنایا اور اس خدشہ کا اظہار فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ یہ دراصل ازلی ابدی نبوت اور رسالت کی عظیم ترین عملی ذمہ داری کا بار گراں تھا جسے اٹھانے کی ابتداء ہو رہی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا آپ بے خوف رہئے۔ بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوانہ کرے گا کیونکہ آپ اہل قرابت کا حق ادا کرتے ہیں۔ ضعیفوں، یتیموں، فقیروں اور اہل و عیال کے حوائج پورے فرماتے ہیں اور ناامیدوں کے ملجاء و ماویٰ ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ صادق و امین، خوش خلق و مہمان نواز اور عالی کردار ہیں گویا آپ مکارم اخلاق اور محاسن شمائل کا مجموعہ ہیں لہٰذا آپ کو امر مکروہ نہ پہنچے گا۔ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ تورات و انجیل کے ماہر تھے اور

Marfat.com

انہیں عربی و عبرانی میں لکھا کرتے تھے۔ ضعیفی کی وجہ سے کمزور و ناتواں اور نابینا تک ہو گئے تھے۔ ورقہ نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ "اے بھتیجے! اپنی زبانی سارا واقعہ سناؤ۔" چنانچہ حضور ﷺ نے سب کچھ بیان کیا۔ ورقہ بن نوفل نے سنا تو کہا کہ یہ تو وہی ناموس اکبر ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔ پھر کہا کاش میں اس وقت زندہ اور توانا ہوتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو مکہ سے نکال دے گی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا واقعی وہ ایسا کرے گی؟ ورقہ نے کہا ہاں! جب بھی کوئی پیغمبر پیغام ربانی کے ساتھ مبعوث ہوا ہے تو اس کی ضرور مخالفت ہوئی ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو اس وقت آپ ﷺ کی ضرور حمایت کروں گا لیکن ورقہ کچھ عرصہ کے بعد انتقال کر گئے۔

(الذکر الحسین حصہ اول صفحہ ۱۹۰۔۱۹۱ از مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نیز خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۷۱۔ ۱۷۲ (اردو) بحوالہ بخاری و مسلم)

حافظ ابن حجر عسقلانی ابتدا وحی میں حضور کو بھینچنے کی حکمت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کسی اور نبی کو اس طرح بھینچا نہیں گیا۔ حضور کو بھینچنے میں یہ حکمت الٰہی مضمر تھی کہ احساس عظیم دلانا تھا کہ جو عظیم ذمہ داری آپ کو سونپی جا رہی تھی وہ قول ثقیل تھا۔ یہ وہی قرآن تھا جس کو پہاڑ تک اٹھانے سے معذور رہے تھے ورنہ وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ بہرحال آپ کو قرآن عظیم کے تحمل کے قابل بنانا مقصود تھا نیز اس طرح ہر قسم کے وساوس دور ہو گئے اور آپ ﷺ سمجھ گئے کہ یہ حکم خداوندی ہے۔

(خصائص کبریٰ (اردو) جلد ا صفحہ ۱۷۳)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے سارا واقعہ سنا تو خود ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ انہوں نے ساری بات سن کر کہا:

ان کنت صدقتنی انہ لنبی ھذہ الامت وانہ لیاتیہ الناموس الاکبرالذی کان یاتی موسی

"اے خدیجہؓ! اگر تو درست کہتی ہے تو پھر وہ (حضرت محمد ﷺ) یقیناً اس امت کے نبی ہیں اور ان کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔"

(خصائص کبریٰ (اردو) جلد ا صفحہ ۱۷۷، بحوالہ ابن اسحاق بروایت عبدالملک بن عبداللہ بن ابی سفیان حاکم نے ابن اسحاق سے روایت کی کہ عبدالملک مذکور کی یادداشت بہت ہی اچھی تھی۔)

پھر ورقہ بن نوفل بیت اللہ شریف میں آپ ﷺ سے ملے، سب حالات سنے اور قسم کھا کر کہا: "آپ ﷺ اس امت کے نبی ہیں۔۔۔ الخ" (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۵۴)

نوٹ: یاد رہے کہ ناموس (Namos) یونانی لفظ بھی ہے بمعنی قانون اور تورات کا ترجمہ یونانی زبان میں اسی لفظ سے کیا جاتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ صفحہ ۲۹)

انساب الاشراف (جلد ا صفحہ ۱۰۶) میں بلاذری نے ایسی ہی ایک ملاقات کے موقع پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ورقہ نے حضور علیہ السلام سے کہا۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ نے دی

Marfat.com

ہے۔ طیالسی، حارث بن ابی اسامہ اور ابو نعیم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے اور حضرت خدیجہؓ نے نذر مانی کہ ایک ماہ تک غار حرا میں اعتکاف کریں گے۔ پس ماہ رمضان میں یہ نذر پوری ہوئی۔ آپ ایک رات باہر نکلے تو السلام علیکم کی آواز سنی۔ خیال فرمایا کہ شاید کوئی جن ہے۔ آپ ﷺ فوراً حضرت خدیجہؓ کے پاس لوٹ آئے۔ وجہ بتائی تو خدیجہ بی بی نے کہا۔ "بشارت ہو کہ سلام کلمہ خیر ہے" پھر فرمایا کہ دوسری مرتبہ میں نے جبریل امین کو سورج پر دیکھا۔ اس کا ایک بازو مشرق اور دوسرا مغرب میں تھا۔ میں تیزی سے واپس لوٹا۔ اتنے میں جبریل کو دروازے کے سامنے حائل پایا۔ مجھے جبریل سے انس سا پیدا ہو گیا۔ جبریل نے ایک مقام پر ملنے کے لئے کہا۔ میں وہاں پہنچا مگر جبریل نہ آئے۔ میں نے لوٹ جانا چاہا۔ اچانک جبریل و میکائیل کو ایسی شان میں دیکھا کہ آسمان کے کناروں کو محیط ہیں۔ جبریل نیچے آئے، میکائیل زمین اور فلک کے درمیان رہے۔ جبریل نے مجھے پکڑا اور چت لٹایا اور میرے دل کو نکال کر شق کیا اور اللہ کی رضا کے مطابق اس میں سے جو چاہا نکال دیا۔ پھر سونے کے طشت میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر اسے اپنی جگہ رکھ کر زخم کو فوراً مندمل کر دیا۔ بعد ازاں مجھے برمن کی طرح جھکایا اور میری پشت پر مہر لگا دی جس کا اثر میں نے دل میں محسوس کیا۔ پھر جبریل نے میرا حلق پکڑا حتیٰ کہ میں نے گویا رونے کے لئے آواز نکالی پھر "اقراء" والا واقعہ پیش آیا۔ پھر انہوں نے ایک آدمی کے ساتھ میرا وزن کیا۔ میں زیادہ وزنی نکلا۔ اسی طرح ہوتے ہوتے میں سو آدمیوں پر بھی بھاری نکلا۔ میکائیل نے کہا رب کعبہ کی قسم اس کی امت نے اس کی اتباع کر لی۔ حضور فرماتے ہیں کہ کوئی درخت اور پتھر نہیں ملتا تھا مگر وہ مجھے السلام علیک یا رسول اللہ کہتا تھا۔

(خصائص کبریٰ جلد ۱ (اردو) صفحہ ۱۸۱)

طبرانی اور ابو نعیم، ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل کے پوچھنے پر حضور نے فرمایا کہ جبریل آسمان سے میرے پاس ایسے آتے ہیں کہ اس کے دونوں بازو موتی کے اور تلوے سبز ہوتے ہیں۔

(خصائص کبریٰ جلد ۱ (اردو) صفحہ ۱۸۲)

ایک دن حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ جب وہ ناموس نظر آئے تو بتانا چنانچہ جبریل نظر آئے تو آپ نے بتلایا۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو اپنے دائیں جانب بٹھالیا اور جبریل موجود رہے۔ پھر آپ ﷺ کو اپنے بائیں پہلو میں بٹھلایا۔ جبریل پھر بھی نظر آتے رہے حتیٰ کہ آپ کو حضرت خدیجہ نے آغوش میں بٹھایا اور جبریل کو موجود پایا۔ پھر انہوں نے دوپٹہ اتار دیا اور سینہ سے بھی کپڑا ہٹا دیا جبکہ آپ ﷺ ابھی تک خدیجہؓ کی آغوش میں تھے۔ اب آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل چلے گئے ہیں۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے فرمایا:

Marfat.com

بشارت ہو کہ وہ بیشک مکرم فرشتہ ہی ہے۔ اگر شیطان ہوتا تو حیانہ کرتا۔

(الاستیعاب لابن عبد البرج ۲ صفحہ ۷۴۰)

پھر آپ ﷺ کو ثابت قدم رہنے کے لئے عرض کیا اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں اور گواہی دی کہ آپ ﷺ امر برحق کے حامل ہیں۔

(خصائص کبریٰ (اردو) جلد ا صفحہ ۱۷۸)

نزول وحی کی تاریخ: اس بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ علامہ السہیلی نے بحث کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اول اول نبوت کی بشارت خوابوں میں ملی۔ پھر بحالت بیداری قرآن کا نزول ہوا۔

(روض الانف جلد ا صفحہ ۱۵۲)

علامہ عسقلانی نے ابن عبد البر کے حوالے سے لکھا ہے کہ پہلی وحی پیر کے دن ماہ ربیع الاول میں نازل ہوئی جبکہ ابن قیم (زاد المعاد) کے حوالہ سے یہ تاریخ ۱۷ رمضان المبارک بیان کی گئی ہے۔

(المواہب مع شرح الزرقانی جلد ا صفحہ ۲۰۷ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۰ھ)

زرقانی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ربیع الاول سے رمضان المبارک تک کے عرصے میں صرف خوابوں کے ذریعے بشارات نبوی دی جاتی رہیں تاکہ آپ ﷺ ذہنی طور پر بار نبوت اور بار قرآن عظیم اٹھانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ پھر ۱۷ رمضان کو نزول قرآن کا آغاز ہوا۔

(ابن سعد بروایت ابو جعفر)

علامہ ابن عبد البر اور مسعودی کے مطابق ۸ ربیع الاول کو بعثت ہوئی تھی۔ ابن قیم نے ۸ ربیع الاول کو اکثرین کی طرف منسوب کیا ہے۔ (زاد المعاد) بعض روایات میں ۳ ربیع الاول کے اقوال بھی ملتے ہیں۔

(زاد المعاد مدارج النبوۃ)

امام احمد، ابن جریر، طبرانی اور بیہقی نے واثلہ بن الاسقع سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر یکم رمضان کو صحائف کا نزول ہوا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام پر چھ رمضان کو تورات، عیسیٰ علیہ السلام پر ۱۳ رمضان کو انجیل اور داؤد علیہ السلام پر ۱۸ رمضان کو زبور نازل کی گئی اور سرور عالم ﷺ پر ۲۴ رمضان المبارک کو قرآن نازل کیا گیا حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے کہ **شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن** (بقرہ ۱۸۵) یعنی رمضان میں قرآن کا نزول ہوا اور اسی مہینے میں لیلۃ القدر ہوتی ہے اور سورۃ قدر میں ہے کہ قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا۔ اس حساب سے یوں لگتا ہے کہ اس سال شب قدر چوبیس رمضان کو ہوگی (یعنی رات پچیسویں) جس میں سارا قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارا اور صبح کے وقت آپ ﷺ کے پاس جبرئیل امین **اقراء باسم ربک الذی خلق** لے کر حاضر ہوئے۔ تطبیق یوں

Marfat.com

ہو سکتی ہے کہ ربیع الاول میں سچے خواب آنے شروع ہوئے۔ اس طرح نبوت کی ابتدا الٰہی مبشرات سے ہوئی اور رمضان میں قرآن حکیم کا نزول شروع ہوا جو قبل از رحلت تک جاری رہا۔

(الذکر الحسن فی سیرۃ النبی الامین صفحہ ۹۵۔ ۱۹۴ از مولانا محمد شفیع اوکاڑوی بحوالہ زرقانی علی المواہب جلد اصفحہ ۲۰۸ و اتقان جلد ۲ صفحہ ۴۲)

وحی کی قسمیں:

وحی کے لغوی معنی ہیں:

اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام بھیجنا یا پہنچانا، دل میں ڈالنا، دوسروں سے چھپا کر بتانا یا بات کہنا یا کسی کے خیال میں کچھ ڈالنا وغیرہ۔ (مختار الصحاح صفحہ ۲۴۰ المنجد)

اصطلاحاً وحی اس اشارہ، کلام، پیغام یا القاء وغیرہ کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کسی نبی، رسول یا اپنی کسی مخلوق کو پہنچائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی کرنے کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ (۲۸:۷) اسی طرح شہد کی مکھی کو وحی کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔ (۱۶۔۶۸) یہ تو غیر نبی یا غیر انسان کی مثالیں تھیں انبیاء علیہم السلام سے رابطہ کا ذریعہ بھی وحی ہی تھا جس کی متعدد صورتیں ہیں:

۱۔ رویائے صادقہ، پیغمبروں کے خواب بھی "وحی" کی ایک شکل ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام کو کہا **یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک** (۳۷:۱۰۲) "اے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔" اور اس کے بعد قربانی والا واقعہ پیش آیا کیونکہ خواب سنتے ہی اسمٰعیل علیہ السلام جو خود بھی ایک پیغمبر تھے فوراً قربانی کے لئے تیار ہو گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کا خواب وحی ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے **رویاء الانبیاء وحی** "انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔" (ترمذی) حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تم میں زیادہ سچا خواب اس کا ہوگا جو جتنا زیادہ سچ بولتا ہوگا۔ (مسلم شریف) چونکہ انبیاء کرام سے بڑھ کر سچ بولنے والا دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا اس لئے ان کے خواب بھی سچائی میں ضرب مثل اور وحی کے ہم مرتبہ ہوتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی نبوت کا آغاز بھی رویائے صادقہ سے ہوا

۲۔ کلام کرنا بلاواسطہ جبریل جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پردہ کے پیچھے سے کلام کر کے احکام شریعت دیئے جاتے تھے۔ **کلم اللہ موسی تکلیما** (قرآن)

۳۔ فرشتے کا اصل صورت میں نظر آنا اور پیغام رسانی کرنا جیسے جبریل امین حضور علیہ السلام کو چھ سو پروں کے ساتھ اصلی صورت میں نظر آئے اور دوسری دفعہ معراج میں سدرہ کے مقام پر چنانچہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جبریل کو مذکورہ بالا دو موقعوں پر اصلی صورت میں دیکھا تھا۔ (زرقانی جلد اصفحہ ۲۳۴)

۴۔ انسانی شکل میں فرشتہ کا آنا اور پیغام الٰہی دینا جس طرح جبریل امین حضرت مریم کے پاس بشکل

Marfat.com

گئے اور بیٹے کی خوشخبری دی یا جیسے جبریل انسانی شکل میں حضور کے پاس حاضر ہوئے اور ایمان و احسان کا پوچھا وغیرہ (الاستیعاب الابن عبدالبرج ا صفحہ ۱۶۷)

۵- صلصلہ الجرس یعنی گھنٹی کی مثل آواز کے ذریعے وحی آنا۔ حارث ابن ہشام کو (پوچھنے پر) حضرت عائشہؓ کے بقول حضور علیہ السلام نے وحی کی کیفیت یوں بتلائی کہ کبھی کبھی وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ وحی مجھ پر بہت شدید ہوتی ہے۔ (بخاری شریف) حضرت زید بن ثابت (کاتب وحی) فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور کا زانو میرے زانو پر تھا کہ وحی آئی۔ اس وقت میں نے اس قدر وزن محسوس کیا کہ گویا میرا زانو ٹوٹ جائے گا۔ (بخاری) اگر سواری کی حالت میں وحی آتی تو سواری کا جانور بیٹھ جاتا اور شدت وزن سے اپنی گردن زمین کے ساتھ لگا دیتا۔ (زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ۲۲۹) امام المفسرین علامہ ابن المنیر الجروی اسکندری کے مطابق وحی اگر بشارت ہوتی تو فرشتہ انسانی صورت میں آتا وعید وغیرہ ہوتی تو صلصلہ الجرس کے ذریعے آتی۔

(زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ۲۲۴)

۶- دل میں القا جیسے ارشاد باری ہے **فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ** (بقرۃ ۔۹۷) "جبریل نے قرآن کو آپ ﷺ کے دل پر نازل کیا ہے اللہ کے حکم سے۔" نیز فرمایا **نزل بہ الروح الامین علی قلبک** (۲۶/۱۹۴) "نازل کیا قرآن روح الامین نے آپ ﷺ کے دل پر وحی کی قسم---" تمثیل اور القاء میں فرق یہ بتایا گیا ہے کہ تمثیل میں فرشتے کو ملکیت (فرشتہ پن) سے بشریت کی طرف نزول کرنا پڑتا تھا حتی کہ نبی پاک ﷺ اسے بچشم ظاہری دیکھتے اور اس کی آواز سنتے جبکہ القاء میں آپ ﷺ کو بشریت سے انخلاع وانسلاخ کر کے ملکیت کی طرف جانا پڑتا تھا یعنی جسمانی آلات کو معطل کر کے، اس وقت آپ ﷺ صرف قوائے روحانی اور حواس قلبی سے کام لیتے تھے۔ اس وقت آپ دل کی آنکھوں سے فرشتے کو دیکھتے اور دل کے کانوں سے اس کی آواز سنتے تھے۔ (اتقان فی علوم القرآن جلد ا صفحہ ۴۴)

۷- بلا واسطہ و بلا حجاب وحی کرنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دیگر خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے دیدار الٰہی کے موقع پر اللہ کے ساتھ بلا حجاب و بلاواسطہ کلام فرمایا۔ ترمذی اور مشکوٰۃ اور دارمی میں یہ حدیث آئی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عائش فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

رایت ربی عزو جل فی احسن صورۃ قال فیم یختصم الملا الاعلی قلت انت اعلم قال فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردھا بین ثدی فعلمت مافی السموات وما فی الارض

Marfat.com

"میں نے رب عز و جل کو بہترین صورت میں دیکھا اللہ نے پوچھا مقرب ملائکہ کس بات پر بحث کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی، مولا! تو ہی خوب جانتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا تو اس کے فیض کی ٹھنڈک کو میں نے اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان پایا۔ پس مجھے زمین اور آسمانوں کی ہر شے کا علم ہو گیا۔"

وحی کے چھیالیس طریقے: معراج کی شب اللہ تعالیٰ نے **فاوحی الیٰ عبدہ ما اوحی** (۵۳-۱۰) کے مطابق بلاواسطہ وحی فرمائی۔ وحی گویا راز نیاز کا معاملہ تھا۔ ہمیں تو اس کی وہی حالت یا قسم معلوم ہو سکتی ہے جو حضور ﷺ نے بیان فرمادی۔ با قسمیں کوئی کیا جانے چنانچہ محدث و فقیہہ علامہ قاضی ابو عبداللہ حسین بن حسین حلیم الشافعی فرماتے ہیں **ان الوحی کان یاتیہ علی ستة و اربعین نوعا** یعنی حضور علیہ السلام چھیالیس طریقوں سے وحی آتی تھی۔ (زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ۲۲۳) اور انہوں نے یہ چھیالیس قسم ذکر بھی کیں لیکن نبی پاک ﷺ کی شان عالی کا ادراک کون کر سکتا ہے جس کی شان میں قرآن یہ **ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی** "کہ وہ ﷺ اپنی خواہش بات (تک) نہیں کرتا بلکہ اس کی ہر بات وحی الٰہی (کے مطابق) ہوتی ہے۔" گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہ حضور کی شان عظیم جتادی کہ لوگو یہ نہ سمجھنا کہ نبی اکرم ﷺ کو فرشتے کے ذریعے ہی وحی آتی ہے اسے تو ہر وقت اللہ کی معیت (۹-۴۰) کا شرف حاصل ہے اور اللہ کے ساتھ اس گہرے اور خاص الفا تعلق کی بناء پر اس کی ہر بات رضائے الٰہی کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ اپنی خواہشات کو تو اس نبی ﷺ اللہ کی رضا میں فنا کر دیا ہوا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس سے جو کچھ بھی صادر ہو وہ اس کی اپنی خواہ آئینہ دار ہو بلکہ اصل صورت یہ ہے کہ اس ﷺ کا ہر قول و فعل گویا وحی الٰہی کا مرقع ہوتا ہے۔ حد شریف کا سارا سرمایہ بھی وحی الٰہی کے مطابق ہے۔ قرآن بھی وحی الٰہی ہے۔ قرآن کو تلاوت کی جانے وحی کہتے ہیں یعنی متلو اور احادیث مبارکہ وحی غیر متلو ہیں۔

(محولہ کتب کے علاوہ الذکر الحسین مرتبہ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی "صفحہ ۱۹۶ تا ۲۰۸ سے بھی استفادہ کیا۔)

امی نبی ﷺ: حضرت عائشہؓ کی صحیح روایت کے مطابق حضور علیہ السلام پر سب سے پہ قرآنی آیت نازل کی گئی وہ **اقرا باسم ربک الذی خلق** یہی روایت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبید بن عمیرؓ سے مروی ہے اور علامہ نووی نے اس کی صحیح کی جس پر سلف کے جمہور کا اتفاق نقل کیا ہے۔ حضور کا **ما انا بقاری** فرمانا سے مراد یہ تھا کہ ناخواندہ ہوں کتابیں نہیں پڑھ سکتا۔ مشہور نحوی زجاج کہتے ہیں کہ امی "پیدائشی ان پڑھ" کو کہتے

Marfat.com

ایک ان پڑھ قوم ہیں۔ نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب کتاب۔

(بخاری شریف جلد ۴ صفحہ ۱۰۸۔ ۱۰۹ نیز دیکھئے سیوطی کی جامع الصغیر جلد ا صفحہ ۸۴ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۱ھ)

عرب کو امی اس لئے کہتے ہیں کہ عربوں میں فن کتابت شاذ و نادر تھا۔ قرآن میں آیا ہے:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل

"وہ لوگ، جو ایک بے پڑھے نبی ﷺ کا جو صاحب کتاب ہے، اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر وہ پہلے سے اپنی کتابوں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔" (اعراف ۱۵۷)

آپ ﷺ کے بے پڑھے ہونے کی گواہی قرآن نے یوں بھی دی ہے:

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون

"آپ ﷺ ازیں پیشتر نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اسے لکھ سکتے تھے۔ ورنہ باطل پرست شک میں پڑ سکتے ہیں۔" (۴۸/۲۹)

اسی طرح **الذی بعث فی الامیین رسول منھم** میں نبی امی کے ساتھ ساتھ آپ کی قوم کو بھی **امیون** فرمایا گیا ہے جس کی تصدیق بخاری شریف کی حدیث محولہ بالا سے بھی ہوتی ہے۔ اس سے علماء اور مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ عرب چونکہ لکھنے پڑھنے سے ناواقفیت کی بناء پر بحیثیت مجموعی دوسری امتوں سے جدا تھے۔ اس لئے قرآن نے انہیں امی قرار دیا ہے۔ ابوالکلام آزاد کے مطابق "عربی میں امی ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو پیدائشی حالت پر ہو، لکھنے پڑھنے اور علم و فن کی باتوں سے آشنا نہ ہو چنانچہ عرب کے باشندے بھی امی کہلائے کیونکہ تعلیم و تربیت سے آشنا نہیں تھے۔"

(ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۸۔ ۳۹)

فضیلت کا پہلو: اپنی تفسیر غریب القرآن (قاہرہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۳۸) میں ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ حضور کے امی ہونے میں ایک فضیلت اور حکمت ایسی یہ بھی تھی کہ کسی استاد کی فضیلت آپ پر ثابت نہ ہو اور قرآن حکیم کو مخالفین اکتسابی علوم و فنون کا نتیجہ نہ سمجھ لیں چنانچہ امی ہونا آپ ﷺ کے حق میں "مدح" ہے جو دوسروں کے حق میں نہیں۔

(روح المعانی جلد ۹ صفحہ ۷۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضور علیہ السلام کے "امی محض" ہونے کے سلسلے میں بحث کی ہے اور بخاری شریف کی اس حدیث کی تاویل کی ہے جس میں صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر محمد بن عبداللہ کے الفاظ

Marfat.com

ہے کیونکہ عمومی طور پر آپ ﷺ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ تاہم وہ ثابت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام "امی محض" تھے۔

(فتح الباری مطبوعہ ۱۳۴۸ھ جلد ۷ صفحہ ۴۰-۴۱)

یہی بات شبلی نعمانی نے کہی ہے کہ آپ ﷺ کو لکھنا نہ آتا تھا۔

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۴۵۵ طبع پنجم)

ام القریٰ سے نسبت: بعض علماء نے امام باقرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ لفظ امی کی نسبت ام القری (مکہ معظمہ کا لقب) کی طرف ہے جو حضور علیہ السلام کی جائے پیدائش و سکونت تھی چونکہ اہل مکہ بحیثیت مجموعی ان پڑھ اور ناخواندہ تھے اس لئے مجازاً ناخواندہ کو بھی امی کہا گیا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳ صفحہ ۲۶۰)

امام فخرالدین رازی **ما کنت تتلوا من قبلہ** (۲۹:۴۸) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عرب لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی ایسے ہی تھے اسی لئے آپ ﷺ کو امی کے لقب سے نوازا گیا۔ اہل تحقیق کے مطابق آپ ﷺ کا امی ہونا آپ ﷺ کے دوسرے معجزات کی طرح ایک معجزہ تھا جس کی وجوہ کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے سامنے کتاب اللہ کی آیات بغیر کسی کمی بیشی کے منظم طور پر پڑھتے تھے اور بار بار پڑھتے تھے حالانکہ وہ نظم نہ تھیں بلکہ نثر تھیں۔ کوئی اور شخص فی البدیہ بار بار تقریر کرے تو لفظوں میں کمی بیشی لازمی ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا جیسا کہ وارد ہوا **سنقرئک فلا تنسی** (۸۷-۶) یعنی ہم تمہیں قرآن ایسا یاد کرائیں گے کہ بھولنے نہ پاؤ گے۔

۲۔ جیسا کہ مستشرقین کہتے ہیں کہ قرآن معاذ اللہ مختلف قوموں کی کتب سے اخذ کردہ مواد پر مبنی کتاب ہے حالانکہ ایک ان پڑھ آدمی کے لئے ایسا ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے طور پر ایسی جلیل القدر کتاب دنیا کے سامنے پیش کرے۔ پس یہ حضور علیہ السلام کا اعجاز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو امی رکھا اور پھر اپنی رحمت سے آپ ﷺ کو وہ کتاب عنایت فرمائی جسے اگر پہاڑوں پر اتارا جاتا تو وہ ہیبت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ (قرآن حشر ۲۱)

۳۔ اگر یہ کتاب (معاذ اللہ) من گھڑت مواد پر مشتمل ہے یا محض اساطیر الاولین ہے تو آج تک جن و انس میں سے کوئی مائی کا لال اس چیلنج کو قبول کیوں نہ کر سکا کہ اس کی ایک آیت کے مقابلے میں ہی کوئی سورۃ یا کم از کم ایک آیت ہی لا سکتا جبکہ حضور علیہ السلام نے پورا قرآن کریم پیش کیا۔

ابن ماکولا نے بیان کیا ہے کہ تمیم بن جراشہ ثقیف کے ایک وفد کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ تمام اہل وفد نے اسلام قبول کیا اور ایک تحریر کا مطالبہ کیا جس میں بعض شرائط اور اسلام کے

Marfat.com

ضروری احکام درج ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تم جو شرائط وغیرہ مناسب سمجھو، لکھوا کر میرے پاس لے آؤ۔" چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ سے لکھوانا چاہا کہ مطلوبہ تحریر میں سود اور زنا کو حلال لکھ دیا جائے۔ انہوں نے انکار کیا۔ پھر وہ لوگ خالد بن سعید بن عاص کے پاس آئے۔ ساتھ علی المرتضیٰ بھی تھے۔ انہوں نے صورت حال واضح کی تو خالد بن سعید بولے کہ میں وفد کی خواہش کے مطابق سب کچھ تحریر کر دوں گا۔ پھر آنحضرت ﷺ مختار ہیں چنانچہ یہ تحریر آپ ﷺ کے پاس لائی گئی۔ آپ ﷺ نے پڑھنے والے سے پڑھوائی۔ سود کے بیان پر آپ نے فرمایا۔ میری انگلی اس جگہ رکھ دو جہاں سود کو حلال لکھا ہے۔ پس آپ ﷺ کی انگلی وہاں رکھوائی تو آپ نے آیت **یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوا** (۲/۲۷۸) پڑھی اور اس عبارت کو مٹا دیا۔ پھر آیت **ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ** (۱۷-۳۲) حلت زنا کے بارے میں لکھی گئی شرط سننے پر پڑھی اور اس کو بھی پڑھنے والے کی نشاندہی پر اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور پھر وہ تحریر وفد کو دے دی۔

(محمد رسول اللہ ﷺ از محمد رضا مصری (اردو) مطبوعہ تاج کمپنی، کراچی صفحہ ۱۱۵-۱۱۶)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ لکھنا اور پڑھنا نہ جانتے تھے۔ نہ اس سلسلے میں آپ کا کوئی استاد تھا حتیٰ کہ غار حرا میں جبریل امین نے جب محض "اقراء" کہا تو بات نہ بنی بلکہ **اقرا باسم ربک الذی** کہا تو اپنے دلی اطمینان کے مطابق آپ ﷺ نے پیچھے پیچھے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جبریل بھی بذات خود حضور کے استاد نہ تھے اور آپ ﷺ کو جو کچھ بھی حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوا اور جبریل تو محض مختلف اوقات میں معطی اور قاسم ﷺ کے درمیان رابطہ کی حیثیت رکھتے تھے کیونکہ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** بھی آپ ﷺ ہی کی شان عظیم کا پرتو ہے۔

نماز کی ابتدا: بلاذری (انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۱۱۱) کے مطابق وضو اور نماز کا طریقہ بھی پہلی وحی کے نزول کے بعد ہی جبریل امین نے سکھایا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام ایک دن مکہ معظمہ کے کسی بلند مقام پر تشریف رکھتے تھے۔ جبریل آپ ﷺ کے پاس احسن صورت اور پاکیزہ ترخوشبو کے ساتھ حاضر ہوئے:

فقال یا محمد ان اللہ یقرئک السلام و یقول لک انت رسولی الی الجن و الانس فادعھم الی قول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

"پس کہا یا محمد ﷺ! بیشک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ تم میرے رسول ہو جن وانس کی طرف، پس ان کو کلمہ طیبہ کی طرف بلائیے۔"

پھر جبریل نے زمین پر پاؤں مارا اور پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ پس پہلے جبریل نے وضو کیا۔ پھر آپ کو

Marfat.com

وضو کے لئے عرض کیا۔ جب آپ ﷺ بھی وضو فرما چکے تو جبریل نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور ساتھ حضور ﷺ نے بھی کھڑے ہو کر جبریل کی طرح نماز ادا فرمائی۔ یہ دو رکعت نماز تھی۔ نماز کے بعد جبریل چلے گئے اور حضور علیہ السلام نے گھر کی راہ لی۔ اثنائے راہ میں پتھروں اور درختوں نے آپ ﷺ کو **السلام علیک یا رسول اللہ** کہنے کی سعادت حاصل کی۔

سب سے پہلے اسلام لانے والا: گھر آ کر خدیجۃ الکبریٰ کو سارا واقعہ سنایا۔ وہ سن کر خوشی سے بے ہوش ہو گئیں۔ ہوش آیا تو عرض کی مجھے بھی اس چشمہ پر لے چلئے۔ آپ ﷺ ان کو وہاں لے گئے۔ وہاں حضور کی اقتداء میں مائی خدیجہؓ نے وضو فرمایا اور حضور کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر کہا **اشھد انک رسول اللہ**

(زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ۲۳۴، ابو نعیم فی دلائل نبوت جلد ا صفحہ ۱۷۵، سیرۃ ابن ہشام وغیرہ)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کو اس وقت تسلی دی جب آپ وحی الٰہی جو قرآن کریم کا ابتدائیہ تھی، کا سامنا کرتے ہوئے خشیت الٰہی سے سہمے سہمے رہتے تھے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ آپ ﷺ جبریل کو دیکھ کر ڈر گئے تھے اصل بات وہی خشیت الٰہی والی تھی کیونکہ فرشتوں کے ساتھ واسطہ تو شق صدر کے موقع پر بھی پڑا تھا نیز اور وقتوں میں بھی آپ ﷺ کو فرشتے نظر آتے تھے مگر ایسا کہاں ڈرے تھے۔

خفیہ دعوت: تبلیغ کا حکم تو آپ کو نماز کی تعلیم کے ساتھ ہی ہو گیا تھا چنانچہ پہلے پہل آپ ﷺ نے اپنے خاص ملنے والوں کو دعوت اسلام دی۔ حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کی دعوت پر ایمان لا چکی تھیں۔ پھر اپنے محب ابو بکرؓ کو دعوت دی، آپ بھی فوراً اسلام لے آئے۔ آپ بڑے دولت مند، ماہر انساب، صائب الرائے اور فیاض تھے۔ بقول ابن سعد ایمان لانے کے وقت چالیس ہزار درہم آپ کے پاس تھے۔ باثر اتنے کہ معززین شہر آپ سے مشورہ لیتے تھے۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی تبلیغ سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ ایمان لائے۔

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۰۶ بحوالہ ریاض النضرۃ لمحب الطبری مطبوعہ مصر صفحہ ۵۷)

حضرت علی دس سال کے تھے کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ زید بن حارثہ آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ غلاموں میں بلالؓ نے سبقت پائی۔ یہ حضرات چھپ چھپ کر نمازیں ادا کرتے تھے کیونکہ ابھی برملا دعوت کا مرحلہ نہ آیا تھا۔ کبھی نماز کے لئے حضور علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور نماز باجماعت ادا فرماتے۔ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپ حرم میں ہی ادا کرتے کیونکہ قریش کے مذہب میں بھی یہ نماز جائز تھی۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کے ساتھ آپ ﷺ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک حضرت ابو طالب آ نکلے۔ پوچھا "عبادت کا یہ کیسا طریقہ ہے؟" فرمایا "ابراہیم علیہ السلام کا۔" وہ کہنے لگے "میں تو اسے اختیار

Marfat.com

نہیں کر سکتا البتہ تم کرتے رہو کوئی مزاحم ہوا تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۰۷ طبع پنجم معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۲۷۔۲۲۸ (اردو)

خفیہ تبلیغ کے نتیجہ میں عشرہ مبشرہ میں سے پانچ حضراتؓ تو صدیق اکبرؓ کی کوششوں سے ایمان لائے جن کا ذکر اوپر آ چکا۔ ان کے بعد حضرت سعید بن زید (بن عمرو بن نفیل جو موحد مرے تھے) ابو ذر غفاری، ارقم بن ابی ارقم، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون، ابو عبیدہ بن الجراح، عبیدہ بن حارث، حصین (والد عمران بن حصین)، عمار بن یاسر، خباب بن الارت، خالد بن سعید بن العاص اور صہیب رومیؓ سابقین اولین میں شامل ہوئے۔ عورتوں میں فاطمہ بنت خطاب (عمر فاروق کی بہن)، اسماء بنت ابی بکر، اسما بنت سلامہ (تمیمیہ) اسماء بنت عمیس (خثعمیہ)، فاطمہ بنت المجلل قرشیہ عامریہ، فکیہ بنت یسار، رملہ بنت ابی عوف اور امینہ بنت خلف خزاعیہ رضی اللہ عنہن سابقات الی الاسلام میں سے ہیں لیکن یہ سب کچھ پوشیدہ طور سے ہوا۔

(سیرت رسول عربی صفحہ ۵۸)

صحابہؓ بھی نماز مکہ کی گھاٹیوں میں چھپ کر پڑھتے تھے۔ ایک دن سعد بن ابی وقاصؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ کی کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین میں سے کسی نے دیکھ لیا اور اس طرح عبادت کرنے پر برا بھلا کہا اور باہم لڑائی ہو گئی۔ حضرت سعدؓ نے اونٹ کی کھوپڑی ان کو دے ماری جس سے ایک بدکار کا سر زخمی ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ اور آپ کے چند جاں نثار کوہ صفا کے نشیب میں واقع دار ارقم میں رہنے لگے اور وہیں نماز پڑھتے تھے۔

(سیرت رسول عربی صفحہ ۵۸)

کتنی نمازیں فرض ہوئیں: مدارج النبوت (جلد ا صفحہ ۸۴ (اردو) مطبوعہ کراچی) کے مطابق سب سے پہلے دو رکعت نماز فرض ہوئی جس کی تعلیم آپ ﷺ کو جبریل نے دی تھی۔ مقاتل کا قول ہے کہ اولاً دو رکعت نماز فجر اور دو رکعت نماز عشاء فرض ہوئی۔ حافظ ابن حجر (در فتح الباری، کتاب الصلوۃ) فرماتے ہیں کہ اس پر تو اتفاق ہے کہ واقعہ معراج سے قبل آپ ﷺ اور صحابہؓ نماز ادا فرمایا کرتے تھے مگر اس میں اختلاف ہے کہ یہ نمازیں کون کون سی تھیں۔ امام نووی (شرح مسلم) کے مطابق پہلی نماز جو آپ ﷺ پر فرض ہوئی وہ رات کی نماز تھی جیسا کہ سورۃ مزمل میں قیام اللیل کا ارشاد ہے۔ بلاذری نے دو روایتیں نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کو ابتدائے وحی کے فوراً بعد وضو اور نماز کی تعلیم دی گئی۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ صفحہ ۳۱)

سورہ فاتحہ کا نزول: ابتدائے وحی کے زمانہ میں (رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق) آپ ﷺ تنہائی میں "یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ" کی آوازیں سنتے مگر کوئی نظر نہ آتا۔ لہذا بتقاضائے بشریت آپ ﷺ متحیر ہو جاتے۔ اس کا ذکر آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے

Marfat.com

کیا۔ وہ آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ آئندہ ایسی آواز سنیں تو گھبرائیں نہیں بلکہ "لبیک" کہیں اور سنیں کہ آگے کیا ہوتا ہے چنانچہ جب پھر آپ ﷺ نے ایسی آواز پر "لبیک" فرمایا تو آواز دینے والے نے کہا:

اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ پھر کہا **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم۔۔۔ الخ** علماء متاخرین کا خیال ہے کہ اقراء کے بعد فترت وحی واقع ہوئی۔ پھر المدثر نازل ہوئی اور غار حرا میں جبرائیل کے ظاہر ہونے سے پہلے سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔ بعض دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ اقراء اور المدثر کی آیتوں کے بعد سب سے پہلے مکمل سورۃ جو نازل ہوئی وہ فاتحہ الکتاب ہی تھی۔ واللہ اعلم!

(معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۹۔ ۲۲۰)

فترت وحی: مبشرات اور پہلی (دوسری) وحی کے بعد (خفیہ تبلیغ جاری تھی کہ بلا اطلاع) تین سال تک وحی الٰہی کا سلسلہ رکا رہا جس کے دوران آپ ﷺ بعض اوقات اس کے اعادے کی خواہش کے باعث نہایت افسردہ، بے چین اور بے قرار ہو جاتے تو آسمان کے افق پر جبرائیل امین کو دیکھتے جو آپ ﷺ کو یقین دلاتے کہ آپ ﷺ یقیناً اللہ کے سچے رسول ہیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۹۶ مطبوعہ بیروت)

اس عرصے میں کبھی بے چینی اس قدر بڑھتی کہ غم کے مارے آپ ﷺ کسی پہاڑ کی چوٹی سے خود کو گرانے کا ارادہ کرتے تو عین موقع پر جبرائیل امین ظاہر ہوتے اور کہتے "اے محمد ﷺ آپ بے شک اللہ کے سچے رسول ہیں۔" ایک روایت میں ہے کہ وہ کہتے "یا محمد! آپ ﷺ کہاں جاتے ہیں میں جبرائیل آپ کا دوست اور بھائی ہوں۔" اور پھر آپ ﷺ مطمئن ہو جاتے۔

• (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ (اردو) مطبوعہ لاہور)

آپ ﷺ زمانہ فترت وحی میں غار حرا میں تشریف لے جاتے رہے۔ اس سلسلے میں پریشانی اور غم واندوہ کی وجوہات غالباً یہ تھیں کہ خفیہ تبلیغ کے زیر اثر جو لوگ ایمان لا چکے تھے وہ آپ ﷺ سے پوچھتے ہوں گے کہ نئے احکام کیا آئے ہیں جس کا جواب آپ ﷺ کے پاس کوئی نہ تھا۔ نیز وحی الٰہی کی لذت خاص سے مجبوری شاق گزرتی تھی۔ علماء نے لکھا ہے کہ فترت وحی کا مقصد دراصل آپ ﷺ کے شوق کو ہوا دینا تھا۔ یہ گویا حسن ازل کی ایک ادا تھی تاکہ وہ طالب صادق کے اضطراب محبت اور درد ہجر اور شوق وصل کا نظارہ کرے۔

(الذکر الحسین حصہ اول صفحہ ۱۹۵)

وحی پھر آنے لگی: اسی عرصہ میں ایک دن آپ ﷺ نے جبرائیل کو پہلی بار زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا دیکھا اور اس نے آپ ﷺ کو اپنا تعارف کروایا کہ

Marfat.com

میں جبریل ہوں اور آپ ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ یہ سنا تو (غالباً وحی الٰہی یعنی قرآن کریم کے واعیانہ تصور کی وجہ سے) خشیت الٰہی نے آپ ﷺ پر غلبہ کیا۔ آپ ﷺ گھر پہنچے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا "مجھے کپڑا اوڑھا دو۔" چنانچہ جب آپ کپڑا اوڑھے لیٹے ہوئے تھے اسی حال میں جبریل امین اللہ کا پیغام لے کر حاضر ہوئے اور کہا:

یا ایھا المدثر قم فانذر و ربک فکبر و ثیابک فطہر و الرجز فاھجر

"یعنی اے کپڑا اوڑھنے والے محبوب! اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرایئے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے، اپنے کپڑے پاک رکھیے اور نجاست سے بچتے رہیے۔"

رشتہ داروں کو تبلیغ: اس کے بعد آپ اٹھے اور تبلیغ و دعوت کا فریضہ نبھانے لگے۔

پھر یہ حکم بھی ہوا کہ **وانذر عشیرتک الاقربین** (۲۶:۲۱۴) یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت اسلام دیجیے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کی ضیافت کی۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ابولہب کو آپ ﷺ سے کد تھی اس لئے اس نے بہت زیادہ بدزبانی کی اور پھر سب لوگ منتشر ہو گئے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ صفحہ ۳۰)

بقول بعض پہلے روز کی دعوت میں ابولہب نے اس قدر بک بک کی کہ حضور علیہ السلام کو دعوت اسلام دینے کا موقع نہ مل سکا چنانچہ اگلے روز پھر اسی طرح دعوت فرمائی۔ جب لوگ کھانا کھا کر اور دودھ وغیرہ پی کر آرام سے بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا:

"حضرات! میں آپ کے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ سارے عرب میں اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر چیز اور کوئی نہیں لایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اسلام کی دعوت دوں۔ بتایئے آپ میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟"

سب لوگ خاموش بیٹھے تھے کہ حضرت علیؓ جن کی عمر آٹھ دس سال تھی، اٹھے اور کہا "یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا۔" آپ ﷺ نے یہ سنا تو حضرت ابوطالب کو فرمایا کہ علیؓ جو کہا کرے مانا کیجیے۔ یہ سن کر لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑے اور ابوطالب سے مذاق کرنے لگے کہ اب آپ اپنے ننھے بیٹے کا کہا مانا کرو۔

(رحمۃ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۶۰ بحوالہ ابوالفدا صفحہ ۱۱۷)

مکہ والوں کو علانیہ تبلیغ: جب **فاصدع بما تومر** (۱۵:۹۴) کا ارشاد ربانی نازل ہو چکا تو تبلیغ عامہ کا سلسلہ شروع ہوا اور حضور علیہ السلام نے برملا دعوت اسلام دینا شروع کر دی۔ ایک روز آپ ﷺ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو اکٹھا فرمایا اور پوچھا

Marfat.com

"کیا تم مجھے سچا مانتے ہو یا جھوٹا؟" سب نے بیک زبان ہو کر کہا کہ ہم نے آج تک آپ ﷺ کی زبان سے غلط اور گری ہوئی بات کبھی نہیں سنی اور ہم نے تمہیں ہمیشہ سچا اور امانت دار پایا ہے۔ فرمایا "اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کے اس طرف ڈاکوؤں کا گروہ گھات لگائے بیٹھا ہے جو موقعہ پاکر تمہیں لوٹ لے گا تو کیا تم میرا یقین کر لو گے؟" سب نے کہا۔ "کیوں نہیں جبکہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔" اور پھر آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے دونوں طرف یکساں دیکھ رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ تو سمجھانے کے لئے مثال بیان کی تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ موت تمہارے سر پر ہے۔ سب کو ایک دن اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ میں آخرت کو بھی اسی طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح دنیا کو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دعوت اسلام کے لئے مامور فرمایا ہے۔ اگر تم ایمان لاؤ گے تو بہتر ورنہ اللہ کا عذاب ضرور آئے گا۔"

یہ سن کر سب لوگ ناراض ہو کر چلے گئے اور ابولہب نے غصہ سے کہا "تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا اسی مقصد کے لئے ہمیں بلایا تھا؟" اور چلا گیا۔ اس کے بعد اس بدتمیزی کا جواب اللہ تعالیٰ نے سورۃ لہب میں یوں دیا کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے اور واقعی ٹوٹ گئے (کیونکہ) نہ اس کا مال کام آیا نہ اعمال۔۔۔ الخ

(رحمت للعالمین جلد ۱ صفحہ ۶۰-۶۲، سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۲۱۰ طبع پنجم، خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۶۳ (ترجمہ اردو) معارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۴۴-۲۴۳)

حضرت ابوطالب پر دباؤ:

علانیہ تبلیغ کے بعد حضور علیہ السلام نے بت پرستی وغیرہ کی برملا مذمت شروع کی تو سرداران قریش عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ بن عبد شمس، ابوسفیان، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل سہمی اور اسود بن مطلب وغیرہ حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ اور ہمیں احمق ٹھہراتا ہے۔ تم اسے منع کر دو ورنہ اسے ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم خود اسے سمجھ لیں۔ حضرت ابوطالب نے ان لوگوں کو نرمی سے سمجھا بجھا کر ٹال دیا مگر حضور علیہ السلام کی مسلسل تبلیغ جب کفار کے لئے سوہان روح بن گئی تو وہ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ کی بہت عزت و تکریم کرتے ہیں مگر آپ نے اپنے بھتیجے کو نئے دین کی تبلیغ سے منع نہیں کیا۔ ہماری طرف سے وارننگ ہے کہ یا تو اسے روکو ورنہ پھر تم بھی اس کے ساتھ میدان میں آؤ تاکہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ چلے گئے۔ اب حضرت ابوطالب نے حضور علیہ السلام کو سمجھانا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا "چچا جان! اگر وہ لوگ مجھے تبلیغ سے روکنے کے لئے میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند بھی رکھ دیں تو خدا کی قسم میں یہ کام نہیں چھوڑ سکتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے غالب کر دے یا میں اس کام میں کام آجاؤں۔" (سیرت ابن ہشام جلد اول) پھر آنحضرت ﷺ رو پڑے اور واپس آنے لگے تو حضرت ابوطالب نے بلا کر کہا کہ آپ ﷺ اپنا کام جاری رکھیں، میں کسی حال میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔

Marfat.com

جہالت بھرا منصوبہ: جب قریش کا اس طرح بھی کام نہ بنا تو انہوں نے ایک اور چال چلی وہ عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ساتھ لئے ابو طالب کے پاس گئے اور کہا:

"اے ابو طالب! یہ عمارہ ہے۔ قریش میں نوخیز، بہت خوبصورت اور قوی الجثہ ہے۔ اسے تو لے لے اور محمد ﷺ کی جگہ اپنا بیٹا بنا لے اور اس کے بدلے، محمد ﷺ کو ہمارے حوالے کر دے۔"

حضرت ابو طالب نے کہا "خدا کی قسم تم مجھے بڑی تکلیف دہ بات کہتے ہو۔ کیا تم مجھے اپنا بیٹا اس لئے دیتے ہو کہ میں اسے پالوں پوسوں اور وہ زندہ رہے اور میں تمہیں اپنا بیٹا دے دوں تاکہ تم اسے قتل کر ڈالو، واللہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔" یہ سن کر قریش کے سردار غصے کی حالت میں واپس لوٹ گئے۔

موسم حج: پھر ایک دن قریش ولید بن مغیرہ کے ہاں اکٹھے ہوئے کیونکہ حج کے دن قریب تھے۔ ولید ان میں بلحاظ فصاحت و بلاغت بھی ممتاز مقام رکھتا تھا۔ انہوں نے ولید سے کہا کہ ایام حج میں عرب قبائل آئیں گے اور وہ محمد ﷺ کا دعویٰ بھی سنیں گے اور ہماری رائے بھی لیں گے۔ لہٰذا ہمیں ایک متفقہ رائے قائم کرلینی چاہیئے تاکہ ہم لوگ اجنبی حجاج میں ذلت نہ اٹھائیں۔ ولید بولا کہیے وہ رائے کیا ہونی چاہیئے؟

قریش میں سے کسی نے کہا کہ ہم حضور علیہ السلام کو کاہن کہہ کر لوگوں کو ان سے بدظن کریں گے۔

ولید بولا، خدا کی قسم وہ کاہن نہیں اس کا کلام نہ کاہن کا زمزمہ ہے نہ سجع۔

کوئی بولا، ہم دیوانہ کہیں گے۔

ولید بولا، بخدا وہ دیوانہ نہیں، اس ﷺ میں دیوانوں کا غیظ و غضب نہیں اور نہ خلجان و وسوسہ ہے۔

کوئی بولا، تو ہم شاعر کہہ دیں گے۔ ولید بولا، شاعری کی اقسام سے ہم واقف ہیں۔ اس کا کلام شعر نہیں۔

کسی نے کہا تو ہم کہیں گے کہ محمد ﷺ جادوگر ہے۔ ولید نے کہا جادوگروں کی خصوصیات میں سے اس ﷺ میں ایک بھی نہیں۔ نہ پھونک مارنا نہ رسیوں اور بالوں کو گرہ دینا۔

اس پر سب نے بیک زبان کہا۔ "اے ابو عبد شمس! پھر تم ہی بتاؤ کہ وہ متفقہ رائے کیا ہونی چاہیئے؟"

ولید بولا، خدا کی قسم اس ﷺ کے کلام میں بڑی حلاوت ہے۔ اس کلام کی اصل مضبوط جڑ والا خرما کا درخت ہے۔ اس کی فرع پھل ہے۔ تم اس ﷺ کے بارے میں کوئی بھی غلط بات کرو تو سننے والا فوراً جان جائے گا کہ تم جھوٹے ہو۔ البتہ کسی حد تک مناسب یہی بات ہے کہ اسے ﷺ جادوگر کہا جائے کہ وہ ایسا کلام پڑھتا ہے جس سے بھائی بھائی، باپ بیٹے، میاں بیوی اور خویش و اقارب میں جدائی پڑ جاتی ہے۔ یہ طے کر کے قریش مجلس سے اٹھ کر چلے گئے چنانچہ جب لوگ حج کے لئے آنے لگے تو

Marfat.com

ہوئے تو قریش کے ایجنٹ مختلف راستوں پر بیٹھ کر آنے والوں کو حضور علیہ السلام کے بارے میں من گھڑت باتیں کہہ کر ڈرا دیتے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کوئی شخص حضور علیہ السلام کی ازلی حقیقت پر مبنی پر تاثیر باتیں سن کر ایمان کی دولت نہ پا جائے تاکہ ان کی جھوٹی سرداری اور لغویات پر مبنی مشرکانہ چودھراہٹ ڈولنے نہ پائے اور کعبہ کے توسط سے ان کو جو عزت و اکرام دیگر ممالک میں بھی حاصل ہے وہ چھن کر نہ رہ جائے۔ اس لئے مشرکین مکہ ہر لحہ حضور ﷺ اور آپ کے متبعین کو مٹانے میں لگے رہتے۔ (سیرت رسول عربی بحوالہ ابن ہشام)

ایذا رسانی: اگرچہ حضرت ابوطالب نے کسی بھی طرح کے دباؤ میں آنے سے انکار کر دیا تھا تاہم حفظ ماتقدم کے طور پر انہوں نے بنو ہاشم کو بلایا اور صورت حال ان کے سامنے رکھی۔ قبائلی نظام میں یہ ضروری تھا کہ حضور علیہ السلام کے اہل خاندان آپ ﷺ کی حمایت پر کمربستہ ہوں چنانچہ بنی ہاشم نے خاندانی حمیت کی وجہ سے حضور کے تحفظ کا یقین دلا دیا۔ جب قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے کھل کر دشمنی کرنے کی بجائے آپ ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جن کی تعداد تیس چالیس یا زیادہ ہو چکی تھی، مکر و حیلہ سے ایذا رسانی کا بیڑہ اٹھایا۔

حضور علیہ السلام کی مخالفت میں سب سے آگے آگے جو سردار تھے ان میں ابو جہل (بن ہشام)، ابولہب بن عبد المطلب، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص، اسود بن المطلب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، امیہ بن خلف، ابو قیس، نضر بن الحارث، منبہ بن الحجاج، صائب عاص بن سعید، حارث بن قیس سہمی، اسود بن عبد الاسد، عدی بن حمرا، عاص بن ہشام اور ابی الاصاف وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

(معارج النبوۃ جلد ۲ اردو)

دو بُرے پڑوسی: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میں دو برے پڑوسیوں ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط کے درمیان رہا کرتا تھا۔ یہ دونوں مجھے بہت ستاتے، غلاظت اکٹھی کر کے میری راہ میں پھینک دیتے۔ منذر بن جہم سے روایت ہے کہ عقبہ گندگی کا ایک بورا آپ ﷺ کے گھر میں ڈالنے کی غرض سے لایا۔ طلیب کو پتہ چلا تو اس نے یہ بورا چھین کر اسی کے سر پر دے مارا۔ پھر عقبہ، طلیب کو پکڑ کر اس کی ماں کے پاس لے گیا۔ جو آپ ﷺ کی چچی تھی۔ عقبہ نے طلیب کی شکایت کی کہ وہ محمد ﷺ کا ساتھ دیتا ہے۔ ماں نے کہا رشتہ دار نے رشتہ دار کی مدد کر کے عمدہ کام کیا۔ محمد ﷺ پر تو ہماری جان بھی قربان ہے۔ عقبہ شرمندہ ہو کر پلٹ گیا۔

طارق بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ایک دن بازار میں ایک شخص ایک نوجوان کو پتھر مار مار کر لہولہان کر چکا تھا جو کہتا تھا ایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا "لوگو لا الہ الا اللہ کہہ کر فلاح حاصل کر لو۔" اس پر وہ آدمی کہتا کہ یہ شخص جھوٹا ہے، مت ماننا۔ پتہ چلا کہ ابولہب اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کرتا ہے اور اسے پتھروں سے زخمی کر رہا ہے۔

Marfat.com

جلالِ رسول ﷺ: ایک دن اشرافِ قریش حجر (حطیم) میں بیٹھے تھے اور حضور علیہ السلام پر طعن تشنیع کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک آپ تشریف لے آئے۔ حجراسود کو بوسہ دینے کے بعد آپ ﷺ طواف کرنے لگے مگر ان لوگوں نے بے انتہا بدتمیزی اور بکواس کی حتیٰ کہ آپ کی پیشانی پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ دوسرے طواف میں بھی یہی کچھ ہوا۔ آخر تیسری مرتبہ آپ رک گئے اور فرمایا "اے گروہ قریش! اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر تم میرے دین کو قبول نہ کرو گے تو میں بھیڑ بکری کی طرح تمہارے سر کاٹ دوں گا۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم میرے ہاتھ سے یونہی نکل جاؤ گے؟"

یہ باتیں سن کر مشرکین دم بخود رہ گئے۔ ان پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ خوشامد پر اتر آئے اور نہایت لجاجت اور نرمی سے معافی کے خواستگار ہوئے اور تعرض سے باز آ گئے چنانچہ آپ ﷺ نے طواف مکمل کیا اور واپس لوٹے۔ (معارج النبوۃ جلد ۲)

گھٹیا حرکتیں: بعض بدبخت آپ ﷺ کے سرِ انور پر کوڑا کرکٹ پھینکتے۔ دروازہ پر گندگی ڈالتے، راہ میں کانٹے بچھاتے اور بدنِ اطہر پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دیتے مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ ہوتی تو وہ لوگ حیران ہو کر چہ میگوئیاں کرنے لگتے کہ آخر اس شخص کو کیسا جنون ہے کہ نہ اسے کوئی مالی فائدہ ہے، نہ آرام و آسائش کی توقع، پھر یہ کس امید پر اس قدر تکالیف برداشت کرتا ہے لیکن انہیں کیا خبر کہ معاملہ عشقِ الٰہی کیا تاثیر رکھتا ہے۔

صدیق اکبرؓ کی جان نثاری: ایک دن آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف شروع کیا۔ کفار نے آپ ﷺ پر ایک دم ہلا بول دیا۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کے گلے میں چادر ڈال کر اتنا مروڑا کہ قریب تھا کہ آپ کی چشمانِ مبارک باہر نکل پڑیں۔ اتنے میں صدیق اکبرؓ کہیں سے آ نکلے۔ آپ حضور ﷺ کو چھڑانے لگے اور ساتھ ہی یہ کہہ رہے تھے

اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ و قد جاء کم بالبینات من ربکم "کیا تم ایسے شخص کی جان لیتے ہو جو کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں ساتھ لایا ہے۔"

(یہ قول (آیت قرآنی ہے اور) آلِ فرعون کے مومن شخص نے حضرت موسیٰ کے حق میں کہا تھا۔ صدیق اکبر آلِ فرعون کے مومن سے فاضل ہیں کیونکہ اس نے زبانی مدد پر اکتفا کیا تھا جبکہ آپ نے زبان اور کردار سے مدد کی۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس خصوص میں ابوبکر صدیقؓ کے اشجع اور سب سے زیادہ بہادر ہونے کے قائل ہیں۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۱ (اردو ترجمہ) مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

کفار حضور ﷺ کو چھوڑ کر صدیق اکبر کے درپے ہوئے اور آپ کو اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ آپؓ کی قوم بنو تمیم کو خبر ہوئی تو انہوں نے آ کر چھڑایا۔ روایات میں ہے کہ کفار نے حضرت ابو

Marfat.com

کو سر کے بالوں اور داڑھی مبارک سے پکڑ کر گھسیٹا تھا اور چہرہ اقدس پر معاذ اللہ جوتیاں ماری تھیں اور ہر طرح سے تشدد کیا تھا تب آپ بے ہوش ہو گئے لیکن زبان سے برابر یہی کہتے رہے کہ ایسے شخص کو قتل کرنا ناروا ہے جو کھلی نشانیوں کے ساتھ اللہ کی طرف سے مبعوث ہوا ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ٦١ بحوالہ بخاری شریف معارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۲۵۳)

ستم پر ستم: بخاری شریف میں ہے کہ ایک دن حضور ﷺ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش میں سے ایک (ابو جہل) بولا' آج فلاں قبیلہ نے اونٹ ذبح کیا ہے۔ کوئی شخص اس کی اوجھڑی اٹھالائے تو مزہ آجائے۔ اس پر عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور کافی وزنی اوجھڑی اٹھالایا اور پھر بحالت سجدہ آپ ﷺ کے شانوں پر ڈال دی۔ آپ ﷺ نے دیر تک سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ کفار اس منظر پر کھڑے ہنستے اور لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور انہوں نے اوجھڑی دور کی اور کفار کو برا بھلا کہا۔ آپ ﷺ نے نماز مکمل کی اور دعا کی **اللھم علیک بقریش** "الٰہی قریش سے نپٹنا تیرا ہی کام ہے۔" عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ سب کچھ دور سے دیکھا مگر للکارنے کی ہمت نہ تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر حضور نے ابو جہل' عتبہ بن ربیعہ' ولید بن عتبہ' عقبہ بن ابی معیط' ابی بن خلف' عمارہ بن ولید (جسے قریش حضور کے نعم البدل کے طور پر ابو طالب کے پاس لے گئے تھے) کا نام لے کر بددعا فرمائی جو قبول ہوئی اور یہ لوگ میدان بدر میں ہلاک ہوئے۔ (معارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۵٦' اردو)

کفایت ربانی: جب تبلیغ عام کا حکم ملا تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے گارنٹی دی تھی کہ **انا کفینک المستھزئین** (الحجر ٩۵) ابن اسحاق کے مطابق رسول اکرم ﷺ کا مذاق اڑانے والے یہ پانچ آدمی کچھ زیادہ ہی تیز طرار تھے:

(۱) اسود بن عبد یغوث بن وہب (۲) اسد بن مطلب بن اسد (۳) ولید بن مغیرہ (۴) عاص بن وائل (۵) حارث بن طلالہ خزاعی

ایک دن جبرئیل امین آئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ کعبہ کے دروازہ کے پاس کھڑے ہو گئے مذکورہ بالا اہل استہزا طواف میں مشغول تھے۔ اسود بن عبد یغوث جبرئیل کے قریب سے گزرا تو اس نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا جس کے اثر سے بعد ازاں اس کا پیٹ پھول گیا اور وہ واصل جہنم ہوا۔ پھر اسود بن مطلب گزرا' جبرئیل نے اس کے چہرے پر سبز (سا) پتہ دے مارا جس سے وہ اندھا ہو گیا۔ ولید بن مغیرہ گزرا تو جبرئیل نے اس کے ٹخنے کے زخم کی طرف اشارہ کیا جس سے وہ زخم بگڑ گیا اور بالآخر جان لیوا ثابت ہوا۔ عاص بن وائل گزرا تو جبرئیل نے اس کے پاؤں کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر ایک دن وہ طائف کے لئے گدھے پر روانہ ہوا۔ گدھا راستے میں ایک خاردار پودے پر بیٹھ گیا چنانچہ ایک کانٹا تلوے میں گھس گیا جو اس کی موت کا باعث بنا۔ حارث بن طلالہ طواف کرتا ہوا جب جبرئیل کے پاس سے گزرا تو آپ نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا جس سے وہ متورم ہو کر پیپ سے بھر گیا اور پیغام اجل کا سبب بنا۔

Marfat.com

اس طرح اللہ کا وہ ارشاد پورا ہوا کہ ہم آپ ﷺ کا مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لئے کافی ہیں۔ (تاریخ ابن اسحاق باب ۴۰ نیز خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۸۶)

ولید بن مغیرہ بڑا سمجھ دار آدمی تھا مگر اس کی تقدیر میں ہدایت نہیں تھی بلکہ گمراہی تھی چنانچہ وہ موقع بے موقع حضور ﷺ کے لئے اپنی بد تدبیریوں کے جال بچھاتا رہتا۔ اس نے جب حضور علیہ السلام کو جادوگر مشہور کرنے کی قرارداد مجلس قریش میں منظور کروائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذرنی ومن خلقت وحیدا وجعلت له مالا ممدودا وبنین شهودا --- تا --- ان هذا الا قول البشر (مدثر ۱۱ تا ۲۶)

"چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو، جسے میں نے اکیلا (منفرد) پیدا کیا اور اسے مال پھیلا کر دیا اور مجلس میں بیٹھنے والے بیٹے دیئے اور اس کی تیاری بھی خوب تیاری کر دی، پھر وہ لالچ رکھتا ہے کہ اور دوں۔ کوئی (بات) نہیں، وہ ہماری آیات کا مخالف ہے۔ جلد ہی اسے بڑی چڑھائی چڑھواؤں گا۔ اس نے غور کیا اور دل میں ٹھہرایا پھر نظر ڈالی، پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا، پھر پیچھے مڑا اور غرور کیا سو بولا کہ یہ جادو کے سوا کچھ نہیں یہ کلام (قرآن) انسان کا ہی تخلیق کردہ ہے۔ میں اسے جلد ہی آگ میں ڈالوں گا۔"

قتل کے مشورے: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ قریش حجر میں جمع ہوئے اور عہد کیا کہ محمد ﷺ کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ یہ بات حضرت فاطمہؓ نے کسی طرح سن لی اور حضور کے گوش گزار کی۔ آپ ﷺ فوراً کعبہ کی طرف چل دیئے۔ قریش نے حضور ﷺ کو سامنے دیکھا تو مبہوت رہ گئے۔ آپ نے خاک کی ایک مٹھی ان پر پھینکی اور فرمایا شاهت الوجوه جس جس کو وہ خاک لگی وہ کافر میدان بدر میں مارا گیا۔ (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۴)

ایک امتحان: قریش آپ کی اہانت اور ایذا رسانی کے ساتھ ساتھ علمی سطح پر بھی آپ ﷺ کو جانچتے رہتے تھے۔ قریش کی متفقہ تجویز کے مطابق نضر بن حارث و عقبہ بن ابی معیط یہودیوں کے پاس یثرب گئے اور ان سے حضور علیہ السلام کی علامات نبوت اور احوال کے بارے میں پوچھا۔ یہودیوں نے کہا کہ آپ ﷺ سے یہ تین باتیں پوچھو اگر جواب ٹھیک دیں تو نبی ہیں ورنہ نہیں۔

۱۔ وہ کون لوگ تھے جو پچھلے زمانے میں خدا کی طلب میں نکلے؟ (ان کی مراد اصحاب کہف سے تھی۔)
۲۔ وہ کون شخص تھا جس نے چوتھائی دنیا کی سیر کی تھی؟ (ان کی مراد ذوالقرنین سے تھی۔)
۳۔ روح کیا ہے؟

آپ ﷺ نے سوال سن کر ان کو کل آنے کے لئے کہا۔ خیال تھا کہ وحی الٰہی آئے گی اور بتا دوں گا مگر آپ ﷺ نے اتفاقاً انشاء اللہ نہ کہا تھا۔ لہٰذا وحی پندرہ دن بعد نازل ہوئی۔ اس اثناء میں کفار کو استہزا کا موقع مل گیا۔ آپ بہت پریشان تھے۔ جب جبرئیل سورہ کہف لے کر نازل ہوئے تو اس میں دو سوالوں کا جواب تھا اور ساتھ ہی اللہ کا یہ ارشاد تھا ولا تقولن بشی انی فاعل

Marfat.com

ذالک غدا الا ان یشاء اللہ "آپ انشاء اللہ کے بغیر کل کا وعدہ نہ کیا کریں۔" اور تیسرے سوال کا جواب قرآن سے آپ نے یہ دیا قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا مگر ٹھیک ٹھیک جوابات پا کر بھی ایمان کی دولت بد بختوں کے حصہ میں نہ آئی۔

اہل اسلام کو اذیت رسانی: حضور ﷺ کو اذیتیں دینے کے ساتھ ساتھ کفار نے آپ کے متبعین کو بھی ستانے میں کوئی کمی نہ کی تاکہ انہیں اسلام سے برگشتہ کر دیں۔

بلال حبشی عاشق توحید و رسالت کو ان کا آقا امیہ بن خلف جمحی دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں تپتی ریت پر چت لٹا کر اوپر بھاری پتھر رکھوا دیتا تاکہ وہ ایمان چھوڑ دیں مگر آپ بڑی استقامت سے "احد، احد" کہتے ہوئے بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت صدیق اکبر کو ان پر بڑا ترس آتا آخر انہیں خرید کر آزاد فرما دیا۔ ایک روایت ہے کہ آپ کو پانچ اوقیہ سونے کے عوض خرید کر آزاد کیا تھا۔ جنگ بدر میں حضرت بلال نے معاذ بن عفراء، خارجہ بن زید اور حبیب بن اساف کی مدد سے امیہ کو قتل کر دیا جبکہ اس کے بیٹے علی کو عمار بن یاسر اور حبیب بن اساف نے قتل کیا۔ (محمد رسول اللہ ﷺ از محمد رضا مصری اردو ترجمہ صفحہ ۱۵۹)

حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والد یاسر اور والدہ ماجدہ حضرت سمیہ تینوں تقریباً تیس صحابہ کے بعد اسلام لا چکے تھے۔ کفار ان کو بے انتہا تکالیف دیتے۔ ایک روز حضور علیہ السلام کا ادھر سے گزر ہوا، آپ نے ان کی تکالیف دیکھیں تو فرمایا اصبروا یا آل یاسر فان موعدکم الجنۃ "آل یاسر! صبر کرو، اللہ نے تمہارے لئے جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔" (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۰ اردو ترجمہ)

حضرت عمار کے والد یاسر یمن سے مکہ آئے تھے۔ ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی لونڈی سمیہ سے ان کا عقد کر دیا جن کے بیٹے عمار تھے۔ قریش ان کو اسلام لانے کی پاداش میں تپتی ریت پر لٹا دیتے اور اتنا مارتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ کو ابو جہل نے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے برچھی مار کر شہید کر دیا۔ اسی طرح حضرت یاسر کفار کے ہاتھوں اذیت اٹھاتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۳۱ طبع پنجم بحوالہ ابن اثیر)

اسلام کا پہلا شہید: حضرت حارث بن ابی ہالہ اسلام کے پہلے شہید مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی جان رسول اکرم ﷺ پر نچھاور کر کے یہ بلند مرتبہ حاصل کیا۔ ایک دن حضور علیہ السلام کعبہ شریف گئے۔ آپ کے ساتھ کچھ صحابہ کرام بھی تھے۔ جاتے ہی مسلمانوں نے نعرہ توحید بلند کیا۔ کفار چڑ گئے اور بلوہ کر دیا۔ ان کا ہدف حضور علیہ السلام کی ذات اقدس تھی۔ حضرت حارث اپنے گھر میں تھے۔ شور سنا تو بھاگے آئے اور حضور علیہ السلام کو بچاتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(مکی مدنی ماہی ﷺ صفحہ ۴۳)

Marfat.com

دو اور شہید: ان کے بعد جن دو خوش قسمت بندوں نے اپنی جان کا نذرانہ اسلام کی راہ میں پیش کیا وہ حضرت عمار کے والدین تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔ حضرت عمارؓ کو کافر اتنی اذیت دیتے کہ ایک دفعہ مجبور کر کے ان سے کلمہ کفر کہلوالیا اور پھر یہ خبر حضور کی خدمت میں پہنچائی کہ عمار کافر ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ ناممکن ہے کیونکہ ایمان اس کے گوشت پوست اور خون میں رچ بس چکا ہے۔ جب حضرت عمار کو کافروں سے نجات ملی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ کفار کے ظلم و ستم کی وجہ سے روتے تھے۔ آپ ﷺ نے کمال شفقت سے ان کے آنسو اپنے دست مبارک سے پونچھے اور فرمایا ان عادوا لک فعد لہم بما قلت

(معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۱)

بعض مفسرین نے آیت کریمہ من کفر باللہ بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (نحل-۱۰۶) کا شان نزول حضرت عمارؓ کے اس واقعہ کو قرار دیا ہے۔

(معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ ،

ابو فکیہ کا اصل نام افلح تھا۔ کفار ان کے پیروں میں رسی باندھ کر گھسیٹتے جس کی وجہ سے ان کا بدن لہولہان ہو جاتا مگر آپ راہ حق سے روگردانی کے مرتکب نہ ہوئے۔ وباللہ التوفیق!

حضرت خبابؓ ابن ارت بنو تمیم سے تھے۔ جاہلیت کے دور میں غلام بنائے گئے۔ ام انمار نے ان کو خرید لیا۔ یہ اس وقت ایمان لائے جب حضور علیہ السلام دار ارقم میں جاگزیں تھے اور صرف چھ سات اشخاص ہی ایمان لائے تھے۔ آپ کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اذیت دی جاتی۔ گردن مروڑی جاتی اور کئی بار دہکتے کوئلوں پر ڈال دیا جاتا جس سے بدن کی چربی باہر نکل آتی۔ آپ لوہار تھے اور لوگوں کا کام کر کے روزی کماتے۔ کئی لوگوں نے آپ کا قرضہ دینا تھا۔ جب طلب کرتے تو وہ حضور ﷺ کا دامن چھوڑنے کی شرط لگا دیتے۔ آپؓ فرماتے یہ نہیں ہو سکتا کہ ادھار کی وصولی کی خاطر محمد ﷺ کو چھوڑ دوں بلکہ اگر تم ایک دفعہ اور جنم لو اور پھر یہ مطالبہ کرو تو بھی نہیں۔

(سیرت النبی ج ۱ صفحہ ۲۲۹ بحوالہ طبقات ابن سعد ج ۳ تذکرہ خبابؓ)

حضرت صہیبؓ کسریٰ کی طرف سے مقرر کردہ "ابلہ" کے حاکم سنان کے بیٹے تھے، ان کا خاندان موصل میں رہتا تھا۔ ایک دفعہ رومیوں نے حملہ کیا اور آپ قیدی بنا کر روم لائے گئے۔ جہاں یہ پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔ اسی لئے آپ کو صہیبؓ رومی کہا جاتا ہے۔ آپ کو ایک عرب نے روم سے خریدا اور مکہ لے آئے۔ جہاں عبداللہ بن جدہان (جدعان) نے خرید کر آزاد کر دیا۔ آپ حضرت عمار بن یاسر کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے تھے۔ قریش آپ کو بھی اذیت ناک سزائیں دیتے کہ کسی طرح حضور کا دامن چھوڑ دیں مگر ایمان ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔ ہجرت کے موقع پر کفار نے صرف اس شرط پر ہجرت کی اجازت دی کہ وہ اپنا سارا اثاثہ مکہ ہی میں چھوڑ جائیں اور خالی ہاتھ ہجرت

Marfat.com

کریں۔ آپ نے اسے بخوشی قبول کر لیا۔ سمیہ والدہ عمار بن یاسر کے علاوہ کچھ اور خواتین (جو کہ لونڈیاں تھیں) نے بھی راہ ایمان میں بڑی استقامت کا ثبوت دیا۔ یہ خواتین "معینہ"، زنیرہ"، نہدیہ" اور ام عیس" تھیں جن کے سنگدل آقاان کو وحشیانہ سزائیں صرف اس لئے دیتے تھے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھیں مگر ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ یہ حضور علیہ السلام کے ساتھ محبت اور عقیدت کا اعجاز تھا۔ حضرت بنیہ" ایک مسلمان کنیز تھیں جن کو بزمانہ جہالت عمر بن خطاب اتنا مارتے کہ مارتے مارتے خود تھک جاتے پھر ستانے بیٹھ جاتے بعد ازاں دوبارہ مارنا شروع کر دیتے۔ حضرت بنیہ" فرماتیں "عمر! جتنا چاہے مارو' اسلام نہیں چھوڑوں گی۔ البتہ اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو اس کی سزا ضرور پاؤ گے۔"

حضرت زنیرہ" حضرت عمر کے گھرانے کی کنیز تھیں۔ اسلام لانے سے پہلے عمر بن خطاب ان کو بھی بہت اذیت پہنچاتے ابو جہل نے بھی اسلام لانے کی پاداش میں حضرت زنیرہ کو اتنا مارا کہ آپ کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ عامر" بن فہیرہ بھی غلام تھے ان کو بھی بہت ستایا جاتا تھا مگر اسلام کو ان کے دل سے نکالا نہ جاسکا۔ صدیق اکبر" کے فضائل کے دفتر کا پہلا باب یہ ہے کہ آپ" نے ان مظلوموں کی جان بچائی اور حضرت بلال"، عامر بن فہیرہ"، بنیہ"، زنیرہ"، نہدیہ" اور ام عیس" کو کافی مہنگا خرید کر آزاد کر دیا۔

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۲۹۔۲۳۰)

اسلام کے سچے قدردان: اسلام کی قدر تو ان لوگوں کو تھی۔ جنہوں نے اذیتیں برداشت کیں' جانیں قربان کر دیں لیکن اسلام کا رحمت بھرا دامن چھوڑنے کو تیار نہ ہوئے۔ آج کے مسلمان کفار سے اس قدر مرعوب ہیں کہ الامان! وہ ان کی ذرا سی مخالفت کی تاب بھی نہیں لا سکتے اور فوراً گھٹنے ٹیکتے ہوئے اسلامی تعلیمات میں ہی کیڑے نکالنے لگتے ہیں تاکہ کفار کی خوشنودی حاصل کر کے وہ دنیوی فوائد سے متمتع ہوتے رہیں حالانکہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے اور یہی امتحان ان کی اخروی کامیابی کا باعث بننے والا ہے مگر بزدل اور مرعوب نام نہاد مسلمان اس نکتے کو سمجھتے ہی نہیں اور ان کی نظر اس دنیا سے آگے بڑھتی ہی نہیں۔

شرفاء سے سلوک: غلاموں اور بے کسوں کے علاوہ قریش ان مسلمانوں پر بھی ظلم ڈھاتے تھے جو ان ہی میں سے تھے۔ حضرت عثمان جب اسلام لائے تو آپ کے چچا کو پتہ چلا اس نے آپ کو کھجور کی صف میں لپیٹ دیا اور سر کی جانب دھواں کر دیا تاکہ دھوئیں سے سانس نہ لے سکیں۔

(رحمتہ للعالمین جلد ا صفحہ ۶۴)

اور یہی سلوک حضرت زبیر بن العوام کے ساتھ کیا جاتا تھا۔

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۳۲)

حضرت مصعب" بن عمیر کو آپ کی والدہ نے اسلام قبول کرنے کی پاداش میں گھر سے نکال دیا حضرت ابوذر" کو قریش نے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ حضرت عمر کے بہنوئی سعید بن زید اسلام لائے تو ان

Marfat.com

رسیوں میں جکڑ دیا گیا۔ بعض صحابہ کو قریش گائے یا اونٹ کی کچی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں گرم ریت اور پتھروں پر ڈال دیتے لیکن ان کو عشق رسول ﷺ نے ایسا نشہ چڑھا دیا تھا کہ جسے دنیا کی بڑی سے بڑی اذیت بھی اتارنے میں ناکام رہی۔

(مکی مدنی ماہی صفحہ ۲۴۹)

عتبہ بن ربیعہ کی بات چیت:

اسلام کی روزافزوں ترقی سے خائف ہو کر قریش نے ایسے ماہر کی خدمات حاصل کیں جو کہانت و سحر اور شعر و سخن میں طاق تھا۔

اس کام کے لئے انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو چنا اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ مسجد حرام میں تھے، عتبہ بولا۔ یا محمد ﷺ! آپ بہتر ہیں یا عبداللہ (آپ کے والد ماجد) آپ ﷺ چپ رہے۔ پھر یہی سوال عبدالمطلب کے بارے میں پوچھا۔ اب بھی آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر خود ہی کہنے لگا۔ اگر وہ بہتر ہیں تو وہ بتوں کو مانتے تھے پس تم بھی مانو۔ اگر تم بہتر ہو تو میرے ساتھ بات کرو اور قائل کرو۔

دوسری روایت میں ہے کہ عتبہ نے کہا۔ "اے میرے بھتیجے! تیرا حسب و نسب مسلمہ طور پر بلند ہے مگر تیری تعلیمات سے لوگوں میں تفرقہ پڑ گیا ہے۔ بقول تیرے ہم سب جاہل اور احمق ہیں۔ تو ہمارے بزرگوں کو بھی کافر کہتا ہے ہم عربی قبیلوں میں تیری تعلیمات کی وجہ سے ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں۔ اگر تو شہوت کے زیر اثر یہ سب کچھ کرتا ہے تو ہم قریش کی حسین تر عورت جو تجھے پسند ہو تیرے عقد میں دینے کو تیار ہیں۔ اگر اس کی وجہ غربت و افلاس ہے تو ہم اتنا مال دیں گے کہ تو متمول ترین ہو جائے گا۔ اگر حکومت اور سیادت کی خواہش کا یہ افسوں ہے تو ہم تجھے اپنا حاکم اور بادشاہ بنانے کو تیار ہیں اور اگر دماغی خرابی کی وجہ سے یہ سب کچھ سرزد ہو رہا ہے تو ہم تیرا علاج کرائیں گے۔"

رسول اللہ نے یہ باتیں سنیں تو جواب میں یہ آیات پڑھیں۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم حٰمٓ ○ تنزیل من الرحمن الرحیم کتاب فصلت آیاتہ قرآنا عربیا لقوم یعلمون--- فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود** یہ آیت سن کر عتبہ بولا **حسبک** پھر پوچھا کسی اور کے پاس ایسا کلام نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں۔"

پھر عتبہ اپنی قوم میں آیا۔ قریش نے دور سے اندازہ لگایا کہ ابو ولید کا چہرہ وہ نہیں جو جاتے وقت تھا آتے ہی اس نے قریش کو سمجھایا۔ "میں نے آج محمد ﷺ سے وہ کلام سنا کہ ویسا کبھی نہ سنا تھا۔ بخدا اس کلام کی شان عظیم ہے۔ بہتر ہو گا کہ ہم محمد ﷺ کو ستانا ترک کر دیں اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ اگر قبائل عرب اس پر غالب آ گئے تو تمہارا کام مفت میں بن جائے گا اور اگر وہ مغلوب ہوئے کہ محمد ﷺ کی کامیابی تمہاری کامرانی ہے۔ اس کا ملک تمہارا ملک اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے۔ قریش

Marfat.com

یہ سنتے ہی ناراض ہو گئے اور کہا۔ "عتبہ بھی محمد ﷺ کی جادو بیانی کا شکار ہو گیا۔" عتبہ بولا' میری رائے تو یہی ہے آگے تم مختار ہو۔ (معارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۵۶۔ ۲۵۴)

ہجرت حبشہ اولیٰ ۵ نبوی و ثانی ۶ نبوی

جب کفار کی طرف سے ایذا رسانی کا سلسلہ دراز تر اور ناقابل برداشت ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ سے فرمایا کہ حبشہ کا بادشاہ اپنے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا تم میں سے جو چاہے وہاں ہجرت کر جائے چنانچہ اس سال ماہ رجب میں ایک گروہ نے ہجرت کی جس میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں۔ ان میں حضرت عثمانؓ بن عفان اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ بنت رسول اکرم ﷺ بھی شامل تھیں۔ حسن اتفاق سے جب یہ قافلہ ساحل سمندر پر پہنچا تو وہاں سے دو تجارتی جہاز حبشہ (موجودہ ایتھوپیا) کو جانے کے لئے تیار تھے۔ اہل جہاز نے مہاجرین کو سستے کرایہ پر بٹھالیا۔ قریش کو ہجرت کی خبر ہوئی تو انہوں نے قافلہ کا تعاقب کیا مگر بحری جہاز اب جا چکے تھے۔ مہاجرین یہاں تین ماہ تک رہے۔ پھر شوال کے مہینے میں ان کو یہ اطلاع ملی کہ اہل مکہ حضور علیہ السلام پر ایمان لے آئے ہیں چنانچہ ان میں سے اکثر مکہ معظمہ واپس آگئے لیکن یہاں آکر پتہ چلا کہ یہ بات محض افواہ تھی جبکہ قصہ کچھ اور تھا۔ (سیرت رسول عربی ﷺ صفحہ ۶۶)

ہجرت ثانی: کفار کی طرف سے ایذا رسانی برابر جاری تھی۔ لہٰذا حضور ﷺ کی اجازت سے ۶ نبوی میں ۸۳ صحابہ کرامؓ اور گیارہ یا اٹھارہ صحابیات نے اب کی بار بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں چین کی زندگی بسر کرنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی ہجرت کے ارادہ سے حبشہ کی جانب نکلے تھے۔ پانچ دن کی مسافت کے بعد جب آپ برک الغماد پہنچے تو قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنہ ملا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ آپ قریش کی اذیتوں سے تنگ آکر ہجرت کر رہے ہیں تو اس نے آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور واپس مکہ لے آیا۔ (البلاذری' انساب الاشراف از محمد حمید اللہ قاہرہ طبع ۱۹۵۹ء)

قریش نجاشی کے دربار میں: قریش کو مسلمانوں کا حبشہ میں امن اور چین سے رہنا کیسے گوارا ہو سکتا تھا۔ پس انہوں نے عمرو بن العاص کی سرکردگی میں تحائف وغیرہ دے کر ایک وفد حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا اور استدعا کی کہ ہمارے کچھ باغی جو حبشہ میں قیام پذیر ہیں' واپس کر دیئے جائیں۔ نجاشی جس کا اصل نام اصحمہ تھا بڑا عادل بادشاہ تھا اور عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو دربار میں بلایا اور پوچھ گچھ کی۔ جب اسے پتہ چلا کہ یہ لوگ دین حق قبول کرنے کی پاداش میں ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ہیں تو اس نے قریش کی سفارت کو نامراد واپس کر دیا۔

۶ نبوی میں ہی حضور علیہ السلام کے چچا امیر حمزہؓ ایمان لائے۔ آپ کے تین دن بعد حضرت عمرؓ بن خطاب کو ایمان کی نعمت میسر آگئی۔ قریش نے دیکھا کہ اسلام کی روشنی چار سو پھیلتی جارہی ہے اور مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے تو وہ بہت تلملائے اور حضور ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ

Marfat.com

بنایا یہ 7 نبوی کی بات ہے۔ حضرت ابو طالب کو پتہ چلا تو آپ نے بنی ہاشم سے مشورہ کر کے حضور علیہ السلام کو حفاظت کی غرض سے ساتھ لے کر شعب ابو طالب میں رہنے کا فیصلہ کیا جہاں آپ ﷺ اور آپ کے حامی تقریباً ۳ سال تک رہے۔ اس عرصہ میں قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا بائیکاٹ کئے رکھا اور ایک معاہدہ کے تحت ان کے ساتھ لین دین، مناکحت اور رسم و راہ تک سے کنارا کئے رکھا۔

نجاشی کون تھا: حبشہ کا بادشاہ "ابجر" تھا۔ اس کا اکلوتا بیٹا اصحمہ (نجاشی) تھا۔ ابجر کا ایک بھائی بھی تھا جس کے بارہ لڑکے تھے۔ اہل حبشہ نے اپنی عقل کے مطابق فیصلہ کیا کہ نجاشی کے باپ کو قتل کر کے اس کی جگہ اس کے چچا کو بادشاہ بنالیا جائے تاکہ کثرت اولاد کی وجہ سے توارث کے طور پر ملک ان کے قبضہ میں رہے چنانچہ ابجر کو قتل کر کے انہوں نے نجاشی کے چچا کو بادشاہ بنایا۔ نجاشی ابھی بچہ ہی تھا۔ جب وہ جوان ہوا تو اپنے چچا کی خدمت پر مامور ہوا اور اس کا قابل اعتماد مشیر و دبیر بن گیا اور کاروبار سلطنت نہایت عدل و انصاف سے چلانے لگا۔

اب وہ جماعت جس نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا متفکر رہنے لگی۔ اس نے سازش کر کے بادشاہ کے کان بھرے اور نجاشی کو قتل یا ملک بدر کرنے کا مشورہ دیا۔ بادشاہ نے مجبوراً ملک بدری کا حکم صادر کر دیا۔ اعیان ملک نجاشی کو ساحل سمندر پر لے گئے اور اسے بحری تاجروں کے ہاتھ چھ سو درہم میں بیچ دیا جو موافق ہوا کے انتظار میں رکے رہے۔

اسی روز بعد از نماز ظہر گرج چمک کے ساتھ بارش شروع ہوگئی۔ بادشاہ گھنگھور گھٹاؤں اور رم جھم برکھا سے لطف اندوز ہونے سیر کو نکلا اور آسمانی بجلی گرنے سے جل کر خاکستر ہو گیا۔ اعیان دولت سخت پریشان ہوئے کیونکہ بادشاہ کے بارہ بیٹے گویا بلی کے بارہ بلونگڑے تھے جو سلطنت کے قابل نہ تھے۔ اب انہوں نے اصحمہ نجاشی کو بحری تاجروں سے جو ابھی تک ساحل سے روانہ نہ ہو سکے تھے، واپس لا کر اسے اپنا بادشاہ بنالیا اور چھ سو درہم بھی واپس نہ دیئے۔

تاجروں نے نجاشی کے دربار میں نالش کر دی۔ اس نے فیصلہ دیا کہ یا تو ان کو رقم واپس کی جائے یا ان کا غلام لوٹایا جائے۔ اس طرح نجاشی نے پہلا عدل اپنے ہی مقدمہ میں کیا اور تاجروں کو ان کی رقم واپس دلائی۔ نجاشی کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رشوت قبول نہ کرتے ہوئے مجھے حکومت دی۔ اس کا اشارہ اسی واقعہ کی طرف ہوتا تھا۔ (معارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۷۵-۷۷، سیر اعلام انبیاء جلد ۱ صفحہ ۳۰۷ تا ۳۰۹)

خرائطی، ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے والد سے اور وہ اپنی دادی اسماء بنت ابی بکرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل نے کہا کہ ہم ابرہہ اور اس کے لشکر کی تباہی کے کچھ عرصہ بعد نجاشی کے پاس گئے۔ اس نے کہا اے اہل قریش! سچ سچ کہو کیا تمہارے ہاں کوئی ایسا بچہ پیدا ہوا جس کے باپ نے اسے ذبح کرنے کی منت مانی اور پھر قرعہ ڈال کر بہت سے اونٹ فدیہ دے کر اسے بچایا؟ ہم نے کہا "ہاں!" پوچھا "پھر کیا ہوا؟" ہم نے کہا "پھر اس نوجوان کی شادی آمنہ نامی عورت سے کر دی گئی اور وہ اسے حاملہ چھوڑ کر تجارتی سفر کے لئے چلا گیا۔" نجاشی بولا کیا وہ بچہ پیدا ہو گیا ہے؟ اس پر ورقہ بولے "میں

Marfat.com

نے ایک رات ایک بت سے یہ آواز سنی "نبی پیدا ہو گئے، بادشاہ ذلیل ہوئے، گمراہی دور ہوئی اور شرک مٹ گیا۔" اور اس کے بعد بت منہ کے بل گر پڑا۔

زید بن عمرو نے کہا "اے بادشاہ! میرے پاس بھی کچھ ایسی ہی خبر ہے۔ ایک شب جبل ابو قیس پر میں نے ایک آدمی کو آسمان سے اترتے دیکھا جس کے دو سبز پر تھے۔ پھر وہ مکہ آیا اور کہنے لگا کہ شیطان ذلیل ہو گیا، بت پرستی ختم ہو گئی، امین پیدا ہو گئے۔ پھر اس نے ایک کپڑا کھول کر اسے مشرق و مغرب کی طرف پھیلایا حتیٰ کہ وہ خیمے کی طرح آسمان پر تن گیا۔ پھر ایک نور طلوع ہوا جس سے نظریں خیرہ ہو گئیں۔ مجھے خوف سا محسوس ہوا۔ پھر وہ ہاتف غیبی اپنے پروں کو پھڑپھڑاتا ہوا کعبہ پر گر گیا۔ پھر ایک نور طلوع ہوا جس سے تہامہ کی سرزمین روشن ہو گئی اور آواز آئی "زمین پاک ہو گئی اور اس نے اپنی شادابی اگل دی۔" پھر وہ نور کعبہ کی طرف متوجہ ہوا جس سے اس میں رکھے ہوئے بت گر گئے۔"

اب نجاشی نے کہا "میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ زمین سے ایک گردن اور سر برآمد ہوا اور بولا، اصحاب فیل ابابیل کے ذریعے ہلاک ہوئے۔ گنہگار اشرم بھی ہلاک ہوا۔ نبی امی حرمی، مکی پیدا ہو گئے جس نے ان کی اطاعت کی وہ کامیاب ہوا اور منکر سرکشوں میں شمار ہوا۔۔۔ پھر وہ سر غائب ہو گیا۔ میں خوف زدہ تھا۔ چیخنا چاہا مگر ناکام رہا۔ بھاگنا چاہا تو کھڑا نہ ہو سکا۔ پھر میرے گھر والے میرے پاس آ گئے۔ میں نے اشارہ کیا کہ حبشیوں کو میرے سامنے سے ہٹا دو۔ انہوں نے انہیں ہٹا دیا تو میں بولنے لگا اور میری ٹانگیں بھی کھل گئیں۔" (خصائص کبریٰ جلد اول (اردو) صفحہ ۱۰۳۔۱۰۴)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نجاشی کو نبی آخر الزمان کے پیدا ہونے کی خبر ہو چکی تھی۔ خواب کو حدیث میں نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے۔ عزیز مصر کا خواب جس کی تعبیر یوسف علیہ السلام نے بتائی تھی اور پھر اسی طرح واقعات وقوع پذیر ہوئے تھے، نص سے ثابت ہے اور یہ بھی مسلمہ ہے کہ عزیز مصر کفر پر تھا۔ گویا بادشاہ کیسا بھی ہو اس کے خواب کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ نجاشی بھی عیسائی اور عادل بادشاہ تھا۔ لہٰذا اس کا خواب ایک کافر بادشاہ سے زیادہ اہم تھا پس اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اصحمہ کو حضور ﷺ کی تشریف آوری کا یقین ہو چکا تھا جس کی تصدیق مسلمانوں کے ہجرت حبشہ کے موقع پر اس کے حسن سلوک سے بھی ہوتی ہے۔ جب حضرت جعفر بن ابی طالب اسے حضور کی تعلیمات اور اوصاف بتا رہے تھے تو وہ ساتھ ساتھ ان کی تصدیق کرتا جاتا تھا کہ نبی کی شان یہی ہوتی ہے۔ یہ بھی منقول ہے کہ نجاشی سابقہ کتب الہیہ کا عالم تھا اور حضور کی صفات تورات اور انجیل میں پاتا تھا اور اسے یہ بھی پتہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوں گے تو ان کی قوم انہیں اور ان کے متبعین کو ملک سے نکال دے گی چنانچہ قریش کے وفد نے جب اسے بتایا کہ نئے دین کے حامل کا نام محمد ﷺ ہے تو اس نے دل میں یقین کر لیا کہ وہی آخری نبی ہیں جن کا سارے عالم کو انتظار تھا۔ (معارج النبوۃ جلد ا صفحہ ۲۷۲)

حبشہ کے مہاجرین کے اسماء گرامی: حبشہ کی طرف ہجرت اولیٰ کے موقع پر مندرجہ ذیل صحابہ و صحابیات نے مہاجرت اختیار فرمائی:

Marfat.com

(۱)عثمانؓ بن عفان (۲)رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ (۳)ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ (۴)ان کی بیوی سہلہؓ بنت سہل بن عمرو (۵)زبیرؓ بن العوام (۶)مصعبؓ بن عمیر (۷)عبدالرحمٰنؓ بن عوف (۸)ابو سلمہؓ بن عبدالاسد (۹)ان کی بیوی ام سلمہؓ بنت اسد بن مغیرہ (۱۰)عثمانؓ بن مظعون (۱۱)عامرؓ بن ربیعہ (۱۲)ان کی زوجہ لیلیٰؓ بنت ابو خثیمہ (۱۳)ابو سبرہؓ بن ابی رحم (۱۴)حاطبؓ بن عمرو بن عبدالشمس (۱۵)حاطبؓ بن سہیل۔ یہ قافلہ عثمانؓ بن عفان یا بروایت دیگر عثمانؓ بن مظعون کی سرکردگی میں روانہ ہو کر حبشہ پہنچا۔ (معارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۶۲ اردو)

صدیوں بعد پہلا مہاجر جوڑا: روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ اکیلے ہجرت کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ کو پتہ چلا تو فرمایا کہ رقیہؓ کو بھی ساتھ لیتے جاؤ کیونکہ تم ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بعدازاں آپ ﷺ نے حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر کو خیریت معلوم کرنے بھیجا۔ انہوں نے آکر بتایا کہ عثمانؓ رقیہؓ کو سوار کر کے سمندر کی طرف لے جا رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت لوطؑ اور ابراہیمؑ کے بعد میری بیٹی اور عثمانؓ سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ (معارج النبوۃ)

النجاشی عربی میں شاہ حبش کا لقب ہے حدیث میں بھی اس سے یہی مراد لیا گیا ہے جس طرح روم کا قیصر، فارس کا کسریٰ اور مصر کا شاہ المقوقس کے لقب سے ملقب تھا۔ یہی چار بادشاہ حضور ﷺ کے عہد پاک میں اسلامی سرزمین کو گھیرے ہوئے تھے۔ آپ نے دیگر حکمرانوں کی طرح النجاشی کو بھی اسلام کی دعوت کے لئے خط لکھوایا چنانچہ النجاشی نے حضور ﷺ کی دعوت قبول کرتے ہوئے اسلام قبول کیا اور عیسائیت ترک کر دی۔ اس نے مہاجر مسلمانوں کی مراجعت کے لئے دو جہاز بھی مہیا کئے اور حضرت ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان جو عبداللہؓ بن جحش کی وفات کے بعد حبش میں بیوہ ہو گئی تھیں، کا نکاح حضور ﷺ سے حبش میں ہی حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں کیا تھا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ۹ھ (کے رمضان) میں آپ ﷺ نے النجاشی کی وفات کی (غائبانہ) اطلاع صحابہؓ کو دی اور اس کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲۲ صفحہ ۱۲۳ مقالہ اے جے ونسنک (Wensinck)

نجاشی کا نام اصحمہ یا اصحمہ بن ابجر بھی مذکور ہوا ہے۔ آپ اصحمہ بن ابجر حبشہ (ابے سینیا) کے شہنشاہ کے طور پر تاریخ اسلام میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کا شمار صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ اگرچہ حضور ﷺ کی زیارت کا ظاہری شرف نہ پایا۔ اسی لئے بعض علماء آپ کو تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ الذھبی سیر اعلام النبلاء جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ مطبوعہ قاہرہ، مصر)

یہ واحد شخص ہے جس کی غائبانہ نماز جنازہ حضور ﷺ نے صحابہ کے ساتھ پڑھی۔ (بخاری کتاب الجنائز)

۶ ہجری میں حضور ﷺ کا مکتوب ملا تو نجاشی نے اس کا جواب بھی دیا جس میں اپنے قبول اسلام

Marfat.com

اور مسلمان مہاجرین کی عزت و توقیر کرنے کی اطلاع حضور ﷺ کو دی گئی اور اپنے بیٹے ارحا ابن اصحم بن ابجر کو حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ ارشاد فرمائیں تو میں بھی حاضری کے لئے تیار ہوں مگر نجاشی کا یہ بیٹا اثنائے سفر میں ہی واصل بحق ہو گیا۔

۶ ہجری میں حضرت ام حبیبہؓ کا آنحضرت ﷺ سے عقد ہوا جس کا اہتمام بھی نجاشی نے کیا اور اپنے پاس سے چار ہزار درہم (یا چار سو دینار) مہر ادا کیا اور جہیز کا تمام سامان بھی فراہم کیا۔ (الذھبی سیر اعلام النبلاء جلد ا صفحہ ۳۱۲، الطبری جلد ا صفحہ ۷۰-۱۵۶۹، ابن سعد جلد ا صفحہ ۲۰۷-۲۰۸)

النجاشی کا انتقال رجب ۹ ہجری (۶۳۱ء) میں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع فرمائی اور آپ نے صحابہ کے ساتھ جنگل میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی اور اس کی مغفرت کے لئے دعا کی۔
(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲۲ صفحہ ۱۲۵ بحوالہ سیر اعلام النبلاء جلد ا صفحہ ۳۱۸)

بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا ذکر

حضرت خدیجہؓ: ابن سعد نے سعید بن جبیر اور ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ مکہ میں عورتوں نے اپنے خوشی کے دن میں اختلاف کیا جو ماہ رجب میں ہوتا تھا چنانچہ وہ سب ایک بت کے قریب کھڑی تھیں کہ دور سے انسانی ہیولا نظر آیا حتیٰ کہ وہ ان کے قریب آ گیا پھر اس نے بلند آواز سے کہا:

"تیما کی عورتو! تمہارے شہر میں ایک نبی ہو گا اس کا نام احمد ﷺ ہو گا۔ وہ اللہ کا رسول ہو گا تو جس عورت میں اس کی بیوی بننے کی استطاعت ہو وہ اس کی زوجیت میں آنے کی سعادت پالے۔ یہ سن کر عورتوں نے اسے کنکریاں ماریں اور برا بھلا کہا۔ حضرت خدیجہؓ نے چشم پوشی کی اور اس بات کو دل میں رکھا۔" (ترجمہ خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۷۰-۱۷۱)

جب حضور علیہ السلام حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر شام گئے تھے ان دنوں میں بھی کچھ عرصہ آپ کو خواب میں نبی آخر الزمان ﷺ کی بیوی بننے کی بشارت ملی تھی اور یہاں تک نشاندہی کر دی گئی تھی کہ محمد ﷺ ہی وہ آخری نبی ہیں۔ اسی لئے حضرت خدیجہؓ نے خود اپنی کنیز کے ذریعے پیغام بھجوا کر حضور علیہ السلام سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا کیونکہ ان کو آپ کی ذات ستودہ صفات کے محاسن اور آپ کے بارے میں مختلف کاہنوں وغیرہ کی پیشگوئیوں اور مبشرات کی بناء پر یقین ہو گیا تھا کہ آپ ہی وقت آنے پر مبعوث ہوں گے۔ بالآخر یہ شادی جو اللہ کی مشیت کے مطابق تھی، ہو گئی۔

حضرت خدیجہ نے اپنا سارا مال و دولت حضور علیہ السلام کی نذر کر دیا۔ بعثت سے پہلے جب آپ ﷺ غار حرا کو تشریف لے جاتے تو حضرت خدیجہؓ نے کبھی اعتراض نہ کیا کہ آپ سب کچھ چھوڑ کر یہ کیا کرنے لگے ہیں بلکہ ہمیشہ آپ کی دلجوئی فرمائی۔ اضطراب کی حالت میں آپ ﷺ کو تسلی دی اور جب بعثت کے ابتدائی دنوں میں آپ کی بے چینی حد کو پہنچ گئی تو ہر طرح سے آپ ﷺ کو اطمینان دلایا۔

Marfat.com

آپ کے محاسن آپ کو یاد دلائے ورقہ بن نوفل کی شہادت کے ذریعے آپ کی تصدیق کی کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کا اس طرح حضور ﷺ کی دلجوئی کرنا اور آپ ﷺ پر فوراً ایمان لے آنا محض جذباتی معاملہ نہ تھا اور نہ یہ کوئی وقتی فیصلہ تھا بلکہ اس کے پس منظر میں مبشرات سے لے کر پیشن گوئیوں اور آپ کی پاکیزہ زندگی کا طویل مشاہدہ تھا جس کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے ادھر اعلان نبوت فرمایا اور ادھر حضرت خدیجہؓ نے ایمان لا کر آپ ﷺ کی متابعت کا اعلان کر دیا۔ ایمان کی دولت پانا اپنی مرضی پر منحصر نہیں بلکہ اللہ کی عطا ہے۔ **یھدی من یشاء الی صراط مستقیم**

حضرت ابوبکر صدیق: حضرت ابوبکرؓ سے کسی نے پوچھا کہ تم نے اسلام سے پہلے محمد ﷺ کی نبوت کی کوئی علامت دیکھی؟ فرمایا، صرف میں ہی نہیں بلکہ قریش اور غیر قریش میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی نبوت کو روشن اور واضح کر کے دکھلا نہ دیا ہو۔ پھر فرمایا ایک دفعہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کی شاخیں مجھ پر کافی جھک آئیں۔ میں حیران سا ہوا۔ اتنے میں درخت سے آواز آئی۔ فلاں نبی (محمد و احمد) فلاں فلاں وقت ظاہر ہو گا تم سب سے بڑھ کر خوش نصیب بن جانا۔ (خصائص کبریٰ جلد ا بحوالہ ابن عساکر عن محمد بن عبدالرحمن بیاضی)

ابن عساکر نے کعب سے روایت کی کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک خواب دیکھا۔ جب وہ اثنائے سفر میں تجارت کے لئے ملک شام کی طرف تھے۔ آپ نے وہ خواب بحیرا راہب کو سنایا۔ اس نے آپ سے قبیلہ، جائے سکونت اور پیشہ دریافت کیا۔ جواب سن کر کہا کہ مکہ میں تمہاری قوم میں ایک نبی ہو گا جس کے تم وزیر ہو گے اور بعد از وفات خلیفہ ہو گے چنانچہ جب رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام دی تو ابوبکر نے دلیل طلب کی۔ حضور نے فرمایا میری صداقت کی دلیل وہ خواب ہے جو تو نے شام میں دیکھا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کو گلے لگایا۔ آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (خصائص کبریٰ (اردو ترجمہ) صفحہ ۶۳۔ ۶۴ جلد اول)

اسی طرح اور بھی روایات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپؓ کو مبشرات وغیرہ کے ذریعے حضور علیہ السلام کی بعثت اور پھر آپ ﷺ کی متابعت اختیار کرنے کی توفیق کے اشارے ملتے رہتے تھے۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی حق کے متلاشی، اخلاق کریمانہ کے حامل اور نیک خصلت مہمان نواز اور شریف النفس اور سلیم الفطرت مشہور تھے بلکہ ان سب میں ممتاز تھے۔

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے: حضور ﷺ بعثت کے بعد کسی ایسے رازدان کی تلاش میں تھے جو آپ کی نبوت اور رسالت کا انکار نہ کر دے چنانچہ آپ ﷺ نے غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ ابوبکر سے ملنا چاہئے۔ ادھر صدیق اکبرؓ کے دل میں بتوں سے

Marfat.com

نفرت اور مشرکانہ زندگی سے بیزاری کا جذبہ پیدا ہوا اور آپ نے پختہ ارادہ کیا کہ علی الصبح حضرت محمد ﷺ سے دینی امر میں مشورہ کرنا چاہیے۔ ہر دو بزرگ ہستیاں سویرے گھر سے نکلیں۔ راہ میں ملاقات ہو گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کل مجھ پر فرشتہ نازل ہوا اور اس نے اللہ کی جانب سے نبوت و رسالت کا پیغام دیا اور دوسروں کو حق کی طرف بلانے کی تاکید کی۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوبکرؓ بولے، میں تو پہلے ہی دین حق کی تلاش میں ہوں چنانچہ آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی اور صدیق اکبرؓ نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

حضور کا ارشاد ہے کہ صرف ابوبکرؓ ہی ایسے شخص ہیں کہ آپ نے بلاتوقف و تردد اسلام کی دعوت قبول کر لی ورنہ ہر ایک نے اول اول تردد و تامل کیا اور سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا۔ (معارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۳۴)

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے اباجان جس روز ایمان لائے تو گھر آتے ہی سب کو اسلام کی دعوت دی۔ جب تک ہم سب دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو گئے آپ گھر سے باہر نہ نکلے۔ بعد ازاں آپ کی تبلیغ سے عثمانؓ بن عفان، زبیرؓ بن العوام، طلحہؓ بن عبیداللہ، سعدؓ بن ابی وقاص اور عبدالرحمنؓ بن عوف ایمان لائے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

حضرت عثمانؓ بن عفان: حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ میری ایک خالہ سعدیٰ بنت کریز بن ربیعہ تھی جو کہانت میں ماہر تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ میرا عقد یکے بعد دیگرے ایک جلیل القدر نبی کی بیٹیوں سے ہو گا۔ میں نے اسے ناممکن جان کر بھلا دیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد اس نے کہا کہ محمد ﷺ بن عبداللہ مبعوث ہو کر اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ کچھ ہی عرصہ میں ان کا دین چار دانگ عالم میں پھیل جانے گا اور منکروں کو قتل کر دیا جائے گا۔

یہ بات سن کر میرے دل میں حضور ﷺ کی محبت نے انگڑائی لی۔ واسطہ کے طور پر ابوبکر سے خالہ کی بات کا ذکر کیا۔ آپ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ فوراً اسلام کی ترغیب دلائی۔ اتنے میں حضور ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا، ساتھ علی المرتضیٰ تھے۔ آپ ﷺ ہمارے پاس بیٹھ گئے اور جنت کی بشارت دے کر اسلام کی دعوت دی میں نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر جب بی بی رقیہؓ سے میری شادی ہوئی تو مجھے خالہ کی بات یاد آئی۔ (معارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۳۶-۲۳۵، خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۵۲)

عبدالرحمن بن عوف: آپ سے مروی ہے کہ میں یمن میں بغرض تجارت گیا۔ وہاں عثکلان بن ابی العوالم حمیری جو ضعیف العمری کی وجہ سے چوزہ نظر آتا تھا کے ہاں ٹھہرا۔ ازیں پیشتر وہ مجھے پوچھا کرتا کہ مکہ میں کوئی نئی مشہور بات ہوئی ہو تو بتاؤ مگر اس دفعہ اس نے میرا نام و نسب پوچھا۔ میں نے کہا عبدالرحمن بن عوف بن الحارث بن زہرہ! کہنے لگا بس اتنا ہی کافی ہے۔ میں تجھے خوشخبری دیتا ہوں کہ گزشتہ ماہ تیری قوم میں ایک پیغمبر مبعوث ہوا ہے۔ وہ بتوں سے روکتا ہے، اسلام کی دعوت دیتا ہے، وہ بنی ہاشم سے ہے۔ جلدی واپس جا کر اس کی موافقت کر۔ پھر اس نے چند شعر پڑھے اور

Marfat.com

حضور کی خدمت میں عرض کرنے کو کہا۔ میں جب مکہ معظمہ پہنچا تو ابو بکرؓ سے ملا اور حمیری کا واقعہ بتایا۔ آپ نے کہا ہاں! واقعی محمد ﷺ کو اللہ نے رسول العالمین بنا کر بھیجا ہے۔ تم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لو۔ پتہ چلا کہ حضور علیہ السلام حضرت خدیجہ کے گھر میں ہیں۔ میں حاضر خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ میں نے دلیل طلب کی تو فرمایا' وہ ہدیہ یا پیغام جو یمن سے لائے ہو' وہ لاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے بوڑھے حمیری کے ایمان کی گواہی دی کہ وہ خاص مومنین میں سے ہے۔ پھر میں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور اسلام لے آیا اور حمیری کے اشعار آپ ﷺ کی خدمت میں پڑھے۔ آپ خوش ہوئے اور حمیری کی تعریف کی۔ (معارج النبوۃ جلد ا صفحہ ۳۸-۲۴۷)

حضرت حمزہؓ کا ایمان لانا:

نبوت کے چھٹے سال میں حضور علیہ السلام کے چچا اور رضاعی بھائی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ایمان لائے۔ آپ بڑے جری' بہادر اور شہ زور تھے۔ ان کے اسلام لانے سے اہل اسلام کو بڑی تقویت ملی۔

منقول ہے کہ ایک دن ابو جہل نے حضور علیہ السلام کو بہت ایذا دی اور (معاذ اللہ) گالیاں بھی دیں۔ حضرت حمزہ شکار سے واپس آئے تو ان کو ایک کنیز نے اس سے آگاہ کیا۔ آپ غصے میں لال پیلے سیدھے حرم میں پہنچے۔ تیر کمان ہاتھ میں تھی۔ ابو جہل کو جلانے کے لئے جوش حمیت سے کہا۔ "میں مسلمان ہو گیا ہوں۔" یہ کہہ کر گھر تشریف لائے اور سوچنے لگے کہ یہ میں نے حرم کعبہ میں کیا اعلان کر دیا۔ اسی کشمکش میں پورا دن گزرا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے دل میں ہدایت کا نور بھر دیا اور فیصلہ کیا کہ اسلام ہی سچا دین ہے۔ پس وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ (مکی مدنی ماہی ﷺ صفحہ ۲۵۶)

حضرت حمزہ حضور ﷺ کے ہم عمر تھے اور ان کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی۔ حضور علیہ السلام کو آپ کے اسلام لانے کی بہت خوشی ہوئی۔ حضرت حمزہؓ قریش میں بہت مقبول تھے۔ شکار کا شوق بہت تھا۔ تلوار کے بھی دھنی تھے۔ علی الصبح تیر کمان لے کر سیر کر نکل جاتے۔ واپس آتے ہی پہلے طواف کعبہ کرتے۔ پھر وہاں بیٹھے ہوئے قریشی سرداروں اور رئیسوں سے گپ شپ لڑاتے رہتے۔ اس طرح ان کا معزز لوگوں سے یارانہ ہو گیا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل کی بدسلوکی کا سن کر حضرت حمزہ نے ابو جہل سے باز پرس کی اور کمان مار کر اس کا سر پھوڑ دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ ۵ نبوی میں ایمان لائے۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۷۰ اردو ترجمہ)

حضرت حمزہؓ اور جبرئیل:

ابن سعد و بیہقی نے عمار بن ابی عمار سے روایت کی کہ ایک دفعہ بیت اللہ میں حضرت حمزہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ مجھے جبرئیل کی زیارت کرائیے۔ فرمایا' "اس کی اصل شکل میں زیارت کی تم تاب نہ لا سکو گے۔" انہوں نے اصرار کیا تو حضور نے فرمایا اچھا بیٹھ جایئے۔ وہ بیٹھ گئے جبرئیل امین کعبہ میں اس لکڑی پر اترے جس پر طواف کرنے والے اپنے کپڑے لٹکایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے توجہ دلائی۔ حضرت حمزہ نے جبرئیل کو دیکھا کہ اس

Marfat.com

کے دونوں قدم سبز زمرد کی طرح تھے۔ جبرئیل کو دیکھ کر حضرت حمزہ بے ہوش ہو گئے۔ یہ روایت مرسل ہے۔

(خصائص کبریٰ (اردو) جلد اول صفحہ ۲۳۹)

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا: عمر بن ہشام (ابو جہل) اور عمر بن خطاب اسلام دشمنی میں بہت سخت تھے اور حضور علیہ السلام کے متشدد قسم کے دشمن تھے۔ ایک دن حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی "یا اللہ دو عمروں میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے، ایک کے ذریعے اسلام کو معزز فرما۔" (ترمذی مناقب عمر بروایت ابن عمرؓ) ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔ ابن ماجہ اور حاکم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے صرف حضرت عمر بن خطاب کا نام لیا تھا چنانچہ چند ہی دن گزرے تھے کہ حضرت عمرؓ ایمان لے آئے۔ ترمذی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دعا کے اگلے روز عمرؓ اسلام لائے۔

ابن سعد نے طبقات (جلد ۳ حصہ اول صفحہ ۱۹۱) اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ یہ روایت مسند ابو علی اور عبد بن حمید وغیرہ میں بھی ہے۔ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں لکھا ہے کہ یہ روایت حاکم، طبرانی ابن ماجہ، مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے۔

(سیرت النبی جلد سوم صفحہ ۵۷۶)

مسند احمد بن حنبل (جلد ۱ صفحہ ۱۷) میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ میں ایک شب حضور علیہ السلام کو چھیڑنے نکلا۔ آپ ﷺ آگے آگے تھے۔ آپ ﷺ نے حرم کعبہ پہنچ کر نماز کی نیت باندھ لی جس میں سورۃ الحاقہ کی تلاوت شروع کر دی۔ میں کلام اللہ سن کر مرعوب ہو گیا اور خیال کیا کہ آپ ﷺ ضرور شاعر ہیں۔ اتنے میں آپ نے یہ آیت پڑھی **انہ لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر قلیلا ما تومنون**

(یہ ایک معزز قاصد کا آوردہ کلام ہے۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ تم بس کم کم مانتے ہو۔)

یہ سن کر میں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ کاہن ہیں جو دل کی بات جان گئے کہ اتنے میں آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے **ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون تنزیل من رب العالمین** "یہ کسی کاہن کا کلام نہیں تم کم کم نصیحت پکڑتے ہو یہ تو رب العالمین کی طرف سے اتارا ہوا کلام ہے۔" حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ سورت میں نے آخر تک سنی اور اسلام میرے دل میں اسی دن گھر کر گیا۔

مشہور ترین روایت: ایک دن عمر بن خطاب ابو جہل کی ترغیب پر حضور ﷺ کو قتل کرنے کے لئے نکلے۔ (تاکہ اس کا اعلان کردہ سو اونٹوں اور ہزار اوقیہ چاندی کا انعام حاصل کر سکیں۔)

(خصائص کبری جلد ۱ صفحہ ۲۵۶ بحوالہ ابو نعیم عن عمرؓ)

Marfat.com

راستہ میں بنی زہرہ کے ایک شخص نے بتایا کہ تمہارا بہنوئی سعید بن عمرو اور بہن فاطمہ اسلام لا چکے ہیں۔ آپ سیدھے بہنوئی کے گھر گئے۔ ان کو حضرت خبابؓ قرآن کی سورہ طٰہٰ پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر کی آمد پر قرآن کے اوراق چھپا دیئے گئے۔ حضرت خبابؓ کو بھی چھپا دیا گیا اور دروازہ کھول دیا۔ عمر نے تفتیش شروع کی اور جب معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں تو پہلے بہنوئی کو مار مار کر زخمی کر دیا۔ پھر بہن کو مارا جو چھڑانے آئی تھیں۔ آخر بہن نے کہا کہ مارنے سے کیا ہو گا۔ اب ہم مرتد ہونے سے تو رہے۔ اس پر عمر بولے اچھا جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔

پھر بہن کے کہنے پر وضو کر کے سورہ طٰہٰ پڑھنے لگے جب اس آیت پر پہنچے **انني انا الله لا اله الا انا فاعبدني واقم الصلوة لذكري** "میں ہی تو اللہ ہوں میرے سوا معبود کوئی نہیں پس میری ہی عبادت کرو اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو۔" تو بولے مجھے بارگاہ محمدی ﷺ میں لے چلو۔ یہ ماجرا دیکھ کر حضرت خبابؓ پردے سے باہر نکل آئے اور حضرت عمرؓ کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ تمہارے یا عمر بن ہشام (ابو جہل) کے حق میں حضور نے جو دعا جمعرات کی شب فرمائی تھی وہ تمہارے حق میں قبول ہو گئی ہے۔ (خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۲۵۴)

تیسری روایت: ابن ابی شیبہ، جابر بن عبداللہ سے اور وہ عمر فاروق سے روایت کرتے ہیں کہ ایک رات میری بہن کو درد زہ ہوا۔ میں گھر سے نکلا اور کعبہ پہنچا۔ اتنے میں حضور تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ میں نے ایک ایسی شے سنی کہ ویسی پہلے نہ سنی تھی۔ پھر آپ ﷺ تشریف لے چلے۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "عمر! تم نہ دن کو میرا پیچھا چھوڑتے ہو اور نہ رات کو۔"

عمرؓ کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر ڈر گیا کہ مبادا آپ ﷺ میرے حق میں کوئی بددعا فرما دیں اور فوراً عرض کی **اشهد ان لا اله الا الله واشهد انك رسول الله** اور مسلمان ہو گیا۔ (خصائص کبریٰ (اردو) جلد اول صفحہ ۲۵۶)

طبرانی نے اوسط میں حضرت انس سے روایت کی کہ حضور نے جمعرات کی شب دو "عمروں" کے بارے میں دعا فرمائی اور عمر فاروق جمعہ کے دن سویرے سویرے حاضر خدمت ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت (جلد ۲ صفحہ ۷۰ اردو) میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ ایمان لائے اس دن تک مسلمانوں کی تعداد انتالیس تھی۔ حضرت عمر چالیسویں مسلمان تھے چنانچہ آپ کی قبر کی زیارت کے وقت اس طرح سلام کہتے ہیں:

السلام عليك يا من كمل الله به الاربعين

"آپ پر سلام ہو اے وہ ہستی کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے چالیس کی تعداد مکمل فرمائی۔"

مواہب لدنیہ میں ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے چالیس سے زیادہ مرد اور گیارہ عورتیں ایمان لا چکی تھیں۔

Marfat.com

مذکورہ بالا مشہور ترین روایت کے مطابق بہن اور بہنوئی کے ذریعے ہدایت پانے کے بعد حضرت عمرؓ اسی تلوار کے ساتھ (جو ان کے ہاتھ میں تھی) بارگاہ رسول ﷺ میں حاضری دینے پہنچے۔ آپ ﷺ ان دنوں دار ارقم بن ابی ارقم میں قیام پذیر تھے۔ حاضر صحابہؓ عمر کو شمشیر بدست دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے اور دروازہ نہ کھولا۔ آخر حضور ﷺ کے ارشاد پر دروازہ کھولا گیا۔ حضور ﷺ عمر کے سامنے آئے اور ان کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر دبایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کمر سے پکڑ کر دبایا اور فرمایا "عمر! نیک ارادے سے آئے ہو تو چھوڑ دوں ورنہ تمہیں ابھی ہلاک کر دوں؟" عمر یہ الفاظ سن کر کانپ اٹھے۔ بدن پر لرزہ طاری ہو گیا اور عمر نے اپنا سر بارگاہ نبوت میں جھکا دیا اور کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے اس پر بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا جس کے جواب میں صحابہؓ نے بھی پوری بلند آواز سے اللہ اکبر کہا جس کی گونج مجمع قریش تک بھی پہنچی۔ مکہ میں آپ کے ماموں عاص بن وائل نے شور سنا معلوم ہوا عمر ایمان لائے ہیں۔ انہوں نے اعلان کیا میں نے عمر کو پناہ دی۔

علانیہ عبادت: حضرت عمرؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! کفار تو بتوں کو برملا پوجیں اور ہم مسلمان ہو کر بھی چھپ چھپ کر عبادت کریں۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔" اس کے بعد حضور علیہ السلام ابوبکر صدیقؓ، حضرت حمزہؓ اور علی المرتضیٰؓ کو ساتھ لے کر کعبہ کی طرف گئے۔ عمر بھی ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ نے کعبہ پہنچ کر وہاں سے کفار کو بزور شمشیر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ پھر وہاں حضور کی اقتدا میں صحابہؓ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت **یا ایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین** "اے نبی تمہیں اللہ تعالیٰ اور آپ کے پیروکار مسلمان کافی ہیں۔" اسی وقت نازل ہوئی تھی۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۳ (اردو ترجمہ)

ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ ایمان لائے تو جبرئیل امین نے حاضر ہو کر بتایا "یا رسول اللہ آسمان والے عمرؓ کے اسلام لانے پر بہت خوش ہیں اور مبارک باد عرض کرتے ہیں۔" (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۳)

بعثت حضور کی غیبی شہادت: ایمان عمرؓ کے سلسلے میں بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد ایک دن عمر فاروقؓ نے ایک خوبصورت اجنبی کو دیکھا اور حال احوال پوچھنے کے بعد اپنی کوئی آپ بیتی سنانے کی فرمائش کی۔ وہ شخص بولا کہ میں ایام جاہلیت میں کاہن تھا۔ ایک دن اچانک میرا موکل گھبرایا ہوا میرے پاس آیا اور یہ شعر پڑھا

الم تر الجن و ابلاسھا و یاسھا من بعد انکاسھا
والحوقھا بالقلاص و احلابھا

حضرت عمر نے فرمایا' اس نے سچ کہا۔ میرے ساتھ بھی ان دنوں ایسا ہی واقعہ گزرا۔ ایک دن کعبہ کے بتوں پر قربانی کے لئے بچھڑا لایا گیا۔ ذبح کے وقت اس کے اندر سے ہولناک ترین آواز نکلی جسے میں نے

Marfat.com

ب لوگ ڈر کر بھاگ گئے۔ میں انجام دیکھنے کے لئے ڈٹا رہا۔ ناگاہ دوسری بار بھی وہی آواز فصیح زبان میں
لند ہوئی۔ پھر تیسری بار بھی وہی آواز آئی۔ وہ آواز یہ تھی:

یا جلیح امر نجیح رجل فصیح یقول لا الہ الا اللہ

"اے جلیح کامرانی کی بات ایک فصیح شخص کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

اور اس واقعہ کے چند روز بعد مکہ میں شہرہ ہوا کہ محمد بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

(بخاری شریف باب اسلام عمرؓ)

۸ نبوی تا ۱۰ نبوی کے متفرق واقعات

وس اور خزرج کی جنگ: ۸ نبوی میں مدینہ منورہ کے مشہور قبائل اوس اور خزرج میں سخت جنگ ہوئی۔

یران کی روم پر فتح: اسی سال خبر مشہور ہوئی کہ ایرانیوں نے روم پر فتح حاصل کر لی ہے۔ قریش بہت خوش ہوئے کیونکہ حضور علیہ السلام کی تعلیمات کی رو سے اسلام سائیت کو مجوسیت پر ترجیح دیتا تھا جبکہ ابرہہ اشرم نے ہاتھیوں سے مکہ پر حملہ کیا تھا وہ عیسائی تھا اس لئے ل مکہ عیسائیوں کے سخت خلاف تھے۔ اس فتح و شکست سے انہوں نے یہ مطلب نکالا کہ جس طرح کسریٰ ل کتاب (عیسائیوں) پر غالب آگیا اسی طرح ہم بھی مسلمانوں (نئے اہل کتاب) پر غالب آجائیں گے۔ لمانوں کو یہ باتیں سن کر اہل روم کی شکست کا اور بھی غم ہوا چنانچہ ان کے غم کو دور کرنے کے لئے جبریل ں یہ آیات لے کر نازل ہوئے:

الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین (روم-۱)

"آلم اہل روم مغلوب ہو گئے۔ پڑوس کی سرزمین میں اور مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے چند ہی سالوں میں۔ (دس سے کم عدد کے لئے بضع کا لفظ آتا ہے۔)"

اس پر مسلمان بہت خوش ہوئے مگر کفار نے اسے ناممکن جانا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ابی خلف نے جھگڑنا شروع کر دیا حتیٰ کہ دونوں میں یہ طے پایا کہ اگر نو سال کے عرصہ میں اہل روم غالب ئے تو ابی بن خلف سے ابوبکرؓ کو سو اونٹ ملیں گے ورنہ ابوبکرؓ اسے سو اونٹ دینے کے پابند ہوں گے۔ ید نا اس وقت تک حرام نہ ہوا تھا۔ اس شرط کا ضامن ایک طرف عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کو بنایا گیا اور ری جانب جب ابی بن خلف جنگ احد میں شرکت کے لئے جانے لگا تو اس نے بھی اپنا ضامن دیا۔ وہاں قتل ہو گیا چنانچہ فتح خیبر کے روز یا صلح حدیبیہ کے دنوں میں خبر ملی کہ اہل روم نے اہل فارس پر فتح ی۔ عبدالرحمٰن نے ابی بن خلف کے ضامن سے سو اونٹ لے لئے اور حضور علیہ السلام کی خدمت کئے۔ آپ نے انہیں تصرف میں لانے کا حکم دیا اور ایک روایت کے مطابق ان کی قیمت خیرات کر

Marfat.com

دی گئی۔

(معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۰۵-۳۰۶)

حضور ﷺ شعب ابی طالب میں ۷ تا ۱۰ نبوی: قریش جب حضور علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوئے اور متفقہ طور پر اس کا ارادہ بھی کر لیا تو حضرت ابو طالب نے بنو عبدالمطلب کو جمع کر کے حکم دیا کہ محمد ﷺ کی حفاظت کا عہد کریں۔ سب نے متفقہ طور پر عہد کیا کہ ہم ہر طرح سے محمد ﷺ کی حفاظت کریں گے اور اس کے لئے انہوں نے شعب ابی طالب میں حضور کو ساتھ لے کر رہنے کا عزم کیا تاکہ وہاں رہ کر وہ حضور علیہ السلام کی حفاظت بطریق احسن کر سکیں۔ قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے بنو عبدالمطلب کا معاشرتی بائیکاٹ کر دیا اور آپس میں ایک تحریری معاہدہ کیا جسے تحریر کر کے در کعبہ پر لٹکا دیا۔ یہ ظالمانہ اور غیر اخلاقی معاہدہ بغیض بن عامر بن ہاشم نے تحریر کیا تھا۔

(محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری (اردو) مطبوعہ تاج کمپنی صفحہ ۲۰۴۔)

سیرۃ النبی کے مطابق یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا تھا (جلد ا صفحہ ۲۴۵ نیز معارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۳۰۸ (اردو) بعض روایات کے رو سے یہ معاہدہ نضر بن حارث یا طلحہ بن ابی طلحہ عبدری نے لکھا تھا۔ ایضاً صفحہ ۳۰۸)

اللہ کی قدرت سے اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ (خصائص کبریٰ جلد اول اردو ترجمہ صفحہ ۲۹۸)

سارے بنو ہاشم بھی بنو عبدالمطلب کے ساتھ شعب ابو طالب میں آ گئے۔ صرف ابولہب بن عبدالمطلب قریش کی طرف گیا اور ان کو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے خلاف بھڑکایا حتیٰ کہ انہوں نے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کی اشیاء شعب میں جانے سے روک دیں۔ ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ بچوں کے رونے اور تڑپنے کی صدائیں قریش کے لئے مسرت کا باعث ہوتیں بعض خدا ترس لوگ ترس کھاتے مگر کچھ نہ کر سکتے تھے کیونکہ معاہدہ کعبہ پر لٹکایا ہوا تھا جس کی خلاف ورزی کا تصور بھی ناممکن تھا۔ ۷ نبوی سے ۱۰ نبوی تک یہاں حضور علیہ اسلام اور آپ کے ساتھی محصور رہے۔ یہ لوگ صرف حج کے دنوں میں باہر نکلتے تھے۔ اس عرصہ میں فقر فاقہ یہاں تک پہنچا کہ چمڑے کو بھگو اور بھون کر تناول کرنے کی نوبت بھی آئی۔ (روض الانف از سہیلی بروایت سعد وقاصؓ)

ایام حج میں بھی جب محصورین باہر نکل کر کچھ خریدتے تو قریش بیچنے والوں کو ڈانٹتے، منع کرتے اور دھمکیاں دیتے۔ کبھی محصورین کے مقابلے میں زیادہ دام دے کر قریش خود وہ چیزیں خرید لیتے۔

حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا حکیم بن حزام محصورین کو گندم پہنچانا چاہتا تھا۔ ابو جہل نے دیکھا تو آڑے آیا۔ ابوالبختری بن ہشام اگرچہ کافر تھا تاہم اخلاقی طور پر اس نے ابو جہل کو روکا مگر وہ نہ مانا ابوالبختری نے اونٹ کے پاؤں کی ہڈی ابو جہل کو دے ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ حضرت حمزہ نے بھی یہ منظر دیکھ لیا۔ ابو جہل اس ذلت پر بہت شرمندہ ہوا۔ (سیرت النبی جلد ا صفحہ ۲۴۶، معارج النبوۃ جلد ا صفحہ ۳۱۰، محمد رسول اللہ از

Marfat.com

محمد رضا مصری صفحہ ۲۰۵)

ایک رات ہشام بن عمرو بن ربیعہ کھانے دانے کی تین بوریاں بنوہاشم کو دینے گیا۔ قریش نے پرسش کی اور ابوسفیان سے شکایت کی۔ وہ بولا صلہ رحمی کرنے والوں کو روکنا اور سختی کرنا مناسب نہیں اور اسی میں بھلائی ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ نیکی پسند آگئی اور وہ بالآخر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کا داماد ابوالعاص بن الربیع کبھی کبھی رات کو گھاٹی میں کھجوروں اور گندم کی کھیپ لاتا۔

آپ ﷺ نے اس کے حق میں فرمایا:

"ابوالعاص نے دامادی کا حق ادا کر دیا۔ ہم نے اسے اچھا داماد پایا۔ وہ رات کے وقت جبکہ ہم محصور تھے، گندم اور کھجوروں کی کھیپ گھاٹی میں بھیجتا۔" (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۱۱)

اور پھر ایک دن اللہ تعالیٰ نے ابوالعاص کو بھی اسلام کے نور سے منور کر دیا۔

اللہ کی نوازش: جب شعب ابی طالب میں تین سال گزر گئے تو ایک دن بحکم الٰہی حضور علیہ السلام نے حضرت ابوطالب کو مطلع فرمایا کہ ظالمانہ معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ ابوطالب نے بنوہاشم سے بات کی۔ یہ سب لوگ کعبۃ اللہ پہنچے اور قریش کو حقیقت حال سے آگاہ کیا اور وعدہ کیا کہ اگر محمد ﷺ کی بات غلط نکلی تو ہم ان کو تمہارے سپرد کر دیں گے ورنہ تم ہمارا بائیکاٹ ختم کر دینا۔ پہلے تو قریش "میں نہ مانوں" کی رٹ لگاتے رہے پھر راضی ہوئے تو مسودہ دیکھا۔ واقعی اسے دیمک نے چاٹ لیا تھا سوائے اللہ کے نام کے۔ اب شرمندگی سے ان کی گردنیں جھک گئیں مگر ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے۔ حضرت ابوطالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ کعبہ کے غلاف میں داخل ہوئے اور دعا کی کہ الٰہی ہماری مدد فرما اور گھاٹی میں واپس چلے گئے۔ ادھر قریش بنوہاشم کے ساتھ اپنے ظالمانہ طرز عمل پر ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنے لگے۔

(محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری اردو صفحہ ۲۰۴، خصائص کبریٰ ج ا صفحہ ۲۹۵-۲۹۷)

ایک اور روایت یوں ہے کہ سب سے پہلے ہشام بن عمرو بن الحارث نے اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف زہیر بن ابی امیہ کو اپنے ساتھ ملایا اور ابوجہل کی مخالفت پر اکسایا۔ پھر وہ مطعم بن عدی بن نوفل بن مناف کے پاس گیا اور اسے اپنا ہم خیال بنالیا۔ پھر وہ ابوالبختری بن ہشام سے ملا اور اسے بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ پھر وہ زمعہ بن الاسود بن عبدالمطلب بن عبدالعزیٰ کے پاس پہنچا اور اسے بھی اپنے رازداروں اور ہم خیالوں میں شریک کر لیا اور آپس میں عہد کیا کہ ہم ظالمانہ معاہدے کو ختم کر ڈالیں گے۔

اگلے دن یہ پانچوں قریش کی مجلس میں پہنچے۔ زہیر نے پہلے طواف کعبہ کیا پھر قریش کو ظالمانہ معاہدہ پر عمل در آمد ختم کرنے کے لئے کہا۔ ابوجہل مخالفت پر کمربستہ ہوا تو زمعہ بن اسود نے اسے لتاڑا۔ ابوالبختری نے بھی زمعہ کی تائید کی۔ ہشام بن عمرو بھی اپنے دوستوں کی پیٹھ ٹھونکنے لگا اور بہت سے قریش ان کی حمایت پر اتر آئے اور مطعم بن عدی نے معاہدہ کا مسودہ سب کے سامنے چاک کر دیا۔ پھر مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن اسود، ابوالبختری اور زہیر وغیرہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر شعب ابی طالب پہنچے

Marfat.com

اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے ساتھ حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو درہ سے باہر لائے۔

(معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۱۱-۳۱۴، سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۴۶-۲۴۷)

تبلیغ میں تسلسل: شعب ابو طالب میں رہائش کے دوران حج کے موسم میں حضور علیہ السلام ہر سال گھاٹی سے باہر تشریف لاتے اور تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے لیکن ابو جہل ہر جگہ آپ ﷺ کے ساتھ ہوتا اور لوگوں کو بدکانے کے لئے آپ کی شان اقدس میں فضولیات بکتا نیز لوگوں سے کہتا کہ اس کی بات ماننے والا تباہ ہو جائے گا۔

(رحمتہ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۷۸)

گھاٹی سے رہائی کے بعد بھی حضور علیہ السلام نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک دن آپ ﷺ کعبہ پہنچے۔ وہاں ابو جہل نے استہزا سے بنو عبد مناف سے کہا "لو وہ تمہارا نبی آگیا۔" عتبہ بن ربیعہ بولا "ہمیں اس سے کیا سروکار چاہے کوئی نبی بنے یا فرشتہ کہلوائے۔" آپ ﷺ عتبہ کے پاس تشریف لے گئے اور شکوہ فرمایا کہ تو نے کبھی حق کی حمایت نہیں کی۔ پھر ابو جہل سے فرمایا۔ وہ دن دور نہیں جب تو کم ہنسے گا اور زیادہ روئے گا۔

(رحمتہ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۷۸-۷۹)

طفیل بن عمرو دوسی کا قبول اسلام: ان کا لقب ذوالنور تھا۔ وہ ایک شریف انسان اور بہترین شاعر تھے۔ وہ مکہ پہنچے تو قریش نے انہیں حضور سے دور دور رہنے کی تلقین کر ڈالی۔ وہ اگلی صبح بیت اللہ گئے تو رسول اکرم ﷺ کو نماز میں پایا اور آپ سے قرآن کریم کی تلاوت سن کر دل میں کہا "میری ماں مرے، میں ماہر فن شاعر ہوں۔ میں محمد ﷺ کا کلام کیوں نہ سنوں؟" یہ سوچ کر وہ حضور علیہ السلام کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہو گئے تو وہ بھی اندر چلا گیا اور حضور سے مخاطب ہو کر کہا "یا محمد ﷺ! مجھے قریش نے تمہارا کلام سننے سے منع کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کا کلام سنوا ہی دیا۔ اتنا اچھا کلام میں نے آج تک نہیں سنا۔ یہ فرمائیں کہ آپ کس امر کی دعوت دیتے ہیں؟"

حضور علیہ السلام نے آپ پر اسلام پیش کیا اور قرآن کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں اور طفیل بن عمرو دوسی حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

پھر ان نے حضور علیہ السلام سے اپنے علاقے میں جا کر تبلیغ اسلام کی اجازت حاصل کی اور اپنے حق میں دعا بھی کروائی اور ایک نشانی بھی حضور کی دعا سے ان کو ملی۔ طفیل اپنی وادی میں پانی کے کنارے جمع شدہ لوگوں کے پاس پہنچے تو ان کی پیشانی سے نورانی چراغ روشن ہو گیا۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ یہ نور چہرے کی بجائے کہیں اور ظاہر ہو تاکہ لوگ میرے تبدیل مذہب کی وجہ سے جسمانی ہیئت میں تبدیلی سے بدک نہ جائیں چنانچہ وہ نور آپ کے کوڑے کے سرے پر نمودار ہو گیا۔ آپ کو سب سے پہلے آپ کے بوڑھے والد ملے۔ انہوں نے آپ کی تبلیغ سے اسلام قبول کر لیا۔ پھر آپ کی بیوی بھی اسلام لے آئی

Marfat.com

البتہ اس نے اپنے قبیلے کے بت "ذی الشریٰ" سے تحفظ کی ضمانت طفیل بن عمرو سے حاصل کی۔ آپ کے قبیلہ میں سے سوائے ابو ہریرہؓ کے کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔

بعد ازاں طفیل مکہ آئے اور اپنے قبیلہ (دوس) کے حق میں حضور سے دعا کروائی کہ وہ دنیوی مفادات سے مغلوب نہ رہیں۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ "الٰہی دوس کو میرا سیدھا راستہ بجھا دے۔" اس کے بعد طفیل اپنی قوم میں آئے اور حضور علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق "نرم دم گفتگو" کے تحت قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ آخر یہ قبیلہ مسلمان ہو کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے باگارہ رسالت ماب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت تک آپ ﷺ بدر و احد اور خندق کے غزوات سے فارغ ہو چکے تھے اور آپ ﷺ ان دنوں خیبر میں تھے۔ حضرت طفیل "دوس" کے ستر اسی کنبوں کو مدینہ سے ساتھ لے کر بارگاہ نبوی میں خیبر پہنچے۔ حضور ﷺ بہت خوش ہوئے اور مال غنیمت میں مسلم مجاہدین کے ساتھ ان سب کا حصہ بھی مقرر فرمایا۔ فتح مکہ کے بعد ذی الکفین نامی بت (جو لکڑی کا تھا) کو جلانے کے لئے حضور علیہ اسلام نے طفیل بن عمرو کو (ان کی درخواست پر ہی) بھیجا تھا پھر آپؓ ہمیشہ حضور کی خدمت میں رہے حتیٰ کہ وفات پائی۔

(محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری (اردو ترجمہ) صفحہ ۲۰۷ تا ۲۰۹ نیز خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۲۶۲۔ ۲۶۳)

۱۰ نبوی عام الحزن

حضرت ابو طالب کی وفات: ۱۰ نبوی میں شعب ابو طالب سے رہائی کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابو طالب سخت بیمار ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے آپ کو اسلام کی دعوت دی۔ فرمانے لگے "اے بھتیجے! اگر مجھے لوگوں کی بدگوئی اور قریش کی بدگمانی کا ڈر نہ ہوتا کہ میں نے موت سے گھبرا کر اسلام قبول کر لیا ہے تو یقیناً میں آپ کی بات پر لبیک کہتا۔" اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء

"اے نبی ﷺ! بے شک آپ اپنی چاہت پر کسی کو ہدایت سے سرفراز نہیں کر سکتے بلکہ ہدایت تو صرف اللہ ہی دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے۔" (محمد رسول اللہ (اردو) صفحہ ۲۱۰)

زجاج کا قول ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب کے بارے میں ہی نازل ہوئی تھی جب انہوں نے قریش کے عار دلانے کے خیال سے اسلام کی دعوت قبول نہیں کی تھی۔

حضرت ابو طالب لنگڑا کر چلتے تھے۔ آپ نے ۱۰ نبوی میں مکہ میں وفات پائی۔ تاریخ اسد الغابہ میں ہے کہ آپ نے مرتے وقت اپنی اولاد کو بلا کر وصیت کی کہ محمد ﷺ کی بات مانتے رہنا اور ان کا اتباع کرتے رہنا تاکہ بھلائی پاؤ۔

Marfat.com

جب ابو طالب فوت ہو گئے تو حضور ﷺ نے ان کی نعش کو مخاطب کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور بخشش سے نوازے۔ میں ہمیشہ آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ مجھے اس سے منع نہ فرمادے۔

یہ سن کر تمام صحابہ کرامؓ بھی اپنے ان مردوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنے لگے جو شرک پر مرے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۱)

ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم

(توبہ۔ ۱۱۳)

"نبی پاک ﷺ اور مومنوں کے لئے روا نہیں کہ وہ مشرکوں کی بخشش کی دعا کیا کریں اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ بھی واضح ہو چکا کہ مشرکین دوزخی ہیں۔"

بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ مرتے وقت جب حضرت ابو طالب کو آپ ﷺ نے لاالہ الا اللہ پڑھنے کے لئے کہا تو ابوجہل اور ابن ابی امیہ جو اس وقت پاس بیٹھے تھے، بولے "ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟" بالآخر ابو طالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ پھر وہ حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا "میں وہ کلمہ جو آپ نے کہا ہے، ضرور کہہ دیتا مگر قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔" آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آپ کی بخشش مانگوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ منع نہ کر دے۔

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۴۸۔۲۴۷)

حضرت ابو طالب حضور علیہ السلام سے ۳۵ سال بڑے تھے۔ حضور کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔ وہ بھی آپ ﷺ کو اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے تھے۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے اور حضور سے کہا کہ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے شفا دے۔ آپ ﷺ کی دعا سے شفا پائی تو کہا "تیرا رب تیری بات مانتا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "چچا جان آپ بھی اس رب کی بات مان لیں پھر وہ تمہاری بات بھی مانے گا۔"

(سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۴۹ بحوالہ اصابہ فی احوال الصحابہ)

تاریخ وفات: ابن سعد نے واقدی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو طالب ۱۵ شوال ۱۰ نبوی کو فوت ہوئے بعض روایتوں میں ذوالقعدہ کا مہینہ بیان ہوا ہے۔ تاریخ الخمیس کے مطابق اس وقت حضور ﷺ کی عمر ۴۹ سال ۸ ماہ ۱۱ دن تھی۔ ابن قتیبہ نے کہا کہ آپ ہجرت نبوی سے ۳ سال ۴ ماہ پہلے فوت ہوئے اور آبائی قبرستان "الحجون" میں دفن کئے گئے۔ ۱۹۲۵ء تک ان کی قبر پر خوبصورت قبہ موجود تھا۔

Marfat.com

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۸۳۶)

بخاری شریف میں حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور کو ابو طالب کی جانثاری یاد دلا کر پوچھا کہ آپ ﷺ سے اس کو آخرت میں کیا فائدہ پہنچا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امداد کے بعد ابو طالب دوزخ کی آگ میں صرف ٹخنوں تک ہیں۔

(سیرۃ النبی جلد ۱ حاشیہ نمبر ۴ بر صفحہ ۲۴۸-۲۴۹)

ابن عساکر نے حضرت ابو طالب کے ابتدائی حالات میں لکھا ہے کہ وہ اسلام لائے تھے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ بخاری میں حضرت عباسؓ اور ابو سعید خدریؓ کی روایات میں ان کو آخرت میں سزا اور حضور کے وسیلے سے اس میں تخفیف کا ذکر ہے۔ علامہ ابن حجر کے نزدیک بھی اگرچہ حضرت ابو طالب کا اسلام لانا ثابت نہیں لیکن ان کی عظمت اور رسول اکرم کے لئے ان کی قربانیاں ان کی نظر میں تھیں اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مصنفین رجال کی روش کے خلاف "الاصابہ فی احوال صحابہ" میں حرف "طا" کے تحت "چوتھی قسم" میں حضرت ابو طالب کا ذکر کیا تاکہ وہ کتاب میں شامل بھی رہیں اور صحابہؓ سے علیحدہ بھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور جلد ۱ صفحہ ۸۳۶)

ابن ہشام نے وفات ابو طالب کے وقت دعوت اسلام کے جواب میں بخاری شریف والی بات چیت کے بعد لکھا ہے کہ پھر ابو طالب نے حضور ﷺ سے کہا "میں تمہیں خوش کرنے کے لئے وہ کلمہ پڑھتا ہوں۔" حضرت عباسؓ نے قریب ہو کر کان لگا کر سنا تو وہی کلمہ ہلتے ہونٹوں سے ادا ہو رہا تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ سے کہا "برادر زادے! ابو طالب نے وہ کلمہ پڑھ دیا جو تم پڑھانا چاہتے تھے۔"

حضرت ابو طالب کے متعلق شیعی مسلک یہی ہے۔ یہی نقطۂ نگاہ شبلی نعمانی کا تھا۔ عبدالحسین احمد امینی نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ ائمہ اہل بیت ابو طالب کے ایمان پر متفق ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور جلد ۱ صفحہ ۸۳۶ بحوالہ الغدیر جلد ۷ صفحہ ۳۸۵)

حضرت ابو طالب کی پہلی شادی حضرت فاطمہؓ بنت اسد بن ہاشم سے ہوئی جن کو اسلام کی دولت سے بھی حصہ ملا۔ ان سے طالب، ام ھانی فاختہؓ، عقیلؓ، جعفرؓ، جمانہ، علیؓ اور ام طالب ریطہ تولد ہوئے جبکہ دوسری بیوی سے ایک لڑکا طلیق پیدا ہوا۔ (ابن سعد، مسعودی، استیعاب)

حضرت ابو طالب کی وفات سے حضور علیہ السلام کو دھچکا لگا۔ اب وہ ہستی جو ہر ہر آن آپ کی حفاظت میں پیش پیش رہتی تھی۔ اللہ کو پیاری ہو چکی تھی۔ قریش ابو طالب سے دبتے تھے لیکن ان کے بعد ایسا کوئی نہ تھا جس کی ان کو پرواہو۔

مائی خدیجہؓ کی وفات: ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی عمر ۶۵ سال ہو چکی تھی۔ ادھر شعب ابی طالب کی سہ سالہ فقر و فاقہ کی زندگی نے صحت پر برا اثر ڈالا۔ حضرت ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد حضرت خدیجہؓ کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

(رحمت للعالمین جلد ۱ صفحہ ۷۹)

Marfat.com

ابھی ابو طالب کا غم کم نہ ہوا تھا کہ بی بی خدیجہؓ کی مفارقت نے آلیا۔ حضور علیہ السلام کو اپنی جانثار بیوی کی موت کا بہت غم ہوا۔ قریش میں حضرت خدیجہؓ کے رشتہ دار جو محض ان کی وجہ سے حضور کی مخالفت کم کم کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد اب دلیر ہو گئے۔ حضرت ابو طالب اور مائی خدیجہؓ کی وفات کے بعد قریش نے پہلے سے زیادہ بے رحمی اور بے باکی سے حضور ﷺ کو اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ مگر آپ ﷺ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی بلکہ آپ نے پہلے سے زیادہ جوش اور ولولہ سے تبلیغ کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیا۔

حضرت خدیجہؓ کو بھی حجون کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ قبر میں حضور نے ان کو خود اتارا تھا۔ نماز جنازہ اس وقت تک شروع نہ ہوئی تھی۔

(سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۵۰-۲۴۹ بحوالہ ابن سعد)

بنو ہاشم کی سیادت: حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد ابولہب کو قبیلہ کا سربراہ بنایا گیا۔ وہ پہلے ہی حضور علیہ السلام کا جانی دشمن تھا چنانچہ اس نے شروع میں یہ اعلان کر دیا کہ حضور علیہ السلام اپنے قول و فعل کے خود ذمہ دار ہیں اور وہ خود اس سے بری ہے۔ یہ اعلان گویا آپ ﷺ کو برادری سے خارج کر دینے کے مترادف تھا اور قریش کو کھلی چھٹی دے دی گئی تھی کہ وہ جو چاہیں آپ ﷺ کے ساتھ سلوک کریں۔ بنو ہاشم میں سے کوئی تعرض کرنے والا نہ ہو گا۔

بعض روایات میں ہے کہ سیادت سنبھالتے ہی ابولہب نے آپ ﷺ کی حمایت کا اعلان کر دیا اور حضور سے ملاقات کر کے کہا "اے محمد ﷺ! اپنے پیغام کی تبلیغ میں ثابت قدم رہ جیسا کہ ابو طالب کے زمانے میں تھا۔ لات و عزیٰ کی قسم جب تک زندہ ہوں کوئی تیرا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ نقل ہے کہ کسی بدبخت نے حضور کو گالیاں دیں۔ ابولہب نے جوش حمیت میں اسے مار اپیٹا۔ اس نے قریش سے فریاد کی کہ ابولہب مسلمان ہو گیا۔ قریش نے پوچھا تو ابولہب بولا۔ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ صرف اپنے بھتیجے کی حمایت کرتا ہوں جو میرا خاندانی حق ہے۔ اس کے بعد قریش نے مکر و حیلہ سے ابولہب کو حضور کی دشمنی پر اکسانا شروع کیا یعنی اس نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ عبدالمطلب کہاں ہے۔ فرمایا اپنی قوم کے ساتھ۔ ابولہب نے اس کا مطلب "دوزخی" لیا اور لڑ جھگڑ کر آپ ﷺ کے حفاظت کے ذمہ سے بری ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب قریش کی پیٹھ ٹھونکنے کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی حضور کی ایذا رسانی پر کمربستہ ہو گیا۔ (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸-۳۲۷، اردو)

چنانچہ قریش نے اب پہلے سے زیادہ مستعدی کے ساتھ آپ کا تعاقب شروع کر دیا۔ آپ جہاں کہیں وعظ کہنے لگتے آپ کو روک دیا جاتا یا شور و غل میں آپ کی آواز دبادی جاتی۔ ایک دن کسی بدبخت نے آپ کے سر پر کیچڑ یا خاک ڈال دی۔ آپ گھر تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا سر مبارک دھویا نیز وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا نہ رو بٹیا نہ رو، تیرے بابا کی حفاظت اللہ کے ذمے ہے۔ (سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۲۵۰ رحمتہ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۷۹-۸۰)

Marfat.com

جن کے رتبے ہیں سوا---

کسی نے سچ کہا ہے "جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے-" بلند مقام یونہی حاصل نہیں ہو جاتا- قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اہل اسلام سے فرماتا ہے- کیا تم سمجھتے ہو کہ تم زبانی کلمہ پڑھ لینے کے بعد آزمائے نہ جاؤ گے اور یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے- (مفہوم) یعنی قول کے بعد فعل سے بھی ثابت کرنا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان واقعی مسلمان ہے- حضور علیہ السلام کا درجہ جس قدر بلند ترین ہے آپ کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ترین تھی- اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ کو بتدریج اس قدر ستایا گیا کہ آپ کے بقول اتنا کسی اور نبی کو نہیں ستایا گیا- آپ کی آزمائش روز بروز سخت سے سخت تر ہوتی گئی اور آپ کا پیمانہ صبر لبریز ہونے کی بجائے ھل من مزید کا تقاضا کرتا رہا- حضور علیہ السلام پر ظلم و تعدی کی انتہا کر دی گئی- قریش نے آپ کو نیچا دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اب تو ان کے حوصلے مزید بڑھ گئے تھے کیونکہ روکنے ٹوکنے والا بھی کوئی نہ تھا اور چند مسلمان ساتھی تو خود بھی اسی بلا و ستم کا شکار تھے-

اللہ تعالیٰ جب ممتحن بن کر کسی کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو وہ خود بھی ذرا دور دور رہتا ہے تاکہ مخالفین یہ نہ کہنے لگیں کہ ہمیں شکست تو براہ راست اللہ نے دی ہے- اس میں صاحب ابتلا کا کیا کمال ہے- اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے ان خاص بندوں کی آزمائش کے وقت کبھی بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے حتیٰ کہ وہ (انبیاء) یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب ہمیں ضرور جھٹلا دیا جائے گا لیکن پھر عین وقت پر اللہ کی مدد آ پہنچتی ہے اور مغلوب غالب آ جاتا ہے- (یوسف:۱۱۰) یہ امتحان ممتحن کا رتبہ بڑھانے کے لئے ہوتا ہے-

ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے سامان ہوئے- اللہ تعالیٰ خاموش تماشائی بنا رہا حتیٰ کہ فرشتوں کو خیال آیا کہ ابراہیم کی مدد ضرور کرنی چاہئے چنانچہ جبریل امین اس وقت حاضر ہوئے جب آپ کو گوپھنے کے ذریعے آتشکدہ کی طرف اچھالا جا چکا تھا- بات کرنے کا وقت کہاں تھا- دلوں ہی میں سوال جواب ہوئے- ایک لمحہ سے بھی کم تر وقت میں وہ سوال و جواب ہو گئے کہ بیان کرنے والوں کو حیرت ہوتی ہے- ابراہیم علیہ السلام نے جبریل سے بے نیازی برتی اور اپنے رب کو **علی کل شی قدیر** جان کر اسی پر تکیہ کیا- اب **کلمح البصر او ادنی** کی مدت میں آگ کو ارشاد ربانی ہوا کہ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی بن جا--- ابرہیم کے لئے-

پس ابراہیم علیہ السلام کی اتنی کڑی آزمائش ہوئی اور جب وہ اس امتحان میں پورے اترے تو انہیں قوموں کا باپ اور نبیوں کا جد امجد بنا دیا- پھر ایک دفعہ جب اکلوتے بیٹے کی قربانی کے معاملے میں آزمایا تو اس امتحان میں بھی باپ بیٹا پورے اترے چنانچہ صلہ کے طور پر رہتی دنیا تک کے لئے **ففدیناہ بذبح عظیم** کی عظمت سے نواز دیا گیا-

جس قدر امتحان کڑا ہو عظمت کا توشہ اسی قدر عظیم ہوتا ہے- حضور علیہ السلام کی شان تو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی جس کا اعلان فرشتوں نے اپنی محفلوں میں اور انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں میں کیا

Marfat.com

کہ وہ فخر موجودات ہوگا۔ سرور کائنات ہوگا یعنی وہ باعث تکوین روزگار کے شرف سے مشرف اور رحمۃ للعالمین ہے۔ امام الانبیاء ہے، خیرالوریٰ ہے، رسول کریم ہے، رؤف و رحیم ہے، مکی ہے، مدنی ہے، قرشی اور تہامی ہے، صادق اور امین ہے، ختم المرسلین ہے، محمد و احمد و مصطفیٰ ہے، حبیب کبریا ہے--- ہاں جس کی شان کے ڈنکے چار دانگ عالم میں بجتے آ رہے تھے تو اب اس کامل و اکمل کا امتحان بھی انتہائی سخت رکھا گیا تاکہ کل کلاں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ ان ﷺ سے زیادہ کڑا امتحان تو فلاں نے دیا اور رتبہ کمال ان ﷺ کو عطا کیا گیا یہ کہاں کا انصاف ہے؟--- اس لئے ضروری تھا کہ اس باعث تخلیق کائنات ﷺ کی آزمائش بھی اتنی کڑی ہو کہ اس کی مثال نہ ملتی ہو اور نہ آئندہ اس کی مثال قائم ہو سکے۔

حضور علیہ السلام کی شان عظیم کے چرچے مکہ کی وادیوں میں آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے بھی تھے اور ولادت کے وقت بھی اور رضاعت کے زمانے میں بھی لیکن مقام غور ہے کہ ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ کی آزمائش کے سامان بھی ہو رہے تھے۔ ولادت سے پہلے والد ماجد کی رحلت کوئی چھوٹا امتحان نہ تھا۔ بیوہ والدہ کی آغوش محبت بھی کماحقہ نصیب نہ ہوئی۔ ادھر عرصہ رضاعت کے بعد والدہ کی تحویل میں آئے ادھر چھ سال کی عمر میں والدہ کا سہارا بھی چھن گیا۔ ضعیف العمر پیار کرنے والا دادا بھی اس یتیم کو دو سال تک سہارا دے کر چل بسا اور پھر آپ ﷺ کی کفالت کا بار آپ ﷺ کے کثیر العیال اور کمتر خوشحال چچا کو اٹھانا پڑا۔ یہ آزمائش آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ جوان ہو رہی تھی مگر آپ بعثت سے پہلے بھی مکارم اخلاق میں پورے اترے۔ صادق اور امین کا لقب پایا۔ بعثت کے بعد اصل امتحان کی ابتدا ہوئی اور آپ ﷺ پر مصائب کے پہاڑ توڑ دیئے گئے مگر آپ نے اف تک نہ کی۔ ہمیشہ خدا تعالیٰ کا شکر بجا لائے اور ثابت قدم رہے۔

مقام غور ہے کہ قرآن کی عظمت قرآن میں یوں بیان کی گئی ہے کہ اگر اسے پہاڑوں پر اتارا جاتا تو وہ خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ پہاڑ کیا ہیں؟ **والجبال اوتادا** (نبا:7) پہاڑ زمین کی میخیں ہیں۔ ان میخوں کی وجہ سے زمین قائم ہے اور قرآن کی تنزل کا بوجھ پہاڑوں سے نہ اٹھ سکا۔ اب جس ہستی نے اس بوجھ کو اٹھا لیا اس حامل قرآن کی بسالت و عظمت میں شک کرنے والا کافر نہ ہوگا تو کیا ہوگا۔

ع ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

نکتے کی بات: پہاڑوں کی گراں ترین متاع "ہیرا" ہوتی ہے جس کی قدر و قیمت اور سختی ضرب المثل ہے۔ قرآن کی تنزل کے سامنے ہیرا خاکستر بن جائے تو قرآن کی عظمت نزول اہل دل و نظر کی آنکھوں میں اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ سابقہ انبیاء کے ذریعے اسلامی تعلیمات پر مبنی کتابیں مقامی زبانوں میں نازل ہوئی تھیں۔ عربی میں نہیں جبکہ قرآن اپنی اصل زبان جس میں کہ لوح محفوظ پر تھا نازل کیا گیا۔ اس لئے اس کی ہیبت کو برداشت کرنا آسان نہ تھا۔ بالالفاظ دیگر قرآنی تعلیمات کا جز سابقین انبیاء پر مفہوماً نازل کیا گیا تھا جبکہ آپ ﷺ پر متناً اصل زبان میں۔

Marfat.com

ہمہ پہلو ابتلا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتلا و امتحان کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ آپ ﷺ بیک وقت دین و دنیا کے محاذوں پر نبرد آزما ہیں ایک طرف آپ ﷺ بچوں کے باپ، بیویوں کے شوہر، چچوں کے بھتیجے، دوستوں کے دوست، غریبوں کے ہمدرد اور یتیموں کے والی ہیں اور دوسری طرف اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ جن وانس کے پیغمبر اعظم ہیں۔ قیامت تک کے لئے **کافۃ للناس بشیرا و نذیرا** کے مقام بلند پر متمکن ہیں۔ حق کے ساتھی اور باطل کے دشمن ہیں اور آپ کی حیات مبارکہ کا ہر ہر لمحہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے نبی آخر الزمان ﷺ! ہر قدم سنبھل کر رکھئے کیونکہ آپ ﷺ کا ہر عمل قیامت تک کے لئے اسوۂ حسنہ گردانا جائے گا۔ آپ کی زندگی کا کوئی عمل کائنات کی شبانہ روز کارروائی سے حذف نہیں سمجھا جائے گا۔ آپ ﷺ کے پاکیزہ کردار اور بلند شان امتحان و ابتلا کی عملی اور قرطاسی "فلم" میں کٹ (Cut) نام کوئی وقفہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے ہر ہر لمحہ کی زندہ (Live) روداد محفوظ اور قلمبند ہو رہی ہے۔ اسی لئے آپ کبھی غفلت کی نیند تک نہ سوئے۔ فرمایا، میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا رہتا ہے۔

امتحان جس قدر سخت ہو، ڈگری اور منصب بھی اتنا ہی بڑا ملتا ہے۔ دنیا کے غیر عادلانہ نظاموں کی بات چھوڑیئے اس عادل مطلق کے کائناتی نظام کی بات کیجئے جو قادر مطلق بھی ہے۔ رحمۃ للعالمین کا منصب پانے والا جب اس زندگی کے میدان عمل میں آتا ہے تو منصب کے شایان شان اس کا امتحان بھی ہوتا ہے۔ وہ اس امتحان میں نہ صرف یہ کہ پورے نمبر لیتا ہے بلکہ اس کی اہلیت و قابلیت کا یہ عالم ہے کہ اہل دل و نظر اس کی حقیقی شان سے واقف ہونے کا گمان بھی نہیں کر سکتے۔ رہ گئے کم نظر و کم سواد تو ان کے نزدیک تو وہ ﷺ **بشر مثلکم** اور **یمشی فی الاسواق** سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کوئی کتنا بڑا پہلوان ہو جب مقابلہ ہوتا ہے تو برابر کی چوٹ ہونے پر اسے بار بار پوری قوت اور صبر و استقلال کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ سرور دو عالم ﷺ بھی امتحان گاہ حیات میں ہیں۔ آپ ﷺ کا مقابلہ سب سے زیادہ سخت ہے۔ دشمن نہ صرف طاقتور ہیں بلکہ کعبۃ اللہ کے مجاور بھی ہیں جن کی عظمت کا سارا زمانہ معترف ہے۔

طائف کا سفر: ابولہب نے حمایت سے انکار کر دیا تو قریش کی دیدہ دلیری بڑھ گئی چونکہ کل مطالب نکل ... ان کی اصلاح کی فی الوقت امید نہ رہی تو آپ نے اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کا ارادہ فرمایا۔ ۲۰ شوال ۱۰ نبوی کو آپ نے اپنے جاں نثار خادم حضرت زید بن حارثہ کو ساتھ لیا اور طائف تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کے کچھ رشتہ دار بھی رہتے تھے۔ ان دنوں طائف میں عمرو بن عمیر کے بیٹے عبدیالیل، مسعود اور حبیب اقتدار میں تھے۔ آپ ﷺ وہاں دس دن تھہرے۔ جب اسلام کی بات کی اور قریش کا رویہ زیر بحث آیا تو اہل طائف نے قریش کی مخالفت مول لینے سے انکار کر دیا بلکہ تینوں مقتدر بھائیوں نے آپ ﷺ کی تحقیر کے لئے آپ ﷺ کے پیچھے اوباش لونڈے لگا دیئے۔ انہوں نے آپ ﷺ پر اس قدر پتھراؤ کیا کہ آپ ﷺ کا نچلا دھڑ خون میں نہا گیا ...

Marfat.com

خون آپ کے جوتوں میں جم گیا۔ شہید رہو کر آپ ﷺ ایک باغ میں پہنچے جو عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ کی ملکیت تھا۔ باوجود کافر ہونے کے یہ حضرات شریف النفس تھے۔ ان کے ایماء پر ان کا غلام عداس انگوروں کا ایک گچھا طشت میں رکھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لایا۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر تناول فرمانا شروع کیا۔ عداس بولا' یہ کیسا کلام ہے۔ یہاں کے لوگ تو ایسے نہیں کرتے۔ آپ نے پوچھا تم کہاں کے ہو اور مذہب کیا ہے؟ عداس بولا میں نینوا کا عیسائی ہوں۔ فرمایا' یونس بن متی کی سرزمین کے رہنے والے ہو؟ عداس بولا' آپ ﷺ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟ فرمایا' وہ میرا "نبی بھائی" تھا اور میں بھی نبی ہوں۔ عداس نے یہ بات سنی تو اس نے جھک کر آپ ﷺ کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور پھر آپ کے دست و پا کو چومنے لگا۔ عتبہ اور شیبہ نے یہ منظر دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ عداس تو ہاتھ سے گیا۔ عداس واپس آیا تو اس نے ان کو بتایا کہ میں نے اس شخص سے وہ بات سنی ہے جو ایک نبی ہی بتا سکتا ہے اور یہ کہ آج روئے زمین پر اس شخص سے بڑھ کر شان و عزت والا کوئی اور شخص ہرگز نہیں ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ صفحہ ۳۸' محمد رسول اللہ ﷺ از محمد رضا مصری صفحہ ۱۴۰-۲۱۳)

دعائے طائف: اہل طائف کی بدتمیزی' دشنام طرازی' بدسلوکی اور خشت باری آپ پر بجلی بن کر گر رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف کھڑے اوباش لڑکے اور عوام آپ ﷺ کے پیروں اور ٹانگوں پر پتھر برسا رہے تھے جس سے آپ ﷺ لہولہان تھے۔ شدت درد سے جب آپ نڈھال ہو کر بیٹھ جاتے تو کوئی بدبخت آگے بڑھ کر آپ کو اٹھا کر کھڑا کر دیتا اور لوگ پھر سے پتھراؤ شروع کر دیتے۔ اس قدر کڑے امتحان میں آپ ﷺ کی زبان پر حرف شکایت نہ آیا۔ اگر کہا تو یہ کہا "یا اللہ میں اپنی کمزوری اور بے بسی کے ساتھ تیرا شکر کرتے ہوئے حاضر ہوں یا ارحم الراحمین! تو ہی کمزوروں اور بے کسوں کا پروردگار ہے۔ تو ہی میرا رب ہے۔ مجھے چاہے اپنی رضا سے کسی کے سپرد کر دے' چاہے وہ انسانیت سے عاری ہو یا بد خلق اور ترش رو یا میرا جانی دشمن ہو۔ اگر تو مجھ سے راضی رہے تو پھر مجھے کچھ پرواہ نہیں کیونکہ تیرا فضل اور عافیت زیادہ وسیع ہے۔ میں تیرے ظلمت کش اور ضیاء پاش نور کے واسطہ سے دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتا ہوں اور تیرے غضب اور عتاب سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں تجھ سے تیری رضا کا طالب ہوں بس اک تیری رضا کے بدلے مجھے ہر ابتلا قبول ہے۔ دو جہان میں تیرے سوا نہ کوئی حقیقی قوت ہے نہ حرکت۔" (محمد رسول اللہ ﷺ از محمد رضا مصری صفحہ ۱۴۰-۲۱۳)

ستم کی انتہا: آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ پر جنگ احد سے بھی زیادہ سخت وقت وہ تھا جب مجھے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں قریش (وغیرہ) سے پالا پڑا تھا اور ان (اہل طائف) کے پتھراؤ سے میرے پاؤں لہولہان ہو گئے تھے۔ ہر طرف سے گالی گلوچ اور طعن تشنیع کے بھرپور حملوں کا سامنا تھا۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ آخر گرتا پڑتا گھر پہنچا اور بارگاہ رب العزت میں سپاس گزار ہوا کہ تیری راہ میں ہر دکھ قبول ہے مگر تو میری بیچارگی دیکھ اور مدد فرما۔ اتنے میں جبریل امین پہاڑوں کے فرشتہ کو لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو مکہ کے دو پہاڑوں کو ٹکرا کر پورے شہر کو

Marfat.com

زمین میں دھنسا دیا جائے۔ میں ﷺ نے کمہ میں ہلاکت کے لئے نہیں آیا اور ہاں ان لوگوں کی نسلوں میں کچھ مسلمان بھی ہوں گے۔ (معارج النبوۃ (اردو) جلد ۲ صفحہ ۲۴۸-۲۵۰)

جنات کو تبلیغ: طائف سے مکہ کی طرف آپ پیدل روانہ ہوئے۔ مقام نخلہ پر پہنچ کر قیام فرمایا۔ آپ یہاں نماز پڑھ رہے تھے جس میں قرآن کی تلاوت با آواز بلند فرمائی۔ ادھر سے نصیبین کے جنات کا گروہ گزر رہا تھا۔ جنات نے قرآن سنا تو رک گئے اور آپ ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے اسلام قبول کیا اور پھر اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کی۔ قرآن میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے:

واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن فلما حضروہ قالوا انصتوا فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین--- تا---اولئک فی ضلل مبین

"جب ہم نے کئی جن آپ ﷺ کی طرف متوجہ کئے کہ قرآن سنیں۔ جب وہ حاضر ہوئے تو بولے خاموش رہو۔ پھر جب تلاوت ختم ہوئی تو اپنی قوم میں جا کر تبلیغ کرنے لگے۔ قوم سے کہا لوگو! ہم نے ایسا کلام سنا ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوا ہے جو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اللہ کی طرف جانے والا سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ لوگو! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تکلیف دہ عذاب سے نجات دے گا اور جو کوئی اس اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہ کرے گا تو وہ (اللہ اور رسول کو) زمین پر عاجز کر دینے سے تو رہا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا تو ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ (احقاف ۲۹ تا ۳۲)

رسول ثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور علیہ السلام کی جہاں یہ شان ہے کہ آپ رحمتہ للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں اور قیامت تک کے لئے سرچشمہ ہدایت ہیں وہاں آپ انسانوں کے علاوہ جنات کے بھی نبی اور رسول ہیں۔ قرآن حکیم کی رو سے جن دو مخلوقات کو اپنی عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہ جنات اور انسان ہیں۔ سابقہ مرسلین میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں قرآن یہ بھی بیان کرتا ہے کہ وہ اپنے دور کے انسانوں، حیوانوں، چرند پرند وغیرہ کے علاوہ جنات پر بھی حکمران تھے۔ جنات بھی اسلام کے ۔۔۔ ہیں۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جنات ہی اس کرۂ ارض پر بستے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ۔۔۔ روشنی میں کہ اس نے کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیا جب تک اصلاح احوال کے لئے ۔۔۔ طرف سے اس قوم میں انہی میں سے نبی یا رسول نہ بھیجا ہو اور وہ اس کی نافرمانی کی مرتکب نہ ہوئی ہو، ۔۔۔

Marfat.com

ہم یہ استنباط کر سکتے ہیں کہ جنات میں بھی رسول بھیجے گئے تھے لیکن جب جنات کا دور ختم ہوا اور آدم علیہ السلام سے انسانی سلسلہ چلا تو جنات کی ہدایت کا سلسلہ بھی انسانی زندگی کے سرچشمہ ہدایت سے منسلک کر دیا گیا جس کی آخری کڑی سید کائنات و سرور ثقلین حضرت محمد مصطفیٰ ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد یہ فریضہ آپ ﷺ کی امت کے علمائے راسخین اور اولیائے کرام بتوفیق الٰہی انجام دیتے چلے آ رہے ہیں اور دیتے جائیں گے۔

بلاذری (انساب الاشراف جلد اصفحہ ۱۱۱) کے مطابق حضور ﷺ کو پہلی وحی کے نزول کے بعد وضو اور نماز کا طریقہ جبریل امین نے بتایا تھا۔ روایات کی رو سے حضور ﷺ ایک دن مکہ معظمہ کے کسی بلند مقام پر تشریف رکھتے تھے۔ جبریل آپ ﷺ کے پاس احسن صورت اور پاکیزہ تر خوشبو کے ساتھ حاضر ہوئے اور:

فقال یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) ان اللہ یقرئک السلام و یقول لک انت رسولی الی الجن والانس فادعھم الی قول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

"عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ آپ ﷺ جن وانس کی طرف میرے رسول ہیں پس ان کو کلمہ طیب کی طرف دعوت دیجیے۔"

پھر جبریل نے زمین پر پاؤں مارا اور پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ جبریل اور رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور نماز ادا کی۔ (اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔)

یہاں اس واقعے کو دہرانے کا مقصد یہ ہے کہ حدیث کی رو سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جن وانس (دونوں) کے رسول ہیں۔

سید الثقلین نبی الحرمین امام القبلتین و سیلتنا فی الدارین صاحب قاب قوسین محبوب رب المشرقین و رب المغربین جد الحسن والحسین مولانا و مولی الثقلین ابی القاسم محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیرت و حدیث کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ جنات کو دعوت اسلام اور ان کی تربیت و تعلیم کا معاملہ ایک سے زیادہ مرتبہ ظہور میں آیا۔ بخاری اور مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کے ساتھ عکاظ کے بازار میں تشریف لے گئے۔ اس وقت شیاطین کا آسمانی خبریں چرانا بند ہو چکا تھا اور ان پر شہاب ثاقب مارے جانے لگے تھے۔ شیاطین اپنی قوم میں گئے اور شکایت کی اور فیصلہ ہوا کہ دنیا میں کوئی نیا واقعہ ہوا ہے۔ لہٰذا مشرق و مغرب میں آسمان بند کئے جانے کی وجوہ معلوم کرنی چاہئیں۔

Marfat.com

ان کی ایک جماعت پھرتی پھراتی تہامہ میں نخلہ کے مقام پر وارد ہوئی۔ وہاں آپ ﷺ اور صحابہؓ نماز فجر باجماعت ادا کر رہے تھے۔ جنات نے قرآن کی تلاوت سنی تو رک کر ہمہ تن گوش ہو گئے اور اندازہ لگایا کہ اسی کلام کی برکت سے ہمارا داخلہ آسمانوں میں بند ہوا ہے چنانچہ وہ اپنی قوم میں واپس گئے اور کہا "ہم نے عجیب قرآن سنا جو سچی راہ بجھاتا ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم خدائے واحد کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ بخاری اور مسلم میں مسروق سے روایت ہے کہ ابن مسعودؓ کے مطابق جنات کے قرآن سننے کی اطلاع حضور علیہ السلام کو ایک درخت نے دی تھی۔ (خصائص کبریٰ (اردو) جلد اول صفحہ ۲۶۷) حضرت ابن مسعودؓ کے مطابق لیلۃ الجن میں کوئی صحابی حضور کے ساتھ نہ تھا۔ البتہ ایک رات ہم نے حضور کو غائب پایا اسی تشویش میں رات گزاری۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ آپ غار حرا کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔ صحابہ کی تشویش پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "میرے پاس جنات کی طرف سے ایک شخص آیا تھا۔ میں اس کے ساتھ ان کی طرف گیا تھا۔ میں نے ان کے سامنے قرآن پڑھا۔" پھر حضور ﷺ صحابہؓ کے ساتھ جنات کے مقام پر گئے اور صحابہؓ کو وہاں ان کی نشانیاں اور آگ جلانے کے آثار دکھائے۔ (مسلم، احمد، ترمذی عن علقمہؓ بروایت ابن مسعودؓ)

ابو عثمانؓ خزاعی، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ آج رات جسے جنات کے معاملے میں حاضری دینا مقصود ہو وہ حاضر ہو جائے۔ ابن مسعود کا بیان ہے کہ صرف میں ہی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پس ہم دونوں چلتے چلتے مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ میں پہنچے۔ وہاں حضور علیہ السلام نے اپنے قدم مبارک سے لکیر کھینچی اور مجھے اس کے اندر بیٹھے رہنے کا حکم دیا اور خود آگے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے قرآن کی تلاوت فرمائی۔ آپ ﷺ کے گرد جنات نے گھیرا ڈال لیا حتیٰ کہ حضور میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ مجھے آپ ﷺ کی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ بعد ازاں جنات بادل کے حصوں کی طرح جدا جدا ہو کر بکھرنے لگے حتیٰ کہ ان میں سے صرف ایک جماعت باقی رہ گئی۔ آپ ﷺ ان سے فجر کے وقت فارغ ہوئے۔ پھر آپ ﷺ مجھے نظر آئے اور میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا وہ گروہ کہاں ہے؟ میں نے کہا "ادھر ہے۔" پھر آپ ﷺ نے ہڈی اور گوبر لیا اور ان کو دیا اور ہمارے لئے ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنا منع فرمایا۔

(ابن جریر، بیہقی، ابو نعیم اور حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔ (خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۲۶)

بیہقی، ابو نعیم نے علی بن رباح سے بروایت ابن مسعود ایسی ہی روایت نقل کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جنات کا گروہ ۱۵ برادر زادوں اور بنی عم پر مشتمل ہے آج رات وہ میرے پاس آئیں گے اور قرآن سنیں گے۔ پھر حضور مجھے (ابن مسعودؓ کو) ساتھ لے کر ایک جگہ پہنچے مجھے آپ ﷺ نے ایک دائرہ کھینچ کر اس کے اندر بٹھا دیا اور باہر نہ نکلنے کی تاکید فرمائی۔ حضرت ابن مسعودؓ رات بھر وہاں بیٹھے رہے، صبح کو حضور تشریف لائے۔ پھر ابن مسعودؓ نے گروہ جنات کی قیام گاہ دیکھی تو وہاں سے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ (خصائص کبریٰ جلد اول)

Marfat.com

بیہقی نے ابوالجوزاء سے ابن مسعود کی روایت بیان کی ہے کہ میں لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ مقام حجون میں گیا۔ آپ ﷺ مجھے ایک دائرے میں بٹھا کر آگے تشریف لے گئے۔ وہاں جنات نے آپ ﷺ پر ہجوم کیا۔ ان کے سردار وردان نے پیشکش کی کہ میں جنات کو آپ ﷺ سے دور ہٹا دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا "اللہ کے سوا کوئی مجھے ان سے نجات نہیں دلا سکتا۔" (خصائص کبری جلد اول)

حضرت ابن مسعودؓ نے جنات کی شکل و شباہت کالے کلوٹے جنگلی آدمیوں جیسی بیان کی ہے۔ (بیہقی)

جنات سے بچنے کا عمل: ابو نعیم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ لیلۃ الجن میں ایک جن آگ کا شعلہ لے کر حضور ﷺ کی طرف لپکا۔ جبریل امین نے اسے بجھانے کے لئے حضور کو یہ کلمات تعلیم کئے نتیجتاً آگ کا حامل جن اوندھے منہ گرا۔

اعوذ بوجه الله الكريم و بكلماته النافعة التى لا يجاوزهن بهرولا فاجرمن شرما انزل من السماء ويعرج فيها ومن شرما ذرء فى الارض ويخرج فيها ومن شرطوارق الليل والنهار الا طارقا يطرق بخيريا رحمٰن (خصائص کبری جلد ا صفحہ ۲۶۸)

ابو زید کے واسطے سے ابو نعیم اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی کہ حضور نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے کہا کہ تم لوگوں میں وہ شخص میرے ساتھ چلے جس کے دل میں ذرہ بھر بھی آلودگی نہ ہو۔ ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میں پانی کا مشکیزہ لے کر آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیا۔ ہم مکہ معظمہ کے بالائی حصہ میں پہنچے۔ وہاں بہت سی جماعتوں کو جمع دیکھا۔ حضور علیہ السلام نے میرے گرد ایک خط کھینچ کر مجھے اس سے باہر نہ آنے کی تاکید فرمائی اور خود جنات کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے کثرت ہجوم سے آپ ﷺ کو گھیر لیا۔ آپ ﷺ ساری رات ان سے گفتگو کرتے رہے۔ علی الصبح ان سے فارغ ہو کر میرے پاس آئے اور مجھ سے تصدیق کی کہ میں دائرہ میں ہی رات بھر رہا؟ پھر آپ نے وضو کے لئے پانی چاہا۔ میں نے مشکیزہ دیکھا۔ اس میں پانی کی جگہ نبیذ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا **تمرہ طیبہ وماء طہور** پھر آپ ﷺ نے اس سے وضو فرمایا۔ جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو دو جن آئے اور آپ کی اجازت سے انہوں نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ میں نے بھی نماز ساتھ ہی پڑھی۔ واپسی پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ نصیبین کے جن تھے۔ وہ اپنے بعض معاملات کا فیصلہ کرانے میرے پاس آئے تھے۔ پھر انہوں نے مجھ سے زاد راہ مانگا تو میں ﷺ نے انہیں توشہ دے دیا۔ توشہ کی وضاحت یوں کی کہ گوبر یا اسی قسم کی چیزوں کو جنات کھجور پائیں گے اور ہڈی کو وہ گوشت دار ہڈی پائیں گے۔ آپ ﷺ نے گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے کی ممانعت فرما دی۔ (خصائص کبری جلد ا صفحہ ۲۶۹)

طبرانی، ابو نعیم نے ابو عبداللہ جدلی کے واسطہ سے ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے جس میں اس و

Marfat.com

کے بارے میں اتنا زیادہ ہے کہ میں نے جب پہاڑ کی چوٹی سے بے شمار لوگوں کو اترتے دیکھا جنہوں نے حضور کو گھیر لیا تو میں نے چاہا کہ تلوار لے کر جاؤں اور ان لوگوں سے حضور ﷺ کو چھڑا لوں۔ پھر آپ کا ارشاد یاد آ گیا اور میں دائرے میں ہی ٹھہرا رہا۔ صبح کے وقت آپ ﷺ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ اگر تم دائرہ سے نکل جاتے تو قیامت تک ہماری تمہاری ملاقات نہ ہوتی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کی انگلیاں میری انگلیوں میں ڈال کر فرمایا کہ مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ تجھ پر جنات اور انسان ایمان لائیں گے۔ انسان تو ایمان لے آئے تھے اور جنات کو آج تم نے دیکھ لیا۔ (خصائص کبری جلد ا صفحہ ۲۱۷ اردو)

ایک اور روایت (بواسطہ عمرو بکالی) میں ہے کہ ابن مسعودؓ نے اس موقعہ پر ایسے بد وضع کے لوگ دیکھے جو ننگے بدن تھے مگر ان کے ستر نظر نہ آتے تھے۔ ان کے قد لمبے تھے' بدن پر گوشت کم کم تھا۔ حضور ﷺ پر انہوں نے ہجوم کیا۔ آپ نے قرآن پڑھا کچھ جنات میرے چاروں طرف آ کر بیٹھ گئے۔ میں ان سے ڈرا۔ صبح ہوئی تو وہ جانے لگے۔ حضور آئے اور اپنا سر مبارک میرے زانوؤں پر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں لمبے قد کے سفید پوشوں کی آمد ہوئی۔ میں خوف زدہ ہوا۔ پھر انہوں نے حضور کی مثال بیان کی کہ آپ گویا ایسے سردار کے کارندے اور داعی ہیں جس نے مضبوط عمارت بنائی اور وہاں لوگوں کو کھانے پر بلایا جو کھانا کھانے نہ آیا۔ سردار اسے سخت عذاب دے گا۔ اس میں سردار اللہ تعالیٰ ہے' عمارت دین اسلام ہے' کھانا سے مراد جنت ہے اور داعی رسول اکرم ﷺ ہیں۔ پھر حضور بیدار ہو گئے اور مجھے پوچھا کہ میں نے کیا لیا دیکھا۔ میں نے سب کچھ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ سفید پوش لوگ فرشتے تھے۔ (خصائص کبریٰ)

ابن مسعودؓ سے ہی مروی ہے کہ ایک دن جبریل امین نے اور بروایت دیگر ایک درخت نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کہ جنات کی ایک جماعت مقام حجون میں آپ ﷺ کی منتظر ہے۔ خواجہ عالم ﷺ کے ساتھ ابن مسعودؓ بھی تھے۔ شعب حجون میں پہنچ کر حضور ﷺ نے ابن مسعودؓ کو اپنی انگشت مبارک سے کشیدہ دائرے میں بیٹھا رہنے کا حکم دیا اور خود ایک پشتہ پر نماز میں مصروف ہو گئے۔ نماز میں آپ ﷺ نے سورہ طٰہٰ تلاوت کی۔ اطراف و جوانب سے جنات کی جماعتوں نے ہجوم کیا اور وہ آپ ﷺ کی صحبت سے بہرہ یاب ہوئے۔ ان کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں تین بارہ ہزار یا ساٹھ ہزار۔۔۔ اور ایک قول کے مطابق ان کے چالیس جھنڈے تھے اور ہر جھنڈے کے زیر سایہ جنات کی کثیر تعداد تھی۔ یہ سب آنحضرت کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ آپ نے نماز کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی۔ پس وہ سب مسلمان ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جنات نے نبوت پر دلیل طلب کی تو آپ نے ایک درخت کو پاس بلایا۔ اس نے حاضر ہو کر گواہی دی کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور پھر حسب ارشاد نبوی واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۵)

ایک روایت میں آیا ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے جنات میں سے بارہ اشراف کو منتخب فرمایا اور ان کو شریعت کے اہم مسائل سکھائے اور ارشاد فرمایا کہ وہ دوسروں کو بھی تبلیغ و تلقین کیا کریں۔

Marfat.com

پس وہ رخصت ہو کر اپنے اپنے وطن پہنچے اور تبلیغ و تعمیل میں مصروف ہو گئے۔ (معارج النبوۃ (اردو) جلد ۲ صفحہ ۲۳۵)

روایات صحابہ کرام و صلحائے امت اور جنات

ابلیس کا پڑپوتا بارگاہ رسول ﷺ میں: بیہقی اور ابو نعیم نے چند واسطوں سے حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت کی ہے کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ سامنے سے اچانک ایک بوڑھا نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں عصا تھا۔ آتے ہی اس نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا۔ وعلیکم سلام کے بعد آپ ﷺ نے اسے جناتی زبان میں پوچھا کہ تو کون ہے۔ وہ بولا "میں ھامہ بن ہیم بن لاقیس بن ابلیس ہوں۔" اور اپنی عمر کے بارے میں کہا:

"جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا میں اس وقت چند سالہ بچہ تھا مگر میں باتوں کی سمجھ رکھتا تھا۔ ٹیلوں پر سے گزرتا تھا اور لوگوں کا کھانا خراب کرنے اور قطع رحمی کرنے کا حکم دیتا تھا۔"

آپ ﷺ نے یہ سن کر اسے ملامت کی تو ھامہ بولا:

"یا رسول اللہ! نوح علیہ السلام کی قوم میں جو حضرات ان پر ایمان لائے تھے میں ان کے ساتھ مسجد میں تھا اور میں نوح علیہ السلام کی بددعا پر کفار پر عتاب کیا کرتا تھا حتیٰ کہ نوح علیہ السلام بھی روئے اور مجھے بھی رلایا اور اللہ کی بارگاہ میں نادم ہوئے اور جاہلیت سے پناہ مانگی۔ میری توبہ کا قصہ یوں ہے کہ میں نے نوح علیہ السلام کو بتایا کہ میں بھی ہابیل کے قتل میں شریک تھا۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بولے اگر تو سچے دل سے توبہ کر لے تو اللہ تجھے بخش دے گا۔ لہٰذا تو اٹھ، وضو کر اور دو سجدے کر۔۔۔ میں نے فوراً تعمیل کی۔ پھر نوح علیہ السلام نے مجھے توبہ کی قبولیت کا مژدہ سنایا۔ پھر میں شکرانے کے طور پر ایک سال تک سر بسجود رہا۔ پھر میں ہود علیہ السلام کے صحابہ کے ساتھ بھی رہا اور ان کے کفار پر عتاب کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ہود علیہ السلام خود بھی روئے اور مجھے بھی رلایا۔۔۔ پھر میں یعقوب علیہ السلام کی زیارت بار بار کیا کرتا تھا۔ پھر میں یوسف علیہ السلام کے "مکان" میں موجود تھا اور الیاس علیہ السلام سے جنگلوں میں ملاقات کیا کرتا تھا اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔۔۔ پھر میں نے موسیٰ علیہ السلام کی زیارت بھی کی۔ انہوں نے مجھے توریت پڑھائی اور فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو پاؤ تو میرا سلام کہنا۔ پس میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کا سلام پہنچایا۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم محمد ﷺ سے ملاقات کا شرف پاؤ تو ان کو میرا سلام پہنچا دینا۔"

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر حضور علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے روتے ہوئے فرمایا "قیامت تک عیسیٰ علیہ السلام پر سلام پہنچتا رہے۔" اور ھامہ سے فرمایا کہ ادائے امانت کے سلسلہ میں تم پر بھی سلام ہو۔

Marfat.com

پھر ھامہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ قرآنی تعلیمات سے بہرہ یاب فرمایئے چنانچہ حضور ﷺ نے ھامہ کو سورہ واقعہ، مرسلات، نباء، کورت، اخلاص اور معوذتین کی تعلیم فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جب بھی تمہیں کوئی حاجت ہو ہم سے بیان کرنا اور ہماری زیارت کو نہ چھوڑنا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ھامہ کے بارے میں ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ وہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا۔ (خصائص کبریٰ (اردو) جلد اول صفحہ ۲۷۴ تا ۲۷۶)

حضور کا صحابی جن سانپ کی شکل میں:

ابو نعیم نے ابو رجاء سے روایت کی کہ میں قافلہ کے ساتھ سفر میں تھا۔ ایک جگہ ہم پانی پر اترے اور خیمے لگا دیئے۔ میں اپنے خیمہ میں قیلولہ کرنے کے لئے گیا۔ دفعتاً وہاں ایک سانپ تڑپتا ہوا آن پہنچا میں نے اس پر پانی چھڑکا تو اسے کچھ سکون ملا۔ بہرحال آخر وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ میں نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر ایک سفید کپڑے میں کفنا کر اسے دفن کر دیا۔ پھر ہمارا قافلہ چلا۔ صبح ہم ایک جگہ پانی پر اتر کر خیمہ زن ہوئے۔ میں آرام کے لئے اپنے خیمہ میں گیا۔ وہاں میں نے یہ آوازیں سنیں "تم پر سلام دوبارنہ ایک بار، دس بار نہ سو بار نہ ہزار بار بلکہ اس سے زیادہ مرتبہ تم پر سلام ہو۔" میں نے پوچھا "تم کون ہو؟" وہ بولے، ہم جن ہیں۔ اللہ تم پر برکتیں نازل فرمائے۔ تم نے ہم پر جو احسان کیا ہے ہم اس کا بدلہ نہیں چکا سکتے۔ احسان کی وضاحت یوں کی کہ تم نے جو تڑپتا ہوا سانپ مرتا دیکھا اور پھر اسے دفن کر دیا تھا وہ ان جنات میں سے آخری جن تھا جو حضور علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ (خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۲۷۷)

اسی طرح معاذ بن عبداللہ بن معمر سے مروی ہے کہ میں حضرت عثمانؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے بیان کیا "اے امیرالمومنین! جنگل میں، میں نے آمنے سامنے دو بگولے لڑتے دیکھے۔ آخر وہ جدا ہو گئے۔ وہاں میں نے عجیب قسم کے دو سانپ دیکھے۔ ایک سانپ میں سے تیز خوشبو آ رہی تھی جو باریک اور زرد رنگ کا تھا۔ میں نے اسے بہتر جان کر اپنے عمامے میں لپیٹا اور دفن کر دیا۔ پھر میں نے آواز سنی "اے عبداللہ تو نے بھلا کام کیا یہ دونوں سانپ **شعیبان** اور بنی اقیس کے جنات تھے جسے تم نے دفن کیا یہ ان میں سے ایک تھا جنہوں نے رسول اکرم ﷺ سے وحی سنی تھی۔ (خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۲۷۷)

ابو نعیم، ابراہیم نخعی سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے بعض ساتھی حج کے لئے گئے۔ راستے میں ایک سفید سانپ نظر آیا جو مشک جیسی خوشبو دیتا تھا۔ کچھ دیر میں وہ سانپ مر گیا جسے سفید کپڑے میں کفنا کر دفن کر دیا گیا۔ بقول راوی ہم ایک جگہ بیٹھے تھے کہ مغرب کی طرف سے چار عورتیں نمودار ہوئیں۔ ایک بولی "عمرو سانپ کو کس نے دفن کیا؟" راوی نے کہا "میں نے۔" تو اس نے بتایا کہ یہ تمہارے نبی ﷺ پر چار سو سال پہلے ایمان لایا تھا۔ بڑا نمازی، روزہ دار اور احکام الٰہی کا پابند تھا۔ اس نے تمہارے نبی کی شہرت آسمان میں سنی تھی۔

راوی کہتا ہے کہ پھر ہم نے حج کیا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت عمرؓ فاروق سے سارا واقعہ بیان کیا۔

Marfat.com

آپ نے فرمایا، اس عورت نے ٹھیک کہا۔ واقعی حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ ذکر کیا تھا کہ عمرو میری بعثت سے چار سو سال پہلے مجھ پر ایمان لایا تھا۔ (ایضاً ۲۷۴)

ہادی جن: ابو نعیم نے ابی بن کعب سے روایت کی کہ ایک جماعت حج کو گئی مگر راستہ بھول کر موت کے کنارے جا پہنچی۔ سب کفن پہن کر لیٹ گئے تاکہ مر سکیں۔ اچانک ایک درخت سے ایک مسلمان جن نکلا جو حضور علیہ السلام کا صحابی تھا۔ اس نے جماعت کو پانی دیا اور سیدھا راستہ بتایا حتیٰ کہ وہ منزل پر پہنچ گئی۔ (ایضاً صفحہ ۲۷۴)

امام بیہقی نے اسید سے روایت کی کہ عمر بن عبدالعزیز حج کو جاتے ہوئے ایک صحرا میں سے گزرے۔ وہاں ایک مرا ہوا سانپ پایا اور اسے کفنا کر گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ اتنے میں غیبی آواز آئی "سرق! تم پر اللہ رحمت کرے۔ میں گواہ ہوں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ سرق کو مسلمانوں میں سے اپنے وقت کا بہترین شخص دفن کرے گا پھر معلوم ہوا کہ یہ آواز ایک جن کی تھی جو سرق کا ساتھی تھا اور ان دونوں نے حضور علیہ السلام کی صحبت کا شرف پایا تھا۔ اب سرق کے بعد وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ (ایضاً صفحہ ۲۷۶)

جنات کے منکر: قرآن کریم میں جنات کا ذکر ہے۔ سورہ جن بھی قرآن میں ہے سورہ احقاف (۲۹:۳۲) میں بھی جنات کے ایمان لانے کا ذکر ہے۔ صحابہ کرام سے بعض روایات بھی ظاہر کرتی ہیں کہ جنات کا وجود ہے اور ان کی خوراک گوبر اور لید کے علاوہ ہڈی ہے۔ اس کی تائید اس فقہی مسئلہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو گوبر اور ہڈی کے ساتھ استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں جنات کی خوراک بنا دی گئی ہیں۔ جن بھی انسانوں کی طرح شریعت اسلامیہ کے مکلف ہیں۔

جب قرآن و حدیث سے کھلم کھلا طور پر جنات کے وجود کا ثبوت ملتا ہے تو پھر ہمارے دور کے بعض مغرب زدہ اور سائنس پرست حضرات جنات کے وجود سے کیوں انکاری ہیں اور اسے توہم پرستی قرار دے کر بری الذمہ ہونے کی کوشش ناکام کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ قرآن کا انکار اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ایسے حضرات غیروں سے اس قدر مرعوب ہو چکے ہیں کہ انہیں نہ تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا جواز نظر آتا ہے نہ عورتوں میں شرم و حیاء ان کے لئے کچھ اہمیت رکھتی ہے۔ نہ اسلامی تعزیرات کو وہ آج کے دور میں قابل عمل و قبول سمجھتے ہیں چونکہ ان کے علم کا حدود اربعہ ان کی ناقص العقل سے باہر نہیں نکلتا لہٰذا اپنے احساس کمتری کو مٹانے کے لئے جھوٹے احساس برتری کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام کو کفار محض چودھراہٹ یا ہٹ دھرمی کی خاطر اپنا رہبر ماننے سے انکار کر دیتے تھے جن کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے۔

پس حقائق سے آنکھیں بند کر لینے سے ان کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اللہ گمراہوں کو ہدایت دے۔

Marfat.com

آمین!

مجدد الف ثانیؒ اور جنات: امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ شرع متین کو زندگی بخشنے والے عالم، محقق اور بلند پایہ صوفی تھے۔ آپ اپنی کتاب مبدا و معاد میں اپنے ایک روحانی انکشاف کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

"ایک روز جنوں کا حال مجھ پر منکشف فرمایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جنات گلی کوچوں میں عام آدمیوں کی طرح چل پھر رہے ہیں اور ہر ایک جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے اور وہ جن اس موکل کے ڈر کے مارے سر نہیں اٹھا سکتا اور دائیں بائیں نہیں دیکھ سکتا۔ جنات قیدیوں اور اسیروں کی طرح ہو رہے ہیں ان میں مخالفت کی مجال بالکل نہیں۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ان سے کچھ ظہور میں آتا ہے۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے ہر موکل کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہے اور اگر جن ذرا بھی مخالفت کرے تو وہ موکل ایک ہی چوٹ سے اس کا کام تمام کر دے۔

خدائے کہ بالا و پست آفرید زبردست ہر دست' دست آفرید

(مبدء و معاد صفحہ ۵۰-۵۱ اردو ترجمہ مطبوعہ اللہ والے کی قومی دکان' لاہور طبع دوم)

طائف سے مکہ کو واپسی: مقام نخلہ پر جنات کے قرآن سننے اور اسلام قبول کرنے سے متعلقہ روایات کو میں نے کافی تفصیل سے اس لئے بیان کیا ہے کہ جنات بھی انسانوں کی طرح حضور کے امتی ہیں۔ ان میں بھی مومن اور کافر پائے جاتے ہیں۔ ان کی ملاقات سے حضور علیہ السلام کو ذہنی طور پر یک گونہ سکون ملا کیونکہ انسانوں نے وقتی طور پر ہی سہی، حضور کی تعلیمات کو ماننے سے گریز کیا تھا۔ جنات کے اسلام لانے سے حضور کا حوصلہ بڑھا اور غم و اندوہ کی وہ کیفیت چھٹ گئی جو ابو طالب اور خدیجہ بی بی کے انتقال سے پیدا ہوئی تھی اور قریش کی ہٹ دھرمی اور ظالمانہ روش نے اسے بمقتضائے بشریت آپ کے لئے سوہان روح بنا دیا تھا۔

پناہ طلبی: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں واپسی کا ارادہ فرمایا تو قریش کے معاندانہ رویہ کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی پناہ کی ضرورت تھی۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخنس بن شریق کو پیغام بھجوایا کہ وہ پناہ میں لے لے۔ اس نے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ کسی معاہدہ کا حلیف نہیں اور کسی کو کھل کر پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پیغام سہیل بن عمرو کو بھجوایا۔ وہ بولا کہ بنو عامر بن لوئی بنو کعب کے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔ بالآخر آپ نے مطعم بن عدی کو یہی پیغام بھجوایا۔ اس نے پناہ دینا قبول کیا۔ وہ اپنے بیٹوں کو مسلح کر کے خود بھی ہتھیار بند ہو کر حضور علیہ السلام کو مکہ لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پناہ میں کعبہ میں نماز پڑھی اور طواف کیا۔ ابو جہل نے دیکھا تو دب کر کہا کہ مطعم بن عدی نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از محمد رضا مصری (اردو) صفحہ ۲۱۵ بحوالہ طبری)

ان دنوں کی اس صورت حال سے مکہ میں حضور کی انتہائی بے بسی کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

مطعم بن عدی نے غزوہ بدر سے پہلے وفات پائی۔ حضرت حسان بن ثابت جو دربار رسالت کے

Marfat.com

شاعر تھے، نے مرثیہ لکھا۔ زرقانی نے یہ مرثیہ بدر کے واقعہ کے تحت نقل کیا ہے۔

(زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ٦)

قبائل کا دورہ: حج کے دنوں میں آپ ﷺ دور دراز سے آنے والے قبائل میں تبلیغ فرماتے نیز جہاں جہاں عوامی میلے لگتے وہاں بھی تشریف لے جاتے اور تبلیغ کرتے۔ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے میلے خاص طور پر مشہور تھے۔ جن قبائل کے سامنے اسلام پیش کیا ان میں بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنونضر، کندہ، کلب، بنو حارث بن کعب، عذرہ اور حصارمہ زیادہ مشہور ہیں۔ ابن سعد نے ان کا ذکر کیا ہے۔ ابولہب ہمیشہ قبائل کو تبلیغ کے دوران حضور ﷺ کے پیچھے لگا رہتا اور لوگوں سے کہتا "یہ دین سے پھر گیا ہے، جھوٹ کہتا ہے۔"

(سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۵۲)

ذخیرہ

Marfat.com

اسریٰ اور معراج کا بیان

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں
(اقبالؒ)

لفظی تشریح: اسریٰ کے معنی ہیں "رات کے بیشتر حصے میں چلا" عموماً اسراء اور سری (ثلاثی مجرد) کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے مگر اسراء کا لفظ رات کے ابتدائی حصے میں سفر کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ سری رات کے آخری حصہ میں سفر کے لئے۔ سیر اور اسراء میں یہ فرق ہے کہ سیر صرف چلنے یا جانے کے لئے بولتے ہیں اس میں وقت (دن یا رات) کی کوئی قید نہیں جبکہ اسراء صرف رات کے وقت سفر کے لئے مخصوص ہے۔ اگر اسراء کا صلہ حرف "ب" ہو اور کہا جائے "اسریٰ بہ" تو اس کا مطلب ہو گا "اسے رات کے وقت لے گیا" یا "اسے رات کو روانہ کیا۔" (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۱۰)

قرآن کریم میں آیا ہے:

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی مسجد الاقصا الذی بارکنا حولہ لنریہ من ایتنا

"وہ (اللہ) پاک ہے جو اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک راتوں رات لے گیا جس کے گرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ اسے ہم اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔" (بنی اسرائیل:۱)

یہ آیت حضور علیہ السلام کے معراج پر جانے کے بارے میں ہے۔ علمائے امت متفق ہیں کہ یہاں بندے سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ مسجد حرام، خانہ کعبہ ہے اور مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے۔ اقصیٰ کے معنی ہیں "بہت دور" یہ مسجد چونکہ کعبۃ اللہ سے بہت دور ہے اس لئے اسے مسجد اقصیٰ کہتے ہیں۔ منقول ہے کہ مسجد اقصیٰ دوسری مسجد ہے جو بیت اللہ کے بعد روئے زمین پر بنائی گئی۔

(زیر آیت (۱:۱۷) ترجمہ القرآن از فتح محمد خان جالندھری)

توقیت اسریٰ: یہ امر تو مسلمہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں پیش آیا اور رات کے ایک حصے میں وقوع پذیر ہوا لیکن کب؟--- اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں اسے حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات سے پہلے کا واقعہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات شعب ابی طالب سے واپسی کے بعد ہوئی۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی یعنی ۱۰ نبوی میں لیکن بعض راویوں کے مطابق ان کا انتقال ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا تھا۔ بقول ابن اثیر و ابن ہشام یہ واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے ہوا یعنی ۱۰ نبوی میں

Marfat.com

قاضی عیاض کے مطابق ۵ سال پہلے یعنی ۸ نبوی میں جبکہ امام زہری کی طرف یہ بیان منسوب ہے کہ معراج کا واقعہ بعثت سے پانچ سال بعد ہوا۔ علامہ ابن حجر (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۵۵ مطبوعہ مصر) بھی اسی کے موید ہیں۔ (گویا ۶ نبوی میں)

ابتدائی راویوں کی رائے ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔ ان میں حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام ہانیؓ، ابن عباسؓ، عمرو بن عاصؓ اور (تابعین میں) قتادہؒ، مقاتلؒ، ابن جریجؒ اور عروہؒ بن زبیرؒ وغیرہ شامل ہیں جس کا مطلب ہے کہ یہ ۱۲ نبوی میں ہوا۔ مسلم بن قتادہ کے نزدیک یہ واقعہ ہجرت سے اٹھارہ ماہ پہلے ہوا۔ السدی نے اس کا زمانہ ہجرت سے سترہ یا سولہ ماہ پہلے متعین کیا ہے۔ امام بخاری نے اس واقعہ کا ذکر قبل ہجرت کے واقعات میں بیعت عقبہ اولیٰ اور واقعہ ہجرت سے پہلے کیا ہے۔ ابن سعد نے بھی واقعات کی ترتیب میں یہی بات ملحوظ رکھی ہے۔ اس سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ان دو محققین کے نزدیک واقعہ معراج ہجرت سے کچھ ہی عرصہ پہلے پیش آیا۔ (گویا ۱۲ نبوی میں) عیسائی مورخ ولیم میور لائف آف محمد (صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ ۱۹۲۳ء) میں اس واقعہ کو ۱۲ نبوی میں تسلیم کرتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۶۱۰۔۶۱۱)

ابن مردویہ نے عمرو بن شعیب سے بطریق حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کی:

اسری بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم سبع عشرۃ من شہر ربیع الاول قبل الھجرۃ بسنۃ (خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۱۶۱ عربی)

"حضور علیہ السلام کو معراج ۱۷ ربیع الاول سنہ ہجری سے ایک سال قبل ہوئی۔" (خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۳۱۹ اردو ترجمہ)

یہی روایت ابن سعد نے ام سلمہؓ سے بیان کی ہے جبکہ اس نے واقدی کے حوالے سے ۱۷ رمضان المبارک لکھی ہے۔ بقول زرقانی (۱:۳۰۶) بعض نے ماہ ربیع الثانی اور شعبان کی تعیین کی ہے۔ ابن قتیبہ دینوری (متوفی ۲۶۷ھ) اور ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) نے ماہ رجب میں یہ واقعہ تسلیم کیا ہے۔ متاخرین میں امام رافعی اور علامہ نووی نے (روضہ الاحباب میں) ماہ رجب کی تعیین کی ہے جبکہ محدث عبدالغنی المقدسی نے ۲۷ رجب سے اس واقعہ کو منسلک کیا ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۶۱۱)

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ لوگوں کا ۲۷ رجب الرجب پر عمل ہے اور یہی روایت قوی ترین خیال کی جاتی ہے نیز فرمایا کہ اصولاً جب کسی امر میں اختلاف کثیر پایا جائے اور استدلال سے کسی پہلو کو ترجیح نہ دی جاسکے تو بظن غالب وہ پہلو درست قرار دیا جائے گا جس پر امت کا عمل ہے اور جو لوگوں میں مشہور و مقبول ہے۔

(زرقانی علی المواہب جلد ا صفحہ ۳۵۵، سیرت سرور عالم جلد ۲ صفحہ ۶۴۴ از مولانا مودودیؒ)

بعض علماء نے معراج کو ہجرت سے تین سال قبل کا واقعہ کہا بعض نے ایک سال پہلے کا۔ بہرحال

Marfat.com

جمہور کا عام طور پر اتفاق اسی پر ہے کہ یہ واقعہ ۲۷ رجب المرجب ۱۲ نبوی کو ہوا۔ زیادہ روایات ہجرت سے ایک سال پہلے کے بارے میں ہیں۔ سلمان منصور پوری نے ۱۰ نبوی لکھا ہے (رحمۃ للعالمین جلد ا صفحہ ۸۶) جبکہ مولانا مودودی نے سیرت سرور عالم میں اور نور بخش توکلی نے سیرت رسول عربی ﷺ (صفحہ ۷۶) میں ۲۷ رجب ۱۲ نبوی درست مانا ہے۔ ابن شہاب نے ابن مسیب سے روایت کی کہ معراج ۱۲ نبوی میں (ہجرت سے ایک سال پہلے) ہوئی۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر ۵۱ سال ۹ ماہ تھی۔ (شمامۃ العنبر یہ صفحہ ۷۲ از نواب صدیق حسن خان بھوپالی) واللہ اعلم!

جسمانی یا روحانی معراج:

قاضی عیاض نے "شفا" میں لکھا کہ علماء کے ایک گروہ کے مطابق معراج روحانی واردات تھی جو ایک خواب تھی اور انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ یہی بات حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ نے کہی ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ تفسیر ابن جریر میں حذیفہؓ کا بیان نقل ہوا ہے جس کے مطابق معراج روحانی اور خواب کا واقعہ تھا۔ جسمانی معاملہ نہ تھا۔ ان کا استدلال یہ ہے **وما جعلنا الرءیا التی ارینٰک الا فتنۃ للناس** "یہ جو خواب تمہیں دکھایا گیا ہے یہ لوگوں کی آزمائش ہے۔" (۶۰:۱۷) مفردات راغب میں ہے کہ **الرو یا ما یری فی المنام** کہ رویا وہ ہے جو خواب میں دیکھا جائے۔۔۔ پس معراج کا واقعہ خواب تھا۔ اس کی ایک اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ جب کفار نے حضور علیہ اسلام سے کہا **او ترقی فی السماء** (۹۳:۱۷) کہ آپ جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ کر دکھائیں تو اس کا جواب یہ دیا گیا **قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا** "یہ بات تقاضائے بشریت کے خلاف ہے کہ جسم عنصری کے ساتھ انسان اس کائنات کو چھوڑ کر کہیں چلا جائے۔" نیز بخاری شریف میں یہ الفاظ ہیں **فیما یری قلبہ و تنام عینہ و لا ینام قلبہ** یعنی معراج میں آپ کا قلب دیکھتا تھا اور آنکھ سوتی تھی اور قلب محو خواب نہ تھا اور آخر حدیث میں یہ الفاظ ہیں **و استیقظ و ھو فی المسجد الحرام** "آپ ﷺ بیدار ہو گئے تو خود کو مسجد الحرام میں پایا۔" پس اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ یہ واقعہ خواب میں پیش آیا اور جس طرح اللہ کو یہ قدرت ہے کہ وہ کسی انسان کو اٹھا کر لے جائے اور اسے جنت و دوزخ کی سیر کرا دے اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ جنت اور دوزخ اپنی اپنی جگہ رہیں اور ان کا نظارہ کسی کو اسے اپنی جگہ پر بیٹھے بٹھائے بذریعہ کشف کرا دے یا خود جنت اور دوزخ کو اٹھا کر سامنے لے آئے اور مطلوبہ شخصیت کو وہ دکھا دے۔ ان تینوں صورتوں میں قدرت خداوندی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ پس اسریٰ میں بھی یہی ہوا کہ بیت المقدس اپنی جگہ رہا۔ حضور علیہ السلام اپنی جگہ رہے اور درمیان سے حجابات اٹھا دیئے گئے اور آپ نے اس کا نظارہ کر لیا۔ صحابہ میں امیر معاویہؓ اسے رؤیا قرار دیتے ہیں اور حضرت عائشہؓ بھی حضور علیہ السلام کے روحانی معراج کی قائل ہیں۔

(تفسیر ابن جریر تحت تفسیر سورہ بنی اسرائیل، ابن ہشام ذکر الاسریٰ)

Marfat.com

ایک نقطۂ نظریہ ہے کہ یہ واقعہ **بین الیقظ والنوم** یعنی بیداری اور نیند کی درمیانی کیفیت میں پیش آیا۔

ایک اور نظریہ یہ ہے کہ معراج نہ تو محض ایک عام اور معمولی خواب تھا اور نہ یہ معمول کی بیداری کا واقعہ تھا بلکہ یہ اگر خواب یا کشف تھا تو ایسا خواب اور کشف تھا جس پر ہزاروں بیداریاں قربان کی جاسکتی ہیں بلکہ خود حضور علیہ السلام کے دوسرے خوابوں اور کشوف سے بدرجہا بلند مرتبت تھا اور اگر یہ بیداری کا واقعہ تھا تو وہ عام بیداری نہ تھی بلکہ اس بیداری سے بدرجہا بلند مرتبہ بیداری تھی جس کے سامنے ہماری یہ روزمرہ کی بیداری ایک خواب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اور حضور علیہ السلام کی عام بیداری سے بھی یہ بیداری نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی جسے ہم "مافوق بیداری" کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اس دوران میں حضور علیہ السلام کے حواس غیر معمولی طور پر جلا یافتہ تھے۔ جو حضرات اسے خواب کہتے ہیں وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ عام خواب نہ تھا بلکہ ایسا خواب تھا جو مشاہدۂ عینی کی طرح پیش آتا ہے جیسا کہ امام خطابی، صاحب معالم السنن نے لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ صفحہ ۴۰۲)

معراج بیداری میں بدن کے ساتھ ہوئی: روحانی یا خوابی معراج کے مقابلے میں مضبوط ترین اور مقبول ترین نظریہ یہ ہے کہ معراج کا سفر بدن کے ساتھ عالم بیداری میں پیش آیا۔ یہ استنباط **سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی مسجد الاقصی** کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ علمائے راسخین کہتے ہیں کہ "عبد" جسد اور روح کے مجموعہ کا نام ہے۔ "**اسری بہ**" سے مراد رات کو لے جایا گیا۔ رات کو سفر کرایا گیا اور یہ بات چونکہ بظاہر ممکن نہ تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کی علامت عظمیٰ "سبحان" سے بات شروع کی تاکہ اس کی قدرت کے سامنے اس معجزانہ واقعہ کی تکذیب نہ کی جاسکے نیز خواب میں سفر کرنے کو "اسرا" نہیں بولتے۔ اس کی لفظی تشریح معراج کے بیان کے آغاز میں آچکی ہے۔

۲۔ احادیث میں براق لانے کا ذکر ہے کہ اس کا قدم حد نگاہ پر پڑتا تھا۔ اگر یہ خواب کی بات ہوتی تو براق کی ضرورت نہ تھی کیونکہ خواب میں روح کے لئے زمان و مکان کی قید کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

۳۔ قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ سلف صالحین اور مسلمانوں کی بڑی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ معراج جسمانی تھی اور بحالت بیداری ہوئی تھی اور یہی قول صحیح ہے اور یہی قول حضرت ابن عباسؓ، جابرؓ، انسؓ، حذیفہؓ، عمرؓ، ابو ہریرہؓ، مالکؓ بن معصعہ، ابو حیہ انصاری بدریؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ضحاکؒ، سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ، ابن مسیبؒ، ابن شہابؒ، ابن زیدؒ، حسنؒ، ابراہیمؒ، مسروقؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور ابن جریج رضی اللہ عنہم کا ہے۔ (محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری (اردو) صفحہ ۲۱۷ حاشیہ ۱)

۴۔ نسفی نے کہا ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں ہوئی تھی۔ (ایضاً صفحہ ۲۱۸)

Marfat.com

۵۔ معراج کا واقعہ اگر خواب ہوتا تو مشرکین مکہ اس پر اظہار تعجب کیوں کرتے کیونکہ خواب میں مکہ سے مسجد اقصیٰ کا سفر کسی کے لیے بھی حیرت کا باعث نہ ہوتا اور نہ آسمانوں پر جانا کوئی ناممکن بات ہے کیونکہ ایسے خواب تو عوام میں سے کوئی بھی شخص دیکھنے کا مدعی ہو سکتا ہے۔ پس اس میں فضیلت کا کوئی پہلو نہ ہے۔

۶۔ اگر یہ خواب ہوتا تو حضور علیہ السلام بذات خود یہ فرما دیتے کہ میں نے خواب میں معراج کا سفر کیا ہے مگر "اسریٰ کا سفر" والی روایات بتلاتی ہیں کہ یہ معاملہ خواب نہ تھا۔ جبرئیل کا آنا، شق صدر اور براق پر بٹھانا، براق کا چلنا اور ہر قدم حد نگاہ تک پڑنا اور قدم بہ قدم چلتے جانا۔ راہ میں قافلوں کا نظر آنا۔ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرانا وغیرہ یہ سب امور قادر مطلق کی قدرت عظمیٰ کی شہادت دیتے ہوئے ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی بات ناممکن نہیں جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا۔ یعنی:

(۱) "اور حضرت مسیح علیہ السلام اپنے صحابہ کو برکت دے رہے تھے کہ یکایک ان سے علیحدہ ہو کر آسمان پر چڑھ گئے۔" (لوقا کی انجیل)

(۲) "تحقیق پھر رب اپنے حواریوں سے بات کرنے کے بعد آسمان پر چلا گیا اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے دائیں جانب جا کر بیٹھ گیا۔" (مرقس کی انجیل)

جسم اور روح کے ساتھ آج بھی عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر تشریف فرما ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کو جسم اور روح کے ساتھ معراج کا شرف ملا تو اسے ناممکن کہنا کسی طرح بھی زیبا نہیں۔

۷۔ اسریٰ کے سفر کی غایت قرآن نے یہ بیان کی کہ لنریہ من آیاتنا "تاکہ اسے صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنی نشانیاں (معجزات) دکھائیں۔" وہ آیات جو حضور علیہ السلام نے اس سفر میں ملاحظہ کیں۔ ان کا آغاز اگر اس سفر کی معجزانہ تمہید ہی سے مان لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ سفر "سراپا معجزہ" تھا اور حقیقت بھی یہی ہے۔

۸۔ اس زمین پر اصحاب کہف کو ۳۰۹ سال تک سلانے کے بعد بیدار کرنے والا حق تعالیٰ کتنا عظیم ہے۔ وہی تو ہے جس نے عزیر علیہ السلام کو مدت مدید (سو سال) تک سلائے رکھا۔ ان کے دراز گوش کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں اور دوسری طرف ان کا کھانا سو سال تک اسی آب و ہوا میں "تازہ" رہا۔ نہ بدبو دار ہوا نہ گلا سڑا بلکہ تازہ بتازہ اور کھانے کے قابل رہا۔ قرآن میں یہ واقعات اس لئے بیان ہوئے ہیں تاکہ لوگ ان پر غور کریں اور نصیحت پکڑیں۔ معراج کا واقعہ بھی قرآن میں مذکور ہے مگر افسوس کہ بعض لوگ اس واقعے کو سائنسی اور مادیت کے اصولوں سے جانچتے ہیں حالانکہ سائنس سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ اس کے اصول قدم قدم پر تبدیلی کا رنگ لئے ہوئے ہیں مثلاً کوئی چیز پانی میں حل ہو جاتی ہے کوئی نہیں ہوتی۔ الیکٹریسٹی کے اصول الگ ہیں۔ آواز اور حرارت کے الگ ہوائی لہروں اور روشنی کے الگ یعنی ہر جگہ ایک ہی اصول کارفرما نہیں ہوتا۔ قرآن ہم

Marfat.com

میں زمینی سال بارہ ماہ کا ہے لیکن اللہ کے ہاں کا ایک دن زمین کے ایک ہزار سالوں کے برابر ہے۔ (۲۲:۴۷) اور یہ کہ **وللہ جنود السموات والارض** کی شان اپنی جگہ یہی آگ جو کسی انسان کو جلانے سے دریغ نہیں کرتی، ابراہیم علیہ السلام پر گل و گلزار ہو جاتی ہے۔ یہ کسی اور دنیا کی بات نہیں بلکہ اسی زمین پر یہ واقعہ گزرا جس کی گواہی قرآن دے رہا ہے۔ بات صرف اتنی تھی کہ اس قادر مطلق اور خالق حقیقی نے آگ کو حکم دیا تھا کہ **یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم** (انبیاء ۶۹) اور آگ نے حکم کی تعمیل کی جس طرح عزیر علیہ السلام کے "کھانے" کو "تازہ" رہنے کا حکم ہوا تھا اور وہ تازہ رہا گویا اللہ اتنا بڑا قادر مطلق ہے کہ اس کے سامنے جمادات بھی جان داروں کی طرح فرمانبردار ہیں۔ یہ زمین ایک دن اس کے حکم سے اپنی خبریں سنانے لگے گی جیسا کہ اسے وحی کی گئی ہوگی **یومئذ تحدث اخبارھا بان ربک اوحی لھا** زمین کو وحی کرنا اور اس کا "وحی" کے مطابق اس پر عمل کرنا اگر قابل یقین ہے تو محمد مصطفیٰ ﷺ فخر موجودات، ختم المرسلین، امام الانبیاء اور باعث تکوین روزگار ﷺ کا جسم اور روح کے ساتھ معراج پر جانا کیوں نہیں! جب کہ **سبحان الذی** سے آغاز کر کے واقعہ کی اہمیت کے پیش نظر اس قادر مطلق نے پہلے ہی جتلا دیا کہ مجھے اس قدر کمزور اور ناتواں نہ سمجھنا کہ میں اپنے حبیب ﷺ کو جسم اور روح کے ساتھ آن واحد میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ لے جا سکوں۔ حقیقت یہ ہے کہ مشیت ایزدی کے باب میں یہ سارے "کرشمے" **ان یقول لہ کن فیکون** کے زمرے میں آتے ہیں۔ (یاسین)

وہ خدا جس کے اسم اعظم کی برکت سے ایک انسان (آصف بن برخیا) جو سلیمان علیہ السلام کا وزیر ہے۔ ملکہ سباء کے تخت کو ایک سرزمین سے اٹھا کر آنکھ جھپکنے میں ہزاروں میل کے فاصلہ پر مکمل شکل میں پوری آب و تاب کے ساتھ لے آتا ہے اور اس واقعہ کی گواہی قرآن دیتا ہے۔ (نمل:۴۰) تو اس قادر مطلق کے بارے میں (جو خود لے گیا راتوں رات اپنے عبد کو) واقعہ معراج کو سامنے رکھ کر تنقید کرنا اور اسے ناممکن قرار دینا اور یہ کہنا کہ فلاں بات کیسے ممکن ہوئی کچھ مناسب نہیں لگتی۔

Marfat.com

بلغ العلیٰ بکمالہ

سید سلیمان ندوی واقعہ معراج کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الغرض جب اسلام کی سخت اور پرخطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد سے اطمینان اور سکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شب مبارک آئی اور اس شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سرور عالم ﷺ کی سیر ملکوت کے لئے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاص کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا۔ رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہد عالم ﷺ آج یہاں مہمان بن کر آئے گا۔ روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطہ لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے۔ حرم ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو۔ کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب و خاک کے تمام مادی احکام و قوانین تھوڑی دیر کے لئے معطل کر دیئے جائیں اور زمان و مکان سفر و اقامت، رویت و سماعت، تخاطب و کلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھا دی جائیں۔ یہ قاعدہ

جلد ۳ صفحہ ۴۰۶-۴۰۷)

صحیح بخاری و مسلم شریف کے مطابق حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں مکہ میں تھا۔ آپ ﷺ کے گھر کی چھت پھٹی اور جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو بیدار کیا۔ پھر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے اسے آب زمزم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھر لائے اور ان کو سینہ مبارک میں بھر کر بند کر دیا۔ پھر آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آسمانوں پر لے گئے۔ پہلے فلک پر پہنچے تو اس کے داروغہ سے جبریل نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ داروغہ نے پوچھا "کون ہے؟" جبریل نے جواب میں اپنا نام بتایا۔ پھر اس نے پوچھا کہ ساتھ کون ہے؟ جبریل بولے "محمد ﷺ ہیں۔" اس نے سوال کیا "کیا ان کو بلایا گیا ہے؟" جبریل نے کہا "ہاں!" پس اس نے دروازہ کھولا اور ہم آسمان دنیا پر پہنچے۔ وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کے دائیں اور بائیں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ شخص دائیں طرف دیکھ کر خوش ہوتا اور بائیں جانب دیکھتا تو رونے لگتا۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ انہوں نے مجھے کہا **مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح** "نبی صالح اور نیک بخت بیٹے مرحبا" جبریل نے بتایا کہ ان کے دائیں جانب ان کی اولاد سے جنتی لوگ ہیں جن کو دیکھ کر ان کو خوشی ہوتی ہے اور بائیں جانب والے ان کے وہ بچے ہیں جو دوزخی ہیں ان کی بدقسمتی پر وہ روتے ہیں۔

پھر جبریل مجھے دوسری آسمان پر لے گئے۔ دربان نے پوچھا کون ہے۔ جبریل نے اپنا تعارف کرایا اور پوچھنے پر بتایا کہ میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بلایا ہے۔ پس دربان نے دروازہ کھولا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اس طرح جبریل مجھے ساتوں آسمانوں پر لے گئے جہاں

Marfat.com

میری ملاقات ادریس، موسیٰ، عیسیٰ و ابراہیم علیہم السلام سے ہوئی۔ ابراہیمؑ سے چھٹے آسمان پر ملاقات ہوئی۔ ابن شہاب نے بروایت ابن حزم بتایا کہ ابن عباسؓ اور ابو حیہ انصاری کہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک ہموار اور بلند مکان پر پہنچا جہاں قلموں سے لکھنے کی آوازیں سنیں۔ ابن حزمؓ اور انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں واپس آیا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا انہوں نے اپنی امت کے تجربہ کی بنا پر ان میں تخفیف کرانے کے لئے کہا۔ میں اللہ کے پاس حاضر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ نمازیں کم کر دیں۔ واپسی پر موسیٰؑ سے پھر ملاقات ہوئی انہوں نے پھر "تخفیف مزید" والا مشورہ دیا۔ میں پھر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوا۔ پس مزید کچھ نمازیں معاف کر دی گئیں۔ میں واپس آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے سہ بارہ تخفیف کے لئے کہا۔ اس دفعہ بھی مزید کچھ نمازیں معاف کر دی گئیں حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان میں بھی کمی کرنے کے لئے کہا مگر میں ﷺ نے اب ان کی تجویز نہ مانی کیونکہ مجھے اب واپس جاتے ہوئے شرم آتی تھی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچایا گیا۔ اس پر طرح طرح کے رنگ (انوار) چھائے ہوئے تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کی ماہیت کیا ہے۔ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا۔ وہاں میں نے موتیوں کے قبوں (گنبدوں) کو دیکھا اور جنت کی مٹی مشک تھی۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف مترجم جلد سوم در بیان معراج)

راویان معراج: معراج و اسریٰ کے بارے میں روایات ایجاز و تفصیل کے لحاظ سے کافی مختلف لگتی ہیں علامہ زرقانی نے ۴۵ صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے اور حدیث و سیرو تفسیر کی جن جن کتابوں میں ان کی روائتیں مذکور ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علامہ ابن کثیر نے سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر میں معراج کے بارے میں اکثر روایات کو جمع کر دیا ہے جن میں صحیح، مرفوع، قوی، ضعیف، حسن، غریب، مرسل وغیرہ ہر طرح کی روایات شامل ہیں۔ اتنے زیادہ راویان جب ایک واقعہ بیان کریں گے تو اس کے بارے میں تقدیم و تاخیر اور جزئیات میں کمی بیشی تو ضرور ہوگی اور یہ فطری بات ہے کہ اگر ہم آج بھی کسی واقعہ کو مختلف لوگوں سے سنیں تو ان کا بیان بعض امور میں مختلف ہوگا لیکن اس کے باوجود اصل معاملہ پر وہ سب اپنے اپنے انداز میں روشنی ڈال کر اس کی اصل اہمیت ضرور واضح کر دیں گے۔ پس یہی معاملہ معراج و اسریٰ کے بارے میں روایات کا ہے۔ جن میں ہر راوی کی اپنی سمجھ، یادداشت اور قوت بیان اور کسی بات کو اہم یا غیر اہم سمجھنے کے مطابق تقدیم و تاخیر اور اسے بیان کرنے کی صلاحیت کو بھی عمل دخل حاصل ہے۔

اسریٰ کا سفر: حضرت مالکؓ بن معصعہ کے بقول حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ﷺ کعبۃ اللہ میں حطیم میں سویا ہوا تھا کہ ایک آنے والا (جبریل) آیا اس نے یہاں سے یہاں تک (اشارہ کرکے سمجھایا) میرا سینہ چاک کیا۔ میرا دل باہر نکالا۔ پھر ایمان سے لبریز سونے کا طشت لایا گیا جس میں دل کو خوب دھویا اور پیٹ کی آلائش صاف کی اور دل کو اپنی جگہ رکھ کر چاک کو پہلے کی طرح برابر کر دیا۔
پھر خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا سفید براق لایا گیا جس کا قدم حد نگاہ پر پڑتا تھا۔ مجھے اس پر سوار

Marfat.com

کیا گیا اور جبریل مجھے پہلے آسمان پر چڑھا لے گئے۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ کھٹکھٹانے پر آواز آئی "کون ہے؟" کہا جبریل۔۔۔ پوچھا "ساتھ کون ہے؟" جواب ملا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" پوچھا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ جواب دیا "ہاں!" یہ سن کر دربان فرشتوں نے دروازہ کھول دیا اور آنے والوں کو خوش آمدید کہا کہ واہ سبحان اللہ کیا اچھا آنے والا ہے۔ وہاں میری صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، تعارف کرایا گیا۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب میں وعلیکم سلام کہا اور فرمایا۔ فرزند صالح! خوش آمدید۔ پھر ہم دوسرے آسمان پر پہنچے۔ اسی طرح دربان نے سوال جواب کرنے کے بعد دروازہ کھولا اور خوش آمدید کہا۔ وہاں میری ملاقات اور تعارف حضرت یحیٰی اور عیسیٰ سے کرایا گیا۔ ہم نے ان کو سلام کہا۔ جواب میں سلام کے بعد انہوں نے خوش آمدید کہا کہ صالح بھائی اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو۔ پھر تیسرے آسمان پر ایسے ہی مراحل طے کر کے پہنچے۔ خوش آمدید کے بعد ہم اندر پہنچے۔ وہاں حضرت یوسف علیہ اسلام کو پایا۔ ہم نے انہیں سلام کہا۔ جوابی سلام کے بعد یوسف علیہ السلام بولے۔ "صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید!"

اسی طرح پھر ہم چوتھے آسمان پر پہنچے وہاں ادریس علیہ السلام کو پایا۔ سلام و جوابی سلام کے بعد انہوں نے مجھے "صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید" کہا۔ پھر پانچویں آسمان پر اسی طرح میری آؤ بھگت کی گئی وہاں میں نے ہارون علیہ السلام کو پایا۔ سلام کہا اور وعلیکم سلام سنا۔ پھر وہ بولے صالح بھائی اور صالح نبی! خوش آمدید۔ پھر چھٹے آسمان پر ہمارا اسی طرح استقبال ہوا۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی مجھے صالح بھائی اور صالح نبی کہہ کر خوش آمدید کہا۔ پھر حضرت موسیٰ اس بات پر رو دیئے کہ میرے بعد ایک نوجوان کو پیغمبر بنایا اور اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے۔ ہمیں وہاں خوش آمدید کہا گیا۔ وہاں میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو موجود پایا۔ سلام و تسلیم کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے صالح فرزند اور صالح نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش آمدید! پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا۔ وہاں مجھے شراب دودھ اور پانی کے پیالے پیش کئے گئے۔ میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ جبریل نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرت کو پسند کیا۔ یہاں مجھ پر اور میری امت پر روزانہ پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ واپسی پر چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی کیونکہ بنی اسرائیل نے مجھے تجربہ کرا دیا تھا۔ لہٰذا واپس اللہ کے پاس جائیں اور نمازوں میں تخفیف کی درخواست کریں۔ میں واپس گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ واپسی پر موسیٰ نے پھر تخفیف کے لئے کہہ کر مجھے واپس بھیجا۔ اب کی بار بھی دس مزید کم کر دی گئیں۔ آخر متعدد بار آمدورفت کے بعد پانچ نمازیاں رہ گئیں اور کہا گیا کہ ان کا ثواب پچاس کے برابر ملے گا۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ جلد سوم مترجم صفحہ ۱۷۵ تا ۱۸۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں تھا۔ ربیع الاول دوشنبہ کی رات تھی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر سویا تھا۔ دل بیدار تھا کہ وہ کبھی نہیں سوتا تھا۔ جبریل کے پروں کی آواز سے اٹھ بیٹھا۔ جبریل نے کہا یا رسول اللہ ان

Marfat.com

اللہ تعالی یقرئک السلام وھو یدعوک وانا حاملک الی اللہ تعالی ان یکرمک بکرامات لم یکرم بھا احد من قبلک ولا یکرم بھا احد غیرک---

یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور اپنی بارگاہ میں بلایا ہے اور میں آپ کو اللہ کی طرف لے جانے کے لئے آیا ہوں تاکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ ایسی کرامات اور بزرگیوں سے نوازے جن سے آپ ﷺ سے پہلے کسی کو نہیں نوازا گیا اور نہ آپ ﷺ کے سوا نوازا جائے گا۔

براق پر سواری: پھر آپ ﷺ کو زمزم کے پاس لے جایا گیا۔ آپ ﷺ کا سینہ چاک کر کے اسے آب زمزم سے دھویا گیا اور اس میں علم و حلم، ہمت، دانائی، ایمان اور یقین بھرا گیا اور سینہ برابر کر دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے براق لایا گیا جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا اور بدن لمبا تھا۔ انبیاء سابقین میں سے بعض براق پر سفر کیا کرتے تھے۔ سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو براق پر بٹھا کر ہی مکہ لائے تھے۔ مسند احمد، ترمذی، ابن سعد اور ابو اسحاق کے مطابق جب آپ ﷺ براق پر سواری فرمانے لگے تو وہ چمکا۔ جبریل نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ آج تک آپ ﷺ سے بہتر شخص تجھ پر سوار نہیں ہوا۔ پس وہ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ حضور علیہ السلام اس پر سوار ہوئے اور جبریل ساتھ ہو لئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جبریل بھی براق پر حضور ﷺ کے پیچھے سوار ہو گئے۔ حاکم اور ابن حبان میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ پیچھے اور جبریل آگے براق پر سوار ہو کر چلے۔ ترمذی اور نسائی میں حضرت حذیفہ سے منقول ہے کہ دونوں براق پر سوار ہو کر چلے (آگے پیچھے کی وضاحت نہیں کی گئی) مسلم شریف میں ہے کہ براق کی کمر اور کان لمبے تھے۔ طبری میں ہے کہ کان ہلتے تھے۔ نیز براق پر زین تھی اور منہ میں لگام تھی۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۴ صفحہ ۲۶۹)

براق چلا، پہلی منزل مدینہ تھی۔ وہاں آپ ﷺ نے جبریل کے کہنے پر نماز ادا فرمائی۔ پھر براق چلا اور طور سینا یا وادی ایمن پر رکا۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق دوسری منزل مدین تھی۔ یہاں آپ ﷺ نے شجر موسیٰ کے قریب نماز پڑھی۔ یہ وہ درخت تھا جہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں سے حضرت موسیٰ کی ملاقات ہوئی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جانوروں کو پانی پلانے کے بعد اس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا۔ اس نسبت سے اسے شجر موسیٰ کہتے ہیں۔

تیسری منزل بیت اللحم تھی۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ یہاں بھی آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔ چوتھی منزل بیت المقدس تھی۔ یہاں بھی آپ ﷺ نے اللہ کی منشا کے مطابق نماز پڑھی۔ براق کو اس جگہ باندھا گیا جہاں آپ سے پہلے والے انبیاء باندھا کرتے تھے۔ ترمذی اور

Marfat.com

حاکم کے مطابق جبرئیل نے ایک پتھر میں انگلی سے سوراخ کیا اور اس کے ساتھ براق کو باندھا- یہاں آکر براق کا سفر ختم ہو گیا- یہاں حضور علیہ السلام کو پیاس محسوس ہوئی اور آپ کی خدمت میں دو یا تین پیالے پیش کیے گئے- ایک پانی کا دوسرا دودھ کا اور تیسرا شراب کا بعض روایتوں میں ہے کہ دو پیالے پیش کیے گئے، ایک پانی اور دوسرا دودھ کا یا شراب اور دودھ کا یا شہد اور دودھ کا لیکن اس امر پر سب متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے دودھ کو پسند فرمایا جس پر جبرئیل نے کہا کہ آپ ﷺ نے فطرت کو پسند فرمایا- مالکؓ بن معصعہ کی روایت کے مطابق یہ واقعہ سدرۃ المنتہیٰ یا بیت المعمور کے قریب پیش آیا-

(سیرت سرور عالم جلد ۲ صفحہ ۶۵۲ از مولانا مودودی مکی مدنی ماہی ﷺ صفحہ ۲۷۹ حاشیہ از قدر آفاقی)

امامت انبیاء علیہم السلام: بیت المقدس پہنچ کر جب ہیکل سلیمانی میں داخلہ ہوا تو وہاں تمام انبیاء علیہم السلام کو بقدرت الٰہی موجود پایا- صفیں باندھی جا چکی تھیں پھر جبرئیل امین نے حضور علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو امامت کے لئے آگے کر دیا- تمام انبیاء علیہم السلام نے حضور کی اقتداء میں نماز ادا کی- یہ نماز کوئی روحانی نماز نہ تھی بلکہ سب انبیاء علیہم السلام اپنے اجساد کے ساتھ موجود تھے- ملا علی قاری اپنی کتاب مرقات (جلد ۵ صفحہ ۴۳۰) میں لکھتے ہیں کہ نماز کے ارکان بدن کے ساتھ ہی ادا ہو سکتے ہیں- محض روح یہ کام انجام نہیں دے سکتی لہٰذا یہ سب کچھ روح اور بدن کے ساتھ وقوع پذیر ہوا-

اسریٰ اور معراج: بعض علماء مکہ معظمہ سے بیت المقدس کے سفر کو اسریٰ اور پھر آسمانوں کی سیر کے سفر کو معراج کہتے ہیں- اسریٰ کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں ہے جبکہ معراج کا ذکر سورہ والنجم میں ہے اور ان واقعات کو الگ الگ سمجھتے ہیں-

اسریٰ کے واقعہ کی راوی حضرت ام ہانیؓ ہیں جن سے سات محدثوں نے روایت کی ہے- اس میں مکہ معظمہ تا بیت المقدس کے سفر کا حال ہے اور آگے آسمان کی طرف کا جانے اشارہ نہیں ملتا جبکہ معراج کے سفر کے راوی حضرت ابوذر غفاری اور مالک بن معصعہ ہیں- ان کی روایتوں میں بیت المقدس کے سفر کا ذکر نہیں پایا جاتا- اس طرح ان روایات کی بناء پر ان واقعات کو الگ الگ سمجھا جاتا ہے لیکن محققین کے مطابق یہ دونوں واقعات ایک ہی رات میں پیش آئے اور ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں اور جمہور محدثین، متکلمین اور فقہا کی بھی یہی رائے ہے اور صحیح روایات کا تواتر بھی اسی موقف پر دلالت کرتا ہے- ا...

معارف اسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۶۱۲- ۶۱۳ بحوالہ شرح مواہب جلد ۱ صفحہ ۲۵۵)

راستہ کے حالات: روایات میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ کا براق مکہ معظمہ سے روانہ ہوا تو راہ میں کسی نے آواز دی- آپ ﷺ نے توجہ نہ فرمائی- جبرئیل امین نے بتایا کہ یہ شخص آپ ﷺ کو یہودیت کی طرف بلاتا تھا-

آگے چلے تو ایک اور آواز آئی- آپ ﷺ نے اس کی طرف بھی توجہ نہ فرمائی- جبرئیل نے بتایا کہ یہ شخص آپ کو نصرانیت کی طرف راغب کرنا چاہتا تھا- آگے بڑھے تو ایک ضعیفہ کو دیکھا جو خوب بنی سنوری تھی اور اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی تھی مگر حضور علیہ السلام نے اس کی طرف بھی التفات نہ فرمایا-

Marfat.com

جبریل نے بتایا کہ یہ دنیا تھی۔ اس کے بڑھاپے سے دنیا کی آئندہ عمر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ آگے چلے تو ایک آدمی ملا آپ ﷺ نے اس کی طرف بھی دھیان نہ دیا۔ جبریل نے بتایا کہ یہ شیطان تھا۔ جو آپ ﷺ کو راہ راست سے ہٹانا چاہتا تھا۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ ضعیفہ اور ابلیس کے علاوہ راہ میں کچھ آدمی ملے۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا:

"اے اول آپ پر سلام، اے آخر آپ پر سلام، اے حاشر آپ پر سلام، جبریل نے عرض کی یا رسول اللہ! ان کے سلام کا جواب دیجئے۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کچھ فاصلہ پر ایسے ہی چند اور آدمیوں نے اسی طرح آپ کو سلام کہا اور آپ نے سلام کا جواب دیا۔ جبریل نے بتایا کہ یہ سلام کہنے والے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۶۱۹ بحوالہ ابن جریر ۱۵: ۶)

ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا گزر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ (بروایت انس بن مالکؓ)

آسمانوں کی طرف عروج: حضور علیہ السلام اپنی امامت میں انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو آپ کی خدمت میں ایک نورانی سیڑھی پیش کی گئی۔ (سیڑھی۔ معراج) جبریل کے ہمراہ آپ ﷺ نے اس نورانی سیڑھی کے ذریعے آسمان اول پر عروج فرمایا۔ آسمان کے دربان نے پوچھا۔ "کون؟" جبریل نے جواب میں اپنا نام بتایا۔ پوچھا گیا "ساتھ کون ہے؟" جواب ملا "حضرت محمد ﷺ ہیں۔" پوچھا گیا "کیا ان کو بلایا گیا ہے؟" جواب اثبات میں تھا چنانچہ دربان نے دروازہ کھول دیا اور حضور علیہ السلام کی بڑی آؤ بھگت کی اور آپ کا تعارف یہاں پر مقیم فرشتوں سے کرایا گیا۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے بھی آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ ان کے داہنے طرف نیک لوگ تھے اور بائیں جانب بد۔ پس وہ دائیں جانب دیکھتے تو باغ باغ ہو جاتے اور بائیں طرف دیکھتے تو سخت دکھ محسوس کرتے۔

پھر دوسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں کے دربان نے بھی بعینہٖ آسمان اول کے دربان کی طرح سوالات کئے اور مطمئن ہو کر دروازہ کھولا اور حضور علیہ السلام کی آؤ بھگت کی۔ یہاں پر دیگر ہستیوں کے علاوہ حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔

تیسرے آسمان پر بھی دربان نے سوال و جواب کئے اور اطمینان کر لینے کے بعد دروازہ کھولا اور آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا۔ یہاں حضور علیہ السلام کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوئی چنانچہ چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ اور پانچویں پر حضرت ہارونؑ سے ملاقات ہوئی۔ (حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ چوتھے آسمان پر ہارون علیہ السلام ملے اور پانچویں پر ادریس علیہ السلام اور ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ دوسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ اور تیسرے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ

Marfat.com

علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔) چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے جبکہ ساتویں آسمان پر ایک شاندار محل دیکھا یہ بیت المعمور ہے جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے حاضری دیتے ہیں اور قیامت تک یہ عمل جاری رہے گا لیکن کسی فرشتے کو دوسری بار حاضری کا موقع نہیں ملتا نہ ملے گا کیونکہ قیامت تک یہ عمل جاری رہنے کے باوجود فرشتوں کی کل تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہاں صرف ایک بار ہی حاضری ممکن ہے۔

اس محل یعنی بیت المعمور کے ساتھ پشت لگائے ایک بزرگ کو دیکھا جن کی شکل و صورت حضور علیہ السلام کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ تھی۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ (سیرت سرور عالم جلد ۲ صفحہ ۶۵۶ بحوالہ بخاری، مسلم، مسند احمد وغیرہ)

سدرۃ المنتہیٰ: پھر اور عروج نصیب ہوا اور آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ یہاں تک ہی فرشتوں کی رسائی ہے۔ اس سے اوپر کسی کی مجال نہیں کہ عروج کر سکے۔ یہاں پر مخلوق کا علم ختم ہو جاتا ہے اور اس سے آگے علم غیب کی حد شروع ہوتی ہے۔ گویا سدرۃ المنتہیٰ آخری چوکی ہے جہاں اوپر سے آنے والے احکامات وغیرہ وصول کئے جاتے ہیں اور جو کچھ نیچے سے بھیجا جاتا ہے وہ بھی یہیں پر وصول کیا جاتا ہے۔

(سیرۃ سرور عالم جلد ۲ صفحہ ۶۵۷ از مولانا مودودیؒ)

جنت کا مشاہدہ: حضور علیہ السلام کو قرآن میں دوسرے بابرکت اسماء کے علاوہ ایک نام شاہد سے بھی نوازا گیا ہے۔ آپ ﷺ چونکہ سید کونین اور سرور ثقلین ہیں اس لئے آپ ﷺ کو مشاہدہ بھی ایسا کرایا گیا جس کی شہادت آپ ﷺ دنیا والوں کے سامنے عین الیقین کے ساتھ دے سکیں چنانچہ یہاں آپ ﷺ کو جنت کی سیر بھی کرائی گئی۔ یہاں آپ ﷺ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور بردبار اہل اسلام کے لئے ایسی ایسی نعمتیں محفوظ کر کے رکھی ہوئی ہیں جن کا دنیا کے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ مشاہدہ آیات الٰہی اس لئے بھی ضروری تھا کہ دوسری مخلوقات مثلاً قبل ازیں جنات آسمانوں تک رسائی رکھتے تھے اور غیبی خبریں انسانوں سے زیادہ جانتے تھے۔ اگر رسول ثقلین ﷺ آسمانوں کی خبریں اور آیات الٰہی سے نوازے جانے کے بغیر صرف جبرئیل امین کے پیغام کی بنا پر آسمانی خبریں دیتے تو گویا آپ ﷺ پر جنات کو برتری حاصل تھی۔ لہٰذا برتر کار رسول و پیغمبر کمتر کیسے ہو سکتا تھا۔ اس لئے ہر برتری آپ کو معراج میں عطا کی گئی جس سے تمام مخلوق محروم ہے۔

مزید عروج: سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے کا مرحلہ آیا تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں جبرئیل نے عرض کی کہ میں تو یہاں سے آگے ایک بال برابر عروج کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔

(سیرت سرور عالم جلد ۲ صفحہ ۶۵۷ بحوالہ مواہب للدنیہ)

چنانچہ یہاں سے آگے آپ ﷺ اکیلے تشریف لے گئے۔ اللہ کے انوار چھائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ستر ہزار حجابات جن میں سے ہر حجاب کی مسافت پانچ سو سال کی تھی، طے فرمائی۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہاں براق رک گیا اور نور کا ایک فرش یعنی "سبز رفرف" ظاہر ہوا اور بقول نبی اکرم

Marfat.com

ﷺ جس کے ذریعے میں ﷺ نے عروج کیا حتیٰ کہ عرش کے نیچے پہنچ گیا اور اب میرے اور عرش اعظم کے درمیان صرف ایک حجاب رہ گیا۔ یہاں آکر رفرف بھی غائب ہو گیا اور سفید مروارید سے بنی گھوڑے کی شکل کی کوئی چیز تسبیح پڑھتی سامنے آئی۔ جس کے منہ سے نور پھوٹ رہا تھا۔ حضور علیہ السلام اس پر سوار ہو کر ساق عرش پر "حجاب کبریا" کے مقام پر پہنچے اور یہاں یہ شکل بھی آگے بڑھنے سے معذور ہو کر غائب ہو گئی۔ اب حضور علیہ السلام اس فضائے بسیط میں بے سہارا ہی قائم تھے۔

(خلائی مسافر، خلائی راکٹوں میں خلا میں پہنچے تو ان کو اپنا بے وزن وجود معلق محسوس ہوا اور انہوں نے خلائی گاڑی سے باہر نکل کر خلا میں چہل قدمی بھی کی اور دوبارہ خلائی گاڑی میں داخل ہوئے۔ یہ آج کی سائنس کی تحقیق ہے اور ماورائے زمان و مکان تو خلا سے کئی گنا لطیف چیز ہیں۔ وہاں آپ ﷺ کا بے سہارا قائم رہنا کسی کو متعجب نہ کرے۔)

یہاں آپ ﷺ نے آواز سنی "اے حبیب چلے آیئے" اتنا سنتا تھا کہ نظر اٹھا کر دیکھا اور آپ ﷺ "حجاب کبریا" سے پار ہو چکے تھے۔ بعد ازاں "ادن منی" کا خطاب سنا۔ پس ہر ایسے خطاب پر آپ ﷺ قدم بڑھاتے اور ہر قدم پر اتنا فاصلہ طے کر لیتے جس قدر کہ زمین سے لے کر اب تک طے کیا تھا۔ پس ہر ایسے خطاب پر آپ قدم بڑھاتے اور ہر قدم پر اتنا فاصلہ طے کر لیتے جس قدر کہ زمین سے لے کر اب تک طے کیا تھا پس آپ ﷺ نے ہزار مرتبہ "ادن منی" کا خطاب سنا اور ہزار "قدم" چل کر یہ فاصلے طے کر لئے یہاں تک کہ مقام قربت یا دنیٰ" پر جلوہ افروز ہوئے۔ پھر آگے بڑھے اور مقام فتدلی پر رونق افروز ہوئے۔ وہاں سے خلوت خانہ **قاب قوسین او ادنی** میں جلوہ گر ہوئے یہاں اللہ تعالیٰ نے **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** کے خزینہ اسرار و رموز سے حضور سرور کائنات فخر موجودات، سید المرسلین، امام الشاہدین ﷺ کو نوازا۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ اس مقام کے بارے میں کہتے ہیں **دنیٰ من العرش فتدل نزل علی الوحی فکان بینہ بین العرش قاب قوسین او ادنیٰ**

حضرت امام جعفر صادقؓ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اپنے رب کے نزدیک بے کیف ہوئے **فتدلی** پس آنحضرت ﷺ نے حجاب اٹھا دیا اور پردوں میں سے گزر گئے۔ پھر پردے گرا دیئے گئے حتیٰ کہ کسی مقرب فرشتے نے بھی آپ ﷺ کو نہ دیکھا اور آخر وہ مرتبہ نصیب ہوا کہ **کان بین الحبیب والمحبوب قاب قوسین**

اگر اسی پر اکتفا کرتے تو "مکان" ہی کا گمان ہو سکتا تھا۔ پس اس شبہ کو دور کرنے کے لئے ارشاد ہوا **او ادنی بلکہ اقرب بلکہ اقرب** تاکہ کسی کو مکان کا وہم نہ رہے۔ (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۴۹ تا ۴۵۰ تلخیص)

تاج المذکرین، شرح تعرف میں ہے کہ جب آپ ﷺ جبرئیل سے جدا ہوئے تو آپ کو ستر مقامات سے گزارا گیا۔ ہر مقام عرش تا ثریٰ سے ہزار گنا زیادہ طوالت لئے ہوئے تھا۔ جبرئیل کو تو مقام اول

Marfat.com

کی بھی خبر نہ تھی اس مقام تک کیسے بڑھتے۔

قرآن اور معراج: معراج کا ذکر سورۃ نجم میں آیا ہے۔ **والنجم اذ ھوی** یعنی اس پیارے چمکتے تارے محمد ﷺ کی قسم جب یہ معراج سے اترے (ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلویؒ) نجم کے معنی میں اقوال مختلف ہیں۔ اہل عرب النجم کا اطلاق ثریا پر کرتے ہیں بعض نے جنس نجم (ستارے) مراد لی ہے اور بعض نے جڑی بوٹیاں جیسا کہ **والنجم والشجر یسجدان** (الرحمٰن:٦) بعض نے نجم سے مراد قرآن کو لیا ہے اور سب سے لذیذ ترین تفسیر وہ ہے جو احمد رضا خان نے مراد لی کہ نجم سے حضور علیہ السلام مراد ہیں۔ (تفسیر خازن و تفسیر از مولانا نعیم الدین مراد آبادی)

ما ضل صاحبکم وما غوی یعنی تمہارے صاحب (حضرت محمد مصطفیٰ) نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔ **وما ینطق عن الھوی ○ ان ھو الا وحی یوحی** اور وہ (محمد مصطفیٰ ﷺ) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے (بلکہ) ان کی تو ہر بات (گویا) وحی الٰہی ہوتی ہے۔ اس آیت میں حضور کی اعلیٰ منزلت اور آپ ﷺ کے خلق عظیم کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے خواہش نفس کو ترک کرکے اللہ تعالیٰ کے ذات و صفات و افعال میں اس قدر فنا کر دیا کہ نفسانیت کا اپنا کچھ باقی نہ رہا۔ جب آپ ﷺ کے نفس کو یہ بلند مقام بارگاہ رب العزت میں حاصل ہو گیا تو اب آپ ﷺ کے منہ سے جو بات بھی نکلتی ہے وہ (نفس کی خواہش سے پاکیزہ ہے اور گویا) وحی الٰہی کے حکم میں ہے چنانچہ "احادیث" حضور علیہ السلام کے ارشادات عالیہ ہی تو ہیں جو قرآن کی طرح نازل نہیں ہوئے لیکن وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہیں اور برحق ہیں۔

علمہ شدید القوی ذو مرۃ "اسے ﷺ سکھایا ہے سخت قوتوں والے طاقتور نے۔" بعض مفسرین شدید القوی سے جبریل علیہ السلام مراد لیتے ہیں خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ **شدید القوی ذو مرۃ** سے مراد اللہ تعالیٰ ہے کہ اس نے اپنی ذات کو اس وصف کے ساتھ ذکر فرمایا معنی یہ ہیں کہ سید عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے واسطہ تعلیم فرمائی۔

(تفسیر روح البیان)

فاستوی "پھر (وہ) سیدھا بیٹھا۔"

(ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا۔

(ترجمہ شاہ احمد رضا خان بریلوی)

بعض مفسرین فاستوی کا فاعل بھی جبریل علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں کہ جبریل کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا کیونکہ آپ ﷺ نے جبریل کو اصل صورت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

(ایک جگہ قرآن میں **فاستوی علی العرش** اللہ کے لئے آیا ہے۔ یہاں بات میں ایمانیت اور

Marfat.com

رازداری ظاہر کی گئی ہے کیونکہ بعض نازک اور دقیق معاملات ہر کس و ناکس کے لئے شکوک و شبہات کا باعث بنتے ہیں لہٰذا جو سمجھتے ہیں وہ یہاں اللہ کو مراد لیتے ہیں اور جو نہیں سمجھتے وہ جبریل کے حوالے سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔)

پس آپ ﷺ نے جبریل کو آسمان پر اصل صورت میں اس طرح دیکھا کہ ان کے وجود سے مشرق و مغرب پر ہو گئے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے سوا کسی انسان نے جبریل کو اپنی اصلی صورت میں نہیں دیکھا۔ امام فخرالدین رازی کہتے ہیں کہ جبریل کو اصل صورت میں دیکھنا صحیح ہے اور حدیث سے ثابت ہے لیکن حدیث شریف سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اس آیت میں بھی جبریل ہی کو دیکھنا مراد ہے بلکہ ظاہر تفسیر میں یہ ہے کہ **فاستوی** سے مراد سید عالم ﷺ کا مکان عالی اور منزلت رفیعہ میں استوی فرمانا ہے۔ (تفسیر کبیر) تفسیر روح البیان میں ہے کہ سید عالم ﷺ نے **افق اعلی** یعنی آسمانوں کے اوپر **استوی** فرمایا اور جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے اور کہا کہ اگر ذرا بھی آگے بڑھوں گا تو تجلیات الٰہیہ سے بھسم ہو جاؤں گا جبکہ سید کونین ﷺ آگے بڑھ گئے اور مستوائے عرش سے بھی گزر گئے۔ (تفسیر نعیم الدین مراد آبادی بحوالہ تفسیر روح البیان)

حضرت حسن بصریؒ کے بقول **فاستوی** سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ شاہ احمد رضا خان بریلویؒ نے بھی اس سے مراد جلوۂ خداوندی کو لیا ہے۔ (کنزالایمان ترجمہ سورۃ نجم)

وھو بالافق الاعلی یعنی اور وہ آسمان کے سب سے بلند کنارے پر تھا۔ اس سے مراد بعض حضرات نے جبریل امین کو لیا ہے شاہ عبدالقادر موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ پہلی بار آغاز نبوت میں آپ ﷺ نے جبریل کو اصلی صورت میں دیکھا اور دوسری بار معراج کی شب سات آسمان سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جو حد ہے نیچے اور اوپر میں۔ نیچے کے لوگ اوپر نہیں پہنچتے اور اوپر والے نیچے نہیں اترتے۔ اسی کے پاس بہشت کو دیکھا۔۔۔"

جبکہ امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں کہ آپ شب معراج میں ساتوں آسمانوں سے اوپر جلوہ افروز تھے کہ آپ ﷺ نے اللہ کی تجلیات ملاحظہ فرمائیں۔ **ثم دنا فتدلی** یعنی پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا۔

(ترجمہ از احمد رضا خان بریلویؒ)

اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ جبریل حضور علیہ السلام سے قریب ہوئے جبکہ دوسرے معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے قرب سے مشرف ہوئے اور تیسرے معنی یہ لئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنے قرب کی نعمت سے نوازا اور یہی صحیح تر ہے۔

(تفسیر نعیم الدین مراد آبادی زیر آیت مذکورہ)

دنا فتدلی کے بارے میں چند قول یہ بھی ہیں:

۱۔ نزدیک ہونے **دنا** سے مراد حضور علیہ السلام کا عروج اور اللہ سے ملاقات کرنا ہے اور **فتدلی**

Marfat.com

کا معنی نزول و رجوع یعنی پہلے اللہ کی قربت حاصل ہوئی۔ پھر وصال کی نعمتوں سے نوازے گئے اور پھر خلق کی طرف متوجہ ہوئے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و رحمت سے اپنے حبیب ﷺ کے قریب ہوا اور اس قرب میں مبالغہ فرمایا۔

۳۔ حضور علیہ السلام بارگاہ رب العزت میں اقرب ہوئے تو آپ ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں سجدۂ طاعت ادا کیا (روح البیان) اور صحیح بخاری (کتاب التوحید) میں حضرت انس سے شریک بن عبداللہ کی روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں:

حتی جاء سدرۃ المنتہی و دنا الجبار رب العزت فتدلی حتی کان منہ قاب قوسین او ادنی

"یہاں تک کہ آپ ﷺ سدرۃ المنتہی تک پہنچے تو عزت والا جبار (خدا) یہاں تک قریب ہوا اور جھک آیا کہ اس کے اور آپ ﷺ کے درمیان دو کمانوں کا یا اس سے بھی کمتر فاصلہ رہ گیا۔"

فکان قاب قوسین او ادنی "پھر اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا یا اس سے بھی کم۔" (ترجمہ احمد رضا خان بریلویؒ) یعنی اس میں تاکید قرب کی طرف اشارہ ہے کہ قرب اپنے کمال کو پہنچا یعنی باادب احباء میں جو نزدیکی متصور ہو سکتی ہے وہ اپنی غایت کو پہنچی۔

فاوحی الی عبدہ ما اوحی پھر وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ اکثر علماء مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص حضرت محمد مصطفیٰ کو جو وحی فرمائی سو فرمائی (جمل) اور امام جعفر صادق کے نزدیک یہ وحی بلاواسطہ جبریل تھی یعنی اللہ اور محمد ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا اور یہ اللہ اور رسول کے اسرار ہیں جن سے کوئی اور واقف نہیں۔ بقلیؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وحی کو تمام خلق سے مخفی رکھا۔ (روح البیان)

علماء کے نزدیک اس شب آپ ﷺ کو جو وحی فرمائی گئی وہ کئی قسم کے علوم تھے۔ ایک تو احکام شریعت وغیرہ جن کی ہر ایک کو تبلیغ کی جاتی ہے۔ دوسرے "معارف الہیہ" جو صرف خواص کا حصہ ہیں اور عوام ان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ تیسرے حقائق و نتائج علوم ذوقیہ جو صرف اخص الخواص کو تلقین کئے جاتے ہیں اور چوتھے وہ اسرار جو اللہ اور رسول کے درمیان راز ہیں اور ان کے علاوہ کوئی اور ان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ (روح البیان)

ما کذب الفواد ما رای○ افتمارونہ علی ما یری○ و لقد راہ○ نزلۃ اخری○ عند سدرۃ المنتہی○ عندھا جنت الماوی○ اذ یغشی السدرۃ ما یغشی○ ما زاغ البصر و ما طغی○ لقد رای من ایات ربہ الکبری○

Marfat.com

"دل نے نہ جھٹلایا جو دیکھا کیا تم اس ﷺ کے ساتھ اس بارے میں جھگڑتے ہو جو کچھ کہ اس ﷺ نے دیکھا اس نے وہ جلوہ دوبار دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کے نزدیک (ہی) جنت الماویٰ ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ اس ﷺ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا۔"

یعنی حضور علیہ السلام نے ظاہری آنکھوں سے جو مشاہدہ کیا دل (کی آنکھوں) نے اس کی نفی نہ کی بلکہ اس کی تصدیق کی دوسرے لفظوں میں آنکھ سے دیکھا اور دل سے پہچانا اور اس رویت و معرفت میں کسی قسم کا شک لاحق نہ ہوا۔ کسے دیکھا؟ جبریل کو؟--- ہاں یہ بھی ایک قول ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس شب اپنے رب کریم کو دیکھا۔ چشم سر سے دیکھا اور دل نے اس کی تصدیق کی۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ **رایت ربی بعینی و بقلبی** "میں ﷺ نے اپنے رب کو اپنی آنکھ اور دل سے دیکھا۔"

پھر یہ خطاب ہے کہ تم اس رویت و معرفت کا انکار کرتے اور میرے محبوب ﷺ سے جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ یہ اس طرح کہ نمازوں میں تخفیف کے لئے آپ بار بار بارگاہ رب العزت میں تشریف لے جاتے رہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا کہ سید عالم ﷺ نے اپنے رب کو اپنے قلب سے دو مرتبہ دیکھا نیز انہی سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے دیکھا۔

سدرۃ المنتہیٰ بیری کا درخت ہے جس کی جڑ (اصل) چھٹے آسمان میں ہے اور شاخیں ساتویں آسمان میں پھیلی ہیں اور بلندی میں وہ ساتویں آسمان سے بھی اوپر تک چلا گیا ہے۔ ملائکہ، ارواح شہداء اور اتقیاء اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس کے قریب ہی جنت الفردوس ہے اور سدرہ پر انوار الٰہی اور ملائکہ کے جھنڈ چھا رہے تھے لیکن سیاح لامکاں ﷺ نے اس پر شکوہ سفر میں اپنے مقصد کو بھلا کر ادھر ادھر دیکھنے سے نہ صرف گریز کیا بلکہ آپ ﷺ کی نگاہ حد ادب سے ہرگز نہ بڑھی۔ اس میں حضور کا کمال بتایا گیا ہے کہ آپ کتنے عالی ظرف اور کس قدر بلند اخلاق اور کس قدر علو ہمت تھے کہ جنت الفردوس کی رنگینیاں اور رعنائیاں، دوزخ کی آگ اور دوسری بڑی بڑی نشانیاں آپ ﷺ کی توجہ اصل مقصد (اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کے تحت حصول علوم و اسرار اور مشاہدۂ حق) سے ہٹا نہ سکیں اور آپ ﷺ ثابت قدمی سے مفاضہ اور مشاہدۂ حق سے مستفید و مستفیض ہوئے۔ پھر آپ ﷺ میں اس مشاہدہ کو برداشت کرنے کی قوت بھی تھی حالانکہ موسیٰ علیہ السلام جلوۂ خداوندی کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو گئے تھے ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو ﷺ عین ذات می نگری و در تبسمی

Marfat.com

رضائے محمد رضائے خدا ہے: ان آیات کی تفسیر میں مولانا فتح محمد خان جالندھری" اپنے ترجمہ قرآن میں (حاشیہ نمبر ۴ پر) لکھتے ہیں:

بعض اس آیت کے معنی یوں کرتے ہیں کہ **ثم دنا** یعنی پھر نزدیک ہوئے محمد ﷺ معراج کی رات خدا تعالیٰ سے عزت اور مرتبہ میں **فتدلی** یعنی پھر جھکے محمد ﷺ سجدہ کرنے کو **فکان قاب قوسین او ادنی** یعنی پھر تھا تفاوت دو کمان کا یا نزدیک اس سے بھی۔ یہ بیان تفاوت مکان کا نہیں اس لئے کہ خدا تعالیٰ کو مکان مقرر نہیں بلکہ یہ بیان نہایت یگانگت کا ہے تو ایسی یگانگت خدا تعالیٰ اور پیغمبر ﷺ میں بیان ہوئی کہ جو مرضی خدا تعالیٰ کی وہی مرضی محمد ﷺ کی ہے اور جو خوشی حضرت محمد ﷺ کی ہے وہی خوشی پروردگار کی ہے۔

سید سلیمان ندوی" (سیرۃ النبی جلد سوم صفحہ ۹۵۔ ۹۴۔ ۳۹۳) لکھتے ہیں:

انبیاء اور سیر ملکوت: انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں منصب رفیع حاصل ہوتا ہے اور اس وقت شرائط رویت کے تمام مادی پردے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ اسباب سماعت کے دنیاوی قوانین ان کے لئے منسوخ کر دیئے جاتے ہیں۔ زمان و مکان کی تمام فرضی بیڑیاں ان کے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں۔ آسمان و زمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ ان کے سامنے آتے ہیں اور اس کے بعد نور کا حلہ بہشتی پہن کر فرشتوں کے روحانی جلوس کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں اور اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم بارگاہ قدس میں بار پا کر **قاب قوسین** "دو کمانوں کے فاصلہ" سے بھی نزدیک تر ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کاشانہ آب و خاک میں واپس آ جاتے ہیں۔۔۔ لیکن حضور ﷺ چونکہ سرور انبیاء اور سید اولاد آدم تھے اس لئے اس خطیرۂ قدس اور بارگاہ لامکان میں آپ ﷺ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جو اب تک دوسرے مقربان بارگاہ کی حد نظر سے باہر رہا تھا۔"

"۔۔۔ آگے بڑھ کر آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ (انتہا پر بیری کا درخت) تک پہنچے۔ اس درخت پر شان ربانی (امر اللہ) کا پرتو تھا جس نے آ کر جب اس کو چھپا لیا تو اس کی ہیئت بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کر سکتی اور اس میں رنگ برنگ کے ایسے انوار کی ایسی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبریل اپنی اصل کمالی صورت میں آپ ﷺ کے سامنے نمودار ہوئے۔ پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں راز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی **فاوحی الی عبدہ ما**

Marfat.com

او حی (سیرت النبی جلد سوم صفحہ ۴۱۴)

اثنائے سفر معراج میں آپ ﷺ نے کیا کیا دیکھا: جب آپ ﷺ جبریل کی ہمراہی میں براق پر سوار ہو کر بیت المقدس کو چلے تو جبریل نے آپ ﷺ کو پہلے ہی یہ عرض کر دی کہ حضور! راستے میں کوئی بلائے تو جواب نہ دینا چنانچہ یہودیت اور نصرانیت کی طرف بلانے والوں کی دعوت کا آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسی طرح آراستہ پیراستہ بوڑھی عورت کی طرف بھی التفات نہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ براق پر سواری کے دوران بیت المقدس تک فرشتوں کی جماعتیں دائیں بائیں اور آگے پیچھے میرے ساتھ تھیں۔ (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۰۷)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل میرے براق کی رکاب تھامے ہوئے تھا اور اسرائیل نے مکہ تا بیت المقدس غاشیہ برداری کی۔ (ایضاً)

نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں: آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں ایک بڑے پتھر پر پہنچا۔ اس میں ننھا سا سوراخ تھا جس میں سے پانی باہر نکلا۔ میں نے اسے واپس لوٹانا چاہا مگر ناکام رہا۔ جبریل نے بتایا کہ یہ سوراخ منہ کی مثل ہے کہ اس سے جو بات ایک بار نکل جائے واپس نہیں جا سکتی۔ (ایضاً)

عافیت پسندی: آگے چلے تو تین آدمی ملے یعنی جوان، ادھیڑ عمر کا اور بوڑھا۔ آپ ﷺ جوان کی طرف متوجہ ہوئے۔ جبریل نے بتایا کہ **اصبت یا محمد اما الشیخ فھو الدولۃ واما الکھل فھو الجد واما الشاب فھو عافیہ** "یارسول اللہ آپ ﷺ نے دولت اور بخت کو چھوڑ کر عافیت کو اختیار فرمایا کیونکہ یہ دونوں جہان کے لئے نعمت ہے۔" (ایضاً صفحہ ۴۰۹)

مدینہ منورہ میں نماز: کچھ راستہ طے ہو گیا تو جبریل نے براق سے اترنے کے لئے عرض کیا اور بتایا کہ یہ جگہ آپ کا دارالہجرت ہے، یہاں نماز ادا کیجئے۔ حضور علیہ السلام نے نماز ادا فرمائی۔ آگے چلے تو طور سینا پر رکے اور پھر حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش پر پہنچے۔ ان دونوں مقامات پر آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔ (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۱۰)

حریص دنیا: آگے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس نے لکڑیوں کا گٹھا باندھ رکھا تھا جو اٹھائے نہ اٹھتا تھا مگر وہ شخص اس گٹھے میں اور لکڑیاں اضافہ کر کے انہیں اٹھانے لگتا تو ناکام رہ کر مزید لکڑیاں گٹھے میں ملا کر باندھتا اور ظاہر ہے کہ اٹھانے میں ناکام رہتا۔ جبریل نے بتایا کہ یہ حریص کی مثال ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال ہونے کے باوجود اسے مزید مال کی فکر لگی ہے۔ (ایضاً)

بعض عمال حکومت کا انجام: ایک شخص کو دیکھا کہ ڈول کنوئیں میں ڈالتا ہے لیکن جب باہر کھینچتا ہے تو اسے خالی پاتا ہے۔ جبریل نے بتایا کہ یہ اہل ریاست و

Marfat.com

عمال حکومت کی مثال ہے جو محنت اور مشقت برداشت کرتے ہیں لیکن قیامت کے دن یہ مفلسوں کی طرح خالی ہاتھ اٹھیں گے۔ (ایضاً)

مسجد اقصیٰ میں ورود: جب آپ ﷺ مسجد اقصیٰ کے قریب پہنچے تو فرشتوں کی جماعت نے آپ کا استقبال کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بزرگی اور کرامت کی خوشخبری دی اور کہا **السلام علیک یا اول یا آخر و یا حاشر** اس سلام کے بارے میں جبرئیل نے بتایا کہ آپ اول شافع اور مشفع ہیں۔ آخری نبی ہیں اور حشر آپ کے قدموں میں ہوگا۔ پھر آپ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تمام انبیاء علیہم السلام بہر استقبال موجود تھے۔ جبرئیل نے کہا **تقدم وصل رکعتین باخوانک من المرسلین** "یا رسول اللہ آگے بڑھ کر اپنے پیغمبر بھائیوں کو دو رکعات نماز پڑھایئے۔" نماز سے فارغ ہوئے تو بعض پیغمبروں نے اپنے اوپر اللہ کے احسانات کا تذکرہ شروع کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا **الحمد للہ الذی اتخذنی خلیلا** "اللہ کا کیا کہنا جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا۔" حضرت موسیٰ نے کہا **الحمد للہ الذی کلمنی تکلیما** "سبحان اللہ کہ اس نے مجھ سے کلام فرمایا۔" داؤد علیہ السلام نے زبور عطا ہونے پر اللہ کی تعریف کی۔ سلیمان علیہ السلام نے ہر شے پر بادشاہت کرنے اور ہواؤں کی تسخیر پر اللہ کا گیت گایا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا مرتبہ پانے پر اللہ کی حمد و ثناء کی وغیرہ وغیرہ۔

جب سب انبیاء اللہ کے احسانات پر شکر و حمد و ثناء کر چکے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر تعریف کا مستحق وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنایا۔ قیامت تک کے لئے جن وانس کے لئے، بشیر و نذیر اور سراج منیر بنا کر بھیجا۔ قرآن کریم سے نوازا اور روئے زمین کو میرے لئے مسجد بنایا۔ تیمم سے پاکیزگی جائز کی گویا مٹی کو پانی کے حکم میں کر دیا۔ حوض کوثر سے نوازا وغیرہ۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انبیاء سے کہا **لہذا افضلکم محمد** "ان وجوہات کی بناء پر محمد ﷺ تم پر فضیلت رکھتے ہیں۔" پھر تمام انبیاء حضور علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ اپنی امت کے حق میں اللہ سے حتی الوسع تخفیف کا سوال کرنا۔ واللہ المصیر (معارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۲۱۱ تا ۲۱۴ تلخیص و مفہوم)

بیت المقدس تا سدرۃ المنتہیٰ: یہاں سے براق پر سوار ہو کر ایک نورانی سیڑھی جو فرشتوں کی گزرگاہ تھی، کے ذریعے آسمان پر پہنچے۔ سیڑھی کے آخری سرے پر ایک بزرگ فرشتہ بیٹھا تھا جس نے ہاتھ کھول رکھے تھے اور ساتوں آسمانوں کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا۔ اس نے حضور علیہ السلام کو سلام کیا اور خوش آمدید کہتے ہوئے بتایا کہ میری ڈیوٹی اس سیڑھی پر تخلیق آدم سے پچیس ہزار سال قبل لگی تھی۔ تب سے حضور پر درود و سلام بھیجنا میرا وظیفہ ہے اور آج کے دن کا منتظر رہا ہوں۔ الحمدللہ یہ سعادت آج نصیب ہوئی۔

Marfat.com

اللہ کے ہاں کا ایک دن ہمارے ہزار برس کے برابر ہے (۲۲-۷ ۴) اب اگر ۲۵ ہزار سال کے دن بنائیں اور ان کو ہزار سے ضرب دیں تو گویا زمینی سالوں کی تعداد معلوم ہوگی:

گویا (۲۵۰۰۰ x ۳۶۰ x ۱۰۰۰) نو ارب سال پہلے وہ فرشتہ حضور کی اس خدمت پر متعین کر دیا گیا تھا۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ تو واضح رہے کہ سائنس دان کائنات کی تخلیق کو کھربوں سال سے بھی زیادہ قدیم مانتے ہیں اور ان کا دعویٰ قرآن کی روشنی میں اسی طرح تطبیق پا سکتا ہے اور اس طویل مدت میں یہ سیارے اور کائناتی اجزاء جن جن مراحل سے گزرے ہیں اور خود زمین پر اس کی تخلیق کے بعد سے آج تک جو کیفیت گزری ہے، کبھی کبھی سائنس دانوں کی جدید تحقیقات میں اس کے اشارے ملتے ہیں اور ہمارے لوگ ان کے دعووں کو اسلامی تقویم کی روشنی میں "مجذوب کی بڑ" سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے کیونکہ وہ ان کی تشریح و تطبیق سے قاصر رہتے ہیں۔ ہندوازم میں بعض زمینی واقعات کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ لاکھوں کروڑوں سال پہلے واقع ہوئے تو گویا ان کی قدیم روایات میں تخلیق ارض و سما کا تصور کروڑوں سال پرانا ہے۔ ہمارے صوفیاء میں ایسے صاحب مشاہدہ بزرگ گزرے ہیں جن کا کہنا ہے کہ یہ کائنات کروڑوں اربوں سال پرانی ہے اور خود انسان لاکھوں کروڑوں سال سے ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا "آدم" تک پہنچا۔ قرآن بتلاتا ہے **ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا** (دھر:۱) یعنی بیشک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔ (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی") گویا انسان کا انسانی روپ دھارنے سے پہلے زمینی اجزاء کو اس حالت تک آتے آتے کروڑوں بلکہ اربوں سال لگے جس حالت میں کہ وہ انسانی بدن اور اس کی زندگی کے لئے آئندہ صدیوں اور قرنوں تک مدد و معاون ثابت ہو سکیں۔ اسی لئے زمین پر پہلے جنوں کو بسایا گیا اور لاکھوں کروڑوں سال تک وہ اس میں رہا کئے اور جنوں کی پیدائش کا سرچشمہ آگ ہے تو گویا زمین ان وقتوں میں آگ کا گولا تھی۔ سائنس دان بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ زمین سورج کا ٹکڑا تھی جو کروڑوں سال میں ٹھنڈی ہو کر اس حال کو پہنچی۔ پس ایسی سرزمین پر انسانوں کو بسانا ممکن نہ تھا البتہ جنات جن کی تخلیق آگ سے ہوئی وہ اس میں رہ سکتے تھے۔ پس جب یہ زمین ٹھنڈی ہوگئی اور اس کے اجزاء انسان زندگی اور تمدن کو قائم رکھنے کے لائق ہو گئے تو انہی اجزاء کے ملغوبہ سے آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کیا گیا اور پھر روح پھونکنے کا مرحلہ آیا۔ اسی بات کو قرآن اس طرح واضح کرتا ہے **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** "ہم نے انسان کو (اس کے حسب حال بہترین دور وقت اور زمانے میں) بہترین صورت میں تخلیق فرمایا۔" اور تقویم کا تعلق ماہ و سال و صدی سے بھی مسلمہ ہے تو گویا جہاں انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا وہاں اسے بہترین زمانے میں بھی پیدا فرمایا جو اس کے حسب حال تھا اور ہے اور جب انسانی عقل ایٹم بم وغیرہ کے ذریعے زمین کو پھر سے آگ کا گولا بنا دے گی اس وقت انسانی زندگی کا زمین پر خاتمہ ہو جائے گا جیسے ہیروشیما میں ہوا۔ اس وقت پہلے اس کی کشش ثقل خارج کر دی جائے گی **واخرجت الارض اثقالھا** اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے **وتکون**

Marfat.com

الجبال کالعھن المنفوش قیامت کا جو نقشہ قرآن نے کھینچا ہے شاید وہ اول اول انسانی ہاتھوں کے ذریعے ہی انسانوں پر مسلط ہوگی۔ پس اسلام کا پیغام قرآن ہی انسان کے لئے نجات کا پیغام ہے۔)

پھر آپ ﷺ آگے بڑھ گئے اور ایک دریائے بسیط دیکھا جس کا نام قاصیہ ہے اور ہوا میں معلق ہونے کے باوجود پانی کا قطرہ تک ادھر ادھر نہیں گرتا بلکہ پوری طرح روانی سے بہہ رہا ہے۔ اس کے پانی کا رنگ انتہائی شفاف ہونے کی وجہ سے نیلا ہے۔ کہتے ہیں کہ آسمان کی نیلاہٹ اسی دریا کے نیلے پانی کے عکس کے باعث ہے۔ واللہ اعلم!

پھر آپ ﷺ ہوا کے خزانہ پر پہنچے جسے ستر ہزار زنجیروں میں باندھ رکھا ہے اور ہر زنجیر پر ستر ہزار فرشتے متعین ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ نے ہوا پر قدم رنجہ فرمایا اور وہاں سے آگے بڑھ گئے اور ایک فلک پر پہنچے۔ وہ فلک ایک دریا ہے جسے آسمان پر رکھا گیا ہے جس کا دامن سراپردہ دہر کی طرح زمین تک پہنچا ہوا ہے۔ آسمان کا بھی ایک ایسا ہی فلک ہے کہ اس دریائے فلک پر ستارے شناوروں کی طرح تیرتے ہیں جیسا کہ قرآن میں آیا ہے **و کل فی فلک یسبحون** (انبیاء ۳۳، یٰسین ۴۰) یعنی وہ سب ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔ اس فلک کو جب اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا تو اس نے اپنی گردش روک دی اور حضور ﷺ کے حضور آداب بجالایا۔ آپ ﷺ نے اس پر قدم رکھا اور آگے نکل گئے حتیٰ کہ آسمان دنیا یعنی پہلے آسمان پر پہنچے۔

عجائبات آسمان اول: جبریل نے آسمان اول پر پہنچتے ہی اس کا دروازہ کھٹکھٹایا جس کا نام "الحفظ" ہے۔ یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ اس پر مروارید کا قفل ہے اور اس پر مقرر دربان یا موکل کا نام اسمٰعیل ہے۔ دستک سن کر اسمٰعیل نے کہا **من ذالذی ناد الملک** "کون پکار رہا ہے؟" جبریل نے اپنا نام بتایا۔ پھر پوچھا "آپ کے ساتھ کون ہے؟" کہا "محمد ﷺ ہیں۔" پوچھا "کیا وہ ﷺ پیدا ہو چکے۔" کہا "ہاں!" پھر پوچھا "کیا ان کو بلایا گیا ہے؟" کہا "ہاں!" تب اسمٰعیل نے کہا "مرحبا آپ کو خوشی کشائش اور جمعیت حاصل ہو۔" اور دروازہ کھول دیا۔ اس کے تابع بارہ ہزار فرشتے تھے بعض نے یہ تعداد ایک لاکھ یا سات لاکھ بیان کی ہے۔ ان کی تسبیح یہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سماعت فرمائی۔

سبحان الملک الاعلی سبحان من لیس کمثلہ شئی

پس آپ اس آسمان پر تشریف لے گئے اور بہت سے عجائب ملاحظہ فرمائے بعض کا تذکرہ اس طرح ہے:

فرشتے بحالت قیام: فرشتوں کی ایک جماعت ہر وقت قیام میں ہے ان کی تسبیح **سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح** ہے جبریل نے بتایا کہ یہ فرشتے آسمانوں کی پیدائش کے وقت سے بحالت قیام مصروف عبادت ہیں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے

Marfat.com

درخواست کیجئے کہ آپ کی امت کو اس کا ثواب عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے درخواست کی اللہ نے قبول فرمالی چنانچہ امت مسلمہ کے لئے نماز میں قیام کی فرضیت کا تحفہ عطا ہوا۔

ملاقات آدم علیہ السلام: یہاں حضور علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو سفید مروارید کے تخت پر نوری لباس میں دیکھا جن کے دائیں اور بائیں لوگ دیکھے۔ دائیں طرف دیکھ کر وہ خوش ہوتے اور بائیں جانب دیکھتے تو رنجیدہ ہوتے۔ جبریل نے بتایا کہ دائیں جانب والے اہل جنت اور بائیں طرف کے لوگ اہل دوزخ ہیں۔ یہ اولاد آدم ہے۔ پھر آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر حضرت ابوالبشر کو سلام کہا۔ جواب میں آدم علیہ السلام نے فرمایا:

مرحبا یا ابن الصالح و نبی الصالح الحمد للہ الذی اکرمک و جعلک من نسلی

حضرت آدم علیہ السلام کی تسبیح یہ ہے سبحان الجلیل الاجل سبحان الواسع الغنی سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العلی العظیم و بحمدہ استغفر اللہ آپ کے دائیں جانب جنت کا در ہے اور بائیں طرف حضور ﷺ نے در دوزخ کو دیکھا۔

ابرار و محسنین کی مثال: یہاں آپ ﷺ نے ایک جماعت دیکھی جو کھیتی باڑی کرتی تھی۔ وہ لوگ فصل بوتے اور اسی ساعت وہ اپنے عروج کو پہنچتی اسے کاٹ لیتے اور ایک سے سات سو پھل حاصل کرتے تھے۔ جبریل نے بتایا کہ یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کے بارے میں قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبہ (بقرہ۔۲۶۱)

نماز میں سستی کے مرتکبین کا حال: یہاں آپ ﷺ نے ایک جماعت ملاحظہ کی کہ فرشتے ان لوگوں کے سر پتھروں سے کچل رہے تھے۔ کچلے جانے کے بعد سر دوبارہ اصل حالت میں آجاتے اور فرشتے دوبارہ ان کو کچل دیتے اور یہ عمل تاقیام قیامت جاری رہے گا۔ جبریل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے:

فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم ساھون (ماعون: ۴-۵)

زکوٰۃ سے گریزاں لوگوں کا حال: آپ ﷺ نے ایک جماعت دیکھی جو بھوکی پیاسی اور ننگی تھی "زبانیہ" نامی فرشتہ اس کو دوزخ کی طرف چوپایوں کی طرح ہانکتا تھا۔ جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے:

Marfat.com

الذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (توبہ:۳۴)

زانی لوگوں کی تمثیل: ایک جگہ آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک قوم طرح طرح کی پاکیزہ نعمتیں چھوڑ کر مردار گوشت پر جھپٹ رہی ہے۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے منکوحہ زوج کو چھوڑ کر بدکاری اور زناکاری کا ارتکاب کرتے تھے۔ ان کا ذکر قرآن میں یوں آتا ہے الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات (نور:۲۶)

اہل تمسخر کا حال: کسی کو گھٹیا جان کر اس کا تمسخر اڑانا یا پھبتیاں کسنا قابل مذمت ہے۔ آپ ﷺ کو ایک ایسی جماعت دکھائی گئی جو آتشیں جگہوں پر متمکن تھی اور آس پاس خاردار پنجے تھے جو راہ چلتے لوگوں کے اعضاء اور کپڑوں سے الجھتے تھے۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں سر رہگزر بیٹھ کر راہ گیروں کو ستاتے، کمزوروں اور ناتوانوں کا مذاق اڑاتے، عورتوں کو آنکھیں مارتے ان پر آوازے کستے یا زبان درازی کرتے تھے۔ لوگوں کو لعن طعن کرتے اور گالیاں دیتے اور تمسخر اڑا کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ ان کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے ویل لکل ھمزة لمزة (۱۰۴-۱) ولا تقعدوا بکل صراط توعدون و تصدون عن سبیل اللہ (اعراف-۸۶) واذا مروا بھم یتغامزون (۸۳-۳۰)

اہل خیانت کا حال: ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی پشت پر بہت زیادہ بوجھ تھا جس کے نیچے وہ حرکت بھی نہ کر سکتا تھا لیکن پھر بھی وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ اور بوجھ اس پر لاد دیں اور لوگ اس پر بوجھ لاد دیتے۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ وہ امانتدار ہے جو امانتوں میں خیانت کرتا تھا اور لوگوں کی امانتوں کا بوجھ اس کے سر ہے۔ اس کے باوجود وہ مظالم اور بددیانتی سے باز نہیں آتا تھا۔ ایسے لوگوں کو قرآن کہتا ہے یاایھا الذین امنوا لا تخونو اللہ والرسول ولا تخونو اامانتکم (انفال ۲۷)

اہل خوشامد کی مثال: ایک لوگ دیکھے کہ ان کے ہونٹوں کو آتشیں قینچیوں سے کاٹا جاتا ہے لیکن کچھ ہی دیر میں ہونٹ اپنی اصل حالت پر آجاتے ہیں پس ان کو دوبارہ کاٹا جاتا ہے اور یہ عمل قیامت تک جاری رہے گا۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ لوگ ظالم حاکموں، افسروں اور بادشاہوں اور امیروں وزیروں کے خوشامدی ہیں جو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے۔ دن کو رات اور رات کو دن کہتے اور ظلم و تعدی میں ان کے معاون ہوتے تھے۔ ان کے لئے قرآن کا ارشاد ہے ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار (ھود:۱۱۳)

چغل خور لوگ: ایک جماعت دیکھی جسے اس کے کانوں کا گوشت کاٹ کر کھلایا جا رہا تھا۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ لوگ چغلی اور غیبت کا ارتکاب کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کا حکم ہے

Marfat.com

ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ (الحجرات:۱۲)

شرابی حضرات کا حشر: ایک لوگ دیکھے جن کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی کی ہوئی تھیں۔ نچلے ہونٹ پاؤں میں روندے جارہے تھے اور اوپر والے سر پر تھے۔ گندگی وغیرہ ان کے منہ سے بہہ رہی تھی۔ وہ گدھوں کی طرح آوازیں نکالتے تھے۔ جبریل نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے شرابی ہیں۔ ان کے لئے قرآن کا ارشاد ہے۔ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان (مائدہ:۹۰)

جھوٹی شہادت دینے والے: ایک گروہ کی زبانیں گدی سے کھینچی ہوئی تھیں۔ شکلیں خنزیر جیسی مسخ شدہ اور ان لوگوں کو اوپر اور نیچے سے عذاب ہو رہا تھا جبریل نے بتایا کہ یہ لوگ جھوٹی گواہی دیتے تھے۔

سود خوروں: کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے پیٹ پھولے ہوئے تھے۔ ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں اور گردنوں میں طوق تھے۔ بھاری پیٹ ان کو اٹھنے میں مانع تھے۔ اٹھتے ہی منہ کے بل گر پڑتے۔ ان لوگوں کا ذکر قرآن میں یوں آتا ہے الذین یاکلون الربو لا یقومون الا کمایقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس (بقرہ:۲۷۵)

قاتلوں کا حشر: کچھ اس طرح تھا کہ ان کو آتشیں چھریوں سے ذبح کیا جارہا تھا۔ پھر وہ زندہ ہو جاتے اور پھر ان کو ذبح کر دیا جاتا۔ یہ عمل مسلسل جاری تھا۔ جبریل نے بتایا کہ یہ ناحق خون بہانے والے لوگ ہیں جو مومنوں کو قتل کرتے تھے۔ قرآن کہتا ہے ومن یقتل مومنا متعمدا فجزائہ جہنم خالدا فیہا (نساء:۹۳)

خاوندوں کی نافرمان عورتیں: اس حال میں تھیں کہ ان کے چہرے سیاہ تھے اور آگ کا لباس تھا اور آتشیں کوڑوں سے مار پڑ رہی تھی اور وہ کتیا کی طرح آواز نکالتی تھیں۔ جبریل نے بتایا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کا کہنا مانتی تھیں اور ان کو ناراض رکھتی تھیں حالانکہ قرآن میں ہے کہ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض (نساء:۳۴)

منافقین: اس حال میں تھے کہ وہ دنیا اور آخرت کے درمیان محبوس ہوا میں معلق ہیں اور ہر ایک پر دو غضب ناک فرشتے متعین ہیں اور ان کو آتشیں لاٹھیوں سے مار پڑ رہی تھی۔ ان فرشتوں کی تسبیح یہ ہے سبحان القادر المقتدر سبحان المنتقم علی اعدائہ سبحان الملک العظیم جبریل نے بتایا کہ یہ منافقین ہیں جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" نساء:۱۴۵)

والدین کے نافرمان: آگ کی ایک وادی میں مقید دیکھے گئے جن کو بار بار آگ سے ایذا دی جارہی تھی کیونکہ انہوں نے قرآن کے اس ارشاد پر عمل نہ کیا تھا فلا تقل

Marfat.com

لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما (بنی اسرائیل:۲۳)

رعد کا اصل روپ: بھی آپ ﷺ نے دیکھا کہ انسانی شکل کا ایک فرشتہ جس کا نصف بالائی حصہ آگ اور نصف زیریں حصہ برف کا تھا۔ اس کی تسبیح یہ تھی **سبحان الذی الف بین الثلج والنار والف بین قلوب عبادک الصالحین** جبریل نے بتایا کہ یہ بادلوں کا فرشتہ ہے۔ اس کا نام "رعد" ہے۔ یہ بادلوں میں بجلی اور کڑک پیدا کرتا اور بحکم الٰہی بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتا ہے۔ قرآن میں رعد کی تسبیح کا ذکر اس طرح آیا ہے **یسبح الرعد بحمدہ والملئکۃ من خیفتہ** اور بادلوں کے چلانے کا ذکر یوں ہے **الم تران اللہ یزجی سحابا ثم یولف بینہ** (رعد:۱۳ نور:۴۳)

گانے بجانے والے لوگ: اس حال میں تھے کہ ان کے سینوں پر آگ کے طبق رکھے تھے۔ سیاہ چہرے اور سیاہ لباس تھا۔ ان کو آگ کا عذاب دیا جارہا تھا۔ جبریل نے بتایا کہ یہ گانے بجانے والے لوگ ہیں۔

بحر الحیوان: ایک دریا دیکھا جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کی موجیں پہاڑوں کی طرح ہیں۔ جبریل نے بتایا کہ قیامت کے بعد اس دریا کے پانی کی بارش کی جائے گی جس سے بوسیدہ انسانی ہڈیاں زندگی پائیں گی اور لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

دوسرا آسمان: بحر الحیوان سے آگے بڑھے اور آپ ﷺ دوسرے آسمان پر پہنچے۔ اس کا نام قیدوم ہے۔ پہلے آسمان پر پہنچنے کے تمام مراحل یہاں بھی طے کئے تو دربان نے دروازہ کھولا اور حضور علیہ السلام کو خوش آمدید کہا جس کا نام اسرافیل تھا۔ اس کی تسبیح یہ تھی **سبحان اللہ کل ما یسبح اللہ مسبح والحمد للہ کل احمد اللہ حامد ولا الہ الا اللہ کلما ھلل اللہ واللہ اکبر کلما کبر اللہ مکبر** اسرائیل کے تحت لاکھوں فرشتے تھے۔

رکوع گزار فرشتے: یہاں ایک جماعت فرشتوں کی دیکھی کہ صف بستہ رکوع میں جھکی ہے ان کی تسبیح یہ تھی **سبحان الوارث الواسع سبحان الذی لا یدرکہ الابصار سبحان العظیم العلیم** جبریل کے ایماء پر حضور علیہ السلام نے اس عبادت سے اپنی امت کا حصہ چاہا۔ پس مسلمانوں پر نماز میں رکوع فرض ہوا۔

عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے بھی اسی آسمان پر ملاقات ہوئی۔ سلام کے جواب میں انہوں نے کہا **مرحبا یا اخ الصالح والنبی الصالح** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور علیہ السلام سے مصافحہ کیا اور آپ کی عظمت اور کرامت اور تفوق جو آپ کو دوسرے انبیاء پر حاصل ہے اس کا ذکر کیا اور خوشخبری دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسبیح یہ ہے **سبحان الحنان**

Marfat.com

المنان سبحان الابد الابد سبحان المبدی المعید یہاں پر ایک فرشتہ سے ملاقات ہوئی جس کے ستر سر تھے اور ہر سر میں جدا جدا لغت کی زبانیں تھیں۔ یہ رزق کا فرشتہ ہے اس کی تسبیح یہ ہے سبحان الخالق العظیم سبحان العظیم الاعظم سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ الخالق العظیم وبحمدہ استغفراللہ اس فرشتہ کا نام قاسم ہے کیونکہ یہ رزق تقسیم کرتا ہے۔

تسبیح کشادگی رزق: روایت میں ہے کہ اگر کوئی تنگدست اس تسبیح کو صبح کی سنتوں اور فرض کے درمیان پڑھا کرے تو اس کی روزی کشادہ ہو جائے گی۔

تیسرا آسمان: پھر آپ ﷺ تیسرے آسمان پر پہنچے اور حسب سابق سوال و جواب ہوئے اور آپ ﷺ کے لئے دروازہ کھلا۔ یہاں کے فرشتوں نے آپ کو سلام اور خوش آمدید کہا۔

اس آسمان کا نام زیلون ہے۔ یہاں ایک نورانی قندیل بھی دیکھی۔ دربان فرشتے کی تسبیح یہ تھی سبحان معطی الوہاب سبحان الفتاح العلیم سبحان المجیب لمن دعاہ

سربسجود فرشتے: اس آسمان پر فرشتوں کی ایک جماعت سربسجود دیکھی۔ حضور ﷺ نے سلام کہا تو فرشتوں نے سر اٹھا کر سلام کا جواب دیا اور پھر سجدہ ریز ہو گئے۔ جبرئیل کے ایماء پر آپ ﷺ نے اس عبادت سے اپنے اور اپنی امت کے لئے حصہ چاہا۔ پس نماز میں سجدے کی فرضیت ہوئی اور ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہوئے کیونکہ فرشتوں نے سجدہ سے سر اٹھا کر حضور کے سلام کا جواب دیا تھا اور پھر سربسجود ہو گئے تھے۔

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے حضور علیہ السلام نے معانقہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے یوسف علیہ السلام کی تسبیح سنی جو یہ تھی سبحان الکریم الاکرم سبحان الجلیل الاجل سبحان الفرد الوتر سبحان الابد الابد

اسی آسمان پر حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ ﷺ کی بزرگی کی بشارت دی اور یاددہانی کے طور پر کہا کہ آج کی رات اپنی امت کی شفاعت میں کوتاہی نہ کیجئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام یہ تسبیح کرتے تھے سبحان الملک الملوک سبحان القاہر الجبار تصیر الیہ الامور

آگے بڑھے تو ایسے فرشتوں کو دیکھا جو سرحائیل نامی فرشتہ کے تحت تھے اور متکبرین کو آتشیں گرزوں سے سزا دے رہے تھے۔ سرحائیل کی تسبیح یہ تھی سبحان من ہو فوق الجبارین سبحان من ہو المسلطین ممن عصاہ

یہاں پر ہی آگے چل کر ایک دریا دیکھا جس کی توصیف اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کا نام

Marfat.com

بحر النتم ہے۔ یہ دریا دنیا سے سات گنا بڑا ہے۔ جبریل نے بتایا کہ اس دریا کا تھوڑا سا پانی دنیا میں بھیجا تھا تو طوفان نوحؑ ظہور میں آیا۔ اس کا نام "نتم" شاید اس لئے ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انبیاءؑ کے نافرمانوں سے انتقام لیتا ہے اور آبی عذاب کا تعلق اس بحر سے ہوتا ہے۔ اس دریا سے آگے بڑھے تو چوتھے آسمان پر پہنچے۔

چوتھا آسمان: یہ آسمان خام چاندی یا (دوسری روایت کے مطابق) سفید مروارید کا ہے۔ حسب سابق سوال و جواب ہوئے اور دروازہ کھولا گیا جو نور کا ہے اور اس پر نور کا ہی قفل تھا۔ اس قفل پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ چوتھے آسمان کا نام زیون ہے۔ ساتوں زمینیں اور تینوں (پہلے) آسمان اس کے احاطہ میں بیابان کے اندر ایک حلقہ کی مانند دکھائی دیتے تھے۔ اس کے داروغہ کا نام عزرائیل یا موضیائیل یا مومیائیل تھا اور اس کے تحت لاکھوں فرشتے تھے۔ ان کی تسبیح یہ تھی

سبحان الخالق الظلمات والنور سبحان خالق الشمس والقمر المنير سبحان الرفيق الاعلى

اس آسمان پر حضور علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات فرمائی جبکہ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ ملاقات چھٹے آسمان پر ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے سلام کہا۔ حضرت موسیٰ اٹھے اور آپ ﷺ سے بغلگیر ہوئے اور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا **الحمد لله الذى ارانى وجهك** یعنی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے مجھے آپ ﷺ کے دیدار سے نوازا۔

پھر حضرت موسیٰؑ نے آپ کو بشارت دی کہ آج کی رات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ناز میں آپ ﷺ سے ایسی خاص مجلس ہوگی جس کا تصور بھی ناممکن ہے۔ آپ ﷺ اس لطف و کرم کی پر عظمت مجلس میں ضعفائے امت کو مت بھولنا اور حتی الامکان فرائض و اعمال میں تخفیف کی درخواست ضرور کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تسبیح یہ تھی۔ **سبحان هادى من يشاء و مضل من يشاء سبحان الغفور الرحيم**

آپ ﷺ آگے بڑھ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے۔ سبب پوچھا تو کہا:

ابكى لان غلاما بعث من بعدى يدخل الجنة من امته اكثر مما يدخلها من امتى یعنی میں اس لئے روتا ہوں کہ ایک جوان میرے بعد مبعوث ہوا اور اس کی امت تعداد میں میری امت سے بہت ہی زیادہ تعداد میں داخل جنت ہوگی۔

دوزانو فرشتے: اس آسمان پر فرشتوں کی ایک جماعت دیکھی جس کی عبادت دوزانو بیٹھے بیٹھے یہ تسبیح پڑھنا ہے۔ **سبحان الروف الرحيم سبحان الذى لا يخفى عليه شى سبحان رب العالمين** جبریل کے ایما پر آپ ﷺ نے اپنی امت کے لئے اس عبادت سے حصہ چاہا چنانچہ دوسرا قعدہ آپ ﷺ پر اور آپ کی امت پر نماز میں

Marfat.com

فرض ہوا۔

اسی آسمان پر حضرت مریم والدہ عیسیٰ علیہ السلام، حضرت آسیہؑ زوجہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ رضی اللہ عنہن کو دیکھا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کا استقبال کیا۔

عزرائیل سے ملاقات: اسی آسمان پر عزرائیل علیہ السلام کو دیکھا۔ اس کے چہرے سے خوف آتا تھا۔ جبریل نے عزرائیل کو بتایا کہ آج کی رات اللہ تعالیٰ کی دعوت پر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سیر ملکوت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ عزرائیل جو سر نیہوڑائے ہوئے غمزدہ بیٹھا تھا یکدم چونکا۔ سر اٹھایا اور متبسم چہرے سے حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے اٹھا اور کہا **مرحبک** کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزیز اور معظم و مکرم پیغمبر نہیں بھیجا اسی طرح آپ کی امت بھی سب امتوں میں افضل ہے۔

اس کے دائیں بائیں رحمت اور عذاب کے فرشتے موجود دیکھے جو روح قبض کرنے کے لئے اللہ کی رضا کے مطابق بھیجے جاتے ہیں۔ سورۃ **والنزعت** کی ابتدائی آیتوں میں اس منظر کا بیان ہے۔

بحر الثلج بھی چوتھے آسمان پر ہے۔ یہ برف کا دریا ہے۔ جبریل نے کہا کہ اگر اس دریا سے برف کی ذرا سی مقدار بھی زمین یا آسمان پر گرے تو یخ بستگی اور برودت سے اہل سموات والارض فوت ہو جائیں۔

اسی آسمان پر سورج کو دیکھا۔ ایک روایت کے مطابق یہ زمین سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق سورج کے میدان کی مسافت اسی ہزار سالہ راہ کے برابر ہے۔

پانچواں آسمان: یہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے تو آسمان پنجم میں حسب دستور مراحل طے کرکے داخل ہوئے۔ اس آسمان کا نام البیانیقون ہے اور یہ اس قدر بڑا ہے کہ نچلے چاروں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک حلقہ کی مانند اس کے احاطہ میں نظر آتی تھیں۔ اس آسمان کے دربان فرشتے کا نام اوسقعائیل ہے اور لاکھوں فرشتے اس کے ماتحت ہیں۔ اس کی تسبیح یہ ہے **قدوس قدوس رب الارباب سبحان ربنا علی الاعظم قدوس قدوس رب الملئکۃ والروح**

یہاں حضور علیہ السلام کی ملاقات حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، لوط اور یعقوب علیہم السلام سے ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آج کی رات بارگاہ رب العزت میں حاضری کے وقت اپنی امت کے اعمال میں تخفیف طلب کیجئے۔ آپؑ کی تسبیح یہ تھی **سبحان من لا یصف الواصفین عظمہ منتھیہ سبحان من خففت لہ الرقاب و ذلت لہ الصعاب**

(مشہور روایتوں کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ساتویں آسمان پر ملاقات ہوئی تھی۔ وہ شاید یہاں اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سے پدری تقرب کی بناء پر تشریف لائے ہوئے تھے یا بسر استقبال

Marfat.com

خصوصی طور پر ان کے ساتھ تشریف رکھتے ہوں۔)

یہاں آپ ﷺ نے فرشتوں کی جماعت دیکھی جو حالت قیام میں تھی اور ان کی نگاہ قدموں پر تھی۔ ان کی تسبیح یہ تھی **سبحان القاضی الاکبر سبحان العدل الذی لایجور**

ان کی عبادت نماز میں خضوع و خشوع سے عبارت تھی۔ جبرئیل کے کہنے پر آپ ﷺ نے اپنے اور اپنی امت کے لئے اس عبادت سے حصہ طلب فرمایا چنانچہ وہ عطا ہوا جو نماز میں خشوع و خضوع ہے۔ یہ بات ابن عباس سے مروی ہے۔ کیا آپ نے ارشاد باری نہیں سنا **قد افلح المومنون الذین هم فی صلواتهم خاشعون** (مومنون۔۱)

مشرکین کو عذاب: کا منظر بھی اسی آسمان پر مشاہدہ میں آیا۔ یہاں فرشتوں کی جماعت آتشیں لباسوں میں ملبوس مشرکین کو مسلسل عذاب دے رہی تھی۔

آگ کا دریا: آپ ﷺ آگے بڑھے تو دیکھا کہ آگ کا بہت بڑا دریا ہے جس کا نام بحر الصعق ہے۔ جلانے اور کوندنے والی بجلی اس سے پیدا ہوتی ہے۔ اس دریا کے دوسرے عجائبات اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

چھٹا آسمان: بحر الصعق سے آگے بڑھے تو آپ ﷺ کے سامنے چھٹا آسمان تھا اس کا نام عاروس ہے۔ اس کا دربان روعائیل ہے۔ حضور علیہ السلام کے سلام کے جواب میں اس نے کہا **بارک اللہ فی حسناتک و زاد فی کراماتک و بورک فیک** جواب میں حضور علیہ السلام نے "آمین!" کہا۔ لاکھوں فرشتے روعائیل کے ماتحت تھے، ان کی تسبیح یہ تھی:

سبحان اللہ الکریم سبحان النور المبین سبحانہ من الہ من فی السموات والہ من فی الارض

باب الامان: یہاں فرشتوں کی ایک جماعت "بحالت قومہ" مصروف عبادت تھی اور تسبیح میں محو تھی۔ ان سے آگے آپ ﷺ نے "باب الامان" کا مشاہدہ فرمایا۔ یہ دروازہ جو دوزخ اور کائنات کے درمیان اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ دوزخ کی تپش سے کائنات جل نہ جائے۔ حضور علیہ اسلام نے اس دروازہ کو (جو ہمیشہ بند رہتا ہے) کھلوا کر دور سے دوزخ کا مشاہدہ فرمایا اور کہا کہ مجھے دوزخ کا دھواں اور شعلے نظر آتے تھے۔ دوزخ کے اندر نظر کی تو دوزخ کے داروغہ (فرشتے) کو دیکھا جس کا نام مالک ہے۔ وہ اتنا ہیبت ناک ہے کہ آپ ﷺ کو خوف محسوس ہوا۔ جبرئیل نے مالک کو بتایا کہ محمد ﷺ تشریف لائے ہیں۔ تو وہ اٹھ سلام کیا اور تواضع سے پیش آیا اور عرض کرنے لگا:

"یا رسول اللہ! بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کے لئے آپ ﷺ کے گوشت پوست پر آتش دوزخ کو حرام فرما دیا ہے اور جو کوئی آپ ﷺ کا اتباع کرے گا آپ ﷺ کی برکت سے اس پر بھی دوزخ حرام ہوگی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ ﷺ کی امت کے گنہگاروں

Marfat.com

پر رحم کروں اور آپ ﷺ کے منکروں سے انتقام لوں۔"

چھٹے آسمان پر حضرت نوح اور ادریس علیہما السلام سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی۔

(ایک روایت میں ہے کہ حضرت ادریس کو چوتھے آسمان پر دیکھا۔ دوسری روایت کے مطابق بہشت میں دیکھا۔)

آپ ﷺ کی زیارت کرکے دونوں حضرات بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ حضرت ادریس کی تسبیح یہ تھی **سبحان المجیب السائلین سبحان القابض الجبابرہ سبحان الذی علی فلا تعلوہ احد** اور نوح علیہ السلام یہ تسبیح پڑھتے تھے **سبحان الحی الحلیم سبحان الفرد الکریم سبحان العزیز الرحیم**

میکائیل سے ملاقات: آگے بڑھے تو آپ ﷺ کی ملاقات میکائیل علیہ السلام سے ہوئی وہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور یہ دعا دی:

زادک اللہ تعالی کرامۃ و فرحا

ان کے ماتحت لاکھوں فرشتے مشاہدہ فرمائے۔ میکائیل نے بتایا:

"ہم سب آپ ﷺ کے خدمت گزار ہیں اور پچیس ہزار سال قبل از پیدائش آدمؑ سے آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے آرہے ہیں۔"

حضرت میکائیل کی تسبیح یہ تھی **سبحان رب کل مومن و کافر سبحان من تصنع من ھیئۃ مافی بطونھا الحوامل**

بحر اخضر: پھر آپ بحر اخضر پر پہنچے جو سبز اور نورانی رنگ کا ہے۔ اس پر مامور فرشتوں کی تسبیح یہ ہے **سبحان القادر المقتدر کریم الاکرم سبحان الجلیل الاعظم**

یہ دریا تمام سبزیات کا سرچشمہ ہے گویا ہر فصل اور باغ اسی کے فیض سے ہے۔ اس سے آگے بحر اسود کا مشاہدہ فرمایا۔ اس پر بھی ان گنت فرشتے متعین ہیں۔ اس سے آگے ساتواں آسمان ہے۔

ساتواں آسمان: بعد ازاں آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ حسب سابق سوال و جواب ہوئے اور پھر اس کے خازن "روحائیل" نے دروازہ کھولا اور آپ کا استقبال کیا۔

آسمان ہفتم کا نام "قائیل" ہے اور یہ جوہر سفید اور نور تاباں کا بنا ہوا ہے۔ روحائیل کے ماتحت لاکھوں فرشتے ہیں۔ ان سب کی تسبیح یہ ہے **سبحان الذی بسط السموات فرفعھا سبحان الذی سطح الارضین ففرشھا سبحان الذی اطلع الکواکب وازھرھا سبحان الذی ارشی الجبال فھیاھا**

اس آسمان پر آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات فرمائی ان کو سلام کیا اور

Marfat.com

آداب بجا لائے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا **مرحبا بابن الصالح والنبی الصالح** نیز فرمایا "یا رسول اللہ اپنی امت سے کہئے کہ زمین بہشت میں بہت سے درخت لگائے وہ اس طرح کہ **لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم** زیادہ سے زیادہ پڑھا کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ کلمات تھے:

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم (آسمانوں کی سیر کا یہ سارا ذکر معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۱۶ تا ۴۴۴ سے ماخوذ ہے)

بیت المعمور: ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی کمر بیت المعمور کے ساتھ لگائے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور کعبہ اللہ کے عین اوپر ساتویں آسمان پر عبادت خانہ ہے جس میں یومیہ ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں اور ان کا نمبر دوبارہ نہیں آتا اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

حضرت ابراہیمؑ نے حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ جگہ آپ ﷺ کی امت کا مکان ہے۔ یہاں حضور نے اپنی امت کو دیکھا کہ وہ دو حصوں میں بٹ گئی ایک جماعت سفید کاغذ جیسی پوشاک والی اور دوسری میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ آپ ﷺ بیت المعمور میں گئے۔ سفید پوش جماعت بھی ساتھ گئی مگر دوسری کو روک دیا گیا اگرچہ وہ بھی خیر پر تھی۔ حضور علیہ السلام نے سفید پوش امتیوں کے ساتھ وہاں نماز ادا فرمائی۔ (خصائص کبری جلد اول صفحہ ۳۴۳) پھر سدرۃ المنتہیٰ میں سلسبیل نامی چشمہ دیکھا جس سے دو نہریں پھوٹ رہی تھیں ایک نہر رحمت اور دوسری نہر کوثر۔ آپ ﷺ نے نہر رحمت میں غسل فرمایا تو آپ ﷺ کی اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف کردی گئیں۔

نہر کوثر: آپ ﷺ نے فرمایا کہ ساتویں آسمان پر مجھے اس کی پشت کی طرف لے جایا گیا۔ وہاں ایک نہر دیکھی جس پر یاقوت، موتیوں اور زمرد کے خیمے تھے اور سبز پرندے نہایت خوبصورت تھے۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ نہر کوثر جو اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر آپ کو عطا فرمائی ہے اس کا پانی دودھ سے سفید تر تھا۔ میں نے ایک برتن لے کر اس کا پانی پیا جو شہد سے شیریں تر اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ (ابی بن حاکم بطریق یزید بن ابی مالک و حضرت انس بن مالک نیز خصائص کبری جلد دوم (اردو ترجمہ) صفحہ ۳۰۵)

حضرت انسؓ سے مروی ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں جنت میں گھوم رہا تھا کہ ایک نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر مجوف موتیوں کے قبے نصب تھے۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے اور جس کی مٹی خالص کستوری ہے۔ (بخاری شریف)

صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان بیٹھے بیٹھے سو گئے۔ پھر مسکراتے ہوئے جاگے اور فرمایا "ابھی مجھ پر سورۃ کوثر نازل ہوئی ہے۔ کوثر وہ نہر ہے جس

Marfat.com

پر قیامت کے روز میری امت اترے گی اور اس پر پیالوں کی تعداد ستاروں کی طرح تعداد اور بے حساب ہوگی۔ (انوار محمدیہ از علامہ یوسف نبہانی ترجمہ اردو، مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور صفحہ ۲۳۳،۲۳۴)

زانی اور غیبت کرنے والے: فرمایا "مجھے معراج ہوئی تو ایک قوم پر سے گزر ہوا جس کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ لوگ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مردہ بھائیوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور آبرو ریزی کیا کرتے تھے۔" (احمد، ابوداؤد عن انس بن مالک)

قرض اور صدقہ کا ثواب: فرمایا کہ معراج میں، میں نے جنت کے دروازہ پر یہ لکھا دیکھا کہ صدقہ کا دس گنا اور قرض کا اٹھارہ گنا ثواب ہے۔ جبرئیل نے بتایا کہ قرض، صدقہ سے اس لئے افضل ہے کہ صدقہ لینے والا سائل اپنے پاس کچھ نہ کچھ ہونے کے باوجود سوال کرتا ہے جبکہ قرض لینے والا حاجت کے وقت ہی قرض لیتا ہے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، ابن ابی حاتم وابن مردویہ عن انس)

واقعہ معراج کے بعد: ابن مردویہ ابی ہاشم سے بطریق حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا بدن معراج شریف کے بعد اس قدر خوشبودار ترین ہو گیا تھا کہ آپ کی خوشبو دلہن جیسی عمدہ دلہن سے زیادہ پاکیزہ تھی۔ (خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۳۰۸)

ایک مومنہ کی خوشبو: فرمایا کہ شب معراج میں مجھے ایک پاکیزہ خوشبو محسوس ہوئی۔ پوچھنے پر جبرئیل نے بتایا کہ یہ اس مومنہ کی خوشبو ہے جو ایک "فرعون" کی بیٹی کے سر میں کنگھی کر رہی تھی۔ اسی اثناء میں کنگھی زمین پر گر گئی تو اس نے کہا "فرعون ہلاک ہو۔" بیٹی نے باپ سے اس کی چغلی کھائی چنانچہ فرعون نے اس مومنہ عورت کو قتل کروا دیا۔ (ابن مردویہ بطریق قتادہ، مجاہد، ابن عباس وابی بن کعب)

ملاء اعلیٰ اور جبرئیل: فرمایا ﷺ کہ میں نے ملاء اعلیٰ کے پاس جبرئیل کو خشیت الٰہی سے اس پرانے کمبل کی طرح دیکھا جو اونٹ کی کمر پر چمٹا رہتا ہے۔ (ابن مردویہ عن جابر بن عبداللہ)

سود خور کا حال: فرمایا ﷺ کہ معراج کی شب ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک نہر میں ڈبکیاں لگا رہا ہے اور پتھروں کو کھا رہا ہے۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ سود خور ہے۔ (ابن مردویہ عن سمرۃ بن جندب)

عرش پر کلمہ شریف: ابن سعد حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج میں جب مجھے جبرئیل آسمانوں پر لے گئے تو میں نے سموات علیٰ میں ایک تسبیح سنی جس سے میرا دل دہل گیا۔ جبرئیل امین نے کہا "یا رسول اللہ! بلا خوف تشریف لے چلیے۔" آپ ﷺ کا اسم مبارک عرش پر اس طرح مکتوب ہے **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** (خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۳۸ اردو ترجمہ، مطبوعہ فرید بک سٹال)

Marfat.com

لاہور)

یاجوج ماجوج کو تبلیغ: ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے مجھے یاجوج ماجوج کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجا۔ میں نے ان کو اللہ کے دین اور اس کی عبادت کی طرف بلایا مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پس اولاد آدم اور اولاد شیطان میں سے جو نافرمان ہوں گے وہ ان کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ (ایضاً صفحہ ۳۱۸ و معارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۲۳)

تخفیف در تخفیف: ابوداؤد، بیہقی نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ معراج کی شب آپ ﷺ کو پچاس نمازیں، غسل جنابت سات مرتبہ اور کپڑے پر پیشاب کو بھی سات مرتبہ دھونے کا حکم ملا تھا۔ آپ ﷺ برابر درخواست کرتے رہے بالآخر پانچ نمازیں رہ گئیں اور غسل جنابت اور پیشاب سے آلودہ کپڑے کو ایک ایک مرتبہ دھونے کا حکم ہو گیا۔ (ایضاً صفحہ ۳۱۹)

تحفہ معراج: ابن مسعودؓ کے مطابق معراج میں حضور علیہ السلام کو تین خصوصی چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) پانچ نمازیں (۲) سورہ بقرہ کی آخری آیات (۳) آپ ﷺ کی امت کا ہر غیر مشرک کبائر کا گنہگار کہ اس کی مغفرت کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۳۱۹)

تین عطیے: فرمایا کہ مجھے معراج کی رات موتیوں کا ایک محل دکھایا گیا جس کا فرش سونے کا تھا اور وہ نور سے چمک رہا تھا۔ وہاں مجھے تین چیزیں عطا ہوئیں کہ آپ ﷺ سید المرسلین امام المتقین اور قائد الغر المحجلین ہیں۔ (بزار، ابن قانع اور ابن عدی عن عبداللہ بن اسعد بن زرارہؓ نیز بغوی اور ابن عساکر نے بھی یہ روایت بیان کی ہے)

فرشتوں کی امامت: فرمایا کہ شب معراج میں آسمانوں پر ایک جگہ ایک فرشتہ نے اذان کہی اور ہر کلمہ پر اللہ تعالیٰ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ پھر وہاں رسول اللہ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ آگے بڑھئے۔ آپ ﷺ آگے بڑھے اور اہل السموات نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ چنانچہ آپ کا شرف و فضل تمام امت پر اتمام پذیر ہو گیا۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۳۲۳ بحوالہ ابو نعیم عن محمد بن الحنفیہؒ)

(ایسی ہی روایت بزار نے حضرت علیؓ سے نقل کی ہے۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۰۷ اردو)

(فرمایا ﷺ کہ جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو وہاں جبرئیل نے اذان دی۔ فرشتوں کو خیال ہوا کہ جبرئیل انہیں نماز پڑھائیں گے مگر جبرئیل نے مجھے ﷺ آگے کر دیا اور میں نے فرشتوں کو نماز پڑھائی۔ ابن مردویہ بروایت ہشام بن عروہؒ خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۳۵۰)

عرش کے داہنے پایہ پر نام محمد ﷺ: فرمایا کہ جب مجھے ساتویں آسمان تک لے جایا گیا تو میں نے دیکھا کہ عرش کے داہنے پائے پر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہے۔ (طبرانی عن ابن ابی قانع و ابن مردویہ عن ابی الحمراء و خصائص کبریٰ (اردو ترجمہ) جلد

Marfat.com

اول صفحہ ۳۲۹)

جابلقاو جابلسا کو تبلیغ: یاجوج وماجوج کو تبلیغ کی تھی تو وہ ایمان نہ لائے تھے۔ پھر آپﷺ جبرئیل کے ہمراہ دو شہروں پر سے گزرے۔ ایک مشرق میں تھا اور دوسرا مغرب میں۔ مشرقی شہر کے لوگ قوم عاد کے وہ لوگ تھے جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا کر تباہی سے محفوظ رہے تھے۔ اس شہر کا سریانی نام برقیسا ہے جو عربی میں "جابلقا" ہے جبکہ مغربی شہر کا سریانی نام برجیسا ہے جو عربی میں "جابلسا" ہے۔ حضور علیہ السلام نے دونوں شہروں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کرلی چنانچہ فرمایاﷺ کہ وہ ہمارے دینی بھائی ہیں۔ ان کے نیک ہمارے نیکوں کے ساتھ اور ان کے برے ہمارے بدوں کے ساتھ ہوں گے۔

تین قوموں کو تبلیغ: پھر آپﷺ کو تین دیگر اقوام کے پاس لے جایا گیا۔ جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ان میں ایک گروہ "منسک" کہلاتا ہے، دوسرا "تاویل" اور تیسرے کا نام "تاریس" ہے۔ آپﷺ نے ان سب کو اسلام کی دعوت دی مگر سب نے انکار کر دیا۔ پس آپﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ دوزخ میں کافروں کے ساتھی ہوں گے۔

رجال الغیب سے ملاقات اور ان کو تبلیغ: آپﷺ کو ایک ایسی قوم کے پاس پہنچایا گیا جس کی تعریف قرآن میں اس طرح وارد ہے **ومن قوم موسی امة یھدون بالحق وبه یعدلون** (اعراف ۱۵۹) جبرئیل نے ان کا تعارف کرایا۔ جب اس قوم کو پتہ چلا کہ یہ آخری نبی حضرت محمدﷺ ہیں تو وہ بہت خوش ہوئی۔ آپﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی جس کو انہوں نے قبول کرلیا اور آپ کی نبوت اور رسالت کی گواہی دی۔ انہوں نے بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے آپﷺ کی بعثت کی خبر دی اور حکم دیا تھا کہ آپ کا اتباع کریں۔ لہٰذا ہم مدت دراز سے آپﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔ الحمد للہ کہ آج اللہ تعالیٰ نے کرم نوازی فرمائی اور آپﷺ کی زیارت و تعلیم کی دولت ملی۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اس قوم میں چند باتیں مشاہدہ کیں:

۱۔ ان میں کچھ لوگ سلیم الطبع اور زرد رو تھے اور ان کے لباس اونی تھے۔ ان سب کے گھروں کی دیواریں برابر تھیں اور مکانوں کے دروازے نہ تھے۔ ان کی سرائیں قبرستانوں کے نزدیک اور مسجدوں سے دور تھیں۔ وہ مسجدوں میں معتکف تھے۔ وہ اپنے نومولود کو دیکھتے تو روتے اور کسی کے فوت ہونے پر خوشی مناتے۔ وہ خدا، اس کے رسولوں نبیوں، فرشتوں اور آسمانی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان رکھتے تھے۔ فرائض ادا کرتے تھے، صلہ رحمی کرتے۔ راضی برقضا اور صابر و شاکر تھے۔ دشمنی، غیبت، چوری اور دیگر برائیوں سے پاک تھے۔ دن کو روزہ اور رات کو عبادت ان کا شیوہ تھا۔ دنیا میں فقر کو ترجیح دیتے تھے اور آخرت کی نعمتوں کے امیدوار تھے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کے سچے اور مخلص پیروکار تھے۔

Marfat.com

آپ ﷺ کے استفسار پر ان لوگوں نے بتایا کہ ہمارے چہرے خوف خدا کی وجہ سے زرد ہیں اور عام مساوات کی وجہ سے سب کے گھر برابر ہیں اور ان کے دروازے اس لئے نہیں کہ ہم میں کوئی چور اور خائن نہیں ہے۔ ہماری دکانوں کے دروازے بھی نہیں کیونکہ ہر کوئی ایمانداری کے ساتھ دکان سے جو چیز بھی لیتا ہے پہلے اس کی قیمت وہاں رکھ دیتا ہے۔ گھر مسجدوں سے دور اس لئے ہیں کہ وہاں تک جانے کا ثواب قدموں کی گنتی کے لحاظ سے زیادہ ملے اور قبرستان گھروں کے نزدیک ہے تاکہ آتے جاتے موت کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ نومولود کو دیکھ کر روتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کے قیدخانہ میں آتا ہے اور مرنے پر خوشی اس لئے مناتے ہیں کہ اس قید سے اسے رہائی ملتی ہے۔ فرمایا ان میں کوئی شخص بیمار نہیں ہوتا کیونکہ بیماری گناہوں کا کفارہ ہے اور وہ گناہ بھولے سے بھی نہیں کرتے لیکن اگر گناہ سرزد ہو جائے تو رعد کی آواز گنہگار کو اس کے گھر سمیت جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر ان لوگوں نے مجھ سے درخواست کی کہ ہمیں اسلام کی تعلیم عطا فرمایئے۔ پس میں ﷺ نے ان کے حسب حال ان کو تعلیم دی اور نصیحتیں کیں یعنی یہ کہ سختیوں پر توفیق صبر مانگو اور صبر کرو۔ اللہ سے ڈرو، فخر و غرور سے اجتناب کرو، اللہ کی رحمت پر بھروسہ رکھو۔ اگر موسیٰ علیہ السلام اور میری ملاقات کے مشتاق ہو تو ہمیشہ خوف خدا اور اس کے در سے امید رکھتے ہوئے زندگی بسر کرو۔ پھر میں ﷺ نے ان کو الوداعی سلام کہا۔ انہوں نے عرض کی کہ ہمارے حق میں دو دعائیں کیجئے۔ پہلی یہ کہ ہم ہر سال حج اور مکہ معظمہ کی زیارت کا شرف چاہتے ہیں۔ ہمارے لئے زمین کو لپیٹ دیا جائے تاکہ ہم یہ شرف ہر سال حاصل کر سکیں کیونکہ ہماری سرزمین ساتویں زمین کے بھی پیچھے ہے۔

جب تک اسے لپیٹا نہ جائے گا ہم ہر سال یہ سعادت حاصل نہ کر سکیں گے۔ دوسری یہ کہ ہمیں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کر دیا جائے تاکہ لوگ ہماری وجہ سے فتنہ میں نہ پڑیں چنانچہ آپ ﷺ نے دعا کی اور ہر دو امور ان کے لئے قبول کر لئے گئے۔ پس وہ لوگ ہر سال پوشیدہ طور پر حج کے لئے آتے ہیں اور کوئی شخص ان کے حال سے واقف نہیں ہوتا۔ (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۳۴-۵۳۶، ار دو)

(سات زمینوں کا ذکر قرآن میں ہے۔ وہ کہاں ہیں؟ ہماری عقلیں رسائی سے قاصر ہیں اور ظن و تخمین سے آ ہوئے تا ہماری ہاتھ نہیں آ سکتا۔ اللہ کی باتیں اللہ ہی جانے **وفوق كل ذى علم عليم**)

جنات سے ملاقات: اس کے بعد آپ ﷺ کا گزر جنات پر ہوا۔ وہ سب آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا پھر انہوں نے کہا **اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده و رسوله** پھر انہوں نے درخواست کی کہ ہمارے سامنے اپنا دین پیش کیجئے۔ میں ﷺ نے کہا: مجھے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

(وہ چونکہ پہلے ہی اللہ پر اور حضور علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اور ان کو مزید تعلیم کی ضرورت اللہ کی نظر

Marfat.com

میں نہ ہوئی لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم نہ دیا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم!)

انبیاء علیہم السلام کی شبیہیں اور مکہ کو واپسی: فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم کہ جنات کو الوداع کہہ کر آگے بڑھا اور بیت المقدس پہنچا۔ براق کو وہاں ایک چبوترے پر بندھا پایا۔ میں نے وہاں اس نعمت معراج پر شکرانے کے دو نفل ادا کیے۔ پھر جبرائیل امین نے مجھے انبیاء علیہم السلام کی صورتیں دکھائیں۔ ان میں میری صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شبیہ بھی موجود تھی۔ ابوبکر صدیقؓ میرے دائیں جانب اور عمر فاروقؓ بائیں جانب تھے۔ پھر میں مسجد سے باہر آیا۔ جبرائیل نے مجھے براق پر سوار کرایا اور پلک جھپک میں خود کو مکہ معظمہ میں پایا۔

(معارج النبوۃ اردو جلد ۲ صفحہ ۵۳)

گرم گرم بستر: فرمایا کہ جب میں واپس پہنچا تو دیکھا کہ جس بستر سے اٹھ کر معراج واسریٰ کے لئے گیا تھا وہ ابھی تک اسی طرح گرم (اور نگھا) تھا۔

(معارج النبوۃ اردو جلد ۲ صفحہ ۵۳)

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم حضرت عمارہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا معراج کے لئے اور واپسی کا عمل تین ساعت میں مکمل ہو گیا تھا۔ وہب بن منبہ اور ابن اسحاق نے یہ مدت چار ساعت بیان کی ہے۔

(معارج النبوۃ اردو جلد ۲ صفحہ ۵۳)

تفسیر روح المعانی (پارہ ۱۵) میں ہے کہ آپ اٹھارہ سال تک یہ سیر فرماتے رہے لیکن واپسی پر بستر کی زنجیر ہلتی ہوئی پائی اور وضو کا پانی رواں تھا۔

ایک سوال اور اس کا جواب: سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس قدر دنیاؤں کی سیر کرائی گئی لیکن واپسی پر بستر گرم پایا یہ کیسے ممکن ہے؟ قرآن میں عزیر علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ان کا گدھا تو سو سال میں بکھر کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا مگر ان کا کھانا تازہ بتازہ تھا تو گویا ہمیں ممکنات کی بحث میں پڑنے کی بجائے قادر مطلق کی قدرت پر ایمان رکھتے ہوئے عمل و جہد اور ایمان و یقین میں آگے بڑھنا چاہئے۔

عطیہ ہائے معراج اور نماز وغیرہ

قرب ہی قرب و دنیت عظمیٰ: حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے ایک مقام پر جبرائیل ساتھ چھوڑ گئے تو اسرافیل میرے ساتھ ہو لئے اور حجابات کا مرحلہ طے ہونے لگا۔ پہلے حجاب پر پہنچا ... فرشتہ نے سرور ثقلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا سن کر پردہ اٹھا دیا۔ یہاں سے اسرافیل واپس ہو گئے اور میں صلی اللہ علیہ وسلم اس فرشتہ کے ساتھ آگے بڑھا حتیٰ کہ اسی طرح سے حجابات طے ہو گئے۔ آگے ایک مرصع کرسی دیکھی جس پر مجھے بٹھایا گیا لیکن ایک آواز سنتے ہی مجھ پر

Marfat.com

ہیبت چھائی اور میں گرنے کے قریب ہوا کہ اتنے میں آب رحمت کا ایک قطرہ میرے منہ میں گرا۔ اس قطرہ کی برکت سے اولین اور آخرین کے تمام علوم مجھ پر منکشف ہو گئے اور دہشت جاتی رہی۔ پھر مجھے حکم ہوا کہ اللہ کی حمد و ثناء کروں۔

بارگاہ رب العزت سے التحیات کا تحفہ: حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس ارشاد پر میں نے اللہ کی تعریف اس طرح کی **التحیات لله والصلوات والطیبات** جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا **السلام علیک ایها النبی و رحمة الله و برکاته** جس کا جواب میں نے یہ دیا **السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین**

جب ملکوت کے فرشتوں نے میرا یہ مقام مشاہدہ کیا تو ان میں سے ہر ایک نے یک زبان ہو کر ملکوت و جبروت میں غلغلہ انداز ہوتے ہوئے کہا:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد عبده و رسوله

اور یہ مکالمات و مسالمات اللہ تعالیٰ نے ہماری نمازوں میں لازم فرما دیئے چنانچہ حضور نے فرمایا **الصلوة معراج المومنین** "نماز مومنوں کی معراج ہے۔"

سورۃ بقرہ کی آخری آیات کا عطیہ: معراج میں حضور علیہ السلام کو **آمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون---الخ** کا عطیہ بھی مرحمت ہوا جس میں امت مسلمہ کی مغفرت اور بخشش کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم کا ذکر اذکار ہے اور امت مسلمہ کی فضیلت دوسری امتوں پر واضح کی گئی ہے کہ وہ سب انبیاء علیہم السلام، ملائکہ، آسمانی کتب اور رسولان برحق پر ایمان لانے والی ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسری قومیں بعض پر ایمان لاتی ہیں بعض کی منکر ہیں۔ اس وجہ سے ان آیات میں جملہ مسلمانوں کو بخشش مانگنے کا طریقہ تعلیم کیا گیا ہے۔ جب سوال کا جواب بتانے والا وہ ہو جس نے امتحان لینا ہے تو پھر بھی جو کوئی اس جواب کو یاد نہ کرے اس سے بڑھ کر شقی کون ہو گا؟ **استغفر الله ربی من کل ذنب واتوب الیه**

التحیات کے لطیف اشارات: حضور علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں تین فضیلتیں تحیات، صلوات اور طیبات پیش کیں اور اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں سلام، نبوت، رحمت اور برکتیں عطا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے سلام قبول کرتے ہوئے صلحائے امت کو اس جگہ یاد فرمایا **السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین** آواز آئی "یا محمد ﷺ! ہم جبریل کو بھی اپنی بارگاہ خاص میں داخل نہیں ہونے دیتے مگر آپ ﷺ نے اپنی امت کو اپنے ساتھ شریک کر لیا ورنہ یہ "علینا" کیا ہے۔ عرض کی "اے اللہ میری امت اگرچہ جسمانی لحاظ سے میرے ساتھ نہیں ہے مگر روحانی لحاظ سے میرا ہر امتی میری جان کے ساتھ پیوستہ ہے اور میری

Marfat.com

ﷺ نظر عنایت ہر غائب و حاضر کے ساتھ ہے (۱) اور تیری عنایتوں میں سے اپنی امت کو اس کا حصہ ضرور عطا کروں گا۔ (معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۶۵-۴۶۹) (تلخیص و مفہوم)

(۱) (حضور رحمۃ للعالمین ہیں۔ (قرآن) ارشاد باری ہے ان رحمة الله قریب من المحسنین (اعراف-۵۶) تو گویا بطور رحمت عالم حضور کی ذات اقدس محسنین کے قریب ہے۔ اسی لئے ہر مسلمان دور و نزدیک سے السلام علیک ایھا النبی کہہ کر نماز میں آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے اور وہ سلام آپ ﷺ کو پہنچتا ہے کیونکہ روحانی طور پر حضور امت کے ساتھ پیوستہ ہیں۔)

فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ:

معراج کی رات حضور علیہ السلام کو بلاواسطہ جبریل جن نوازشات سے نوازا گیا۔ وہ حیطہ تحریر میں نہیں آسکتیں۔ یہاں تصور و تخیل عاجز ہیں۔ شارحین تشنہ لب، متکلمین حیران و ششدر، محبوب ﷺ اور محب کے اسرار کوئی دوسرا کیا جانے مگر وہی جن کا اظہار محبوب نے فرمادیا۔ باقی راز تو راز ہی ہیں۔ اسی لئے کچھ کہنے والے یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم   کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد ﷺ است

علماء کرام نے احادیث و آثار کی رو سے اس بحر اسرار کی غواصی کی کوشش کی ہے۔ وہ گوہر مقصود پانے میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں؟ کوئی کیا سمجھے کوئی کیا جانے؟ چند اشارات ملاحظہ ہوں:

حدیث شریف میں آیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت (صفت) میں دیکھا۔ **فقال یا محمدُ فبما یختصم الملئکۃ الملاء الاعلی** یعنی اللہ تعالیٰ نے پوچھا یا محمد ﷺ! ملاء اعلیٰ اور عالم بالا کے مکین کس بات پر بحث کرتے ہیں؟ تو میں ﷺ نے عرض کیا یا اللہ! تو ہی بہتر جانتا ہے۔ اس پر **فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردھا بین ثدی** اللہ تعالیٰ نے اپنا کف قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا جس سے خوشی اور شادمانی کا اثر میں نے اپنے سینے میں محسوس کیا اور پھر زمین و آسمان کے مغیبات میرے آگے منکشف ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا "یا محمد ﷺ **ھل تدری بما یختصم الملاء الاعلی** کیا اب سمجھ آئی کہ ملاء اعلیٰ والے کیوں جھگڑتے ہیں۔ میں ﷺ نے عرض کیا کہ وہ کفارات پر جھگڑ رہے ہیں۔ پوچھا کفارات کیا ہیں؟ میں ﷺ نے کہا **اسباغ الوضو فی البردات والمشی بالاقدام الی الجماعات وانتظار الصلوت بعد الصلوت** یعنی کفارات یہ ہیں کہ (۱) سردیوں میں اچھی طرح وضو کرنا (باعث مغفرت ذنوب ہے۔) (۲) جماعت کے ساتھ نماز کے لئے پیدل جانا (۳) ایک نماز کی ادائیگی کے بعد اگلی نماز کا انتظار کھینچنا گناہوں کا کفارہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ ملاء اعلیٰ کفارات، منجیات، درجات اور مہلکات میں جھگڑ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **صدق عبدی** میرے بندے

Marfat.com

نے سچ کہا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا میرے محبوب ﷺ سے جو کچھ پوچھنا چاہو پوچھ لو چنانچہ اسرائیل علیہ السلام نے کفارات کے بارے میں پوچھا اور حضور علیہ السلام نے مذکورہ بالا جواب عطا فرمایا جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا **صدقت یا محمد صلی اللہ علیک وسلم** پھر جبرئیلؑ نے پوچھا **ما المنجیات** یعنی عذاب الٰہی سے بچانے والی کیا چیزیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

خشیۃ اللہ تعالیٰ فی السر والعلانیہ والقصد فی الفقر والغنا والعدل فی الغضب والرضاء یعنی منجیات یہ ہیں کہ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرے، ناداری اور تونگری میں میانہ روی نبھائے قہر و غضب اور انبساط و سرور کی حالت میں عدل کا دامن نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **صدقت یا محمد** ﷺ! پھر میکائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا **ما الدرجات** یا رسول اللہ درجات کو بلند کرنے والے کون سے اعمال ہیں؟ فرمایا **اطعام الطعام و اجبار السلام والصلوٰۃ باللیل والناس ینام** بھوکے کو کھانا کھلانا سلام کہنا (پہلے) اور رات کو نماز پڑھنا جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "صدقت یا محمد ﷺ! پھر عزرائیل آئے اور عرض کیا **ما لمہلکات یا** رسول اللہ مہلکات کیا ہیں؟ فرمایا **شح مطاع وھوی متبع و اعجاب المرء بنفسہ** یعنی مہلکات یہ ہیں کہ بخیل کی اطاعت گزاری، نفسانی خواہشوں کی پیروی اور اپنے عملوں پر غرور۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **صدقت یا محمد صلی اللہ علیک وسلم** منقول ہے کہ ان مسائل پر فرشتے چار ہزار سال سے بحث کر رہے تھے مگر جواب نہ ملتا تھا۔ معراج کی شب حضور علیہ السلام سے ان مسائل کا جواب پایا تو حضور علیہ السلام کی عظمت کے دل سے معترف ہوئے۔

(معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۸۱۔ ۴۸۳)

شفاعت امت: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا **اعبد تنا فی الخلوۃ فاشفع لامتک فی الخلوۃ** "آپ ﷺ نے ہماری عبادت خلوت میں کی ہے لہٰذا اپنی امت کی شفاعت بھی خلوت میں کیجئے۔" (معارج النبوۃ اردو جلد دوم صفحہ ۴۸۴)

مقصود حقیقی: فرمایا گیا یا محمد ﷺ **انا و انت وما سوی ذالک خلقتہا لاجلک** یعنی میں اور آپ ﷺ مقصود ہیں اور باقی کائنات اور تمام مخلوق آپ ﷺ کی وجہ سے پیدا کی ہے۔ (ایضاً)

بہشت بریں: فرمایا گیا یا محمد ﷺ بہشت بریں تمام انبیاء پر اس وقت حلال ہوگی کہ پہلے اس میں آپ ﷺ داخل ہو گئے اور اسی طرح دوسری امتیں آپ کی امت کے بعد بہشت میں داخل ہوں گی۔ (ایضاً)

Marfat.com

امت محمدی ﷺ کی فضیلت: فرمایا گیا میں نے تمہاری امت کو زیادہ مالدار نہ کیا تاکہ بروز حشر اس کا حساب لمبا نہ ہو جائے۔ ان کی عمریں دراز نہ رکھیں تاکہ وہ دنیا کی محبت میں کھب کر نہ رہ جائیں۔ انہیں اچانک موت نہیں دیتا تاکہ وہ بغیر توبہ کے نہ مریں اور اسے آخری زمانہ میں پیدا کیا تاکہ قبر میں لمبے عرصہ تک رہنا نہ پڑے۔ (ایضاً صفحہ ۴۸۵)

اہل ذکر و شکر: فرمایا گیا مجھے یاد کرنے والے میرے مہمان ہیں اور شکران نعمت کا صلہ زیادتی نعمت ہے۔ شکر گزاروں کو میں اپنی رحمت سے مایوس نہیں ہونے دیتا۔ بیماروں کے لئے میری شفا ہے۔ تائبوں کے لئے میری دوستی ہے۔ مصائب میں، میں ان کا ولی اور مددگار ہوں تاکہ وہ تمام عیبوں سے پاک ہو جائیں۔

توحید ابدی: فرمایا گیا ہر عمل کی سزا و جزا ہے۔ میرے سوا ہر دوستی کچی ہے۔ مخلوق بے اختیار ہے۔ اس سے ناامید ہو کر میرے ہو جایئے۔ میری صحبت اختیار کیجئے کیونکہ آخر میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ (ایضاً)

حضرت فاطمہؓ کا استفسار: حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے کیا فرمایا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں نے تمہاری امت کے گناہوں کو دیکھا تو میں نے ہر ایک پر عفو و درگزر کی ہی نظر ڈالی۔ (ایضاً)

امت کی بخشش: فرمایا گیا اے محمد ﷺ! میرے لئے کیا لائے ہو، عرض کیا یا اللہ دو ہاتھ لایا ہوں۔ ایک ہاتھ میں تقصیر طاعت اور دوسرے میں جفا و معصیت ہے یعنی ایک ہاتھ میں تیری نامکمل سی بندگی ہے اور دوسرے میں امت کے گناہوں کا پلندہ۔ فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کی امت کی تقصیر طاعت کو اپنی رحمت سے معاف کیا اور جفا و معصیت کو آپ کی شفاعت کے وسیلہ سے بخش دیا۔ (ایضاً صفحہ ۴۸۶)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ مانگئے تاکہ عطا کروں۔ عرض کی یا اللہ! تو تو میری مراد سے آگاہ ہے۔ میں کیا عرض کروں۔ فرمایا **انت شفیعهم فیما یقصرون فی فرائضی وانا اکون شفیعا لهم فیما یقصرون سنتک** یعنی آپ ﷺ ان کے شفیع بن جایئے اس میں کہ جو انہوں نے میرے فرائض میں تقصیر کی اور میں آپ کی سنتوں کی تقصیر پر ان کا شفیع ہوا۔ (ایضاً)

نیز فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کی امت کی دو حالتیں ہیں، فرمانبردار یا عاصی۔ فرمانبرداری میری رضا و توفیق سے ہے جسے میں قبول کروں گا اور معصیت میری قضا سے ہے جس کو میں رحیم و کریم ہونے کے سبب معاف کر دوں گا۔ (ایضاً) حضرت فاطمہؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے بدرگاہ رب العزت امت کی بخشش کا سوال کیا فرمایا، میں نے کل امت کا تیسرا حصہ آپ کی خاطر بخش دیا اور باقی دو حصے قیامت کے روز آپ ﷺ کے سپرد کر دوں گا۔ فرمایا گیا اے محمد ﷺ آپ کیا چاہتے ہیں؟ عرض کیا "اپنی امت کی

Marfat.com

بخشش۔" فرمایا ستر ہزار امتی بخش دیئے گئے اور کیا چاہئے عرض کیا امت کی بخشش حتیٰ کہ سات سو بار یہی سوال ہوا اور جواب میں ہر دفعہ ستر ہزار کی بخشش ہوئی۔ آخر فرمایا کہ کب تک مانگتے رہو گے عرض کیا تیری رحمت کی وسعت بے حساب ہے تو میں مانگنے سے کیوں رکوں۔ فرمایا اگر آپ ﷺ کی ساری امت کو اپنی رحمت سے بخش دوں تو یہ میری رحمت کا اظہار ہوگا اور میرے دربار میں آپ ﷺ کی جو عظمت و شان ہے وہ اس طرح ظاہر نہ ہو سکے گی۔ لہٰذا تہائی امت اپنی رحمت سے بخشتا ہوں اور دو تہائی حشر میں آپ ﷺ کی شفاعت کے وسیلہ سے بخش دوں گا تاکہ تمہاری عزت و عظمت سبھی پر ظاہر ہو جائے۔ (ایضاً صفحہ ۴۸۷)

عرض ﷺ کی گئی کہ حشر میں میری امت کا حساب میرے سپرد فرما دینا۔ فرمایا گیا کہ میں تمہاری امت کا حساب اس طرح لوں گا کہ آپ ﷺ بھی ان کی بداعمالیوں سے واقف نہ ہو سکیں گے اور جب امت کے اعمال کو اس کے پیغمبر سے پوشیدہ رکھوں گا تو بیگانوں کے سامنے اس کی رسوائی مجھے کیسے گوارا ہو سکتی ہے۔ آپ کی ان پر شفقت بطور رسول کریم ہے تو میری ان پر رحمت اس لئے ہے کہ میں ان کا خالق و مالک و رب ہوں۔ آپ ﷺ ان کے نبی ہیں تو میں ان کا معبود و مسجود ہوں۔ آپ ﷺ کی نظر تو آج سے ان پر پڑی ہے جبکہ وہ ازل تا ابد میری نظر عنایت میں ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۴۸۸)

بارگاہ رب العزت میں علامہ اقبال یوں عرض کرتے ہیں:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
تو اگر دانی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور علیہ السلام سے **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** کے اسرار میں سے ایک کلمہ بتانے کی درخواست کی۔ فرمایا ﷺ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر مجھے تمہاری امت سے بات کرنا پسندیدہ نہ ہوتا تو میں تمہاری امت کو بلا حساب و کتاب بخش دیتا۔ (مگر چونکہ آپ کی امت کی عذر خواہی کی باتیں سننے کا چاؤ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے امت محمدی ﷺ کا حساب لینے کا پروگرام بنا رکھا ہے گویا "تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے۔" حضرت عمرؓ کی ایسی ہی درخواست پر فرمایا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے میری امت کی شکایت کی کہ وہ خلوت میں گناہ کرتی ہے اور جلوت میں اظہار اطاعت کرتی ہے اور میں اس کے باطن پر نظر کر کے اپنی شان کریمی سے اس کی پردہ پوشی کرتا ہوں۔ (ایضاً)

یہی درخواست حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کی تو فرمایا ﷺ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ﷺ کہا کہ اگلی امتیں جب گناہ کرتیں تو ان پر عذاب بھیجا جاتا اور ان کو فوراً سزا دی جاتی لیکن تمہاری امت کے گناہوں کو نیکیوں کے صدقے میں حسنات میں بدل دیتا ہوں اور اس پر اپنی رحمت برساتا ہوں۔ (ایضاً صفحہ ۴۸۹)

یہی سوال خاتون جنت بی بی فاطمہؓ نے کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شکایت کی کہ تمہاری امت مجھے رازق جانتے ہوئے بھی رزق کے معاملے میں مجھ پر بھروسہ نہیں کرتی اور نارسیدہ غم کو

Marfat.com

اپنے اوپر مسلط کر کے تصویر غم بن جاتی ہے۔ نیز میں نے بہشت کو تمہاری امت کے لئے پیدا کیا ہے مگر وہ اعمال خیر کے ذریعے بہشت سے رغبت کی خواہاں نہیں جبکہ دوزخ جو کہ منکروں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تمہاری امت اس کی طرف بھاگتی ہے اور میری نافرمانی کرتی ہے۔ نیز تمہارے امتی، لوگوں کی ملامت سے ڈر کر، چھپ کر گناہ کرتے ہیں اور مجھے حاضر ناظر جانتے ہوئے بھی مجھ سے شرم نہیں کرتے۔ میں ان سے "آج" کی عبادت و اطاعت کا تقاضا کرتا ہوں جبکہ وہ مجھ سے ہفتوں مہینوں اور سالوں کی روزی مانگتے ہیں۔ میں ہر ایک کی روزی اسی کو دیتا ہوں مگر وہ میری عبادت میں دوسروں کو شریک کر لیتے ہیں یعنی ریاکاری کرتے ہیں۔ وہ میری بجائے غیروں سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں اور غیروں سے ہی ڈرتے ہیں۔ نیز نعمتیں میں عطا کرتا ہوں مگر تمہارے امتی انہیں غیروں کا عطیہ سمجھتے ہیں اور ان کا شکر بجالاتے ہیں۔ میں ان کے اعمال بد سے واقف ہو کر بھی فرشتوں کے سامنے ان کی شکایت نہیں کرتا مگر وہ ذرا سی مصیبت آجائے تو دنیا جہان کے سامنے دہائی دینے لگتے ہیں اور ناشکری کرتے ہیں۔ (ایضاً) فرمایا ﷺ کہ اللہ نے مجھے بتایا کہ میرے اور آپ کی امت کے درمیان سات یا نو شرطیں ہیں جو آپ ﷺ کے لئے دلی سکون کا سبب بن سکتی ہیں:

۱۔ بندے کی اطاعت اس کی طاقت کے مطابق قبول کرتا ہوں لیکن جزا دیتے وقت اپنی بلند شان کے مطابق اسے زیادہ سے زیادہ نوازوں گا۔

۲۔ تائب کی توبہ قبول کروں گا اور اسے گناہوں سے یوں پاک کردوں گا جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ تھا۔

۳۔ میں بندے کے ساتوں اعضاء پر نظر ڈالتا ہوں اگر ایک عضو بھی طاعت میں ہو گا تو باقی چھ کی معصیت اسی ایک کے صدقے میں نابود کر کے دوزخ کے ساتوں درجوں سے اسے نجات دوں گا اور جنت کے آٹھوں درجات کا مستحق بنا دوں گا۔

۴۔ گناہوں پر نادم بندوں کو بخش دوں گا۔

۵۔ گناہوں پر پشیمان ہو کر آئندہ کے لئے تائب ہونے والوں پر میں اپنی مصیبت بھیجتا ہوں تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے۔

۶۔ میں سال میں دو مرتبہ دوزخ کے دروازے کھولتا ہوں۔ موسم گرما میں آگ والا حصہ اور سرما میں زمہریر والا حصہ تاکہ آپ ﷺ کی امت آخرت میں اس سے محفوظ رہے۔

۷۔ میں تمہاری امت کا حساب اپنے فضل عمیم سے لوں گا عدل سے نہیں۔ طاعت کا بدل کئی گنا دوں گا اور گناہ ان ظالموں کے ذمے لگاؤں گا جن کے ظلم کے زیر اثر وہ کئے گئے ہوں گے۔

۸۔ جن ایام اور شعائر کو میں نے فضیلت دی ہے ان کی نیکیوں کا بدلہ کئی گنا دوں گا تاکہ آپ کی امت کی نیکیوں کا پلڑا غالب رہے اور برائیاں مغلوب ہوں۔

۹۔ میں آپ ﷺ کی امت کا حساب بروز قیامت (جو پچاس ہزار سال کے برابر ہو گا۔ قرآن) اپنے

Marfat.com

کرم سے لوں گا اور اپنے فضل سے اس کے گناہ معاف کر دوں گا اور اپنی رحمت سے اسے جنت میں داخل فرماؤں گا۔ (ایضاً صفحہ ۴۹۱۔ ۴۹۲)

امت محمدیہ کے نام اللہ کے چھ پیغامات: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ اپنی امت کو میرے چھ پیغام پہنچا دیجئے:

۱۔ اگر تم احسان کی وجہ سے کسی کو دوست رکھتے ہو تو مجھے اپنا دوست بنایئے کیونکہ جس قدر احسانات میں نے کیے ہیں اور کسی نے تم پر نہیں کیے۔

۲۔ اگر کسی کا ڈر رکھتے ہو تو سب سے زیادہ مجھ سے ڈرو کیونکہ ارض و سماء پر میری قدرت اور بادشاہت کا سکہ رواں ہے۔

۳۔ امید رکھنا چاہو تو مجھی سے رکھو کیونکہ میں تمہیں سب سے بڑھ کر دوست رکھتا ہوں۔

۴۔ اگر کسی پر جان و مال کی قربانی کرنا چاہو تو میری راہ میں ہی کرو کیونکہ میں تمہارا معبود ہوں۔

۵۔ اگر کسی پر ظلم کرنے سے شرماتے ہو تو سب سے زیادہ شرم مجھ پر ظلم کرتے وقت کھاؤ کیونکہ تمہارے ہمہ جہت ظلم کے مقابلہ میں، میں ہمیشہ وفا اور عدل ہی کرتا ہوں۔

۶۔ اگر کسی کو وعدہ کا سچا جانتے ہوئے اس کی تصدیق کرنا چاہتے ہو تو میری تصدیق بطریق اولیٰ کرو کیونکہ میں جھوٹ اور وعدہ خلافی سے پاک و منزہ ہوں اور ہر طرح کے حرص و ہوس سے بالاتر ہوں۔ (ایضاً صفحہ ۹۳۔ ۴۹۲)

اللہ اور محمد ﷺ کی رفعت شان: اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے محمد ﷺ! میں اس بات سے نہایت ارفع و اعلیٰ ہوں کہ آپ ﷺ سے کہوں کہ مجھے پہچانئے اور آپ ﷺ اس سے بلند و برتر ہیں کہ میں آپ ﷺ سے کہوں کہ مخلوقات کو میری طرف بلایئے۔ (ایضاً صفحہ ۴۹۳)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے محمد ﷺ اپنی امت کو میرا سلام پہنچا دیجئے اور کہیے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ تمہیں خاتم الانبیاء ﷺ کی امت اس لئے بنایا ہے کہ حشر کے دن تم دوسری امتوں کے سامنے حساب دیتے وقت رسوانہ ہو جاؤ بلکہ دوسری امتیں تمہارے سامنے حساب دے کر پہلے گزر جائیں اور آخر میں تم ہو اور تمہارا خدائے رحمان و غفور! (ایضاً)

درازی عمر اور بخشش: فرمایا ﷺ میں نے اپنی امت کے چالیس سالہ لوگوں کی بخشش کی درخواست کی اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا۔ پھر میں نے پچاس سالہ کے لئے درخواست کی ان کو بھی معاف فرما دیا گیا۔ پھر ساٹھ سالہ کو بھی بخش دیا گیا۔ پھر ستر سالہ کی بخشش کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ مجھے شرم آتی ہے کہ جس کو میں نے ستر سال کی عمر بخشی ہو اور اس مدت میں اس نے میری پرستش کی ہو اور شرک نہ کیا ہو تو میں ایسے شخص کو دوزخ میں ڈالوں اور لیکن اے احقاب یعنی ننانوے سالہ مسلمانوں کو قیامت کے دن میں کھڑا کر کے حکم دوں گا کہ جس بہشت میں

Marfat.com

جانا چاہو چلے جاؤ۔ (ایضاً صفحہ ۴۹۴)

کائنات آپ ﷺ کے قدموں کی دھول: فرمایا گیا "اے محمد ﷺ اپنے قدموں کے نیچے نگاہ دوڑایئے۔ میں ﷺ نے دیکھا تو نیچے ایک مشت خاک پڑی تھی۔ فرمایا گیا تمام موجودات آپ ﷺ کے قدموں کی خاک ہے۔ دوست جو دوست کے گھر آتا ہے اور اس کے قدم غبار آلود ہو جاتے ہیں۔ دوست اپنے دوست سے غبار قدم کو طلب کرتا ہے تو اسے وہ غبار دینے میں کوئی تردد نہیں ہوتا۔ یہ تمام عالم غیب و شہود جو تمہارے قدموں کی خاک ہیں، انہیں آپ ﷺ کی نذر کرنا میرے نزدیک اس غبار سے زیادہ آسان ہے جو دوست کے قدموں پر پڑتا ہے اور وہ دوست کو بخش دیتا ہے۔ (ایضاً)

عذاب دنیا سے حفاظت: فرمایا ﷺ میں نے اللہ تعالیٰ سے چار چیزیں طلب کیں (۱) میری امت کو قوم شعیب کی طرح آگ برسا کر ہلاک نہ کرنا، (۲) قوم لوط کی طرح پتھر برسا کر ہلاک نہ کرنا، (۳) داؤد علیہ السلام کی قوم کی طرح ان کی شکلیں مسخ نہ کرنا اور (۴) قارون اور اس کے ساتھیوں کی طرح ان کو زمین میں نہ دھنسانا۔ فرمایا گیا **قد فعلتُ ذالکَ بامّتکَ وقد غفرتُ عنهم** میں تمہاری امت کے ساتھ آپ ﷺ کے حسب دلخواہ سلوک کروں گا اور ان عذابوں سے اسے محفوظ رکھوں گا۔ (ایضاً صفحہ ۴۹۷)

امت محمدیہ مہمان خدا: آپ ﷺ نے عرض کی "الٰہی! کاش میری امت بغیر کسی گناہ کے تیری بارگاہ میں حاضر ہو۔" فرمایا گیا کہ میں نے نیکیوں کا حکم دیا اور بدیوں سے روکا ہے۔ آپ ﷺ کی امت کے ساتھ میری شفقت کے باوجود اس کی تقدیر میں گناہ کرنا لکھا ہے تاکہ میں اس پر اپنے بحر رحمت کے دہانے کھولوں۔ اے محمد ﷺ! آپ ﷺ امین ہیں اور جبریل برگزیدہ اور آپ ﷺ کی امت بہشت میں میری مہمان ہوگی اور میزبان کے لئے اپنے مہمان کی عزت افزائی لازمی امر ہے۔

(معارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۹۷)

یا محمد ﷺ مانگئے: ارشاد باری تعالیٰ ہوا "اے محمد ﷺ! مانگئے" عرض کیا اے رب العزت نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور عظیم ملک عطا فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا۔ داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کیا۔ پہاڑوں کو مسخر کیا اور عظیم سلطنت دی۔ سلیمان علیہ السلام کو عظیم الشان سلطنت عطا فرمائی اور جنات و شیاطین، انسانوں اور ہواؤں کو ان کے لئے مسخر کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو توریت سکھائی اور انجیل عطا کی۔ مادر زاد اندھے کو بینا کرنے اور کوڑھی کو اچھا کرنے کا معجزہ دیا۔ مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت سے نوازا۔ شیطان سے ان کی اور ان کی والدہ کی مکمل حفاظت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تجھے اپنا خلیل و حبیب بنایا۔ تورات میں تمہارا نام حبیب الرحمٰن

Marfat.com

اور قیامت تک کے جن وانس کی طرف بشیرو نذیر بنا کر بھیجا اور آپ کا سینہ کشادہ کیا۔ بوجھ ہلکا کر دیا اور ذکر تمہارا بلند کیا۔ تمہاری امت کو بہترین امت بنایا جو لوگوں کے نفع کے کام کرے گی۔ اسے عادلہ بنایا، اسے اول بھی بنایا اور آخر بھی بنایا۔ اگر آپ ﷺ کی امت میری الوہیت اور تمہاری عبدیت و رسالت کی گواہی دے تو اسے ہر طرح کی مغفرت حاصل ہو گی۔ آپ کے امتیوں کے قلوب کو ان کی اناجیل بنایا اور آپ کو تمام انبیاء سے پہلے پیدا فرمایا اور آخر میں مبعوث کیا۔ اور سب انبیاءؑ سے پہلے آپ ﷺ کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ آپ ﷺ ہی کو سبع مثانی سے نوازا گیا ہے۔ ازیں پیشتر یہ کسی کو نہ دی گئی اور اپنے خزانہ خاص سے آپ ﷺ کو سورہ بقرہ کی آخری آیات عطا کیں جو کہ عرش کے نیچے ہے۔ آپ ﷺ کو کوثر عطا کی اور میں نے آپ کو آٹھ حصے یعنی اسلام، ہجرت، جہاد، نماز، صدقہ، صوم رمضان، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عطا کئے اور آپ ﷺ کو فاتح اور خاتم بنایا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمتہ للعالمین بنایا۔ تمام لوگوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا میرے دشمن کے دل میں ایک مہینہ کی مسافت سے میرا رعب ڈالا۔ میرے لئے غنیمت کو حلال فرمایا جو پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھی۔ تمام زمین کو میرے لئے مسجد بنایا اور پاکیزہ کیا اور مجھے فواتح کلم، جوامع کلم، خواتم کلم عطا کئے اور میری امت کو میرے سامنے پیش کیا اور تابع اور متبوع مجھ سے مخفی نہ رہا اور میری امت کو پیش آنے والے حالات سے مجھے آگہی بخشی گئی۔ (خصائص کبری (اردو) جلد اول صفحہ ۳۴۶-۳۴۷)

مقام قاب قوسین سے الوداعی سفر:

جب فاوحی الی عبدہ ما اوحی کی سب منزلیں طے ہو چکیں۔ مشاہدہ عجائب و غرائب ہو چکا نعمت حق الیقین اور عین الیقین عطا ہو چکی۔ تو آپ ﷺ بارگاہ رب العزت میں الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اللہ تعالیٰ نے پوچھا۔ "جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے شدائد کو کیسا پایا؟" عرض کیا ان کی گنتی اور ماہیت تو ہی بہتر جانتا ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ جب آپ ﷺ کو کوئی غم لاحق ہو تو مجھے یاد کیجئے کیونکہ میں تمہاری جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

۲۔ مظلوم کی بددعا سے ڈرنے کی تلقین ضرور کر دینا کیونکہ میرے اور مظلوم کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا اور اس کی دعا (چاہے وہ کافر ہو یا مسلم) ضرور قبول ہوتی ہے۔

۳۔ اے محمد ﷺ! سختیوں پر صبر کیجئے اور جبر و عناد و تکبر سے بچتے رہئے۔ دنیا پر مغرور نہ ہونا نہ اس پر مطمئن ہونا کیونکہ یہ بالآخر زوال پذیر اور بے وفا ہوتی ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کیا کہ الٰہی میں تیری ہی پرستش کرتا ہوں۔ تجھی سے ڈرتا ہوں۔ تجھی سے امید رکھتا ہوں اور مجھے علم الیقین کے ذریعہ معلوم ہو چکا کہ تو ہی میرا خالق و پروردگار ہے۔ تو نے ہی مجھے عزت دی اور نبوت سے نوازا۔ ارشاد باری ہوا۔ "اے محمد ﷺ نماز وقت پر ادا

Marfat.com

کیجئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا رہئے کیونکہ دین اسی سے قائم ہے۔" حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بارگاہ ایزدی میں میں نے عرض کی۔

"یا اللہ! میں نے جو کچھ اس رات تیرے فضل سے مشاہدہ کیا جو علم حاصل کیا اور جو جو مجھ پر بیتی جب میں اسے اہل زمین کے سامنے بیان کروں گا تو کیا وہ میری تصدیق کریں گے؟" فرمایا "ہاں یصدق ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ

پھر حکم ہوا کہ اب اپنی امت (کافر اور مسلمان سب حضور علیہ السلام کے امتی ہیں۔ مومن و مسلمان امت مسلمہ اور منکرین امت کافرہ ہے۔) میں تشریف لے جائیے اور لوگوں کو حق و باطل سے آگاہ کیجئے اور جنت و دوزخ کی حقیقت واضح کر کے تبشیر و تنذیر کا فریضہ انجام دیجئے اور جب ہماری ملاقات درکار ہو تو نماز کی نیت باندھ لیجئے۔ ہم حجابات اٹھادیں گے۔

(معارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۲۸ (اردو ترجمہ)

(ابن سعد، طبرانی فی الاوسط بطریق ابو معشر اور ابو وہب حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی واپسی ہوئی آپ ﷺ مقام ذی طوی میں تھے۔ آپ ﷺ نے جبرئیل سے فرمایا کہ میری قوم واقعات معراج کی تصدیق کرے گی؟ جبرئیل نے کہا۔ آپ ﷺ کی تصدیق ابوبکرؓ کریں گے اور وہ صدیق ہیں۔ (خصائص کبری جلد اول (اردو) صفحہ ۳۴۹)

نماز کا درجہ: آپ ﷺ کا ارشاد ہے الصلوۃ معراج المومنین یعنی نماز مومنوں کی معراج ہے۔ آپ ﷺ حضرت بلال سے فرماتے ارحنا یا بلال من ھٰولاء و صحبتھم اور بلال اقامت کہتے اور حضور "اللہ اکبر!" کہہ کر دیدار حق میں مشغول ہو جاتے اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اسی لئے فرمایا ہے وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ القصہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو طابت لک و رحمۃ اللہ و برکاتہ فرماتے ہوئے الوداع کہا۔ واپسی پر آپ ﷺ نے فرشتوں کی ایک جماعت ملاحظہ کی جس کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ جبرئیل نے بتایا کہ یہ کروبی ہیں جن کا کام ہر وقت اطاعت خداوندی ہے۔

اعلان اسریٰ و معراج

صدیق اکبرؓ کی تصدیق: ابن مردویہ، حاکم اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی کہ جب آپ معراج سے واپس آئے تو صبح کو لوگوں کے سامنے سب واقعات بیان کئے۔ اہل ایمان نے آپ ﷺ کی باتوں کو سچ مانا مگر کفار آپ کا مذاق اڑانے لگے۔ ان میں کچھ صدیق اکبر کے پاس گئے اور ان کو آپ کے دعویٰ معراج سے آگاہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ حضرت محمد ﷺ نے واقعی دعویٰ کیا ہے تو میں اس کی تصدیق

Marfat.com

کرتا ہوں بلکہ میں تو اس سے بھی بڑھ کر محیرالعقول بات جو آپ ﷺ فرمائیں اس کی تصدیق کرتا ہوں کیونکہ حضور علیہ السلام صبح و شام آسمانی خبریں دیتے ہیں اور بالکل سچے ہیں۔

بعض پیغمبروں کا حال: ام ہانیؓ سے ابن اسحاق، ابن جریر، طبرانی اور ابن مردویہ نے بحوالہ ابو صالح روایت کی ہے کہ حضور نے ان کو بتلایا کہ عشاء کے بعد مجھے بیت المقدس لے جایا گیا اور یہ سفر براق پر طے کرایا گیا اور صبح ہونے سے پہلے مجھے واپس مکہ معظمہ پہنچا دیا گیا۔ جبریل مجھے بیت المقدس لے کر پہنچے۔ وہاں مجھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کروائی گئی۔ شکل میں سب سے زیادہ میں ان سے مشابہت رکھتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ وہ گندمی رنگ، دراز قد، چھریرے بدن کے سیدھے بالوں والے تھے اور وہ شنوءہ کے لوگوں جیسے لگتے تھے۔ مجھے عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملایا گیا وہ میانہ قد، سفید رنگ والے تھے جس میں سرخی کی جھلک بھی تھی۔ وہ عروہ بن مسعود ثقفی کے مشابہ تھے۔ میں نے دجال کو بھی دیکھا اس کی داہنی آنکھ مٹی ہوئی ہے اور وہ قطن بن عبدالعزیٰ کے مشابہ تھا۔ ام ہانیؓ بیان کرتی ہیں کہ جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اسریٰ کے حالات قریش کے سامنے بیان کروں گا۔ تو میں نے آپ ﷺ کو روکا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کا مذاق اڑائیں گے اور ایذا دیں گے۔ آپ ﷺ مجھ سے پلا چھڑا کر قریش کی طرف گئے۔ ابوجہل ملا اور بولا "کوئی نئی خبر ہے؟" فرمایا ﷺ "ہاں! مجھے آج رات بیت المقدس لے جایا گیا اور صبح سے پہلے واپس مکہ میں پہنچا دیا گیا۔" ابوجہل بولا "بلاؤں لوگوں کو؟ ان کے سامنے یہ بات کہو گے؟" فرمایا ﷺ "ہاں!" ابوجہل بھاگ کر مطعم بن عدی اور ولید بن مغیرہ وغیرہ کو بلا لیا۔ مطعم بولا، اے محمد ﷺ آپ اگر جوان ہوتے اور آپ کی ذہنی حالت ٹھیک ہوتی تو ایسی (انہونی) بات نہ کہتے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ (معاذ اللہ) آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ مطعم سے صدیق اکبر نے کہا "تو نے اپنے بھتیجے پر جھوٹا الزام لگایا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ وہ سچے ہیں۔ پھر کسی نے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جبریل امین نے بیت المقدس کو میری آنکھوں کے سامنے کف دست کی طرح لاکھڑا کیا اور میں نے ساری نشانیاں ٹھیک ٹھیک بتا دیں جس پر حاضرین دنگ رہ گئے اور اہل ایمان کو ایمان افروزی نصیب ہوئی۔

(خصائص کبریٰ اردو جلد ا صفحہ ۳۵۱ تا ۳۵۴)

دوسرے انبیاء علیہم السلام اور معراج: علماء فرماتے ہیں کہ چھ پیغمبروں کو ان کے حال کے مطابق معراج سے نوازا گیا:

اول معراج: آدم علیہ السلام کو ہوئی، آپ کو جنت میں رکھا اور پھر وہاں سے زمین پر بھیجا گیا۔

دوسری معراج: حضرت ادریس علیہ السلام کو ہوئی و رفعناہ مکانا علیا (قرآن) آپ کو جنت دوزخ وغیرہ کی سیر کرائی گئی۔ اسی اثناء میں انہوں نے عزرائیل سے موت کا مزہ چکھنے کی درخواست کی انہوں نے آپ کو موت دے کر دوبارہ زندہ کر دیا۔ اس پر حضرت

Marfat.com

ادریس نے جنت سے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ **کل نفس ذائقہ الموت** کی حجت پوری ہو چکی تھی۔ آپ تب سے چوتھے یا چھٹے آسمان پر تشریف رکھتے ہیں۔

تیسری معراج: ابراہیم علیہ السلام کی تھی **قولہ تعالی و کذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض** اس کی تفصیل اللہ ہی کو معلوم ہے یا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام جانتے ہیں۔

چوتھی معراج: موسیٰ علیہ السلام کو ہوئی **ولما جاء موسی لمیقاتنا** یعنی موسیٰ اپنے میقات پر آئے۔ ساتھ قوم کے ستر سردار تھے وہ بولے **لن نومن لک حتی نری اللہ جہرۃ** اس پر جلوۂ الٰہی گرایا گیا۔ ستر سردار فوت ہو گئے اور موسیٰ بے ہوش ہو گئے۔ یہ "لن ترانی" کی کیفیت کا ثمرہ تھا۔

پانچویں معراج: عیسیٰ علیہ السلام کو نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ کو زندہ چوتھے آسمان پر اٹھا لیا گیا چونکہ دنیا میں زاہد تھے اس لئے ملائکہ کے ساتھ مل گئے۔

چھٹی معراج: حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہوئی جس کا عروج **قاب قوسین او ادنی** تک تھا اور ہوش و ادب کا یہ حال کہ **ما زاغ البصر وما طغی** کی شہادت قرآن نے دی جسے وحدت نے محو کر رکھا ہو وہ جنت الفردوس، حور و قصور اور دیگر عجائبات کی طرف التفات کیسے کر سکتا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر "شے" نے خود کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور اپنے اپنے مقام و مرتبہ کا تعارف کرایا۔ یہ سیاء زمین، آسمان، چاند ستارے، جنت دوزخ، حور و قصور و غلمان و ملائک اور نہ جانے کون کونسی تھیں۔ آپ ﷺ مخلوق سے بے نیاز خالق کی طرف متوجہ رہے اور خالق نے ہر "شے" حضور کو "دان" کر دی۔ ملا معین واعظ کاشفیؒ فرماتے ہیں۔

(معارج النبوۃ اردو جلد ۲ صفحہ ۵۷۸ تا ۵۸۹)

اے شمع ﷺ سراجہ الٰہی خورشید سپہر پادشاہی
ہر ذرہ ز پرتو وجودت ﷺ داوہ خبرے زنور جودت ﷺ
در مسند عز قاب قوسین خاک قدم تو بودہ کونین

انبیاءؑ اور اولیاء اللہ کی معراج: دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی معراج سے سرفراز فرمایا گیا لیکن یہ **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض** کے مطابق درجہ بدرجہ ہوئی کیونکہ انبیاءؑ کا درجہ اولیاء اللہ سے بلند تر ہے جبکہ اولیاء اللہ کو بھی معراج سے نوازا جاتا ہے جو ان کے موافق حال ہوتی ہے۔ ان کو شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت کے مقامات سے گزارا جاتا ہے اور پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فیض سے عالم حقیقت تک پہنچایا جاتا ہے۔ اولیاء اللہ کی معراج کو آنحضرت ﷺ کی معراج کا عکس گردانا گیا ہے۔ ان کی معراج سے مراد عقل ہے جس کے دو بازو ہیں یعنی خوف اور امید۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایمان بیم (خوف) اور رجاء

Marfat.com

(امید) کے درمیان ہے۔ ان کی نچلی سطح دل پر رکھی گئی ہے اور اس کی اعلیٰ سمت عرش الٰہی تک پہنچی ہوئی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو وصال و قرب سے نوازنا چاہتا ہے تو پہلے اسے تکالیف و مصائب کے ذریعے آزماتا ہے۔ اگر وہ ثابت قدم رہے اور عبادات و طاعات اور سنن و فرائض کی پابندی سے انحراف نہ کرے بلکہ ان میں مزید خشوع و خضوع کے ساتھ اضافہ کرے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو گواہ بنا کر اس کا نام شکر گزاروں میں لکھ دیتا ہے اور آزمائش کے ساتھ ساتھ یہ سلسلہ عنایات زندگی بھر جاری رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ھذا عبد یتعرض بالمزید** یعنی یہ بندہ مزید دولت و عنایات کا طالب ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور کے پروں پر بٹھا کر عالم معنی کی فضا میں اڑاتا ہے اور عوالم و جبروت کا مشاہدہ کرواتا ہے جس طرح حضور علیہ السلام کو تمام آسمانوں کے طبقات میں ہر ایک مقام میں ان کے شایان شان مشاہدات سے نوازا گیا اسی طرح قلوب سالکین کو ان کے مرتبہ کے مطابق (ایک تا سات) حجابات میں ٹھہراتے ہیں اور مشاہدات سے نوازا جاتا ہے جس طرح ساتوں آسمانوں پر مختلف انبیاء علیہم السلام تشریف فرما ہیں۔ اسی طرح ہر آسمان پر متمکن نبی سے متعلق ولایت سے اولیاء کرام کو حسب مرتبہ فیض سے نوازا جاتا ہے۔ اسی لئے بعض فیوض کو ولایت موسوی کہا جاتا ہے بعض کو ولایت عیسوی بعض کو ولایت ابراہیمی **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** اور جو خاص الخاص اولیاء ولایت محمدی ﷺ سے حصہ پاتے ہیں ان کی کیا ہی بات ہے کہ وہ ساتوں حجابات سے گزر جاتے ہیں اور قاب قوسین او ادنیٰ کا فیض پاتے ہیں۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم**

عام مسلمانوں کی معراج: یہ شریعت پر چلنے والوں کے لئے ہے۔ فرمایا ﷺ **وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ** میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ معراج سے واپس ہوئے تو ان مشاہدات بے نظیر کا خیال کر کے فرمایا **من این نصیب امتی من ھذا شرف** اس شرف معراجیہ میں سے میری امت کی قسمت میں کہاں؟ فرمایا گیا **معراج امتک الجماعۃ** آپ کی امت کی معراج باجماعت نماز ادا کرنے میں ہے چنانچہ صحابہؓ کو فرمایا **الصلوۃ معراج المومنین**

امام رازی فرماتے ہیں کہ نماز روحانی اور جسمانی معراج کی جامع ہے کیونکہ افعال بدن سے اور اذکار دل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں وضو اور طہارت حضور علیہ السلام کے شق الصدر اور تغسیل کے قائم مقام ہے۔ پھر تکبیر تحریمہ دنیا سے تعلقات کی قاطع بنتی ہے اور بندہ حمد و ثناء کرنے لگتا ہے گویا یہ بارگاہ خداوندی میں پہلا مرحلہ ہے پھر تعوذ و تسمیہ اور الحمد شریف پڑھتا ہے جو قرآنی تعلیمات کی جامع ہے۔ اب دنیا سے رابطہ منقطع ہو چکا ہے اور بندہ بارگاہ رب العزت میں ہر آلائش اور دوئی کو بھلا کر حاضر ہے

Marfat.com

ایاک نعبد و ایاک نستعین کہ کر اللہ سے براہ راست ہمکلامی کا شرف پاتا ہے جو ولا الضالین تک جاری رہتا ہے۔ پھر قرآن سے کچھ تلاوت کرتا ہے۔ یہ قیام گویا بعض فرشتوں کے دوامی قیام مقبول کی اتباع میں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مقبول عطیہ ہے۔ اہل معرفت کہتے ہیں کہ نمازی معراج ثناء سے آسمانی معارف پر قدم رکھتا ہے۔ پھر دل کے ساتوں مراحل، جو سات آسمانوں کی مثل ہیں، کو وساوس شیطانی سے پاک رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور تعوذ کی راہ سے گزرتا ہے تو آگے بہشت کے مکاشفہ میں وارد ہوتا ہے۔ اسے بہشت کے آٹھ دروازے نظر آتے ہیں۔ پہلے دروازے کی چابی "ایمان" ہے، یہ دروازہ باب المعرفت کہلاتا ہے۔ دوسرا دروازہ باب الذکر ہے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی چابی سے کھلتا ہے۔ تیسرا دروازہ الحمد للہ رب العالمین کی کلید سے کھلتا ہے۔ چوتھا کلید "الرحمٰن الرحیم" ہے، پانچواں "مالک یوم الدین" کی چابی ہے، چھٹا کلمہ اخلاص یعنی ایاک نعبد و ایاک نستعین کی کلید سے ساتواں طلب ہدایت اھدنا الصراط المستقیم کے ذریعے اور آٹھواں در بہشت جو باب الاقتدا ہے صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کی چابی سے کھلتا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ جنات عدن مفتحۃ لھم الابواب (سورہ ص:۵۰) سے یہی مراد ہے پھر نمازی کی روح فاقرؤ ما تیسرا من القرآن کے فرمان الٰہی سے رسول اللہ کے اتباع میں قرآنی سورتوں کی تلاوت کے ذریعے قرآنی باغات کی سیر کرتی ہے۔

اب اللہ کی تجلیات اور کرم نوازیوں کو دیکھ کر نمازی سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ من تواضع للہ رفعہ اللہ کے مصداق اسے سربلند کرتا ہے اور وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہوا کھڑا ہو جاتا ہے اور ربنا لک الحمد کہتا ہے تو اللہ کے انوار کی بارش ہوتی ہے اور نمازی سجدۂ شکر کے لئے اس کی بارگاہ میں گر جاتا ہے۔ سجدہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۱۹:۹۶)

حضور علیہ السلام کو روح و جسم کے ساتھ معراج کی دولت سے نوازا گیا۔ نمازی کو بھی یہ دولت روح و جسم کے ساتھ عطا کی جاری ہے۔

پھر دوسری رکعت میں قعدہ کا مرحلہ آیا یہ بارگاہ رسالت کا امتزاجی مرحلہ ہے۔ نمازی یہاں پہلے التحیات للہ والصلوات والطیبات کہہ کر اللہ کی بارگاہ میں عقیدت کے موتی نچھاور کرتا ہے۔ پھر سامنے اسی بارگاہ میں و رفعنا لک ذکرک کے موصوف کو جلوہ فرما دیکھتا ہے کیونکہ اسی کے قدموں کی برکت سے اللہ کی بارگاہ تک رسائی نصیب ہوئی اس لئے بے اختیار پکار اٹھتا ہے السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ اور پھر حضور کے جواب میں خود ان کے ساتھ شریک ہو کر ان کے اتباع میں کہتا ہے السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اتنے میں اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کی طرف

Marfat.com

وھیان جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد عبدہ و رسولہ اور ہدیہ درود پیش کرکے دعاؤں کے ساتھ سلام علیکم و رحمۃ اللہ کہہ کر سفر معراج سے واپس اپنی دنیا میں آجاتا ہے۔ خاص اولیاء اللہ کی معراج کا ذکر مولانا روم اس طرح کرتے ہیں:

باز آدم باز آدم از پیش آں یار آدم
شاد آدم شاد آدم از جملہ آزار آدم
من مرغ لاہوتی بدم، دیدی کہ ناسوتی شدم
دامش بدیدم ناگہی دروے گرفتار آدم
من نور پاکم اے پسر برآب و خاکم مختصر
آنجا بیا بابا بہ بیں کا ینجا بکسار آدم
یا رم بباز ار آمدہ چالاک عیار آمدہ---
ورنہ بباز ارم چکار اورا خریدار آدم

"میں اس محبوب کی بارگاہ سے واپس آگیا ہوں۔ سب آزار ختم ہو گئے اور میں خوش و خرم واپس آیا ہوں۔ میں مرغ لاہوتی تھا اور کیا تو نے دیکھا کہ میں ناسوتی ہو گیا تھا۔ پھر اچانک مجھے اس محبوب کا دام نظر آیا اور میں اس میں گرفتار ہو گیا۔ اے بیٹے میں پاک نور ہوں جو آب اور خاک پر سوار ہے۔ ہمارے ساتھ وہاں چل کر دیکھ کہ میں یہاں کس بکساری سے پہنچا۔ میرا محبوب بازار میں آیا ہوا ہے اور بڑا چالاک اور عیار بن کر آیا ہوا ہے؟ اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو میں کس طرح اس کا خریدار بن کر بازار میں آتا۔"

اور عام مسلمانوں کی معراج کا ذکر امیر خسرو نے یوں کیا ہے:

ہر کہ از خدا خواہد فردوس دلکشا را   دین رسول شرط است از بہر ایں جزا را
قلب است نقد ایں دل واں نقد قلب خود را   بگزارم و نوسم زاں مایہ ایں ثنا را

صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ وسلم

(معارج النبوۃ اردو جلد ۲ صفحہ ۵۸۹ تا ۵۹۹ (تلخیص و مفہوم) نیز دیگر ذرائع سے بھی استفادہ لیا۔)

ہجرت اور ریاست مدینہ

یثرب یا مدینہ منورہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی "جذب القلوب" میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی کشتی سے ۸۰ مرد و زن زمین پر اترے تھے۔ انہوں نے عراق میں بابل کے اطراف میں سکونت اختیار کی۔ آبادی بڑھی تو نمرود بن کنعان نو بادشاہ مقرر

Marfat.com

کرکے اکٹھے رہنے لگے۔ پھر گمراہی نے ان کو آ لیا۔ لسانی تعصب کی بنا پر بہتر زبانیں ایجاد کیں اور دنیا کے مختلف حصوں میں یہ لوگ پھیل گئے۔ ایک جماعت جو سام بن نوح کی اولاد تھی، اس نے اللہ کی عنایت سے عربی زبان ایجاد کی اور یثرب میں سکونت اختیار کرلی۔ یہاں زراعت شروع کی اور کھجور کے درخت لگائے۔ یہی لوگ عمالقہ یا عمالیق کہلائے کیونکہ یہ عملاق بن ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ عمالقہ نے عروج پکڑا تو بحرین عمان شام اور مصر تک پر قابض ہوگئے۔ شام کے جبابرہ اور مصر کے فراعنہ ان کی ہی اولاد تھے۔ ان کی عمریں اس قدر دراز ہوتیں کہ چار چار سو سال تک جنازہ نہ اٹھتا۔ عمالقہ کے بعد یثرب یہودیوں کا مسکن بنا۔

یہودی یثرب میں: جذب القلوب (اردو ترجمہ صفحہ ۵۰ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی) میں بحوالہ متعدد احادیث لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حج کرنے مکہ معظمہ تشریف لائے ان کے ساتھ بنی اسرائیل کی بڑی تعداد بھی تھی۔ واپسی پر یہ لوگ مدینہ کی سرزمین سے گزرے تو تورات میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالہجرت کی نشانیاں دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت چھوڑ کر اسی جگہ رہائش پذیر ہوگئے۔ اس بارے میں دیگر روایات بھی ملتی ہیں۔

یمن میں مشہور سیلاب "سیل عرم" آیا تو بنو قحطان میں سے اوس اور خزرج نامی قبائل یثرب میں آبسے۔ یہاں یہودیوں کا بڑا زور تھا۔ یہودی مدینہ کے اطراف میں مضبوط قلعے بنا کر رہتے تھے۔ اوس اور خزرج قبائل نے حالات دیکھ کر یہودیوں کے ساتھ بقائے باہمی کے لئے معاہدہ کرلیا۔ پھر ان کی آبادی بڑھتی رہی، اور ایک وقت آیا کہ یہودیوں نے وہ معاہدہ توڑ دیا مگر اپنا رعب قائم رکھا۔

ایک ظالم یہودی سردار کا قتل: یہودیوں میں ایک سردار "فطیون" نامی تھا۔ اس نے اہل یثرب کو اس بات کا پابند کیا کہ ہر نئی دلہن اپنی سہاگ رات اس کے محل میں بسر کرے گی۔ یہودیوں نے طوعاً کرہاً اسے مان لیا مگر اوس و خزرج بہت تلملائے۔ ایک دفعہ انصاری سردار مالک بن عجلان کی بہن کی شادی تھی۔ شادی سے ایک دن پہلے وہ مالک کے سامنے سر بازار ننگے سر بے نقاب گزری۔ مالک غیرت سے لال پیلا ہو گیا اور سرزنش کرنے لگا۔ بہن بولی "اب تو اتنا تلملاتے ہو۔ کل جب میں سہاگ رات فطیون کے محل میں گزاروں گی تو اس وقت کا تصور کر کے ڈوب مرو۔"

مالک غصہ پی گیا۔ اگلے دن وہ اپنی بہن کی ڈولی کے ساتھ زنانہ لباس میں سہیلی بن کر فطیون کے محل میں پہنچ گیا، اور فطیون کو قتل کر کے راتوں رات شام کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہاں ابوجبلہ غسانی کی حکومت تھی۔ وہ ان کا ہم قوم تھا۔ اس نے مدد کے لئے یہودیوں پر چڑھائی کردی، لیکن یہاں آکر حکمت عملی سے اپنا مقصد حاصل کیا۔ یعنی یثرب پہنچ کر پہلے اس نے اوس کے سرداروں کو بلایا اور ان کو خلعتوں سے نوازا۔ پھر خزرج کے سرداروں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا۔ بعد میں یہودیوں کے سرکردہ جوانوں اور

Marfat.com

سور موں کو بلایا اور ان کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ اس طرح یہودی کمزور پڑ گئے اور اوس و خزرج کا زور بڑھ گیا۔ بعد ازاں اوس اور خزرج میں بھی ٹھن گئی حتیٰ کہ جنگ بعاث میں ان کے بھی سر کردہ قوی افراد مارے گئے۔ اب یہود کا پلہ بھاری ہو گیا۔ (مکی مدنی ماہی صفحہ ۳۰۴-۳۰۵)

بیعت عقبہ اُولیٰ: ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کا نام یثرب تھا۔ ہجرت کے بعد مدینۃ النبی مشہور ہو گیا۔ یثرب میں دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے اور ان کے علاوہ کچھ یہودی بھی تھے۔ یہ دونوں قبیلے بت پرست تھے جبکہ یہودی اہل کتاب ہونے کے ناطے نبی آخرالزمان ﷺ کے مداح و منتظر تھے، اور زیور علم سے بھی آراستہ تھے۔ اوس اور خزرج قبائل میں ایک موقعہ پر اختلاف پیدا ہو گئے اور لمبی جنگ چھڑ گئی۔ آخری جنگ "بعاث" میں دونوں قبائل کے تقریباً تمام نامور بہادر ایک دوسرے کے خلاف کٹ مرے۔ جس سے یہ دونوں قبائل جنگی لحاظ سے بہت کمزور ہو گئے۔ یہ جنگ ایک سو بیس سال تک جاری رہی اور جنگ بعاث حضور علیہ السلام کے دور میں ہوئی تھی۔ (جذب القلوب اردو صفحہ ۵۶) اوس اور خزرج کے لوگوں کو یہودیوں سے پتہ چل چکا تھا کہ آخری نبی کا ظہور ہونے کو ہے۔ چنانچہ وہ بھی آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنجیدہ ہو کر ان کی تلاش میں رہنے لگے۔ تاکہ قبولِ حق میں یہودیوں سے سبقت لے جائیں۔

۱۱ نبوی میں حضور علیہ الصلواۃ والسلام حج کے دنوں میں بیرونی قبائل کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے منیٰ کے میدان میں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ قرآن سنا سنا کر ان کو اسلام کی دعوت دیتے، اور اس بات کا بھی خیال رکھتے کہ کفار میں سے کوئی آپ کی تعمیری کوششوں کو سبوتاژ نہ کر سکے۔ ایک روز آپ ﷺ منیٰ میں عقبہ (گھاٹی) کے پاس (جہاں آج کل مسجد العقبہ ہے) تشریف فرما تھے کہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی آپ ﷺ سے ملے۔ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ پہلے ہی آپ ﷺ کے متلاشی تھے۔ چنانچہ فوراً آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ ان خوش نصیبوں کے نام یہ ہیں۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہؓ، عوف بن حارثؓ بن رفاعہ المشہور بہ ابن عفراء رافع بن مالک بن عجلانؓ قطبہ بن عامر بن حدیدہ عقبہ بن عامر بن نابی اور جابر بن عبداللہ بن ریاب رضی اللہ عنہم (انوار محمدیہ، امام یوسف نبہانی اردو ترجمہ صفحہ ۷۳)

(بعض روایات میں قطبہ بن عامر بن نابی کی جگہ ابوالہیثم بن تیہان کا نام آتا ہے بحوالہ مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۵۱ زرقانی علی المواہب ج ا صفحہ ۳۱۰)

حضور علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم میری پشت مضبوط کرو تاکہ میں اللہ کا پیغام پہنچا سکوں۔ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ جنگ بعاث نے ہم (اوس اور خزرج) کو دشمنی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ آپ ﷺ یثرب گئے اور ہم آپس میں لڑنے لگے تو آپ ﷺ کے مقصد کو نقصان پہنچے گا۔ ہمیں مہلت دیجئے تاکہ ہم کچھ افہام و تفہیم کریں اور مل کر آپ کی دعوت پر لبیک کہہ سکیں۔ اب ہماری ملاقات اگلے سال حج کے موقع پر ہوگی۔

Marfat.com

یہ لوگ یثرب کو لوٹ گئے اور وہاں ذکر رسول مقبول ﷺ کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ چنانچہ کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں رسول اکرم ﷺ کا ذکر نہ ہوتا ہو۔ دوسرے سال ۱۲ نبوی میں حج کے موقع پر بارہ اشخاص منیٰ کی اسی گھاٹی میں چھپ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان بارہ اشخاص میں پانچ حضرات تو پچھلے سال والے تھے اور چھٹے شخص جابرؓ بن عبداللہ نہیں آسکے تھے۔ باقی سات نئے آدمی یہ تھے۔ (۱) معاذ بن حارث بن رفاعہ (ابن عفرا یعنی عوف بن حارث کا بھائی) (۲) ذکوان بن عبدالقیس الزرقی (۳) عبادہ بن صامت (۴) یزید بن ثعلبۃ البلوی (۵) عباس بن عبادہ بن نضلہ۔ یہ پانچوں خزرجی تھے۔ جبکہ (۶) ابوالہیثم بن التیہان (از بنو عبدالاشہل) اور (۷) عویم بن ساعدہ بنو اوس سے تھے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ:

(۱) ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

(۲) رسول اللہ کی پوری طرح متابعت کریں گے۔

اور یہ کہ اگر اس عہد پر پورے اُترے تو بہشت میں داخل ہوں گے لیکن اگر پوری پابندی نہ کر سکیں تو اللہ تعالیٰ چاہے تو بخش دے یا عذاب دے وہی مختار ہے۔

نیز ان صحابہؓ نے آپ ﷺ سے عورتوں کی بیعت کی اجازت طلب کی جو بالکل ویسی تھی جیسی فتح مکہ کے وقت لی گئی۔ بیعت کے کلمات یہ تھے:

ہم شرک نہ کریں گی، نہ چوری اور زناء کی مرتکب ہوں گی اور نہ اولاد کو قتل کریں گی۔ نہ کسی پر بہتان طرازی کریں گی۔ نیکی میں نافرمانی نہ کریں گی۔ دکھ سکھ ہر حال میں خدا اور رسول کی فرمانبرداری کریں گی۔ جھگڑے سے بچیں گی۔ سچ بولیں گی، اور راہ حق میں ملامت پر افسوس زدہ نہ ہوں گی۔

پھر یہ بارہ حضرات مدینہ منورہ آگئے۔ اسعد بن زرارہؓ مدینہ میں مسلمانوں کو جمع کرتے اور اللہ کے دین کی باتیں ہوتیں۔ پھر بنو اوس اور خزرج نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ ہماری تعلیم کے لئے کسی مبلغ کو بھیجا جائے تا کہ ہم قرآن کریم بھی ساتھ ساتھ پڑھتے جائیں۔

مدینے میں مبلغ اول: حضور علیہ السلام نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینے بھیج دیا۔ یہ اللہ والے کہ ناز و نعم اور فخر و مباہات ان کا شیوہ تھا لیکن جب اسلام کے دامن میں پناہ لی تو سب کر و فر بھول گئے۔ سب کچھ اللہ کے لئے دے دیا۔ پھر ناداری کا یہ حال تھا کہ پرانے پھٹے کمبل میں تبلیغ اسلام نبھاتے۔ آپ نے مدینہ میں حضرت اسعد بن زرارہ کے گھر قیام رکھا اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان میں سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر بھی تھے۔ ان کی وجہ سے بنو عبدالاشہل کے مرد و زن سب کے سب ایک ہی دن ایمان کی دولت سے سرفراز ہو گئے۔ البتہ ان میں سے اصیرم جنگ احد کے دن ایمان لایا تھا اور اسی دن شہادت پا گیا۔ اس کا نام عمرو بن ثابت بن وقش تھا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ بنو عبدالاشہل سب کے سب پکے مومن تھے۔ ان میں کوئی منافق نہ تھا۔ (انوار محمدیہ ﷺ) (اردو) از علامہ یوسف نبہانی صفحہ ۷۵)

Marfat.com

بیعت عقبہ ثانیہ: اگلے سال ۱۳ نبوی میں حج کے موقعہ پر اہل مدینہ کا ایک وفد عقبہ کے مقام پر پہنچا اور حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت سے مشرف ہوا۔ اس میں تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ (حاکم) اہل مدینہ نے اس وفد کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کو مدینہ آنے کی دعوت دے۔ حضور علیہ السلام اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ ان کے درمیان تشریف رکھتے تھے۔ وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے جب مدنی وفد کا مطالبہ سنا تو یاد دہانی کے طور کہا:

"آپ کو پتہ ہے کہ قریش محمد ﷺ کے دشمن ہیں لیکن ہم نے ان کو جان سے عزیز رکھا ہے۔ تم محمد ﷺ کو دعوتِ ہجرت دیتے ہو، لیکن یہ بہت اہم اور مشکل کام ہے۔ محمد ﷺ کو دعوت دینا اور ان کے ساتھ عہد باندھنا مصائب و آلام اور جنگ و خصومیت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا جو کچھ بھی کریں نہایت سوچ سمجھ کر کریں۔"

حضرت براء بن معرورؓ نے حضور ﷺ کی طرف رخ کر کے عرض کیا کہ ہم بھی تلواروں کے سائے میں پلے ہیں۔ حضرت ابو الہیثم نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ یہودیوں کے ساتھ ہمارے تعلقات ہیں جو آپ ﷺ کے وہاں جانے سے متاثر ہوں گے، لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ جب اہل اسلام کو حکومت ملے تو ہمیں بھلا نہ دینا۔ حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "تمہارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔" یہ سنا تو سب نے آپ ﷺ پر جان سپاری کے عہد کے ساتھ بیعت کی۔ پھر حضور علیہ السلام نے قرآن کریم کی تلاوت کر کے ان کے دلوں کو نور ایمان و عرفان سے منور فرمایا۔ بعض روایات میں مدنی وفد کی تعداد ستر مرد اور دو عورتیں لکھی ہے یعنی بنو سلمہ کی ام عمارہ نسیبہ بنت کعبؓ اور اسماء بنت عمرو بن عدیؓ

(رحمۃ للعالمین ج ا صفحہ ۹۹۔ ۱۰۰ زرقانی علی المواہب ج ا صفحہ ۳۱۷ نیز سیرت ابن ہشام، محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری صفحہ ۲۳۸)

بارہ نقیب: بیعت کے بعد اس جماعت میں سے بارہ صحابہ کو حضور علیہ السلام نے نقیب (سردار) مقرر فرمایا قبیلہ خزرج کے نو آدمی اور تین قبیلہ اوس کے تھے۔ ان سب کے سردار اسعد بن زرارہ بنائے گئے۔ ان کے نام اس طرح ہیں۔

(۱) ابو امامہ اسعد بن زرارہ، (۲) سعد بن ربیع، (۳) عبد اللہ بن رواحہ، (۴) رافع بن مالک بن عجلان، (۵) براء بن معرور، (۶) عبد اللہ بن عمرو بن حزام، (۷) سعد بن عبادہ، (۸) منذر بن عمرو، (۹) عبادہ بن صامت (یہ سب خزرجی تھے) رضی اللہ عنہم، (۱۰) اسید بن حضیر، (۱۱) سعد بن خیثمہ، (۱۲) ابو الہیثم بن التیہان (یہ اوس قبیلہ سے تھے) رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(زرقانی علی المواہب ج ا صفحہ ۳۱۷ نیز محمد رسول اللہ از محمد ﷺ رضا مصری (اردو) صفحہ ۲۳۹)

(کہتے ہیں کہ بیعت کے بعد شیطان نے عقبہ کی چوٹی پر چڑھ کر باآواز بلند لوگوں کو اس بیعت کے حال سے باخبر کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ یہ عقبہ کا ازب ہے (ازب شیطان کا نام ہے) اس کی خبر دوں گا۔ ...)

Marfat.com

اگلا قدم اٹھایا (معارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۶۰۸)

قریش کی تلملاہٹ: قریش کو جب پتہ چلا کہ اہل مدینہ کی ایک جماعت نے محمد ﷺ کا ساتھ دینے پر بیعت کی ہے تو آگ بگولہ ہو کر چڑھ دوڑے۔ مگر جو لوگ اس بیعت میں شامل نہ تھے ان کی تسلی پر واپس چلے گئے، لیکن پھر تحقیق پر پتہ چلا کہ کچھ لوگوں نے بیعت کی ہے۔ تو ان کا تعاقب کیا۔ یہ حضرات جا چکے تھے۔ صرف سعد بن عبادہؓ ان کے ہاتھ لگے اور ان کو قید کر دیا گیا۔ جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب امیہ کو پتہ چلا تو انہوں نے قریش کو سمجھایا کہ اگر تم نے سعد بن عبادہؓ کے ساتھ کوئی برائی کی تو ہماری شام کی تجارت کی خیر نہیں۔ چنانچہ قریش نے ان کو رہا کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام نیز سیرت مصطفےٰ از عبد المصطفےٰ اعظمی صفحہ ۱۲۶ معارج النبوت (اردو) ج ۲ صفحہ ۶۰۹)

رسول مختار اور دار الہجرت: حاکم و بیہقی نے جریر سے روایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے مدینہ، بحرین، یا قنسرین میں سے ایک شہر کو اپنا دار الہجرت قرار دینے کا اختیار عطا فرمایا۔ بخاری نے مائی عائشہؓ نے روایت کی کہ آپ کو آپ کا دار الہجرت دکھایا گیا۔ جس کی زمین شور تھی، اور اس میں نخلستان تھے، اور وہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ صحابہ نے سنا تو اسے مدینہ منورہ پر محمول کیا اور اس کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ اردو صفحہ ۳۶۷)

ہجرت کی عام اجازت: جب قریش پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہل مدینہ کے عہد و پیمان ظاہر ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات مزید تنگ کرنا شروع کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے عام مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ موقع پا کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابو سلمہؓ بن عبد اللہ بن عبد الاسد المخزومی نے ہجرت کی۔ ازیں پیشتر وہ ہجرت حبشہ سے واپس لوٹے تھے۔ وہ جب اپنی بیوی اُم سلمہؓ اور بچی سلمہؓ کو اونٹ پر بٹھا کر مکہ سے باہر نکلے تو بنی مغیرہ اور ابو جہل کو خبر ہوئی۔ انہوں نے اونٹ روک لیا اور کہا کہ ام سلمہ ہم میں سے ہے۔ تم خود جہاں چاہے جاؤ۔ ہم اپنی بیٹی اور نواسی کو نہیں جانے دیں گے۔ چنانچہ حضرت ابو سلمہ اکیلے ہی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اُم سلمہ کو بنی مغیرہ اور سلمہ کو ابو سلمہ کے رشتہ دار عبد الاسلام ساتھ لے گئے۔ اس طرح ماں بیٹی کو بھی جدا کر ڈالا۔ ام سلمہؓ شوہر اور بچی کی جدائی میں بلطحائے مکہ میں دور نکل جاتیں، اور شام تک زار و طار روتی رہتیں وہ کہتی ہیں کہ ایک دن بنی مغیرہ کے ایک شخص نے میری حالت زار دیکھی اور سمجھا بجھا کر عبد الاسد سے میری بچی مجھے دلوا دی پھر وہ لوگ مجھ سے بھی دست بردار ہو گئے۔ میں نے اپنی بچی کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھایا اور یثرب کو چل دی۔ تنعیم کے مقام پر عثمان بن ابی طلحہ بن عبد العزیٰ ملا جو ابھی مسلمان نہ ہوا تھا۔ پوچھا کہ اکیلی کدھر جاتی ہو؟ میں نے اللہ کے بھروسے پر یثرب کے سفر کا عزم صمیم ظاہر کیا۔ وہ نہایت پاکیزہ سیرت شخص تھا۔ اس نے میرے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور چل پڑا۔ یہاں تک ہم قبیلہ بنی عمر بن عوف کی بستی میں پہنچے۔ اس نے کہا کہ اس بستی میں تیرا خاوند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی امان میں اسی بستی میں چلی جاؤ اور خود وہ واپس مکہ معظمہ لوٹ گیا۔ (معارج النبوۃ اردو ج ۲ صفحہ ۶۰۹ تا ۶۱۱)

Marfat.com

مہاجروں کی ٹولیاں: ابو سلمہ کے بعد عامرؓ بن ربیعہ، ان کی بیوی لیلیٰؓ بنت خیثمہ، قدامہؓ عبداللہؓ بن مظعون اور خباب بن الارت نے ہجرت کی اور مصعب بن عمیر کے پاس پہنچ گئے۔ پھر مکہ سے شماسؓ بن عثمان، ارقمؓ بن ارقم بن معد او بن عمرو، حاتمؓ بن ابی بلتعہ، مسعودؓ بن ربیعہ، سعدؓ بن ابی سرح روانہ ہوئے، اور مدینہ پہنچ گئے۔ بعد ازاں عثمان بن عفان، ابو حلیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، اور ان کے غلام سالمؓ نے ہجرت فرمائی، اور ان کے بعد حضرت حمزہؓ، زید بن حارثہ، ابو مرثد اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو کبشہ نے ہجرت کی رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین۔ پھر عمرو بن ام مکتوم، عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسعود اور حضرت بلال رضی اللہ عنھم نے اکٹھے ہجرت فرمائی۔ ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ بیس صحابہ کے ساتھ عازم یثرب ہوئے۔

عمر فاروقؓ کی برملا ہجرت: دوسرے صحابہؓ نے ہجرت فرمائی تو خاموشی سے اور خفیہ طور پر لیکن حضرت عمرؓ جب ہجرت کرنے لگے تو آپؓ نے تلوار میان میں ڈال لی، اور ہاتھ میں تیرو کمان پکڑے کعبہ کی طرف گئے۔ قریش کی موجودگی میں کعبہ کا سات بار طواف کیا۔ پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر قریش کے پاس آئے اور کہا جو شخص تم میں راضی ہو کہ وہ اپنی ماں کا بیٹا گم کرے یا بیوی کو بیوہ کرے یا بچوں کو یتیم ---- وہ ہمارا پیچھا کرے۔ علی المرتضیٰ فرماتے ہیں کہ میں وہاں موجود تھا۔ قریش میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ عمرؓ کا پیچھا کرے۔ آپؓ حضور علیہ اسلام کی ہجرت سے پندرہ روز پہلے اپنے ساتھیوں کے ساتھ عازم مدینہ ہوئے تھے۔ پھر مسلسل ہجرت ہوتی رہی۔ اب صرف وہی مسلمان مکہ میں رہ گئے جو کافروں کی قید میں تھے یا سفر کی استطاعت نہ رکھتے تھے یا کسی اور وجہ سے معذور و مجبور تھے۔ (معارج النبوۃ اردو جلد دوم ۶۱۱ - ۶۱۲)

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد، جو ماہ ذوالحجہ میں وقوع پذیر ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محرم اور صفر کے مہینوں میں بھی مکہ معظمہ میں مقیم رہے تاکہ دوسرے مسلمان ہجرت کر جائیں۔ جب یہ عمل مکمل ہو گیا اور مکہ میں صرف چند مسلمان رہ گئے جن میں علی المرتضیٰ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے تو حضور علیہ السلام کو بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد باری تعالیٰ کی تعمیل میں ماہ ربیع الاول میں ہجرت فرمائی۔

حضور علیہ السلام کے خلاف قریش کی خفیہ مشاورت: قریش نے اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور مدینہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت سے خائف ہو کر قصی بن کلاب کے مکان میں واقع دارالندوہ میں خفیہ مشاورت کی۔ کہ مبادا محمد ﷺ بھی ہجرت کر کے مدینے پہنچ جائیں اور بعد ازاں اپنے حامیوں کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ محمد ﷺ کو ہجرت کرنے سے پہلے ہی قتل کر دیا جائے۔ لیکن بنو عبد مناف کے ساتھ جنگ کا خطرہ تھا اس لئے قتل کرنے کا لائحہ عمل بعد از مشورت یہ طے ہوا کہ ہر قبیلے کا ایک بہادر نوجوان چن لیا جائے۔ پھر یہ سب نوجوان مل کر محمد ﷺ کو قتل کر ڈالیں۔ اس طرح آپ ﷺ

Marfat.com

کا خون بہا تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا اور اکیلے بنو عبد مناف ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس شوریٰ میں ابو سفیان، ابو جہل، عتبہ، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث، ابو البختری، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، اور امیہ بن خلف وغیرھم ایسے سردار موجود تھے۔

ابلیس کی شمولیت: مروی ہے کہ ابلیس لعین بھی ان لوگوں میں "شیخ نجدی" بن کر شامل ہو گیا اور ان کی کچی اور خام تجاویز کی خامیاں ظاہر کر کے کسی پختہ تجویز پر زور دیتا رہا۔ حتیٰ کہ ابو جہل نے مذکورہ بالا تجویز پیش کی تو شیخ نجدی نے اسے پسند کیا اور قابل عمل قرار دیا۔ چنانچہ رات کو ان لوگوں نے حضور کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۳ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۹۸ البدایہ والنھایہ ج ۳ صفحہ ۱۳۵، الوفا ابن جوزی (اردو) صفحہ ۲۷۹۔۲۸۱)

آمد جبریلؑ: جبریل نے آپ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ آج رات آپ ﷺ اپنے معمول کے بستر پر آرام فرما نہ ہونا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور اپنی سبز چادر عطا فرمائی۔ حضرت علیؓ بلا خوف و خطر ارشادِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق آپ ﷺ کے بستر پر لیٹ گئے۔ روایات میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ جیسی نیند مجھے اس رات آئی ویسی پہلے کبھی نہ آئی۔ ان کو ارشاد ہوا کہ تم لوگوں کی امانتیں (جو حضور علیہ السلام کی تحویل میں تھیں) لوگوں کو واپس سونپ کر مدینے چلے آنا۔ الوفا (اردو) لابن جوزی صفحہ ۲۸۱) ابن سعد (۸:۵۱ بیروت ۱۹۵۸) کے مطابق رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم نامی معمر خاتون نے قریش کی رات والی قرارداد سے حضور کو مطلع فرمایا تھا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ صفحہ ۴۲) لیکن اس اطلاع کی بہ نسبت جبرئیل امین کی اطلاع زیادہ قابل یقین تھی جس میں آئندہ لائحہ عمل کی ہدایت بھی تھی۔)

اعجازِ رسول ﷺ: حضرت علیؓ کو ارشادات عالیہ سے نواز کر فخر دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اندھیرے میں سورۃ یٰسین کی ابتدائی آیات تلاوت فرماتے ہوئے چپکے سے کفار کی جماعت کے پاس سے گزر گئے اور دل و عقل کے اندھے بے خبری کا شکار ہو کر رہ گئے۔ آپ ﷺ اپنے جان نثار حضرت ابو بکر صدیق کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ جن کے ساتھ کچھ عرصہ پیشتر حضور ﷺ کا عقد ہو چکا تھا ان کی بہن حضرت اسماؓ اور ان کے والد صدیق اکبرؓ ہی گھر پر تھے۔ آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اذنِ ہجرت کا مژدہ سنایا، اور جبریل کا یہ پیغام بھی دیا کہ اس سفر میں صدیق اکبرؓ کو ساتھ لے چلیں۔ چنانچہ آپؓ خوش ہو گئے۔

شرمندگی ہی شرمندگی: جب حضور علیہ السلام جا چکے تھے تو ایک شخص قریش کے جتھے کے پاس سے گزرا۔ پوچھا "یہاں کیوں جمع ہو؟" بولے "محمد ﷺ کا انتظار کر رہے ہیں" وہ بولا "وہ ابھی ابھی ادھر سے نکل کر گئے ہیں۔" حملہ آوروں نے جھانکنا شروع کیا۔ اندر بستر پر

Marfat.com

کسی کو سوتے دیکھا تو سمجھے کہ حضور ﷺ ہی سو رہے ہیں۔ صبح ہوئی تو حضرت علی بستر سے بیدار ہوئے۔ کفار نے علی المرتضیٰ کو دیکھا تو (بروایت علیؓ) وہ بہت شرمسار بھی ہوئے اور حیران بھی۔ وہ حضرت علی کو پکڑ کر پوچھ گچھ کرتے رہے۔ پھر کعبہ اللہ کے قریب ان کو چھوڑ دیا۔

گھات لگانے والوں کے نام: واقدی نے اپنے شیوخ کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضور کی تاک میں رات بھر راہ دیکھنے والے مندرجہ ذیل اشخاص تھے:

(۱) ابو جہل، (۲) حکم بن ابی العاص، (۳) عقبہ بن ابی معیط، (۴) نضر بن الحارث، (۵) اُمیہ بن خلف، (۶) ابن الغیطلہ، (۷) زمعہ بن الاسود، (۸) طعمہ بن عدی، (۹) ابولہب، (۱۰) ابی بن خلف اور حجاج کے دو بیٹے (۱۱، ۱۲) نبیہ و منبہ (الوفا (اردو) صفحہ ۲۸۳)

صدیق اکبرؓ اور ہجرت: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن خلاف معمول دوپہر کو حضور علیہ السلام ہمارے گھر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ نے اپنے گرد اور چہرۂ مبارک پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ اندر آتے ہی ارشاد فرمایا کہ دیگر افراد کو گھر سے نکال دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ گھر میں آپ کے اہل خانہ (حضرت عائشہ کا عقد حضور سے کچھ ہی عرصہ پہلے ہو چکا تھا) اور اس کی بہن اسماء کے سواء دوسرا کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اچھا۔ تو میں تمہیں اپنی ہجرت کی اجازت ملنے کی خبر دینے آیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض "کیا مجھے بھی شرف رفاقت نصیب ہو گا؟" فرمایا "ہاں۔" اس پر صدیق اکبرؓ نے بتایا کہ میں نے دو اونٹنیاں چار ماہ ہوئے اس مقصد کے لئے خرید رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک اپنی پسند کے مطابق آپ ﷺ لے لیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "قیمت دے کر لوں گا اور ضرور لوں گا۔" (مدارج النبوت ج ۲ صفحہ ۹۶-۹۵ الوفا صفحہ ۲۸۴)

جب تیاری ہو چکی تو وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس رات آپ ﷺ گھر سے نکل کر سیدھے صدیق اکبر کے گھر پہنچے۔ خورد و نوش کا سامان تیار تھا۔ توشہ دان کا منہ باندھنے کے لئے حضرت اسماءؓ نے اپنے کمر بند کو دو ٹکڑے کیا۔ ایک حصہ سے توشہ دان کا منہ باندھا اور دوسرے حصہ کو بطور کمر بند استعمال کیا۔ اس پر آپ کو ذات النطاقین کا لقب دیا گیا۔ (ابن خلدون (اردو) ج ۲ صفحہ ۶۵ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ صفحہ ۷-۸)

ئے دیگر دوسرے حصے سے مشکیزہ کا منہ باندھا)

راہبری کے لئے بنی دیل کے عبداللہ بن اُرَیقط کو اُجرت پر لیا ہوا تھا۔ ان کو تاکید کی کہ دو تین دن کے بعد دو اونٹنیاں لے کر جبل ثور کے پاس آ جائیں۔ عبداللہ اگرچہ مسلمان نہ تھا مگر راز چھپانے میں قابل اعتماد تھا۔

حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق صدیق اکبرؓ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کی پچھلی کھڑکی سے نکلے اور جبل ثور کی طرف تشریف لے گئے۔ قریش نے ان دونوں کو زندہ یا مردہ پکڑنے پر سو اونٹ کا انعام رکھا تھا۔

Marfat.com

تاریخ ہجرت: واقدی نے کہا ہے کہ جس رات حضور ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ گھر سے نکلے اس وقت ماہ صفر کی تین راتیں باقی تھیں اور نبوت کا تیرہواں سال تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ ربیع الاول میں جمعرات کے دن ہجرت فرمائی، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ پیر کا دن تھا۔ ان روایتوں کی تطبیق اس طرح ہے کہ مکہ سے روانگی جمعرات کو ہوئی اور تین دن بعد پیر کو جبل ثور سے آگے روانہ ہوئے۔ یا اس کے برعکس مکہ سے روانگی پیر کو اور جبل ثور سے روانگی جمرات کو ہوئی۔ یہ تاویل بہت سی روایتوں کے مطابقت رکھتی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے۔ (مدارج النبوۃ اردو جلد ۲ صفحہ ۹۶-۹۷)

جبل ثور: جبل ثور مکہ معظمہ سے پانچ چھ کلومیٹر دور داہنی جانب واقع ہے پہاڑ کی چوٹی قریباً پونے دو کلومیٹر بلند ہے، اور یہاں سے سمندر دکھائی دیتا ہے (سیرۃ النبی ج ا صفحہ ۱۷۲ بحوالہ زرقانی علی المواہب) ہلکا سا سامان سفر ساتھ تھا اندھیری رات، پتھریلا راستہ اور فخر موجودات ﷺ کو پیدل چلنا پڑ رہا تھا جس کا احساس صدیق اکبر ﷺ کو بھی تھا کہ حضور ﷺ کے پاؤں زخمی ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو کندھوں پر اٹھالیا اور غارِ ثور کے دہانے تک لے گئے۔ یہاں آپ ﷺ کو اتارا اور خود وہ غار کے اندر گئے۔ اسے صاف کیا اور بلوں کو (برد صابری (۱)) اپنی چادر کے ٹکڑے کر کے ان سے بند کیا مبادا حشرات الارض میں سے کوئی نقصان پہنچائے پھر حضور ﷺ کو اندر تشریف لانے کے لئے عرض کیا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے آپ ﷺ اندر جا کر صدیق اکبر ﷺ کے زانوؤں پر سر رکھ کر استراحت فرمانے لگے۔ ایک بل پارچہ کے ٹکڑے ختم ہو جانے کی وجہ سے بند نہ ہو سکا تھا۔ اس پر یارِ غارؓ نے اپنا پاؤں رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سانپ نے اندر سے ڈسا۔ مگر یارِ غار درد کو پی گئے۔ آواز تک نہ نکالی نہ حرف شکوہ زبان پر آیا۔ البتہ ڈسنے کا یہ سلسلہ جاری رہا تو انتہائی ضبط کے باوجود آنکھوں سے دو گرم گرم آنسو ٹپک کر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے چہرۂ اقدس پر گر پڑے۔ آپ ﷺ جاگ گئے۔ فرمایا "کیا ہوا؟" جو بات ہوئی تھی عرض کر دی۔ آپ ﷺ نے ثانی اثنینؓ کی ایڑی پر متعلقہ جگہ پر لعاب دہن لگایا، اور شفاء کلی حاصل ہو گئی۔

(۱) تفسیر کبیر میں ہے کہ برد صابری بڑی قیمتی چادر تھی جس کے ٹکڑوں سے سوراخ بند گئے۔ (معارج النبوہ (اردو) ج ۳ صفحہ ۶)

ادھر کفارِ مکہ حضور علیہ السلام کو تلاش کرنے لگے۔ کچھ لوگوں کے ساتھ ابو جہل حضرت ابوبکر صدیق کے گھر پہنچے اور حضرت اسماءؓ سے پوچھا کہ ابوبکرؓ کہاں ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہمیں تو معلوم نہیں۔ ابو جہل نے ان کو ایک زور دار تھپڑ مارا جس سے ان کے کان کی بالی ٹوٹ گرگئی۔ پھر یہ لوگ تلاش محمد ﷺ میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

ایثارِ صدیق: بدنی ایثار کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ نے حضور علیہ الصلوۃ کی خدمت و اطاعت میں مالی ایثار سے بھی کام لیا اس وقت آپ کے پاس پانچ چھ ہزار درہم تھے وہ سب کے سب اپنے ساتھ لے گئے۔ آپؓ کے والد ابو قحافہ ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ وہ نابینا تھے۔ جب ان کو بعد میں

Marfat.com

پتہ چلا کہ ان کا بیٹا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا گیا تو اپنی پوتی اسماءؓ سے پوچھا کہ کیا کچھ رقم گھر بھی چھوڑ گئے ہیں۔ انہوں نے ایک کپڑے میں پتھر وغیرہ لپیٹ کر اسی جگہ رکھ دیا جہاں روپے رکھے ہوتے تھے اور دادا جی کو ساتھ لیجا کر کہا "ہاتھ لگا کر دیکھیں یہ روپوں والا تھیلا ہے" اور اس طرح دادا جی کو مطمئن کر دیا۔ ابو قحافہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی چار پشتیں صحابیت کا شرف رکھتی ہیں یعنی ابو قحافہ (باپ) صدیق اکبر (بیٹا) بیٹے بیٹیاں (عائشہ اسماء اور عبدالرحمٰن، عبداللہ) اور نواسے پوتے بھی صحابیؓ تھے۔

غار میں قیام: حضور علیہ السلام اور صدیق اکبرؓ غار میں تین دن تشریف فرما رہے۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکر نوخیز جوان تھے۔ وہ رات کو غار میں سو رہتے اور صبح سویرے منہ اندھیرے مکہ آ جاتے اور سارا دن یہاں رہ کر قریش کی منصوبہ بندیاں نوٹ کرتے رہتے اور شام کو چلتے پھرتے غار میں پہنچ کر سب کچھ حضور علیہ السلام کے گوش گزار کر دیتے۔ صدیق اکبرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ بکریاں چراتا چراتا غار کی طرف آ جاتا اور بعد از عشاء اللہ کے دو بندوں کو دودھ پیش کر دیتا اور حضرت اسماء رات کے اندھیرے میں کھانا پہنچا جاتیں۔

(سیرت النبی ج ۱ صفحہ ۲۷۱ بحوالہ بخاری شریف و ابن ہشام۔ رحمۃ للعالمین ج ۱ صفحہ ۱۰۹-۱۱۰ سیرت سرور عالم ج ۲ صفحہ ۲۵-۲۰۷ مدارج النبوۃ ج ۲ (اردو) صفحہ ۹۷-۱۹۸)

تلاش محمد ﷺ اور کفارِ مکہ: کفارِ مکہ حضور علیہ السلام کی ہجرت سے نہایت خوف زدہ تھے وہ اس کے دور رس نتائج سے آگاہ تھے۔ اہل یثرب کے ساتھ لڑنے بھڑنے کا مطلب وہ سمجھتے تھے کہ یہ ناچاقی تجارت پر اثر انداز ہوگی۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی گرفتار کریں اور پھر جو چاہیں سلوک کریں۔ چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی محمد ﷺ کا پتہ بتائے گا وہ سو سرخ اونٹ انعام میں پائے گا۔ بہت سے لوگوں نے اسی لالچ میں آپ ﷺ کو تلاش کرنا شروع کر دیا، اور مجموعی طور پر قریش دو کھوجیوں کو الگ الگ ساتھ لیکر تلاش میں نکلے۔ ایک کھوجی کرز بن علقمہ خزاعی اپنے ساتھیوں کو غار ثور کے دہانے تک لے گیا اور کہا کہ یہاں سے آگے وہ کہیں نہیں گئے۔ (مکی ﷺ مدنی ﷺ ماہی صفحہ ۳۱۴)

اللہ ہمارا ساتھی: کفار کی آہٹ پا کر صدیق اکبرؓ غمزدہ ہوگئے کہ اب حضور علیہ السلام کہیں پکڑے نہ جائیں۔ کیونکہ کفار کو صدیق اکبر سے اتنی دشمنی نہ تھی۔ لہذا صدیق کو اگر غم تھا تو صرف رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ وہ پکڑے گئے تو تبلیغ حق کا مشن نامکمل رہ جائے گا۔ اس لئے انہیں حضور علیہ السلام کا غم اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ جونہی رسالتماب ﷺ نے آپؓ کو غمزدہ دیکھا تسلی دیتے ہوئے فرمایا **لا تحزن ان اللہ معنا** یعنی حزن و ملال نہ کر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ بات من و عن قرآن نے دہرائی ہے۔

فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما

Marfat.com

فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلی و کلمۃ اللہ العلیا واللہ عزیز حکیم (۹:۴۰)

بیشک اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی جب کافروں نے انہیں ہجرت پر مجبور کیا۔ صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب وہ ﷺ اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اس پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ان لشکروں سے ان کی مدد کی جن کو تم دیکھتے نہیں تھے، اور کافروں کی بات گرائی، اور اللہ کی بات کا ہی بول بالا ہے، اور اللہ غالب ہے حکمت والا۔ (توبہ:۴۰)

اللہ کے لشکر: وللہ جنود السموات والارض (فتح۔۴،۷) روایات میں آتا ہے کہ جب یار ﷺ اور یارِ غار غار کے اندر تھے اور ادھر کفار غار کے دہانے پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ببول کا درخت غار کے دہانہ پر اگا ہوا ہے۔ جس پر وحشی کبوتروں کے جوڑے نے آشیانہ بنا کر انڈے دے رکھے ہیں، اور اِدھر اُدھر مکڑی نے جالا تن رکھا ہے۔ (ابو نعیم، ابن مردودیہ، بیہقی وابن سعد بطریق ابو مصعب مکی عن انس بن مالک، زید بن ارقم وغیرہ) بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کافر اگر جھک کر اپنے پاؤں کی جانب دیکھتے تو وہ ہمیں دیکھ لیتے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ اے ابوبکر ان دو شخصوں کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جن میں تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے بعد کافر لوٹ گئے۔ مروی ہے کہ کافر کہنے لگے کہ اگر محمد ﷺ اندر داخل ہوتے تو کبوتر کے انڈے ٹوٹ جاتے اور مکڑی کا جالا درہم برہم ہو جاتا، اور یہ درخت تو محمد کی (بروایتے دیگر عبداللہ بن عبدالمطلب کی) پیدائش سے بھی پہلے کا اگا ہوا لگتا ہے۔ (مدارج النبوت (اردو) ج ۲ صفحہ ۱۰۰۔۹۹) کہتے ہیں کہ یہ بات اُمیہ بن خلف نے کہی تھی (مکی مدنی ماہی صفحہ ۳۱۴) مواہب لدنیہ میں بسند بزار منقول ہے کہ حرم مکہ کے کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کی دعائے برکت سے یہ قیامت تک شکار ہونے اور ہلاکت سے محفوظ رہیں گے۔ ابو نعیم "حلیہ" میں روایت کرتے ہیں کہ مکڑی نے پہلی بار جالا حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے تنا تھا جب جالوت کو ان کی تلاش تھی اور دوسری بار غار ثور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تنا۔ منکرین سمجھیں یا نہ سمجھیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کو اللہ کے سواء کوئی نہیں جانتا۔ (قرآن۔۷۴۔۳۱) وہی تو ہے جو اصحابِ فیل کو ابابیلوں سے شکست دلاتا ہے۔ نمرود کو مچھر سے اور غزوۂ خندق میں کفار کے لشکروں کو سرد ہواؤں سے۔ کسی قوم کو چنگھاڑ ہلاک کر دیتی ہے۔ کسی پر آسمان سے "مطر السوء" کا برساؤ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے امر میں بہرحال غالب ہے۔

(مدارج النبوۃ اردو ج ۲ صفحہ ۹۹ خصائص کبری (اردو) ج ۱ صفحہ ۴۷۰)

Marfat.com

غار ثور سے روانگی: تین دن اور تین رات تک غار ثور میں قیام کے بعد یکم ربیع الاول ۵۴ فیل / ۱۳ نبوی یا ۴ ربیع الاول کو عبداللہ بن **اریقط الدیلی** جو بنو بکر بن عبد مناف سے تھا اور عاص بن وائل سہمی کا حلیف، راستوں کے اینچ پینچ کا ماہر رازوں کا امین اور تجربہ کار رہبر تھا اور جس کو ہجرت کی غرض سے مدینے جانے کے لئے صدیق اکبرؓ نے اجرت پر رکھا تھا (انساب الاشراف ج ا صفحہ ۲۶۰، جوامع السیرۃ صفحہ ۹۱) حسب وعدہ دونوں اونٹنیاں لیکر غار ثور کے قریب آپہنچا جو اونٹنی حضور علیہ السلام نے ۹۰۰ درہم کے عوض رکھی تھی اس (قصویٰ یا جدعا) پر آگے حضور علیہ السلام اور پیچھے صدیق اکبرؓ سوار ہو گئے اور دوسری پر عبداللہ بن **اریقط** اور صدیق اکبرؓ کا غلام عامر بن فہیرہؓ سوار ہو کر ساحلی راستہ سے سمندر کے کنارے کنارے مدینہ کی طرف چلے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ اردو)

سراقہ تعاقب میں: بنو مدلج کے سردار سراقہ بن مالک بن **جعشم** نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور سو اونٹوں کے انعام کے لالچ میں تعاقب میں نکلا۔ گھوڑا دوڑا کر قریب پہنچا۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی وہ گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیروں سے فال نکالی۔

(زمانہ جاہلیت میں کچھ قلم جن پر "ہاں" اور "نہ" لکھا ہوتا تھا ان سے فال نکالی جاتی تھی۔ اگر "ہاں" والا قلم نکلتا تو وہ کام کیا جاتا اگر نہ والا قلم نکل آتا تو اس کام سے باز رہتے۔ کہتے ہیں کہ سراقہ نے انہی قلموں سے فال نکالی تھی۔ (محمد رسول اللہ ﷺ از محمد رضا مصری صفحہ ۲۲۹)

جواب "نہیں" میں تھا۔ مگر لالچ میں اندھا سراقہ پورے جوش کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ اب گھوڑا گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اب فال نکالی تو جواب وہی تھا۔ مگر لالچ بری بلا ہے۔ پھر ہمت کی اور ناکامی کے بعد ہار مان لی۔ (سیرت النبی جلد ا صفحہ ۲۷۰۔ ۲۷۳ بحوالہ بخاری شریف باب ہجرۃ النبی) روایات میں ہے کہ جب سراقہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ نے دعا کی:

اللھم اکفناہ بما شئت (الٰہی ہمیں اس کے شر سے جس طرح تو چاہے محفوظ رکھ) تو گھوڑے کے چاروں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اب سراقہ حضور علیہ السلام سے عرض کناں ہوا کہ میرے گھوڑے کو چھڑا دیجئے۔ میں آپ ﷺ کا تعاقب کرنے والوں کو لوٹا کر لے جاؤں گا۔ تو آپ ﷺ نے دعا کی: **اللھم ان کانا صادقا فاطلق فرسہ** (الٰہی اگر وہ سچا ہے تو اس کے گھوڑے کو چھوڑ دے) اسی وقت گھوڑا زمین سے نکل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے حضور ﷺ کی خدمت میں توشہ اور سامان پیش کرنا چاہا مگر آپ ﷺ نے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ بس تم ہمارا معاملہ پوشیدہ رکھنا

(مدارج النبوۃ جلد ۲ (اردو) صفحہ ۱۰۵۔ سراقہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے قبیلہ کی کثیر جماعت کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوا (ایضا) حضور نے فرمایا سراقہ اس دن تیرا کیا حال ہو گا جب تجھے کسریٰ کے سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ یہ پیشگوئی عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں پوری ہوئی جب ایران فتح ہوا اور مال غنیمت میں شاہ

Marfat.com

کسریٰ کے طلائی کنگن آئے تو عمر فاروق نے وہ کنگن سراقہ کو پہنائے۔ سبحان اللہ (مکی مدنی ماہی صفحہ ۱۵۔
سراقہ نے ۲۴ھ میں بعد عثمان غنی رضی اللہ عنہ وفات پائی۔)

اس واقعہ سے سراقہ نے اندازہ لگالیا کہ حضور علیہ السلام ضرور ایک دن غالب و کامران ہوں گے چنانچہ اس نے درخواست کی کہ مجھے امن کی تحریر عنایت فرمایئے۔ پس عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امن کا فرمان لکھ دیا (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۷۴ بحوالہ بخاری شریف) ایک روایت ہے کہ سراقہ غزوہ حنین کے بعد جعرانہ کے مقام پر یہی "فرمان امان" پیش کر کے امان کے طالب ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امان دیدی۔ سراقہ نے اسلام قبول کرلیا (رحمتہ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۱۱۱۔۱۱۲) حاکم نے مستدرک میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف روانگی کے وقت یہ دعا کی تھی:

اللھم انک تعلم انھم اخرجونی من احب البلاد الی فاسکنی احب البلاد الیک

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ کفار نے مجھے میرے محبوب ترین شہر سے نکال دیا ہے پس اب تو مجھے اپنے محبوب ترین شہر میں بسا دے۔" (محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ از محمد رضا مصری، اردو صفحہ ۲۴۶)

اثنائے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آرام فرمانا:

چلتے چلتے جب دھوپ کی تمازت بڑھ گئی تو اس چھوٹے سے قافلے نے آرام کرنا چاہا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر کے سائے میں ہموار جگہ پر چمڑے کا بستر بچھا دیا جس پر حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکیہ لگا کر سو گئے۔ اس بیابان میں صدیق اکبرؓ نے ایک چرواہے سے دودھ حاصل کیا اور ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اس میں پانی ملایا اور نوش کیا۔ جب حضور بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی ٹھنڈا دودھ پیش کیا۔ بعد ازاں یہ قافلہ رواں دواں ہو گیا۔

ام معبد کا ڈیرہ:

آگے چلے تو ام معبد (عاتکہ بنت خالد خزاعی) کے خیمہ کے پاس ٹھہرنے کا ارادہ فرمایا یہ جگہ قدید کہلاتی تھی **ام معبد** بڑی نیک اور مسافروں کی خدمت گزار بوڑھی خاتون تھیں۔ حضور علیہ السلام نے ان سے کھجوریں، دودھ اور گوشت کی طلب کا اظہار فرمایا۔ مگر یہ چیزیں موجود نہ تھیں۔ ام معبد نے قحط سالی اور تنگدستی کی شکایت کرتے ہوئے خدمت نہ کر سکنے پر معذرت کی۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک لاغر اور ناتواں سی بکری پر پڑی جو ریوڑ کے ساتھ جا نہ سکنے کے باعث گھر پر بندھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد کی اجازت سے بسم اللہ کر کے اسے دوہنا شروع کیا اور یہ دعا فرمائی **اللھم بارک لھا فی شاتھا** (یا اللہ ام معبد کو اس بکری میں برکت عطا فرما) اس پر بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ دوہ کر ایک برتن بھر دیا اور سب خیمہ والوں کو پلایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی اور آخر میں خود نوش فرمایا۔ پھر دوہنے بیٹھے تو خیمہ میں جتنے برتن بڑھیا کے پاس تھے سب بھر دیئے اور پھر بکری کو چھوڑ دیا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ بکری اٹھارہ سال تک زندہ رہی اور صبح شام دودھ دیتی رہی حتیٰ کہ عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں جب شدید قحط پڑا اور بہت سی مخلوق خدا ہلاک ہو

Marfat.com

گئی، یہ بکری ان دنوں میں بھی دووقت دودھ دیتی رہی۔ اس سال کو "عام الرمادہ" کہتے ہیں۔ اس سال کے بعد وہ بکری اللہ کو پیاری ہوگئی

(مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲-۱۰۳)

اس جگہ آرام کرنے کے بعد یہ قافلہ آگے بڑھ گیا۔

ابو معبد کی آمد: ام معبد کا خاوند "اکثم بن ابی الجون" بکریاں چرانے کے بعد لوٹا تو گھر میں دودھ کی ندیاں بہتی دیکھیں اور حیرت سے پوچھنے لگا کہ اتنا سارا دودھ کہاں سے آیا؟ ام معبد نے سب ماجرا بیان کیا کہ یہ سارا فیض تو ایک بابرکت ہستی کا ہے جو آج ادھر سے گزری ہے۔ ابو معبد نے کہا۔ ذرا اس کا حلیہ تو بتانا۔ شاید یہ وہی ہے جس کی تلاش میں قریش پاگل ہوئے جارہے ہیں۔ کاش میں ان کی زیارت کا شرف پا سکتا اور ان کے ساتھ رہتا۔" منقول ہے کہ اس کے بعد ام معبد اور ابو معبد دونوں نے ہجرت کی اور اسلام قبول کرلیا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۳)

حضور علیہ السلام کا حلیہ مبارک: ام معبد نے جو فصیح البیان خاتون تھیں، آپ ﷺ کا حلیہ بیان فرمایا (اسی مناسبت سے یہاں آپ ﷺ کا جامع حلیہ شریف بیان کیا جاتا ہے) اس ﷺ بابرکت ہستی کا قد میانہ اور بے مثال تھا۔ لوگوں میں کھڑے ہوں تو وہ سربلند اور ممتاز نظر آتے۔ سر بڑا مگر خوبصورت۔ سر کے بال لمبے اور قدرے گھنگریالے چہرۂ اقدس جمال الٰہی سے منور، ماتھا خوبصورت اور چوڑا اور اللہ کے نور سے روشن روشن۔ ابرو تنگی تلوار کی مانند اور ابرو جہاں ملتے ہیں وہاں کمان بناتے ہوئے۔ آنکھوں میں زاغ البصر اور حیاداری کا سرمہ، نظریں حسن کی شراب طہور سے جھکی جھکی اور ان میں سرخ ڈورے، پلکیں گھنی، لمبی اور خوبصورت، کان خوبصورت، متناسب اور دور و نزدیک کی سماعت کے یکساں حامل، ناک مبارک نورانی اور خوبصورت اور نورانیت کے پرتو سے محسوسا ذرا اٹھی ہوئی۔ نرم نرم گلابی گال جیسے پھولوں کی تازہ پتیاں، دانت سفید آبدار موتیوں جیسے اور پرنور ایسے کہ مسکراہٹ سے اندھیرے روشن ہو جائیں، صورت ایسی خوبصورت اور دلربا کہ جو کوئی دیکھے فریفتہ ہو جائے۔ داڑھی مبارک گھنی اور بھرپور اور خوش نما گردن مبارک جنت کی شراب طہور والی صراحی کی طرح مصفا۔ کندھے بلند اور خوشنما اور ان پر بال اور دونوں ذرا فرق سے تھے۔ بغلیں پاکیزہ اور صاف ستھری اور مشک و عنبر سے بڑھ کر خوشبودار۔ سینہ مبارک چوڑا، خوشنما اور بھرا بھرا، پیٹ مبارک ہموار اور صاف، سینے مبارک سے ناف تک باریک بالوں کا خط سا ظاہر ہوتا تھا۔ دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہاتھ مبارک ٹیوں جیسے نرم نرم، لمبے اور خوشنما بازو، چوڑے اور گوشت بھرے۔ انگلیاں لمبی خوشنما اور نرم، ناخن ہلال جیسے، پنڈلیاں صاف، خوشنما اور پتلی اور مناسب گوشت سے پر پاؤں مبارک پاکیزہ اور صاف ستھرے ایسے کہ ان پر کبھی گرد و غبار نہ جمتا۔ سید لولاک ﷺ کا سارا بدن مبارک کمال کا روشن اور پرنور اور ہر ہر عضو اپنی جگہ متناسب اور خوبصورت اور خوشنما تھا۔

براءؓ بن عازب سے مروی ہے کہ رسول ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوبرو اور خوشخو

Marfat.com

تھے (بخاری و مسلم) ابو ہریرہ فرماتے ہیں:

ما رایت شیا احسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں نے رسول اکرم سے بڑھ کر حسین و جمیل کوئی شے نہیں دیکھی۔ اس میں لفظ "شی" آیا ہے رجلا اور انسانا نہیں آیا۔ ورنہ بلاغت کمزور پڑ جاتی۔ "شیا" میں مبالغہ زیادہ ہے۔ گویا حضور علیہ السلام چاند تاروں سورج سے لیکر خوشنما اور خوبصورت ترین اشیاء میں جمال و حسن میں سب سے فائق ہیں۔

حضرت براابن عازب سے کسی پوچھا کیا حضور کا چہرہ روشنی، صفائی، رعنائی اور تابانی میں تلوار جیسا تھا؟ فرمایا "نہیں بلکہ ماہتاب جیسا تھا" تلوار میں چونکہ گولائی نہیں اس لئے آپ کے چہرے کو چاند سے تشبیہ دی کہ اس میں گولائی بھی ہے اور تابانی اور صفائی بھی۔ (بخاری شریف) امام مسلم کی حدیث میں ہے کہ آفتاب اور ماہتاب" سے انہوں نے تشبیہ دی۔ صباحت اور ملاحت میں سے آپ ﷺ کو ملاحت زیادہ عطا ہوئی تھی چنانچہ فرمایا ﷺ **انا ملح واخی اصبح** یعنی مجھے ملاحت زیادہ ملی اور میرے بھائی یوسف علیہ السلام کو صباحت

(مدارج النبوۃ جلد ا صفحہ ۱۱ اردو ترجمہ مفتی غلام معین الدین مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

منقول ہے کہ آپ کا چہرۂ اقدس نہ مکلثم تھا نہ مطہم۔ مکلثم چہرہ وہ جو دائرہ کی طرح گول ہو اور قاضی عیاض نے شفا میں کہا کہ جس کی تھوڑی چھوٹی ہو وہ گولائی کو مستلزم ہے اور مطہم وہ چہرہ کہلاتا ہے جو پھولا پھولا اور پر گوشت ہو گویا کہ وہ متورم ہے یا اس کے برعکس یعنی پچکا ہوا اور یہ دونوں صفات حسن و جمال کے منافی ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کے رخسار نرم و ہموار تھے یعنی نہ جھکے ہوئے نہ باہر نکلے ہوئے

(مدارج النبوۃ جلد ا صفحہ ۱۲ اردو ترجمہ مفتی غلام معین الدین مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

بخاری شریف میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے..... کہ انہوں نے حضور کے چہرے کو اس طرح تشبیہ دی "**کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سرا ستلنار وجھہ کانہ قطعۃ قمر**" یعنی آپ ﷺ کی پیشانی پر جب شکن پڑتی تو آپ کا چہرہ، انور چاند کے ٹکڑے کی طرح چمکنے لگتا۔ ایک حدیث میں ہے "**کان تبرق اسا ریر وجھہ**" یعنی آپ ﷺ کی پیشانی کی شکنیں چمکنے لگتیں۔ صدیق اکبرؓ کی نظر میں آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس دائرہ قمر کی مانند تھا۔ دائرہ قمر چاند کے ہالے کو کہتے ہیں۔ اس تشبیہ سے اشارہ اس طرف ہے کہ آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس سے جو نور ظاہر ہوتا وہ (نور) چہرۂ اقدس کے گرد ہالے کا روپ دھار لیتا اور پھر چاند میں جو ٹھنڈک، روشنی اور طمانیت ہے اس کا بھی جواب نہیں گویا رحمتہ للعالمین ﷺ کی تعریف اس طرح زیادہ بلیغ انداز میں ممکن ہوئی۔

○ بیہقی نے ابو اسحاق سے روایت کی کہ ایک ہمدانی عورت نے مجھے کہا کہ میں نے رسول کونین ﷺ کے ساتھ حج کیا ہے۔ میں نے اسے آپ ﷺ کے چہرہ کی بابت سوال کیا۔ اس نے کہا:

Marfat.com

کالقمر لیلۃ البدر لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ

"آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس چودھویں کے چاند کی مانند تھا۔ میں نے ایسا چہرہ نے پہلے کبھی دیکھا نہ بعد میں۔"

○ ابن ابی ہالہؓ کی حدیث میں ہے:
دیکھنے والوں کی نظر میں حضور ﷺ عظیم بزرگ اور مہیب تھے گویا آپ ﷺ کا چہرہ انور چودھویں کے چاند کی مانند روشن و تاباں تھا مواہب میں ہے کہ جب آپ ﷺ مسرور ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ آئینہ ہو جاتا جس میں درودیوار کے نقوش اور لوگوں کے چہروں کا عکس جھلکنے لگتا۔

○ جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں۔ چاندنی رات تھی۔ آپ ﷺ سرخ جوڑا پہنے ہوئے تھے۔ میں کبھی روئے انور کو دیکھتا کبھی چاند کو۔ خدا کی قسم آپ ﷺ مجھے چاند سے زیادہ منور اور حسین لگتے تھے۔

(مدارج النبوۃ جلد ا صفحہ ۱۳۔ ۱۴)

○ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن سلام نے آپ ﷺ کو دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ ایسا چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔

○ ایک دفعہ آپ ﷺ نے شہر سے باہر ٹھہرے ہوئے اجنبی قافلہ والوں سے ایک اونٹ کا سودا کیا اور یہ کہہ کر اونٹ ساتھ لے گئے کہ ابھی جا کر اس کی قیمت بھجواتا ہوں" ذرا دیر ہوئی تو قافلے والوں کو تشویش سی ہوئی۔ اس پر سردار قافلہ کی خاتون نے تسلی دیتے ہوئے کہا "مطمئن رہو۔ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا ہے جو چودھویں کے چاند جیسا تھا وہ بد معاملگی کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ قیمت نہ بھجوائے تو میں ادا کر دوں گی اور اتنے میں حضور ﷺ نے مقررہ مقدار سے زیادہ کھجوریں بھجوا دیں۔

(سیرت النبی ج ۲ صفحہ ۳۸۰، مواہب مدینہ جلد ا صفحہ ۲۴۴)

○ "حضور سے زیادہ خوبرو کسی کو نہ دیکھا۔ ایسا لگتا گویا سورج چمک رہا ہے" (ابو ہریرہؓ)
○ "اگر تم دیکھتے تو سمجھتے گویا سورج طلوع ہو گیا" (ربیعؓ بنت معوذ)
○ "دیکھنے والا پہلی نظر میں ہی مرعوب ہو جاتا" (علی المرتضیٰؓ)
○ "چہرے پر چاند کی سی چمک تھی" (ہندؓ بن ابی ہالہ)
○ "چہرہ بالکل گول نہ تھا بلکہ ہلکی گولائی لئے ہوئے تھا" (علی المرتضیٰؓ)
○ آپ ﷺ کا رنگ نہ چونے کی طرح سفید تھا نہ سانولا بلکہ گندم گوں جس میں سفیدی غالب تھی" (حضرت انسؓ)
○ آپ ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا" (علی المرتضیٰؓ)
○ آپ ﷺ کا رنگ سفید تھا مگر ملاحت لئے ہوئے (ابو الطفیلؓ)
○ آپ ﷺ کا رنگ سفید اور چمکدار تھا" (ہند بنؓ ابی ہالہ)
○ بدن ایسا گویا چاندی سے ڈھلا ہوا تھا" (ابو ہریرہؓ) "آپ ﷺ کا بدن موٹا نہیں تھا" (علی

Marfat.com

المرتضیٰؓ"

○ "آپ ﷺ کی آنکھیں سیاہ اور پلکیں دراز تھیں، کندھوں کا درمیانی حصہ پر گوشت تھا" (علی المرتضیٰؓ)

(محسن انسانیت از نعیم صدیقی صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۹)

بریدہ اسلمی کا قبول اسلام: ابو سلیمان خطابی نقل کرتے ہیں کہ بریدہ بن الخصیب بھی سو سرخ اونٹوں کے لالچ میں اپنے قبیلہ کے ستر سواروں کے ساتھ تلاش حضور ﷺ میں نکلا حتیٰ کہ غمیم کے مقام پر اس نے آپ ﷺ کو جالیا۔ حضور علیہ السلام تفاول بھی فرما لیتے تھے مگر تطیر نہیں فرماتے آپ ﷺ نے بریدہ کو دیکھا تو فرمایا "تم کون ہو؟" "میں بریدہ بن الخصیب ہوں" پھر پوچھا "کس قبیلہ سے ہو؟" جواب ملا "بنی اسلم سے فرمایا "اسلمنا" پھر پوچھا "کس قوم سے ہو؟" بریدہ بولا "بنو سہم سے" فرمایا ﷺ **اصبت سھمک** بریدہ نے حضور علیہ السلام کی میٹھی میٹھی باتیں سنیں تو حیرانی سے پوچھا آپ ﷺ کون ہیں؟" فرمایا "میں محمد بن عبد اللہ کا رسول ہوں۔ یہ سنا تو بریدہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اس کے ستر ساتھی بھی ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ یہ لوگ رات بھر حضور کے ساتھ رہے۔ صبح سویرے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا ورود مسعود مدینہ میں جھنڈے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ پھر اپنی پگڑی اتاری اور اس کا علم بنایا اور اسے نیزہ پر اڑاتا ہوا آگے آگے چلا۔ طبل اور بگل بھی اس کے ساتھ تھا۔ چنانچہ بڑی سج دھج سے مدینہ کو روانگی ہوئی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)
حضرت بریدہؓ کو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد تو ذوالقرنین کے تعمیر کردہ شہر خراسان جائیگا جسے مرو کہتے ہیں اور خاور مشرق اس پر نور افشاں ہوتا ہے۔ قیامت تک تو ان کے ساتھ رہے گا۔ ابو العلا ہمدانی "مستقص" میں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بریدہؓ اسلامی لشکروں کے ساتھ مرو گئے اور وہیں وفات پائی اور تنور گران کے محلہ میں شہر کے امیر اور قاضی حکم بن عمرو غفاری کے جوار میں دفن ہوئے رضی اللہ عنہم (معارج النبوۃ جلد ۳، اردو صفحہ ۲۲۔ ۲۳)

(استیعاب لابن عبد البر اور وفاء الوفا میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے "بریدہ" کا نام سنا تو حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ ہمارا کام خوش و خنک اور درست ہو گیا۔ "بنو اسلم قبیلہ" کا نام سنا تو فرمایا کہ ہمارے لئے خیر و سلامتی ہے۔ پھر "بنو سہم" سنا تو فرمایا تو (اسلام سے) اپنا حصہ پائے گا۔ پھر جب بریدہ نے "محمد رسول اللہ" کے الفاظ حضور سے سنے تو فوراً اسلام قبول کر لیا۔) (سیرت رسول عربی صفحہ ۸۸۔۸۹ از نور بخش توکلی)

زبیر بن العوام سے ملاقات: منقول ہے کہ ان دنوں زبیر بن العوامؓ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ شام سے ایک قافلہ کے ہمراہ مکہ کو جا رہے تھے کہ راستے میں آپ ﷺ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ سابقین اسلام میں سے تھے اور ابوبکر صدیقؓ سے گہری دوستی تھی۔ چنانچہ انہوں نے یار ﷺ اور یار غارؓ کی خدمت میں بالترتیب سفید لباس اور ایک چادر پیش کی اور ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۷۴)

Marfat.com

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہؓ سے ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے لباس اور چادر دی تھی

(مدارج النبوۃ جلد ۳ صفحہ ۲۳)

مکہ تا مدینہ منورہ سفری منازل کے نام: ابن سعد نے طبقات میں اس سفر ہجرت کی منزلوں کو نام اس طرح دیئے ہیں خرار، ثنیتہ المرۃ، لقف، مدلجہ، مرجح حدائد، اذاخر، رابغ

(یہ مقام آج کل بھی معروف ہے یہاں آپ ﷺ نے مغرب کی نماز ادا فرمائی تھی۔)

ذاسلم، عثانیہ، قاحہ، عرج، جدوات، رکوبتہ، عقیق اور جثجاثہ (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۷۴)

ایک شجر مبارک: زمخشری نے ربیع الابرار میں ہند بنت الجون سے نقل کیا ہے کہ خیمہ ام معبد میں آپ ﷺ نے آرام فرمایا وہ میری خالہ تھی۔ حضور ﷺ جاگے تو پانی سے کلی کی اور کلی کا پانی "عوسج" نامی درخت کی جڑوں پر ڈال دیا صبح کو وہ ایک بڑا درخت ہو گیا اور اس کا پھل بڑا، نہایت میٹھا اور مزیدار تھا جو کوئی کھاتا سیر ہو جاتا۔ پیاسا کھاتا تو پیاس بجھ جاتی، بیمار کھاتا تو صحت پاتا۔ بھیڑ، بکری، اونٹ اس کے پتے کھا کر بہت سا دودھ دیتے۔ اس کا نام شجرہ مبارکہ رکھا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے پھل جھڑ گئے اور پتے چھوٹے ہو گئے۔ پتہ چلا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ تیس سال بعد پتے بھی جھڑ گئے پتہ چلا علیؓ المرتضیٰ شہید ہوئے۔ پھر ایک دن اس کے تنے سے خون بہہ نکلا ہم تخت حیران ہوئے۔ پتہ چلا کہ حسینؓ بن علیؓ نے شہادت پائی۔ اس کے بعد یہ درخت سوکھ کر رہ گیا۔ (شمامتہ العنبریہ صفحہ ۱۳۶ از نواب صدیق حسن خاں بھوپالی)

• **مدینۃ النبی ﷺ میں انتظار نبی ﷺ:** رسول خدا ﷺ کی تشریف آوری کی خبر مدینہ طیبہ پہنچ چکی تھی لوگ روزانہ صبح کو شہر سے نکل کر مقام حرہ تک آتے اور دوپہر تک انتظار کرنے کے بعد واپس لوٹ جاتے۔ ایک دن واپس لوٹ رہے تھے کہ ایک یہودی کو دیکھا جو بلند قلعہ پر کھڑا تھا۔ اس نے قافلہ نبوی ﷺ کو دیکھا تو زور سے بے اختیار پکار اٹھا "اے معشر عرب وہ دیکھو تمہارا گوہر مقصود آ رہا ہے۔" مسلمانوں نے دیکھا تو جوش مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ انصار ہتھیاروں سے سج سجا کر بیتابانہ حضور کے استقبال کے لئے حرہ قبا کے عقب تک جا پہنچے۔ (سیرت رسول عربی صفحہ ۸۹)

میزبان دو عالم ﷺ کی میزبانی: قبا یا عالیہ مدینہ منورہ سے پانچ کلو میٹر دور بالائی آبادی ہے جہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ ان میں عمرو بن عوف کا خاندان ممتاز تھا اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے۔ آنحضرت ﷺ قباء میں تشریف فرما ہوئے تو تمام خاندان نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اس محلہ کے لوگ بھی استقبال کو حاضر ہوئے بقول شبلی نعمانی میزبان دو عالم ﷺ نے عمرو بن عوف کو میزبانی کا شرف بخشا۔ اہل عقیدت جوق در جوق آتے اور

Marfat.com

سلام عرض کرتے۔ (بخاری شریف، طبقات ابن سعد، سیرت النبی جلد ا صفحہ ۲۷۵)

پہلے سے ہجرت کر کے آنے والے صحابہؓ بھی عمرو بن عوف ہی کے مہمان تھے جن میں حضرت ابو عبیدہؓ، مقداد، خباب، سہیل، صفوان، عیاض، عبداللہ بن مخرمہ، وہب بن سعد، معمر بن ابی سرح اور عمیر بن عوفؓ شامل تھے۔

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آن ملے: حضرت علیؓ حضور علیہ السلام کی غار ثور سے روانگی کے تین دن بعد مکہ سے چلے اور سفر کرتے ہوئے قباء میں نبوی قافلہ سے آن ملے۔ آپؓ کے ہمراہ کچھ غریب اور کمزور مسلمان بھی مکہ معظمہ سے آئے تھے۔

یہ سب وہیں ٹھہر گئے حضور ﷺ نے یہاں چار دن (بقول اہل سیر) قیام کیا۔ جبکہ بخاری شریف میں ہے کہ چودہ روز قیام فرمایا۔

قبا میں آمد کی تاریخ: آپ ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوی کو قبا میں داخل ہوئے (سیرۃ النبی ج ا صفحہ ۲۷۷ یا یکم ربیع الاول بروز پیر (شمالہ العنبریہ صفحہ ۳۷) یا دو یا بارہ ربیع الاول ۱۳ نبوی (معارج النبوۃ جلد ۳ صفحہ ۵۲) کو قبا میں تشریف لائے۔

خوارزمی نے جمعرات کا دن لکھا ہے، نیز یہ کہ، فارسی مہینے "تیر" کی چوتھی، رومی ماہ "ایلول" ۹۳۳ سکندری کی دسویں (یا بارہویں) تاریخ تھی۔ جدید حساب کے مطابق ایلول کی بیسویں تاریخ آتی ہے اور دن دوشنبہ (پیر بنتا ہے۔

: سیرت النبی جلد ا صفحہ ۲۷۷ بحوالہ شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۴

شرح عینی (مطبوعہ قسطنطنیہ) میں غلطی سے سبعمائۃ لکھا ہے جسے تسمائۃ پڑھنا چاہیے۔

حاشیہ ۲ صفحہ ۲۷۷ سیرۃ النبی جلد اول

سرور المحزون میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قبا میں پہنچنے کی تاریخ ۸ ربیع الاول لکھی ہے۔ زاد المعاد میں دن پیر ۱۲ ربیع الاول تحریر ہے اور بعض روایات میں دیگر مختلف تواریخ بھی ملتی ہیں، طبرانی بحوالہ عاصم بن عدی، ابن ہشام، ابن جریر اور ابراہیم بن سعد (بحوالہ ابن اسحاق) آپ ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو قباء پہنچے۔ بلاذری اور ابن قتیبہ نے یہی تاریخ درست تسلیم کی ہیں مولانا مودودی کے مطابق "صحیح و معتبر بات یہی ہے کہ حضور ﷺ یکم ربیع الاول کی رات کو مکہ سے نکل کر غار ثور میں تشریف لے گئے۔ تین شب و روز وہاں رہے۔ ۴ ربیع الاول کو رات کے آخری حصے میں مدینہ کے لئے روانہ ہوئے اور بارہ ربیع الاول کو دوپہر کے وقت وہاں پہنچ گئے۔ شمسی حساب سے یہ تاریخ ۲۴ ستمبر ۶۲۲ تھی (سیرت سرور عالم جلد ا صفحہ ۶۳۶-۶۳۷)

Marfat.com

صبغۃ اللہ کی جھلک: قبا میں حضور علیہ السلام پہنچے تو مہاجرین اور انصار نے آپ کا استقبال کیا بخاری میں عبداللہ بن حارثہ سے روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام کلثوم بن ہدم کے ہاں اترے تو اس نے اپنے غلام کو "یا نجیح" کہہ کر پکارا۔ حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر سے فرمایا "تم نے کامیابی حاصل کی (خصائص کبریٰ، اردو جلد اول صفحہ ۴۷۷)

انصار ہر سمت سے گروہ در گروہ سرور کونین ﷺ کی خدمت میں سلام عقیدت پیش کرنے کے لئے حاضر ہوتے اور حسن رسول کے دیدار سے سکون قلب و نظر حاصل کرتے۔ حسن ازل آج مزمل و مدثر کے روپ میں جلوہ گر تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام صبغۃ اللہ کی بہترین مثال تھے۔ صدیق اکبرؓ پر بھی محبوب خدا ﷺ کا رنگ اپنی بہار دکھا رہا تھا۔ انصار میں بعض لوگ نئے تھے اور حضور علیہ السلام کو پہچانتے نہ تھے اس لئے وہ صدیق اکبرؓ کو ہی سرور عالم ﷺ سمجھ بیٹھتے۔ صدیق اکبرؓ بھی اس مغالطہ کو بھانپ گئے اور وہ حضور علیہ السلام کو سایہ کرکے کھڑے ہو گئے اس طرح سب پر حضور علیہ السلام کا تشخص واضح ہو گیا۔

(رحمۃ للعالمین جلد اصفحہ ۱۱۲)

مسجد قبا کی تعمیر اور حضور ﷺ: عرب کی سرزمین میں مسجد قبا کو اسلام میں سب سے پہلی مسجد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جس کی بنیاد حضور نے رکھی۔ قبا میں کلثومؓ بن الہدم کی کچھ زمین خالی پڑی تھی۔ حضور علیہ السلام نے اسے مسجد کے لئے موزوں خیال فرمایا اور تعمیر مسجد کا ارادہ ظاہر کیا۔ سب لوگ تعمیل ارشاد پر کمربستہ ہو گئے۔ اس کی تعمیر میں حضور علیہ السلام نے خود بھی کام کیا۔ حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروقؓ تعمیر کے لئے پتھر ڈھو رہے تھے۔ حضرت علی ؓ ابھی تک اثنائے سفر میں تھے۔

(اسلامی سائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۷۷۶ مطبوعہ پیسہ اخبار لاہور عنوان مسجد قبا)

حضور علیہ السلام یہاں مزدور بن کر اہل اسلام کا ساتھ دے رہے تھے۔ آپ ﷺ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ عقیدت مند آپ ﷺ سے پتھر لے لیتے۔ آپ ﷺ بھی صحابہؓ کی دلجوئی کے لئے پتھر انہیں پکڑا دیتے اور خود ایک اور پتھر اٹھانے چلے جاتے

(تاریخ ابن خلدون جلد صفحہ ۱۷ سیرۃ النبی جلد اصفحہ ۱۷۶)

حضرت عبداللہ بن رواحہ شاعر تھے۔ وہ بھی بطور مزدور تعمیر میں حصہ لے رہے تھے اور ساتھ ساتھ دل بہلانے اور تھکاوٹ بھلانے کے لئے گا کر یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

افلح من یعالج المساجدا ----- و یقرء القرآن قائما و قاعدا۔ **ولا یبیت اللیل عنہ راقدا** وہ کامران ہوا جس نے مسجد بنائی اور اٹھتے بیٹھتے قرآن کی تلاوت کی اور رات کو جاگ کر عبادت کی آنحضرت ﷺ بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے۔ سورۃ توبہ آیت ۱۰۸-۱۰۹ میں مسجد قبا کی تعریف اس طرح ملتی ہے۔

Marfat.com

"بیشک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم۔ (مسجد ضرار کے مقابلے میں) اس میں کھڑے ہووو اور اس مسجد میں وہ لوگ ہیں جو خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں O تو کیا بھلا وہ کہ جس نے اپنی بنیاد خوف خدا اور اس کی رضاجوئی پر رکھی (بہتر ہے یا وہ) جس نے اپنی بنیاد گہرے گڑھے کے کنارے پر رکھی اور پھر جہنم کی آگ میں گر پڑا۔۔۔؟ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا O

مفسرین کے مطابق اس مسجد سے مراد مسجد قبا ہے جس کی بنیاد حضور علیہ السلام نے رکھی۔ قبا میں قیام کے دوران آپ اسی میں نماز پڑھتے تھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ آپ ہر ہفتہ اس مسجد میں تشریف لایا کرتے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اس میں نماز پڑھنے کا ثواب عمرہ کے برابر ہے۔ بعض نے اس سے مسجد نبوی مراد لی ہے۔

علماء نے تصریح کی ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی بھی ہے کیونکہ اس کی بنیاد بھی حضور علیہ السلام نے رکھی تھی اور مسجد قبا کی بھی اور دونوں کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ تاہم حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا **لمسجد اسس علی التقوی ---- ھو مسجد قبا** امام احمد حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے صحابہ کی ایک جماعت کو "مسجد تقویٰ" کی طرف جانے کا حکم دیا اور پھر خود بھی صدیقؓ و عمرؓ کے کندھوں پر دست مبارک رکھ کر مسجد قبا پہنچ گئے

(مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ اردو)

مفسرین کرام "**یحبون ان یتطھروا**" کے شان نزول میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل مسجد قبا کے حق میں نازل ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے گروہ انصار اللہ تعالیٰ نے تمہاری پاکیزگی اور طہارت کی تعریف کی ہے۔ یہ تمہارے کونسے عمل کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ہم بڑا استنجا تین ڈھیلوں سے کرتے ہیں اور اس کے بعد پانی کے ساتھ طہارت بھی کرتے ہیں"۔ اس پر حضور علیہ السلام نے پانی سے استنجا کرنے کا حکم دیا۔

(تفسیر از مولانا نعیم الدین مراد آبادی زیر آیت مذکورہ سے بھی استفادہ کیا)

قبا سے مدینہ کی طرف روانگی: حضور علیہ السلام قبا میں چار، چودہ یا بیس دن تک تشریف فرما رہنے کے بعد جمعہ کے دن مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مہاجرین اور انصار بھی ساتھ تھے۔ جب محلہ بنی سالم بن عوف تک گئے تو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نماز جمعہ سو صحابہ کرام کے ساتھ وادی رانونا کی مسجد میں ادا فرمائی۔

سب سے پہلی نماز جمعہ و خطبہ: وادی رانونا میں حضور علیہ السلام نے سب سے پہلا جمعہ پڑھایا۔ نماز سے پہلے طویل خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ مسجد آج بھی مسجد الجمعہ کے نام سے مشہور ہے۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ وادی رانونا کی مسجد کو پہلے "مسجد غیبب" کہتے تھے۔

Marfat.com

براءؓ بن معرور کی وفات: آپ نقباء انصار میں سے خزرجی اور اسلمی ہیں جنہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر اسلام کی دولت پائی۔ آپؓ انصار کے سردار تھے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ آپ نے حضور علیہ السلام کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے ایک ماہ پہلے ایک سفر کے دوران وفات پائی۔ حضور ﷺ جب مدینہ منورہ آئے تو آپ ﷺ نے صحابہؓ کے ہمراہ براء بن معرور کی قبر کے پاس نماز پڑھی اور یہ دعا فرمائی۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وارض عنہ وقد فعلت

(مدارج النبوۃ اردو جلد دوم صفحہ ۱۲۴)

مدینہ میں جشن آمد رسول ﷺ: نماز جمعہ کے بعد ہمارے پیارے نبی ﷺ آگے بڑھے اور جنوب کی طرف سے بنی بیاضہ، بنی ساعدہ اور بنی حارث بن خزرج کی بستیوں سے گزرتے ہوئے بنی عدی بن نجار میں پہنچے جو آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے ننہال تھے۔ سلیط بن قیس نجاری خزرجی چند آدمیوں کے ساتھ ننہالی رشتہ کی یاد دہانی کروا کر اقامت کے لئے عرض گزار ہوئے تو فرمایا کہ میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ جہاں وہ بیٹھ جائے گی انشاء اللہ وہیں ہم اقامت گزیں ہوں گے۔

حضور علیہ السلام کے استقبال کے لئے انصار نئے لباس زیب تن کئے، ہتھیار لگائے اور آنکھیں فرش راہ کئے، راستہ کے دونوں طرف کھڑے تھے۔ شہر کو کئی دنوں سے آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں سجایا جا رہا تھا۔ دونوں طرف مکانوں کی چھتوں پر عورتیں سرور کونین کے استقبال کے لئے کھڑی تھیں۔ ننھی منی بچیاں رنگ رنگ کے لباس پہنے رسول خدا کے استقبال کے لئے حاضر تھیں۔ لڑکے بالے بھی آپ ﷺ کو خوش آمدید کہنے کے لئے حاضر تھے۔ ہر طرف گویا رسول خدا سے محبت اور فرط عقیدت کے نظارے عام تھے۔ ہر کوئی جوش محبت میں بے اختیار اور بیقرار تھا۔ حبشی غلام ہتھیاروں سے کھیل پیش کر کے اظہار مسرت کر رہے تھے حتیٰ کہ جانور بھی خوش و خرم تھے۔

(سیرت رسول عربی صفحہ ۹۳ رحمۃ اللعالمین جلد اول صفحہ ۱۲۰،۱۲۱)

پردہ نشین خواتین مکانوں کی چھتوں پر کھڑی آپ ﷺ کو خوش آمدید کہتی ہوئی استقبالیہ گیت گانے لگیں اور سب کے جذبات کی ترجمان بن کر انہوں نے شان رسول مقبول ﷺ میں یہ ترانہ گایا۔

۱۔ طلع البدر علینا -- من ثنیات الوداع

۲۔ وجبت الشکر علینا -- مادعی للہ داع

۳۔ ایھا المبعوث فینا -- جئت بالامر المطاع

۴۔ انت شرفت المدینہ -- مرحبا یا خیر داع

۵۔ فلبسنا ثوب یمن -- بعد تلفیق الرقاع

Marfat.com

۶- فعلیک اللہ صلی و- ما سعی للہ ساع

۱- وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا

۲- دعامانگنے والوں کی دعا تک (ہمیشہ کے لئے) ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے۔

۳- اے ہمارے نبی المکرم! آپ ﷺ جو دین لائے وہ قابل عمل واطاعت ہے۔

۴- آپ ﷺ نے تشریف لا کر مدینہ المنورہ کو مشرف فرمایا۔ اے بہترین دعوت دینے والے ہم آپ ﷺ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

۵- آج ہم نے آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں یمنی کپڑے پہن رکھے ہیں حالانکہ پہلے ہم پیوند لگے کپڑے پہنا کرتے تھے۔

۶- اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر رحمتیں نازل فرمائے جب تک اللہ کی راہ میں کوشش کرنے والے کوشش کرتے ہیں۔ (سیرت مصطفیٰ صفحہ ۱۴۳ از علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مکتبہ فریدیہ ساہیوال)

سب سے روشن اور پر نور دن: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جس دن حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کی نورانیت کے طفیل مدینے کی ہر چیز جگمگا اٹھی۔

(خصائص کبریٰ (اردو) جلد ا صفحہ ۷۷ ۳ بیہقی بروایت انسؓ)

حاکم اور بیہقی حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جس روز حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے۔ میں حاضر خدمت ہوا۔ میں نے اس دن سے زیادہ احسن اور نورانی دن اور کوئی نہ دیکھا۔ (ایضاً)

حضور پر نور کی تشریف فرمائی کی مناسبت سے یثرت کو مدینہ منورہ کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اسے مدینۃ النبی مدینۃ الرسول کا مستقل نام ملا۔ پھر مدینہ عام شہر کی بجائے اصطلاحی معنوں میں مشہور و معروف ہو گیا۔ اب چودہ سو سال سے "مدینہ" یثرب کا مستقل نام ہے۔

ناقہ رکتی ہے: سرور کونین ﷺ ناقہ پر سوار تھے اور اس کی مہار بالکل ڈھیلی چھوڑ رکھی تھی۔ وہ دائیں بائیں دیکھتی چلی جارہی تھی۔ لوگ اب بھی فرط عقیدت سے میزبانی کی پیشکش کرتے مگر حضور علیہ السلام شکریہ کے ساتھ آگے بڑھ جاتے۔ ناقہ جب مالک بن نجار کے محلے میں پہنچی تو ایک میدان میں بیٹھ گئی جو دو یتیموں سہل اور سہیل پسران رافع بن عمرو کی ملکیت تھا اور جہاں کھجوریں خشک کرنے کا کھلیان بنا رکھا تھا۔ (اسی جگہ بعد میں مسجد نبوی تعمیر کی گئی) پھر ناقہ یہاں سے اٹھی اور چلتی چلتی قریب ہی حضرت ابو ایوب انصاری کے صحن میں بیٹھ گئی اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور منہ کھولے بغیر آہستہ آہستہ بولنے لگی۔ رسول کونین ﷺ سمجھ گئے کہ یہی منزل ہے۔ آپ ﷺ ناقہ پر سے اترے اور فرمایا یہ ہے ہماری منزل انشاء اللہ۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کجاوہ اٹھا کر اندر لے گئے۔ حضرت زید بنؓ حارثہ ساتھ تھے۔ بنو نجار کا محلہ انصار کی بستی کے مرکز میں واقع تھا اور سب سے اچھا متصور ہوتا تھا۔ یہ لوگ

Marfat.com

حضرت عبد المطلب کے ننہال تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ جب حضور کی ناقہ ابو ایوب انصاری کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی تو بنو نجار کی بچیوں نے دف بجا کر اور گیت گا کر اس طرح اظہار مسرت کیا:

نحن جوار من بنی نجار یا حبذا محمد من جار

"ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں۔ ہم کتنی خوش قسمت ہیں کہ محمد ﷺ ہمارے پڑوسی ہیں"
آپ ﷺ نے ان سے پوچھا "تمہیں مجھ سے محبت ہے؟" عرض کی "ہاں یا رسول اللہ" حضور علیہ السلام نے فرمایا "میں بھی تم سے محبت رکھتا ہوں" (زرقانی علی المواہب جلد اول صفحہ ۳۵۹-۳۶۰، طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ ۲۳۲-۲۳۴)

طبری راوی ہے کہ اس دن لڑکے بالے، گروہ در گروہ خوشیاں مناتے مدینے کی گلیوں میں حضور کی آمد کے نعرے لگاتے دوڑتے پھر رہے تھے۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ جو فرحت و سرور اور انوار اور تجلیات حضور علیہ السلام کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے دن ظاہر ہوئیں نہ اس سے پہلے کبھی ظاہر ہوئی تھیں نہ اس کے بعد (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۵)

میزبانی کے لئے قرعہ اندازی: اصابہ فی احوال الصحابہ میں ہے کہ جب آپ ﷺ کی اونٹنی بنو نجار کے محلہ میں پہنچی تو ہر شخص کی خواہش تھی کہ وہ میزبانی رسول ﷺ کا شرف پائے۔ آخر قرعہ ڈالا گیا اور یہ سعادت حضرت ابو ایوبؓ انصاریؓ جن کا نام خالد تھا کے حصہ میں آئی۔ صحیح مسلم (باب الہجرۃ) میں ہے کہ حضور ﷺ نے میزبانی کے معاملے میں فرمایا کہ میں بنو نجار کے ہاں ٹھہروں گا جو عبد المطلب کے ماموں ہیں۔ تاریخ و سیرت کی اکثر کتب میں "ناقہ کے مامور ہونے کا واقعہ ہی بیان کیا گیا ہے۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر میں لکھا ہے کہ ابو ایوب کے گھر اترنا قرابت داری کی وجہ سے تھا تاہم ناقہ کے مامور من اللہ ہونے کی بات بھی درست ہے۔ یعنی بنو نجار میں سے --- جس کے گھر اللہ نے چاہا آپ ﷺ وہاں مقیم ہو گئے۔

ادب گاہ نبوی ﷺ: حضرت ابو ایوب انصاری کا مکان دو منزلہ تھا حضور کے ادب نے مجبور کیا کہ آپ ﷺ کو بالائی منزل پیش کی جائے۔ مگر حضور علیہ السلام نے ملنے والوں کی آمد و رفت کے پیش نظر زمینی منزل میں تشریف رکھنا پسند فرمایا۔ حضرت ابو ایوبؓ دو وقت کا کھانا حضور کی خدمت میں بھیج دیتے اور اس کھانے میں سے جو کچھ بچتا وہ آپ کی بیوی اور آپ خود نہایت عقیدت اور محبت سے تبرک جان کر کھا لیتے۔ کھانے میں جہاں حضور علیہ السلام کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا۔ ابو ایوبؓ انصاری تبرکا وہیں انگلیاں ڈالتے (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۷۹ بحوالہ اصابہ و زرقانی)

ایک دن بالائی منزل پر پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا۔ امکان تھا کہ پانی نیچے گر کر حضور ﷺ کے اور حاضر صحابہؓ کے لئے باعث تکلیف ہو گا۔ حضرت ابو ایوبؓ نے فوراً پانی پر لحاف ڈال دیا تاکہ اس میں پانی جذب ہو جائے آپ ﷺ نے اس جگہ سات ماہ تک قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں مسجد نبوی اور متصلہ حجرے تیار ہو

Marfat.com

گئے تو آپ ﷺ وہاں منتقل ہو گئے۔ (ایضاً)

اھ کے واقعات

حضرت انسؓ بن مالک کی والدہ کا ایثار: جب حضور علیہ السلام مدینہ تشریف لائے تو حضرت ام انسؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے دس سالہ بیٹے انس بن مالک کو بطور خدمت گزار پیش کیا اور عرض کی یا رسول اللہ یہ بچہ کم سن ہے مگر لکھنا پڑھنا جانتا ہے پس حضرت انسؓ حضور ﷺ کی زندگی تک آپ کی خدمت میں رہا کیے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس دس سالہ دور خدمت میں رحمتہ للعالمین ﷺ نے مجھے ایک دفعہ بھی جھڑکا تک نہ تھا (سیرۃ النبی جلد ا)

پھر ایک موقع پر ام انسؓ نے اپنی ساری جائیداد جناب رسالتماب ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضور ﷺ نے قبول فرما کر اسے اپنی دایہ ام ایمن جو حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی والدہ تھیں کے حوالے کر دیا اور خود فقر و فاقہ ہی اختیار فرمایا۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۸۳-۲۸۲)

عبداللہ بن سلام اسلام لاتے ہیں: حضرت عبداللہ بن سلام بہت بڑے یہودی عالم، سلیم الطبع اور حق شناس شخص تھے۔ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ یہودیوں میں ان کا بڑا اعتبار اور اثر تھا اور وہ ان کو علمی فضیلت کی وجہ سے بہت اہمیت دیتے تھے۔

عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو لوگوں کے ساتھ میں بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس دیکھتے ہی میں نے یقین کر لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ میں نے آپ ﷺ کی باتیں غور سے سنیں۔ آپ فرما رہے تھے۔ **ایھا الناس آمنو السلام اطعمو الطعام وصلو الارحام وصلو باللیل والناس ینام فدخلو اجنت السلام**

یہ باتیں سنیں تو میں گھر آگیا۔ دوسری بار حاضر ہوا تو میں نے آپ سے تین سوال کیے جن کا جواب کوئی پیغمبر ہی دے سکتا تھا۔ پہلا سوال یہ تھا کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے کبھی ماں کے اس کی وجہ کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ جنتیوں کا سب سے پہلا کھانا کونسا ہو گا اور تیسرا سوال یہ تھا کہ قیامت کی خاص علامات کیا ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ابھی مجھے جبریل نے بتایا ہے کہ ----"۔ اس پر میں نے کہا کہ جبریل یہودیوں کا دشمن ہے۔ جس کے جواب میں آپ نے یہ آیت پڑھی۔ **قل من کان عدوا لجبریل ---- عدو للکافرین** (۹۸-۲/۹۷) یعنی (اے نبی ﷺ) فرما دیجئے کہ جو کوئی جبریل کا دشمن ہو تو پڑا ہو۔ (اسے غصے میں مرجانا چاہیے!) بہرحال جبریل نے یہ کتاب (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ کے اذن سے نازل کی ہے۔ جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی

Marfat.com

ہے اور اہل ایمان کے لئے ہدایت و بشارت ہے جو شخص خدا کا اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل امین اور میکائیل کا دشمن ہو تو بے شک ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ تعالیٰ بھی ہے۔ (بقرہ ۹۷-۹۸)

پھر آپ نے سوالات کے اس طرح جوابات دیئے۔

۱۔ ماں یا باپ کے ساتھ بچے کی مشابہت نطفہ کے اثر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جس کا نطفہ غالب آجائے اسی پر مشابہت ہو گی۔

۲۔ بہشتیوں کا پہلا کھانا اس مچھلی کی کلیجی ہو گا جس پر زمین قائم ہے۔

۳۔ لوگوں کے حشر کی ابتداء اس طرح ہو گی کہ مشرق کی طرف سے ایک آگ نمودار ہو گی جو لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر میدان حشر میں پہنچا دے گی۔ عبداللہ بن سلام نے یہ جوابات سنے تو فوراً کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور عرض کیا "یارسول اللہ! یہودی ایک متعصب قوم ہیں وہ مجھے اسلام قبول کرنے پر طعنہ زنی کریں گے۔ آپ ان کو میرا حوالہ دیئے بغیر اپنے پاس بلائیں اور پوچھیں کہ میں کیسا آدمی ہوں۔ جب وہ میری تعریف کریں گے تو میں ان پر اپنا اسلام ظاہر کر دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ عبداللہ بن سلام ایک جگہ چھپ گئے۔ یہود آئے تو آپ ﷺ نے ان سے عبداللہ بن سلام کے بارے میں رائے لی۔ یہود بولے "وہ ہمارا پیشوا، عقلمند رہبر اور ہمارے امام کا بیٹا ہے۔ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا کہ اگر وہ عقلمند شخص اسلام کو سچ تسلیم کر کے اسے قبول کر لے تو کیا تم اس کا ساتھ دو گے ہر دفعہ یہود بولے۔ "اللہ نہ کرے کہ وہ ایسا کرے"۔ اس پر آنحضور ﷺ نے عبداللہ کو آواز دی۔ وہ باہر نکلے اور یہودیوں سے مخاطب ہو کر کہا "ساتھیو! محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں ان پر تم بھی ایمان لے آو"۔ یہودی بولے "تم جھوٹے ہو۔ یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ذکر تورات میں ہے۔ بلکہ تم خود بھی جاہل ابن جاہل ہو" اس پر حضور نے یہ مجلس برخاست فرما دی۔ (مدارج النبوۃ اردو جلد ۲ صفحہ ۱۱۲-۱۱۳، معارج النبوۃ جلد ۳ صفحہ ۳۲-۳۳)

مسجد نبوی کی تعمیر: حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے قریب دو یتیم بچوں کی ملکیت ایک خالی میدان تھا۔ یہ بچے سہل اور سہیل تھے جو رافع بن عمرو کے بیٹے تھے اور اسعد بن زرارہ کے زیر کفالت تھے۔ حضور علیہ السلام نے اس جگہ مسجد بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ زمین کی قیمت بچوں کے ایثار کے باوجود حضور کے ایماء پر حضرت صدیق اکبرؓ نے یا ابو ایوبؓ نے ادا کر دی۔

(مدارج النبوۃ میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے یہ قیمت "دس مثقال سونا" ادا کی (جلد ۲، اردو صفحہ ۱۱۰) نیز دیکھیے سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۸۰)

اب تک مویشی خانہ میں یا جہاں موقع ملتا نماز ادا کی جاتی تھی۔ چنانچہ باقاعدہ نماز کے لئے مسجد کی اشد ضرورت تھی۔ اس میدان میں کھجوروں کے درخت، ٹیلے اور مشرکوں کی قبریں تھیں آپ ﷺ نے حکم دیا کہ درخت کاٹ ڈالو۔ ٹیلے ہموار کرو اور قبروں کو برابر کر دو۔ چنانچہ تعمیل ارشاد کے بعد کچی اینٹوں

Marfat.com

سے تعمیر مسجد کا کام شروع ہوا۔ کچی دیواریں تھیں اور ان پر کھجور کے پتوں کی چھت ڈالی۔ ستون کھجوروں کے تنوں کے تھے۔ تعمیر میں حضور علیہ السلام خود بھی مزدوروں کی طرح کام کر رہے تھے۔ عمار بن یاسر دوسروں کے مقابلہ میں دو دو (بڑی) اینٹیں اٹھا کر لاتے اور کہتے کہ ایک میری اور دوسری حضور کی طرف سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "عمار کو دوسروں کے مقابلے میں دگنا اجر ملے گا اور اس کی غذا آخری عمر میں دودھ ہو گی اور اسے باغی لوگ شہید کریں گے۔ (مدارج النبوۃ اردو جلد ۲ صفحہ ۱۱۶)

اس کے باوجود کہ صحابہؓ آپ ﷺ کو کام نہ کرنے دیتے تھے، آپ خود اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے اور مٹی سے آپ ﷺ کا شکم مبارک آلودہ ہو جاتا تھا۔ اس پر صحابہؓ یہ شعر پڑھتے:

لئن قعدنا الرسول یعمل ذاک اذا العمل المضلل

اگر ہم بیٹھے رہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اکرم کام کریں تو ہمارا یہ عمل گمراہی ہو گا۔

اللھم لاخیر الا خیر الاخر فاغفر (فارحم) الانصار والمہاجر

"جبکہ حضور ﷺ صحابہؓ کے حق میں دعا فرماتے اور یہ رجز پڑھتے تھے

اے اللہ آخرت کی نیکی ہی اصل نیکی ہے تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے (ان پر رحمت کر)

مواہب للدینہ میں ابن شہاب کا قول ہے کہ رسول اکرمؐ سے اس شعر اور مندرجہ ذیل ایک شعر کے سوا اور کوئی شعر موزوں کرنا ہم تک نہیں پہنچا۔

ھذا الحمال لاحمال خیرہ -- ھذا ابر ربنا و اطہرہ (انوار محمدیہ از علامہ یوسف بنہانی اردو صفحہ ۸۴)

بعض نے کہا کہ آیت وما علمنہ الشعر وماینبغی لہ (یٰسین:۶۹) میں شعر گوئی کی ممانعت ہے شعر گنگنانے کی نہیں اور انشاد (شعر گنگنانا) کی مخالفت پر بطریق تمثیل کوئی دلیل نہیں ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۱۷)

مسجد نبوی کا طول عرض وغیرہ: ابتداء میں مسجد نبوی کی لمبائی قبلہ سے شمال تک ۵۴ گز اور مشرق سے مغرب تک ساٹھ گز تھی۔ مسجد کی تعمیر سے پہلے بھی مسلمان اس جگہ حضرت سعدؓ بن زرارہ کی اقتدا میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ الغرض اس مسجد میں تین دروازے رکھے گئے (۱) باب رحمت (۲) اس میں سے حضور تشریف لاتے (۳) عوام کے لئے مسجد کے عقب میں تیسرا دروازہ تھا۔ یہ مسجد حضرت عمرؓ کے عہد تک اپنی حالت پر رہی۔ تاہم انہوں نے نمازیوں کی تعداد بڑھنے پر مسجد کو کشادہ کیا۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اسے شہید کر کے دوبارہ کافی وسعت دیکر تعمیر کرایا گیا۔ دیواروں کو پتھر اور چونے سے منقش کیا اور اس کے ستونوں کو منقوش پتھروں سے آراستہ کیا گیا اور ساج کی لکڑی کی چھت ڈالی گئی۔ پھر حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس مسجد کو اور زیادہ وسیع کیا۔ حتیٰ کہ ازواج مطہرات کے حجروں کو مسجد میں شامل کر دیا گیا۔ پھر مہدی عباسی نے مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کی۔

Marfat.com

بعد ازاں مامون الرشید نے اس کی تجدید کی اور اسے مزید وسعت دی

(معارج النبوۃ جلد ۳ (اردو) صفحہ ۲۹-۳۱)

حکم خداوندی: حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے عریش (چھت والا مکان) کی طرح ایک عریش بناؤں جس کی بلندی سات گز سے زیادہ نہ ہو اور اس کی چھت کو لکڑی اور کھجور کے پتوں سے ڈھانپوں (الحدیث بحوالہ مدارج النبوۃ اردو، جلد ۲ صفحہ ۱۱۵)

سادہ مسجد: چنانچہ اسی ارشاد کی تعمیل میں مسجد نبوی تعمیر کی گئی۔ یہ مسجد بالکل سادہ تھی۔ کچی دیواریں کھجور کے پتوں کی چھت۔ اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ لیکن جب تحویل قبلہ کا حکم آیا اور کعبۃ اللہ کو قبلہ بنانے کا ارشاد ہوا تو شمال کی جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ مسجد کا فرش کچا تھا۔ بارش ہوتی تو کیچڑ سے پالا پڑتا۔ ایک دفعہ صحابہؓ اپنے ساتھ کنکریاں لے آئے اور فرش پر بچھا دیں۔ آپؐ نے ان کا یہ عمل پسند فرمایا۔ چنانچہ پھر کنکریوں کا فرش بچھا دیا گیا۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۸۱)

امہات المومنین کے حجرے: مسجد نبوی کے ایک طرف مگر اس سے متصل ازواج مطہرات کے لئے حجرے تعمیر کرائے گئے۔ اس وقت صرف دو بیبیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کے لئے حجرے بنوائے گئے کیونکہ وہی آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں۔ اس کے بعد جیسے جیسے دیگر ازواج مطہرات حضور ﷺ کے نکاح میں آتی گئیں، حجرے بھی تعمیر ہوتے رہے۔ ان کی ترتیب اس طرح تھی۔ حضرت ام سلمہؓ، ام حبیبہؓ، زینبؓ، جویریہؓ، میمونہؓ اور زینبؓ بنت جحشؓ کے حجرے شامی جانب تھے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ، صفیہؓ، سودہؓ، کے مکان سامنے دوسری طرف تھے۔ یہ حجرے مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ حضور علیہ السلام اعتکاف کے دنوں میں مسجد کے اندر سے سر مبارک باہر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں کھڑی ہو کر آپ ﷺ کا سر دھو دیتیں یہ حجرے چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی کہ کھڑا آدمی ہاتھ بلند کر کے چھو سکتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا اور رات کو ان میں چراغ بھی نہیں جلتا تھا۔

(سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۲۸۱-۲۸۲ بحوالہ طبقات ابن سعد باب سیرت نبوی صفحہ ۱۶۱ اور وفاالوفاء، نیز بخاری شریف باب الصلوۃ علی الفراش)

اہل بیت کو مکہ سے مدینہ بلانا: مدینہ منورہ آکر حضور علیہ السلام نے حضرت زید اور اپنے غلام ابو رافع کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دیکر اپنے اہل بیت کو لانے کے لئے مکہ معظمہ بھیجا ادھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ کو خط لکھا کہ وہ زید کے ساتھ اپنی ماں اور بہنوں کو لیکر مدینہ آجائیں۔ حضور کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ اپنے زوج عثمانؓ بن عفان کے ساتھ حبشہ میں تھیں۔ آپ ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت زینب کو ان کے شوہر ابو العاص (جو ابھی اسلام نہ لائے تھے) نے آنے نہ دیا۔ چنانچہ حضرت زیدؓ سیدۃ النساء، حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت ام کلثومؓ اور ام

Marfat.com

المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو لیکر مدینہ پہنچے جبکہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ مدینہ پہنچیں (طبقات ابن سعد جز نساء صفحہ ۴۲ سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۲۸۰)

بعض روایات میں ہے کہ اس قافلہ میں حضرت زید بن حارث کی بیوی ام ایمنؓ اور لڑکا اسامہؓ بھی ساتھ تھا اور عبداللہ بن ابوبکر کے ساتھ عبدالرحمٰن بن ابوبکر، عائشہ صدیقہ اور ام رومان زوجہ صدیق اکبرؓ آئیں۔ نیز حضرت طلحہ بن عبداللہ نے بھی ان کے ساتھ موافقت کی۔ چنانچہ اہل بیت کی رفاقت میں یہ سب لوگ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

(معارج النبوۃ جلد ۳ (اردو) صفحہ ۳۱)

یثرب کی بیماری: بیہقی نے ہشام بن عروہ سے روایت کی کہ زمانہ جاہلیت میں یثرب کی بیماری مشہور تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس کی بیماری جحفہ کی طرف منتقل ہو گئی۔ بخاری نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے مدینہ سے ایک کالی عورت، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، کو نکل کر مہیعہ میں داخل ہوتے دیکھا۔ جس کا مطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لیا کہ مدینہ منورہ کی بیماری جحفہ کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ بخاری و مسلم میں ابوہریرہ سے حضور علیہ السلام کا ایک ارشاد اس طرح مروی ہے کہ مدینہ منورہ کے راستوں پر فرشتے متعین ہیں اس میں دجال اور طاعون داخل نہیں ہو سکتا۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۳۸۶)

مدینہ حرم بن گیا: بخاری و مسلم میں عبداللہ بن زید سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیمؑ نے مکہ معظمہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ منورہ کو حرم بناتا ہوں اور میں نے اس کے صاع اور مد میں اس سے دو چند برکت کی دعا کی ہے جو ابراہیمؑ نے مکہ کے لئے کی تھی۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عبداللہ بن فضل بن عباسؓ سے روایت نقل کی کہ حضور نے فرمایا۔ اے اللہ میں تجھ سے مدینہ والوں کے لئے مثل مکہ کے دعا کرتا ہوں۔ (ایضاً صفحہ ۳۸۸) زبیر بن بکار نے اخبار مدینہ میں اسماعیل بن نعمان سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے حرم مدینہ کی بکریوں کے لئے یہ دعا فرمائی "یا اللہ مدینہ کی بکریوں کے آدھے پیٹوں میں دوسرے علاقوں کی پورے پیٹ کی بکریوں کے برابر برکت عطا فرما" (ایضاً)

مدینہ منورہ کے حق میں دعائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ مدینہ پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کو بخار ہو گیا۔ وہ موت اور مکہ معظمہ کو یاد کر کے روتے تھے۔ حضور علیہ السلام کو خبر ہوئی تو آپ نے دعا فرمائی۔ اللھم حبب الینا المدینہ کحبنا مکہ الخ یا اللہ ہمیں مدینہ منورہ کی محبت اسی طرح عطا فرما جس طرح مکہ کی محبت عطا کی ہے یا اس سے زیادہ اور مدینے کی ہوا کو ہمارے ابدان کے لئے صحیح و درست بنا دے اور اس کے صاع اور مد میں برکت عطا فرما اور اس سرزمین کے بخار کو جحفہ کی طرف بھیج دے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲، اردو صفحہ ۱۲۰-۱۱۹)

جحفہ اس وقت یہودیوں کا مسکن تھا اور اب اہل مصر کے لئے میقات (حج کے لئے احرام باندھنے کی

Marfat.com

جگہ) ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے کہ اب تک جو کوئی جحفہ کا پانی پیتا ہے۔ مبتلائے بخار ہو جاتا ہے
(شامتہ العنبریہ صفحہ ۴۰-۳۹)

مہاجرین کے لئے مکانات: مسجد نبوی کے قریب ہی مہاجرین کو قطعات اراضی عنایت کئے گئے۔ ان قطعات میں جو زمینیں غیر مملوکہ اور بے آباد تھیں وہ حضور علیہ السلام نے خود ہی تقسیم فرمادیں اور جو انصار کے قبضہ و ملکیت میں تھیں وہ انہوں نے حضور ﷺ کو ہبہ کردیں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت حارث بن نعمانؓ نے اپنے مکانات ہبہ کئے جن پر بقول واقدی ازواج مطہرات کے حجرے بنائے گئے۔ مسجد کے قریب ہی بنو زہرہ کو خطہ عطا ہوا۔ عبدالرحمٰن بن عوف زہری قرشی کے حصہ میں ایک کھجوروں کا باغ آیا۔ حضرت زبیر بن العوام کو بھی ایک قطعہ ملا جو بقیع الزبیر کہلاتا تھا۔ اسی طرح حضرات عثمان بن عفان، خالد بن ولید قرشی مخزومی، مقداد بن اسود کندی اور طفیل بن حارث قریشی مطلبی کو بھی قطعات زمین عطا ہوئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو بھی مسجد نبوی کے قریب کچھ زمین عنایت کی گئی۔ (سیرت رسول عربی ۹۷)

مسجد میں چراغ کی ابتداء: مسجد نبوی اور حجروں میں چراغ جلانے کا اہتمام نہ کیا جاتا تھا۔ حضرت تمیم داری کے غلام سراج کا بیان ہے کہ پہلے روشنی کے لئے مسجد نبوی میں گھاس پھوس اور کھجوروں کے پتے وغیرہ جلائے جاتے تھے۔ پھر ایک دن ہم قنادیل اور روغن زیتون اور رسیاں لائے اور روشنی کی۔ رسول مکرم ﷺ نے مسجد کو روشن کرنے والے کا نام پوچھا۔ تمیمؓ نے کہا "میرے غلام نے" فرمایا ﷺ غلام کا نام کیا ہے؟ عرض کی "فتح" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "بلکہ اس کا نام سراج ہے"۔ پس فتح نامی غلام کا نام "سراج" سرور کونین نے خود رکھا جس پر سراج فخر کیا کرتے تھے۔ (اصابہ، استیعاب ابن عبدالبر)

حضرت سلمان فارسیؓ

آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور آپ سلمان الخیرؓ کے طور پر معروف تھے۔ وہ اپنا نام سلمان بن اسلام بن اسلام بتایا کرتے تھے۔ ابن اثیر نے آپ کا سلسلہ نسب اس طرح دیا ہے۔ مابہ بن بوزخشان بن مورسلان بن بہبوذان بن فیروز بن سہرک۔ اولاد آب الملک سے تھے۔

(اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ طبقات ابن سعد - جلد ۴ صفحہ ۷۵)

سلمان جس قصبہ میں پیدا ہوئے وہ قریہ "جی" کے مضافات میں واقع تھا۔ یاقوت نے جی کو "جیان" لکھا ہے اور ابن سعد نے اسے "رام ہرمز" بتایا۔

(معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۱۷۰ طبقات ۴:۷۵)

آپ کے والد مجوسی عالم اور ایک آتشکدہ کے مہتمم تھے نیز اچھی خاصی زمین کے مالک بھی تھے۔ جی کے لوگ آتش پرست ہونے کے علاوہ چتکبرے گھوڑے "الخیل البلق" کے پجاری بھی

Marfat.com

تھے۔

(صفتہ الصفوہ جلد ا صفحہ ۲۱۵)

لیکن حضرت سلمان نے نہ آگ پوجی اور نہ گھوڑے کی پرستش کی۔

(اکمال الدین صفحہ ۱۶۵)

آپ کے والد نے آپ کی تربیت گھر پر ہی جاری رکھی۔ محبت کرنے والے باپ کو آپ بہت ہی عزیز تھے۔ ایک دفعہ والد مکان کی تعمیر میں الجھ گئے اور زمین کی دیکھ بھال کے لئے سلمان کو بھیجا۔ آپ نے راستے میں عیسائیوں کو ایک گرجے میں مصروف عبادت دیکھا اور اس میں اتنے محو ہوئے کہ گھر کا کام کاج اور مقصد سفر بھلا کر عیسائیت کی تعلیم حاصل کرنے کا خیال آیا۔ بتایا گیا کہ عیسائیت کا مرکز ملک شام میں ہے آپ گھر آئے اور والد سے اجازت چاہی۔ انہوں نے گھر میں بند کر دیا۔ آپ نے عیسائیوں سے گٹھ جوڑ کیا اور چھپتے چھپاتے گھر سے نکل کر ایک قافلے کے ساتھ شام جا پہنچے اور عیسائی علماء کی خدمت اور ان کی تعلیم کے مطابق عمل میں مصروف ہو گئے۔

شام میں جس پادری کے پاس رہے وہ بہت لالچی تھا۔ اس نے صدقات وغیرہ لوگوں سے جمع کر کے اشرفیوں کے سات مٹکے بھر رکھے تھے۔ جب وہ مرا تو لوگ فرط عقیدت سے روتے پیٹتے آئے لیکن حضرت سلمان فارسی نے جب ان کو اس کے کرتوت بتائے اور سات مٹکے اشرفیوں کے دکھائے تو وہ بولے کہ ایسے شخص کو ہم ہرگز دفن نہ کریں گے۔ آخر اس کی لاش کو سولی پر لٹکا کر سنگسار کر دیا اور اس کی جگہ ایک نیک خصلت اور عابد و زاہد شخص کو مقرر کیا جو اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ اس کی خدمت کرتے رہے جب وہ قریب المرگ ہوا تو اس نے آئندہ رہبری کے لئے موصل شہر میں ایک عالم کا پتہ بتایا۔ چنانچہ آپ موصل پہنچے۔ پھر موصل کے عالم نے نصیبین (شام) کے ایک عالم کی صحبت میں جانے کا کہا چنانچہ آپ وہاں آکر محو خدمت ہو گئے۔ پھر اس کی وصیت کے مطابق عموریہ کے ایک عالم کے پاس پہنچ گئے۔ جب وہ بھی دنیا سے جانے لگا تو اس نے بتایا کہ اب ایسا کوئی عالم میری نظر میں نہیں جس کے پاس تمہیں بھیجوں۔ البتہ یہ زمانہ نبی آخر الزمان ﷺ کے ظہور کا ہے۔ وہ عرب کے نخلستانی شہر میں ہجرت کر کے پہنچے گا۔ وہ دین ابراہیم پر ہو گا۔ صدقہ اس پر حرام ہو گا اور ہدیہ وہ قبول فرمائے گا اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت رکھتا ہو گا۔ اگر تم وہاں پہنچ سکو تو ضرور کوشش کرو۔

حضرت سلمان نے اس عرصے میں کچھ مویشی جمع کر لئے تھے۔ ایک قافلہ والوں سے انہوں نے کہا کہ اگر تم مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلو تو وہاں پہنچ کر یہ سارے مویشی تمہیں دیدوں گا۔ پس وہ اہل قافلہ کے ساتھ وادی قریٰ میں پہنچے۔ اہل قافلہ نے ان کو غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا اور مویشی چھین لئے۔ وہ یہودی آپؓ کو اپنے شہر لے گیا۔ کھجوروں کے جھنڈ دیکھ کر حضرت سلمان نے خیال کیا کہ شاید یہ وہی سرزمین ہو جس کی تلاش تھی۔ لیکن اس نے یثرب کے قبیلہ بنو قریظہ کے ایک اور یہودی کے ہاتھ آپ کو فروخت کر دیا۔ چنانچہ آپ مدینہ منورہ آگئے اور کھجوروں کے جھنڈے دیکھ کر پختہ یقین کر لیا

Marfat.com

کہ مطلوبہ شہر یہی ہے۔ بخاری شریف میں سیدنا سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ میں دس مرتبہ سے زیادہ فروخت ہوا ہوں۔ میں مدینہ کے اس یہودی کے پاس رہنے لگا ایک دن میں کھجور پر چڑھ کر گچھوں کی تہذیب کر رہا تھا۔ میرا آقا درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اس نے بتایا کہ اے چچا کے لڑکے! خدا بنی قیلہ (انصار) کو ہلاک کرے وہ قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں اور اسے نبی ﷺ آخرالزمان مان کر ایمان لے آئے ہیں اور وہ شخص مکہ سے آیا ہے۔

یہ سن کر میں کھجور کے درخت پر ہی لرزنے لگا۔ کپکپی کی حالت دیکھ کر میرا آقا متعجب ہوا۔ میں درخت سے اترا اور اس شخص سے نبی پاک کی خبر دریافت کی۔ میرے آقا نے مجھے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور کہا تجھے ایسی باتوں سے کیا؟ خیر میں اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر شام کو بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا "جناب! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کے ساتھی نادار ہیں۔ میرے پاس یہ صدقہ کا کچھ مال ہے اگر قبول فرمالیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا صدقہ مجھے جائز نہیں۔ البتہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو اجازت دی کہ وہ لے لیں۔

دوسری بار میں "کچھ" جمع کر کے حاضر خدمت ہوا اور بطور ہدیہ پیشکش کی۔ آپ ﷺ نے قبول فرمالیا۔ خود بھی لیا اور صحابہؓ کو بھی دیا۔ گویا اب تک دو علامات درست ثابت ہو چکی تھیں۔

چند روز بعد میں تیسری بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت جنت البقیع میں ایک جنازے کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ ساتھ صحابہ کرامؓ بھی تھے اور ان کے درمیان آپ تشریف فرما تھے۔ میں نے سامنے آکر سلام کیا اور پھر اٹھ کر آپ ﷺ کے عقب میں آگیا تاکہ مہر نبوت دیکھوں۔ حضور علیہ السلام سمجھ گئے اور آپ نے خود بخود پشت مبارک سے پارچہ اٹھا دیا۔ میں نے مہر نبوت کو بوسہ دیا اور زار و قطار رو پڑا۔ آپ ﷺ نے کمال شفقت سے مجھے اپنے سامنے بٹھا دیا اور آپ ﷺ نے میری مفصل روداد سنی جس طرح کہ میں تمہیں (عبداللہ بن عباس -- راوی کو سناتے وقت یہ کہا) سنا رہا ہوں اور پھر میں نے آپ ﷺ کے دست رحمت پر اسلام کی دولت پائی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۵۳ تا ۵۷ تاریخ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۷ شواہد النبوت فارسی صفحہ ۶۰-۶۱ محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری (اردو ترجمہ))

صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ وسلم

حضرت عائشہؓ سے زفاف: دس نبوی میں مکہ معظمہ میں ہی حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا تھا اور حضرت سودہؓ بھی انہی دنوں حضور ﷺ کے نکاح میں آگئی تھیں۔ مائی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بعد از ہجرت میرے ابا حضور ابوبکر صدیقؓ نے محلہ سخ بن حبیب بن لیاف یا خارجہ بن زید میں قیام کیا۔ میں جس روز حضور علیہ السلام کے کاشانہ اقدس میں آئی تو آپ ﷺ کے پاس انصار کے مرد و زن حلقہ بنائے بیٹھے

Marfat.com

تھے میری والدہ نے میرا منہ دھلایا۔ بالوں میں کنگھی کی اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں لائیں۔ ہم آپ ﷺ کے حجرہ مبارک میں آ گئے۔ وہاں آپ ﷺ کے پہلو میں مجھے بٹھا دیا گیا اور میری والدہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ دونوں کو برکت دے۔ پھر سب لوگ چلے گئے۔ حضور نے میرے ساتھ زفاف فرمایا۔ کوئی بکری وغیرہ ذبح کر کے ولیمہ نہ دیا گیا تھا سوائے ایک دودھ کے پیالہ کے جو سعدؓ بن عبادہ کے گھر سے آیا تھا۔ اس وقت میری عمر نو سال تھی۔
اسماء بنت عمیس سے مروی ہے کہ دودھ کے پیالہ میں سے کچھ حضور علیہ السلام نے نوش فرمایا اور باقی سیدہ عائشہ کو دیا۔ وہ پیالہ لینے سے شرما رہی تھیں۔ اس پر میں (اسماءؓ بنت عمیس) نے کہا نبی ﷺ کے عطیہ مبارک کو قبول کر لو اور پی لو۔ تب سیدہ عائشہؓ نے پیالہ لے لیا اور شرماتے ہوئے تھوڑا سا دودھ نوش فرمایا۔

(مدارج النبوۃ اردو جلد ۲ صفحہ ۱۱۸-۱۱۹)

چار رکعتوں کی فرضیت: منقول ہے کہ پہلے پہل ظہر، عصر اور عشاء کے بھی فجر کی طرح دو دو فرض تھے۔ مدینہ منورہ میں آنے کے (ایک ماہ یا زیادہ مدت) بعد ان نمازوں میں دو کی بجائے چار چار فرض پڑھنے کا حکم ہوا۔ البتہ فجر کی دو اور مغرب کی تین رکعتیں حسب سابق فرض رہیں۔ اس طرح گویا فرض نمازوں کی رکعتوں کا معاملہ ہمیشہ کے لئے فیصلہ ہو گیا۔ (معارج النبوۃ جلد ۳، اردو صفحہ ۳۲)

صفہ اور اصحاب صفہ: مسجد نبوی کے صحن میں ایک چبوترے پر ایک مسقف سی ہوادار جگہ تھی۔ جہاں حضور علیہ السلام کے وہ امتی مرد رہائش رکھتے تھے جو غیر شادی شدہ ہوتے یہ لوگ غریب اور نادار ہوتے اور صرف دین اسلام اور اس کی تعلیمات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت جلیلہ ان لوگوں کا مطمح نظر ہوتا تھا۔ حضور علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لاتے اور ان کو قرآن و حکمت اور اسلام و اخلاق کی باتیں سکھاتے۔ ان کو بھی حضور ﷺ کی صحبت اور محبت و عشق کا ایسا رنگ چڑھا تھا جو دنیاوی آرام و آرائش سے مستغنی تھا۔ یہ لوگ صبغۃ اللہ کی بہترین مثال تھے۔ یہ حضرات روح شریعت کے حامل تھے۔ اس پاکیزہ گروہ کو رسول خدا نے اپنے ہاتھوں اعلیٰ تربیت سے نوازا۔ یہ لوگ مفلس و نادار تھے۔ اس لئے انصار اور دیگر اہل اسلام ان کی مدد کرتے رہتے۔ تاہم ان خودداروں کی حتیٰ الوسع کوشش یہی ہوتی کہ وہ فارغ وقت میں جنگل سے لکڑیاں لا کر بازار میں بیچ دیتے اور اس طرح اپنا خرچہ چلاتے۔ جب ان میں سے کسی کی شادی ہو جاتی تو وہ یہاں سے چلا جاتا اور نئے صحابہ اس میں شامل ہوتے رہتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی انہی میں سے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے اعتراض کیا کہ ابو ہریرہ سب سے بڑھ کر احادیث روایت کرتے ہیں حالانکہ ہم بھی حضور کی خدمت میں ہوتے تھے اور ہمیں تو وہ معلوم نہیں ہیں۔ اس پر ابو ہریرہؓ نے کہا کہ ہم اہل صفہ حضور کی خدمت میں تقریباً رات دن رہتے تھے اور آپ ﷺ سے جو فیوض و تعلیمات ہمارا مقدر ہوئیں ان سے دوسرے کما حقہ متمتع نہ ہو سکے کیونکہ وہ دین کے ساتھ

Marfat.com

دنیاداری بھی نبھاتے تھے۔

ان پاکیزہ صفت صحابہؓ کو تہمد اور قمیص وغیرہ میں سے ایک آدھ چیز ہی نصیب ہوتی۔ چادر کو وہ گلے میں اس طرح باندھتے کہ وہ رانوں تک لٹک آتی۔ انصار ان کے لئے کھجوروں کے تازہ خوشے توڑ کر لاتے اور چھت سے لٹکا دیتے۔ جو کھجوریں پک کر گرتیں یہ صحابہ ان کو اٹھا کر کھالیتے۔ یہ صورت شاید اس لئے تھی کہ کھجوریں سب کے لئے ایک دم ناکافی ہوتی ہوں گی۔ ایک ایک دو دو کر کے کھانے میں حکمت شاید یہ تھی کہ اس طرح زیادہ دیر تک بھوک کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔ کبھی تو ان عالی صفت صحابہؓ کو دو دو اور تین دن تک کھانا میسر نہ آتا۔ چنانچہ کئی بار ایسا ہوا کہ یہ لوگؓ حضور ﷺ کے پیچھے نیت باندھے نماز ادا کر رہے ہوتے اور کوئی ان میں سے بھوک کے سبب بیہوش ہو کر گر جاتا۔ باہر کے لوگ جب ان "اشد حب اللہ" کے متوالوں کو دیکھتے تو سمجھتے کہ یہ دیوانے ہیں۔

(سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۲۹۲۔ ۲۹۳ بحوالہ ترمذی باب معیشۃ اصحاب النبی ﷺ)

اسلام کی تعلیم اور اس کی جزئیات انہی بزرگوں کے طفیل ہم تک پہنچی ہیں۔ اہل نظر نے ان کو عہد نبوی ﷺ کے صوفی کہا ہے جن کا مقصد ظاہری شان و شوکت اور نمود و نمائش کی بجائے باطنی صفائی اور آراستگی تھا۔ جب بھی حضور علیہ السلام کے پاس صدقہ کا کھانا آتا تو آپ ﷺ سارے کا سارا اصحاب صفہ کو بھجوا دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو بھی ان کو بلا کر شریک طعام فرمالیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ جب کچھ نہ آتا تو آپ ﷺ اہل ثروت صحابہؓ کو بلاتے اور ان کے حسب مقدور، مہاجرین اور انصار کے درمیان ان کو تقسیم کر دیتے تاکہ وہ ان کو کھانا کھلائیں۔ حضرت سعد بن عبادہؓ کافی خوشحال تھے وہ۔ اسی، اسی مہمانوں کو بیک وقت کھانا کھلاتے۔

(ایضاً صفحہ ۲۹۳ بحوالہ زرقانی جلد ۱ صفحہ ۴۳۰ مطبوعہ مصر)

اصحاب صفہ راتوں کو جاگ کر عبادت کرتے اور تلاوت کلام پاک بھی کرتے رہتے۔ حضور علیہ السلام ان کو تعلیمات سے نوازتے۔ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا استاد بھی ان کی تعلیم و تربیت کرتا۔ یہ حضرات عموماً تلاوت کلام اللہ کے حوالے سے قاری کہلاتے تھے اور چونکہ دینی تعلیمات اور مسائل سے آگاہ ہوتے۔ اس لئے جہاں کہیں مبلغ بھیجنے ہوتے انہی میں سے بھیجے جاتے۔ غزوہ بیر معونہ میں ان میں سے ستر قاری حضرات کو مبلغ بنا کر بھیجا گیا تھا۔

(سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۹۴)

ان صحابہ کی کل تعداد چار سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔

(مکی ﷺ مدنی ﷺ ماہی ﷺ صفحہ ۳۳۲)

البتہ ایک وقت میں یہ ستر تک اس جگہ مقیم ہوتے۔ کوئی نو مسلم یا ایسا مہمان جس کے لئے ٹھہرنے کا انتظام نہ ہو سکتا وہ بھی اصحاب صفہ کے ساتھ ٹھہرتا۔

اصحابہ صفہ پر رسول اکرم ﷺ بہت مہربان تھے۔ ایک دفعہ مال غنیمت میں کچھ کنیزیں آئیں۔

Marfat.com

آپ ﷺ کی پیاری بیٹی بی بی فاطمہؓ اور علی مرتضیٰؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خادمہ کے لئے حسن طلب کا مظاہرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم یہ ممکن نہیں کہ خادمہ تمہیں دیدوں اور اہل صفہ بھوکے مریں۔ ان کا خرچہ چلانے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں۔ میں اسیران جنگ کے عوض فدیہ حاصل کر کے اہل صفہ پر خرچ کروں گا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت بی بی فاطمہؓ کو ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کی تسبیح سکھائی اور فرمایا کہ یہ کنیز پانے سے بہت بہتر ہے۔

ابو نعیم نے حلیتہ الاولیا میں سو سے زیادہ اصحاب صفہ کے نام دیئے ہیں۔ جن میں ابوذر غفاری، عمار بن یاسر، سلمان فارسی، صہیب رومی، بلال حبشی، ابوہریرہ، خباب بن الارت، حذیفہ بن الیمان، ابو سعید خدری، بشیر بن الخصاصیہ، ابو مویہبہ (مولائے رسول ﷺ) وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ رضی اللہ عنھم اجمعین۔

(سیرت رسول عربی صفحہ ۹۵ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی اردو بازار لاہور)

اذان کا آغاز: اسی سال اذان شروع کی گئی۔ مدینہ منورہ میں جب صحابہؓ کی تعداد زیادہ ہو گئی تو ان کو نماز کے لئے جمع کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ حضور علیہ السلام نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ مختلف تجاویز سامنے آئیں بوق اور ناقوس بجا کر لوگوں کو جمع کرنا یہود اور نصاریٰ سے مشابہت کے سبب نامنظور ہوا۔ "دف" رومیوں سے مشابہت کے باعث ناپذیرہ ہوئی۔ آگ جلا کر بلانے کا طریقہ مجوسیوں کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا لہٰذا نامنظور ٹھہرا۔ اور نماز کے وقت جھنڈا لہرانے کی ترکیب بھی پرکشش ثابت نہ ہو سکی اور کسی فیصلہ کے بغیر مجلس مشاورت برخاست کرنا پڑی۔ اسی فکر میں سب لوگ چلے گئے۔ پھر ایک دن عبد اللہؓ بن زید حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بیان کیا کہ کس طرح ایک فرشتہ نے انہیں اذان اور اقامت کے کلمات سکھائے۔ حضور علیہ السلام کو بھی تھوڑی دیر پہلے جبریل امین اذان اور اقامت کا طریقہ بتا گئے تھے۔ ازاں بعد عمر فاروقؓ حاضر ہوئے انہوں نے بھی خواب میں وہی کچھ دیکھا اور سیکھا تھا جو حضرت عبد اللہ بن زید بیان کر چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ سات صحابہ کرام کو خواب میں اذان و اقامت کا طریقہ سکھایا گیا تھا۔ چنانچہ حضور الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال کو بلا کر اذان کہنے کا حکم دیا۔ حنفی شافعی اور مالکی مذاہب میں ذان سنت موکدہ اور حنبلی اسے فرض کفایہ جانتے ہیں۔ سب مسلمان ہر نو مولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہتے یا کہلواتے ہیں۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۷۶۔۷۴، معارج النبوۃ جلد ۳ اردو صفحہ ۳۸۔۳۷)

اس میں حکمت شاید یہ ہے کہ بچے کے تحت الشعور میں اللہ اور رسول ﷺ کا ذکر محفوظ کر دیا جائے اور جب بڑا ہو کر وہ اذان کی آواز سنے تو اس کا تحت الشعور اس کی تائید کرے اور وہ اسلامی ارشادات پر عمل پیرا ہونے میں آسانی محسوس کرے۔ اور دوسری حکمت شاید یہ ہے کہ ایک مسلمان کا جنازہ پڑھانے سے پہلے اذان اور اقامت نہیں کہی جاتی اور یہی اذان و اقامت جو ایک نو مولود کے کانوں میں دی جا چکی ہوتی ہے۔ نماز جنازہ کے لئے کافی سمجھی جاتی ہے۔ تیسری حکمت شاید یہ ہے کہ موت ہر وقت

Marfat.com

انسان کی گھات میں ہے اور اس کی زندگی کی مثال گویا اس نماز کی سی ہے جس کی اذان اور اقامت کہی جا چکی ہو۔ پھر اس کے شروع ہونے میں چند لحات ہی تو ہوتے ہیں۔ اس لئے عارفین ہر وقت احکام خداوندی کی تعمیل میں کوشاں رہتے ہوئے موت کے منتظر رہتے ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ اذان کی تجویز عمرؓ فاروق نے پیش کی تھی جبکہ دوسری صحاح میں مندرجہ بالا وضاحت ہے کہ خواب میں اشارہ ملا تھا۔

عقد مواخات: "انما المومنون اخوة" کے مصداق مکہ میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کو حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا بھائی بنایا گیا۔ عثمان بن عفانؓ کو عبدالرحمٰن بن عوف کا اور علی المرتضیٰ سے حضور نے فرمایا۔ آپ دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہیں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں **انا اخوک** تمہارا بھائی میں ہوں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۱۲۱) پھر ہجرت کے پانچ ماہ بعد مدینہ منورہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ خارجہ بن زید انصاری کا عقد مواخات باندھا گیا۔ حضرت عمرؓ کا عتبان بن مالک کے ساتھ۔ عثمانؓ کا اوس بن ثابت کے ساتھ، ابو عبیدہ بن جراح کا سعد بن معاذ انصاری کے ساتھ، زبیر بن العوام کا مسلمہ بن سلامہ انصاری کے ساتھ، طلحہ بن عبداللہ کا کعب بن مالک انصاری کے ساتھ، عبدالرحمٰن بن عوف کا سعد بن ربیع کے ساتھ، مصعب بن عمیر کا ابو ایوب انصاری سے، عمار بن یاسر کا حذیفہ بن الیمان سے ابو ذر غفاری کا منذر بن عمرو سے، سلمان فارسی کا ابو دردا انصاری سے، بلالؓ کا ابو رویحہ سے، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کا عباد بن بشر سے اور حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کا عقد مواخات حضرت ابی بن کعبؓ کے ساتھ باندھا گیا۔

(سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۸۸۔۲۸۹ معارج النبوۃ جلد ۳، اردو صفحہ ۳۵۔۳۶)

اس بھائی چارے نے حقیقی بھائیوں کی سی شکل دھار لی۔ چنانچہ جب کوئی فوت ہو جاتا تو اس کا دینی بھائی اس کی میراث سے حصہ پاتا۔ یہ عقد حضرت انسؓ بن مالک کے گھر میں منعقد ہوا۔ مواخات کے بعد انصار اپنے بھائیوں کو ساتھ لے گئے اور گھر کی ہر چیز کا نصف ان کے لئے مختص کر دیا جنگ بدر کے بعد جب آیت **الو لارحام بعضهم اولى ببعض فى كتاب الله** (انفال۔۷۵) اتری تو یہ مواخات منسوخ ہو گئی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۲۱)

ریاست مدینہ میں پہلی مردم شماری: بخاری شریف میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ میرے لئے تمام مسلمانوں کے نام لکھو۔ چنانچہ پندرہ سو اہل اسلام کے نام درج ہوئے۔ چونکہ مواخات میں ایک سو چھیاسی مکی خاندانوں کو اتنے ہی مدنی (انصاری) خاندانوں میں مدغم کر دیا گیا تھا۔ پس اگر ہر خاندان میں بیوی اور بچوں کا اوسط چار ہی رکھا جائے تو پندرہ سو کی تعداد پوری ہو جاتی ہے۔ گویا یہ پہلی مردم شماری تھی جو رسول اکرم ﷺ نے ۱ھ میں ریاست مدینہ میں کروائی۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ صفحہ ۴۶)

Marfat.com

مدینے کے یہودی: تین یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر، اور بنو قریظہ مدینہ منورہ کے آس پاس مضبوط برج اور قلعے بنا کر اپنی بستیوں میں رہتے تھے۔ یہ یہودی قبائل بڑے دلیر اور بہادر تھے حالانکہ نسلی یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ نسلاً یہودی تھے یا بعد میں یہودیت کے قائل ہو گئے تھے۔ عرب مورخین کا کہنا ہے کہ یہ لوگ اصل یہودی تھے اور عرب میں اس طرح وارد ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو عمالقہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا۔ دوسری طرف مشہور مورخ یعقوبی۔

(یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۹)

نے تصریح کی ہے کہ بنو نضیر دراصل عرب تھے اور قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے اور اسی طرح بنو قریظہ بھی عرب تھے جو بعد میں یہودی ہو گئے تھے۔ مسعودی نے کتاب الاشراف والتنبیہ (مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۶۷) میں روایت نقل کی ہے کہ یہ جذام نامی قبیلہ سے تھے۔ کسی زمانے میں عمالقہ اور ان کی بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور شام سے اٹھ کر حجاز میں آن بسے تھے۔

مرگولیوس کا خیال ہے کہ یہودیوں کی اس بڑی آبادی میں ایک دو خاندان اصل یہودی بھی تھے۔ بعد ازاں عرب کے جو قبائل یہودیت اختیار کرتے گئے وہ بھی ان میں شامل ہوتے گئے۔ یہی وجہ ہے ان یہودیوں کے نام عربوں جیسے تھے اور اصل یہودیوں نے بھی عربوں میں مدغم ہو کر عربی طور طریقے اختیار کر لئے تھے اور پھر صدیوں کی رشتہ داری اور باہمی مناکحت کے نتیجے میں اس طرح مکمل مل گئے کہ اصلی یہودیوں پر بھی عرب اثرات غالب آ گئے۔

مقریزی نے امتاع (جلد ۱ صفحہ ۱۰۵، ۴۲۹) میں صراحت کی ہے کہ بنو قینقاع میں سات سو اور بنو قریظہ میں چھ سو جنگجو سپاہی تھے اور یہ کہ بنو نضیر جلاوطنی کے وقت چھ سو اونٹوں پر عورتوں اور بچوں اور سامان کو لاد کر لے گئے تھے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ صفحہ ۴۵)

یہود سے معاہدہ: جیسا کہ پچھلے صفحات میں آ چکا ہے مدینہ میں انصار کے دو قبیلے اوس اور خزرج پہلے تو باہم شیر و شکر تھے لیکن پھر ان میں ٹھن گئی اور جنگ بعاث نے ان کا زور توڑ دیا۔ چنانچہ یہود ان مدینہ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ یہ قبائل کہیں مل نہ بیٹھیں تاکہ یہود کے لئے خطرہ نہ بن جائیں۔ چنانچہ بنو نضیر خزرج کے اور بنو قینقاع و قریظہ اوس کے حلیف تھے۔

لیکن اسلام کی برکت سے ان دو قبیلوں میں مفاہمت ہو گئی تھی۔ رسول اکرم ﷺ جب مدینہ میں وارد ہوئے اور یہودی اسلام کے مخالف ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کو واضح کرنے کے لئے ایک تحریری معاہدہ کیا جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں۔ اس کی شرائط کا خلاصہ اس طرح ہے۔

۱۔ خونبہا اور فدیہ کا پہلے والا طریقہ ہی قائم رہے گا۔

۲۔ یہودیوں کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔

Marfat.com

۳۔یہودی اور مسلمان آپس میں مل جل کر دوستانہ ماحول میں رہیں گے۔
۴۔یہودیوں یا مسلمانوں پر بیرونی حملہ کی صورت میں ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
۵۔کوئی فریق مکہ کے قریش کو پناہ نہ دے گا۔
۶۔مدینہ منورہ پر حملہ کی صورت میں دونوں فریق اکٹھے ہو کر مقابلہ کریں گے۔
۷۔کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا فریق بھی اس صلح میں شریک ہو گا۔ البتہ مذہبی لڑائی میں یہ شراکت لازمی نہیں ہو گی۔

حضور علیہ السلام نے اس معاہدہ میں مدینہ منورہ کے اردگرد بسنے والے قبائل کو بھی شامل کر لیا تھا تاکہ ان قبائل کی آپس میں جنگ نہ ہو۔ نیز قریش، معاہدہ میں شریک قبائل کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال نہ کر سکیں۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع "ودان" کے قبیلہ بنی حمزہ بن بکر بن عبد مناف کو اس معاہدے میں شامل کیا جس کی طرف سے عمرو بن نخشی الضمری نے معاہدہ پر دستخط کئے۔ ۲ھ میں کوہ بواط کے باشندوں کو اس معاہدہ میں شریک کیا اور اسی سال جمادی الاخر میں "ذی العشیرہ" کے بنو مدلج کو اس معاہدہ میں شریک کیا۔

(زاد المعاد جلد ا صفحہ ۳۴۴)

اس معاہدہ کی رو سے وعدہ خلافی کرنے والوں کا خون ضائع، مال حلال، اور اولاد و ازواج کو غلام بنانا مباح قرار دیا گیا۔ ہر قبیلہ کے لئے ایک صلح نامہ مرتب کیا گیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا گیا۔ بنی نضیر کی طرف سے حی بن اخطب نے بات چیت میں حصہ لیا۔ یہ شخص حضور علیہ السلام کو سچا نبی سمجھتا تھا جس کا اقرار اس نے اپنے لوگوں میں بھی کیا مگر جاہلانہ حمیت آڑے آئی اور اس نے کھلم کھلا دشمنی کا طریقہ اختیار کیا۔ (معارج النبوۃ جلد ۳ صفحہ ۷۔۳۔۳۶)

ولید بن مغیرہ کی موت: اسی سال حضرت خالد کے باپ ولید بن مغیرہ کا انتقال ہوا۔ یہ شخص اسلامی نمازوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور قریش کا بہت بڑا رئیس تھا۔ اسے اعدل قریش بھی کہتے تھے یعنی سب قریش کے برابر۔ وجہ اس لقب کی یہ ہے کہ کعبہ کا غلاف سارے قریش مل کر ایک مرتبہ چڑھاتے اور ایک مرتبہ ولید بن مغیرہ تنہا غلاف کعبہ چڑھایا کرتا۔

ولید بوقت نزع بہت واویلا کرتا تھا۔ ابو جہل نے پوچھا۔ چچا جان اس قدر گریہ و زاری کس لئے" کہنے لگا "موت کا ڈر نہیں، البتہ یہ خوف ہے کہ ابن کبشہ ﷺ کا دین مکہ میں غالب اور عام نہ ہو جائے۔ ابوسفیان نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ محمد ﷺ کی ملت ہم پر غالب نہیں آسکے گی۔ پھر مغیرہ اسلام کے خلاف اظہار نفرت کرتا ہوا موت کی آغوش میں جا سویا۔ اسی سال حضرت عمرؓ کا والد عاص بن وائل سہمی مرا۔ یہ بھی اسلام کا شدید ترین مخالف تھا۔

دو انصاریوں کی وفات: ادھر مسلمانوں میں حضرت کلثومؓ بن الہدم، جن کے ہاں قباء میں تشریف لانے کے بعد حضور علیہ السلام نے قیام فرمایا تھا، کا وصال ہو گیا۔ نیز اسعد

Marfat.com

بنؓ زرارہؓ نے بھی وفات پائی۔ حضور علیہ السلام کو ان مخلص ساتھیوں کی وفات سے بہت صدمہ ہوا۔ کفار نے طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کہ اگر محمد ﷺ سچے نبی ہوتے تو ان کے یہ ساتھی فوت کیوں ہوتے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے کاموں میں اللہ کو اختیار حاصل ہے۔

(سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۲۹۷)

حضرت اسعد بن زرارہؓ کی وفات کے بعد بنی نجار نے درخواست کی کہ ہمارا کسی کو نقیب مقرر فرما دیں۔ آپ ﷺ نے موقع کی نزاکت ملاحظہ فرماتے ہوئے اور مناقشت اور رشک و حسد کے امکان کو ختم کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ میں ﷺ خود تمہارا نقیب ہوں۔ چونکہ آپ کے ننھال اسی قبیلہ سے تھے، لہٰذا آپ ﷺ کے نقیب ہونے پر کسی اور قبیلہ کو رشک و حسد کا موقع نہ ملا۔

(طبری صفحہ ۱۲۶۱)

عبداللہ زبیر کی ولادت:

اسی سال حضرت عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی۔ مہاجرین کے مدینہ میں ہجرت کر کے آنے کے بعد کوئی بچہ تولد نہ ہوا تھا۔ اس لئے مشہور کر دیا گیا کہ یہودیوں نے جادو کر دیا ہے۔ جب حضرت عائشہ کی بہن اور صدیق اکبر کی بیٹی حضرت اسماءؓ زوجہ زبیرؓ بن العوام کو اللہ نے چاند سا بیٹا دیا تو بڑی خوشیاں منائی گئیں (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۹۸)

یوم عاشورہ اور عرفہ کا روزہ:

مدینہ کے یہودی دس محرم کا روزہ رکھتے تھے کیونکہ اس روز موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں سے نجات پائی تھی اور اللہ نے قبطیوں کو دریائے نیل میں غرق کر دیا تھا۔ اس نعمت کے شکرانہ میں موسیٰ علیہ السلام بھی زندگی بھر روزہ رکھتے رہے۔ حضور علیہ السلام کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے نہ صرف خود روزہ رکھا بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی عاشورہ کا روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا اور کہا کہ میں اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرنے کا زیادہ مستحق ہوں۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ نفلی رہ گیا۔ (معارج النبوۃ اردو جلد ۳ صفحہ ۴۰-۴۱) نقل ہے کہ عاشورہ کا روزہ شریعت موسوی سے ہے اور عرفہ کا روزہ حضور علیہ السلام کی شریعت سے ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۲۴)

ایک بھیڑیئے کی شہادت:

اسی سال ایک عجیب واقعہ ہوا۔ ایک چرواہے کی بھیڑوں میں سے ایک بھیڑ کو بھیڑیا اٹھا لے گیا۔ چرواہے نے پیچھا کر کے بھیڑ چھڑا لی۔ بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھا اور چوتڑوں کے بل بیٹھ کر فصیح زبان میں چرواہے سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تو نے اللہ کا دیا ہوا رزق مجھ سے چھین کر اچھا نہیں کیا۔

چرواہا بولا! خدا کی قسم ایسا عجیب واقعہ پہلی بار میرے مشاہدہ میں آیا ہے کہ ایک بھیڑیا گفتگو کرتا ہے۔ بھیڑیا بولا اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ ایک شخص اس نخلستان میں دو پہاڑوں کے درمیان تشریف رکھتا ہے اور وہ گزشتہ اور آئندہ واقعات کی خبریں دیتا ہے اور خدا کی طرف بلاتا ہے جبکہ کفار اس کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔

Marfat.com

چنانچہ چرواہا اسی روز آپ ﷺ کی تلاش میں نکلا اور حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہو گیا اور بھیڑیئے کا واقعہ بھی بیان کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جلد ہی آخری زمانہ میں ایک وقت آئے گا کہ ایک شخص اپنے گھر سے باہر نکلے گا ابھی وہ گھر واپس نہیں آئے گا۔ سفر میں ہی ہو گا) کہ اس کا چابک اور نعلین اس کے اہل و عیال کے حالات اس سے بیان کریں گے۔

(معارج النبوۃ جلد ۳ صفحہ ۳۵-۳۶) (گویا وائرلیس سسٹم یا آٹومیٹک ٹیلیفون سسٹم مسافر کو حالت سفر میں گھر کے حالات کی تصویر پیش کر کے خبردار کر دیں گے غالباً یہ جدید ٹیکنالوجی کی کوئی زیادہ بہتر سروس ہو گی۔)
(قدر آفاقی)

۲ ہجری روزوں کی فرضیت

۲ھ ماہ شعبان میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے اور صدقۂ فطر واجب ہوا۔ جب عید کا دن آیا تو حضور علیہ السلام صحابہؓ کے ساتھ صحرا میں تشریف لے گئے اور نماز باجماعت ادا کی۔

(معارج النبوۃ جلد ۳ (اردو) صفحہ ۴۸، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۷)

یہ واقعہ مدینہ منورہ میں آمد کے اٹھارہ ماہ بعد کا ہے۔ (مدارج النبوۃ اردو جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

قرآن مجید میں آیا ہے کہ اے ایمان والو تم پر پہلے لوگوں کی طرح روزے فرض کئے گئے تا کہ تم پرہیز گار بنو (بقرہ: ۱۸۳) روزہ تقویٰ میں پختگی کا ذریعہ بنتا ہے۔ مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کی آمد کے بعد مسلمانوں کو **ادخلو فی السلم کافہ** کے لئے آہستہ آہستہ تیار کیا جا رہا تھا۔ مواہب للدنیہ میں ہے کہ روزوں سے پیشتر زکوٰۃ کی فرضیت ہو چکی تھی۔ یعنی زکوٰۃ بھی اسی سال فرض کی گئی۔ لیکن بعض ہجرت سے پہلے اس کی فرضیت کے قائل ہیں۔ (مدارج النبوۃ مذکور صفحہ ۱۳۱)

تحویل قبلہ: مکہ معظمہ میں حضور علیہ السلام انبیاء سابقین کے قبلہ یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرماتے تھے اور مدینہ میں ہجرت سے پہلے سب مسلمان اسی قبلہ اولیٰ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے اور ہجرت کے بعد بھی سولہ سترہ ماہ تک اسی پر عمل رہا۔

(الطبری: جامع البیان فی تفسیر القرآن زیر آیت **سیقول السفہاء**)

تفسیر طبری میں ہی انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہجرت کے بعد نو دس ماہ تک قبلہ اولیٰ کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی۔ پھر ایک دن نماز ظہر کی پہلی دو رکعت پڑھ چکنے کے بعد وحی الٰہی کے مطابق بقیہ دو رکعت نماز کے دوران میں ہی کعبۃ اللہ کی طرف منہ پھیر کر ادا کیں اور صحابہ نے بھی اس پر عمل کیا۔ قرآن بتاتا ہے کہ آپ کعبۃ اللہ کو قبلہ قرار دیئے جانے کے متمنی تھے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

قدنری تقلب وجهك فی السما فلنو لینك قبلة ترضها فول وجهك شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم

Marfat.com

فولو وجوھکم شطرہ (بقرہ ۱۴۴)

"(اے اللہ کے رسول!) ہم آپ ﷺ کا بار بار آسمان کی طرف منہ کر کے دیکھنا ملاحظہ کر رہے ہیں۔ سو ہم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے پسندیدہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیتے ہیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہوا کرو، (نماز پڑھتے وقت) اسی مسجد کی طرف رخ کر لیا کرو۔

مسجد قبلتین: جس مسجد میں تحویل قبلہ کا ارشاد باری تعالیٰ روبہ عمل آیا اس کو "مسجد ذو قبلتین" کہتے ہیں۔ قرآن نے بتایا: "احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے اب اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے"۔ اے نبی ﷺ! فرما دیجئے کہ مشرق اور مغرب سب اللہ کا ہی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلاتا ہے" (بقرۃ ۱۴۲) یہودیوں کو تحویل قبلہ سے بڑا دکھ پہنچا۔ پہلے تو وہ بیت المقدس کی برتری جو مسلمانوں میں بھی مسلم تھی، کے خیال سے قدرے کم مخالف تھے لیکن تحویل قبلہ کے بعد بنی اسرائیل کی برتری کا زعم خاک میں ملتا نظر آیا تو وہ بہت تلملائے۔ چنانچہ معترضین کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اور جس قبلے پر تم پہلے تھے اس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون ہمارے پیغمبر ﷺ کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور یہ (تحویل قبلہ والی) بات (کچھ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی مگر جن کو خدا نے ہدایت بخشی (ان کو یہ گراں نہیں لگی) اور خدا ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان یونہی ضائع کر ڈالے (بلکہ) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بنی نوع انسان پر بڑا مہربان اور رحمت (کرتا رہنے) والا ہے۔ (بقرۃ ۱۴۳) تحویل قبلہ کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اسی لئے قرآن مجید (بقرہ آیت ۱۴۲ تا ۱۵۲) میں اس کی وجوہات کا مدلل اور تفصیلی تذکرہ ملتا ہے۔ اہل سیر لکھتے ہیں کہ حی بن اخطب یہودی اور اس کے ساتھی مسلمانوں سے کہتے کہ تم نے جو نمازیں بیت المقدس کے رخ پڑھی ہیں وہ درست تھیں یا گمراہی کی قبیل سے تھیں۔ اگر درست تھیں تو گویا اب تم صحیح راہ سے پھر گئے ہو اگر وہ گمراہی تھی تو تم گویا اسلام لا کر بھی گمراہ رہے تھے وغیرہ وغیرہ۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کا جواب قرآن میں ہی عطا فرمایا کہ اصل ہدایت تو اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی تعمیل میں ہے اور مشرق و مغرب سب اسی کے لئے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام تحویل قبلہ کے بعد مسجد قبا میں تشریف لائے اور مسجد کی دیواروں میں مناسب تبدیلی کی۔ موجودہ دیوار کی بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھی اور اس کا قبلہ کعبۃ اللہ کی طرف درست فرمایا۔ آپ ﷺ اکثر بروز ہفتہ مسجد قبا میں تشریف لاتے اور نماز پڑھتے اور فرماتے کہ جو شخص کامل وضو کر کے اس مسجد میں نماز پڑھے اسے عمرہ کا ثواب ملے گا۔ (معارج النبوۃ جلد ۳ صفحہ ۴۹) مسجد نبوی میں جو تبدیلیاں کیں ان کا ذکر تعمیر مسجد نبوی کے ضمن میں آچکا ہے۔ طبری نے اپنی تفسیر میں وضاحت کی ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ جنگ بدر سے دو ماہ پہلے ہوا۔

Marfat.com

آداب قبلہ: قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہیں نیز دعا کے وقت، احرام کھولتے اور باندھتے وقت اور جمرۂ وسطیٰ پر رمی جمار کے بعد بھی قبلے کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ جانور کو ذبح کرتے وقت اس کا رخ قبلے کی طرف پھیرنا چاہئے۔ مسلمان مردے کو قبر میں اس طرح لٹانا چاہئے کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو قضائے حاجت کے وقت قبلے کی طرف رخ یا پیٹھ کرنا بھی منع ہے۔ نیز قبلے کی طرف منہ کر کے تھوکنا بھی منع ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۶/۱ صفحہ ۲۵۷ بحوالہ بخاری شریف، مسلم و نسائی وغیرہ)

قبلہ کا اصل مقصد: قرآن مجید محض ظاہرداری کو اہمیت نہیں دیتا چنانچہ ارشاد باری ہے: "نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائیں اور مال سے محبت کے باوجود، اسے رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، مسافروں اور منگتوں کو دیں اور قیدیوں کو چھڑانے میں خرچ کریں اور نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں اور وعدہ کر کے پورا کیا کریں اور سختی، تکلیف اور معرکہ کارزار میں ثابت قدم رہیں۔ ایسے لوگ ہی سچے اور یہی لوگ متقی ہیں"۔ (بقرہ ۱۷۷)

حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح: ہجرت کے دوسرے سال ماہ رجب یا صفر میں حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علی سے کیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نکاح ماہ رمضان ۲ھ میں ہوا اور جامع الاصول میں ہے کہ غزوہ احد کے بعد ہوا۔ نکاح کے وقت سیدہ فاطمہ کی عمر سولہ یا اٹھارہ سال تھی اور علی المرتضیٰ ۲۱ سال ۵ ماہ کے تھے۔ حضرت اُم ایمنؓ نے حضرت علیؓ کو اس نکاح کی ترغیب دی تو وہ بولے کہ میں رسول اکرم ﷺ سے عرض کرتا ہوا شرماتا ہوں۔ پھر صحابہؓ کے سمجھانے پر حاضر ہو کر سلام کیا۔ آمد کی وجہ دریافت فرمائی تو عرض کی کہ فاطمہ کے لئے اپنا پیغام پیش کرنے حاضر ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مرحبا و اہلا"۔ پھر آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے کی کیفیت طاری ہوئی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب یہ کیفیت دور ہوئی تو مجھے ارشاد فرمایا "اے انسؓ! جبرئیل نے اللہ کا ارشاد پہنچایا ہے کہ فاطمہؓ کا نکاح علی سے کردو۔ پس تم فوراً ابوبکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ و طلحہؓ و زبیرؓ اور انصاریوں کو بلا لاؤ۔ جب وہ حاضر ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے خطبہ پڑھا اور چار سو مثقال چاندی کے حق مہر کے عوض یہ نکاح کر دیا۔ پھر کھجوروں کا طباق لیا اور حاضر صحابہؓ پر بکھیر کر لٹایا۔ اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ نکاح کے بعد چھوہارے وغیرہ لٹانا سنت و مستحب ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۲۸) مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ یہ نکاح ذوالحجہ سن ۲ ہجری میں ہوا (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۳۶۶)

اذن جہاد: مکہ میں مسلمانوں کو ستانے والے وہ قریش تھے جو ایمان نہ لائے تھے۔ مگر مدینہ میں یہودی آپ ﷺ کو پہچان لینے کے باوجود بوجہ حسد آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ انہوں نے کچھ منافقوں کو بھی اپنا آلہ کار بنا لیا۔ جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ وہ انصار کا ایک سردار تھا۔ لیکن حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے باوجود اس کے دل کا روگ دور نہ ہو سکا۔ قریش نے عبداللہ بن ابی سے رابطہ قائم کر کے اہل مدینہ کو حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کی حمایت ترک کرنے کے لئے کہا اور شہر

Marfat.com

بدر کرنے پر زور دیا ورنہ حملہ کرنے کی دھمکی دی آپ ﷺ کو اس رابطے کا پتہ چلا تو آپ ﷺ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے اور اسے سمجھایا کہ انصار کی اکثریت مسلمان ہو گئی ہے۔ لہذا تمہارا ان کے خلاف چلنا اپنے قبیلے کا نقصان کرنے کے مترادف ہو گا۔ عبداللہ یہ بات سمجھ گیا اور قریش کے ساتھ تعاون پر قادر نہ ہو سکا۔ (سیرت النبی جلد ا صفحہ ۲۰۵ بحوالہ ابوداؤد جلد ۲ باب خبر النضیر)

قریش کی یہ چال ناکام رہی تو انہوں نے یہودیوں سے رابطہ جوڑا اور مسلمانوں کو بھی حملے کی دھمکی دی۔ یہودی قریش کی شہ پر مسلمانوں کو تنگ کرنے لگے۔ ادھر قریش کا ایک سردار کرز بن جابر فہری چھپتا چھپاتا مدینہ پہنچا اور اہل مدینہ کے ڈنگر ڈھور زبردستی ہانک کر لے گیا یہ واقعہ ربیع الاول ۲ھ کا ہے۔ (رحمۃ للعالمین جلد ا صفحہ ۱۳۲)

ازیں پیشتر قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذؓ عمرہ کرنے مکہ معظمہ گئے تھے اور اپنے دوست امیہ بن خلف کے ہاں ٹھہرے تھے ابو جہل نے انہیں دیکھا تو دھمکی آمیز لہجہ اختیار کیا اور کہا کہ اگر تم نے مسلمانوں کو مدینہ سے نہ نکالا تو ہم تمہیں حج نہیں کرنے دیں گے۔ اس کے جواب میں حضرت سعدؓ نے شام کے ساتھ ان کی تجارت کا راستہ بند کر دینے کی دھمکی دی۔ قریش نے اس دھمکی کے دوررس نتائج پر غور کیا تو فکر مند ہوئے۔ کیونکہ کعبہ کے مجاور ہونے کی وجہ سے ان کی جو عزت دساور والے بھی کرتے تھے، اب وہ خطرے میں پڑ چکی تھی، چنانچہ انہوں نے عرب قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ جس کے مقابلہ میں حضور علیہ السلام نے بھی یہودیوں وغیرہ سے معاہدہ کیا جس کا ذکر آ چکا ہے۔ یہ حالات تھے جن کی بناء پر حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں اور ظالموں کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت دے دی اور فرمایا:

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلمو و ان اللہ علی نصرھم لقدیر

"جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے" (حج: ۳۹)

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے حفظ ماتقدم کے طور پر چھوٹے چھوٹے دستے اور لشکر روانہ کرنے شروع کر دیئے تاکہ مسلمانوں کا رعب قائم ہو۔ کیونکہ مکی دور میں جہاد کا حکم نہیں تھا بلکہ صبر کی تلقین کی جاتی تھی اور "لکم دینکم ولی دین" کا اصول رائج تھا۔ مگر اب ظلم کے خلاف جہاد کا حکم ہوا۔

دیگر وجوہات: ہجرت کے وقت حضور علیہ السلام پر قریش کی قاتلانہ سازش اگرچہ کامیاب نہ ہو سکی تھی مگر وہ مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف تھی۔ اس پر کچھ کارروائی کرنا لازم تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ اور مہاجرین صحابہ کی جائیدادیں بھی قریش نے ضبط کر لی تھیں اور اس کے باوجود ان کا غم و غصہ اہل اسلام کے خلاف دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا جا رہا تھا۔ حکمت خداوندی کے تحت مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو اذن جہاد نہیں تھا۔ لیکن مدینہ منورہ میں ریاست مدینہ کے قیام کے بعد اور

Marfat.com

یہودیوں وغیرہ کے ساتھ معاہدات کے بعد جب سید کونین ﷺ کی سیادت کو، مسلمانوں اور غیر مسلموں، سب نے تسلیم کر لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ لڑنے کی اجازت عطا فرمائی۔ جس کا سبب مذکورہ بالا واقعات بھی بنے۔

غزوات: وہ جنگ جس میں حضور علیہ السلام بذات خود شریک ہوئے غزوہ کہلاتی ہے اور جس میں آپ کی نیابت صحابہؓ میں سے کسی کو سونپی گئی "سریہ" کہلاتی ہے مواہب للدنیہ میں ہے کہ "سریہ" کے معنی ہیں رات کو چلنا یا سیر کرنا اور اصطلاح میں ایسا چھوٹا لشکر یا بڑے لشکر کا ٹکڑا جسے دشمن پر حملہ کے لئے بھیجا جائے، سریہ (جمع = سرایا) کہلاتا ہے۔ نیز سریہ میں نفری سو تا پانصد ہوتی ہے اگر نفری پانچ سو سے آٹھ سو تک ہو تو اسے منسر (بروزن منبر) کہتے ہیں۔ آٹھ سو سے زیادہ مگر چار ہزار سے کم نفری والے لشکر کو "جیش" کہا جاتا ہے۔ اگر نفری چار ہزار سے زیادہ ہو جائے تو "جحفل" اور لشکر عظیم کو خمیس کہتے ہیں۔ خمیس میں پانچ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ اور ساقہ ---- اور "کتیبہ" یا "لشکر" وہ فوجی نفری ہے جو مجتمع ہو۔ نہ کہ بکھری ہوئی (مدارج النبوۃ، اردو جلد دوم صفحہ ۱۳۱-۱۳۲)

غزوات کی تعداد: مواہب للدنیہ میں ہے کہ جن معرکوں میں حضور علیہ السلام خود بھی شریک ہوئے ان کی تعداد ستائیس ہے۔ روضۃ الاحباب میں اکیس درج ہے اور بعض چوبیس کہتے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت زیدؓ بن ارقم سے۔ انیس غزوات کی روایت ملتی ہے۔ نو غزوات جن میں قتال واقع ہوا۔ یہ ہیں، غزوہ بدر، احد، احزاب یا خندق، بنو قریظہ، بنو مصطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف جبکہ سرایا کی تعداد سینتالیس یا چھپن ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۳۶)

پہلا غزوہ الابواء: صحیح بخاری میں ہے کہ سب سے پہلا غزوہ الابوا ہے اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شریک ہوئے ہجرت کے بارہ ماہ بعد صفر کے مہینے میں قریش کے ایک قافلہ کے خلاف ساٹھ آدمیوں کا یہ لشکر مدینہ منورہ سے نکلا۔ علم حضرت حمزہؓ کے پاس تھا۔ نظامت مدینہ کا گورنر حضرت سعدؓ بن عبادہ کو مقرر فرمایا گیا۔

(انوار محمدیہ صفحہ ۸۶ از علامہ یوسف بنہانی (اردو) مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور)

ابواء، جحفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ اسے ودان بھی کہتے ہیں۔ مواہب للدنیہ میں ہے کہ ابوا اور ودان دو مقامات ہیں جن کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے۔ ابواء کے مقام پر قبیلہ بنی ضمرہ کا سردار مخشی بن عمر ضمری (قریشی) صلح کے ساتھ پیش آیا اور صلحنامہ لکھا گیا۔ پندرہ دن کے بعد یہ قافلہ مکہ کو لوٹ گیا۔ اسی منزل ابطاء میں حضور علیہ السلام کے چچازاد بھائی ابو عبیدؓ بن الحارث بن عبدالمطلب جو آپ ﷺ سے دس سال بڑے تھے، اسلام لائے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲-۱۳۳)

غزوہ بواط: بخاری شریف کے مطابق دوسرا غزوہ بواط (اور تیسرا عشیرہ) تھا۔ ہجرت کے تیرہویں مہینے دو صحابہؓ کے ساتھ یہ لشکر امیہ بن خلف کے قریشی قافلہ کو روکنے کے لئے روانہ ہوا۔ لیکن یہ قافلہ بچ کر نکل گیا۔ اس میں سفید علم حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ملا اور مدینہ میں گورنر سعد بن معاذ یا

Marfat.com

سائب بن عثمان بن مظعون کو بنایا گیا تھا۔ مواہب میں ہے کہ بواط جہنیہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے جو ینبع کے قریب ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۳۲-۱۳۵)

سریہ دار ارقم: غزوہ ابوا یا ودان سے واپسی پر مدینہ منورہ میں داخلہ سے پہلے اپنے نو مسلم عم زاد ابو عبید بن حارث بن عبد المطلب کی سرکردگی میں حضور علیہ السلام نے ساٹھ صحابہ کا لشکر دار ارقم کی جانب قریش کی ایک جماعت کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا جو ابو سفیان یا عکرمہ بن ابو جہل کی سرکردگی میں کسی خاص مہم پر نکلی تھی۔ سفید علم مسطح بن اثاثہ کو دیا۔ (یہ حضرت ام عائشہؓ کی وجہ سے بعد ازاں مجلود ہوئے) اہل سیرت کہتے ہیں کہ سب سے پہلا (سفید) علم اسی سریہ میں بنایا گیا۔ حالانکہ ازیں پیشتر غزوۂ ابوا میں بھی (عام) علم کو اٹھانے والے حضرت حمزہؓ تھے۔

اس سریہ میں تیراندازی کی نوبت آئی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے راہ اسلام میں سب سے پہلا تیر چلایا اور آخر سات بقیہ تیر بھی چلائے اور سب کارگر ثابت ہوئے۔ قریش کی جماعت اس خوف سے کہ مسلمانوں کے پیچھے اور لشکر بھی موجود ہے، ٹھہر نہ سکی اور بھاگ نکلی۔ اسلامی لشکر ان کا تعاقب کئے بغیر مدینہ لوٹ گیا۔ اس موقع پر دو جلیل القدر اور قدیم الاسلام صحابی حضرت مقدادؓ بن اسود اور عتبہؓ بن غزوان بھی جو کفار قریش کے ساتھ بغرض تجارت سفر میں تھے، اسلامی لشکر کے ساتھ شامل ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲، اردو صفحہ ۱۳۳)

حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کی سرکردگی: سریہ دار ارقم کے دوران میں ہی قریشی تاجروں کے ایک قافلہ کی خبر پہنچی جو مکہ کو لوٹ رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں اسی (۸۰) مہاجرین کا لشکر اس قافلہ کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ سفید علم ابو مرثد غنوی کو عطا ہوا۔ اس سفر میں کفار سے سامنا ہوا مگر مجدی بن عمرو جہنی نے دونوں کا حلیف ہونے کے ناطے جنگ کی نوبت نہ آنے دی اور مسلمان مدینہ پلٹ آئے جبکہ قافلہ ابو جہل کی سرکردگی میں مکہ پہنچ گیا۔

سریہ سعدؓ بن ابی وقاص: اس کے بعد حضور علیہ السلام نے سعدؓ بن ابی وقاص کی سرکردگی میں ایک لشکر "خرار" کی جانب بھیجا۔ یہ جگہ جحفہ کے قریب ہے۔ لشکر میں بیس مہاجر شامل تھے۔ حضرت مقداد بن اسود سفید جھنڈا لئے ساتھ ساتھ تھے۔ لیکن اس لشکر کے آنے سے ایک روز پہلے کفار کا قافلہ گزر چکا تھا۔ لہٰذا یہ دستہ واپس مدینہ آ گیا۔

لوا اور رائت: مسند احمد اور ترمذی شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا "رائت" سیاہ اور لوا سفید تھا۔ طبرانی میں بھی حضرت بریدہ سے ایسی ہی روائت منقول ہے اور ابن عدی کے نزدیک ابو ہریرہؓ سے اتنا زیادہ مروی ہے کہ اس پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا۔ ابن اسحاق اور ابو الاسود کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے جھنڈا جنگ خیبر میں ایجاد ہوا۔ اس سے پہلے "لوا" ہی معروف تھا۔ بعض کے نزدیک لوا چھوٹے جھنڈے کو

Marfat.com

کہتے ہیں اور رات بڑا جھنڈا کہلاتا ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ اردو ترجمہ صفحہ ۱۳۵)

غزوہ عشیرہ: حضور علیہ السلام ماہ جمادی الاول یا جمادی الآخر ۲ھ میں ڈیڑھ سو یا دو صد صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے۔ سفید علم حضرت حمزہ کو عطا ہوا اور ابو سلمہ بن عبد الاسد کو مدینہ منورہ کا عامل بنایا گیا۔ یہ جیش ابو سفیان کے تجارتی قافلہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ جب آپ ﷺ عشیرہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں رک کر اس قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن پھر پتہ چلا کہ وہ قافلہ پہلے ہی گزر چکا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ بنی مدلج اور بنی کنانہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر کے واپس تشریف فرمائے مدینہ ہوئے۔

کنیت ابو ترابؓ: اسی سفر میں علی المرتضیٰ کو ابو تراب کی کنیت عطا ہوئی۔ حضرت عمار بن یاسر کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں ایک دن میں اور حضرت علیؓ ایک کھجور کے درخت کے نیچے سو رہے تھے اور ہمارے بدن خاک آلود ہو گئے تھے۔ حضور علیہ السلام ادھر تشریف لائے اور ہمیں جگایا اور علی المرتضیٰ سے فرمایا۔ اے ابو تراب اٹھئے۔ پھر فرمایا "دنیا میں ایک بدبخت ترین انسان وہ تھا جس نے حضرت صالح کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اور دوسرا وہ جو تمہارے محاسن (داڑھی مبارک) کو خون سے گلگوں کریگا"۔ آپ ﷺ یہ فرماتے جاتے تھے اور علی المرتضیٰ کے بدن اور سر سے مٹی جھاڑتے جاتے تھے۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ (اردو) صفحہ ۱۳۶ بحوالہ معارج النبوۃ و روضۃ الاحباب)

لیکن بخاری و مسلم میں سہلؓ بن سعد ساعدی سے مروی ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام بی بی فاطمہؓ کے گھر گئے اور علی المرتضیٰ کو گھر میں نہ پایا۔ آپ ﷺ ان کی تلاش میں مسجد میں پہنچے وہ بی بی فاطمہؓ سے شکر رنجی کی بنا پر یہاں آ کر سو گئے تھے اور آپ کا بدن خاک آلود ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "قم ابا تراب اس دن سے علی المرتضیٰ کی کنیت ابو تراب مشہور ہو گئی۔ جو ان کی اصل کنیت ابو الحسن سے بھی انہیں محبوب و مرغوب تر تھی۔

غزوہ بدر اولیٰ یا سفوان: اسی سال کرز بن جابری فہری مدینہ منورہ کی چراگاہ سے کچھ مویشی ہانک کر لے گیا جن میں حضور علیہ السلام کے اونٹ بھی شامل تھے۔ اطلاع ملنے پر آپ ﷺ نے ایک لوا مرتب فرمایا اور حضرت علیؓ کے سپرد کیا اور زید بن حارثہ کو مدینہ کا عامل مقرر کر کے خود صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ وادی سفوان تک جا پہنچے یہ وادی "بدر" کے قریب ہی واقع ہے۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ بدر اُولیٰ یا غزوۂ سفوان کہا جاتا ہے۔ کرز بن جابر اسلامی لشکر کے ہاتھ نہ آ سکا۔ لہٰذا آپ ﷺ واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

غزوۂ بدر

بدر ایک مقام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ کہتے ہیں کہ بدر نامی ایک شخص نے اس جگہ ایک گڑھا کھود کر وہاں اپنی کنیا بنالی تھی اور سر راہ یہ مقام واقع تھا جو بدر کے نام سے مشہور تھا۔ (معارج

Marfat.com

النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۷) یہ مقام مدینہ طیبہ سے تقریباً سو کلو میٹر دور ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ سے شام کی طرف جانے والے قافلوں کی گزر گاہ تھا۔

وجوہات: غزوہ بدر کفار مکہ اور اہل اسلام کے درمیان پہلی فیصلہ کن جنگ تھی جس کے بعد کفار جو مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح خیال کرتے تھے، ان سے ڈر محسوس کرنے لگے قریش مکہ نے مسلمانوں کو ہجرت کے بعد بھی چین نہ لینے دیا۔ پہلے انصاری سردار عبداللہ بن ابی کو اکسایا مگر ناکام رہے۔ پھر یہودیوں سے راہ و رسم بڑھائی اور ان کو اکسایا کہ وہ مسلمانوں کو تنگ کر کے مدینہ سے نکال دیں۔ دوسری طرف قریش کا ایک سردار کرز بن جابر الفہری چھپتا چھپاتا مدینے پہنچا اور مسلمانوں کے مویشی زبردستی ہانک لے گیا۔ یہ ربیع الاول ۲ ہجری کا واقعہ ہے۔ (رحمتہ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

اس سے پہلے حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے مکہ گئے اور اپنے دوست امیہ بن خلف کے ہاں ٹھہرے۔ ابو جہل نے ان کو دھمکی دی کہ تم نے مسلمانوں کو پناہ دے رکھی ہے ہم تمہیں اس کا مزہ چکھائیں گے۔ جواب میں انہوں نے اہل مکہ کی تجارتی گزر گاہ جو شام کو جاتی تھی بند کر دینے کی دھمکی دی۔ اس پر اندر ہی اندر کفار مکہ گھبرا گئے۔ چنانچہ انہوں نے اہل اسلام کے خلاف عرب قبائل کو برانگیخت کیا۔ ان کے ساتھ معاہدے بھی کئے۔ جس کا توڑ کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی یہودیوں اور دیگر قبائل سے معاہدے کئے۔

سریہ عبداللہ بن جحش اور حضرمی کا قتل: جمادی الثانی ۲ھ کے آخر میں حضور علیہ السلام نے عبداللہ بن جحش کو آٹھ یا بارہ افراد پر مشتمل ایک دستہ دیکر "بطن نخلہ" بھیجا اور ایک خط دیا جسے بعد میں کھولنا تھا چنانچہ بمقام چاہ ابن ضمیرہ پہنچ کر خط کھولا تو یہ حکم ملا کہ "بطن نخلہ" پر قیام کرو اور قریش کے بارے میں ٹوہ لگا کر حالات سے مطلع کرو۔ اتفاقاً ایک دن شام کی طرف سے ایک قافلہ نمودار ہوا۔ حضرت عبداللہ بن جحش کے دستے نے اس قافلہ پر حملہ کر کے عمرو بن عبداللہ حضرمی کو مار ڈالا اور عثمان اور نوفل کو جو مغیرہ کے پوتے تھے قیدی بنالیا اور مدینے میں حاضر ہو کر حالات سے آگاہ کیا۔ یہ واقعہ یکم رجب المرجب کو ہوا تھا۔ جس پر کفار نے مسلمانوں پر ماہ حرام کی حرمت کو پامال کرنے کا الزام لگایا۔ جس کا جواب قرآن حکیم نے سورۃ بقرہ آئت ۲۱۷ میں دیا ہے۔

حضور علیہ السلام نے بھی اس واقعے کا برا مانا اور حضرت عبداللہ سے کہا کہ تم نے بغیر اجازت اتنا بڑا قدم کیوں اٹھایا۔ جبکہ رجب میں ویسے بھی قتال منع ہے۔ حضرمی، حرب بن امیہ کا حلیف تھا جو قریش کا سردار اور ابو سفیان کا باپ تھا۔ چنانچہ اس واقعے نے کفار مکہ کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف آگ اور بھڑکا دی۔

ازیں پیشتر ایک قافلہ تجارت کے لئے شام گیا ہوا تھا۔ ابو جہل نے موقع کو غنیمت جانا اور مشہور کر دیا کہ سعد بن معاذ انصاری کی دھمکی کے تحت مسلمانوں نے اس قافلے کو لوٹنے کا عزم کر رکھا ہے۔ اس

Marfat.com

لئے اس کی حفاظت کے لئے ایک لشکر جرار ادھر کا رخ کرے۔ چنانچہ چند دنوں میں ایک ہزار سے زیادہ جنگجو جن میں بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے قافلے کی مدد کے لئے مکہ سے روانہ ہو گئے۔ لیکن وہ قافلہ جو کہ ابو سفیان کی سرکردگی میں واپس آ رہا تھا۔ سمندر کے کنارے سفر کرتا ہوا بحفاظت اپنی منزل پر پہنچ گیا۔

مہاجرین وانصار سے مشورہ: ادھر حضور علیہ السلام کو اس لشکر کشی کی اطلاع ملی تو آپؐ نے مہاجرین اور انصار کو بلا کر مشورہ کیا۔ مہاجرین نے بار بار مستقل مزاجی اور فولادی عزم کا اظہار کیا۔ مگر حضورؐ نے پھر وہی سوال دہرایا تو انصار کو خیال آیا کہ اب شاید حضورؐ ہم سے مخاطب ہیں چنانچہ حضرت سعد بن معاذ نے عرض کی کہ ہم ہر طرح آپؐ کے تابع فرمان ہیں۔ پھر حضرت مقدادؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ "جاؤ تم اور تمہارا خدا لڑو۔ اور ہم یہاں بیٹھے ہیں"۔ بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے لڑتے ہوئے داد شجاعت دیں گے۔

جب دونوں جانب سے حوصلہ افزاء جواب مل چکا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کفار قریش کے مقابلہ کی تیاری کا حکم دیا۔ چنانچہ تین سو تیرہ کے قریب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور علیہ السلام کی زیر قیادت بدر کی طرف چل پڑے۔

قریش کا لشکر جب بدر کے قریب پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ ابو سفیان کا قافلہ بحفاظت مکہ معظمہ پہنچ گیا ہے۔ اس پر قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا کہ چلو واپس چلیں۔ مگر ابو جہل نے انکار کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس بہانے وہ لوگ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔ چنانچہ زہرہ اور عدی قبائل تو واپس چلے گئے اور باقی لشکر، جس کی تعداد تقریباً ایک ہزار یا نو سو پچاس تھی، آگے بڑھا۔

اس غزوہ کے لئے آپ ﷺ ہجرت کے انیسویں مہینے میں بارہ (یا آٹھ) رمضان المبارک کو روانہ ہوئے تھے۔ اور ۱۷ رمضان کی رات بدر کے مقام پر پہنچے۔ حضرت ابو لبابہؓ انصاری کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ انصار نے قتال میں شرکت کی۔ اس سے پیشتر جتنے بھی غزوات یا سرایہ پیش آئے ان میں مہاجرین ہی شریک ہوتے تھے اور انصار کو مستثنیٰ رکھا جاتا تھا کیونکہ ان کے ساتھ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر عہد و پیمان ہوا تھا کہ وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی حفاظت اور دشمنان دین سے مدافعت اپنے گھروں میں رہ کر یں گے۔ اس غزوہ میں کل ستتر مہاجر اور دو سو چھتیس انصار شامل ہوئے۔ البتہ حضور کے ہمرکاب اسی (۸۰) مہاجر اور ۲۲۵ انصار تھے۔ آٹھ صحابہ ایسے تھے جو کسی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تھے۔ البتہ ان کو اہل بدر میں شامل سمجھا گیا اور ان کو مال غنیمت سے حصہ بھی عطا ہوا۔ ان میں تین مہاجر اور باقی انصار تھے۔ انہی میں عثمان بن عفان بحکم رسول اکرم ﷺ اپنی زوجہ سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہ کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں رہ گئے۔ حضرت طلحہؓ اور سعیدؓ بن زید مشرکین کی جستجو میں گئے ہوئے تھے۔ باقی پانچ انصار تھے۔

Marfat.com

اس غزوہ میں مسلمانوں کے پاس تین گھوڑے، ستر اونٹ، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ مشرکین کی تعداد نو سو سے ہزار کے درمیان تھی۔ ان کے پاس سو گھوڑے سات سو سے زیادہ اونٹ اور پورا سازو سامان تھا۔ ہر سوار اور پیادہ زرہ پوش تھا۔ ان کے ساتھ گانے بجانے والی عورتیں اور آلات طرب بھی تھے۔ ہر روز گیارہ اونٹ ذبح ہوتے تھے۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۰۔۱۴۱)

منقول ہے کہ ابو سفیان کا قافلہ بحفاظت مکہ پہنچ گیا تو اس نے لشکر قریش کو واپس آجانے کا پیغام بھیجا۔ عتبہ اور شیبہ نے اس کی ہمنوائی کی اور ان کے غلام عداس، جو طائف کے سفر سے واپسی کے وقت حضور ﷺ پر ایمان لائے تھے، نے بھی قریش سے کہا کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، ان کے ساتھ جنگ کر کے بدبختی میں مبتلا ہونے سے باز رہو۔ مگر ابو جہل نہ مانا۔ بعدازاں ابو سفیان بھی مکہ سے چلا اور لشکر قریش میں شامل ہو گیا۔

(ایضاً صفحہ ۱۴۵۔۱۴۶)

آخری کوشش: دونوں لشکر تیار تھے۔ کفار نے ایک شخص کو بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کی تعداد اور ان کی جنگی قوت کا اندازہ لگائے۔ اس نے واپس جا کر بتایا کہ مسلمان تین سو کے لگ بھگ ہیں۔ پھر اس نے کہا "اے گروہ قریش! میں تمہیں ایک اور بات بتاتا ہوں، میں نے مسلمانوں کے لشکر میں ان بلاؤں کو دیکھا ہے جو اموات کو اٹھائے پھر رہی ہیں اور یثرب کے اونٹ زہر قاتل کے حامل لگتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم سب واپس چلو اور جنگ سے باز رہو۔ یہ سن کر حکیم بن حزام عتبہ کے پاس گیا اور اسے واپسی پر آمادہ کر لیا۔ جب ابو جہل نے سنا تو وہ اکڑ گیا اور عتبہ کو بزدلی کا طعنہ دیا۔ عتبہ بولا۔ "اے برمن زدہ چوتڑوں کو زعفران سے زرد کرنے والے! تو مجھے بزدل کہتا ہے؟" اور اس طرح جنگ سے باز رہنے کی آخری کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۸)

سفیان الضمرہ سے ملاقات: ادھر قتادہ بن نعمانؓ اور معاذؓ بن جبل کو ساتھ لیکر حضور علیہ السلام سواری پر قریش کا پتہ لگانے نکلے اور ایک بوڑھا ملا جس نے قریش کے بارے میں بتایا کہ "وہ فلاں دن مکہ سے چلے اور آج ان کو فلاں جگہ (جہاں قریش کا پڑاؤ تھا) ہونا چاہئے"۔ پھر حضور علیہ السلام نے پوچھا "کیا تمہیں حضور ﷺ اور اس کے صحابہ کی کچھ خبر ہے؟" بوڑھا بولا۔ وہ فلاں دن یثرب سے چلے اور آج ان کو فلاں جگہ ہونا چاہئے؟ اور واقعی مسلمانوں کا اسی جگہ پڑاؤ تھا۔ یہ بوڑھا سفیان الضمرہ تھا۔ پھر اس نے آپ ﷺ سے پوچھا آپ کون ہیں۔ فرمایا ﷺ: **نحن من ماء** گویا آپ ﷺ نے خداوند کریم کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کیا کہ ہر جاندار پانی سے پیدا ہوا ہے۔ دوسری طرف سفیان کا دھیان عراق کے سیلاب زدہ علاقوں کی طرف چلا گیا جہاں سے لوگ نقل مکانی کر سکتے تھے اور وہ سیلاب ان دنوں آیا ہوا تھا۔ (معارج النبوۃ جلد ۳ صفحہ ۸۲)

Marfat.com

مزید تحقیق: قریش کے بارے میں مزید تحقیق کے لئے علی المرتضیٰؓ زبیر بن العوامؓ اور سعد بن وقاصؓ کو بھیجا گیا وہ ایک چاہ سے اسلم اور عریض نامی دو غلاموں کو پکڑ لائے جو قریش کے لئے پانی بھرنے آئے تھے۔ مگر صحابہ نے ان پر ابوسفیان کے ساتھ ان کی وابستگی تسلیم کرنے پر زور دیا اور بصورت دیگر زدوکوب کی دھمکی دی چنانچہ سزا سے بچنے کے لئے دونوں نے جھوٹ موٹ اقرار کر لیا کہ وہ ابوسفیان کے ساتھی ہیں۔ حضور علیہ السلام اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ سچ بولنے پر تم نے انہیں زدوکوب کی دھمکی دی اور جھوٹ بولنے پر چھوڑ دیا۔ یہ کیا کیا؟ پھر آپ ﷺ نے خود دونوں سے معلومات حاصل کیں اور سرداران قریش کا پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ عتبہ، شیبہ، حارث بن عامر، حکیم بن حزام، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابی الحکم بن ہشام (ابوجہل)، امیہ بن خلف وغیرہ لشکر میں شامل ہیں۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو تمہارے سامنے ڈال دیا ہے۔ پھر پوچھا "کیا کوئی واپس بھی گیا ہے؟" بتایا گیا کہ ابن شریق یعنی اخنس یا نبی زہرہ واپس ہو چکے ہیں۔ نیز بنو عدی بن کعب بھی واپس چلے گئے ہیں۔

دوسری طرف ان غلاموں کی گرفتاری کی خبر قریش تک پہنچی تو وہاں کھلبلی مچ گئی اور بعض لوگوں نے جنگ سے باز رہنے کا مشورہ دیا مگر ابوجہل پھر آڑے آیا اور آخر جنگ ہو کر رہی۔ (معارج النبوۃ جلد ۳ صفحہ ۸۴)

صحابہؓ کی رائے اور نبی ﷺ کا منشا: جب قریش کا لشکر مکہ معظمہ سے روانہ ہوا تھا۔ تو جبریل امین نے حضور علیہ السلام کو ان کی خبر دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دو گروہوں اور لشکر (قریش کا لشکر) میں سے ایک کے ساتھ مڈبھیڑ کا وعدہ کیا ہے جس پر تم غالب آؤ گے جب ابوسفیان کا قافلہ نکل گیا اور لشکر قریش سے مقاتلہ کا امکان نظر آیا تو (وعدہ خداوندی کے مطابق ایک گروہ جس کے ساتھ مڈبھیڑ یقینی تھی) بعض صحابہؓ کرام کی نظر میں مال و اسباب رکھنے والا قافلہ زیادہ عزیز تھا۔ چنانچہ انہوں نے مطالبہ کیا کہ قافلے ہی کا تعاقب کیا جائے۔ جبکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد تھا کہ قافلہ تو جا چکا اور ابوجہل تمہارے مقابل آرہا ہے اس کو نظرانداز کر کے محض قافلے کا پیچھا کرنا مناسب نہیں۔ مگر جب اصرار بڑھا تو آپ ﷺ جلال میں آگئے۔ اس موقع پر صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ نے کھڑے ہو کر عمدہ اور نفیس باتیں کیں۔ حضور خوش ہو گئے اور ان کو دعا دی پھر سعد بن عبادہؓ نے سر تسلیم خم کرنے کا اعلان کیا۔ ان کو بھی حضور علیہ السلام نے دعا دی پھر مقداد بن عمرو نے بھی حضور کے ساتھ غیر مشروط تعاون کا اعادہ کیا اور قوم موسیٰ کے برخلاف مردانہ وار مقابلہ کا عزم ظاہر کیا اور کہا خواہ آپ ﷺ ہمیں حبشہ کے شہر "برک غماد" تک لڑنے کے لئے لے جائیں، ہم حاضر ہیں اس پر حضور علیہ السلام متبسم ہوئے اور دعائے خیر فرمائی اور بعد ازاں مہاجرین اور انصار سے برملا عہد لیا گیا کہ وہ ہر طرح آپ ﷺ کا ساتھ دیں گے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا "مسلمانو! فتح تمہارے قدم چومنے کی اور

Marfat.com

میں ﷺ قریش کا مقتل اور ان کے ہلاک ہونے کی جگہ کو دیکھ رہا ہوں"۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے کفار قریش کے بدر میں مارے جانے کے مقامات کی طرف واضح اشارات فرمائے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک جگہ زمین پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا "یہاں فلاں کافر ہلاک ہو گا فلاں کافر فلاں جگہ مارا جائیگا۔ پس آپ ﷺ نے ایک ایک مقتول کا نام لیکر اس کے مقتل کی نشاندہی فرمادی اور جنگ کے بعد دیکھا تو واقعی ہر مقتول آپ ﷺ کی ارشاد کردہ جگہ پر مرا پڑا تھا۔

باران رحمت کا نزول: بدر کی وادی میں مسلمانوں کا لشکر ریتلی زمین میں اترا جس میں ان کے اور سواریوں کے پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ پانی یہاں بالکل نہ تھا۔ جبکہ قریش کا پڑاؤ ایسی جگہ تھا جہاں پانی بھی تھا اور زمین بھی پکی تھی۔ مسلمان پیاس سے جاں بلب تھے۔ نیز وہ صبح کو سو کر اٹھے تو بعض کو غسل جنابت کی حاجت تھی۔ شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم کیسے "حق" پر ہو کہ نبی ﷺ کی معیت کے باوجود ہر سہولت سے محروم ہو۔ دشمن تم تشنہ لبوں کو با آسانی قتل کر دیں گے۔ وسوسہ اللہ تعالیٰ کو ناگوار گزرا۔ پہلے مسلمانوں پر نیند طاری کی اور پھر اس نے باران رحمت نازل کی۔ جس سے سب لوگ سیراب ہو گئے۔ مسلمانوں نے پانی جمع بھی کر لیا حتی کہ لشکر قریش نے ان سے پانی مانگا تو حضور رحمۃ للعالمین نے انہیں اجازت دیدی۔ کہتے ہیں کہ جس جس نے اس پانی کو پیا وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل یا اسیر ہوا (معارج النبوۃ جلد ۳ صفحہ ۸۷، اردو) بارش کی وجہ سے ریتلی زمین مضبوط اور سخت ہو گئی۔ جبکہ کفار کی زمین کیچڑ بن گئی۔ قرآن کریم میں اس موقع کا بیان اسطرح ہے:

وینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم بہ ویذھب عنکم رجز الشیطان ولیربط علی قلوبکم ویثبت بہ الاقدام

اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تا کہ اس سے تم پاکی حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطانی وسوسہ دور فرمائے اور تا کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور اس سے تمہارے قدم جمائے رکھے۔ (انفال - ۱۱)

رات بھر حضور علیہ السلام مصروف دعا و عبادت رہے۔ آپ ﷺ ایک عریش (کھجور کی شاخوں کا سائبان) میں تشریف رکھتے تھے حضرت صدیق اکبرؓ آپ کی حفاظت کے لئے شمشیر برہنہ پہرے پر تھے اور دروازے پر حضرت سعد بن معاذؓ تلوار لئے کھڑے تھے۔ صبح ہوئی تو حضور علیہ السلام نے نماز فجر کے بعد جہاد پر خطبہ دیا اور پھر صف آرائی کی۔ دونوں فریق صف آرائی کر چکے تھے عمیر بن وہب جمحی لشکر اسلام کا جائزہ لینے آیا اور واپس جا کر اس نے بتایا کہ مجھے مسلمانوں کے اونٹوں کے پالان اموات اٹھائے ہوئے محسوس ہوئے ہیں۔ حکیم بن حزام نے عتبہ بن ربیعہ سے مشورہ کیا کہ وہ اپنے حلف عمرو بن حضرمی کا خوں بہا ادا کر کے جنگ کو ٹال دے۔ اس نے ابو جہل کے پاس جانے کا کہا۔ عتبہ نے لڑنے سے باز رہنے کے لئے

Marfat.com

تقریر کی پھر حکیم نے ابو جہل سے درخواست کی کہ جنگ نہ کی جائے اس نے عتبہ کو بزدل تو نہ کہا البتہ ابو حذیفہؓ جو اصحاب بدر میں تھے، کو بچانے کا طعنہ دیا جو عتبہ کا بیٹا تھا اور ادھر عامر بن حضرمی کو بھڑکا دیا کہ عتبہ تیرے بھائی کا خون فروخت کر رہا ہے۔ چنانچہ جنگ سے بچنے کی آخری کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میری اجازت کے بغیر لڑائی شروع نہ کی جائے۔ ادھر آپ ﷺ پر تھوڑی دیر کے لئے نیند طاری ہوئی۔ اور آپ کو خواب میں قریش کی تعداد کم کر کے دکھائی گئی اور لڑائی کے وقت اللہ تعالٰی نے کافروں کو مسلمانوں کی تعداد تھوڑی کر کے دکھائی تاکہ وہ ان پر پل پڑیں۔ جبکہ مسلمانوں کی نظروں میں کفار کم کر کے دکھائے تاکہ یہ بددل نہ ہوں۔ اس واردات کا ذکر سورۃ انفال رکوع ۵ میں ہے مقصد یہ تھا کہ کفر اور اسلام کی ٹکر کے بعد مسلمانوں کو فتح حاصل ہو جائے۔

لڑائی کے لئے پہلا جوان مسلمانوں کی طرف سے عمر فاروقؓ کا غلام مھجع نکلا جسے عامر بن حضرمی نے تیر سے شہید کر دیا، پھر انصار میں سے حضرت حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے مسلمانوں کو قتال کی ترغیب دلائی اور بہشت کی طرف لپکنے کا ارشاد فرمایا اور حضرت عمیر بن حمام انصاری کو اہل بہشت سے ہونے کی خوشخبری دی۔ وہ چھوہارے کھانے لگے پھر ان کو پھینک کر جہاد میں کود پڑے حتیٰ کہ شہادت پا گئے۔ قریش میں سے اسود بن عبدالاسد مخزومی جو بڑا بد دماغ تھا للکارتا ہوا نکلا ادھر سے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب نکلے۔ وہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پینے کی قسم کھا کر نکلا تھا کہ حضرت حمزہؓ نے اس کی پنڈلی تک پاؤں کاٹ دیا تاہم وہ گھسٹ کر پانی تک پہنچا اور حوض میں ہی اس کا کام تمام کر دیا گیا۔

بعد ازاں شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکلے اور اپنے جوڑ کے مدمقابل کے لئے للکارے مقابلے کے لئے حضرت حمزہؓ، علی المرتضیٰؓ اور عبیدہؓ بن مطلب نکلے۔ حضرت علیؓ نے ولید کو اور حمزہؓ نے عتبہ کو قتل کر دیا۔ شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو شدید زخمی کیا۔ اتنے میں حضرت حمزہؓ اور علی المرتضیٰ نے بڑھ کر شیبہ کا کام تمام کر دیا۔ حضرت عبیدہ کو حضور کی خدمت میں لایا گیا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں شہید نہیں؟ فرمایا ﷺ "کیوں نہیں تو شہید ہے!" اور وہ شہادت پا گئے۔

اس کے بعد اجتماعی حملہ شروع ہوا۔ حضور علیہ السلام صفیں درست کرکے عریش میں تشریف لائے ساتھ صدیق اکبر بھی تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی موعودہ نصرت کے لئے دعا کی۔ پھر آپ پر غنودگی سی طاری ہوئی۔ آنکھ کھلی تو فرمایا۔ ابو بکرؓ! ----- اللہ کی نصرت آن پہنچی ہے۔ حضرت جبرئیل گھوڑے پر سوار آرہے تھے۔ سورہ انفال میں اللہ تعالٰی نے اس مدد کا ذکر کیا ہے کہ آپ کی دعا پر اللہ تعالٰی نے ہزار فرشتے لگاتار بھیجے۔ پہلے ہزار فرشتے بھیجے۔ پھر تین ہزار ہو گئے۔ (آل عمران رکوع ۱۳) اور پھر استقامت اور پرہیزگاری کی شرط پر پانچ ہزار ہو گئے۔ شیطان سراقہ کی صورت میں قریش کے ساتھ تھا اس نے فرشتوں کو دیکھا تو بھاگ گیا۔ جس کا ذکر سورۃ انفال کے دوسرے رکوع میں ہے۔

اسی موقع پر حضور علیہ السلام نے کنکریوں کی مٹھی لیکر کفار کی طرف پھینکی اور مشرکوں کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ جسے اللہ تعالٰی نے خود اپنی طرف منسوب قرار دیا اور فرمایا مارمیت اذ رمیت

Marfat.com

ولکن اللہ رمی فرشتے نظر نہ آتے تھے لیکن ان کی ضربات سے کفار کا بھرکس نکل رہا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ کفار شکست کھا گئے۔ آٹھ انصار اور چھ مہاجروں نے شہادت پائی۔ کفار میں سے ستر قتل ہوئے اور ستر گرفتار کر لئے گئے۔ مقتولوں میں ابوجہل سمیت قریش کے بڑے بڑے سردار شامل تھے۔ جن میں شیبہ، عتبہ، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف اور منبہ بن الحجاج قریش کے سرتاج تھے۔ اسیروں میں حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علی کے بھائی) اور ابولعاص (حضور ﷺ کے داماد) بھی تھے مقتولین کی لاشیں زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک وسیع کنوئیں میں ڈال کر اوپر سے مٹی ڈلوادی گئی۔ امیہ بن خلف کی پھولی ہوئی لاش اٹھانا مشکل تھی اس لئے اسے ایک گڑھا کھود کر دفن کر دیا گیا۔۔۔۔

اسیران میں ام المومنین حضرت سودہؓ کا ایک عزیز سہیل بن عمر بھی تھا۔ حضرت سودہؓ نے بے ساختہ اسے طعنہ دیا کہ یہ کیا تو نے عورتوں کی طرح خود بیڑیاں پہن لیں تو لڑ کر مر کیوں نہ گیا؟ (ابن ہشام)

اسیران کو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ میں تقسیم کر دیا اور صحابہؓ نے بھی اسیران کی اچھی طرح دیکھ بھال کی اور اپنے مقابلے میں ان کی آسائش اور خورد ونوش کا زیادہ خیال رکھا۔

فدیہ کی وصولی: مدینہ منورہ آکر حضور ﷺ نے اسیروں کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فدیہ لیکر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا جبکہ حضرت عمرؓ نے تمام اسیران کو ان کے مسلمان لواحقین کے ہاتھوں قتل کروانے کی ترغیب دی۔ حضور ﷺ نے صدیق اکبرؓ کا مشورہ قبول فرمایا اور سب اسیروں کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فدیہ لینے پر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔
(انفال - ۶۸)

اس عتاب ربانی پر آپ ﷺ اور صدیق اکبرؓ رو پڑے۔ سبب عتاب کے بارے میں اختلاف ہے۔ ترمذی کے مطابق مال غنیمت کے احکام ابھی نازل نہ ہوئے تھے جبکہ مسلمان مال غنیمت کی طرف راغب ہو گئے تھے جس پر یہ عتاب آیا چنانچہ اظہار ناراضگی کے بعد مال غنیمت کے حلال ہونے کی آیت نازل فرمائی۔

فکلو مما غنمتم حلالا طیبا

جو مال غنیمت ہاتھ آیا ہے وہ حلال و طیب ہے پس اس کو کھاؤ۔۔۔۔

صحیح مسلم کے مطابق یہ عتاب مال غنیمت یا فدیہ لینے پر نازل ہوا۔ چنانچہ حضور ﷺ کو روتے دیکھا تو عمر فاروقؓ نے سبب دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے ساتھیوں نے جو فدیہ وصول کیا ہے۔ اس پر خدا کی طرف سے پیش کئے جانے پر رو رہا ہوں۔ جس کا مطلب یہ لیا گیا کہ یہ عتاب فدیہ لینے پر تھا۔ بہرحال اسیران جنگ نے چار چار ہزار درہم فدیہ دیا۔ کچھ نادار ویسے ہی رہا کر دیئے گئے۔ جو لکھنا لکھانا

Marfat.com

جانتے تھے ان کو حکم دیا گیا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں اور رہائی پائیں۔ (طبقات ابن سعد صفحہ ۱۴) حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۳۳۲)

انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباسؓ کا فدیہ چھوڑنے کی پیشکش کی کہ وہ انصار کے بھانجے تھے مگر آپ ﷺ نے مساوات اسلامی کے مطابق یہ استدعا منظور نہ فرمائی اور فدیہ لیکر چھوڑا گیا بلکہ امراء میں شمار ہونے کی وجہ سے حضرت عباسؓ سے زیادہ رقم لی گئی۔ کیونکہ دولت مندوں سے فدیہ زیادہ لیا گیا تھا۔ حضور علیہ السلام کے داماد ابوالعاص کے فدیہ کے لئے حضور ﷺ کی بیٹی حضرت زینبؓ کو مکہ میں پیغام بھیجا۔ انہوں نے زر فدیہ کے ساتھ جہیز میں دیا گیا اپنا قیمتی ہار بھی آپ ﷺ کی خدمت میں بھجوا دیا۔ جسے دیکھ کر آپ ﷺ بے اختیار رو پڑے اور صحابہؓ سے فرمایا۔ اگر مناسب سمجھو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کردو چنانچہ وہ ہار حضرت زینبؓ کو واپس کر دیا گیا۔

ابوالعاص رہا ہو کر مکہ آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ پھر مال تجارت لیکر شام گئے۔ واپسی پر مسلمانوں کے دستوں نے ان کو معہ اسباب گرفتار کر لیا اور مال غنیمت کے طور پر مال سپاہیوں میں تقسیم ہو گیا۔ ابوالعاص کسی طرح زینب کے پاس پہنچے۔ انہوں نے پناہ دیدی۔ حضور ﷺ کو پتہ چلا تو صحابہؓ سے فرمایا کہ مناسب سمجھو تو ابوالعاص کا مال واپس دے دو۔ صحابہ نے حکم کی تعمیل کی۔ سارا مال واپس مل گیا تو ابوالعاص مکہ پہنچے۔ مال تجارت کے تمام حصہ داروں کو ان کا حساب کتاب چکا دیا اور پھر اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ کی راہ لی۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۳۴۴)

مکہ میں ماتم: بدر میں ستر مقتولوں کی خبر مکہ پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا لیکن غیرت قومی کی بناء پر اعلان کر دیا گیا کہ کوئی رو کر دل کی بھڑاس نہ نکالے۔ تاکہ آئندہ زیادہ سے زیادہ تیاری کر کے مسلمانوں کو شکست دی جا سکے۔ اسود کے تین بیٹے قتل ہو گئے تھے لیکن وہ اس پابندی کی وجہ سے رو نہ سکتا تھا۔ ایک دن کسی کے رونے کی آواز سنی تو نوکر بھیج کر پتہ کروایا کہ کیا رونے کی اجازت مل گئی ہے؟ پتہ چلا کہ اپنے اونٹ کی گمشدگی پر ایک عورت رو رہی ہے۔ اسود بے اختیار ہو کر فی البدیہہ شعر کہتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اونٹ پر کیا روتی ہے۔ رونا ہے تو بدر پر رو۔ جہاں قسمت نے گھاٹا دیا۔ عقیل اور حارث اسود کے شیر پر رو۔

عمیر بن وہب کا قبول اسلام: عمیر اور صفوان بن امیہ (کعبہ میں) حجر میں بیٹھے بدر پر ماتم کر رہے تھے۔ عمیر بولا "اگر مجھ پر قرض اور بچوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں محمد ﷺ کو بہرصورت قتل کر دیتا۔ کیونکہ میرا بیٹا بھی وہاں قیدی ہے۔ صفوان نے قرضہ ادا کرنے اور بچوں کی ذمہ داری نبھانے کا وعدہ کیا اور زہر میں بجھی تلوار کے ساتھ عمیر مدینے جا پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے اسے دیکھا تو گردن دبوچ کر حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا "عمیر کیسے آئے ہو؟" بولا --- "بیٹے کو چھڑانے"۔ فرمایا --- "یہ تلوار ---؟" عمیر بولا ہماری تلواروں نے

Marfat.com

بدر میں کیا کر لیا جواب کر لیں گی"۔ فرمایا---- کیا تو نے صفوان کے ساتھ مل کر حجر میں میرے قتل کی سازش نہیں کی تھی؟" عمیر یہ سن کر سکتے میں آگیا۔ بولا۔ اس سازش کا میرے اور صفوان کے سوا کسی اور کو ہرگز پتہ نہیں۔ آپ واقعی اللہ کے سچے نبی ہیں اور اس طرح عمیر کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گیا۔ پھر وہ بہادرانہ مکہ آئے اور اسلام کی دعوت کو مکہ میں بے دھڑک پھیلاتے رہے۔ (تاریخ طبری صفحہ ۱۳۵۴) غزوہ بدر کا بیان قرآن حکیم میں سورۃ انفال میں کافی شرح وبسط سے آیا ہے اور بدر میں کامیابی کا احسان سورۃ آل عمران میں جتلایا ہے۔ (آل عمران رکوع ۱۳)

غزوہ بدر کے موقع پر یہود اور منافقین کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس لئے ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو مدینہ میں گورنر بنایا اور مدینہ کے عالیہ محلہ پر عاصم بن عدی کو مقرر فرمایا تھا۔

غزوہ بدر کے نتائج: اس سے اسلام کی اشاعت کی راہیں کھل گئیں۔ قریش کے بڑے بڑے ستون گر گئے تو ابوسفیان ان کا قائد بنا۔ ادھر یہود کو مسلمانوں کی کامیابی نے حسد کی آگ میں جھونک دیا اور وہ مسلمانوں کے کھلے دشمن بن کر ابھرے۔ ادھر قریش انتقام کی آگ میں جل بھن رہے تھے۔ گویا اب اہل اسلام کو دوہری دشمنی کے مقابلہ کا سامنا تھا۔

شہدائے بدر کے اسماء گرامی: (۱) حضرت عبیدہؓ بن حارث بن مطلب، (۲) عمیر بن ابی وقاص، (۳) عمیر بن عبد عمرو بن نضلہ، (۴) عاقل بن ابی بکیر، (۵) مھجع عمر بنؓ خطاب کے غلام، (۶) صفوان بن بیضارؓ (یہ مہاجرین تھے) انصار شہدا کے نام۔ (۱) حضرت سعد بن خثیمہ، (۲) مبشر بن عبدالمنذر، (۳) حارثہ بن سراقہ، (۴،۵) حضرت عوف و معوذ پسران عفراء، (۶) عمیر بن حمام، (۷) رافع بن معلیٰ (۸) حضرت یزید بن حارث بن فسحم---- رضی اللہ عنھم اجمعین۔

مقتولان قریش سے خطاب نبوی: جنگ بدر کے میدان میں حضور علیہ السلام مقتولان مکہ کے گڑھے پر تشریف لے گئے اور کافر سرداروں کے نام لیکر ان کو اپنی دعوت یاد دلائی اور فرمایا کہ اب تو تم تمنا کرتے ہو گے کہ کاش ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کر لیتے---" حضرت عمرؓ عرض کناں ہوئے۔ یا رسول اللہ---! آپ کافروں کے بے جان اجساد سے کیا باتیں کر رہے ہیں؟---"

آپ نے فرمایا۔ عمرؓ! قسم ہے خدا کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو۔ اس کے بعد حضور ﷺ اسیروں اور مال غنیمت کے ساتھ مدینہ منورہ چلے گئے۔

ابولہب کی موت: بدر کی فتح کی خبر حیسمان بن ایاس خزاعی نے مکہ میں پہنچائی۔ اس کے نو دن بعد ابولہب مر گیا۔

Marfat.com

صدقۂ فطر کا حکم: اسی سال عید سے دو دن پہلے صدقۂ فطر واجب ہوا۔ عید فطر کی نماز عید گاہ میں باجماعت ادا کی گئی۔ اسی دوران زکوٰۃ فرض ہوئی۔ (سیرت رسول عربی صفحہ ۱۳۸)

غزوہ بنی قینقاع ۲ھ: ایک دن ایک مسلمان خاتون بنو قینقاع کی بستی میں سے دودھ لیکر گزری۔ کسی یہودی نے اس کو برہنہ کر دیا۔ ایک مسلمان نے یہودی کو تہ تیغ کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے ان کو معاہدہ امن یاد دلایا جسے انہوں نے توڑ دیا۔ مدینہ کے گرد تین یہودی قبیلے آباد تھے۔ ان سے معاہدہ ہو چکا تھا۔ لیکن بدر میں کامیابی کے بعد یہودی مسلمانوں کے دشمن ہو گئے اور بہانے سے معاہدۂ امن کو توڑ دیا۔ پہلے بنو قینقاع نے عہد شکنی کی اور چھ سو جنگجو جوانوں کے ساتھ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ پندرہ روز تک ان کا محاصرہ رہا۔ آخر مغلوب ہو گئے اور حضور علیہ السلام نے ان کو جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ وہ اذرعات (ملک شام) پہنچا دیئے گئے۔ جہاں وہ جلد ہی تباہ برباد ہو گئے۔

غزوۂ سویق ۲ھ: ابو سفیان نے مکہ جا کر جنگ کی تیاری شروع کر دی اور قسم کھائی کہ مسلمانوں سے بدلہ لئے بغیر وہ سر نہ دھوئے گا اور نہ نہائے گا۔ وہ دو سو سوار لیکر مقام عریض تک جا پہنچا اور ایک باغ میں گھاس پھوس کو آگ لگا دی اور ایک انصاری سعد بن عمرؓ کو قتل کر کے بھاگ نکلا۔ حضور علیہ السلام نے تعاقب فرمایا۔ لیکن وہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستوؤں کے بورے راستے میں پھینکتا چلا گیا۔ جو مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ ستو۔ عربی میں سویق کہلاتے ہیں، اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ سویق کا نام دیا گیا۔ یہ ذوالحج ۲ھ کا واقعہ ہے۔ اس طرح ابو سفیان نے اپنے زعم میں قسم پوری کر دی اور نہانا دھونا شروع کر دیا۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی: جیسا کہ پہلے بیان ہوا ذوالحج ۲ھ میں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی۔ حضرت علی کے پاس ایک زرہ ہی تھی جو سو سوا سو روپے کی تھی۔ سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۳۶۶) اس کے علاوہ ایک بوسیدہ یمنی چادر اور ایک عدد بھیڑ کی کھال تھی۔ علی المرتضیٰ اب تک حضور علیہ السلام کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ نکاح بڑی سادگی سے ہوا۔ نکاح کے دس ماہ بعد رخصتی عمل میں آئی۔ جہیز میں چمڑے کا ایک گدا۔ ایک چھاگل، ایک چادر، ایک چھوٹی مشک، ایک چارپائی، دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے دیئے گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا۔ کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ (بحوالہ طبقات ابن سعد اور اصابہ)

۲ھ کے بعض اور واقعات: جیسا کہ بیان ہوا اس سال شعبان میں قبلہ بیت المقدس کی جگہ کعبتہ اللہ مقرر ہوا۔ اسی سال میں رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ صدقہ فطر واجب ہوا اور عید الفطر کی نماز باجماعت ادا کی گئی۔ پھر عید الضحیٰ بھی آپ ﷺ نے

Marfat.com

صحابہؓ کے ساتھ صحرا میں کھلی جگہ پر پڑھائی اور دو بکریاں ذبح فرما کر قربانی ادا کی۔ یہ آپ ﷺ کی طرف سب سے پہلی قربانی تھی۔

• کعب بن اشرف شاعر تھا جو حضور کا دشمن تھا اور آپ ﷺ کے قتل کی کئی سازشوں میں حصہ لے چکا تھا۔ حضور علیہ السلام کی اجازت سے بنی اوس کے محمد بن مسلمہؓ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کے گھر جا کر اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد سلام بن ابی الحقیق یہودی نے سر اٹھایا وہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کو گالیاں بکا کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو زک پہنچانے کی تیاری کی۔ چنانچہ بنو خزرج کے کچھ جوانوں نے خیبر پہنچ کر اسے قتل کر دیا اور بخیریت واپس پہنچ گئے۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ا صفحہ ۹۸-۹۷)

ہجرت کا تیسرا سال: محرم ۳ھ کے دوسرے عشرے میں غزوہ قرقرۃ الکدر واقع ہوا اور ربیع الاول میں غزوہ انمار یا غطفان اور جمادی الاول میں غزوہ بنی سلیم وقوع میں آیا۔ غزوہ انمار کے دوران وعثور غطفانی نے اسلام قبول کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ کعب بن اشرف ربیع الاول ۳ھ میں محمد بن مسلمہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ جبکہ ابو رافع سلام بن ابی حقیق یہودی کو عبداللہ بن عتیک انصاری خزرجی نے جمادی الاخر ۳ھ میں قتل کر دیا۔ بعض روایات میں رمضان ۶ھ ذوالحج ۵ھ اور ذوالحج ۴ھ بھی آیا ہے جبکہ ابن خلدون کعب بن اشرف اور ابو رافع کے واقعات کو ۲ھ میں شمار کرتا ہے۔ (سیرت رسول عربی ۱۳۹ از توکلی)

غزوۂ احد: احد ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین میل دور ہے۔ غزوہ احد اسی پہاڑ کے نواح میں واقع ہوا۔ ابو سفیان نے جو دولت اس قافلہ کے مال تجارت میں کمائی تھی جسے وہ جنگ بدر کے موقع پر بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا ابھی محفوظ پڑی تھی۔ جنگ بدر میں شکست کھانے کے بعد قریش نے ابو سفیان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس دولت کو مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے وقف کر دے۔ چنانچہ اس سرمائے سے حملہ کی تیاری شروع ہوئی۔ قریش کے دو شاعروں عمرو جمحی اور مسافع نے اپنی شاعری سے آتش انتقام کو خوب ہوا دی۔ عورتوں نے بھی اپنے مردوں کو غیرت دلا کر آمادۂ پیکار کرنا شروع کر دیا۔ ہندہ نے حضرت حمزہؓ سے اپنے باپ عتبہ کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے وحشی نامی ایک حبشی غلام کو خصوصی مشن کے لئے تیار کیا اور قریش نے جنگ کی بھرپور تیاری کر لی اور لشکر چل پڑا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب مسلمان ہو چکے تھے لیکن مکہ میں ہی رہتے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو حالات سے آگاہ کیا۔ ۵ شوال ۳ھ کو حضور علیہ السلام نے دو آدمی قریش کے قافلہ کا پتہ کرنے کے لئے بھیجے پتہ چلا کہ دشمن عریض (مدینہ سے تین میل) کی چراگاہ تک آگیا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ قلعہ بند ہو کر لڑنے کی تجویز سامنے آئی تو بعض جوشیلے جوانوں نے شہر سے باہر نکل کر لڑنے کے لئے اصرار کیا۔ آپ ﷺ گھر گئے اور زرہ پوش ہو کر تشریف لائے۔ اب ان جوانوں کو احساس ہوا کہ حضور علیہ السلام ناراض ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ واپس لینے کا عندیہ ظاہر کیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ پیغمبر کے

Marfat.com

یہ درست نہیں کہ وہ ہتھیار لگانے کے بعد یونہی انہیں اتار دے۔ چنانچہ آپ جمعہ پڑھا کر ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ کوہ احد کی طرف چلے جہاں بدھ کے دن سے قریش ڈیرے ڈالے بیٹھے تھے۔

عبداللہ بن ابی، رئیس المنافقین بھی مسلمانوں کے ساتھ تھا لیکن وہ قلعہ بند ہو کر لڑنے کے حق میں تھا۔ چنانچہ اس نے بہانہ کیا کہ چونکہ اس کی بات کو وزن نہیں دیا گیا۔ لہٰذا وہ اس جنگ میں شریک نہیں ہو گا۔ چنانچہ وہ اپنے تین سو ساتھیوں سمیت میدان جنگ سے واپس چلا گیا۔ اب مسلمان سات سو رہ گئے جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔ لشکر کفار کی تعداد پانچ ہزار تھی۔

صف بندی کے بعد حضور علیہ السلام نے عبداللہ بن جبیر کی کمان میں پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ ایک خطرناک درے پر متعین فرمایا اور حکم دیا کہ فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر وہ دستہ درے کی حفاظت سے ادھر ادھر نہ ہٹے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت معصبؓ بن عمیر کو جھنڈا عطا فرمایا اور زبیر بن العوام کو رسالے کا افسر مقرر کیا جبکہ حضرت حمزہ کو غیر زرہ پوش دستے کا سربراہ مقرر کیا۔

مشرکوں نے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابو جہل کو بائیں اور دائیں جانب کا کمانڈر مقرر کیا۔ تیر اندازوں کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا۔ جھنڈا طلحہ کے پاس تھا۔ صفوان بن امیہ سواروں کا افسر تھا۔ دو سو گھوڑے محفوظ (RESERVE) میں رکھے گئے۔ اس جنگ میں کفار کے ساتھ ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ، عکرمہ بن ابو جہل کی بیوی ام حکیم، خالد بن ولید کی بہن "فاطمہ بنت ولید، طائف کے رئیس مسعود ثقفی کی بیٹی برزہ، عمرو بن العاص کی زوجہ "ریطہ" اور معصب بن عمیر کی والدہ "خناس" بھی شامل تھیں۔

شوق جہاد: کم سن نونہالوں کو حضور نے میدان جنگ سے واپس بھیج دیا۔ ان میں حضرت زید بن ثابت، براء بن عازب، ابو سعید خدری، عبداللہ بن عمرؓ اور بنو اوس کے حضرت عرابہ شامل تھے۔ رافع بن خدیج کو کم سن کہہ کر واپسی کے لئے کہا تو اس نے پنجوں کے بل پر کھڑے ہو کر خود کو قد آور اور نوجوان ظاہر کرنے کی سعی کی۔ لہٰذا اس کو رکھ لیا گیا۔ ایک نونہال سمرہؓ نے عذر کیا کہ مجھے بھی جہاد کی اجازت دی جائے کیونکہ میں رافع کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔ آخر کشتی کرائی گئی۔ اور سمرہ کے جیتنے پر انہیں بھی شامل جہاد کر لیا گیا۔

صف آرائی کے بعد قریش کی خواتین ماتمی اشعار پڑھتی۔ اپنے جوانوں کے حوصلے بڑھاتی ہوئی آگے آئیں۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ کی سرکردگی میں چودہ عورتیں رجزیہ اشعار سے آگ بھڑکا رہی تھیں ابو عامر مدینہ کا پرانا باسی جو مکہ میں مقیم ہو گیا تھا۔ ڈیڑھ سو جوانوں کے ساتھ میدان میں اترا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے دیکھتے ہی مدینہ کے انصار اس کے ساتھ آملیں گے۔ لیکن انصار کی پختہ ایمانی نے اسے مایوس کیا۔ اتنے میں طلحہ قریش کی صفوں سے نکلا اور طنزیہ انداز میں للکارنے لگا کہ ہے کوئی جو اسے فوراً جہنم رسید کر دے یا اس کے ہاتھوں جنت میں چلا جائے۔ حضرت علیؓ سامنے سے نکلے اور ایک ہی وار سے اسے جہنم رسید کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی عثمان حملہ آور ہوا اور حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں تلوار کے وار سے شانہ

Marfat.com

سے کمر تک چر گیا۔ اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت ابو دجانہؓ نے تلوار کا حق ادا کرنے کا وعدہ کر کے حضور ﷺ کے دست مبارک سے تلوار وصول کی۔ سر پر سرخ رومال باندھ کر اکڑتے ہوئے میدان میں نکلے۔ حضور ﷺ نے فرمایا"اگرچہ مغرورانہ چال اللہ کو سخت ناپسند ہے تاہم (میدان جنگ میں) اس وقت پسند ہے۔ اور ابو دجانہؓ صفوں کو چیر کر ہندہ تک پہنچ گئے لیکن نبی ﷺ کی عطا کردہ تلوار سے ایک عورت کو قتل کرنا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ بھی بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ ہندہ کے تیار کردہ وحشی نامی غلام نے حضرت حمزہ کو قتل کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا تھا کہ اس کے آقا جبیر بن مطعم نے اس کی جزا کے طور پر وحشی کو آزادی کا لالچ دے رکھا تھا۔ آخر اس نے حضرت حمزہؓ کو اپنا خاص ہتھیار "حربہ" دور سے مار کر ناف میں پیوست کر دیا۔ اور کسی مہلت کے بغیر ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

ابو عامر کافروں کی طرف سے لڑ رہا تھا لیکن اس کے بیٹے حضرت **حنظلہ** مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ابو سفیان پر حملہ کیا کہ اچانک پہلو سے شداد بن الاسود نے وار روک کر۔ آخر ان کو شہید کر دیا۔ کفار نے اس جنگ میں علمبرداری کا حق بھی خوب ادا کیا۔ ایک کے ہاتھ سے علم گرتا تو دوسرا تھام لیتا۔ آخر عمرہ بنت علقمہ نامی ایک خاتون نے علم زمین سے اٹھا کر بلند کیا اور لڑکھڑاتے کفار جم کر لڑنے لگے بہرحال مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ کفار کے پاؤں اکھڑنے لگے تو مسلمانوں نے غنیمت پر نظریں جمالیں۔ کفار کی خواتین بھی بدحواسی میں بھاگ کھڑی ہوئیں۔ ان کو بھاگتے دیکھا تو درہ میں متعین کردہ دستہ بھی مال غنیمت کے لئے لپکا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا لیکن لوگ نہ رکے۔ درہ کو خالی دیکھا تو خالد بن ولید نے اس پر قبضہ کر لیا اور پیچھے سے اچانک حملہ کر کے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ مسلمان بدحواسی میں اپنے ہی لوگوں پر حملے کرنے لگے۔ حضور علیہ السلام سے مشابہت رکھنے والے حضرت مصعب بن عمیرؓ ابن قمیہ کے ہاتھ سے قتل ہوئے تو غل مچ گیا کہ حضور علیہ السلام شہادت پا گئے۔ اس افواہ نے مسلمانوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ دشمن دوست کی تمیز نہ رہی۔ ہر کوئی افراتفری کے عالم میں تھا۔ حضرت حذیفہؓ کے والد حضرت یمانؓ بھی اپنوں کے نرغے میں آ کر مار کھا رہے تھے۔ حضرت حذیفہ نے چلا چلا کر بہت کہا کہ میرے والد ہیں لیکن آخر وہ شہید کر دیئے گئے۔ حضور علیہ السلام کا کسی کو پتہ نہ چلتا تھا کہ کہاں ہیں۔ مسلمانوں پر مایوسی کا عالم تھا۔ سب سے پہلے حضرت کعبؓ بن مالک نے حضور علیہ السلام کو پہچانا اور دہائی دیکر مسلمانوں کی توجہ دلائی۔ کافروں نے سارا زور حضور ﷺ کو شہید کرنے پر لگا دیا۔ لیکن جاں نثاروں نے پروانے بن کر شمع رسالت کی حفاظت کی اور شہادت پاتے رہے۔ حضرت زیاد بن سکن انصاریؓ شدید زخمی حالت میں حضور ﷺ کے حضور لائے گئے۔ انہوں کی حضور ﷺ کے قدموں پر منہ رکھ دیا اور جان ہو اہو گئی۔

عبداللہ بن قمیہ صفیں چیرتا ہوا حضور ﷺ کے سر پر پہنچ گیا۔ اور تلوار سے وار کر کے آپ کے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ اقدس میں دھنسا دیں حضرت ابو دجانہؓ سپر بن کر جھکے اور پیٹھ پر وار سہتے رہے۔ حضرت طلحہؓ کا ہاتھ کٹ گیا۔ نبی رحمت پر دشمنوں نے بھرپور یلغار کی ہوئی تھی لیکن رحمتہ للعالمین ﷺ

Marfat.com

دعا فرما رہے تھے۔

رب اغفر قومی فانهم لا یعلمون

اے اللہ میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹ غزوہ احد)

بہرحال صحابہؓ میں سے بعض نے بڑی جان نثاری دکھائی۔ صحیح بخاری میں بھی اس غزوہ کے واقعات منقول ہیں۔ ایک موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی ﷺ کی جان کے درپے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کی یہ بات پسند نہ آئی۔ کیونکہ رحمتہ للعالمین ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ سب کے لئے وسیلہ رحمت ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا:

لیس لک من الامر شی او یتوب علیهم او یعذبهم فانهم ظلمون -- (آل عمران-۱۲۸)

اے نبی ﷺ! اس کام میں آپ ﷺ کا اختیار نہیں (یعنی) یا تو اللہ ان کی توبہ قبول کرے گا یا انہیں عذاب دے گا۔ سو (جہاں تک ان کے ظالم ہونے کا تعلق ہے یہ تو درست ہے کہ) وہ ہیں تو ظالم لوگ۔

بخاری شریف میں ہے کہ آخر حضور پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ابو سفیان نے تعاقب کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور چند دیگر صحابہؓ نے پتھراؤ کرکے اسے واپسی پر مجبور کر دیا۔ (بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۵۸۴ غزوہ احد)

حضور کی وفات کی افواہ مدینہ میں پہنچی تو مخلصین دوڑے آئے۔ بی بی فاطمہؓ بھی آئیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کے چہرہ سے جاری خون دھویا اور چٹائی کا ٹکڑا جلا کر راکھ زخم پر بچھائی تو خون تھم گیا ابو سفیان نے بزعم خویش جنگ بدر کا بدلہ لے لیا تھا قریشی خواتین نے شہدائے احد کی لاشوں کی بے حرمتی کی اور ان کے ناک، کان کاٹ کر ابو سفیان کی بیوی نے ہار بنا کر گلے میں پہنا اور حضرت حمزہؓ کی لاش ڈھونڈ کر آپ کا کلیجہ نکالا چبا کر تھوک دیا۔ مسلمان خواتین میں حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت انس کی والدہ اُم سلیم زخمیوں کو دور سے پانی لا لا کر پلاتی تھیں۔ نیز حضرت ابو سعید خدری کی والدہ ام سلیطؓ نے بھی ایسی خدمات انجام دی تھیں۔ حضرت ام عمارہؓ نے ابو قمیہ کے حملے کو روکا اور زخمی ہوئیں۔ حضرت حمزہؓ کی بہن صفیہ میدان جنگ میں پہنچیں تو حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ ان کو حضرت حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے دیں۔ ان کو پتہ چلا تو کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے اپنے بھائی کی لاش کی بے حرمتی کی سب خبر ہے لیکن اللہ کے راستے میں یہ قربانی کوئی بڑی قربانی نہیں۔ پھر بھائی کی لاش کو دیکھا اور **انا للہ و انا الیہ راجعون** پڑھ کر اپنا غم پی کر رہ گئیں۔

ابو سفیان چلا گیا تو حضور ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ اس کا تعاقب کیا جائے۔ مسلمان اگرچہ زخموں سے چور تھے لیکن ستر آدمی اس مہم کے لئے تیار ہو گئے جن میں صدیق اکبرؓ اور زبیر بھی تھے۔ ابو سفیان روحا کے مقام پر پہنچا تو خیال آیا کہ کام تو ادھورا رہ گیا۔ اگلے دن حضور ﷺ بھی حمراء اسد تک

Marfat.com

پہنچ گئے۔ جو مدینہ سے آٹھ میل ہیں معبد خزاعی نے ابو سفیان کو مسلمانوں کی تیاریوں سے ڈرا دیا۔ پس وہ مکہ معظمہ کی طرف چلا گیا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام عازم مدینہ ہوئے۔ انصار کی عورتیں اپنے مردوں کے کہنے سے حضور کی خوشنودی کی خاطر حضرت حمزہ کا ماتم کرنے آئیں تو آپ ﷺ نے شکریہ کہہ کر انہیں واپس کر دیا اور فرمایا کہ شہداء پر نوحہ نہ کیا جائے۔ (ابن ہشام مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۸۴) سورہ آل عمران میں بھی غزوہ احد کی تفصیل ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے اور زیادہ تر انصار تھے۔ افلاس کا یہ حال کہ کفن تک کے لئے کپڑا نہ تھا۔ شہداء کو بے غسل خون میں لتھڑے دو دو ملا کر ایک ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ اور اکثر کا جنازہ بھی نہ پڑھا جا سکا۔

۳ھ ہجری کے اہم واقعات: اسی سال ۱۵ رمضان المبارک کو حضرت امام حسنؓ پیدا ہوئے اس سال حضور علیہ السلام نے حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے نکاح کیا جو غزوۂ بدر میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ اسی سال حضرت عثمان بن عفانؓ سے رسول اللہ کی پیاری بیٹی ام کلثومؓ کی شادی ہوئی۔ اس سال وراثت کا قانون نازل ہوا۔ اور ذوالارحام کا حصہ مقرر کر کے ان کے حقوق کی تفصیل بھی دی گئی۔ اب تک مشرک عورت سے اہل اسلام کا نکاح جائز تھا۔ اس سال اس کی تحریم بھی نازل ہوئی۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۳۸۷)

۴ھ کے اہم واقعات

غزوۂ بنو نضیر: یہ غزوہ ربیع الاول ۴ھ میں واقع ہوا۔ اس کی وجہ یہود کی طرف سے معاہدۂ امن کی خلاف ورزی تھی۔ بنو عامر کے دو آدمی جن کے ساتھ رسول خدا ﷺ کا عہد تھا۔ مدینہ منورہ سے نکل کر اپنے اہل کی طرف گئے۔ راستے میں عمرو ابنؓ امیہ ضمری نے دونوں کو قتل کر دیا۔ رسول خدا ﷺ نے دیت کے لئے بنو نضیر سے حسب معاہدہ مدد مانگی۔ انہوں نے باہم مشورہ کا بہانہ کیا اور آپ ﷺ ابو بکر و عمرؓ اور علی مرتضی وغیرہ کے ساتھ وہیں ان کی ایک دیوار تلے بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ یہودی قبیلہ بنی نضیر نے مدد کی بجائے بے خبری میں آپ پر چکی کا پاٹ اوپر سے گرانے کی سازش کی۔ جبرئیل امین نے آپ ﷺ کو آگاہ کیا۔ آپ فوراً اٹھے اور مدینہ کی راہ لی اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ بنو نضیر کا وار خالی گیا۔ اب انہوں نے بات چیت کی دعوت دی اور حضور علیہ السلام کو تیس صحابہؓ کے ساتھ اپنے ہاں بلایا کہ ہمارے علماء سے بات کریں۔ اگر وہ مان جائیں گے تو ہم خون بہا کا حصہ ادا کرنے کو تیار ہوں گے۔ اصل میں وہ حضور علیہ السلام کو شہید کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے تحریری معاہدہ پر زور دیا۔ جس پر وہ راضی نہ ہوئے۔ پھر آپ بنو قریظہ کے پاس سابقہ معاہدۂ امن کی تجدید کے لئے تشریف لے گئے۔ انہوں نے نیا معاہدہ لکھ دیا لیکن بنو نضیر نے پھر بھی انکار کر دیا۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۴۱۰ بحوالہ ابوداؤد)

چنانچہ پندرہ روز تک بنو نضیر کا محاصرہ جاری رہا۔ آخر وہ جلاوطنی کے لئے درخواست گزار ہوئے۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے ان کو اجازت دی کہ جا سکتے ہو۔ اور ہتھیاروں کے علاوہ اونٹوں پر لاد کر جتنا سامان لے جا سکو وہ بھی لے جا سکتے ہو۔ چنانچہ بنو نضیر ملک شام اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ یہ قافلے شادیانے بجاتے ہوئے مدینے سے نکلے۔ اسلحہ میں پچاس زرہیں، پچاس خود، اور تین سو چالیس تلواریں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ (ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۱۱۷، اردو ترجمہ) یہ لوگ جاتے ہوئے اپنے گھروں کو منہدم کر گئے اور گھڑے تک سلامت نہ چھوڑے۔ حضور نے اسلحہ مہاجر مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا جبکہ انصار میں سے حضرت ابو دجانہؓ اور سہیل بن حنیف کو ہی حصہ ملا۔ بنو نضیر کے دو آدمی یامین بن عمیر اور سعید بن وہب مسلمان ہو گئے تھے لہٰذا ان کا مال و اسلحہ ان کی ملکیت میں رہنے دیا گیا۔ اس غزوہ میں سورۃ حشر نازل ہوئی۔

یکم محرم ۴ھ کو اطلاع ملی کہ قطن کے مقام پر بنو اسد کے لوگ شرارت کے لئے جمع ہیں جن کے سربراہ طلحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لئے ابو سلمہ مخزومیؓ کی کمان میں ڈیڑھ سو صحابہ کا دستہ بھیجا۔ مشرکوں کو پتہ چلا تو راہ فرار اختیار کی۔ تاہم قطن سے مسلمانوں کو کچھ مویشی ہاتھ لگے اور یہ دستہ بعافیت واپس آ گیا۔

دوسری طرف عرفات کی وادی میں عرنہ کے مقام پر سفیان بن خالد ہذلی نے سر اٹھایا۔ حضور ﷺ نے عبداللہ بن انیس کو اس کی طرف بھیجا۔ وہ ۵ محرم کو روانہ ہوئے۔ دن کو چھپ رہتے اور رات کو سفر کرتے، عرنہ پہنچے اور سفیان کا سر کاٹ لائے اور ۲۳ محرم ۴ھ کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی حصہ اول صفحہ ۱۷۸) ماہ صفر ۴ھ میں قریش نے قبیلہ عضل اور قارہ کے سات آدمی دھوکے سے حضور علیہ السلام کے پاس بھیجے کہ ہم لوگ اجتماعی طور پر اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے ساتھ کچھ مبلغ بھیج دیں۔ آپ ﷺ نے دس ممتاز صحابہؓ کو حضرت عمرؓ کے نانا حضرت عاصمؓ بن ثابت کی قیادت میں ساتھ بھیج دیا۔ جب یہ صحابہؓ ان کے علاقے میں پہنچے تو ان کے تیور بدل گئے۔ راہ میں ہذیل نامی قبیلہ آباد تھا کفار نے ان کے دو سو جوان بلا لئے۔ صحابہ کرامؓ نے خود کو محصور پایا تو دلیری سے ساتھ والی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ کافروں نے انہیں کہا کہ ہم تو آپ لوگوں کو آزما رہے تھے اور ٹھٹھہ کرتے تھے۔ آپ نیچے اتر آئیں۔ لیکن صحابہؓ ان کے فریب میں نہ آئے اور دس میں سے آٹھ صحابی لڑتے ہوئے شہادت پا گئے۔ دو صحابہ حضرت خبیب بن عدی اور زید بن الدثنہ کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ یہ واقعہ "رجیع" نامی تالاب کے پاس پیش آیا تھا۔ اس لئے اسے "واقعہ رجیع" کہتے ہیں۔ ان دو صحابہؓ کو کافروں نے غلام بنا کر مکے میں سے فروخت کر دیا۔ قریش نے ان کو کئی دن تک حارث بن عامر کے گھر بھوکا پیاسا قید رکھا۔ ایک دن حارث کا بچہ چھری سے کھیلتا ہوا حضرت خبیبؓ کے پاس پہنچا۔ آپ نے چھری لیکر ایک طرف رکھ دی اور اسے گود میں لیکر کھلانے لگے۔ بچے کی والدہ نے دیکھا تو چیخ ماری کہ شاید بچہ قتل ہو جائے گا۔ حضرت خبیبؓ بات کو تاڑ گئے اور فرمایا مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ معصوم بچوں کو قتل کرے۔

کچھ دنوں کے بعد صفوان بن امیہ نے غزوہ بدر کے مقتول اپنے والد کا بدلہ لینے کے لئے حضرت

Marfat.com

زید بن الدثنہ کو خرید لیا اور اپنے غلام نسطاس کے حوالے کر دیا کہ وہ حرم کے علاقے سے باہر نکل کر آپ کو شہید کر دے۔ قریش کے ٹولے تماشا دیکھنے کے لئے ساتھ ہو لئے۔ ابو سفیان نے حضرت زید سے کہا۔ کیا تو اپنی جگہ محمد کا قتل ہونا پسند کرتا ہے؟۔ انہوں نے سختی سے انکار کیا۔ ابو سفیان بولا "خدا کی قسم! محمد ﷺ کے ساتھیوں جیسا ہم نے کوئی ساتھی نہیں دیکھا"۔ اور حضرت زید کو شہید کر دیا گیا۔ (تاریخ اسلام حصہ اول ۱۷۹ از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

حضرت خبیب بن عدی کو حجیر بن ابی اہاب نے قتل کی غرض سے حاصل کر لیا اور قتل کرنے سے پہلے آپ کی ایک آرزو تسلیم کرنے کا وعدہ کیا۔ انہوں نے دو نفل ادا کرنے کی اجازت مانگی۔ جو مل گئی۔ آپ نے وضو کر کے جلدی جلدی نفل ادا کئے اور کہا کہ جلدی جلدی نفل اس لئے پڑھے ہیں کہ مبادا تم یہ خیال کرو کہ میں نے موت کے ڈر سے نماز کو طول دیا ہے۔ آخر مشرکوں نے ان کو سولی پر لٹکا دیا اور برچھیوں سے چھیدنے لگے۔ حضرت خبیبؓ بڑی استقامت سے یہ تکالیف سہتے ہوئے یہ دعا کر رہے تھے۔

اللھم بلغنا رسالہ رسولک فبلغہ مایصنع بنا

"اے اللہ! ہم نے تیرے رسول ﷺ کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ اب ان لوگوں نے جو سلوک ہمارے ساتھ کیا۔ اس کی خبر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچا دے اور اس طرح شہادت پا کر ابدی زندگی حاصل کی۔ (رحمۃ للعالمین جلد ا صفحہ ۱۴۷-۱۴۸)

اور فریب: صفر ۴ھ میں ابو براء عامر بن مالک حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ وہ بولا۔ مجھے اپنی قوم سے محبت ہے۔ آپ کچھ مبلغین کو میرے ساتھ نجد روانہ کر دیں۔ تا کہ وہ تبلیغ کر کے اسلام پھیلائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اہل نجد پر مجھے بھروسہ نہیں ہے۔ ابو براء بولا۔ فکر نہ کریں میں ذمہ داری لیتا ہوں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے منذر بن عمرو ساعدی کے ساتھ ستر صحابہؓ کو نجد کی طرف روانہ کر دیا۔ جن میں سے اکثر اصحاب صفہ اور قرآن کے حافظ تھے۔ (بخاری شریف)

جب یہ بزرگ بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیاں "بیر معونہ" پہنچے تو حضور علیہ السلام کا نامہ مبارک حضرت حرامؓ بن ملحان کے ہاتھ ابو براء کے بھتیجے عامر بن الطفیل کے پاس بھجوایا۔ اس ظالم نے خط پڑھے بغیر حضرت حرامؓ کو شہید کرا دیا اور اپنی قوم سے کہا کہ باقی صحابہؓ کو بھی شہید کر دو۔ بنو عامر نے انکار کیا تو اس نے یہی کچھ کرنے کے لئے بنو سلیم کو کہا۔ چنانچہ انہوں نے سب صحابہ کو شہید کر دیا۔ صرف حضرت کعبؓ بن زید کسی طرح بچ نکلے اور جا کر حضور ﷺ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ (رحمۃ للعالمین جلد ا صفحہ ۱۴۸)
ایک روایت کے مطابق عامر بن الطفیل نے حضرت عمرؓ بن امیہ کو چھوڑ دیا کیونکہ اس کی والدہ نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی ہوئی تھی۔ وہ آزاد ہو کر مدینہ کو چلے۔ راستے میں بنو عامر کے دو آدمی ملے جن کو حضور نے پناہ دی تھی۔ لیکن عمرو کو علم نہ تھا۔ چنانچہ غلط فہمی میں ان کو قتل کر دیا۔ حضور کو پتہ چلا تو آپ

Marfat.com

نے خوں بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا اور بنو نضیر کے ساتھ مڈ بھیڑ کا باعث یہی واقعہ ہوا۔ (مکی مدنی ماہی حاشیہ صفحہ ۲۰۷) عامر بن الطفیل کے کہنے پر حضرت حرامؓ بن ملحان کو جبار بن سلمیٰ نے نیزہ مار کر شہید کیا تھا اور شہادت کے وقت انہوں نے نعرہ مارا **فزت و رب الکعبہ** کعبہ کے رب کی قسم میں نے من کی مراد پالی۔

چنانچہ اس نعرے سے متاثر ہو کر قاتل جبار بن سلمیٰ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ حضور ﷺ کو جب اس دجل و فریب کا علم ہوا تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے اور مہینہ بھر ظالموں کے حق میں بددعا کی۔ عامر بن الطفیل ایک ماہ بعد پلیگ سے مرگیا اور ابو براء بن عامر اس غم سے مرگیا کہ اس کی اماں میں صحابہؓ کو اس کے بھتیجے نے زبردستی شہید کر دیا تھا۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۳۹۰ تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں۔ جلد ۱ صفحہ ۱۸۰)

غزوہ ذات الرقاع: حضور علیہ السلام کو خبر ملی کہ قبیلہ غطفان کے بنو محارب اور بنو ثعلبہ مسلمانوں پر حملے کے لئے تیار ہیں۔ آپ ﷺ جمادی الاول ۴ھ میں چار سو صحابہؓ کا لشکر لیکر ان کی طرف چلے۔ مدینہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ کو عامل مقرر فرمایا۔ کفار نے اسلامی فوج کو دور سے دیکھا اور منتشر ہو گئے۔ جس پہاڑی پر اہل حق نے ڈیرے لگائے تھے اس کا نام ذات الرقاع تھا۔ اس لئے یہ غزوہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہوا۔

غزوہ بدر ثانی: غزوۂ احد کے بعد ابو سفیان کے ارادے ٹھیک نہیں تھے منافقین مدینہ نے نعیم بن مسعود کے ذریعے ابو سفیان کو پیغام بھیج کر مسلمانوں پر حملہ کی دعوت دی ابو سفیان دو ہزار کا لشکر لیکر چڑھ آیا۔ ادھر حضور علیہ السلام بھی پندرہ سو صحابہؓ کے ساتھ مقابلے کے لئے نکلے اور بدر کے میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اس عرصہ میں مدینہ کا گورنر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا۔ اسلامی لشکر آٹھ روز تک یہاں رہا۔ ابو سفیان عسفان (عصفان) تک پہنچا لیکن اسلامی لشکر کا سن کر ڈرتا واپس آ گیا۔ نیز مکہ میں ان دنوں قحط پڑا ہوا تھا۔ معبد بن ابی معبد خزاعی نے حضور ﷺ کو ابو سفیان کے فرار سے آگاہ کیا چنانچہ اسلامی لشکر آٹھ روز کے بعد مدینہ کی طرف کوچ کر گیا۔ یہ رجب ۴ھ کا واقعہ ہے اور اس غزوہ کو غزوہ موعد، غزوہ بدر ثانی غزوہ بدر صغریٰ یا غزوۂ بدر اخریٰ بھی کہتے ہیں۔ (ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۱۱۸ اردو ترجمہ)

امام حسینؑ کی پیدائش: ۴ھ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ جبکہ حضور ﷺ کے نواسے عبداللہ بن عثمان بعمر چھ سال وفات پا گئے نیز زینب بنت خزیمہ کا انتقال ہوا۔ اسی سال حضور ﷺ نے حضرت اُم سلمہؓ کے ساتھ نکاح کیا۔ حضرت علی کی والدہ فاطمہ بنت اسید نے بھی اسی سال وفات پائی۔

Marfat.com

۵ ہجری

غزوۂ دومتہ الجندل: ربیع الاول ۵ھ میں خبر ملی کہ دومتہ الجندل کے مقام پر ایک لشکر کفار مسلمانوں پر حملہ کے لئے پر تول رہا ہے۔ آپ ﷺ ایک ہزار صحابہؓ کو لیکر مقابلے کے نکلے۔ کفار کو پتہ چلا تو وہ بھاگ گئے۔ اس غزوہ میں مدینہ کا عامل سباع بن عرفطہ غفاری کو مقرر کیا گیا تھا۔ (سیرۃ النبی جلد اول ۴۱۳۔ ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۱۱۹)

غزوۂ بنی مصطلق: بنو خزاعہ کا ایک قبیلہ بنو مصطلق کہلاتا تھا جو مرسیع میں آباد تھا۔ اس کا سربراہ حارث بن ابی ضرار تھا اس نے قریش کے ایماء پر یا اپنے طور پر مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا پروگرام بنایا۔ حضور علیہ السلام نے صحیح صورتحال کا پتہ کرنے حضرت زید کو بھیجا۔ جب خبر کی تصدیق ہوگئی تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی صحابہؓ کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور ۳ شعبان ۵ھ کو اسلامی لشکر نکل کھڑا ہوا۔ مرسیع میں اسلامی لشکر کی خبر پہنچی تو کفار کا لشکر بھاگ گیا اور حارث کا بھی پتہ نہ چلا۔ لیکن مرسیع کے باشندوں نے ہتھیار نہ ڈالے اور صفیں بنا کر تیراندازی شروع کر دی اور کافی دیر مقابلہ کیا۔ آخر مسلمانوں نے زبردست حملہ کر کے ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ ان کے دس آدمی قتل ہوئے اور چھ سو کے قریب قیدی بنائے گئے۔ مال غنیمت کے طور پر دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ (سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۴۱۴ بحوالہ ابن ہشام)

اس غزوہ میں مسلمانوں کے پاس کل تیس گھوڑے تھے۔ یعنی دس مہاجرین اور بیس انصار کے پاس ایک ایک گھوڑا تھا۔ مہاجرین اور انصار کے علم بھی الگ الگ تھے۔ انصار کے علمبردار سعدؓ بن عبادہ تھے اور مہاجرین کے ابوبکرؓ صدیق، حضرت عمرؓ کو مقدمہ الجیش بنایا گیا تھا اور مدینہ میں حضرت زیدؓ بن حارث کو عامل مقرر کیا گیا تھا۔ اس غزوہ میں بعض منافقین بھی مال غنیمت کے لالچ میں شامل ہو گئے تھے جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ اسی غزوہ میں پانی لینے کے موقع مہاجرین اور انصار میں جھگڑا ہو گیا اور قبائلی انداز میں نعرے بازی شروع ہو گئی۔ عبداللہ بن ابی نے انصار کو امداد کے طعنوں سے چھلنی کرنا شروع کر دیا کہ تم نے مہاجرین کی مصیبت کو اپنے گلے کا طوق خود ہی بنایا ہے۔ اب بھگتو بھی! حضور ﷺ کو پتہ چلا پاس ہی عمر فاروق تھے۔ عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو عبداللہ بن ابی کا سر قلم کر دوں۔ حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ اس طرح لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہؓ نے یہ واقعہ سنا تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے باپ کے قتل کی اجازت چاہی۔ تا کہ اگر کسی اور کو حکم دیا گیا تو حمیت میں آ کر کہیں میں اس قاتل کو ہی قتل نہ کر ڈالوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں تمہارے باپ کے ساتھ رحمت سے پیش آؤں گا۔ چنانچہ جب وہ فوت ہوا تو حضور علیہ السلام نے اسے اپنا کرتہ پہنا کر دفن کرایا اور نماز جنازہ بھی خود پڑھائی۔ اگرچہ حضرت عمرؓ نے منافق کا جنازہ نہ پڑھانے کے

Marfat.com

لئے گزارش کی۔ لیکن حضور ﷺ نے حضرت عباسؓ کو جنگ بدر میں عبداللہ بن ابی کی طرف سے کرتہ عنایت کرنے کا بدلہ اتارنے کے لئے اپنا کرتہ بھی دیا اور نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ یہ الگ بات ہے کہ منافقت کی وجہ سے عبداللہ بن ابی حضور ﷺ کی رحمت کا دائمی مستحق نہ بن سکا۔ (سیرۃ النبی جلد اول بحوالہ بخاری شریف، ابن سعد، اور طبری)

حضرت جویریہؓ کا واقعہ: اسیروں میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔ اسیران جنگ لونڈی اور غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے۔ جویریہ حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ جویریہ نے ان سے مکاتبت کر کے روپیہ دیکر آزادی حاصل کرنے کا معاہدہ کیا اور چندہ اکٹھا کر کے فدیہ دینے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کے پاس بھی گئیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس سے بہتر برتاؤ قبول کرو تو کیسا رہے گا کہ میں تمہاری طرف سے رقم ادا کر دوں اور آپ کو اپنی زوجیت میں لے لوں۔ جسے حضرت جویریہؓ نے منظور کر لیا اور آپ ﷺ نے ساری رقم اپنی گرہ سے ادا کر کے حضرت جویریہؓ سے نکاح کر لیا۔ (ابن اسحاق، ابوداؤد اور ابن ہشام)

اصابہ میں حافظ ابن حجر نے ابن مندہ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیٹی کو کنیز نہ بنانے اور آزاد کرنے کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے معاملہ حضرت جویریہؓ پر چھوڑ دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ حارث بن ابی ضرار نے فدیہ ادا کر کے اسے آزاد کروایا جس کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ اس نکاح کا اثر یہ ہوا کہ سارے اسیروں کو رہائی مل گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کو غلام بنانا صحابہؓ نے مناسب نہ خیال کیا۔ (طبقات ابن سعد، واصابہ فی احوال صحابہؓ و سنن ابوداؤد کتاب العتق)

واقعہ افک: اس غزوہ کا اہم قصہ حضرت عائشہ پر تہمت لگنا تھا۔ آپ رفع حاجت کے لئے گئی ہوئی تھیں کہ قافلہ چل پڑا آپ کا ہودہ اونٹ پر تھا۔ صحابہؓ نے خیال کیا کہ آپ اندر (پردے میں) تشریف رکھتی ہیں۔ کیونکہ آپ کا بدن کچھ بھاری بھرکم نہ تھا اس لئے قافلہ نکل گیا۔ ادھر آپ کے گلے کا قیمتی ہار بکھر گیا جو آپ کی بہن کی ملکیت تھا۔ آپ اس کے موتی چننے لگیں اس طرح مزید دیر ہو گئی اور آپ پریشان ہو گئیں۔ پیچھے پیچھے حضرت صفوان بن معطلؓ اپنا اونٹ لئے آ رہے تھے۔ تاکہ قافلے کی گری پڑی چیز اٹھا کر لا سکیں۔ یہی ان کی ڈیوٹی لگی تھی لیکن اتفاق سے وہ سو کر دیر سے اٹھے اور اس طرح وہ بھی تاخیر کا شکار ہو گئے۔ بہرحال انہوں نے مائی عائشہ کو دیکھا تو نہایت افسوس ہوا۔ فوراً اپنے اونٹ سے اترے اور مائی صاحبہ کو سوار کر کے خود نکیل پکڑے چلتے چلتے قافلے سے جا ملے۔ منافقوں نے تہمت گھڑ کر مشہور کر دی، جس کی تائید میں بعض سادہ لوح مسلمان بھی شریک ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ ڈیڑھ ماہ تک الگ رکھی گئیں۔ جبکہ ان کو الزام کی بالکل خبر نہ تھی۔ جب ایک دن الزام کا پتہ چلا تو بہت روئیں۔ حضور علیہ السلام اصل بات تو جانتے تھے کہ یہ تہمت ہے لیکن لوگوں کی زبانوں کو لگام کیسے دی جا سکتی تھی۔

Marfat.com

آخر قرآن حکیم میں حضرت عائشہ کی پاکدامنی کے حق میں آیات نازل ہوئیں اور "افترا" کی قلعی کھول کر رکھ دی گئی۔ منافقین کے علاوہ فریب زدہ سادہ لوح مسلمانوں کو بھی تہمت کی سزا ملی۔ جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں مذکورہ ہے۔ (سورۃ نور)

غزوۂ احزاب یا خندق: یہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ایک بڑے معرکے کا پیش خیمہ تھیں جو غزوہ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔ قریش پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے، یہودی قبائل بھی اس دوڑ میں پیچھے نہ تھے۔ بنو نضیر مدینہ منورہ سے نکل کر خیبر اور شام میں آباد ہو چکے تھے اور اہل خیبر نے انہیں اپنا سردار بھی بنا لیا تھا۔ ان میں حی بن اخطب، کنانہ بن الربیع بھی تھے۔ حی بن اخطب گٹھ جوڑ اور جوڑ توڑ کا بڑا ماہر تھا۔ وہ کنانہ اور سلام بن ابی الحقیق کے ساتھ مکہ پہنچا اور قریش سے مدد کی درخواست کی تاکہ اسلام کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کیا جاسکے۔ قریش نے حامی بھرلی، پھر یہ تینوں بنو غطفان کے پاس گئے اور خیبر کی آدھی آمدنی کا لالچ دیکر ان کو بھی ساتھ ملالیا۔ بنو اسد پہلے ہی بنو غطفان کے ساتھی تھے بنو سلیم کی قریش سے رشتہ داری تھی۔ بنو سعد یہودیوں کے ساتھی تھے۔ چنانچہ یہ سارے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ گویا سارے عرب کے کافر ایک طرف اور حزب اللہ والے دوسری طرف تھے۔ آخر مختلف احزاب کا لشکر جرار ابو سفیان کی سرکردگی میں مدینے کی طرف بڑھا جس کی تعداد چوبیس ہزار تھی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایرانی طرز جنگ سے واقفیت کی بناء پر مدینہ منورہ کے آگے خندق کھود کر مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا۔ جس کو سب نے قبول کر لیا۔ مدینہ کے تین طرف آبادی اور نخلستان تھے۔ چوتھی جانب سے حملہ ہو سکتا تھا۔ آخر حضور علیہ السلام نے تین ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر بیس دن میں خندق کھودوائی اور پیٹ پر دو دو پتھر باندھ کر اور مسلسل بھوکے رہ کر یہ کام سرانجام دیا۔ صحابہ جب بھوک کی شکایت کرتے اور اپنے پیٹ پر بندھا ہوا پتھر دکھاتے تو حضور علیہ السلام اپنا پیٹ دکھاتے۔ جس پر دو پتھر بندھے ہوتے۔ اسی دوران میں اسوۂ حسنہ سے متعلقہ آیت نازل ہوئی۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (احزاب۔۲۱)

"مسلمانو! تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

خندق کی کھدائی کے وقت ایک سخت چٹان آگئی جس کو صحابہؓ کوشش کے باوجود توڑ نہ سکے۔ آخر حضور علیہ السلام جو شجاعت میں بھی بے مثل تھے، آگے بڑھے اور پہلی ضرب رسید کی، چٹان سے شعلے نکلے۔ آپ نے صحابہ کے ساتھ اللہ اکبر کہہ کر فرمایا کہ مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا ہوئیں۔ دوسری ضرب سے چٹان سے مزید شعلے بلند ہوئے اور شکستگی کے آثار بھی ابھرے۔ آپ نے فرمایا مجھے فارس کی چابیاں عنائت ہوئیں اور تیسری ضرب سے چٹان ریزہ ریزہ ہو گئی اور آپ نے یمن کی کنجیاں حاصل ہونے کی خوشخبری سنائی اور فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے بتایا ہے کہ یہ ملک تیری صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ملیں گے۔ (تاریخ اسلام، حصہ صفحہ ۱۹۰ از اکبر شاہ خاں)

Marfat.com

صف بندی: سلع نامی پہاڑی کو عقب میں رکھ کر مسلمانوں نے صف بندی کی۔ عورتوں کو شہر کے محفوظ قلعوں میں پہنچا دیا گیا اور ان کی حفاظت کے لئے دو سو سپاہی ساتھ بھیجے کہ مبادا بنو قریظہ دھوکے سے حملہ آور ہو جائیں۔ قبیلہ بنو قریظہ اگرچہ کفار کا ساتھی نہ تھا لیکن ان سے خدشہ تو ہروقت رہتا ہی تھا۔ حی ابن اخطب بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا تھا کہ معاہدہ امن توڑ دیا جائے۔ اس نے دوبار سختی سے انکار کیا لیکن تیسری دفعہ حی بن اخطب کے جھانسے میں آگیا اور معاہدہ توڑ کر کفار کا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا۔ حضور علیہ السلام نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو بنو قریظہ سے معاہدہ کے بارے میں پتہ کرنے بھیجا اور ساتھ ہی فرمایا کہ اگر معاہدہ توڑ دیا گیا ہوا۔ تو واپسی پر بات گول مول کر کے بتانا تاکہ کمزور دل اہل ایمان دل نہ چھوڑ بیٹھیں۔ بنو قریظہ نے معاہدہ توڑنے کی تصدیق کر دی تو دونوں صحابی حاضر ہو کر حسب ارشاد بات کو پراز حکمت انداز میں بیان کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوئے۔ اس طرح کافروں کی فوج میں مزید اضافہ ہو گیا۔

لڑائی: کفار نے فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے تین اطراف سے مدینہ منورہ پر حملہ کیا۔ سورۃ احزاب کی آیت ۱۰۔۱۱ میں اس واقعہ کا نقشہ قرآن نے یوں کھینچا ہے۔

"جب دشمن اوپر سے اور نیچے سے تم پر حملہ آور ہو گئے اور آنکھیں پھرنے لگیں اور دل پہنچے گلوں تک اور تم نے وہم بٹھائے اللہ کے بارے میں طرح طرح کے۔ وہاں پرکھے گئے ایمان والے اور مسلمانوں کو خوب جھنجھوڑا گیا"۔

منافقوں نے بھوک پیاس یخ ٹھنڈی ہوا اور دشمن کی زیادہ فوج کا خیال کر کے لڑائی سے جان چھڑانے کی کوشش کی۔ وہ حضور علیہ السلام کے پاس بار بار جاتے اور کہتے کہ ہمارے گھر بغیر کسی چوکیدار کے کھلے پڑے ہیں۔ ہمیں ہمارے گھروں میں واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ قرآن میں آیا ہے کہ:

"وہ کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں۔ اے نبی ﷺ ان کے گھر کھلے نہیں پڑے بلکہ وہ تو جان چھڑا کر بھاگنا چاہتے ہیں۔ (احزاب - ۱۳)

کافروں نے شہر میں گھسنے کی بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ خندق کی وجہ سے بھی لڑائی میں شدت پیدا نہ ہو سکی۔ کفار نے ستائیس دن محاصرہ قائم رکھا۔ ایک روز عمرو بن عبدود وغیرہ نے ایک جگہ سے خندق عبور کر لی اور للکار کر مقابل کو طلب کیا۔ حضور کی اجازت سے حضرت علیؓ آگے بڑھے اور اس کو ٹھکانے لگا دیا۔ اس کے باقی ساتھی بھاگ گئے۔ آخر بنو قریظہ اور قریش میں پھوٹ پڑ گئی اور پھر ایک رات ایسی زوردار باد صرصر چلی کہ کافروں کے خیمے اکھڑ گئے۔ گھوڑے چھوٹ گئے اور کھانے کی دیگیں الٹ گئیں اور چولہے بجھ کر رہ گئے۔ ادھر سامان رسد بھی ختم ہونے کو تھا۔ چنانچہ قریش کے ساتھ دیگر قبائل بھی محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ بنو قریظہ اپنے قلعوں میں چلے گئے۔ اس غزوہ میں عصر اور مغرب اور بقول بعض ظہر کی نماز بھی قضاء ہو گئی۔ کل چھ صحابہؓ نے شہادت پائی جن میں حضرت سعد بن معاذ

Marfat.com

(اوس کے سردار) بھی تھے۔ مسجد میں صحابیہ حضرت رفیدہ انصاریہ ؓ کا خیمہ میں شفاخانہ تھا جہاں مرہم پٹی کی جاتی تھی۔ حضرت سعد شدید زخمی تھے۔ لیکن یہاں علاج سے جانبر نہ ہو سکے اور ایک ماہ صاحب فراش رہ کر انتقال فرما گئے۔ اس غزوہ میں متعدد معجزے بھی ظہور میں آئے اس کا ذکر کافی تفصیل کے ساتھ سورۃ احزاب میں آیا ہے۔

بنو قریظہ کا گھیراؤ: بنو قریظہ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ غزوہ احزاب کے بعد آپ نے کم ہی آرام کیا اور ظہر کی نماز کے بعد بنو قریظہ کے محاصرہ کا حکم دیا اور فرمایا کہ عصر کی نماز کوئی بھی مدینہ میں نہ پڑھے۔ چنانچہ عصر بنو قریظہ کے محلے میں ادا کی۔ دیگر صحابہ بھی ہتھیار کھولے بغیر ہی حضور ﷺ کے ارشاد پر محاصرہ میں شامل ہو گئے۔ مدینہ کا گورنر حضرت ابن ام مکتوم ؓ کو بنایا گیا۔ حضرت علی ؓ کو علم عنایت ہوا۔ حی بن اخطب بنو قریظہ کے قلعہ میں تھا۔ اس نے بنو قریظہ کو جوش دلایا اور معاذ اللہ بروائت حضرت علی ؓ وہ حضور کو گالیاں دے رہا تھا۔ (ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۱۲۴)

یہ محاصرہ پچیس دن تک جاری رہا۔ کعب بن اسعد نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور کہا کہ محمد ﷺ سچے نبی ﷺ ہیں۔ ان کی پیش گوئیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں بہتر ہے کہ ان پر ایمان لے آئیں۔ لیکن عوام نے قبول اسلام سے انکار کر دیا۔ دوسرا مشورہ کعب نے یہ دیا کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو خود قتل کر کے مردانہ وار مسلمانوں سے لڑو۔ وہ نہ مانے تو تیسرا مشورہ یہ دیا کہ سبت کی رات مسلمانوں پر شب خون مارا جائے۔ کیونکہ مسلمان جانتے ہیں کہ یہودی یوم سبت (ہفتہ کا دن) کا احترام کرتے ہیں۔ بنو قریظہ نے یہ مشورہ بھی ٹھکرا دیا۔

بنو قریظہ کے تین معززین نے اب تک اسلام قبول کر لیا تھا یعنی ثعلبہ ؓ بن سعید، اسعد بن عبید اور اسید بن سعید نے چنانچہ بنو قریظہ نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کی پیشکش کی بشرطیکہ ہمارا فیصلہ سعد ؓ بن معاذ کے سپرد کیا جائے۔ آپ ﷺ نے یہ بات منظور کر لی۔ ادھر قبیلہ اوس کے انصار نے عرض کی کہ جاہلیت کے زمانے میں بنو خزرج کے مقابل بنو قریظہ ہمارے ساتھی ہوتے تھے۔ لہٰذا بنو قریظہ کا فیصلہ کرنے کی اجازت ہمیں ملنی چاہئے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں بتایا کہ بنو قریظہ کا فیصلہ پہلے ہی تمہارے سردار سعد ؓ بن معاذ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ سنا تو بنو اوس خوش ہو گئے۔

سعد ؓ بن معاذ شدید زخمی اور مسجد نبوی میں قائم کردہ حضرت رفیدہ کے شفاء خانہ میں زیر علاج تھے۔ حضور ﷺ نے خچر بھیج کر انہیں منگوایا۔ انہوں نے دونوں فریقوں سے ان کا فیصلہ تسلیم کرنے کی یقین دہانی کے بعد یہ فیصلہ سنایا۔

(۱) بنو قریظہ کے جنگجو حضرات قتل کئے جائیں۔ (۲) باقی لوگ قید کر لئے جائیں۔ (۳) اور مال و اسباب کو غنیمت شمار کیا جائے۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۴۴۵)

حضور علیہ السلام نے یہ فیصلہ سنا تو فرمایا کہ سعد ؓ نے تورات کے مطابق بالکل درست فیصلہ کیا

Marfat.com

ہے۔ "کتاب استنا اصحاح۔ ۲۰ آیت ۱۰ میں لکھا ہے:
"جب تو کسی شہر میں حملہ کے لئے جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ مان لیں اور تیرے لئے شہر کے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں ہوں گے وہ تیرے غلام ہوں گے۔ اگر وہ صلح کے لئے راضی نہ ہوں تو توان کا محاصرہ کر لے اور جب توان پر قابو پالے تو سب مردوں کو قتل کر دے باقی ہر چیز مثلاً بال بچے، عورتیں اور مال و اسباب تیرے لئے مال غنیمت ہو گا۔ (بحوالہ سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۴۳۶ (مفہوم) سیرت رسول عربی ۱۶۷ از نور بخش توکلی) یہ فیصلہ سنانے کے بعد جلد ہی حضرت سعدؓ بن معاذ رحلت فرما گئے۔

چنانچہ اس فیصلہ پر عملدر آمد کیا گیا۔ سب سے پہلے حی بن اخطب کو لایا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ پھر چھ سو سے زائد جوان اور جنگجو قتل کئے گئے۔ صحاح میں مقتولین کی تعداد چار سو لکھی ہے۔ صرف ایک عورت کو قصاص میں قتل کیا گیا۔ جس نے بڑی بہادری اور بے نیازی سے موت قبول کی۔

اگر بنو قریظہ حضرت سعدؓ بن معاذ کی بجائے رحمت عالمیان ﷺ کو اپنا حکم تسلیم کر کے سارا معاملہ آپ ﷺ پر چھوڑ دیتے تو آپ کی رحمت عظمیٰ سے کثیر حصہ پاتے۔

۵ھ کے بعض اور اہم واقعات

حضرت زینب سے نکاح: حضرت زینب (حضور ﷺ کی پھوپھی زاد) کا نکاح آپ ﷺ کے غلام اور منہ بولے بیٹے (متبنیٰ) حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ کر دیا گیا تھا۔ لیکن نباہ نہ ہو سکا۔ کیونکہ حضرت زید ایک عرصہ تک غلام رہ چکے تھے اور حضرت زینب کو یہ رشتہ پسند نہ تھا۔ لیکن اللہ کی مرضی یہی تھی اور حضور علیہ السلام نے زور دیکر یہ نکاح کروایا تھا۔ حضرت زیدؓ روز کی جھک جھک سے تنگ آ کر طلاق دینا چاہتے تھے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کرتے تو آپ سمجھا بجھا کر ٹالتے رہے۔ لیکن بات نہ بن سکی۔ چونکہ حضرت زینب کا نکاح حضور ﷺ کے ارشاد پر ہوا تھا اس لئے اس طلاق کا حضور ﷺ کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ آخر طلاق ہو گئی لہٰذا حضور ﷺ نے بحکم الٰہی حضرت زینب بنت جحش کے دلی سکون کے لئے اپنی طرف سے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت زینبؓ نے پہلے ہی اس نکاح کی منت مانی ہوئی تھی کہ اگر یہ کام ہو جائے تو چھ ماہ کے روزے رکھوں گی۔ پیغامبر سے پیغام نکاح کا سن کر حضرت زینب دروازے سے دوڑی دوڑی اندر گئیں اور نوافل شکرانہ ادا کر کے واپس آئیں اور پیغامبر کو اپنی "ہاں" سے آگاہ کیا اور اسے تحفے تحائف بھی دیئے۔

عرب میں متبنیٰ (لے پالک بیٹا) کو اصل بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا خدشہ اس نکاح سے یہ تھا کہ لوگ حضور علیہ السلام کی طرف انگلیاں اٹھائیں گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزمان ﷺ کو قیامت تک کے لئے ہادی اور رہبر بنا کر بھیجا تھا۔ لہٰذا متبنیٰ کی مطلقہ سے شادی کو ہمیشہ کے لئے جائز قرار دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب (آیت نمبر ۳۷) میں ہر ایسے نکاح کو واضح طور پر جائز قرار دیدیا۔

Marfat.com

چنانچہ حضور ﷺ کا نکاح حضرت زینب سے ہو گیا۔ وہ فخریہ فرمایا کرتی تھیں کہ دیگر ازواج کا نکاح ان کے اولیاء وغیرہ نے کیا جبکہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کر کے حکم کی شکل میں نازل فرمایا۔ اس نکاح کے بعد کفار نے زبان طعن دراز کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین

"یعنی محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ رسول اللہ اور آخری نبی ﷺ ہیں (احزاب-۴۰)

اور یہ حکم بھی نازل فرمایا----

"اور تمہارے منہ بولے بیٹے (لے پالک بیٹے) تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنائے گئے۔ وہ تو آپ کی اپنی زبان سے کہی ہوئی بات ہے"۔ (اور اللہ کے ہاں اس کی کوئی سند نہیں) (احزاب-۴)

اسی سال عورتوں کو چادر اوڑھ کر باہر نکلنے کا حکم نازل ہوا تاکہ وہ باہر جائیں تو ان کا مسلمان ہونا معلوم ہو سکے۔ نیز وہ زیب و زینت کر کے باہر نہ نکلیں نہ وہ زمین پر ٹھک ٹھک کر آواز پیدا کر کے چلا کریں اور گھر میں کوئی باہر سے آئے تو اس سے بات پردہ کے پیچھے سے کیا کریں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو غیر مردوں کے سامنے ہونے سے منع فرما دیا۔ (سیرۃ النبی ﷺ جلد ا صفحہ ۴۴۵)

اسی سال زنا کی سزا سو کوڑے نازل ہوئی اور جھوٹی تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری کرنے کا حکم ملا اور لعان (نکاح کو قانونی طریقے سے توڑنا جبکہ میاں کو بیوی کے کردار پر شک ہو جائے) کا طریقہ بھی نازل ہوا۔

تیمم کا حکم اور طریقہ نازل ہوا۔ نماز خوف بھی اسی سال سے نافذ ہوئی۔

عرب میں طلاق کی ایک قسم "ظہار" بھی عام تھی کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو "ماں" کہہ بیٹھتا تو طلاق ہو جاتی تھی۔ قرآن حکیم نے ایسی منہ زبانی بات کو اتنے بڑے نقصان کا حامل قرار دینے سے انکار کر دیا کیونکہ اس طرح تو بسا بسایا گھر اجڑ جاتا تھا۔ لہٰذا ایسی فضول بات کہنے کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

ذوالحجہ ۵ھ میں قبیلہ جہنیہ کی سرکوبی کے لئے آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی سرکردگی میں تین سو صحابہؓ کا لشکر سیف البحر کی طرف روانہ فرمایا۔ اس لشکر کو کافی صعوبتیں اٹھانا پڑیں۔ اور خوراک کی قلت کے سبب دو دو تین تین چھواروں پر پورا پورا دن بسر کرنا پڑا۔ آخر سمندر کے کنارے پر ایک بڑی مچھلی ہاتھ آ گئی اور اس طرح صحابہؓ کی خوراک کا بندوبست ہوا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ نجیب آبادی جلد اول صفحہ ۱۹۵-۱۹۴)

اسی سال ذوالحجہ کے مہینے میں محمدؓ بن مسلمہ کی سرکردگی میں تیس صحابہؓ کا ایک دستہ بنی کلاب کی سرکوبی کے لئے حضور علیہ السلام نے روانہ فرمایا۔ جنگ میں بنو کلاب کے دس آدمی مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ اس مقابلے میں کامیابی کے بعد پچاس اونٹ اور تین ہزار بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔

Marfat.com

ایک دستہ آپ ﷺ نے نجد کی طرف روانہ فرمایا۔ جو ثمامہ بن آثال کو قید کر کے لایا۔ ثمامہ کو اسلام کی دعوت دی گئی۔ وہ ایمان لے آیا۔ پھر وہ اپنے دیس "یمامہ" پہنچا۔ اور قریش کو تنگ کرنے کے لئے مکہ کی طرف خوراک لانے والے قافلوں کا راستہ روک دیا۔ اس طرح مکہ میں قحط کے آثار نمودار ہونے لگے۔ قریش نے حضور علیہ السلام کے پاس شکایت بھیجی۔ آپ نے حضرت ثمامہؓ کو قافلے نہ روکنے کا حکم دیا۔

اسی سال آپ نے حبش کی طرف ہجرت کر جانے والے مہاجرین کو واپس آنے کا حکم دیا۔ تاہم کچھ مہاجرین مستقل طور پر حبش کے ہو کر رہ گئے اور باقی واپس آ گئے۔

۶ ہجری

غزوہ غابہ یا ذی قرد: غزوہ دومتہ الجندل سے واپسی پر عینیہ بن حصین نے حضور علیہ السلام کی چراگاہوں میں اونٹ چرانے کی اجازت حاصل کر لی اور سال بھر فائدہ اٹھاتا رہا۔ پھر ایک دن حضور علیہ السلام کے اونٹ چرا کر چلتا بنا اور بنو غفار کے ایک شخص کو قتل کر کے اس کی بیوی کو بھی اغواء کر کے لے گیا۔ حضرت اسلمہؓ بن عمرو بن الاکوع کو اس بات کا پتہ چلا انہوں نے شور کیا تو اہل مدینہ عینیہ کے تعاقب میں گئے۔ حضور علیہ السلام نے بھی پیچھا کیا۔ آپ ﷺ کے بعض صحابہ یعنی مقداد بن الاسود، عباد بن بشر، سعد بن زید، عکاشہ بن محصن اور ابو قتادہ رضی اللہ عنھم بھی دوڑ کر آپ سے جا ملے۔ آپ ﷺ خود تو چشمہ "ذی قرد" پر رک گئے اور صحابہؓ نے عینیہ کا تعاقب جاری رکھا۔ حضرت سلمہؓ بن عمرو وغیرہ نے عینیہ کو جا لیا۔ ادھر عینیہ کے آدمی بھی مقابلے کے لئے نکل آئے مقابلہ میں ایک صحابی شہید ہوئے اور دشمن زک اٹھا کر بھاگ گئے۔ چنانچہ صحابہؓ حضور علیہ السلام کے اونٹوں کے علاوہ دشمن کے بہت سے اونٹ حاصل کر کے حضور کی خدمت میں پہنچے فتح کی خوشی میں حضور ﷺ نے ایک اونٹ ذبح کر کے کھانا کھلایا اور ایک دن رات قیام کر کے واپس مدینہ آ گئے۔ اس غزوہ کو غزوہ غابہ یا ذی قرد بھی کہتے ہیں۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۹۳ تا ۳۰۱، تاریخ اسلام جلد اول صفحہ ۱۹۵)

بنو بکر کی پٹائی: پتہ چلا کہ بنو بکر خیبر کے یہودیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی سرکردگی میں دو سو صحابہؓ کا ایک لشکر سرکوبی کے لئے بھیجا۔ لشکر کو بنو بکر کا ایک جاسوس ہاتھ لگا۔ اس نے "سلطانی گواہ" بن کر مشرکوں کے بارے میں مفید معلومات مہیا کیں۔ چنانچہ اسلامی لشکر نے فدک کے مقام پر بنو بکر کو پایا اور ان پر حملہ کر کے شکست دے دی۔ اس فتح میں مسلمانوں کو پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ (ایضاً)

Marfat.com

غزوۂ بنی لحیان: بنو لحیان نے غزوہ رجیع میں اسلامی مبلغوں کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا۔ جمادی الاول ۶ھ میں اطلاع ملی کہ بنو لحیان مدینہ منورہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ حضور علیہ السلام دو سو سواروں کے ساتھ ان کے علاقے (عسفان) کی طرف چل پڑے۔ دشمن کو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ پہاڑوں میں غائب ہو گئے۔ اسے غزوہ بنی لحیان کہا جاتا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۷۸ تا ۸۰)

چار سرایا کی روانگی: ایک سریہ حضرت عکاشہؓ کی سرکردگی میں چالیس مجاہدین کے ساتھ بنو اسد کے خلاف "الغمر" کی طرف روانہ فرمایا۔ دشمن خبر ملتے ہی منتشر ہو گئے۔ کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۴، ۸۵)

ایک اور سریہ حضرت محمد بن مسلمہ کی قیادت میں دس مجاہدین پر مشتمل مدینہ منورہ سے چوبیس میل دور ذوالقصہ کی طرف بھیجا گیا۔ بنو ثعلبہ کو پتہ چلا وہ کمین گاہ میں بیٹھ رہے اور انجانے میں مجاہدین پر حملہ کر کے نو کو شہید کر دیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ کو زخمی حالت میں مدینہ پہنچایا گیا۔ اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی ایک اور سریہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی کمان میں بنو ثعلبہ پر بھیجا جس میں چالیس مجاہدین شامل تھے۔ بنو ثعلبہ کو خبر ملی تو وہ مال و اسباب چھوڑ چھاڑ کر فرار ہو گئے جسے ضبط کر کے مدینہ منورہ لایا گیا۔

ایک اور سریہ حضرت زید بن حارثہ کی کمان میں بنو سلیم کے علاقہ "الجموم" کی طرف بھیجا کیونکہ وہ قریش کے حلیف تھے اور پھر سے حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ سریہ کامیاب رہا۔ حضرت زیدؓ نے کچھ آدمیوں کو قیدی بنا لیا۔ پھر انہوں نے یقین دلایا کہ ہم جنگی تیاری ہرگز نہیں کر رہے تھے۔ لہٰذا ان کو رہا کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۶)

سریہ طرف: جمادی الاخر ۶ھ میں ایک سریہ بنو ثعلبہ کو سزا دینے کے لئے حضرت زید بن حارثہ کی سرکردگی میں پندرہ مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے ۳۶ میل دور "الطرف" کی جانب بھیجا گیا۔ خبر ملتے ہی بنو ثعلبہ پھر پہلے کی طرح پہاڑوں میں جا چھپے۔

سریہ وادی القریٰ: اس سریہ میں بھی حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں بارہ مجاہدین بھیجے گئے۔ یہ سریہ وادی "القریٰ" میں بھیجا گیا۔ کچھ عرصہ پیشتر وادی القریٰ کے راستے شام کو جانے والے ایک تجارتی قافلے پر حملہ کر کے حضرت زید بن حارثہ کو زخمی اور آپ کے نو ساتھی شہید کر دیئے گئے تھے۔ (واقدی المغازی جلد ۲ صفحہ ۵۶۴) چنانچہ قصور وار قبائل کو سزا دینا مقصود تھا۔ نیز امن بحال کرنا بھی ضروری تھا۔ پس اس طرح یہ مقاصد حاصل ہو گئے۔

جمادی الاخر ۶ھ میں ہی حضرت زید بن حارثہ کی کمان میں ہی ایک اور مہم "حسمیٰ" کی جانب بھیجی گئی۔ کیونکہ وہاں کے قبیلہ بنو جذام کے کچھ لوگوں نے حضور علیہ السلام کے قاصد دحیہؓ کلبی کو لوٹ لیا تھا۔ حضرت زید نے برق رفتاری سے علاقے پر حملہ کیا اور مجرموں کو سزا دی۔ ان کے اموال ضبط کر لئے جو

Marfat.com

معافی مانگنے پر انہیں واپس کر دیئے گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۸)

تبلیغی کوششیں: شعبان ۶ھ میں حضرت عبدالرحمن بن عوف کی سرکردگی میں ایک سریہ دومتہ الجندل کے قرب و جوار میں واقع دیہات میں اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا۔ وہاں کے ایک عیسائی سردار "الاصبغ بن عمرو کلبی" نے اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اس کے قبیلے بنو کلب نے مخالفت کی۔ البتہ جزیہ دینا منظور کیا۔ حضرت اصبغؓ بن عمرو نے اپنی بیٹی (تماضر) کا نکاح حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف سے کر دیا۔ جس کے بطن سے حضرت ابو سلمہؒ پیدا ہوئے جو مشہور فقیہ اور تابعی ہیں۔ بنو کلب کے بعض افراد نے بھی اپنے سردار کی پیروی میں اسلام قبول کر لیا۔

سریہ فدک: اسی مہینے حضرت علیؓ کی کمان میں ایک گشت روانہ کی گئی تاکہ بنو سعد کو یہودیوں کی مدد سے روکا جا سکے تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف مخبری سے باز آئیں۔ مہم کی اطلاع پاتے ہی بنو سعد اپنے مویشی وغیرہ چھوڑ کر پہاڑوں میں غائب ہو گئے۔ حضرت علیؓ کی اس مہم کو سریہ فدک کا نام دیا گیا ہے۔

شوال ۶ھ میں حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی کمان میں تیس مجاہدین کو اسیر بن زارم یا رازم یا رزام اور (بحوالہ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۱۸) یسیر بن رزام یہودی کی طرف روانہ کیا گیا۔ وہ ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کے قتل کے بعد یہودیوں کا سردار بنا تھا اور بنو غطفان کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کی تدبیر کر رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے ان سے بات کی اور بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے لئے رضامند کر لیا۔ چنانچہ اسیر اور بہت سے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ہو لئے اور بمقام قرقرہ ثبار (یا نیار خیبر سے چھ میل دور) یہودیوں نے دھوکے سے مسلمانوں کا قتل عام کرنا چاہا۔ لیکن بروقت اقدام سے انہیں یہودی مع اسیر، تہ تیغ کر دیئے گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۲)

بنو عرینہ کا تعاقب: بنو عرینہ نے مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے اونٹوں پر بلہ بول دیا تھا اور ان کے چرواہے حضرت یسارؓ کو بڑی بے دردی سے قتل کر کے تمام اونٹ ہانک کر لے گئے تھے۔ چنانچہ شوال ۶ھ میں ہی حضرت کرزؓ بن جابر فہری کی قیادت میں ایک گشت بنو عرینہ کے تعاقب میں بھیجی گئی۔ جو کامیاب رہی۔ (شرح المواہب جلد ۲ صفحہ ۱۸۱)

صلح حدیبیہ

اس دور تک حضور علیہ الصلوۃ والسلام امن قائم رکھنے کے لئے زیادہ مہمات تجربہ کار صحابہ کرامؓ کی قیادت میں بھیجتے تھے۔ اس طرح جنگی تربیت کا فریضہ بھی انجام پا رہا تھا اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی تعلیمات کی جزئیات اور قرآن و سنت کی تفسیر و تشریح بھی فرماتے جا رہے تھے۔

Marfat.com

ریاست مدینہ کی روز افزوں وسعت کے پیش نظر حضور مدینہ منورہ کے صدر مقام میں قیام فرما کر دینی تبلیغ اشاعت کے علاوہ انتظامی امور اور بین الاقوامی سیاسیات کی طرف توجہ بھی فرمارہے تھے۔ اب چونکہ امن و امان قائم ہو رہا تھا۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا۔

عمرہ کا عزم: ذی قعدہ ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چودہ سو مجاہدین کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ عرب بھی کعبتہ اللہ کا بہت احترام کرتے تھے اور انہوں نے بھی چار مہینے ایسے مقرر کر رکھے تھے جن میں قتل وغارت وغیرہ حرام سمجھتے تھے اور عرب کے سارے قبائل ان چار مہینوں میں دور دراز کے سفر کرکے کعبتہ اللہ کی زیارت کا شرف پاتے۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بھی احترام کعبتہ اللہ کی وجہ سے نہایت امن سے رہتے۔

مسلمانوں کو بزور بازو مکہ سے نکالا گیا تھا اس لئے انہیں مکہ معظمہ کی یاد ستا رہی تھی۔ حضور علیہ السلام کو بھی مکہ معظمہ سے بڑی محبت تھی اور ہجرت کے موقع پر آپ نے مکہ کی جدائی کو کافی محسوس کیا تھا۔ چودہ سو صحابہ کو حکم ملا کہ تلوار کے علاوہ کوئی ہتھیار ساتھ نہ لے جائیں اور نیام میں بند رکھیں اور یہ منادی بھی کرادی کہ ہمارا یہ سفر محض عمرہ کی غرض سے ہے۔ لڑائی بھڑائی قطعاً مقصود نہیں۔

قریش کو صلح کا ماحول پسند نہ تھا۔ انہیں مسلمانوں کی پرامن حاضری بھی نامنظور تھی۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخفہ اور مکہ معظمہ کے درمیان عسفان کے مقام پر پہنچے تو بشر بن سفیان الکعبی (بقول بعض بسر) نے اطلاع بہم پہنچائی کہ اہل مکہ کو مسلمانوں کی تیاری (اور آمد) کا حال معلوم ہو گیا ہے، لہٰذا انہوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۳۲۲) مزید معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے دو سو جنگجو خالد بن ولید یا عکرمہ بن ابوجہل کی قیادت میں "کراع الغمیم" کے مقام پر ہراول دستہ کے طور پر مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ اس اطلاع پر حضور علیہ السلام نے اظہار افسوس فرمایا کہ قریش نے خواہ مخواہ میرے ساتھ جنگ کو اپنا مقصد قرار دے لیا ہے۔ بھلا ان کا کیا بگڑتا تھا اگر وہ مجھے عربوں سے نمٹ لینے دیتے۔

یہ خبریں کچھ غلط نہ تھیں حتیٰ کہ قریش نے مسلمانوں کی مدینہ سے روانگی کی اطلاع کے موقع پر ہی اپنے حلیف اور ساتھی عرب قبائل کو مکہ معظمہ میں جمع کر لیا تھا۔ اور مرنے مارنے پر تیار ہو بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکی ہراول دستے کی خبر سنی تو راستہ بدل کر مکہ کی راہ لی اور مکہ مکرمہ اور جدہ کے درمیان جنوب کی طرف مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر چاہ حدیبیہ کے مقام پر خیمے لگا دیئے۔ اہل مکہ کو مسلمانوں کے اچانک آدھمکنے پر نہایت تعجب ہوا اور ان میں کھلبلی مچ گئی۔ ادھر حضور علیہ السلام نے حج کی بجائے عمرہ کا احرام باندھنے کا حکم دیا۔ قربانی کے ستر اونٹ ساتھ لئے اور تلواروں کو میانوں میں رکھنے کے حکم پر سختی سے عمل کے لئے فرمایا۔ چنانچہ چودہ سو صحابہ کرامؓ کا یہ قافلہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرکردگی میں چلتا چلتا ذوالحلیفہ جا پہنچا جہاں قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کی گئیں اور قربانی کے اونٹوں کے گلے میں لوہے کے نعل بطور

Marfat.com

علامت ڈال دیئے۔

رسول اللہ ﷺ کی برکت: چاہ حدیبیہ میں پانی بہت کم تھا جو استعمال کرنے پر جلدی ہی ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حضرت براءؓ بن عازب کو دیا کہ وہ اسے کنوئیں میں ڈال دیں۔ تیر کا کنوئیں میں گرانا تھا کہ پانی بڑے جوش سے بڑھنے لگا حتیٰ کہ پانی کی قلت کی شکایت نہ ہوئی۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۴۵۰)

صلح حدیبیہ: اہل مکہ نے مسلمانوں کو حج و عمرہ سے باز رکھنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ لیکن آئے ہوئے مسلمانوں کو یکسر نظرانداز کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ خالد بن ولید نے جب مسلمانوں کی آمد کی خبر سنی کہ وہ راستہ بدل کر مکہ معظمہ کے قریب پہنچ چکے ہیں تو وہ اپنے دو سو آدمیوں کو لے کر واپس مکہ بھاگ آیا۔ پہلے بنو خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقہ الخزاعی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور بات چیت کے ذریعے آپ کو مدینہ واپس جانے کے لئے کہا۔ حضور علیہ السلام نے اپنا موقف بیان فرمایا تو بدیل پر رحمت عالم ﷺ کے اخلاق حمیدہ کا بہت اثر ہوا۔ چنانچہ اس نے واپس جاکر قریش سے کہا کہ اگر مسلمانوں کو عمرہ کر لینے دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہ ہو گا۔ لیکن قریش نے بدیل کا مشورہ قبول نہ کیا۔ بلکہ الٹا اسے متہم کرنے لگے۔ (ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۳۲۵)

بدیل کے بعد قریش نے یکے بعد دیگرے مکرز بن حفص بن الاخیف، الحلیس بن علقمہ، یا ابن زبان کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ کسی طرح مسلمان مدینے کو لوٹ جائیں۔ الحلیس تو قربانی کے اونٹ دیکھ کر ہی بہت متاثر ہوا تھا۔ چنانچہ واپس آکر اس نے بھی بدیل کی طرح قریش کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو عمرہ کر لینے دیا جائے۔ لیکن وہ نہ مانے۔ پھر طائف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی کو جو ابو سفیان کا داماد بھی تھا حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا گیا اس نے بھی واپس جاکر اہل مکہ کو جنگ سے احتراز کرنے کا مشورہ دیا کہ بصورت دیگر مسلمان مکہ پر قبضہ کر لیں گے۔ اب قریش نے حضور علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے پچاس آدمی روانہ کئے تاکہ وہ مسلمانوں میں گھل مل کر یہ کام انجام دیں۔ لیکن یہ سب گرفتار کر لئے گئے۔ ان کے ہتھیار ضبط کر لئے۔ البتہ ان کو معاف کر دیا گیا۔ جب مکہ سے کوئی سفارت نہ بھیجی گئی۔ تو حضور علیہ السلام نے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کا آغاز خراش بن امیہ الخزاعی کے ذریعے کیا اور ان کو اپنے اونٹ پر مکہ بھیجا۔ قریش نے ان کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں وہ خراش کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن ان کے حلیف قبیلوں کی مداخلت سے (جو احابیش کہلاتے تھے) وہ محفوظ رہے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت عمرؓ کے مشورہ سے حضرت عثمان بن عفانؓ کو مکہ بھیجا۔ وہ تین دن تک نہ لوٹے تو مسلمانوں میں یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ کسی سفیر کا قتل اس کی ریاست کے ساتھ اعلان جنگ ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور خون عثمانؓ کے لئے عزم شہادت پر سب سے بیعت لی۔ جسے تاریخ نے بیعت رضوان کے نام سے یاد رکھا ہے۔ جب بیعت رضوان کی اطلاع مکہ پہنچی تو

Marfat.com

صورتحال کی نزاکت کو بھانپ کر قریش نے حضرت عثمانؓ کو رہا کر دیا اور ان کے ساتھ سہیل بن عمرو کو صلح کی شرائط طے کرنے کے لئے بھیجا۔ یاد رہے کہ سہیل بن عمرو بدر کے قیدیوں میں شامل تھا اور فدیہ دیکر رہا ہوا تھا۔ اب حضرت عثمانؓ نے بھی بیعت رضوان میں اسی طرح شرکت کی جس طرح دیگر صحابہؓ پہلے کر چکے تھے۔ صلح کی اولین شرط یہ تھی کہ مسلمان عمرہ کئے بغیر مدینہ کو لوٹ جائیں۔ حضور علیہ السلام لڑائی سے بچنا چاہتے تھے۔ بہرحال صلحنامے کی شرائط طے پا گئیں تو لکھنے کا کام علی المرتضیٰؓ کو سونپا گیا۔ انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی تو قریش نے اعتراض کیا۔ حضور ﷺ نے حسب رواج بسمک اللھم الفاظ سے معاہدہ لکھنا منظور کر لیا۔ پھر محمد رسول اللہ اور قریش کے درمیان کے الفاظ لکھنے پر قریش نے محمد بن عبداللہ لکھنے پر اصرار کیا کیونکہ وہ آپ کو رسول مان لیتے تو جھگڑا ہی کیا تھا۔ یہ اعتراض بھی مان لیا گیا اور حضور علیہ السلام اپنے ہاتھ سے رسول اللہ' کے الفاظ مٹا دیئے کیونکہ حضرت علیؓ نے ان کو مٹانے سے انکار کر دیا تھا پس اس صلحنامہ کے تحت دس سال کے لئے معاہدہ امن طے پایا۔

صلح حدیبیہ کی شرائط:

۱۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے مدینہ کو لوٹ جائیں گے۔

۲۔ وہ اگلے سال عمرہ کے لئے آسکتے ہیں اور صرف تین دن مکہ میں قیام کر کے واپس چلے جائیں گے۔

۳۔ اگلے سال جب وہ آئیں گے تو نیام میں تلوار کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ لائیں گے۔

۴۔ مکہ میں رہنے والا کوئی مسلمان یا کافر اپنے ولی یا والی کی اجازت کے بغیر اگر مدینہ جائیگا تو مسلمان اسے واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ مکہ میں رہائش پذیر کوئی مسلمان --- مسلمانوں کے ساتھ مدینے نہ جا سکے گا۔ لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی اہل مکہ کے ساتھ ملنا چاہے تو اسے اس کی اجازت ہو گی۔

۶۔ عرب قبائل انہی شرائط کے تحت مسلمانوں یا قریش، کسی کے ساتھ حسب منشاء شامل ہو سکیں گے۔

۷۔ اس معاہدہ کی مدت دس سال ہو گی۔ جس کے دوران فریقین امن و آشتی سے رہیں گے۔

نتائج: اہل مکہ اور بعض مسلمان اس معاہدہ کو مسلمانوں کی شکست کے مترادف سمجھتے تھے۔ لیکن قرآن حکیم میں اسے فتح مبین کہا گیا ہے۔ (فتح -۱) حضور علیہ السلام تھوڑے وقت میں تبلیغ اسلام کا فریضہ بطریق احسن نبھانا چاہتے تھے جس کے لئے لگن اور شوق تو موجود تھا لیکن امن و امان نہ ہونے کی وجہ سے یکسوئی کا فقدان تھا۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے نقطہ نظر سے یہ معاہدہ نہایت مفید تھا۔ دوسرے یہودی قبائل قریش کے ساتھ مل کر سازشیں کرتے رہتے تھے۔ لیکن اب ان کا راستہ مسدود ہو گیا۔ چنانچہ

Marfat.com

اب حضور ﷺ کے لئے یہودیوں کے ساتھ نمٹنا زیادہ آسان تھا۔ قریش کو اس معاہدے کا فائدہ یہ تھا کہ ان کی تجارتی راہیں جو مسلسل غتر بود کا شکار تھیں۔ اب امن کی وجہ سے کھل سکتی تھیں اور ان کی تجارت اور اقتصادی پالیسی پھر سے اپنے مقاصد حاصل کر سکتی تھی۔ باہمی میل ملاپ سے ایک دوسرے سے بحث کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے دیکھ سکتے تھے اور تعصب سے ہٹ کر جب چشم باطن وا کر کے دیکھتے تو اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اکثر لوگ اسلام کے دامن میں پناہ لینے لگے۔ معاہدہ کے بعد پہلے دو سالوں میں مسلمانوں کی تعداد دو تین گنا ہو گئی۔ بنو خزاعہ نے اس معاہدہ کے تحت مسلمانوں کا ساتھ دیا جبکہ بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے اور ان کے درمیان جو جنگ جاری تھی وہ بھی کافور ہو گئی۔

حضرت ابو جندلؓ کا واقعہ: معاہدہ حدیبیہ کی شرائط زبانی طے ہو چکیں۔ اتنے میں سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندلؓ جو مسلمان ہو چکے تھے، کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے ساتھ مدینہ جانے کے لئے حاضر ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ معاہدہ ابھی لکھا بھی نہ گیا تھا لہٰذا مسلمان ان کو مدینہ لے جانے کے حق میں تھے جبکہ قریش نے کہا کہ معاہدے کی طے شدہ شرائط کے تحت ہم انہیں جانے نہ دیں گے۔ حضور علیہ السلام نے بھی سہیل بن عمرو سے ابو جندل کی سفارش کی۔ لیکن وہ نہ مانا بلکہ معاہدہ سے پھر جانے کی دھمکی دی۔ بات بگڑتی دیکھی تو حضور ﷺ نے ابو جندلؓ کو واپس کرنا منظور کیا اور صلح نامہ لکھا گیا۔ اس موقع پر عمرؓ فاروق کا جوش دیدنی تھا۔ انہوں نے عرض کی کہ اس طرح دب کر معاہدہ نہ ہی کیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ ہم حق پر ہیں اور حق دبنے کے لئے نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں سچا رسول ہوں اور اللہ کے حکم سے روگردانی نہیں کر سکتا۔ پھر حضرت عمرؓ، صدیق اکبرؓ کے پاس پہنچے اور مدعا بیان کیا۔ اس مزاج شناسؓ رسول ﷺ نے فرمایا: ○ حضور ﷺ جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں۔ غصہ ٹھنڈا ہوا تو عمر فاروق کو اپنی اس بے باکی اور دلیری پر سخت صدمہ ہوا۔ جو ساری عمر ندامت کا سبب بنتا رہا۔ جس کے کفارے کے لئے انہوں نے استغفار کی۔ غلام آزاد کئے اور خیرات بھی کی۔ معاہدہ لکھے جانے کے بعد حضور علیہ السلام نے ابو جندلؓ کو صبر اور حوصلہ رکھنے کی تلقین فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور دوسرے مظلومین کے لئے نجات کی کوئی راہ ضرور نکالے گا۔ ہم صلح سے نہیں پھر سکتے۔ ابو جندلؓ حضور ﷺ کا فرمان سن کر بصد صبرو استقامت واپس لوٹ گئے ان کا والد مارتا پیٹتا واپس لے جا رہا تھا اور چودہ سو صحابہؓ کا لشکر صرف ایک معاہدے کی شق کا پاس کرتا ہوا خاموش تماشائی بنا ہوا تھا۔ اس معاہدہ سے بعض صحابہؓ بھی بہت بددل ہوئے لیکن اطاعت رسول ﷺ کا دامن چھوڑنا کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔

قربانی کا حکم: معاہدہ کے بعد حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ اسی جگہ قربانیاں کر دی جائیں۔ تین بار یہ حکم دہرایا لیکن صحابہ شکستہ دل تھے اس لئے کوئی بھی نہ اٹھا۔ آخر آپ نے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے بات کی۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ کسی سے کچھ نہ کہیں بلکہ خود اٹھ کر قربانی کرنا

Marfat.com

شروع کر دیں۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ بھی قربانی کرنے لگیں گے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ قربانی کے بعد سب نے بال منڈائے۔ صلح کے بعد مسلمان تین دن یہاں ٹھہرے رہے جب مدینے کو چلے تو راستے میں سورۃ فتح نازل ہوئی جس میں معاہدہ کو فتح مبین کہا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو بلا کر "انا فتحنا لک فتحا مبینا" والی خوشخبری سنائی۔ مسلم شریف میں ہے یہ ارشاد سن کر حضرت عمرؓ کے دل کو چین اور سکون کی دولت مل گئی۔ اور دیگر صحابہؓ کرام بھی بہت خوش ہوئے۔

معاہدہ کی چوتھی شق کا فائدہ: ابو جندلؓ کو مکہ میں رہنے پر مجبور کرنے والی یہ شق مسلمانوں کو بڑی ناگوار گزری تھی۔ لیکن خدا کی قدرت دیکھئے کہ معاہدے کے کچھ دن بعد حضرت ابو بصیر (عتبہ بن اسید) مکہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچ گئے۔ قریش نے دو آدمی ابو بصیرؓ کی واپسی کے لئے مدینہ بھیجے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کو ان کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر ابو بصیر نے ایک کو باتوں میں الجھا کر اس کی تلوار دیکھنے کے بہانے اس سے لے لی اور تلوار کی خوبیاں گنوانے لگے۔ وہ سادہ لوح تلوار کی خوبیاں سن کر پھول رہا تھا کہ حضرت نے یکدم وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھاگ کھڑا ہوا اور مدینے پہنچ گیا+ ابو بصیر بھی پیچھے پیچھے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیرؓ کو دیکھا تو فرمایا یہ شخص ضرور جنگ کے شعلے بھڑکائے گا۔ ابو بصیر نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ نے تو وعدہ پورا کر دیا تھا۔ بہرحال ابو بصیرؓ وہاں سے بھاگ کر سمندر کے کنارے "عیص" کے مقام پر مقیم ہو گئے۔ ادھر مشرک شخص نے مکہ پہنچ کر ساری بات بتائی۔ ابو جندلؓ کو پتہ چلا تو وہ بھی بھاگ کر عیص پہنچ گئے اور ابو بصیرؓ کے ساتھ رہنے لگے پھر تو مکہ سے جو مسلمان بھی بھاگتا سیدھا حضرت ابو بصیرؓ کے پاس ڈیرہ جمالیتا۔ رفتہ رفتہ عیص میں ایسے مظلوموں کی تعداد دو سو تک پہنچ گئی۔ پھر اس گروہ نے قریش کے تجارتی قافلے لوٹنا شروع کر دیئے۔ قریش کے لئے شام کی تجارت بڑی اہم تھی۔ وہ خطرے میں دیکھی تو آدمی مدینے بھیج کر معاہدۂ حدیبیہ کی چوتھی شق منسوخ کرنے کی گزارش کی۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا اور حضرت ابو بصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ آنے کا حکم دیا۔ ابو بصیرؓ ان دنوں سخت بیمار تھے۔ تاہم انہوں نے ابو جندلؓ اور ساتھیوں کو حکم کی تعمیل کے لئے کہا اور وفات پا گئے۔ اس کے بعد یہ صحابہؓ کرام مدینے پہنچ گئے۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی جلد ا صفحہ ۲۰۴)

۶ھ کے بعض اہم واقعات: مکہ کے ایک سردار عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی حضرت ام کلثومؓ اسلام لا چکی تھیں اور مکہ میں تھیں ہجرت کر کے اس سال وہ مدینہ پہنچ گئیں۔ صحابہؓ کی مشرک بیویوں کو جو مکہ میں تھیں، سورۃ ممتحنہ (آئت-۱۰) کی رو سے طلاق دینے کا حکم ہوا۔ اس سال آپ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو نامہ مبارک بھیجا جسے پڑھ کر وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحائف بھی بھیجے اور بہت سے مہاجر حبشہ سے مدینہ پہنچ گئے۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ کی والدہ کا انتقال اس سال ہوا۔ خالد بن ولید نے اسی سال اسلام قبول کیا نیز حضرت ابو ہریرہ بھی اسی سال

Marfat.com

ایمان لائے۔ اسی سال عمرو بن العاص خالد بن ولید کے ساتھ حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ بعد ازاں حضرت عمروؓ بن العاص اور خالدؓ بن ولید نے اسلام کے لئے بڑے بڑے معرکے مارے۔

بادشاہوں اور بعض حاکموں کے نام

حضور علیہ السلام کے تبلیغی خطوط ۶-۷-۸ھ

جب حالات کچھ سازگار ہوئے تو ۶ھ کے اواخر اور ۷ھ کے آغاز میں حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کا پیغام اطراف و اکناف کے سلاطین اور حاکموں تک پہنچانے کا عزم فرمایا تاکہ ان کے ذریعے وہ عوام تک بھی پہنچ سکے۔ الناس علی دین ملوکھم کے مصداق اگر کوئی حاکم یا بادشاہ مسلمان ہو جاتا تو اس کی رعایا کی اکثریت بھی اسلام قبول کر لیتی تھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطوط پر ثبت کرنے کے لئے ایک انگشتری مبارک بنوائی کیونکہ صحابہ کرامؓ نے بتایا تھا کہ بادشاہ لوگ جس خط پر مہر نہ ہو اسے پڑھنا تو درکنار اسے درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور بعض صحابہؓ نے بھی سونے کی انگشتریاں اپنے لئے بنوائیں۔ پھر جبریل امین نے بتایا کہ مردوں کو دنیا میں سونا پہننا حرام ہے۔ چنانچہ چاندی کی انگوٹھی تیار کروائی گئی اور نگینہ پر محمد رسول اللہ نقش کروایا جس کی صورت اس طرح تھی۔ (رحمۃ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۱۹۶ بحوالہ خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ا بروایت ابن ابی شیبہ)

اللہ

رسول

محمد ﷺ

حضور علیہ السلام کی شان اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائی۔

ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی

"لہٰذا آپ اللہ کی مرضی کے مطابق ہی ہر قدم اٹھاتے تھے۔ پہلے زمانوں کے انبیاء اپنے زمانے اور علاقے اور قوم کے نبیؑ ہوتے تھے لیکن آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کائناتی سطح پر ہادی و مرسل بنا کر مبعوث فرمایا تھا اس لئے آپ نے دنیا کے اہم بادشاہوں اور حاکموں کو خطوط بھجوائے کیونکہ آپ قیامت تک کے لئے ہادی و مرسل تھے۔ جیسا کہ قرآن نے بتلایا:

وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا (سبا-۲۸)

"یعنی اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو سارے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے"۔

Marfat.com

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا(اعراف-۱۵۸)

یعنی فرمادیجئے کہ اے لوگو! بیشک میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ اور پھر یہ حکم بھی نازل ہو چکا تھا۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و کفی باللہ شہیدا(صف-۹۰)

"وہی تو خدا ہے جس نے اپنا رسول بھیجا ہدایت اور سچا دین دیکر تاکہ وہ تمام ادیان پر غالب رہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔ (صف)

چنانچہ حضور سرور عالم ﷺ نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں مختلف سربراہان ممالک کو اپنے سفیروں کے ذریعے خطوط بھیجے۔ جو سفیر جس ملک میں بھیجا جاتا وہ وہاں کی زبان بھی جانتا تھا۔

قیصر روم ہرقل کے نام

رومیوں اور ایرانیوں میں دیر سے لڑائی چلی آتی تھی۔ ایرانیوں نے ملک شام فتح کر لیا تھا۔ ہرقل کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اسے اپنے پایہ تخت قسطنطنیہ پر ایرانی حملہ کا اندیشہ تھا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی کہ رومی جو شام میں مغلوب ہو گئے ہیں چند سال میں وہ ایرانیوں پر غالب آئیں گے۔ یہ پیشین گوئی صلح حدیبیہ سے نو سال پیشتر ہوئی تھی اور حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ حدیبیہ کے دن مسلمانوں کو رومیوں کی فتح کی خبر پہنچی۔ ہرقل اس فتح کے شکرانہ کے لئے حمص سے بیت المقدس پا پیادہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا نامہ مبارک حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ حضرت دحیہ نے وہ خط ہرقل کے عامل شام حارث غسانی کو بصرے میں دے دیا جس نے اسے قیصر کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔

نامہ مبارک کا متن اور ترجمہ ملاحظہ ہو:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد عبداللہ و ررسولہ الی ہرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الاریسین ویاھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الانعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولو اشھدوا بانا

Marfat.com

مسلمون

"شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد کی طرف سے ہرقل امیر روم کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد میں تجھ کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تو اسلام لا۔ سلامت رہے گا۔ خدا تجھے کو دوہرا ثواب دے گا۔ اگر تو نے روگردانی کی تو تیری رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہو گا اور اے اہل کتاب آ و ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو خدا نہ بنائے اگر وہ نہیں مانتے تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم ماننے والے ہیں۔ (محمد رسول اللہ)

اب قیصر نے حکم دیا کہ اس مدعی نبوت کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ملے۔ تو لاؤ۔ ان دنوں ابوسفیان جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے تاجران قریش کے ساتھ غزہ میں آئے ہوئے تھے قیصر کا قاصد ان سب کو بیت المقدس لے گیا۔ ابوسفیان کا بیان ہے کہ جب ہم کو قیصر کے پاس لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تاج پہنے ہوئے دربار میں تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے گرداگرد امرائے روم ہیں۔ اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان (قریشیوں) سے پوچھو کہ تم میں بلحاظ نسب اس مدعی نبوت سے کون اقرب ہے؟ (قول ابوسفیان) "میں نے کہا کہ میں اقرب ہوں۔ قیصر نے رشتہ دریافت کیا۔ میں نے کہا۔ وہ میرا چچیرا بھائی ہے۔ قافلہ میں اس وقت عبد مناف کی اولاد میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ قیصر کے حکم سے مجھے نزدیک بلایا گیا اور میرے ساتھیوں کو میری پیٹھ پیچھے بٹھایا گیا۔ پھر قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس کے ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں اس (ابوسفیان) سے اس مدعی نبوت کا حال دریافت کرتا ہوں۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو کہہ دینا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے"۔ ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرا جھوٹ اوروں سے نقل کیا کریں گے تو میں اس کا حال بیان کرنے میں جھوٹ بولتا۔ مگر اس ڈر سے میں سچ ہی بولا۔ اس کے بعد قیصر و ابوسفیان میں بذریعہ ترجمان یہ گفتگو ہوئی۔ (صحیح بخاری)

قیصر: اس مدعی نبوت کا نسب تم میں کیسا ہے۔

ابوسفیان: وہ شریف النسب ہے۔

قیصر: کیا اس سے پہلے تم میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس کے پیرو اکابر ہیں یا کمزور لوگ۔

ابوسفیان: کمزور لوگ ہیں۔

قیصر: اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں یا کم ہوتے جارہے ہیں؟

Marfat.com

ابو سفیان: زیادہ ہو رہے ہیں۔
قیصر: کیا اس کے پیروؤں میں سے کوئی اس کے دین سے ناخوش ہو کر اس دین سے پھر بھی جاتا ہے؟
ابو سفیان: نہیں۔
قیصر: کیا دعوائے نبوت سے پہلے تمہیں اس پر جھوٹ بولنے کا گمان ہوا ہے؟
ابو سفیان: نہیں
قیصر: کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟
ابو سفیان: نہیں۔ لیکن اب جو ہمارا اس کے ساتھ معاہدہ صلح ہے۔ دیکھئے اس میں کیا کرتا ہے۔
قیصر: کیا تم نے کبھی اس سے جنگ بھی کی؟
ابو سفیان: ہاں۔
قیصر: جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟
ابو سفیان: کبھی ہم غالب رہے اور کبھی وہ۔
قیصر: وہ تمہیں کیا تعلیم دیتا ہے؟
ابو سفیان: کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ تمہارے آباؤ اجداد جو کچھ کہتے ہیں وہ چھوڑ دو۔ نماز پڑھو۔ سچ بولو۔ پاک دامن رہو۔ صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے ترجمان کی وساطت سے ابو سفیان سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا۔ پیغمبر اپنی قوم کے اشراف میں سے مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ تم نے کہا کہ ہم میں سے کسی نے اس سے پہلے نبوت کا دعوئ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ اس نے پہلے کے قول کا اقتداء کیا ہے۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں خیال کرتا کہ وہ اپنے آبائی ملک کا طالب ہے۔ تم نے کہا کہ دعوئ نبوت سے پہلے وہ کبھی متہم بالکذب نہیں ہوا۔ اس سے میں نے پہچان لیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر جھوٹ نہ باندھے اور خدا پر جھوٹ باندھے تم نے بتایا کہ کمزور لوگ اس کے پیرو ہیں۔ پیغمبروں کے پیرو (غالبا) کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ تم نے ذکر کیا کہ اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں۔ دین و ایمان کا یہی حال ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمام و کامل ہو جاتا ہے۔ تم نے بتایا کہ اس کے پیروں میں سے کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اس کی بشاشت و لذت دل میں سرایت کر جاتی ہے تو وہ دل سے نہیں نکلتا۔ تم نے کہا کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتا۔ پیغمبر عہد نہیں توڑا کرتے۔ تم نے بیان کیا کہ جنگ میں کبھی ہم غالب رہتے ہیں اور کبھی وہ پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ اعدائے دین کے سبب ان کو ابتلاء ہوا کرتا ہے مگر آخر کار فتح پیغمبروں ہی کو ہوتی ہے۔ تم نے اس کی تعلیمات بیان کیں۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو میرے قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ میں جانتا تھا کہ وہ آنے والا ہے مگر مجھے یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ اس تک پہنچ جاؤں گا تو میں اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی تکلیف

Marfat.com

گوارا کرتا اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔ اس کے بعد رسول ﷺ کا نامہ مبارک پڑھا گیا۔ اسے سن کر امرائے روم نے بڑا شور و شغب برپا کیا۔ ابو سفیان اور اس کے ہمراہی رخصت کر دیئے گئے۔

قیصر حمص میں چلا آیا۔ اور امرائے روم کو قصر شاہی میں جمع کر کے حکم دیا کہ دروازے بند کر دیئے جائیں۔ پھر یوں خطاب کیا۔ "اے گروہ روم! اگر تم فلاح و رشد کے طالب ہو اور چاہتے ہو۔ کہ تمہارا ملک برقرار رہے تو اس نبی پر ایمان لاؤ۔ یہ سن کر وہ خران وحشی کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے۔ مگر ان کو بند پایا۔ جب ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا۔ تو کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ۔ اور ان سے یوں خطاب کیا کہ میں تمہیں آزماتا تھا کہ تم اپنے دین میں کیسے مستحکم ہو۔ سو میں نے تم کو مستحکم پایا۔ یہ سن کر انہوں نے قیصر کو سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔

۲۔ خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں شاہ ایران کو یوں لکھا گیا:

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد رسول الله الى كسرى عظيم فارس سلام على من اتبع الهدى وامن بالله ورسوله واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمد عبده ورسوله ادعوك بدعاية الله عزوجل فاني رسول الله الى الناس كلهم لينذر من كان حيا ويحق القول على الكفرين اسلم تسلم فان توليت فعليك اثم المجوس. محمد رسول

"شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے کسریٰ امیر فارس کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ کوئی معبود بجز نہیں۔ مگر خدا ایک جس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے دعوت خدائے عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں تاکہ ڈراؤں اس کو جو زندہ ہو اور ثابت ہو جائے حکم عذاب کافروں پر تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ پس اگر تو نے نہ مانا تو مجوسیوں کا گناہ تجھ پر ہے۔

(سیرت رسول عربی صفحہ ۱۷۶ بحوالہ صحیح بخاری و مواہب و اصابہ وغیرہ)

علاقہ بحرین کسریٰ کے زیر فرمان تھا۔ وہاں اس کی طرف سے منذر بن ساوی عبدی تمیمی نائب السلطنت تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا نامہ مبارک حضرت عبداللہ بن حذافہ قرشی سہمی کو دے کر حکم دیا کہ اسے حاکم بحرین کے پاس لے جاؤ۔ حاکم موصوف نے وہ نامہ خسرو پرویز کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ پڑھا گیا تو پرویز نے اسے پھاڑ ڈالا۔ جب آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی۔ تو آپ نے پرویز اور اس کے ملک کے

Marfat.com

بددعا فرمائی کہ "وہ ہر طرح پارہ پارہ کئے جائیں"۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ ان کی سلطنت جاتی رہی۔ دولت واقبال نے منہ پھیر لیا۔ اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اس بربادی کی کیفیت یوں ہے کہ پرویز نے نامہ مبارک کو چاک کرنے کے بعد اپنے گورنر یمن باذان کو لکھا کہ اپنے دو دلیر آدمیوں کو حجاز میں بھیجو تاکہ اس مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے پاس لائیں۔ باذان نے اپنے قہرمان بابویہ اور ایک شخص خرخسرہ نامی کو اس غرض کے لئے مدینہ بھیجا۔ اور بابویہ سے کہہ دیا کہ اس مدعی نبوت سے کلام کرنا اور اس کے حال سے اطلاع دینا۔ یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ بابویہ نے حقیقت حال عرض کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل میرے پاس آؤ۔ جب وہ دوسرے دن حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ فلاں مہینے کی فلاں رات کو خدا نے کسریٰ کو قتل کر دیا اور اس کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا۔ وہ بولے۔ آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ کیا ہم اپنے بادشاہ (باذان) کو یہ اطلاع کر دیں؟ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ ہاں میری طرف سے اسے یہ خبر دے دو اور کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت کسریٰ کے ملک کی انتہا تک پہنچ جائے گی۔ اور (باذان سے) یہ بھی کہہ دو کہ اگر تم اسلام لاؤ تو تمہارا ملک تم ہی کو دیا جائے گا۔ دونوں نے واپس آ کر باذان سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس پر کچھ عرصہ نہ گزرا تھا۔ کہ شیرویہ کا خط باذان کے نام آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں نے اپنے باپ پرویز کو قتل کر ڈالا۔ کیونکہ وہ اشراف فارس کا قتل جائز سمجھتا تھا۔ اس لئے تم لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لو۔ اور اس مدعی نبوت کو جس کے بارے میں کسریٰ نے تم کو کچھ لکھا تھا برا بھلا مت کہو۔ یہ دیکھ کر باذان مسلمان ہو گیا۔ اور ایرانی جو یمن میں تھے سب ایمان لے آئے۔ اس کے چھ ماہ بعد شیرویہ بھی مر گیا۔ فارس کا آخری بادشاہ یزدجرد بن شہریار بن شیرویہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں قتل ہوا۔
(سیرت رسول عربی بحوالہ مواہب مدینہ و بخاری شریف)

۳۔ اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ کے پاس عمروؓ بن امیہ الضمری کے ہاتھ نامہ مبارک بھیجا گیا اس کے الفاظ یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی النجاشی ملک الحبشہ سلم انت فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن و اشھد ان عیسی ابن مریم روح اللہ کلمۃ القھا الی مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ حملت بعیسی فخلقہ من روحہ نفخہ کما خلق ادم بیدہ انی ادعوک الی اللہ وحدہ لا شریک لہ والی موالات علی طاعتہ و ان تتبعنی و تومن بالذی جاءنی فانی رسول اللہ الیک وانی

Marfat.com

ادعوک وجنودک الی اللہ عزو جل و قد بلغت و نصحت فاقبلوا نصیحتی- والسلام علی من اتبع الھدی

"شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ کے نام۔ تو سلامتی والا ہے۔ میں تیرے پاس خدا کا شکر کرتا ہوں۔ جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں وہ بادشاہ ہے۔ پاک ذات سلامت سب عیب سے۔ امان دینے والا۔ نگہبان اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم روح اللہ ہیں اور اللہ کا کلمہ، جسے اس نے القاء کیا مریم بتول طیبہ عفیفہ کی طرف۔ وہ بارور ہوئی عیسیٰ کے ساتھ پس خدا نے اسے پیدا کیا اپنی روح سے اور اس کے پھونکنے سے جیسا کہ پیدا کیا آدم کو اپنے ہاتھ سے۔ اور میں تجھے بلاتا ہوں اللہ کی طرف جو وحدہ لاشریک ہے اور اس کی اطاعت پر موالات کی طرف اور یہ کہ تو میری پیروی کرے اور ایمان لائے اس چیز پر جو مجھے ملی۔ کیونکہ میں تیری طرف اللہ کا رسول ہوں اور میں تجھ کو اور تیرے لشکروں کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے پہنچا دیا اور نصیحت کر دی تم میری نصیحت کو قبول کرو۔ والسلام علی من اتبع الھدی

جب یہ نامۂ مبارک اصحمہ نجاشی کو ملا۔ تو اس نے اسے اپنی آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اور نامہ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ لیا۔ اور یہ جواب لکھا:

نجاشی کا جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الی محمد رسول اللہ من النجاشی اصحمۃ سلام علیک یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکات اللہ الذی لا الہ الا ھو الذی ھدانی الی الاسلام اما بعد فقد بلغتی کتابک یا رسول اللہ کما ذکرت من امرء یسی فو رب السماء و الارض ان عیسی علیہ الصلوۃ والسلام لا یزید علی ماذکرت تفروقا انہ کما ذکرت و قدعرفنا مابعثت بہ علینا فاشھد انک رسول اللہ صادقا مصدقا و قدبایعتک وبایعت ابن عمک واسلمت علی یدیہ للہ رب العلمین و قد بعثت الیک بابنی وان شئت اتیتک بنفسی فعلت فانی اشھدان ماتقولہ حق والسلام

Marfat.com

علیک و رحمتا اللہ و برکاتہ

"شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کے نام نجاشی اصحمہ کی طرف سے یا رسول اللہ آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اللہ کی برکتیں جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ اس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت کی۔ امابعد یا رسول اللہ مجھے آپ کا نامہ ملا۔ آپ نے جو حضرت عیسیٰ کا حال بیان کیا ہے۔ سو آسمان و زمین کے رب کی قسم کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اس سے ذرہ بھی زیادہ نہیں ہیں۔ وہ بے شک ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے اور ہم نے پہچان لیا جو کچھ آپ نے ہماری طرف لکھ کر بھیجا ہے۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول صادق مصدق ہیں اور میں نے آپ کی بیعت کی۔ اور آپ کے چچیرے بھائی کی بیعت کی۔ اور اس کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لئے اسلام لایا۔ اور میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں خود حاضر ہو جاؤں تو تیار ہوں۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا فرمانا حق ہے اور آپ پر سلامتی ہو، اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں۔

اصحمہ کو رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ ایک اور نامہ بھیجا تھا کہ ام حبیبہ (امیر معاویہ کی بہن) کو نکاح کا پیغام دو۔ اور مہاجرین میں سے جو اب تک حبشہ میں ہیں ان کو یہاں پہنچا دو۔ ارشاد مبارک کی تعمیل کی گئی۔ حضرت ام حبیبہ نے حضرت خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ اور نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا۔ اور مہر جو چار سو دینار تھا وہ بھی خود ہی ادا کر دیا۔ ام حبیبہ کا پہلا خاوند عبیداللہ بن جحش اسدی تھا۔ دونوں ہجرت کر کے حبشہ میں چلے آئے تھے مگر عبیداللہ نصرانی ہو کر مر گیا تھا۔ اس طرح ام حبیبہؓ بیوہ ہو گئی تھیں۔

نجاشی نے حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت ام حبیبہؓ اور دیگر مہاجرین حبشہ کو ایک جہاز میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔

یاد رہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری کو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی خبر پہنچی تھی تو وہ اور ان کے دو بھائی اور ان کی قوم کے باون یا ترپن آدمی یمن سے ہجرت کر کے ایک کشتی میں مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ مگر باد مخالف کے سبب سے ان کی کشتی ساحل حبشہ پر جا لگی۔ اس لئے وہ بھی حبشہ میں حضرت جعفر طیارؓ کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس سفر میں وہ بھی حضرت جعفر طیارؓ کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئے۔

اس کے بعد اصحمہ نجاشیؓ نے دوسرے جہاز میں اپنے بیٹے کو مصاحبوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خط دے کر بھیجا۔ جس میں اپنے ایمان لانے کا حال لکھا تھا۔ پہلا جہاز صحیح و سالم منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ مگر دوسرا جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور سوار سب ہلاک ہو گئے۔

Marfat.com

اصحمہ نجاشی رضی اللہ عنہ نے ۹ھ میں وفات پائی۔ آنحضرتؐ نے اس کے جنازے کی نماز غائبانہ پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے نجاشی کو بھی جو اصحمہ کے بعد بادشاہ ہوا دعوت اسلام کا خط لکھا تھا (اس دوسرے نجاشی کے ایمان کا حال معلوم نہیں۔ (سیرت رسول عربی صفحہ ۱۸۲ تا ۱۸۵)

۴۔ مقوقس والی مصر ہرقل قیصر روم کا باجگذار تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ اس کو یہ نامہ مبارک بھیجا گیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد عبداللہ و رسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی ادعوک بد عایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم القبط یاھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سوا بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ والا نشرک بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تو لو افقو لوا اشھدوا با نا مسلمون (محمد رسول اللہ)

"شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس امیر قبط کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد میں بلاتا ہوں تجھ کو دعوت اسلام کی طرف۔ تو اسلام لا سلامت رہے گا۔ دے گا تجھ کو اللہ ثواب دوہرا۔ اگر تو نے نہ مانا تو تجھ پر ہو گا گناہ قبطیوں کا۔ اے اہل کتاب! تم آؤ طرف ایسی بات کی جو یکساں ہے ہم میں اور تم میں کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کے ساتھ کسی کو اور نہ بنائے ہم سے کوئی دوسرے کو رب سوائے اللہ کے سو اگر وہ نہ مانیں تو کہو تم گواہ رہو کہ ہم ہیں ماننے والے۔"

حسن اتفاق سے اصل نامۂ مبارک ایک فرانسیسی سیاح کو اخمیم کے گرجا میں ایک راہب سے ملا۔ اس نے خرید کر سلطان عبدالحمید خاں مرحوم والی سلطنت عثمانیہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ اور اب قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اس کے دو فوٹو اس وقت ہمارے زیر نظر ہیں ہم نے اسے تبرکاً مطابق اصل لفظ بلفظ نقل کیا ہے۔ اس کے اخیر میں رسول اللہ ﷺ کی مہر ثبت ہے۔ جس کی اوپر کی سطر میں اللہ دوسری میں رسول اور تیسری میں محمد ہے۔ دیگر خطوط کے آخر میں بھی یہی مہر مبارک ثبت تھی۔ یہ نامۂ مبارک مقوقس کو سکندریہ میں ملا۔ اس نے ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ لیا اور اس پر اپنی مہر لگادی اور جواب میں عربی زبان میں یوں لکھوایا:

Marfat.com

"شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہائت رحم والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اور اس پر ایمان لایا اور تصدیق کی۔ میں تجھے اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تو اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے۔ تیری حکومت قائم رہے گی۔

حضرت شجاع بن وہب یہ نامہ مبارک لیکر روانہ ہوئے۔ جب یہ دمشق پہنچے تو دیکھا کہ قیصر روم جو حمص سے بیت المقدس کو ایرانیوں پر فتح کے شکرانہ کے لئے آ رہا تھا اس کے استقبال کے لئے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے حارث کے دروازے پر دو تین دن قیام کیا۔ میں نے اس کے رومی دربان سے کہا کہ میں حارث کی طرف رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ اس نے کہا کہ فلاں روز باریابی ہو گی۔ وہ دربان جس کا نام مری تھا مجھ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت کا حال پوچھتا رہتا تھا۔ میں بیان کرتا تو اس پر رقت طاری ہو جاتی یہاں تک کہ رو پڑتا اور کہتا کہ میں نے انجیل میں پڑھا ہے۔ بعینہ اسی نبی کی صفت اس میں مذکور ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہو گا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ زمین عرب میں ظاہر ہوا ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ حارث مجھے قتل کر دے گا۔ آخر کار حارث ایک روز دربار میں تاج پہن کر تخت پر بیٹھا۔ میں باریاب ہوا۔ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پیش کیا۔ اس نے پڑھ کر پھینک دیا۔ کہنے لگا۔ مجھ سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے؟ وہ خواہ یمن میں ہو میں اس کے پاس جاتا ہوں۔ اور حکم دیا کہ فوج تیار ہو جائے اور گھوڑوں کی نعلبندی کی جائے۔ پھر مجھ سے کہا۔ تم جو کچھ دیکھ رہے ہو اس کو بتا دینا۔ حارث نے میری آمد کا حال قیصر کو لکھا۔ وہ عرضداشت قیصر کو بیت المقدس میں ملی۔ دحیہ کلبی ابھی وہاں تھے۔ جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا تو اسے لکھا کہ اس مدعی نبوت کے پاس مت جاؤ۔ اس سے دور رہو۔ اور مجھ سے بیت المقدس میں ملو۔ یہ جواب میرے ایام قیام میں آ گیا۔ حارث نے مجھے بلا کر دریافت کیا کہ کب جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ کل یہ سن کر اس نے حکم دیا کہ مجھے سو مثقال سونا دے دیا جائے۔ حضرت مری نے نفقہ و لباس سے میری مدد کی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے بعد سلام عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کا پیرو ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حارث کا حال عرض کیا تو فرمایا کہ اس کا ملک جاتا رہا۔ اور حضرت مری کا حال عرض کیا۔ تو فرمایا وہ سچا ہے۔ (سیرت رسول عربی ۱۸۸-۱۸۹ بحوالہ ہدایہ الحیاری از ابن قیم)

۷۔ منذر بن ساوی والی بحرین کے نام:

۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علا بن الحضرمی کے ہاتھ منذر بن ساوی حاکم بحرین کے نام ایک تبلیغی خط بھیجا۔ جس کے مطالعہ سے منذر کے ساتھ وہاں کے تمام عرب اور بعض عجم ایمان لائے۔ مگر یہود و مجوس ایمان نہ لائے۔ حضرت منذر نے بذریعہ عرضداشت آنحضرت ﷺ کو ان حالات کی اطلاع دی اور دریافت کیا کہ کیا کیا جائے۔ اس پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے منذر کو یہ خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Marfat.com

من محمد رسول الله الی المنذر بن ساوی سلام علیک فانی احمد الله الیک الذی لا اله الا هو اشهد ان لا اله الا الله و ان محمد عبده و رسوله اما بعد فانی اذکر الله عزو جل فانه من ینصح فانما ینصح لنفسه وانه من یطع رسلی و یتبع امرهم فقد اطاعنی و من نصح لهم فقد نصح لی و ان رسلی قد اثنو علیک خیرا وانی قد شفعتک فی قومک فاترک للمسلمین ما اسلموا علیه و عفوت من اهل الذنوب فاقبل منهم وانک مهما تصلح فلن نعزلک عن عملک و من اقام علی یهودیته او مجوسیة فعلیه الجزیة (محمد رسول الله)

"شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا' اللہ کے رسول محمد کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام سلام تجھ پر میں تیرے پاس خدا کا شکر کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود بحق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کا بندہ اور رسول ہے۔ اما بعد میں تجھے یاد دلاتا ہوں اللہ عزوجل (کے احکام) بیشک جو خیر خواہی کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اور جو میرے قاصدوں کی اطاعت کرے اور ان کا حکم مانے۔ اس نے بے شبہ میری اطاعت کی اور جو ان کی خیرخواہی کرے اس نے بیشک میری خیرخواہی کی۔ میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے۔ میں نے تمہاری سفارش تمہاری قوم کے بارے میں قبول کی۔ پس مسلمانوں کے لئے چھوڑ دو وہ (مال وغیرہ) جس پر وہ مسلمان ہوئے میں نے گنہ گاروں کو (پہلے گناہ) معاف کر دیئے تم ان سے (اسلام) قبول کرو جب تک تم کام اچھا کرتے رہو گے ہم تم کو تمہارے عہدے سے معزول نہ کریں گے۔ اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے۔

یہ اصل نامہ مبارک بھی ایک فرانسیسی سیاح نے اطراف بلاد مصر سے ایک قبطی راہب سے خرید کر سلطان عبدالحمید خان مرحوم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ اب وہ خزانہ شاہی میں محفوظ ہے۔ اس کے اخیر میں مہر ہے۔

۸۔ ذیقعدہ ۸ھ میں والیان عمان کے نام یہ نامہ مبارک لکھا گیا:

بسم الله الرحمن الرحیم

من محمد بن عبدالله الی جیفر و عبد ابن الجلندی سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فانی ادعو کما بد عایة

Marfat.com

الاسلام اسلما تسلما فانی رسول اللہ الی الناس کافۃ لانذر من کان حیا و یحق القول علی الکفرین وانکما ان اقررتما بالاسلام ولیتکما مکانکما وان ابیتما ان تقرابا سلام فان ملککما زائل عنکما وخیلی تحل سباحتکما وتظہر نبوتی ملککما۔(محمد رسول اللہ)

"شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ محمد بن عبداللہ کی طرف سے جیفر و عبد پسران جلندی کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد میں تم دونوں کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تم اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔ کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تاکہ ڈراؤں اس کو جو زندہ ہو اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے اگر تم اسلام کا اقرار کرلو تو میں تم کو تمہارا ملک دے دوں گا۔ اگر تم اقرار اسلام سے انکار کرو۔ تو تمہارا ملک تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اور دوسرے سوار تمہارے مکانات کی فضا میں اتریں گے۔ اور میری نبوت تمہارے ملک پر غالب آئے گی۔

اللہ

رسول

محمد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نامہ مبارک حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھ ارسال فرمایا مواہب لدینہ میں ہے کہ جیفر اور عبد دونوں ایمان لائے۔

والئ عمان کے نام لکھوائے جانے والے اس نامہ مبارک کی عکسی نقل روزنامہ نوائے وقت لاہور (مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۷۷ء) میں شائع ہوئی تھی۔ جس کی خبر کا متن نیچے دیا جارہا ہے جس میں نامہ مبارک کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ (قدر آفاق)

تیونس - ۱۰ جولائی - رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد مختلف ملکوں کے سربراہوں کو جو خطوط ارسال کئے تھے ان میں سے ایک اور خط گزشتہ ہفتے تیونس میں دستیاب ہوا جو سلطان عمان کے نام ہے۔ اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خط دستیاب ہو چکے ہیں جو ایران کے بادشاہ امیر خسرو اور ہرقل روم کے نام ہیں۔ موجودہ خط ایک ایسے یونانی کے قبضے میں ہے جسے نادر روزگار دستاویزات جمع کرنے کا شوق ہے اور اسے یہ خط تیونس سے دستیاب ہوا۔ اس خط کے بارے میں تحریر شناسی کے ماہرین کی رائے ہے کہ یہ واقعی اصلی تحریر ہے۔ کیونکہ یہ پہلے دستیاب ہونے والے دونوں خطوط سے ملتی ہے اور اس کا متن بھی تقریباً انہی جیسا ہے۔ خط کے اصلی ہونے کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ یہ خط کوفی میں تحریر ہے جس

Marfat.com

میں نقطے استعمال نہیں کئے جاتے تھے۔

سلطان عمان کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا ترجمہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کے رسول محمد کی طرف سے جلندی کے بیٹوں جیفر اور عبد کے نام

اللہ کی رحمت ہوئی ان پر جنہوں نے حق کو قبول کیا۔ اس کے بعد میں آپ دونوں کو قبول اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا تو آپ کے لئے سلامتی ہو گی۔ میں تمام انسانوں کے لئے خدا کا پیغمبر ہوں اور تمام انسانوں کو جو زندہ ہیں اس کے بارے میں آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا تو میں آپ کو خوش آمدید کہوں گا۔ لیکن اگر آپ نے اسلام قبول نہ کیا تو آپ کی حکومت باقی نہیں رہے گی اور میری پیغمبری کی نشانیاں آپ کے ملک میں ظاہر ہو کر رہیں گی۔

(اس جملے کے خاتمے رسول اکرم ﷺ کی مہر ثبت ہے)

(نوائے وقت میں شائع شدہ نامے کی فوٹو کاپی راقم کے پاس محفوظ ہے--- قدر آفاقی)

اسلام قبول کرنے والے کچھ حکمران:

حضور علیہ السلام کی تبلیغ سے بعض اور حکمرانوں نے اسلام قبول کر لیا جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ نجد کے حاکم ثمامہ کے پاس حضور علیہ السلام کے قاصد حضرت فرات بن حیان گئے اور وہ ۶ھ میں مسلمان ہو گیا۔ بعد ازاں حضرت ثمامہؓ نے مسیلمہ کذاب کے فتنہ کو مٹانے کے سلسلے میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔

۲۔ حضرت جبلہ عرب کی قدیم سلطنت غسان کے حاکم تھے۔ انہوں ۷ھ میں اسلام قبول کیا۔

۳۔ فروہ بن عمرو خزاعی قیصر روم کی طرف سے شام کے علاقے کا حاکم تھا۔ جب وہ مسلمان ہو گیا تو قیصر نے اسے قید کر دیا اور بعد میں شہید کروا دیا کیونکہ وہ کوشش کے باوجود ارتداد پر رضامند نہ ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت فروہؓ نے جان اور جاہ و حشم کی قربانی دیکر ایمان کی دولت پائی۔

۴۔ دومتہ الجندل کا حاکم اکیدر تھا۔ حضرت اکیدر ۹ھ میں مسلمان ہو گئے۔

۵۔ ذی الکلاع حمیری---- یمن اور طائف کے بعض اضلاع کا حاکم تھا اور قبیلہ بنو حمیر کا بادشاہ تھا۔ اور خدائی کا دعویدار تھا اور لوگ اسے سجدہ کرتے تھے جب اسلام کی دولت سے مالا مال ہوا تھا تو خشیت الہی سے ایسا متقی بنا کہ ایک دن میں اٹھارہ ہزار غلام آزاد کئے۔ پھر عمر فاروقؓ کے عہد میں عشق رسول اللہ ﷺ میں حکومت چھوڑ دی اور مدینہ منورہ میں جا بسا اور باقی عمر اسلام کی فرمانبرداری میں گزار دی۔ (رحمۃ للعالمین جلد ا صفحہ ۲۱۰-۲۱۱)

بیرون عرب تبلیغ اسلام

Marfat.com

حدیبیہ میں قریش سے مصالحت کے بعد مدینہ منورہ پہنچتے ہی آپ نے روم، ایران، مصر اور حبشہ وغیرہ کے حکمرانوں کو تبلیغی نامے ارسال فرمائے۔ حبشہ کے اصحمہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا۔ ہرقل نے اپنی رعایا کی سخت مخالفت کی وجہ سے معذرت کر دی۔ اور پھر اکڑفوں کا شکار ہو گیا۔ پھر مختلف بوزنطی افسروں کو آپ ﷺ نے براہ راست خط لکھے جن کا مثبت اثر بھی ہوا اور منفی بھی مثلاً غسان کے حاکم نے دمشق کے قریب مسلمان قاصد کو قتل کروا دیا جس پر اسے دوبارہ اسلام لانے یا جزیہ دینے کو کہا گیا لیکن اس نے جنگ کی تیاری کی اور ہرقل نے ایک لاکھ فوج جو ایران کے لئے تھی ادھر بھیج دی جس کے ساتھ اسلامی لشکر کی موتہ (اردن) میں مڈھ بھیڑ ہوئی۔ (۸ھ) (جو صرف تین ہزار تھے) غالباً معان کا گورنر فروہ بن عمرو الجذامی بھی حضور کے ایک نامہ مبارک پر مسلمان ہو گیا تھا جس کی پاداش میں ہرقل نے اسے سولی کی سزا سنائی۔ (دیکھئے اوپر نمبر ۳) غسان کے حاکم نے اسلامی قاصد کو قتل کر دیا تھا لیکن ہرقل نے اس کی تلافی سے مسلسل انکار کیا تو آخر حضور علیہ السلام غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے لیکن بات نہ بن سکی تاہم آپ ﷺ نے بوزنطینی علاقوں دومتہ الجندل، مقنا، ایلہ، جربا اور اذرح پر قبضہ کر لیا اور ان کے حاکموں سے معاہدے بھی کئے۔ حضور علیہ السلام کا ایک خط ضغاطر اسقف روم کے نام بھی ملتا ہے اور ایلہ کے اسقف کے نام بھی۔ جن کو اسلام لانے یا ذمی بننے (جزیہ دینے) یا مقابلہ کے لئے تیار رہنے کی پیشکش کی۔ تبوک کی نیم کامیاب مہم کے باوجود سفیر کے قتل کا معاملہ حل نہ ہو سکا تھا اس لئے آپ ﷺ نے وفات سے کچھ عرصہ پہلے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجنے کا حکم دیا۔ لیکن یہ لشکر آپ کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں بھیجا جا سکا۔ لیکن دشمن سے سامنا پھر بھی نہ ہوا۔

مصر پر ایرانی قابض ہو گئے تھے لیکن ہرقل نے نینویٰ کے مقام پر ان کو کھلی شکست دی تو مصر، شام اور دیگر مفتوحہ علاقے دوبارہ بوزنطینی مملکت کے تحت آ گئے فتح کے بعد قیصر روم کی فوجیں ابھی آئی نہ تھیں کہ حضور علیہ السلام نے اسکندریہ کے قبطی سربراہ مقوقس کو تبلیغی خط بھیجا جس نے سفارتی آداب کا لحاظ رکھا اور ایک خچر اور کنیزیں بھی تحفہ میں بھیجیں لیکن قبول اسلام کے سلسلے میں معذرت کر دی۔

ایران کئی صدیوں سے مشرقی عرب پر قابض تھا اور اب نصف صدی سے جنوبی عرب (یمن) پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ ایران کے کسریٰ کے نام حضور ﷺ نے جو خط بھیجا اس نے اس کی بے ادبی کی اور چاک کر دیا اور غضب خداوندی کا شکار ہو کر اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا۔ پھر حضور ﷺ نے ایران کے ماتحت افسروں کو خطوط بھیجے۔ ایک خط ساوہ کے حکمران کے نام بھی ملتا ہے جو جنوبی عراق میں ہے۔ بحرین اور عمان کے گورنر اور حکمران بھی آپ ﷺ کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے۔ عمان میں مدینہ منورہ سے حضرت عمرو بن العاص کو بھیجا گیا تاکہ اسلامی امور کے نگران رہیں اور دیگر امور جیفر اور عبد (یا عیاذ) پسران جلندی سے متعلق رہے عمان میں "دبا" کی بندرگاہ کے سالانہ میلے میں ہندوستان اور چین وغیرہ کے تاجر بھی آتے تھے وہاں کے لئے حضرت حذیفہ کو بطور "خصوصی والی" مدینہ منورہ سے بھیجا گیا۔ (انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۵۲۹) ۔ ایران کے خلاف نفرت یمن میں بہت زیادہ تھی اور یہ نفرت بحرین اور عمان سے کہیں زیادہ تھی۔ چنانچہ

Marfat.com

باذان (یا باذام) بن ساسان نامی یمن کے ایرانی گورنر نے بخوشی اسلام قبول کر لیا اور حضور ﷺ نے اسے اس کے منصب پر بحال رکھا اور ۱۰ھ میں اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے شہر بن باذان کو وہی منصب عطا کیا۔ اس طرح اسلام کی روشنی عرب سے نکل کر عجم کو بھی رفتہ رفتہ روشن کرنے لگی۔

غزوۂ خیبر ۷ھ: خیبر کا علاقہ یہودی قبائل بنو قینقاع اور بنو نضیر کے آباد ہو جانے سے اسلام کے خلاف مضبوط مرکز کی شکل دھار چکا تھا۔ غزوہ احزاب میں قریش کی نسبت یہودیوں کا زیادہ ہاتھ تھا کہ انہوں نے بنو غطفان جیسے طاقتور قبیلہ کو ایک سال کی رسد کی رشوت دیکر اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور اب بھی یہ خطرہ موجود تھا۔

حدیبیہ سے واپسی پر ذوالحجہ ۶ھ اور محرم ۷ھ کے مہینے گزار کر حضور علیہ اسلام نے خیبر کے یہودیوں اور بنو غطفان کی طرف توجہ فرمائی کیونکہ ان کی پراسرار سرگرمیاں معنی خیز بنتی جا رہی تھیں۔ الواقدی کے مطابق یہودیوں نے کھلم کھلا جنگی تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں اور روزانہ دس ہزار جنگجو باہر نکل کر جنگی ریہرسل کرتے اور کہتے کہ ہم دیکھیں گے کہ کس طرح محمد ﷺ ہم پر فتح حاصل کرتا ہے۔

(المغازی جلد ۲ صفحہ ۶۴۳)

آپ ﷺ نے بھی ان کے خلاف خفیہ تیاری شروع کر دی۔ یہودیوں نے دس ہزار ہتھیار بندوں کے علاوہ بنو غطفان سے بھی ایک ہزار جوان منگوائے اور انہیں اپنے بارہ قلعوں میں سے مضبوط ترین قلعہ میں رکھا اور آپس میں منصوبہ اس طرح بنایا کہ اگر حضور ﷺ نے خیبر پر حملہ کیا تو بنو غطفان کے مزید چار ہزار جوان اسلامی لشکر کے عقب سے اس پر حملہ آور ہوں گے اور اس طرح اسلامی لشکر کو گھیر کر ختم کر دیا جائے گا۔

چنانچہ محرم ۷ھ (سیرت ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۳۴۳) میں حضور علیہ السلام خیبر کی جانب چلے اور ایسا راستہ اختیار کیا کہ اس سے یہ پتہ نہ چل سکتا تھا کہ اسلامی لشکر خیبر پر حملہ آور ہو گا یا بنو غطفان پر؟ جب بنو غطفان کو اس پیچیدہ صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے خیبر کی طرف روانہ کردہ اپنے چار ہزار جوان واپس بلا لئے ادھر حضور علیہ السلام خیبر اور بنو غطفان کے درمیان واقع الرجیع کی وادی میں رک گئے اور اسے فوجی ہیڈ کوارٹر بنا لیا اور یہاں سے مسلسل رات دن خیبر پر یلغار کی جاتی رہی۔ خیبر میں یہودیوں کے بارہ قلعے تھے جو جنگی نقطہ نظر سے ...اتی حکمت عملی کے تحت تعمیر کئے گئے تھے اور ساخت ایسی رکھی گئی تھی کہ بوقت ضرورت ایک قلعہ سے دوسرے قلعہ میں کمک پہنچائی جا سکے۔ یہودیوں کو شام کی رومی حکومت سے کمک حاصل ہونے کی بھی توقع تھی۔ جس کا توڑ آپ ﷺ نے اس طرح کیا کہ خیبر پر حملہ جنوب کی بجائے شمالی جانب سے کرنے کا پروگرام بنایا تاکہ یہودی اگر شام کی طرف فرار ہونا چاہیں تو ان کو روکا جا سکے۔

زراعت پیشہ یہودی ایک دن کھیتوں کو جانے کے لئے نکلے تو شمالی جانب اسلامی لشکر کا محاصرہ دیکھ کر مقابلہ کے لئے نکلے۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے مسلمانوں کو فتح کی بشارت دی۔

Marfat.com

پہلے ناعم نامی قلعہ فتح ہوا جس میں فوج کم لیکن مال و متاع زیادہ تھا۔ یہ یہودی سردار مرحب کا قلعہ تھا لیکن وہ ایک مضبوط قلعے "قموص" میں متعین تھا۔ دوسرا قلعہ القموص فتح ہوا یہ ابوالحقیق خاندان کا مسکن تھا اور حضرت صفیہؓ بھی یہاں رہتی تھیں یہاں حضرت علی شیر خداؓ نے شجاعت کے خصوصی جوہر دکھائے۔ اس کے بعد بعض اور قلعے بھی فتح کئے گئے اور انتظامی ذمہ داریاں بڑھتی گئیں قیدیوں کی دیکھ بھال اپنی جگہ ایک مسئلہ تھی۔ اسلامی لشکر کی تعداد سولہ سو تھی۔ اب مرحب کی کمان میں "النطاۃ" کا قلعہ دیا گیا جہاں بنو غطفان کے چار ہزار جنگجو بھی تھے۔ یہی قلعہ لوہے کا چنا ثابت ہو رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے پہلے بنو غطفان کی شاخ بنو فزارہ کے سردار عیینہ بن حصن کے پاس حضرت سعدؓ بن عبادہ کو صلح کی بات چیت کرنے بھیجا۔ مرحب نے یہ ملاقات اپنے قلعہ سے باہر منعقد کروائی لیکن یہ مذاکرات ناکام رہے۔ مرحب کے قلعہ کا دس روز تک محاصرہ جاری رہا گیارہویں دن مرحب رجز پڑھتا قلعے سے نکلا اور مبارزت طلب کی۔ محمدؓ بن مسلمہ اپنے بھائی محمودؓ کا بدلہ لینے حضور ﷺ کی اجازت سے آگے بڑھے اور بڑی سعی سے مرحب کا سر گردن تک چیر کر رکھ دیا۔ وہ زخمی ہو گرا تو حضرت علیؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ (واقدی کتاب المغازی جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ تا ۲۵۶، سیرت ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۳۴۸)

طبقات ابن سعد (جلد ۲ صفحہ ۱۱۲) کی روایت کے مطابق حضور ﷺ کے حکم سے حضرت علی اس مقابلے کے لئے نکلے تھے اور انہوں نے مرحب کو تہ تیغ کیا تھا۔ مرحب قتل ہوا تو اس کا بھائی یاسر میدان میں نکلا جسے حضرت زبیر نے قتل کر دیا۔ (سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۴۸۹)

اس کے بعد قلعہ الشق، پھر قلعہ النطاۃ اور پھر قلعہ الکتیبہ اور بعد میں الوطیح اور السلالم نامی قلعے فتح ہوئے۔ آخری دونوں قلعے فتح کرنے میں پندرہ دن لگے۔ خیبر کی پوری وادی فتح ہو چکی تو یہودیوں نے درخواست کی کہ انہیں آدھی پیداوار کی بٹائی کی شرط پر ان کی کاشت کردہ زمینوں پر کاشتکاری کی اجازت دے دی جائے۔ آپ ﷺ نے ان کی عرض قبول فرمائی اور واضح کر دیا کہ ریاست مدینہ جب چاہے یہ زمینیں خالی کروا سکتی ہے۔ اس مہم میں پندرہ (انیس یا بیس) صحابہؓ نے جام شہادت نوش کیا۔ دشمن کے ترانوے آدمی مارے گئے۔ یہودیوں کے ساتھ یہ شرائط طے پائیں۔

۱۔ یہودی آئندہ سے قلعوں میں سکونت اختیار نہیں کریں گے۔
۲۔ وہ اپنے ہتھیار اور جنگی ساز و سامان مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔
۳۔ حکومت مدینہ جب چاہے یہودیوں کو خیبر سے نکال سکے گی۔
۴۔ وہ تمام دفینے ریاست مدینہ کے حوالے کر دیں گے۔
۵۔ اگر یہودی ان شرائط کی خلاف ورزی کریں گے تو عطا کردہ مراعات اور سامان ان سے واپس لے لیا جائے گا۔ اس معاہدہ پر بطور گواہ حضرت صدیق اکبر، عمر فاروق، علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم نے دستخط کئے۔

Marfat.com

فدک اور تیماء: فدک اور تیماء کے یہودیوں نے بغیر لڑائی کے شکست تسلیم کر لی اور ان سے بھی مذکورہ بالا شرائط پر معاہدہ ہو گیا۔ اسی طرح وادی القریٰ کے یہودیوں کو بھی ان کی درخواست پر معاف کر دیا گیا اور مذکورہ بالا شرائط ان پر بھی نافذ تسلیم کی گئیں۔ اب صرف بنو غطفان رہ گئے تھے جن کے ساتھ کوئی معاہدہ طے نہ ہو سکا تھا۔ فدک بغیر جنگ کے ہاتھ لگا تھا اس لئے اسے اللہ اور رسول کا مال قرار دیا گیا۔

سریہ بنو غطفان: ان کی شاخ بنو فزارہ نے بنو محارب اور بعض دیگر قبائل کی مدد سے مسلمانوں کے خلاف تیاری شروع کر دی۔ حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبرؓ کی سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا اور معمولی جھڑپوں کے بعد یہ جیش کامیاب و کامران واپس لوٹا۔ یہ واقعہ شعبان ۷ھ کا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۱۸-۱۱۷، المغازی جلد ۲ صفحہ ۷۲۲)

سریہ عمرؓ بن خطاب: بنو ہوازن کی ایک شاخ مدینہ منورہ کے قریب تربتہ کے مقام پر آباد تھی جو مکہ سے صنعاء و نجران کے راستے پر چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ان لوگوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی سرکردگی میں تیس مجاہدین روانہ فرمائے۔ اسلامی دستہ کی خبر سن کر وہ لوگ پہاڑوں میں بکھر کر رہ گئے اور عمر فاروقؓ بغیر کسی تصادم کے واپس مدینہ لوٹ آئے۔

سریہ غالبؓ بن عبداللہ: نجد کے کنارے **المیفعہ** میں آباد بنو عوال اور بنو عبد بن ثعلبہ نے سرکشی کی ٹھانی جن کی سرکوبی کے لئے حضرت غالبؓ بن عبداللہ اللیثی کی قیادت میں رمضان ۷ھ میں ایک سو تیس مجاہدین روانہ فرمائے گئے۔ دشمن نے معمولی جھڑپ کے بعد شکست مان لی اور معافی کا خواستگار ہوا پس انہیں معاف کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۱۹)

مسئلہ قضائے فجر کا حل: خیبر سے واپسی پر ایک دن اسلامی لشکر پر نیند غالب تھی اس لئے نماز فجر پڑھی نہ جا سکی اور دن نکل آیا۔ حضور ﷺ سب سے پہلے جاگے اور آپ ﷺ نے صحابہ کو جگایا۔ پھر فجر کی نماز باجماعت پڑھائی اور فرمایا کہ اگر فجر کی نماز کے لئے آنکھ نہ کھلے تو جب آنکھ کھلے قضا کی بجائے "ادا" نماز پڑھ لینی چاہئے۔ (مکی مدنی ماہی صفحہ ۴۲۷)

سریہ بشیرؓ بن سعد انصاری: خبر ملی کہ **عیینہ** بن حصن الفزاری بنو غطفان کے بعض دیگر قبائل سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ خبر بشیرؓ بن سعد لائے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کے بعد بشیرؓ بن سعد کی قیادت میں ہی تین سو آدمیوں کا جیش ماہ شعبان یا شوال ۷ھ میں یمن کے مقام "الجناب" کی طرف روانہ فرمایا۔ وہ لوگ میدان سے غائب

Marfat.com

ہو گئے لیکن مراجعت کے وقت راستے میں اسلامی لشکر پر حملہ آور ہو گئے۔ سخت لڑائی ہوئی۔ وہ لوگ ماہر تیر انداز تھے اس لئے بہت سے صحابہؓ زخمی ہو گئے تاہم ان کے دو آدمی مارے گئے کچھ قید ہوئے اور باقی فرار ہو گئے۔ (الواقدی کتاب المغازی جلد ۲ صفحہ ۷۷ تا ۷۹)

سریہ ابن ابی العوجاء السلمیؓ: انہی دنوں اسلامی ریاست کے مخالفین بنو سلیم کو سرکشی سے باز رکھنے کے لئے آپ ﷺ نے ابن ابی العوجاء کی قیادت میں پچاس مجاہدوں کا ایک دستہ روانہ فرمایا۔ بنو سلیم نے سخت مزاحمت کی، خوب تیر برسائے۔ مسلمانوں نے تیروں کی بارش میں بھی اسلامی تبلیغ کا فریضہ انجام دیا لیکن جب ان پر کوئی اثر نہ ہوا تو بھرپور لڑائی ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کا بھی خاصا نقصان ہوا۔ لیکن بنو سلیم کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۲۳)

سریہ غالبؓ بن عبداللہ اللیثی: بنولیث کی ایک شاخ بنو الملوح جو الکدید میں سکونت پذیر تھی، نے بھی اسلام دشمن سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا آپ ﷺ نے ماہ صفر ۸ھ میں حضرت غالبؓ بن عبداللہ اللیثی کی کمان میں بارہ صحابہؓ پر مشتمل ایک دستہ روانہ فرمایا جس نے کامیابی سے بنو الملوح کی سرکوبی کی اور بعض کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ ساتھ لے آئے۔ (واقدی۔ المغازی جلد ۲ صفحہ ۷۵۱ تا ۷۵۳)

فدک کے قبائل کی سرکوبی: انہی دنوں حضرت غالب بن عبداللہ کی قیادت میں دو سو صحابہؓ کا ایک لشکر فدک کے ان قبائل کی سرکوبی کے لئے بھیجا جنہوں بشر بن سعد انصاری کے لشکر پر مراجعت کے دوران اچانک حملہ کر کے اسے نقصان پہنچایا تھا۔ چنانچہ یہ مہم باغیوں کو قرار واقعی سزا دے کر واپس آئی۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۱۲۶)

سریہ کعبؓ بن عمیر الغفاری: آپ ﷺ نے ربیع الاول ۸ھ میں حضرت کعب بن عمیرؓ کی قیادت میں پندرہ صحابہؓ کا ایک دستہ شام کے ایک مقام "ذات اطلاح" کی طرف روانہ فرمایا کیونکہ وہاں کچھ لوگ خلاف اسلام سرگرمیوں میں ملوث تھے۔ یہ دستہ مقررہ مقام پر پہنچا تو وہاں بہت سے قبائل جمع تھے۔ جن کو اسلام کی دعوت دی گئی۔ جس کا جواب تیروں سے دیا گیا۔ اس جنگ میں تمام مسلمان شہادت پا گئے۔ صرف ایک زخمی زندہ بچا۔ حضور علیہ السلام کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ایک مضبوط لشکر بھیجنے کی تیاری کی۔ اسی اثناء میں ان قبائل کے تتر بتر ہونے کی اطلاع ملی اور آپ ﷺ نے انہیں معاف کر دیا۔ (کتاب المغازی جلد ۲ صفحہ ۷۵۲۔ ۷۵۳)

سریہ شجاعؓ بن وہب الاسدی: مقام السی کے قبیلہ بنو عامر نے بھی ریاست مدینہ کے خلاف

Marfat.com

بغاوت کا عزم کیا۔ ربیع الاول ۸ھ میں حضرت شجاعؓ بن وہب کی سرکردگی میں چوبیس مجاہدین کا ایک دستہ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔ لیکن وہ لوگ مقابلہ کئے بغیر منتشر ہو گئے۔ اگرچہ انہوں نے بعد میں بھی بار بار سرکشی کی لیکن ریاست مدینہ کا وہ کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔

فتح خیبر اور مکہ کے مشرکین: ان میں سے حجاج بن علاط سلمی جو خاصا مالدار تھا۔ سفر کے بہانے مکہ سے چلا اور خیبر پہنچ کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور پھر عرض کی کہ میرے اسلام کو ظاہر نہ کیا جائے تاکہ میں مکہ جا کر اپنے قرضے لوگوں سے وصول کرنے کے بعد مدینہ آ سکوں۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ وہ مکہ آئے قرضے وصول کئے اور گھر کی ضروری متاع لے کر مدینہ آ گئے۔ آنے سے پہلے انہوں نے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو فتح خیبر کا سارا حال بتا دیا اور اپنے مسلمان ہو جانے کا بھی بتلایا۔ قریش کو یہودیوں کی شکست کا بڑا دکھ ہوا۔ نیز وہ حجاجؓ بن علاط کے منصوبہ کی کامیابی پر بھی بڑے دکھی ہوئے۔

فتح خیبر کے نتائج: فتح خیبر کے بعد خیبر کی ساری زمین مسلمانوں کی ملکیت تسلیم کی گئی لیکن یہودی کاشتکاروں نے اسے بٹائی پر رکھ لیا تھا۔ حضورؐ فصل پکنے پر حضرت عبداللہ بن رواحہ کو مسلمانوں کا حصہ حاصل کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ وہ ہر پیداوار کے دو برابر حصے کر کے یہودیوں کو اختیار دیتے کہ جونسا ڈھیر چاہیں لے لیں۔ اس انصاف پسندی نے یہودیوں کو بہت متاثر کیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ایسے عدل کی وجہ سے ہی زمین و آسمان اپنی جگہ قائم ہیں۔

خیبر کی ساری زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی۔ اس میں حضور ﷺ کا خمس بھی تھا۔ خمس کے علاوہ حضور ﷺ کے لئے ایک خاص حصہ بھی متعین تھا جسے "صفی" کہتے ہیں۔ اس کی بناء پر آپ ﷺ نے حی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن ربیع کی بیوی (جو اسیروں میں شامل تھیں) کو لے لیا اور آزاد کر کے اسے اپنے نکاح میں لے آئے۔ فتح کے بعد بھی آپ ﷺ کچھ عرصہ خیبر میں ٹھہرے۔

یہود کی پہلی شرارت: مرحب کی بھاوج، حرث کی بیٹی اور اسلام بن مشکم کی بیوی زینب نے حضور ﷺ کی دعوت کی۔ آپ ﷺ نے قبول فرمالی۔ اس نے بکری کے گوشت کا سالن پکایا اور اس میں زہر ملا دیا۔ آپ ﷺ نے پہلا لقمہ چکھتے ہی ہاتھ روک کر فرمایا کہ مجھے بکری کی ہڈیوں نے بتایا ہے کہ سالن میں زہر ڈالا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بشرؓ بن براء بن معرور نے دو ایک لقمے نگل لئے تھے چنانچہ وہ شہادت پا گئے۔ زینب نے پوچھنے پر اعتراف کیا کہ اس نے زہر اس لئے ڈالا تھا کہ آپ سچے نبی ہوں گے تو کھانا نہ کھائیں گے۔ بہر حال زینب کو بشر بن براء کے قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ (سیرۃ النبی جلد اصفحہ ۴۹۳)

لیکن اکبر شاہ خاں، نجیب آبادی اپنی کتاب تاریخ اسلام (جلد اول صفحہ ۲۰۷) م...

Marfat.com

حضرت بشر کے ورثاء نے زینب کو معاف کر دیا تھا۔

کنانہ بن ربیع کا قتل: جب مسلمان لشکر قلعہ ناعم پر چڑھ دوڑا تو حضرت محمود بن مسلمہ لڑائی سے تھک کر قلعے کی دیوار کے ساتھ ستانے کو بیٹھ گئے تھے کنانہ بن ربیع نے ان کی بے خبری میں ان پر قلعہ کی دیوار کے اوپر سے چکی کا وزنی پاٹ گرا دیا۔ جس کے صدمے سے حضرت محمود شہید ہو گئے۔ فتح خیبر کے بعد کنانہ بن ربیع کو ان کے بھائی محمدؓ بن مسلمہ کے حوالے کر دیا گیا جنہوں نے اسے ہلاک کر دیا۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۴۹۴۔۴۹۵ بحوالہ طبری صفحہ ۱۵۸۲)

بعض روایات میں ہے کہ کنانہ کو خفیہ خزانہ کا پتہ نہ بتلانے پر قتل کیا گیا۔ حالانکہ جب زینب کو حضور علیہ السلام نے آپ کی ذات پر مہلک وار کرنے کے باوجود معاف کر دیا تھا تو کنانہ کو خزانے کی خاطر کیسے قتل کروا سکتے تھے۔ لہٰذا ٹھیک بات یہی ہے کہ اسے محمود بن مسلمہ کے قصاص میں قتل کیا گیا۔

حضرت صفیہؓ کے ساتھ نکاح: صحیح بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد اسیروں میں حضرت صفیہ بھی تھیں۔ حضرت دحیہ کلبی حاضر ہوئے اور ایک لونڈی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے ایک لونڈی لے لینے کی اجازت دے دی۔ جا کر انہوں نے صفیہ کو چن لیا۔ جس پر صحابہ کرامؓ نے اعتراض کیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! وہ تو آپ کے لائق ہے۔ دحیہ کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ نہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے صفیہ کو آزاد کر کے فرمایا کہ چاہے وہ اپنے گھر چلی جائیں یا آپ کے ساتھ نکاح کر لیں۔ چنانچہ صفیہؓ نے آپ ﷺ کے نکاح میں آنا قبول کیا۔ محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت صفیہ سے نکاح آپ ﷺ نے یہودیوں کے دل جیتنے کے لئے فرمایا تھا۔ کیونکہ وہ ان کے معزز سردار حی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ اور ایک اور یہودی سردار کی بیوی تھیں۔ حضور ﷺ کے اس اقدام سے حالات میں قدرے بہتری کے آثار پیدا ہونے لگے۔

غزوۂ خیبر اور فقہی مسائل: (۱) اس موقع پر پنجہ دار پرندے حرام قرار دیئے گئے۔ (۲) درندے حرام قرار دیئے گئے۔ (۳) گدھا اور خچر بھی حرام ہو گئے۔ (۴) اب تک رواج یہ تھا کہ لونڈی ملک میں آتے ہی اس سے صحبت کرنا جائز سمجھا جاتا تھا۔ اب حکم ہوا کہ اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل تک انتظار کیا جائے ورنہ کم از کم ایک ماہ بعد صحبت کی جائے۔ (۵) بعض روایات میں ہے کہ متعہ بھی اسی غزوہ میں حرام ہوا۔ (۶) سونے چاندی کو "بہ تفاضل" خرید نا حرام ہو گیا۔ (سیرت النبی جلد ۲ صفحہ ۵۰۱۔۵۰۲)

مہاجرین حبشہ کی آمد: اسی غزوہ کے دوران حبش سے مسلمان مہاجرین حضرت جعفر طیارؓ کی سرکردگی میں نجاشی کا خط لے کر پہنچ گئے۔ ان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کے باون ترپن ساتھی بھی شامل تھے آپ ان سے مل کر بہت خوش ہوئے۔

Marfat.com

عمرہ کی ادائیگی: فتح خیبر کے بعد ماہ شوال ۷ھ تک آپ مدینہ میں رہے۔ آپ ﷺ نے ماہ ذی قعدہ کے شروع میں صلح حدیبیہ میں شامل صحابہ کرامؓ کو مکہ کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ حتیٰ کہ دو ہزار صحابہؓ کا جم غفیر عمرہ کی غرض سے مکہ کی طرف چلا۔ مدینہ کا عامل حضرت ابوذر غفاری کو مقرر فرمایا۔

جب یہ عازمین عمرہ مکہ سے آٹھ میل دور "بطن یاجج" پہنچے تو آپؐ نے ان کا اسلحہ وہاں جمع کروالیا جس کی حفاظت پر دو سو صحابہؓ کو مقرر فرمایا اور باقی بزرگوار مکہ کی طرف چلے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ حضور کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے۔

"مشرکو! آج سامنے سے ہٹ جاؤ۔ اگر اس بار بھی تم نے ہمیں آنے سے روکا تو ہم تلواروں کے جوہر دکھائیں گے۔ جو سروں کو تکیوں سے الگ کردیں گے اور یار کو یار بھلا بیٹھے گا۔

سنت رمل: کفار مسلمانوں کو یثرب کی آب و ہوا کی وجہ سے دبلے پتلے اور کمزور تصور کئے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ طواف کعبہ میں پہلے تین چکر اکڑ کر چلتے ہوئے لگائیں۔ اکڑ کر چلنے کو عربی میں "رمل" کہتے ہیں۔ اس سنت کو آج بھی ادا کیا جاتا ہے اور طواف میں پہلے تین چکر اکڑ کر چلتے ہوئے پورے کئے جاتے ہیں۔ مشرکوں کو مسلمانوں کے عمرہ کرنے کا بہت دکھ تھا۔ مگر معاہدے کی وجہ سے وہ کچھ کر نہ سکتے تھے۔ مکہ کے بعض سردار تو مکہ معظمہ سے نکل کر پہاڑوں میں چلے گئے تھے تاکہ اسلام کی شان دیکھنے سے بچ سکیں۔

میمونہ بنت حارث سے حضور ﷺ کا نکاح: عمرہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی سالی حضرت میمونہ بنت حارث کے ساتھ نکاح فرمایا۔ (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۲۱۱ از اکبر شاہ خاں)

مسلمان مکہ میں تین دن ہی قیام کر سکتے تھے۔ چوتھے دن اہل مکہ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ حضور علیہ السلام کو مکہ سے کوچ کر جانے کا پیغام دیا۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۵۰۴) آپ ﷺ اس وقت انصار کی مجلس میں تشریف فرما تھے اور سعدؓ بن عبادہ سے مصروف گفتگو تھے۔ قریش کے پیغام پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

"میں نے یہاں ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ اور ابھی رخصتی نہیں ہوئی۔ اگر اجازت دو تو یہاں ولیمہ کر کے سب اہل مکہ کی دعوت کروں۔ پھر ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

لیکن مشرک نہ مانے اور معاہدہ کی شرط یاد دلائی چنانچہ آپ نے کوچ کا حکم دیا اور حرم کی حدود سے نکل کر "وادی سرف" میں خیمہ زن ہو گئے۔ حضرت میمونہ اسی جگہ اسلامی قافلے کے ساتھ آن ملیں۔

خالہ اور ماں: جب مکہ سے چلنے لگے تو حضرت حمزہؓ کی ننھی بچی حضرت امامہ دوڑ کر حضور کے پاس آئیں اور عرض کی کہ چچا جان مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ حضرت علیؓ نے ان کو اٹھا کر

Marfat.com

اپنے کجاوے میں بٹھا لیا- ادھر حضرت جعفرؓ طیار اور زید بن حارث بھی اس بچی کے حق پرورش کے دعویدار تھے حضرت جعفر کی بیوی بچی کی خالہ تھی- حضور علیہ السلام نے سب کے دعوے سنے تو حضرت جعفر طیارؓ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا کہ امامہ اپنی خالہ کے پاس رہے گی- پھر فرمایا: خالہ بھی ماں کے برابر ہوتی ہے- (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۵۰۴)

۸ھ کے اہم واقعات

موتہ کی جنگ: جمادی الاول ۸ھ میں یہ سریہ واقع ہوا- مگر لشکر کی کثرت کی وجہ سے اسے غزوہ کہا جاتا ہے- وجہ یہ بنی کہ حضور علیہ السلام نے اپنا نامہ مبارک حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کے ہاتھ امیر بصریٰ یا قیصر روم کے نام بھیجا- قاصد جب موتہ پہنچا تو وہاں کے حاکم شرجیل بن عمرو غسانی نے اسے شہید کر دیا- وہ قیصر روم کی طرف سے شام میں گورنر تھا- حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ خبر پہنچی تو آپ کو بہت دکھ ہوا- چنانچہ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں تین ہزار کا ایک لشکر روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب فوج کے کمانڈر ہوں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو فوج کے سالار عبداللہ بن رواحہ ہوں گے- نیز ارشاد فرمایا کہ جہاں حارث بن عمیر کو شہید کیا گیا تھا- اسی جگہ پہلے جانا اور شرجیل کو دعوت اسلام دینا اگر اسلام قبول کر لیں تو جنگ نہ کرنا-

اس لشکر کو آپ ﷺ ثنیۃ الوداع تک رخصت کرنے گئے- شرجیل نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ "بلقا" میں "ماب" کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے اور ایک لاکھ مزید قیصر روم کی فوج آ گئی- اسلامی لشکر شہر "معان" پہنچا تو کثرت کفار کی اطلاع ملی- چنانچہ مشورہ کیا گیا کہ حضور علیہ السلام کو اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے- حضرت عبداللہؓ بن رواحہ بولے کہ فتح و شہادت کی امید پر آگے بڑھنا چاہئے چنانچہ یہ لشکر بلقاء کے قریب جا پہنچا تو لشکر شرجیل سے کنی کترا کر اسلامی لشکر موتہ کی طرف نکل گیا اور یہاں پر کفر و اسلام کا یہ یادگار معرکہ برپا ہوا- حضرت زیدؓ، جعفرؓ اور عبداللہؓ بن رواحہ یکے بعد دیگرے شہید ہوئے- حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں کشفی طور پر جنگ کا حال ملاحظہ فرما رہے تھے اور بتلا رہے تھے کہ جعفر کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دی گئیں اب جعفر کا دایاں بازو کٹ گیا اور علم بائیں ہاتھ میں لے لیا- بایاں ہاتھ کٹنے پر جھنڈا انہوں نے بغل میں دبا لیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جعفرؓ کی لاش پر نوے سے زیادہ زخم شمار کیے تھے-

حضرت جعفرؓ کو طیار کہنے کی وجہ: حضور علیہ السلام نے شہادت کے بعد حضرت جعفرؓ کو بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھا- دوسری روایت میں ہے کہ ان کو فرشتہ کی صورت دو خون آلود بازوؤں (پروں) کے ساتھ دیکھا- اسی لئے حضرت

Marfat.com

جعفرؓ کو جعفر طیار یا ذوالجناحین کہتے ہیں۔ عبداللہؓ بن رواحہ کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید کو فوج کا قائد بنایا گیا اور انہوں نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ اس روز ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ تینوں کمانڈروں کی شہادت کے بعد حضرت ثابتؓ بن اقرم نے جھنڈا لے لیا۔ لوگوں نے انہیں لشکر کا سردار بننے کو کہا لیکن انہوں نے خالد بن ولید کا نام لیکر یہ ذمہ داری ان پر ڈال دی۔ حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں پینترے بدل بدل کر دشمن کو زک پہنچانے کی کوشش جاری رہی اور کفار کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ لیکن ادھر حکمت عملی کے تحت لشکر اسلام پسپائی اختیار کرتا ہوا دو لاکھ کے مقابلہ میں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس معرکے میں صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے مسلمانوں کو اس جنگ میں کچھ مال بھی ہاتھ لگا۔ (تاریخ اسلام جلد اول از اکبر شاہ خاں ۵۱۵-۵۱۶، سیرت رسول عربی از توکلی صفحہ ۱۹۸-۱۹۹)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جنگ کا نقشہ دکھایا۔ آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ زید شہید ہوئے پھر جعفرؓ نے جھنڈا سنبھالا اور شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا لے لیا حتیٰ کہ شہید کر دیئے۔ جعفرؓ اور عبداللہ کو بھی اللہ نے بخش دیا ہے۔ یہ سب جنت میں سنہری تخت پر جا بیٹھے۔ اب جھنڈا **سیف من سیوف اللہ** یعنی خالد بن ولید کے پاس ہے اور مسلمانوں کو کفار پر فتح دی۔ "**فتح اللہ علیہم**" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ مسلمان اس معرکہ میں غالب رہے تھے۔ اسی ارشاد مبارک کی روشنی میں حضرت خالدؓ کو سیف اللہ کہا جانے لگا حالانکہ وہ آپ کے ارشاد کے بہت عرصہ بعد واپس مدینہ پہنچے تھے۔ جب یہ لشکر واپس مدینہ منورہ پہنچا تو حضور علیہ السلام نے اس کو خوش آمدید کہا اور خالدؓ بن ولید کو سیف اللہ کے خطاب کی خوشخبری دی۔ موتہ کی جنگ اسلامی جنگوں میں بڑی اہمیت کی حامل ہے جس میں تین ہزار کے اسلامی لشکر نے دو لاکھ اہل باطل کو لرزا کر رکھ دیا۔

جنگ قضاعہ: جمادی الثانی ۸ھ میں شام کی سرحد کے قریب قبیلہ بنو قضاعہ کی طرف سے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی خبر ملی تو حضور علیہ السلام نے حضرت عمرو ابن العاص کو تین سو صحابہ کرام کا لشکر دیکر ادھر روانہ فرمایا۔ یہ لشکر رات کو سفر اور دن کو چھپ کر آرام کرتا ہوا دشمنوں تک جا پہنچا اور دیکھا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ ایک شخص کو کمک کی غرض سے مدینہ منورہ بھیجا۔ جب کمک پہنچ گئی تو اسلامی لشکر نے دشمن پر بھرپور حملہ کر دیا۔ کمک کے سالار حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح تھے دشمن کا لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مسلمان بہت سا مال غنیمت لیکر بخیر و عافیت واپس مدینہ آ گئے۔

جہنیہ کی سرکوبی: اسی سال مدینہ منورہ سے پانچ منزل کی راہ پر سمندر کے کنارے آباد قبیلہ جہنیہ نے مدینہ پر حملے کا ارادہ کیا جس کی سرکوبی کے لئے حضور علیہ السلام نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی قیادت میں تین سو کا لشکر روانہ فرمایا۔ دشمنوں کو اسلامی لشکر کا پتہ چلا تو کانپ اٹھے اور بغیر لڑائی کئے یہ اسلامی لشکر کامیاب و کامران لوٹا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں جلد اول صفحہ ۵۱۷)

Marfat.com

مکہ مکرمہ کی فتح

یہ غزوہ رمضان المبارک ۸ھ میں وقوع میں آیا کیونکہ قریش نے صلحنامہ حدیبیہ توڑ دیا تھا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کو ان کے چچا سات آٹھ سال کی عمر میں مدینہ سے مکہ لائے تھے اور ہاشم کے مکانات پر ان کو قابض کرا دیا جب مطلب (چچا) کی وفات ہوئی تو عبدالمطلب کے چچا نوفل نے وہ مکانات اُن سے چھین لئے۔ عبدالمطلب نے قریش سے مدد چاہی مگر انہوں نے چچا بھتیجا کے معاملے میں دخل اندازی سے گریز کا بہانہ بنا کر پہلو تہی کی۔ چنانچہ عبدالمطلب نے اپنے ننھیال یعنی بنو نجار کو مدینہ میں اطلاع دی۔ چنانچہ ان کے چالیس بہادر ابو سعید بن عدس نجاری کی سرکردگی میں مکہ پہنچے۔ نوفل کو حطیم میں بیٹھا پایا۔ ابو سعید نے وہیں لوگوں کے روبرو اس کے سر پر تلوار رکھ دی اور کہا کہ ہمارے بھانجے کے مکانات چھوڑ دو ورنہ ابھی تمہارا فیصلہ کر دوں گا۔ نوفل نے مکانات واپس کر دیئے مگر خود کو بے بس محسوس کر کے آئندہ کے لئے بنو ہاشم کے خلاف عبد شمس کے بیٹوں کو حلیف بنا لیا۔ اس پر حضرت عبدالمطلب نے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کے خلاف بنو خزاعہ کو اپنا حلیف بنا لیا۔ عبد مناف کی ماں خزاعی سردار حلیل کی بیٹی تھی۔ اس نے بھی اس حلف کی تائید کی اور دارلندوہ میں یہ معاہدہ لکھا گیا۔

صلحنامہ حدیبیہ میں فریقین کے ساتھ انہی شرائط کے تحت دوسرے قبائل بھی حلیف بن سکتے تھے۔ چنانچہ بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے اور بنو خزاعہ اپنا پرانا معاہدہ دکھا کر حضور علیہ السلام کے حلیف بن گئے۔ ان قبائل میں سخت دشمنی جاری تھی۔ ظہور اسلام کے بعد بنو بکر کی شاخ بنو نفاثہ نے پرانی دشمنیاں نکالنا چاہیں۔ چنانچہ نوفل بن معاویہ وئلی بکری ---- ایک رات بنو نفاثہ کو ساتھ لیکر بنو خزاعہ کے علاقہ "آب وتیر" پر حملہ آور ہوا قریش نے حسب معاہدہ بنو بکر کی مدد کی حتیٰ کہ بنو خزاعہ نے عاجز آکر حرم میں پناہ لی۔ بنو بکر حرم کا احترام کرتے ہوئے جنگ سے رک گئے۔ لیکن نوفل بن معاویہ نے موقع کو غنیمت جانا اور حرم میں بھی بنو خزاعہ کا قتل عام جاری رکھا۔ عمرو بن سالم خزاعی فریاد لیکر حضور علیہ السلام کے پاس مدینہ پہنچا اور بنو بکر کی زیادتی اور قریش کی طرف سے معاہدہ حدیبیہ توڑنے کی شکایت کی۔ حضور علیہ السلام نے ان کی مدد کا وعدہ فرما لیا۔ آپ ﷺ نے حضرت ضمرہ کو قریش کے پاس بھیج کر یہ تین شرطیں پیش کیں:

۱۔ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا دیا جائے ---- یا

۲۔ بنو نفاثہ کی مدد سے دست بردار ہو جائیں ---- یا

۳۔ اعلان کر دیں۔ کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ گیا ----

جواب میں قرطہ بن عمرو نے کہا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے۔ جب حضور علیہ السلام کو یہ چیلنج ملا تو آپ نے جنگ کی تیاری پوشیدہ طور پر شروع کر دی۔ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ لخمی بنو اسد بن عبدالعزیٰ کے حلیف تھے چنانچہ انہوں نے بنو ہاشم کی ایک کنیز سارہ کے ہاتھ قریش کو ایک خط بھیجا اور جنگی تیاری سے

Marfat.com

کا پتہ چلا تو آپ نے سارہ کے تعاقب میں حضرت علیؓ، حضرت مقداد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور فرمایا کہ روضہ خاخ میں ایک سانڈنی سوار عورت تمہیں ملے گی اس سے وہ خط لے آؤ۔ چنانچہ تینوں حضرات نے سارہ کی ہر طرح تلاشی لی مگر خط نہ ملا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے غلط نہیں کہا۔ خط دیدو ورنہ ہم زیادہ سخت تلاشی لینے پر مجبور ہوں گے۔ آخر سارہ نے اپنے سر کے بالوں میں سے خط نکال کر ان کے حوالے کر دیا۔ مدینہ میں حضور کو یہ خط مل گیا تو آپ نے حاطبؓ سے جواب طلبی فرمائی۔ انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ میرے بال بچے مکہ میں ہیں۔ قریش میں میرا کوئی حامی نہیں۔ اس لئے بچوں کی حفاظت کے نقطہ نظر سے قریش پر یہ احسان کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ میں خدانخواستہ مرتد نہیں ہوا۔ عمر فاروقؓ ---- نے ان کا سر قلم کرنے کی اجازت مانگی ---- مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حاطبؓ، اصحاب بدرؓ میں سے ہے اور اہل بدر کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ----! **عملوا ما شئتم فقد غفرت لکم** (بحوالہ صحیح بخاری) یعنی تم جو چاہے کرو۔ البتہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔

اسلامی لشکر ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ دس ہزار کا یہ لشکر جب بمقام جحفہ پہنچا تو وہاں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ جو مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ میں رہ رہے تھے، مدینہ کو ہجرت کی غرض سے جاتے ہوئے معہ بال بچے، وہاں آپ ﷺ سے ملے اور حضور کے ارشاد سے اپنے بال بچوں کو مدینہ کی طرف بھیج دیا اور خود لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ اگلا پڑاؤ قدید تھا یہاں قبائل کو جھنڈے دیئے گئے۔ آخری پڑاؤ **مرالظہران** تھا جہاں سے مکہ معظمہ ایک منزلہ (یا کم) تھا رات کو یہاں اسلامی فوج نے حضورؐ کے ارشاد سے الگ الگ آگ روشن کی۔ مکہ والوں کے کان میں اس لشکر کی بھنک پڑ چکی تھی۔

چنانچہ ابو سفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء تجسس کی غرض سے ادھر آنکلے۔ اور آگ کی زیادہ روشنی دیکھ کر طرح طرح کے خیال دوڑانے لگے۔ حضور ﷺ کے حفاظتی دستہ نے ابو سفیان کو کہیں دیکھ لیا اور پکڑ کر آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔ ابو سفیان فوراً ایمان لے آئے۔ جب اسلامی لشکر کو کوچ کا حکم دیا تو حضرت عباسؓ ابو سفیان کو لیکر پہاڑ کی چوٹی پر بحکم حضور جا کھڑے ہوئے۔ تاکہ وہ خدائی افواج کا معائنہ کر لیں۔ پہلے بنو غفار پھر جہنیہ، پھر سعد بن ہذیل اور بنو سلیم وغیرہ نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے باری باری گزرے۔ پھر انصار کی شان دار فوج گزری جسکا علم ان کے سردار سعدؓ بن عبادہ کے پاس تھا۔ انہوں نے ابو سفیان سے کہا:

الیوم یوم الملحمۃ۔ الیوم تستحل الکعبہ

"یعنی آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔

آخر میں حضور علیہ السلام اور مہاجرین کا دستہ تھا۔ ان کا علم حضرت زبیر بن العوام کے پاس تھا۔ ابو سفیان نے حضور علیہ السلام سے کہا کہ سعد بن عبادہ کیا کہتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ سعد بن عبادہ

Marfat.com

کے بیٹے قیس کو دے دیا جائے۔

اسلامی لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو مکہ میں بالائی جانب سے داخل ہونے کا منصوبہ بنایا آپ ﷺ نے اعلان کروادیا کہ:

۱۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے ----یا

۲۔ ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے لے ----یا

۳۔ مسجد میں داخل ہو جائے ----یا

۴۔ گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ جائے ----

اس کو امن دیا جائیگا۔

رسول اللہ ﷺ کا خیمہ خیف بنی کنانہ یعنی محصب میں نصب کیا گیا اور حسب ارشاد ﷺ حضرت زبیر بن العوام نے محصب کی حد یعنی حجون کی پہاڑی پر اسلامی علم گاڑ دیا۔ خالدؓ بن ولید حضور ﷺ کے حکم سے قبائل عرب کے ساتھ پائین شہر کی طرف سے داخل ہوئے اور صفا کے مقام پر پھر مل گئے راستہ میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابو جہل اور سہیل بن عمرو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ سامنے آگئے اور راستہ روکا اور حضرت خالدؓ بن ولید کے دستہ پر تیر برسانے لگے۔ اور جنگ ہوئی۔ جس میں حبیشؓ بن اشعر اور کرزؓ بن جابر الفہری نے جام شہادت نوش کیا اور مشرکین تیرہ یا زیادہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے اور بعض پہاڑی پر چڑھ گئے اور کچھ لوگ گھروں میں جا گھسے۔ حضور ﷺ کو پتہ چلا تو حضرت خالد کی جواب طلبی کی۔ جب معلوم ہوا کہ پہل قریش نے کی تھی تو فرمایا۔ "اللہ کو یہی منظور تھا"۔

رسول اللہ ﷺ کی سواری:

حضور علیہ السلام نے اپنے خیمہ میں کچھ دیر آرام فرمایا۔ پھر غسل کیا پھر ہتھیاروں سے سج دھج کر "قصویٰ" نامی ناقہ پر سوار ہوئے۔ اپنے پیچھے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ کو سوار کر لیا۔ رسول اللہ کی سواری بڑی شان و شوکت سے کعبتہ اللہ کی طرف چلی۔ آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے صحابہ کرامؓ مسلح اور سراپا آہن پوش تھے اور بدوں آنکھوں کے چہرہ اور بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔ بیت اللہ شریف میں پہنچ کر حضور علیہ السلام نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر ناقہ پر سوار ہو کر طواف کیا۔ اس وقت بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ ایک لکڑی سے ایک ایک بت کو چوٹ لگاتے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا جاء الحق وما یبدی الباطل وما یعید

"حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل کو مٹنا ہی ہوتا ہے۔ حق آیا اور باطل سے نہ پہلی بار کچھ آغاز ہوتا ہے اور نہ وہ دوبارہ پلٹ کر کچھ کر سکتا ہے"۔

آپ ﷺ کے اشارے سے بت اوندھے منہ گرتے جا رہے تھے۔ آپؐ نے کعبہ کے کلید

Marfat.com

بردار عثمان بن طلحہ سے کنجی لیکر دروازہ کھولا اور دیکھا کہ اندر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے مجسمے پڑے تھے۔ جن کے ہاتھوں میں پانسے کے تیر تھے۔ حضورؐ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا اللہ ان کو غارت کرے۔ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے تیروں سے کبھی جوا نہیں کھیلا تھا۔ کعبہ کے اندر لکڑی کی بنی ہوئی کبوتری کو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے توڑ ڈالا اور تصاویر کو مٹا دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ حضرت اسامہ اور بلال اور عثمان بن طلحہ آپ ﷺ کے ساتھ اندر رہے۔ آپ ﷺ نے وہاں نماز ادا کی اور ہر طرف تکبیر کہی۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ مسجد حرام میں اہل اسلام کا جم غفیر تھا۔ آپ ﷺ نے یہاں کعبۃ اللہ کے دروازے کے بازوؤں کو پکڑ کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔---

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وحزم الاحزاب وحدہ الا کل ماثرۃ او دم او مال یدعی فھو تحت قدمی ھاتین الا سدانۃ البیت وسقایۃ الحاج الا و قتل الخطا شبۃ العمد بالسوط والعصافیہ الدیۃ مائۃ من الابل منھا اربعون فی بطو نھا اولادھا۔ یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالاباء الناس من آدم وآدم من تراب

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا فرمایا۔ اور اپنے بندے کی مدد کی اور کافروں کے گروہوں کو اکیلے نے شکست دی آگاہ رہو۔ کہ تمام تفاخر یا خون یا مال سب میرے دو قدموں کے نیچے ہیں۔ سوائے کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کی سقایت (کی ذمہ داری کے)--- آگاہ رہو کہ قتل خطا جو کہ قتل عمد کے مشابہ ہو تازیانہ سے یا عصا سے اس کا خون بہا"

"ایک سو اونٹ ہیں۔ جن میں سے چالیس کے پیٹوں میں بچے ہوں۔ اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا غرور اور باپ دادا کی بڑائی کا افتخار دور کر دیا ہے۔ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر (حجرات-۱۳)

یعنی اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں کنبے اور قبیلے بنایا تاکہ

Marfat.com

تمہاری پہچان ہو سکے۔ بیشک تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے خبردار۔

اور یوں مکہ معظمہ مسلمانوں کے لئے فتح ہو گیا۔

فتح مکہ کی پیشگوئی آسمانی کتب میں:

غزل الغزلات باب ۵۔ درس ۱۰میں ہے:

"میرا محبوب گورا چٹا ہے۔ دس ہزار آدمیوں کے درمیان وہ جھنڈے کی طرح بلند کھڑا ہے"۔

عبرانی کی بائبل میں یہ الفاظ ہیں:

خلو محمدیم زہ وودی وزہ رعی۔۔ بلوت یروشلائم

یعنی وہ تو ٹھیک محمد ﷺ ہے میرا خلیل میرا حبیب وہی ہے اے یروشلم کی بیٹیو!

اس ترانے مصنف حضرت سلیمان علیہ السلام جس آنے والے بزرگ کا نام محمد بتاتے ہیں۔ تو اب اس کے اطلاق کی گنجائش حضور علیہ السلام کے سوا کسی اور پر نہیں رہ جاتی۔ مگر افسوس کہ "محمدیم" کا ترجمہ بائبل میں عشق انگیز کیا گیا ہے جو غلط ہے۔

اس پیشگوئی کی تائید کتاب استثناء باب ۳۳ - آیت ۱--۲ سے بھی ہوتی ہے۔ (رحمۃ للعالمین جلد اول صفحہ ۱۵۰-۱۵۱)

خطبہ کے بعد آپ نے قریش کو مخاطب کر کے فرمایا اے گروہ قریش تم مجھ سے اپنے گمان میں کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا۔

خیرا اخ کریم وابن اخ کریم

"یعنی آپ ﷺ سے نیکی کی توقع رکھتے ہیں۔ آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

یہ سن کر رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت جوش میں آگئی اور فرمایا۔

لا تثریب علیکم الیوم اذھبو فانتم الطلقاء

"آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ۔ آج تم آزاد ہو۔"

کلید کعبہ: اس کے بعد حضور علیہ السلام نے بیت اللہ کی کنجی حضرت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کو دوبارہ عنایت فرمائی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے مجھے دعوت اسلام دی۔ میں نے کہا۔ واہ۔ آپ بھی عجیب ہیں کہ مجھے اپنی پیروی کے لئے کہتے ہیں جبکہ آپ نے اپنی قوم کے دین کی مخالفت کی ہے۔ اور نیا دین لائے ہیں۔"

وہ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں ہم پیر اور جمعرات کو کعبہ کا دروازہ کھولا کرتے تھے۔ انہی دنوں

Marfat.com

ایک دن حضور علیہ السلام نے لوگوں کے ساتھ کعبہ میں داخل ہونا چاہا۔ مگر میں نے درشت کلامی کی اور روک دیا۔ آپ نے فرمایا! عثمان۔ ایک دن آئے گا جب کعبہ کی کنجی تو میرے ہاتھ میں دیکھے گا اور میں اسے جہاں چاہوں رکھوں گا"۔ میں نے کہا۔ وہ دن قریش کی ہلاکت کا ہو گا اور اس دن وہ ذلیل ہو جائیں گے"۔ اس پر آپ نے فرمایا---- "نہیں وہ زندہ رہیں گے اور عزت پائیں گے، عثمان بن طلحہ پر آپ کا ارشاد بجلی بن کر گرا۔ اور چاہا کہ مسلمان ہو جاؤں لیکن کفار مکہ نے ان کو سخت سست کہا۔ فتح مکہ کے بعد حضور علیہ السلام نے عثمان بن طلحہ کو اپنا پہلے والا ارشاد یاد دلایا۔ اور اسلام کی دعوت دی اور اس طرح وہ اسلام کے دامن تلے پناہ گزین ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ اب تک کعبہ کی کلید برداری کا منصب حضرت عثمان بن طلحہؓ کے خاندان میں ہی ہے۔

مہاجروں کی املاک: قریش کو عام معافی مل گئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور آپ ﷺ کے جاں نثار بننے کے لئے تیار ہو گئے۔ سونے پر سہاگہ کا کام آپ کے اس ارشاد نے کیا کہ مہاجروں سے فرمایا کہ وہ اپنی ان جائیدادوں سے دست بردار ہو جائیں جن پر قریش قابض ہو گئے تھے۔ (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۵۲۰)

کعبتہ اللہ میں اذان: نماز کا وقت ہوا تو بلالؓ نے اذان کہی جسے سن کر بعض کافروں کو غصہ آگیا۔ عتاب بن اسید بولا۔ میرا باپ، اچھا ہوا۔ یہ آواز سننے سے پہلے ہی مر گیا۔ ایک اور قریشی نے بڑی مایوسی سے کہا۔ "اب تو زندگی بیکار ہے" البتہ عتاب نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔

بیعت کا سلسلہ: بعد میں آپ ﷺ کوہ صفا پر جا بیٹھے۔ جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے آپ ان کو بیعت فرماتے جاتے۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو حضور کی خدمت میں پیش کرنے پر مامور تھے۔ بیعت کے وقت نو مسلموں سے اقرار کروایا جاتا کہ وہ شرک، چوری، زنا اور قتل ناحق سے تائب رہیں گے۔ بیٹیوں کو زندہ دفن نہیں کریں گے اور جھوٹی تہمت نہیں لگائیں اور حضور ﷺ کی پیروی کریں گے۔ عورتوں سے یہ اقرار بھی کروایا جاتا تھا۔ کہ میں غم میں اپنے منہ کو نہیں پیٹوں کی چہرہ اور سر کے بال نہیں نوچوں گی۔ گریبان نہیں پھاڑوں گی وغیرہ---- (رحمتہ اللعالمین جلد ا صفحہ ۱۵۷)

عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ: پانی سے بھرے ہوئے ایک برتن میں آپ ﷺ اپنا ہاتھ ڈبو کر نکال لیتے پھر بیعت کرنے والی خاتون اسی برتن میں ہاتھ ڈال کر بیعت کا اقرار کرتی+ بعض اوقات میں عورتوں سے بیعت اس سے مختلف طریقہ سے بھی لی گئی اور محض زبانی اقرار کو کافی سمجھ کر آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ (ایضاً)

ابو سفیان کی بیوی ہندہ کا اسلام قبول کرنا: یہ بزرگ مائی امیر معاویہؓ کی والدہ اور حضرت

Marfat.com

ابو سفیان کی بیوی تھی جس نے اسلام دشمنی میں حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد ان کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا تھا۔ یہ مائی برقعہ پہن کر حاضر ہوئی اور حضور سے اس طرح بات چیت کی:

حضور ﷺ: کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرانا۔

ہندہ: یہ اقرار آپ ﷺ نے مردوں سے تو لیا نہیں ----- بہرحال ہمیں منظور ہے۔

رحمت عالم ﷺ: چوری نہ کرنا۔

ہندہ: میں اپنے خاوند کے مال میں سے کبھی کبھی بغیر پوچھے کچھ لے لیتی ہوں پتہ نہیں یہ درست ہے یا نہیں۔!

حضور ﷺ: اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہندہ: ہم نے اپنے لاڈلوں کو پال پوس کر جوان کیا تھا۔ جنہیں آپ ﷺ نے جنگ بدر میں قتل کر دیا----!؟!

مائی ہندہ کی دلیرانہ اور کسی حد تک بے بیگانہ باتوں کا آپ ﷺ نے برا نہ مانا۔ کیونکہ آپ ہندہ کے دل کی کیفیات سے بے خبر نہ تھے نیز ایک خود سر جب کسی کا محتاج بنتا ہے تو اسے گھٹن اور رنج کا سامنا تو ہوتا ہی ہے۔ بہرحال مائی ہندہ مسلمان ہو گئی۔ ایسی ظالم عورت کو معاف فرما دینا آپ ﷺ کا ہی حوصلہ تھا۔ سبحان اللہ

دریائے رحمت کا جوش: اگلے دن منہ اندھیرے حضور طواف میں مصروف تھے کہ فضالہ بن عمیر آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آپ کے قریب ہوا۔ آپ نے پہچان کر فرمایا:

کون -----؟ فضالہ ہے؟

فضالہ: جی ہاں

حضور ﷺ: آپ ابھی ابھی دل میں کیا بد خواہی کر رہے تھے؟

فضالہ: کچھ نہیں میں تو ذکر الٰہی کر رہا تھا۔

اس کا یہ جواب سن کر آپ ﷺ مسکرائے اور اسے اللہ سے معافی مانگنے کا کہہ کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

فضالہ کا بیان ہے کہ ہاتھ رکھنے کے بعد میرے دل کو سکون حاصل ہوا۔ اور میرے دل میں حضور ﷺ کی محبت جوش مارنے لگی۔ میں وہاں سے چلا۔ راہ میں میری معشوقہ ملی اس نے مجھے بلایا---- میں نے کہا کہ ہمیں اب ایسے امور سے منع کر دیا گیا ہے۔

فتح مکہ کے بعد چار مردوں اور دو عورتوں کو پرانے جرائم کی پاداش میں قتل کرنے کا اعلان کیا گیا یعنی ابن خطل، عکرمہ بن ابو جہل، ہبار بن اسود اور عبداللہ بن ابی سرح ابن خطل اسلام لانے کے بعد

Marfat.com

غلام کو وقت پر روٹی نہ پکانے کی پاداش میں قتل کر کے مرتد ہو کر مکہ چلا آیا تھا۔ غلام کے قصاص میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ عکرمہ کی بیوی ام حکیم مسلمان ہو کر انہیں یمن سے واپس لائی تھیں۔ اور انہیں پہلے ہی امان مل گئی تھی۔ ہبار نے حضور کی بیٹی زینبؓ کو نیزہ سے زخمی کر کے ان کا حمل گرا دیا تھا اور اسی وجہ سے وہ بعد میں وفات پا گئی تھیں۔ عبداللہ بن ابی سرح وحی کے بارے میں مدعی تھا کہ وہ اس پر نازل ہوتی ہے اور محمد ﷺ اس سے سن کر لکھواتے ہیں۔ بہر حال ان تینوں کو معافی مل گئی دو عورتوں کو بھی قتل کرنے کا اعلان ہوا۔ ایک عورت ابن خطل کی لونڈی تھی جو بڑی گستاخ اور گلوکارہ تھی جو حضور کی ہجویں گاتی تھی۔ اسے قتل کرنے کی یہ وجہ ناقابل یقین قرار دی گئی ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ذاتی دشمنی کی بناء پر کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ (صحیح بخاری عن عائشہ) بہر حال یہ عورتیں کون تھیں۔ روایات میں اختلاف ہے۔ اور نتیجہ یہ اخذ کیا گیا ہے کہ ایک کو قصاص میں قتل اور دوسری کو معاف کر دیا گیا تھا۔ (رحمۃ اللعالمین جلد ا صفحہ ۱۸۹ سیرۃ النبی حاشیہ جلد اول صفحہ ۵۲۲)

فتح مکہ کے نتائج: کچھ قبائل، قریش مکہ اور اہل اسلام کی چپقلش کے نتیجہ کے منتظر تھے۔ تاکہ مجاوران مکہ سے دشمنی نہ بڑھے۔ جونہی مکہ فتح ہوا۔ لوگ جوق در جوق حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کرنے لگے۔ کیونکہ ابرہہ کے زمانہ کے لوگ ابھی زندہ تھے اور ان کو یقین تھا کعبہ پر اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کی مجال نہیں کہ قابض ہو۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد لوگوں نے حضور علیہ اسلام کو سچا نبی ﷺ تسلیم کر لیا اور سورۃ نصر کے مصداق ---- جماعت در جماعت قبول اسلام میں کوشاں ہوئے۔

فتح مکہ اور بت: فتح کے بعد بت توڑ دیئے گئے اور قریش کے نو مسلموں کو حکم دیا کہ وہ گھروں میں رکھے ہوئے بت توڑ کر باہر پھینک دیں۔ پھر حضرت خالدؓ بن ولید کو لشکر دیکر بنو کنانہ کا بت "عزیٰ" توڑنے کے لئے بھیجا۔ جسے آپ نے توڑ کر زمین کے ساتھ ہموار کر دیا۔ بنو ہذیل کا بت سواع حضرت عمروؓ بن العاص نے توڑا۔ اور اس کا پجاری بت کی بے بسی دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ حضرت سعدؓ بن زید اشہلی نے قدید میں جا کر منات نامی بت کو توڑ دیا۔ اسی طرح اور کئی جگہ کے بت بھی توڑ ڈالے گئے۔

کعبے کے بت: آپ ﷺ نے کعبے کے سارے بت تڑوا کر باہر نکلوا دیئے۔ ہبل کو توڑنے کے لئے علی مرتضیٰ کو آپ ﷺ نے اپنے کندھوں پر چڑھایا اور انہوں نے ہبل کو گرا دیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا "علیؓ! کیا محسوس کرتے ہو؟ عرض کیا "یا رسول اللہ! یوں دیکھتا ہوں کہ تمام حجابات اٹھ گئے ہیں اور میرا سر ساق عرش تک بلند ہو گیا ہے۔ اور جدھر ہاتھ بڑھاتا ہوں مطلوب شے میرے ہاتھوں میں آجاتی ہے۔ پھر حضرت علیؓ نیچے کود گئے اور ہنسے۔ آپ نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو کہا حیرت اس بات پر ہے کہ اتنی بلندی سے گرا اور چوٹ تک نہیں آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اٹھانے والے محمد ﷺ اور

Marfat.com

اتارنے والے جبریل ہوں تو چوٹ کیسے آتی؟ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۸۶ اردو ترجمہ مطبوعہ کراچی)

شرعی فیصلے: قیام مکہ کے دوران فاطمہ بنت اسود بن الاسود کی بیٹی نے چوری کی۔ اور اس کا مقدمہ آپ نے فیصل فرمایا۔ کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ سفارشی حضرات و خواتین کی ایک نہ سنی گئی۔ اور فرمایا کہ سابق امتوں پر عذاب اس لئے بھی آتا تھا کہ وہ کمزوروں پر قانون کی گرفت کرتے اور اشراف کو چھوڑ دیتے تھے۔ نیز فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو سزا سے نہ بچ پاتی۔

۲۔ ایک شخص نے فتح مکہ کی خوشی میں بیت المقدس جاکر نماز ادا کرنے کی منت مانی تھی۔ حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ تم کعبتہ اللہ میں نماز ادا کرکے یہ منت پوری کرلو۔ کیونکہ بیت المقدس میں ایک نماز کا ثواب ہزار نماز کے برابر ہے۔ جبکہ کعبتہ اللہ میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کا ثواب رکھتی ہے۔ اور مسجد نبوی کی ایک نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۵۰۹)

۳۔ اسی دوران شراب، خنزیر اور بتوں پر چڑھاوے کا کھانا حرام قرار دیا گیا۔ اسی طرح مردار کی چربی اور مردار کی فروخت حرام کی گئی۔

اسلام قبول کرنے والے بعض افراد: عام معافی کے اعلان کے بعد اپنے گھر کے سارے بت توڑنے کے بعد حضور کی خدمت میں جاکر ہندہ زوجہ ابوسفیان نے اسلام قبول کیا۔ اور وحشی بھی جو حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا۔ حاضر ہوکر معافی کا خواستگار ہوا اور اسلام قبول کرکے دامن رحمت میں آگیا۔ حضور علیہ السلام نے اسے کہا کہ تو میرے سامنے نہ آیا کرکہ مجھے حمزہؓ یاد آجاتے ہیں۔ (البلاذری جلد ۱ صفحہ ۳۶۳)

اس موقع پر ام حکیم زوجہ عکرمہ بن ابو جہل نے بھی اسلام قبول کیا اور عکرمہ کے لئے امان طلب کرکے اسے یمن سے واپس لاکر اسلام کے دامن میں پناہ دلوائی اور ابو جہل کا بیٹا حضرت عکرمہؓ بن کر تاریخ میں محفوظ ہوگیا۔ صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے۔ عمیر بن وہب نے ان کے لئے امان طلب کی۔ آپ نے اپنا عمامہ علامت امان کے طور پر عنایت کیا۔ عمیر جدہ جاکر ان کو واپس لائے حتیٰ کہ وہ معرکہ حنین کے بعد اسلام لائے عبداللہ بن زعری شاعر تھا اور آپ کی ہجویں کہا کرتا تھا اور قرآن حکیم پر بھی تنقید کرتا رہتا تھا وہ نجران کی طرف بھاگ گیا۔ لیکن توفیق ایزدی سے بعد میں اسلام کی دولت پائی۔

اس موقع پر ابو لہب کے دونوں بیٹے عتبہ اور معتب روپوش ہوگئے اور بعد میں انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ سہیل بن عمرو کے بیٹے پہلے ہی مسلمان ہوچکے تھے۔ یہ خود بھی جعرانہ کے مقام پر پہنچے اور اسلام لے آئے۔ حارث بن ہشام اور زہیر بن امیہ فرار ہوکر حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب کے گھر جاچھپے تھے۔ ام ہانیؓ نے ان کو پناہ دی اور حضور ﷺ کی خدمت میں لاکر اسلام کی دولت سے سرفراز کیا۔ کعب بن زہیر فتح مکہ کے بعد آپ کی مدینہ واپسی پر حاضر ہوکر اسلام لے آیا۔ اور آپ کی نعتیں لکھنے لگا۔ جبکہ پہلے وہ اپنے مسلمان ہونے والے بھائی بجیر کو اسلام لانے کے طعنے دیا کرتا تھا۔ ان کا قصیدہ "بانت سعاد" بہت مقبول

Marfat.com

مشہور ہے۔ آپ ﷺ نے یہ قصیدہ سنا تو اپنی اوڑھی ہوئی چادر اتار کر اسے دیدی۔ جسے بعد میں ان کی اولاد سے امیر معاویہؓ نے بیس ہزار درہم میں خرید لیا جو اموی سلاطین کو منتقل ہوتی رہی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد عثمان بن عامر تیمی یعنی ابو قحافہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ابو بکرؓ کو مبارکباد دی۔ ابو قحافہؓ نے ۱۳ھ میں وفات پائی۔

یہ چار آدمی قتل کئے گئے (۱) مقیس بن صبابہ کو اس کی قوم میں سے نمیلہ بن عبداللہ اللیثی نے قتل کیا۔ (۲) حویرث بن نقید کو حضرت علیؓ نے قتل کیا (۳) عبداللہ بن خطل کو بھی قتل کرا دیا گیا۔ (۴) حضرت خالدؓ بن ولید (یا یزید جیسا کہ دائرہ معارف اسلامیہ کی جلد ۱۹ میں ہے) حضور کے حکم سے بنو جذیمہ کی سرکوبی کے لئے گئے لیکن ان کے اسلام لانے کو اہمیت نہ دی اور غلط فہمی سے تیس کے قریب آدمی قتل کر دیئے۔ جس پر حضور سخت ناراض ہوئے اور حضرت علی کے ہاتھ خون بہا کی رقم بھجوا کر بنو جذیمہ کی دلجوئی کی اور خالدؓ بن ولید کے عمل کو غلط قرار دیا۔

خزائن حرم: حرم کعبہ میں جو نذور و ہدایا کا خزانہ قدیم دور سے موجود تھا آپ نے اسے باقی رہنے دیا۔

واپسی: پندرہ یا اٹھارہ دن کے لگ بھگ مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہ کر آپ اسلامی لشکر کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مکہ میں اسلام کا مبلغ اور نقیب حضرت معاذ بن جبل کو مقرر فرمایا۔۔۔۔

رسول ﷺ از محمد رضا مصری صفحہ ۶۱۲، ۶۱۸، ۶۲۶) وابن ہشام وغیرہ۔)

غزوہ حنین ۸ھ: فتح مکہ کے بعد عرب قبائل ذہنی طور پر اسلام اور حضرت محمد ﷺ کی حقانیت کے قائل ہو گئے تھے۔ چنانچہ بہت سے قبائل نے اسلام قبول کرنے میں پیش دستی کی لیکن بنو ہوازن (بنو کعب اور بنو کلاب کو چھوڑ کر) اور بنو ثقیف اس فتح پر برافروختہ تھے۔ بنو ہوازن مکہ اور طائف کے درمیان سکونت پذیر تھے اور مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں کر چکے تھے۔ ان کے ساتھ بنو نصر، بنو جشم، بنو سعد بن ابو بکر اور کچھ بنو ہلال کے لوگ بھی شامل ہو گئے۔ اس جمعیت کا سالار اعظم مالک بن عوف نصری تیس سالہ جوان تھا۔ جس نے حکم دیا کہ جنگ کے محاذ پر عورتیں اور بچے بھی ساتھ جائیں تاکہ ان کی حفاظت کی خاطر جان لڑانے سے کوئی دریغ نہ کرے۔ بنو جشم کا رئیس درید بن صمہ جو بڑا بہادر اور جنگی معاملات ماہر گردانا جاتا تھا بھی ساتھ تھا۔ اس کی عمر سو سال سے زیادہ تھی۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد کو صورتحال کی اطلاع لینے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے حالات کی تصدیق کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جنگی تیاری کے لئے دس ہزار درہم سے زائد رقم عبداللہ بن ابی ربیعہ سے ادھار لی جو ابو جہل کا بھائی تھا اور ابھی تک ایمان نہ لایا تھا۔ سو زرہیں صفوان بن امیہ سے معہ لوازم مستعار لی گئیں اور تیاری کے بعد شوال ۸ھ میں بارہ ہزار کا لشکر دشمنان اسلام کی طرف بڑھا۔ اس لشکر میں دو ہزار مکہ کے نومسلم بھی شامل تھے۔ کسی کے منہ سے کثرت جمعیت کو دیکھ کر بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے۔۔۔۔ "آج ہم پر کون

Marfat.com

غالب آ سکتا ہے"۔

وادی حنین: یہ لشکر وادی حنین کی طرف چلا جو مکہ سے طائف کی راہ پر بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ (سیرت رسول عربی از نور بخش توکلؒ صفحہ ۲۱۲) ---- حنین کے بارے میں روایات مختلف اور متضاد ہیں۔ یہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک تنگ اور دشوار گزار گھاٹی تھی۔ غزوہ حنین کا ذکر قرآن حکیم کا سورہ توبہ آیت ۲۵ میں آیا ہے۔ لیکن یہ مقام آج سے نہیں بلکہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے ہی لاپتہ ہے۔ کیونکہ اس کے ذکر میں روایات مختلف ہیں۔ بعض اسے مکہ سے تین میل دور لکھتے ہیں۔ بعض مکہ سے ایک اونٹ کی مسافت بتاتے ہیں۔ بعض دو اور بعض چار دن کی مسافت قرار دیتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک غیر آباد اور بے آب و گیاہ مقام تھا جو ۸ھ کے غزوۂ نبوی ﷺ کے باعث شہرت پا گیا اور بعد میں کبھی آباد نہ ہوا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸ صفحہ ۶۹۶)

جنگ کے حالات: اسلامی لشکر جب حنین کی تنگ گھاٹی میں سے گزرنے لگا تو ابھی صبح کا اجالا اچھی طرح نہ پھیلا تھا۔ دشمن نے پہلے ہی اپنے آدمی گھات میں بٹھا دیئے تھے وہ حملہ آور ہوئے اور اسلامی لشکر کے جوابی حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے۔ مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں لگ گئے۔ اتنے میں کفار اکٹھے ہو کر مڑے اور بھرپور حملہ کر دیا۔ لشکر اسلام کے ہراول دستے میں ایسے نوجوان بھی تھے جو نہتے تھے۔ جب بنو ہوازن اور بنو نصر کے تیر اندازوں نے تیر برسائے تو ہراول دستہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور باقی فوج بھی بھاگ نکلی۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ چند اصحاب رہ گئے۔ آپ ﷺ اکیلے دشمن کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت عباسؓ اور ابو سفیانؓ آپ کو اس حالت میں آگے بڑھنے سے روک رہے تھے۔ اور آپ ﷺ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

انا النبی لا کذب ---- انا ابن عبدالمطلب

"یعنی یہ جھوٹ نہیں کہ میں نبی ہوں۔ اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباس نے بلند آواز سے مہاجرین اور انصار کو نام لیکر پکارا۔ آواز سنتے ہی سب لبیک کہتے ہوئے جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے صف بندی کے بعد حملہ کا حکم دیا اور مسلمان بڑی بہادری سے لڑنے لگے۔ قرآن کے مطابق مسلمانوں پر طمانیت نازل ہوئی۔ فرشتوں کا لشکر بھی بجلیاں گھوڑوں پر سوار کفار کو نظر آ رہا تھا۔ ادھر حضور ﷺ نے سواری سے اتر کر مشت خاک لی اور "**شاہت الوجوہ**" پڑھ کر کفار کی طرف پھینک دی۔ لشکر کفار کو شکست ہوئی۔ اس جنگ میں طمانیت نازل ہونے اور فرشتوں کے ذریعے مدد کا ذکر سورۃ توبہ (آیت ۲۵-۲۶) میں آیا۔ اور یوم حنین کا نام لیکر اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتلایا ہے۔

اس غزوہ میں ہوازن اور ثقیف کے بہت سے آدمی مارے گئے جن میں کئی سردار بھی شامل تھے۔ فوج کا سالار مالک بن عوف نصری طائف کی جانب بھاگ گیا وہاں کے لوگوں نے اس کا اچھی طرح استقبال

Marfat.com

کیا۔ کچھ اور لوگ بھی فرار ہو کر اس کے ساتھ جا ملے۔ اہل طائف نے سب کو اپنے ہاں جگہ دی۔ اور ہر طرح سے مدد کو تیار ہو گئے۔

جنگ اوطاس: حضور علیہ السلام نے کچھ فوج حضرت ابو عامرؓ اشعری کی سرکردگی میں حنین کے مفروروں کے تعاقب میں اوطاس کی طرف روانہ فرمائی۔ جہاں بنو ہوازن رہتے تھے۔ درید بن صمہ یہاں مارا گیا۔ اس کے بیٹے نے ابو عامرؓ کی ران پر تیر مارا۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے بڑھ کر اس کو قتل کر ڈالا۔ ابو عامرؓ اس زخم سے نڈھال ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے اور جاتے ہوئے ابو موسیٰ اشعری کو عرض کر گئے کہ میرا سلام حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا دینا اور عرض کرنا کہ میرے حق میں آپ دعائے مغفرت فرمائیں۔ اب ابو موسیٰ اشعری نے علم سنبھالا اور جنگ میں دشمن کو شکست دی + اسیران جنگ میں حضور علیہ السلام کی رضاعی بہن شیما سعدیہ بھی تھیں۔ حضور نے ان کو اپنی چادر پر بٹھایا اور مرحبا کہا۔ اور ان کی خواہش کے مطابق انعام و اکرام دیکر ان کی قوم میں بھجوا دیا۔ حضرت شیما ایمان لائیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ابو عامر کا پیغام آپ ﷺ کو دیا۔ اور آپ نے اس کے حق میں دعائے مغفرت کی بلندی درجات کے لئے بھی دعا فرمائی۔ پھر ابو موسیٰ کی التجا پر ان کے حق میں یہ دعا فرمائی۔

اللھم اغفر لعبد اللہ بن قیس ذنبہ وادخلہ یوم القیمۃ مدخلا کریما

"اے اللہ۔ عبداللہ بن قیس کا گناہ معاف فرما اور قیامت کے دن اسے مقام عزت سے نوازنا"۔

درید بن صمہ کے قتل کا واقعہ: حضرت ربیعہؓ بن رفیع نے اس پر تلوار سے وار کیا لیکن بات نہ بنی۔ درید بولا کہ تیری ماں نے تجھے اچھی تلوار نہیں دی۔ پھر کہا کہ میرے کجاوے میں سے اچھی تلوار لیکر مجھے قتل کر ڈال اور جا کر اپنی والدہ کو بتانا۔

حضرت ربیعہؓ نے جب درید کے قتل کا ذکر اپنی والدہ سے کیا تو اس نے کہا:

"بیٹے۔۔۔! خدا کی قسم۔ درید نے تیری تین مائیں آزاد کی تھیں۔ (طبقات جلد ۲)

مال غنیمت: آپ ﷺ نے سارا مال غنیمت اور اسیران کو جعرانہ میں رکھنے کا حکم دیا۔ اور حضرت مسعودؓ بن عمرو غفاری کو ان پر نگران بنایا۔ اس جنگ میں چھ ہزار قیدی اور چوبیس ہزار اونٹ ۴۰ ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے ہاتھ لگی

Marfat.com

طائف کا محاصرہ: آپ ﷺ طائف کی طرف بڑھے۔ راستہ میں مالک بن عوف کا قلعہ پڑتا تھا اسے منہدم کروا دیا گیا۔ مالک بن عوف نصری اور اس کے ساتھی طائف کے محفوظ شہر میں تھے۔ اور اسے طائف اسی لئے کہا جاتا تھا کہ اس کے گرد اگرد فصیل تھی۔ یہاں کے بنو ثقیف بھی بڑے بہادر اور جنگ کے لحاظ سے قریش کے برابر گنے جاتے تھے۔ یہاں کا سردار عروہ بن مسعود ابو سفیان کا داماد تھا۔ طبری اور ابن اسحاق کے مطابق عروہ بن مسعود اور غیلان بن مسلمہ نے یمن کے شہر جرش سے قلعہ توڑنے والے ہتھیار مثلاً دبابہ، منجنیق اور ضبور وغیرہ بنانے اور استعمال کی تربیت حاصل کی تھی۔ طائف میں ایک مضبوط قلعہ بھی تھا جہاں حنین کے مفرورین تھے اور رسد اور کافی جنگی سامان بھی جمع کر دیا گیا تھا۔ اور قلعے کے چاروں طرف منجنیقیں اور دبابے نصب کر دیئے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو غلام قلعے سے باہر آ کر ہم سے مل جائیگا۔ اسے آزاد کر دیا جائیگا۔ چنانچہ تیس غلام آزادی پا گئے ان میں نفیعؓ بن حارث بھی تھے۔ اسلامی لشکر نے طائف کا محاصرہ کیا تو دشمن نے منجنیقوں اور دبابوں سے اسلامی لشکر پر پتھر برسائے۔ تیر انداز تیر برسانے لگے۔ مسلمانوں کا منجنیق سے پہلی بار پالا پڑا تھا۔ ان کے بارہ آدمی شہید ہوئے۔ اور بہت سے زخمی ہو گئے۔ محاصرہ بیس روز تک جاری رہا۔ لیکن شہر فتح نہ ہو سکا۔ حضور علیہ السلام نے نوفلؓ بن معاویہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! لومڑی اپنے گھرنے میں دبک کر بیٹھ گئی ہے۔ جتن سے پکڑی تو جائے گی۔ تاہم اگر چھوڑ بھی دیں تو خطرے والی کوئی بات نہیں۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے محاصرہ اٹھانے کا حکم دیا۔ بعض صحابہؓ نے بنو ثقیف کے حق میں بددعا کے لئے عرض کی۔ آپ ﷺ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی:

یا اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہوں۔

(چنانچہ آپ ﷺ کی دعا سے بنو ثقیف کا وفد ۹ھ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔)

آخر آپ طائف سے جعرانے تشریف لے گئے۔ اور دس دن تک ہوازن کا انتظار کیا۔ وہ نہ آئے تو آپ نے مال غنیمت مکہ کے نو مسلموں اور مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔ اور انصار کو کچھ نہ دیا۔ تقسیم مال غنیمت کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

ابو سفیانؓ اور ان کی آل اولاد کو۔۔ تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی عطا ہوئی اور حکیمؓ بن حزام کو دو سو اونٹ عطا ہوئے جبکہ نضیرؓ بن حارث بن کلدہ ثقفی، قیسؓ بن عدی، سہیلؓ بن عمرو اور حو یطبؓ بن عبدالعزی کو سو سو اونٹ دیئے گئے۔

غیر ملکی حضرات میں اقرعؓ بن حابس تمیمی، عینیہؓ بن حصن فزاری کو بھی سو سو اونٹ عطا کئے گئے بعض صحابہؓ کو پچاس پچاس اور ہر پیادے کو چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں عطا ہوئیں۔ جبکہ سواروں کو بارہ بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بیس بکریاں عطا کی گئیں۔

انصار کا گلہ: انصار کو کچھ نہ ملا تو ان کے بعض نوجوان دل گرفتہ ہوئے اور شکایت کرنے لگے۔ حضور

Marfat.com

علیہ السلام کو پتہ چلا تو آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وساطت سے ایمان اور اسلام کی دولت سے نوازا۔ اور مفلس سے غنی کر دیا۔ دشمنی دوستی میں بدل کر رکھ دی۔ وغیرہ۔ انصار آپ ﷺ کی ہر بات کی تہ دل سے تصدیق کرتے جاتے تھے۔

"پھر آپ نے انصار سے کہا کہ تم بھی مجھے کہہ سکتے ہو کہ۔

اے محمد ﷺ: جب تمہیں لوگوں نے جھوٹا کہا۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی جب لوگ آپ کو چھوڑ گئے ہم نے پناہ دی۔ جب آپ مالدار نہ تھے تو ہم نے ہر طرح سے آپ کی مدد کی"۔

پھر آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ دوسرے لوگ تو اونٹ اور بکریاں وغیرہ اپنے ساتھ لے جائیں اور تم لوگ اپنے ساتھ محمد ﷺ مصطفیٰ ﷺ کو لے کر جاؤ یہ نکتے والی بات انصار نے سنی تو زار و قطار رونے لگے اور کہا۔

ہمیں تو بس مصطفیٰ کریم ﷺ ہی کی ضرورت ہے۔

پھر آپ ﷺ نے انہیں بتلایا کہ اہل مکہ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اس لئے قرآنی حکم کے مطابق مؤلفہ القلوب کی خاطر ان کی ہمت افزائی ضروری تھی۔ پھر فرمایا اگر ہجرت ایک تقدیری حکم نہ ہوتا تو میں بھی انصار میں سے ہوتا۔ اگر انصار ایک راستہ اختیار کریں اور دوسرے لوگ دوسرا تو میں انصار کے اختیار کردہ راستہ پر ہی چلوں گا۔ پھر انصار کے حق میں دعا فرمائی کہ یا اللہ انصار اور ان کی آل اولاد پر رحمت فرما۔ (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۲۲۹ از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

جنگی قیدیوں کی رہائی:

حضور ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کے قبیلہ کے کچھ معززین آپ ﷺ خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگی قیدیوں کی رہائی کے لئے عرض گزار ہوئے۔ قبیلہ کا رہنما زہیر بن صرہ تھا اس نے تقریر کرتے ہوئے بتلایا:

"یا رسول اللہ! جو عورتیں چھپروں کے نیچے قید ہیں وہ آپ کی خالائیں اور پھوپھیاں ہیں۔ خدا کی قسم اگر کسی بادشاہ نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ہمیں اس سے بڑی امیدیں ہوتیں جبکہ آپ ﷺ سے ہمیں نسبتاً اور زیادہ امیدیں ہیں۔ پھر حضرت ابو ثروان نے بھی ایسی ہی تقریر کی اور کہا۔ میں نے آپ کو شیر خواری کے وقت دیکھا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عبدالمطلب کے خاندان کے حصہ کے قیدیوں کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ تم نماز ظہر کے بعد حاضر ہو کر عرض گزارنا۔ چنانچہ نماز ظہر کے بعد وہ آگئے۔ آپ ﷺ نے حسب وعدہ اپنے حصے کے قیدی چھوڑ دیئے اور باقی کے لئے مسلمانوں سے سفارش فرمائی اور مطلوبہ قیدی چھوڑ دیئے گئے۔ ان قیدیوں میں حضور ﷺ کی رضاعی بہن شیما بھی تھیں ان کو ایک غلام اور ایک لونڈی کے علاوہ انعام واکرام دے کر ان کے گھر پہنچا دیا گیا۔ پھر جب ثقیف وہوازن مدینہ جا کر مسلمان ہوئے تو انہوں نے مال غنیمت کی واپسی کے لئے عرض کی۔ آپ نے فرمایا۔ مال غنیمت تو بٹ چکا قیدیوں کو البتہ رہا کر دیں گے۔ اس طرح رہا ہو کر سارے قیدی اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے۔ (مکی مدنی ماہی ﷺ از قدر آفاقی)

Marfat.com

صفحہ ۴۵۶ تا ۴۶۵)

مکہ کا پہلا مسلمان گورنر: جعرانہ سے آپ ﷺ مکہ معظمہ تشریف لائے۔ اور عمرہ کرنے کے بعد بیس بائیس سالہ عتابؓ بن اسید کو مکہ کا گورنر بنایا۔ اور حضرت معاذؓ بن جبل کو تبلیغ و تدریس کے لئے وہاں چھوڑا اور مکہ معظمہ سے کوچ کرکے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ۲۸ ذی قعدہ ۸ھ کو آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

عروہ بن مسعود کا اسلام لانا: طائف کے محاصرہ کے وقت عروہ بن مسعود شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ جب واپس آیا تو اسلام کی محبت نے دل کو بیقرار کر دیا۔ وہ مدینہ آیا اور مسلمان ہو گیا پھر وہ حضور ﷺ کے منع کرنے کے باوجود طائف میں اسلام کے مبلغ بن کر آئے اور انہیں شہید کر دیا گیا۔ گھر والوں نے قصاص لینے کے بارے میں ان کی رائے پوچھی تو فرمایا۔ میرا قصاص نہ لیا جائے کیونکہ اللہ نے مجھے شہادت کا درجہ عطا کیا ہے۔ پھر کہا کہ مجھے شہید ہونے والے اصحابؓ رسول کی قبروں کے ساتھ دفن کر دینا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ عروہ بن مسعود اپنی قوم میں اس طرح ہیں جیسے صاحب یٰسین ﷺ اپنی قوم میں شہادت سے پہلے حضرت عروہ نے حضور کے ارشاد کے مطابق اپنی دس بیویوں میں سے چھ کو طلاق دے دی اور صرف چار کو گھر رکھا۔ (رحمتہ العالمین جلد اول صفحہ ۲۱۴ و تاریخ اسلام جلد اول صفحہ ۲۳۰۔۲۳۱ از اکبر شاہ خاں)

۸ھ کے اور اہم واقعات: اس سال حضور علیہ السلام کے بیٹے ابراہیم نے حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے جنم لیا۔ اسی سال آپ ﷺ کی بیٹی حضرت زینب نے وفات پائی۔ اس سال مسجد نبوی کے لئے لکڑی کا منبر بنوایا گیا۔ جس پر بیٹھ کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ نیز بحرین کے مسلمان حاکم کو حکم ملا کہ وہ مجوسیوں اور یہودیوں سے جزیہ وصول کیا کرے۔

۹ھ

واقعہ ایلاء و تخییر: حضور سرور کونین ﷺ سید لولاک ہو کر بھی الفقر فخری پر عمل پیرا تھے کیونکہ خواہشوں کے جھنجھٹ سے حتیٰ المقدور بچنا ہی تقویٰ ہے۔ آپ ﷺ ہر وقت عشق حق میں مستغرق رہتے تھے۔ اور اللہ کی یاد سے کبھی غافل نہ ہوتے۔ اور آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو بھی ایسی پاکیزہ زندگی میں ساتھ ساتھ رکھتے۔ اور ان پر بھی آپ ﷺ کی تربیت کا بڑا اثر تھا۔ تاہم آخر وہ خواتین تھیں۔ جب مال غنیمت کی آمد کا سلسلہ زیادہ بڑھا تو ازواج مطہرات نے بھی خرچ بھتہ میں فراخی کی آرزو کی۔ اور ویسے بھی وہ کھاتے پیتے گھرانے سے تھیں اور بمقتضائے بشریت بھی وہ ایک دوسری کے مقابلے میں پیچھے رہنا پسند نہ کرتی تھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ حضور ﷺ کی متابعت

Marfat.com

اور محبت میں بھی ایک دوسری سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضور ﷺ کو حضرت زینب ؓ کے پاس ذرا زیادہ دیر لگ گئی۔ وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس شہد آیا ہوا تھا اور آپ ﷺ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کو چڑ سی ہو گئی۔ انہوں نے حضرت حفصہ ؓ سے بات کی اور ہمنوا بنا لیا اور طے کیا کہ جب حضور ﷺ تشریف لائیں تو آپ ﷺ سے کہا جائے کہ آپ ﷺ کے دہن مبارک سے مغافیر (ایک پھول جس پر شہد کی مکھیاں بیٹھ کر شہد حاصل کرتی ہیں) کی مہک آتی ہے۔ چنانچہ حضرت حفصہ ؓ نے ایسے کہہ دیا۔ آپ ﷺ نے اس بات کی چبھن سی محسوس کی اور فرمایا خدا کی قسم اب آئندہ میں شہد کبھی نہیں کھاؤں گا۔ (بخاری شریف تفسیر سورہ تحریم)

بخاری شریف (کتاب الطلاق) میں ہی ہے کہ آپ کو اس طرح کہنے میں دوسری بعض ازواج مطہرات کی رضامندی بھی شامل تھی اور یہ بات حضرت سودہ ؓ نے کی تھی بہرحال اللہ کو اپنے نبی پاک سید لولاک ﷺ کے بارے میں یہ طنزیہ سی بات ناگوار گزری اور اس نے قرآن میں فرمایا:

"اے نبی! آپ ﷺ اپنی بیویوں کی خوشی کی خاطر اللہ کی طرف سے حلال کردہ چیز اپنے لئے حرام کیوں قرار دیتے ہیں۔

انہی دنوں حضور ﷺ نے کوئی راز داری کی بات حضرت حفصہ ؓ سے کی۔ انہوں نے تاکید کے باوجود حضرت عائشہ ؓ کو وہ بات بتا دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس بات سے آگاہ فرما دیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا تو حضرت حفصہ ﷺ نے کہا کہ آپ ﷺ سے کس نے کہا کہ میں نے عائشہ ؓ کو وہ بات بتائی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"میرے ---- اللہ نے"۔ اس طرح حضور ؐ کی ازواج آپ سے ذرا کشیدہ سی رہنے لگیں۔ اس طرح حضرت عائشہ ؓ اور حفصہ ؓ نے حضور ﷺ پر زور ڈالنے کی کوشش کی لیکن آپ کی بجائے سامنے خدا کو پایا جس نے فرمایا:

اگر تم دونوں اللہ کے آگے توبہ کرتی ہو اور تمہارے دل نیکی کی طرف مائل ہو گئے (تو ٹھیک ہے ورنہ) اگر تم رسول اللہ کے خلاف مل بیٹھو تو رب تعالیٰ، جبرئیل اور نیک مسلمان اور آخر میں فرشتے رسول پاک کے مددگار ہیں۔ (قرآن)

آخر حضور ﷺ نے تمام ازواج کا بائیکاٹ فرما دیا۔ جو ایک ماہ تک جاری رہا۔ پھر سورۃ احزاب میں یہ آیت نازل ہوئی:

"اے نبی ﷺ! اپنی ازواج ؓ سے فرما دیجئے کہ اگر تم کو دنیا کی زندگی اور شان و شوکت کی طلب ہے تو آؤ میں تمہیں اچھے اچھے کپڑوں کے جوڑے دیکر بھلی طرح رخصت کر دوں۔ (لیکن) اگر خدا، خدا کے رسول اور آخرت کی طلب رکھتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے بڑا ثواب رکھا ہوا ہے"۔

یہ بات حضرت عائشہ ؓ سے بڑھی تھی اور اس عرصے میں آپ ؐ ایک بالاخانے میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی تو آپ بالاخانے سے سیدھے حضرت عائشہ ؓ کے پاس آئے اور ان کو اللہ کا

Marfat.com

حکم سنایا۔ انہوں نے کہا۔۔۔۔ میں سب کچھ چھوڑ کر صرف اللہ اور رسول اللہ کا دامن تھامتی ہوں۔ پھر دوسری ازواج مطہرات کو پیغام دیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ (سیرۃ النبی ﷺ جلد ۱ صفحہ ۵۴۷ تا ۵۵۶ تلخیص)

غزوۂ تبوک رجب ۹ھ: روم کے بادشاہ کو موتہ کی شکست کا بڑا دکھ تھا۔ چنانچہ شام کے غسانی خاندان کو اس نے بدلہ لینے کا حکم دیا۔ یہ حاکم عیسائی تھا۔ اس لئے عیسائی قبیلے نخم، جذام، عاملہ اور غسان اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ادھر قیصر روم کی فوجیں بھی پہنچ گئیں تا کہ سب مل کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوں۔

حضور علیہ السلام نے ان کی تیاری کی خبر سنی تو خیال فرمایا کہ دشمن کو اس کے علاقے میں ہی روکنا چاہئے۔ تا کہ مدینہ منورہ میں بدامنی نہ پھیلے۔ یہ مقابلہ ایک بہت بڑی سپرپاور سے تھا جو کچھ عرصہ پیشتر ایران کی مضبوط سلطنت کو شکست دے چکی تھی۔ مسلمانوں کے پاس مال و دولت بھی زیادہ نہ تھا۔ ادھر کھجوریں پک گئی تھیں اور ان کو محفوظ کرنا بھی ضروری تھا۔ جبکہ مقابلے کے لئے طویل سفر درپیش تھا۔ کیونکہ دشمن کی طرف سے خیر کی خبریں نہیں آ رہی تھیں۔

دفاعی فنڈ کا اعلان: حضور علیہ السلام نے دفاع کی تیاری کے لئے صحابہؓ کرام کو چندہ دینے کے لئے کہا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نو سو اونٹ ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار چندہ میں دیئے۔ (رحمۃ اللعالمین جلد ۱ صفحہ ۱۷۷) سیرۃ النبی میں بحوالہ زرقانی (جلد ۳ صفحہ ۷۱) لکھا ہے کہ انہوں نے دو سو اونٹ اور دو سو اوقیہ چاندی چندہ میں دی۔

حضور علیہ السلام نے خوش ہو کر حضرت عثمانؓ کو **"مجھز جیش العسرۃ"** یعنی بھوکے ننگے لشکر کا سامان بنانے والا۔ کا خطاب عطا فرمایا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے چالیس ہزار دینار چندہ میں دیئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھر کے آدھے اثاثے لے آئے اور چندہ میں دے دیئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گھر کے سارے اثاثے لا کر بارگاہ رسالت میں پیش کر دیئے۔ نبی مختار ﷺ نے پوچھا۔ صدیق! گھر والوں کے لئے بھی کچھ رکھ آئے ہو؟۔۔۔۔ عرض کیا (بقول اقبالؒ)

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

حضرت ابو عقیلؓ انصاری نے رات بھر کھیت کو سیراب کر کے مزدوری کے طور پر چار سیر چھوہارے لئے اور ان میں سے دو سیر بارگاہ نبوی میں پیش کر دیئے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان چھواروں کو تمام مال پر بکھیر دو۔۔۔۔ سب مسلمانوں نے حسب توفیق چندہ دیا۔ صرف بیاسی منافقین بہانے بناتے رہے اور جنگ میں بھی شریک نہ ہوئے۔ کیونکہ ان کے سردار عبداللہ بن ابی سلول نے انہیں تسلی

Marfat.com

دے رکھی تھی کہ مسلمان قیصر روم کی فوجوں سے بچ کر نہ آ سکیں گے۔

کچھ مخلص مسلمان بھی اس جنگ میں بوجہ غربت و عسرت شامل ہونے سے قاصر تھے۔ چنانچہ سورہ توبہ (آیت۔ ۱۲) میں ان کی محبت بھری داستان بیان کی گئی ملتی ہے۔

اس غزوہ میں ازواج مطہرات کو ساتھ لیجانے کا منصوبہ نہ تھا۔ مدینے میں ان کی حفاظت کے لئے علی المرتضیٰؓ کو رہنے کا حکم ملا۔ جبکہ بطور گورنر حضرت سباع بن عرفطہ کو ذمہ داری سونپی گئی۔ (رحمتہ للعالمین جلد ا صفحہ ۱۷۸ اور سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۵۶۵) تاریخ اسلام (از اکبر شاہ خاں جلد ا صفحہ ۲۲۳) میں ہے کہ گورنر محمد بن مسلمہ انصاری بنائے گئے۔ اسلامی لشکر میں سواریوں کی بہت کمی تھی۔ اٹھارہ آدمیوں کے لئے ایک اونٹ تھا۔ خورد و نوش کا سامان بھی بہت کم تھا۔ بعض جگہ تو درختوں کے پتے کھا کر آگے بڑھنا پڑا اور پانی نہ ملا تو اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے امعا کا پانی پینا پڑا حالانکہ اونٹ بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ (رحمتہ للعالمین جلد ا صفحہ ۱۷۸)

جب یہ لشکر چل پڑا اور علی مرتضیٰ پیچھے رہ گئے تو ان کی غیرت نے پیچھے رہنا گوارا نہ کیا۔ اور وہ بھی لشکر کے ساتھ جا ملے۔ اور بتایا کہ منافقین نے طعنے دے دے کر تنگ کر دیا تھا۔ اس سفر میں تیز رفتاری اور بے آرامی کے باعث علی مرتضیٰ کے پاؤں متورم ہو گئے تھے۔ حضور علیہ السلام نے اس موقع پر حضرت علیؓ سے فرمایا:

الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی

"علیؓ! تو اس بات پر خوش نہیں ہوتا کہ تو میرے لئے ایسے ہے جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں ہے۔ (بخاری عن مصعب بن سعد عن ابیہ)

حضرت علیؓ نے یہ ارشاد مبارک سنا تو خوشی خوشی مدینہ منورہ کو لوٹ گئے۔ اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی۔ راستے میں عاد اور ثمود کی بستیاں آئیں اور حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ کوئی شخص ان خدائی عذاب کے مسکنوں سے کوئی چیز نہ لے۔ حتیٰ کہ یہاں جو آٹا گوندھا گیا تھا وہ بھی اونٹوں کو ڈال دیا گیا یا پھینک دیا گیا۔ اور اسلامی فوج اس جگہ سے بھاگتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

تبوک پہنچ کر پتہ چلا کہ صورتحال اتنی گھمبیر نہیں جس قدر کہ بتائی گئی تھی۔ تاہم کچھ اصلیت بھی تھی حضور نے تبوک میں ایک ماہ یا بیس دن قیام فرمایا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ غسانی حاکم نے حضور کی زندگی میں مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا خیال دل سے نکال دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ہرقل حضور علیہ السلام کو سچا نبی تسلیم کرتا تھا۔ اس لئے وہ بھاگ لیا۔ دوسرے قبائل بھی منتشر ہو گئے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہی مدینہ پر حملہ کرنا مناسب گردانا گیا۔
(تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں جلد ا صفحہ ۲۲۵)

Marfat.com

ایلہ کے سرداروں کی حاضری: اسی اثناء میں اسلامی لشکر کے دبدبے کو دیکھ کر خلیج عقبہ کے قریب علاقہ ایلہ کا سردار یوحنا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینے کا عہد کیا۔ اس نے ایک سفید خچر بھی تحفہ کے طور پیش کیا۔ جس کے جواب میں حضور ﷺ نے اسے اپنی چادر مبارک عطا کی۔

پھر جربا اور اذرح کے عیسائی سردار بھی حاضر ہوئے اور جزیہ دینا منظور کیا۔ دومۃ الجندل کا عرب سردار اکیدر قیصر روم کا باجگذار تھا۔ حضور علیہ السلام نے خالدؓ بن ولید کو اکیدر کی گرفتاری کے لئے چار سو کا لشکر دیکر بھیجا۔ جسے گرفتار کر کے اس شرط پر رہا کر دیا گیا کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں خود حاضر ہو کر صلح کی شرائط پیش کریگا۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوا اور امان پائی۔ اور چار سو نیزے اسلامی لشکر کے لئے بھجوائے۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں جلد ا صفحہ ۲۳۶)

ذوالبجادین کی وفات: حضرت ذوالبجادین کا نام عبداللہ تھا۔ بچپن میں یتیم ہوئے تو چچا نے پالا پوسا اور جوانی میں چچا نے اونٹ اور بکریاں اور غلام عطا کر کے ان کی مالی حالت سنوار دی۔ اسلام کی روشنی پھیلی تو عبداللہ نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن چچا کی مخالفت کی وجہ سے خاموش رہا۔ فتح مکہ کے بعد اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو چچا نے سارا مال و دولت چھوڑنے کو کہا۔ آپ نے کپڑے تک اتار دیئے اور لنگوٹا باندھ کر چلنے لگے تو چچا نے لنگوٹا بھی اتروالیا۔ آپ برہنہ حالت میں اپنی والدہ کے پاس آئے اور ستر ڈھانپنے کے لئے ایک کمبل حاصل کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ دین کے لئے برہنگی قبول کرنے والے یہ پہلے صحابیؓ تھے مسجد نبوی کی دیوار سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے کہ حضور تشریف لائے اور نام وغیرہ پوچھا۔ عرض کی۔ "حضور ﷺ! میرا نام عبدالعزیٰ ہے فقیر اور مسافر ہوں۔ آپ کی محبت اور زیارت کا شوق کھینچ لایا ہے"۔ رحمت عالم کی رحمت جوش میں آگئی ---- فرمایا تمہارا نام عبداللہ ہے۔ اور لقب ذوالبجادین۔ تم ہمارے ساتھ رہو اور مسجد میں ڈیرہ لگالو۔ چنانچہ وہ اصحاب صفہ میں شامل ہو گئے۔ وہ قرآن پڑھتے رہتے اور سارا سارا دن عجیب کیف و سرمستی میں مگن رہتے۔ ایک دن عمر فاروقؓ نے اعتراض کیا کہ نماز کے وقت یہ اعرابی بلند آواز میں قرآن کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ اس سے لوگوں کی نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے سنا تو فرمایا۔

عمرؓ! اسے کچھ نہ کہو۔ یہ اللہ اور رسول کی محبت میں ہر شے تج کر یہاں آیا ہے۔ حضرت ذوالبجادین غزوہ تبوک میں شامل تھے اور چلتے وقت حضور ﷺ سے اپنی شہادت کے متعلق بھی دعا کروائی۔ آپ ﷺ نے کسی درخت کی چھال لانے کو کہا چھال لائے تو حضور نے وہ چھال ان کے بازو پر باندھ دی اور فرمایا۔ تمہارا خون کفار پر حرام ہے"۔ عبداللہ بولے "اور میری شہادت؟" فرمایا: جو کوئی جہاد کی نیت سے نکلے وہ اگرچہ وہاں تپ اور بخار وغیرہ سے فوت ہو جائے وہ شہید ہی ہوتا ہے"۔

چنانچہ یہ منفرد بزرگ بخار میں مبتلا ہو کر حضور کے ارشاد کے مطابق شہادت پا گئے۔ حضرت بلال

Marfat.com

بن حارث مزنی ان کے دفنانے حال بیان کرتے ہیں کہ:
رات کا وقت تھا۔ بلال حبشی نے شمع اٹھا رکھی تھی۔ صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ نے عبداللہ کی میت لحد میں اتاری۔ حضور علیہ السلام خود قبر میں اترے۔ آپ ﷺ دونوں صحابہ سے فرما رہے تھے۔ ادبا الی اخا کما یعنی اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھو"۔ دفنانے کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ یااللہ! آج شام تک میں اس سے راضی تھا۔ تو بھی اس سے راضی ہو جا"۔ (مدارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۴۲۳ اور رحمتہ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۱۸۴)

صحابی جن بشکل سانپ: راستے میں ایک سانپ نے راستہ روکا اور پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ صحابہؓ ایک طرف ہٹ گئے۔ حضور نے توقف فرمایا اور بتلایا کہ یہ دراصل ان دس جنات میں سے تھا جو مجھ پر قرآن سن کر ایمان لائے تھے اس نے مجھ سے مسائل پوچھے اور اپنے مسائل حل کروائے۔ (معارج النبوۃ جلد سوم)

تبوک سے مدینہ کو واپسی: جب حضور اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے تو منافقین اپنی کرتوت پر بہت شرمسار تھے۔ چنانچہ وہ بہانے اور عذر تراشتے رہے۔

تین صحابہؓ کا امتحان: ان کے علاوہ تین صحابی ایسے بھی تھے جو غزوہ میں جانے کی اہلیت رکھنے کے باوجود بغیر کسی معقول وجہ کے نہیں جا سکے تھے۔ یہ حضرت کعب بن مالک اور دو اور صحابہ تھے۔ ان کا بڑا سخت امتحان ہوا۔ حتیٰ کہ تمام مسلمانوں اور حضور ﷺ نے ان سے بات چیت کرنا چھوڑ دیا۔ اور اس کی بیوی بھی بحکم حضور علیحدگی اختیار کر کے اس کے میکے بھجوا دی گئی۔ آخر پچاس دن کے بعد قرآن حکیم میں ان کی توبہ قبول ہونے کی بشارت نازل ہوئی اور ان کو معاف کر دیا گیا۔

حضرت کعب بن مالک بیعت عقبہ ثانیہ کے تہتر سابقین اولین میں سے ایک تھے توبہ قبول ہونے کی خوشی میں انہوں نے اپنا سارا مال راہ خدا میں پیش کرنے کی پیشکش کی لیکن رحمت عالم ﷺ نے صرف ایک تہائی کو کافی قرار دیکر قبول فرمایا۔ (رحمتہ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۱۸۶-۱۸۹)

مسجد ضرار: منافقین ہمیشہ سے ایک پلیٹ فارم کی تلاش میں تھے جہاں سے وہ اپنی سرگرمیاں بروئے کار لانا چاہتے تھے۔ ابو عامر فاسق جو عیسائی ہو گیا تھا وہ غزوہ خندق تک مسلمانوں کے ساتھ نبرد آزما رہا۔ جب ہوازن بھاگ گئے تو وہ شام چلا گیا۔ اور وہاں سے منافقین کو پیغام بھجوایا کہ تم مسجد قباء کے نزدیک اپنی الگ مسجد تعمیر کر لو۔ اور سامان جنگ تیار کر لو۔ میں قیصر روم سے بات کر کے رومی فوجیں چڑھا لاؤں گا اور محمد ﷺ کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

چنانچہ منافقین نے مسجد قباء کے نزدیک ایک مسجد تعمیر کر لی۔ اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا افتتاح کرنے کی گزارش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو ہم غزوۂ تبوک پر جا رہے

Marfat.com

ہیں- واپس آکر اس معاملہ کو دیکھیں گے- چنانچہ واپسی پر جب آپ ﷺ مدینہ کے قریب بمقام "ذوا دان" پہنچے تو سورۃ توبہ کی یہ آیات نازل ہوئیں:

"اور وہ لوگ جنہوں نے ایک (مسجد ضرار) مسجد بنائی (مسلمانوں کو) کو ضرر پہنچانے کے لئے کفر(کی مدد) اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے، اور بطور کمین گاہ استعمال کرنے کو، اس شخص کے لئے جو پہلے سے خدا اور رسول ﷺ کے خلاف لڑ رہا ہے ---- اور (اے نبی ﷺ!) البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا (مسجد بنانے کا) مقصد تو بھلائی اور نیکی کی خواہش تھی ---- اور (اے نبی ﷺ) اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ (اس قول میں) بالکل جھوٹے ہیں- آپ ﷺ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہونا- البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ ﷺ اس میں کھڑے ہوا کریں- اس مسجد میں ایسے اصحاب ؓ ہیں جو پاک رہنے کا دلی شوق رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاکیزہ (صفت) لوگوں کو دوست رکھتا ہے-(توبہ = آیت ۱۰۷-۱۰۸)

چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت مالک بن دخشم سالمی اور معن بن عدی عجلانی کو حکم دیا کہ لشکر اسلام کے پہنچنے سے پہلے وہ اس مسجد کو گرادیں اور جلادیں- جس پر عملدر آمد کیا گیا-(سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی صفحہ ۲۲۴-۲۲۵ بحوالہ وفاالوفا و تفسیر در منثور)

تبوک میں حضور ؐ کا ایک خطبہ: آپ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

فان اصدق الحدیث کتاب اللہ

"بیشک باتوں میں سب سے سچی بات کتاب اللہ ہے"

واثوق العری کلمۃ التقوی

"سب سے بڑھ کر بھروسے کے قابل بات تقویٰ ہے"

وخیر الملل ملت ابراہیم وخیر السنن

"ملتوں میں سب سے بہتر ملت ابراہیم علیہ السلام کی ہے"

سنۃ محمد واشرف الحدیث ذکر اللہ

اور سنتوں میں بہترین سنت مصطفیٰ ہے- اور باتوں میں بزرگی والی بات اللہ کا ذکر ہے"-

واحسن القصص ھذا القرآن وخیر الامور

"اور بیانات میں بہترین بیان یہ قرآن ہے- اور بہترین کام-

محدثاتھا واحسن الھدی، ھدی الانبیاء

الوالعزمی والے کام ہیں اور ہدایت انبیاء ہی سب سے اچھی ہدایت ہے"-

Marfat.com

واشرف الموت قتل الشهداء وا اعمی العمی الضلالة بعد الهدی خیرالاعمال مانفع و خیر الهدی ما اتبع و شرالعمی عمی القلب

"اور بہترین موت شہادت کی موت ہے۔ سب سے بڑھ کر اندھا وہ جو ہدایت کے بعد گمراہ ہو جائے۔ بہترین عمل وہ ہے جو نفع بخش ہو۔ اور بہترین رستہ وہ جس پر چلا جا سکے۔ سب سے بڑھ کر اندھیرا---- دل کا اندھیرا ہے"۔

والید العلیاء خیرمن الید السفلی وما قلی و کفی خیر مما کثروالهی

"اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے وہ تھوڑا اور کافی مال اس زیادہ مال سے بہتر ہے۔ جو غفلت کا باعث بنے"۔

شر المعذرت حین یحضر الموت و شرالندامة یوم القیامة

"بدترین معذرت وہ ہے جو موت کے وقت کی جائے اور بری ندامت قیامت کے دن کی ندامت ہے۔

ومن الناس لایاتی الجمعه الا دبرا ومن لا یذکر الله الا ہجرا

"جمعہ پڑھنے ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو اپنے دل پیچھے چھوڑ آتے ہیں۔ اور کچھ لوگ کبھی کبھی اللہ کا ذکر کرنے والے ہوتے ہیں۔

ومن اعظم الخطاء للسان الکذب

"سب سے بڑا گناہ جھوٹی زبان ہے"۔

ومن خیرالغنی غنی النفس

"سب سے بڑی تونگری دل کی تونگری ہے"۔

وخیرالزاد التقوی

"اور بہترین زاد راہ تقویٰ ہے"۔

وراسة الحکمة مخافة الله عزو جل وخیر ما وقر فی القلوب الیقین

"حکمت اور دانائی کی اصل خوف خدا میں ہے۔ دلوں میں بٹھانے کی بہترین چیز یقین ہے"۔

Marfat.com

والارتیاب من الکفر

"اور شک پیدا کرنا کفر (کی شاخ) ہے"۔

والنیاحة من عمل جاھلیه

"اور بین کر کے رونا جاہلیت (کے زمانے کا عمل) ہے"۔

والغلول من حرجھنم

"اور چوری کرنا دوزخ کا سامان بہم پہنچانے کے برابر ہے"۔

والسکر کنی من النار

"اور بد مستی (نشہ وغیرہ) آگ میں پڑنے کے برابر ہے"۔

والشعرمن ابلیس

"اور (بری) شاعری ابلیس کا فیض ہوتی ہے"۔

الخمرجماع الاثم

"اور شراب گناہ کی گٹھڑی ہے"۔

وشرالماکل، ماکل مال الیتیم

"بری خوراک مال یتیم کو ناجائز طور پر کھانا ہے"۔

والسعیدمن وعظ لغیرہ والشقی من شقی فی بطن امه

"نیک وہ ہے جو دوسروں کو نصیحت کرے اور بد قسمت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں ہی بد قسمت ہو"۔

وملال العمل خواتم

"عملوں کی دولت ان کا انجام بخیر ہے"۔

وشرالرئویا رئویاالکذب

"اور برا خواب وہ ہے جو جھوٹا ہو"۔

وکل ماھوات قریب

"اور ہر شدنی سر پر کھڑی ہے"۔

وسباب المومن فسوق وقتاله کفرا

"اور مومن کو گالیاں دینا فسق اور قتل کرنا کفر ہے"۔

واکل لحمه من معصیة الله

"اور اس کی چغلی کھانا اللہ کے ہاں گنہگار ہونے کے برابر ہے"۔

Marfat.com

وحرمة ماله كحرمة دمه

"اور اس کا مال اس کے خون کی طرح (دوسروں کے لئے) حرام ہے"۔

ومن يتالى على الله يكذبه

"اور اللہ سے بے نیازی برتنے والا اسے جھٹلاتا ہے"۔

ومن يغفر يغفر له

"اور پردہ پوشی کرنے والے کی اللہ بھی پردہ پوشی کرتا ہے"۔

من يعفف عف الله عنه

"اور معاف کرنے والے کو اللہ بھی معاف کر دے گا"۔

ومن يكظم الغيظ ياجره الله

"اور جو کوئی غصہ کو پی جائے اللہ اس کو جزا دیتا ہے"۔

ومن يصبر على الرزيه يعوضه الله

"اور نقصان پر صبر کرنے والے کو اللہ بدلہ دے گا"۔

ومن يتبع السمعته لسمعه الله

"اور چغلی کو بڑھانے اور چڑھانے والا اللہ کو رسوا کرتا ہے"۔

ومن يصبر يضعف الله له

"اور جو کوئی صبر کرے اللہ اس کو کئی گنا اجر دے گا"۔

ومن يعصى الله يعذبه الله

"اور جو کوئی اللہ کی نافرمانی کرے اللہ اسے عذاب دے گا"۔

استغفر الله، استغفر الله، استغفر الله

"پھر آپ ﷺ نے تین بار استغفر اللہ پڑھا"۔

بعض قبائل کا اسلام قبول کرنا

اہل طائف کا اسلام قبول کرنا: حضور ﷺ کی دعائیں رنگ لائیں۔ نیز اسلامی لشکر کی غزوہ تبوک سے بخیر و عافیت واپسی کے بعد اہل طائف کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا اور حق بات کی مخالفت جاری رکھنا اچھی بات نہیں۔ حضرت عروہؓ بن مسعود شہادت پا چکے تھے۔ ان کے بیٹے ابو الملیح بھی اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مدینہ جا کر مسلمان ہو چکے تھے۔ چنانچہ تبوک سے حضور ﷺ کی واپسی کے بعد عبد یالیل کی سرکردگی میں اہل طائف کا ایک وفد مدینہ

Marfat.com

منورہ پہنچا۔ حضور ﷺ نے ان کے لئے خصوصی خیمہ مسجد میں نصب کروایا۔ انہوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا اور پھر اپنی قوم کی طرف سے حضور کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ ﷺ نے ان پر حضرت عثمان بن ابی العاص کو عامل بنا دیا اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو حکم دیا کہ وہ طائف میں نصب "لات" نامی بت اور اس کی عبادت گاہ کو منہدم کر دیں۔ حضرت مغیرہؓ نے حکم کی تعمیل کی اور چڑھاوے کی رقوم میں سے حضرت عروہؓ بن مسعود کے ذمہ جو قرض تھا ادا کیا۔ اور باقی رقم مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں جلد ا صفحہ ۲۴۷)

عوام اور خواص کا قبول اسلام: تبوک سے واپسی کے بعد اسلام قبول کرنے والے لوگ گروہ در گروہ حاضر ہونے لگے۔ یہ سلسلہ ویسے تو پہلے بھی جاری تھا۔ لیکن اب اس کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی۔ مختلف وفد آپ ﷺ کے ہاتھ پر خود بیعت کرنے کے علاوہ اہل طائف کی طرح اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کرتے تھے۔ اور حضور علیہ السلام ہر قوم اور قبیلہ کی طرف مسلمان معلمین اور مبلغین کو بھی ساتھ بھیجتے تھے اور وفود کو الوداع کرنے خود تشریف لے جاتے نیز آپ ان کو انعام و اکرام اور تبرکات وغیرہ بھی ضرور عطا فرماتے۔

بنی طے پر حملہ: آپ ﷺ نے ایک دستہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی سرکردگی میں "بلاد طے" کی جانب روانہ فرمایا۔ پتہ چلا تو حاتم طائی کا بیٹا عدی بن حاتم ملک شام کی طرف فرار ہو گیا۔ حضرت علیؓ اس کی بہن کو گرفتار کر کے لے آئے نیز ان کے بت خانے کی دو تلواریں بھی لوٹ لائے جو حرث بن ابی شمر نے بطور چڑھاوا چڑھائی تھیں۔ حاتم طائی کی سخاوت کے قصے بہت مشہور تھے۔ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاتم طائی کی بیٹی نے احسان کرنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اسے آزاد فرما دیا اور کہا کہ جلد بازی نہ کر کوئی معتبر آدمی مل جائے تو تجھے اس کی حفاظت میں تمہارے دیس بھجوا دیں گے۔ ادھر شام سے کچھ لوگ آ گئے اور آپ ﷺ نے حاتم طائی کی بیٹی کو ضروری کپڑے اور سفر خرچ دیکر بڑی عزت سے رخصت فرمایا۔

بنی طے کا اسلام لانا: حاتم طائی کی بیٹی گھر پہنچی تو بنی طے سے حضور کے حسن اخلاق کا ذکر کیا اور اپنے بھائی عدی سے کہا کہ حضور ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضری کی سعادت ضرور حاصل کرنی چاہئے۔ چنانچہ عدی فوراً اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور علیہ السلام نے بڑی محبت سے آؤ بھگت کی اور مسجد نبوی سے لیجا کر اپنے حجرہ مبارک میں بٹھایا۔ اس اثناء میں راستے میں حضور کو ایک عورت نے روک لیا اور اپنی عرض سنانے لگی۔ حضور ﷺ اس خاتون کی باتیں بڑے غور اور محبت سے سنتے رہے۔ عدی بن حاتم نے حضور ﷺ کا یہ خلق دیکھا تو اسے آپ ﷺ سے محبت ہو گئی۔ اور جب حضور علیہ السلام نے عدی اور اس کے ساتھیوں کو پند و نصائح

Marfat.com

کیں تو انہوں نے متاثر ہو کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور برضا و رغبت اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر یہ وفد اپنے وطن لوٹ گیا۔ (تاریخ اسلام ایضاً صفحہ ۲۳۸)

پہلا اسلامی حج: ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو مشرکوں کو بھی اپنی رسوم کے مطابق حج کی اجازت تھی۔ اور مسلمانوں نے بھی مکہ کے مسلمان گورنر حضرت عتابؓ بن اسید کے ساتھ مل کر فریضہ حج ادا کیا تھا۔ تبوک سے واپسی کے بعد آپ ﷺ مدینہ میں تشریف فرما رہے تا کہ وفود کو وقت دے سکیں۔ اس لئے آپ ﷺ کا مدینہ سے باہر جانا مفید نہ تھا۔ چنانچہ ۹ھ میں حج کے دنوں میں آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امیر حج بنا کر مکہ معظمہ روانہ فرمایا۔ اور اپنی طرف سے قربانی کے بیس اونٹ بھی دیئے جبکہ صدیق اکبرؓ پانچ اونٹ اپنی طرف سے قربانی کے لئے ساتھ لے گئے جب تین سو صحابہؓ کرام کا یہ قافلہ مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ تو بعد میں سورۃ توبہ کی چالیس آیات نازل ہوئیں جن میں حکم دیا گیا تھا کہ مشرکین کعبہ کے نزدیک بالکل نہ جائیں۔ نہ وہ ننگے ہو کر طواف کریں نیز جس مشرک دھڑے کے ساتھ محمد مصطفیٰ ﷺ کا معاہدہ ہے وہ ان مشرکین کی وعدہ خلافی کی وجہ سے اب سے چار ماہ بعد ختم ہو جائے گا۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۵۷۰) قرآن حکیم کا یہ اعلان حج کے موقع پر کرنا لازمی تھا اس لئے آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی ناقہ دے کر مذکورہ آیات کے ساتھ مکہ بھیجا کہ قربانی والے دن خدائی حکم کا اعلان کر دیا جائے۔ حضرت علی ذوالحلیفہ کے قریب صدیقی قافلہ سے جا ملے۔ صدیق اکبرؓ نے پوچھا ---- علیؓ! امیر بن کے آئے ہو یا مامور بن کر ----؟۔ انہوں نے کہا کہ میں مامور بنا کر بھیجا گیا ہوں اور امیر آپ ہی ہوں گے۔ مجھے تو صرف قرآن حکیم کی چالیس آیات بہ آواز بلند سب لوگوں کے روبرو سنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی جلد ۱ صفحہ ۲۳۹) سیرت النبی (جلد ۱ صفحہ ۵۶۹) کے مطابق اس قافلہ میں حضرت علیؓ اسلام کے نقیب (علمبردار) اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت جابرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ معلمین تھے۔ قرآن حکیم میں اس حج کو حج اکبر کہا گیا ہے۔

مکہ معظمہ پہنچ کر مسلمانوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کی قیادت میں حج کیا اور پھر حضرت علیؓ نے سورۃ برات (توبہ) کی آیات کا اعلان فرمایا۔ حتیٰ کہ آواز بلند کر کے بار بار اعلان کرنے سے آپ کی آواز بیٹھ گئی (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۵۷۰) (آیات سورۃ توبہ آیت نمبر ۱ تا ۴ اور آیت ۲۸۔۲۹)

طبری (جلد ۲ صفحہ ۱۷۲) نے سدی کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ اس اعلان کے بعد کافر اور مشرکین عام طور پر مسلمان ہو گئے تھے۔

۹ھ کے بعض اور اہم واقعات: ۱۔ ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ زکوٰۃ کی وصولی کا حکم نازل ہوا تو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سٹاف بھرتی کیا گیا۔

۲۔ اس سال غیر مسلم محکوموں سے جزیہ کی وصولی کی آیت نازل ہوئی۔

۳۔ اس سال سود کو حرام قرار دیا گیا۔ تاہم اس کا عام اعلان ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر کیا

Marfat.com

گیا۔

۴۔ حبشہ کا مسلمان بادشاہ نجاشی! اصحمہ اسی سال فوت ہوا۔ حضور ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اور صحابہؓ سے فرمایا: تمہارا نیک بھائی اصحمہ آج فوت ہو گیا ہے اس کی مغفرت کے لئے دعا کرو۔

۵۔ اسی سال حضور کی بیٹی ام کلثومؓ نے وفات پائی۔ اور اسی سال سے حج فرض کیا گیا۔ اور حج کے سارے انتظامات مسلمانوں نے سنبھال لئے۔

۶۔ کسریٰ کے نام نامہ مبارک اسی سال لکھوایا تھا جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔

۷۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی سلول اسی سال فوت ہوا۔

۱۰ھ ۔۔ مختلف وفود کا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا

محرم ۱۰ھ سے وفود کی آمد شروع ہوئی اور سال کے آخر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

۱۔ ربیع الثانی ۱۰ھ میں حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ۴ سو صحابہ کی جماعت نجران اور اردگرد کے علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجی اور حکم دیا کہ لوگوں کو تین بار اسلام کی دعوت دینا۔ اور جب وہ اسلام قبول کرلیں۔ تو ان کو اسلام کی تعلیمات سکھانا۔ چنانچہ نجران اور گردو نواح کے لوگوں نے اسلام بخوشی قبول کر لیا۔ جن میں قبیلہ بنو حرث بن کعب بھی شامل تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت خالدؓ کو واپس بلا بھیجا اور تعلیم اسلام کے لئے حضرت عمرو بن حزم کو بھیج دیا۔

۲۔ رمضان ۱۰ھ میں غسان کا وفد حاضر ہو کر اسلام لایا اس میں تین افراد شامل تھے۔ لیکن ان لوگوں نے واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے انکار کر دیا۔

۳۔ شوال ۱۰ھ میں سات ارکان پر مشتمل ایک وفد حبیب بن عمرو کی قیادت میں "سلاماں" سے آیا اور اسلام قبول کر کے واپس لوٹ گیا۔

۴۔ انہی دنوں قبیلہ "ازد" کا ایک دس رکنی وفد مدینہ آیا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے واپس گیا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی چنانچہ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ جس کی وجہ سے قبیلہ جرش اور ازد کے درمیان جنگ چھڑ گئی جس میں جرش کو شکست ہوئی۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی جلد ۱ صفحہ ۲۴۹)

۵۔ قبیلہ ازد سے جنگ سے پہلے ہی جرش کے دو آدمی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو بتایا کہ ازد اور جرش کے مابین جنگ ہوئی ہے۔ جس میں جرش کو شکست ہو گئی ہے۔ یہ دونوں واپس پہنچے تو حضور کی بات درست پائی اور اپنے قبیلہ جرش کے لوگوں کو بھی آگاہ کیا۔ چنانچہ جرش نے بھی آپ ﷺ کو سچا نبی مان لیا اور مسلمان ہو گئے۔

۶۔ اسی سال حضور علیہ السلام نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو یمن کی طرف تبلیغی مقصد کے لئے

Marfat.com

روانہ فرمایا۔ اور آپ کی تبلیغ سے یمن کا مشہور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔ اور اس کے بعد دیگر یمنی قبائل بھی یکے بعد دیگرے مسلمان ہو گئے اور ان کے وفود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف زیارت پاتے رہے۔

۷۔ اسی سال قبیلہ مراد کا وفد یمن کے شہر کندہ کے حکمران خاندان سے الگ ہو کر مدینہ آیا اور اسلام قبول کر کے واپس ہوا۔ کندہ یمن کا ایک شہر تھا جہاں کندی خاندان کی حکومت تھی۔ اس کا حاکم اشعث بن قیس بھی ۱۰ھ میں اسی سواروں کی ہمراہی میں آپ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ (سیرت النبی جلد ۲ صفحہ ۵۱، تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں جلد ۱ صفحہ ۲۳۹)

اسی سال عیسائی قبیلہ عبد قیس کا وفد جارود بن عمرو کی سرکردگی میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ ﷺ کی تلقین سے اسلام قبول کر کے واپس ہوا اور اپنے قبیلہ کو بھی اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔ (تاریخ اسلام مذکورہ صفحہ ۲۴۰)

نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ: اسی سال نجران کے عیسائیوں کا ایک ستر (یا چودہ) رکنی وفد اپنے سردار عبدالمسیح کی قیادت میں مدینہ پہنچا۔ جس کے ساتھ ان کا پادری ابو حارثہ بھی تھا۔ ان لوگوں نے آتے ہی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حضور ﷺ سے بحث و تمحیص شروع کر دی۔ آپ نے معقول طریقہ سے ساری بات مدلل طور پر واضح کی لیکن وہ ہرگز نہ مانے۔ اتنے میں سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات اور مباہلہ کی آیت نازل ہوئی۔ جس پر حضور ﷺ اگلے دن حضرت فاطمہ علی حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ مباہلہ کے لئے نکل آئے۔ عیسائی وفد آپ کی سچائی سے مرعوب ہو کر مباہلہ سے دست بردار ہو گیا اور جزیہ دینا قبول کر کے واپس ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے ان کی شکلیں بندروں اور خنزیروں جیسی ہو جاتیں اور یہ جنگل ان پر آگ برساتا۔ اور نجران کے لوگوں کو اللہ تباہ کر دیتا حتیٰ کہ درختوں پر پرندے بھی سلامت نہ رہتے"۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ عبدالمسیح (لقب عاقب) اور سید (اس کا نام ایہم یا شرجیل تھا) کچھ مدت کے بعد دوبارہ مدینہ آئے اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ (سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی صفحہ ۴۸۰-۴۷۸)

حجتہ الوداع: ذوالحجہ ۱۰ھ (فروری ۶۳۱ء) سے پہلے پہلے مدینہ میں تشریف فرما رہ کر حضور علیہ السلام نے اپنے فیض سے اہل اسلام کو خوب مشرف فرمایا تھا۔ اور آپ ﷺ کی زیارت سے ہر اہل ایمان صحابیت کے منصب پر فائز ہو رہا تھا۔ اور رحمت عالم کی رحمت کا دریا اپنی جولانیوں سے دنیا والوں کو خوب خوب سیراب کر رہا تھا۔ سنن ابن ماجہ (باب حج النبی ﷺ) کے مطابق ہجرت سے پہلے حضور علیہ السلام نے صرف دو مرتبہ حج کیا تھا۔ اور بعض احادیث میں جو لکھا ہے کہ ایک حج کیا تھا تو اس مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے صرف ایک حج کیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ہجرت کے بعد ۱۰ھ

Marfat.com

تک تبلیغی اور ریاست مدینہ کے انتظامی امور میں مصروفیت کی وجہ سے آپ ﷺ نے کوئی حج نہیں کیا تھا۔

فتح مکہ کے بعد سورۃ نصر نازل ہوئی۔ جس کے بعد رمز شناسان وحی و نبوت کو پتہ چل گیا تھا کہ اب حضور ﷺ کو اللہ کی طرف سے بلاوا آنے ہی والا ہے۔ اور آپ ﷺ نے بھی جان لیا تھا کہ بس اب چل چلاؤ ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اس سورۃ کے نزول کے بعد رونے لگے تھے۔ اور پوچھنے پر بتایا تھا کہ قرآن کا طرز بیان حضور کی عنقریب وفات کا غماز ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ عمرؓ فاروق نے سورۃ نصر میں خوشخبری اور مبارکباد کے بعد توبہ اور استغفار کی جگہ شکر کا درس نہ ہونے کی بابت بعض صحابہؓ سے پوچھا۔ عبداللہ بن عباسؓ نو عمر تھے اور جواب دینے سے کتراتے تھے۔ جب فاروق اعظم نے حوصلہ بڑھایا تو انہوں نے بتایا کہ استغفار موت کے لئے مخصوص ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اب حضور ﷺ کا وصال قریب ہے۔ (سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۹)

چنانچہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی یہ سب پتہ تھا لہٰذا آپ نے مسلمانوں کے اخلاق و عادات اور عبادات و مجاہدات سے لیکر اسلامی مملکت چلانے اور غیر اقوام سے رابطہ رکھنے میں ہر طرح کی رہنمائی فرمائی اور بنیادی اصول و قواعد سمجھائے۔ جس میں عدلیہ، انتظامیہ اور احتسابیہ کے اصول و ضوابط بھی شامل تھے۔ جب کرام صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت کا کام مکمل ہو گیا تو اب ضرورت اس امر کی تھی کہ اسلام کے بنیادی اصول دنیا بھر کی سب سے بڑی اور پاکیزہ ترین مجلس عبادت میں لوگوں کے سامنے اعلان کئے جائیں۔ چنانچہ **ماینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی** کے ارفع و اعلیٰ منصب کے مالک اور امام المرسلین اور سید لولاک ﷺ نے ذی قعدہ ۱۰ھ میں اعلان فرمایا کہ اگلے ماہ ہم حج کے لئے مکہ معظمہ جائیں گے۔ یہ خبر چاروں طرف پھیل گئی۔ ہر مسلمان کی خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں فریضہ حج ادا کرنے کی سعادت ضرور حاصل کرے چنانچہ صحابہؓ کرام قافلہ در قافلہ حج پر جانے کی غرض سے مدینہ منورہ میں جمع ہونے لگے۔

۲۶ ذی قعدہ ۱۰ھ کو آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور نماز ظہر ادا کرنے کے بعد مکہ کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو بھی اس موقع میں ساتھ چلنے کے لئے فرمایا۔ مدینہ سے چھ میل دور اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ کے مقام کو حج کا میقات ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہاں رات بسر کی گئی۔ اگلے دن آپ ﷺ نے تازہ غسل فرمایا۔ مائی عائشہ نے آپ کے بدن کو اپنے ہاتھوں سے عطر ملا (بخاری و مسلم) پھر آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا کی اور قصوی پر سوار ہو کر احرام باندھا۔ اور بلند آواز سے تلبیہ شروع فرمائی۔

لبیک اللهم لبیک --- لا شریک لک لبیک - ان الحمد و النعمة لک و الملک لک لا شریک لک ---

اس مبارک قافلہ میں دور نزدیک سے آ آ کر لوگ شامل ہو رہے تھے اور راستہ بھر یہ سلسلہ

Marfat.com

جاری رہا۔ (حجتہ اللہ البالغہ صفحہ ۲۵۳ از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)۔ بخاری شریف میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ کی سواری کسی اونچے ٹیلے یا ٹبے کو عبور کرتی تو آپ تین بار "اللہ اکبر" فرماتے تھے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ جب حضور تلبیہ پڑھتے تو ہر طرف سے صحابہ کرامؓ بھی محبت اور خلوص سے اپنی آواز ساتھ ملا کر بلند کرتے جس سے پہاڑوں اور جنگلوں میں متبرک گونج پیدا ہوتی۔ اور یوں لگ رہا تھا جیسے انسانوں کا متحرک جنگل محو سفر ہے۔

فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ نے جہاں جہاں نماز ادا فرمائی تھی، صحابہؓ نے وہاں برکت اور عقیدت کی بناء پر مساجد بنالی تھیں اور اب رسول اللہ ان مساجد میں نمازیں ادا فرماتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

سرف کے مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔ اگلے دن اتوار اور ذوالحج کی چار تاریخ تھی چنانچہ آپ کی قیادت میں اگلے دن صبح کے وقت مسلمانوں کا یہ جم غفیر مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ ہاشمی خاندان کے نوعمر بچوں نے حضور کا استقبال کیا اور آپ ﷺ نے بھی بعض کو اپنی قصوئ پر آگے پیچھے سوار کرلیا۔ کعبہ شریف نظر آیا تو دعا فرمائی کہ:

"یااللہ! کعبتہ اللہ کو اور زیادہ بزرگی اور شرف سے نواز"۔

پھر کعبہ شریف کا طواف کیا۔ بعد میں مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی: **واتخذو من مقام ابرھیم مصلی** اور مقام ابراہیم کو نماز کے لئے مختص کرو۔ صفا اور مروہ پر سعی کے وقت یہ آیت زبان پر تھی:

ان الصفا المروہ من شعائر اللہ بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

ایک غلط رسم کا خاتمہ: اہل عرب ایام حج میں عمرہ کی ادائیگی کو ناجائز سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ نے صفا اور مروہ کی سعی سے فارغ ہو کر ان صحابہؓ کو جن کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے، حکم دیا کہ وہ عمرہ مکمل کرکے احرام کھول دیں۔ کچھ لوگوں نے پہلے سے جاری دستور کے خلاف اس حکم پر عمل کرنے میں تامل کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی اسی حکم پر عمل کرتا جو تمہیں دیا گیا۔ یہ سن کر قربانی کے جانور نہ رکھنے والے صحابہ نے احرام کھول دیئے۔ (سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۱۵۱-۱۵۲)

علیؓ مرتضیٰ کی واپسی: حضرت علیؓ یمن کی طرف زکوٰۃ اور جزیہ کی وصولی کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے اور یہ سفر حج ان کی غیر موجودگی میں کیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ اپنا فرض نبھا کر مکہ میں حضور ﷺ کے حضور حاضر ہوئے اور اپنی رپورٹ پیش کی۔ ان کے ساتھ کچھ یمنی حجاج بھی تھے جن کے پاس قربانی کے جانور بھی تھے۔ پس انہوں نے بھی حضور کے ساتھ مل کر حج کیا۔

Marfat.com

۸ ذوالحجہ ۱۰ھ کو جمعرات کے دن آپ کے ساتھ حاجیوں نے منیٰ میں قیام کیا۔ اور ظہر تا عشاء اور اگلے دن فجر کی نمازیں یہاں ادا کیں۔ ۹ ذوالحجہ کو بعد از نماز فجر تمام حجاج کو کوچ کا حکم ملا اور انہوں نے وادی نمرہ میں جاکر خیمے لگائے۔ اس جگہ ایک طرف میدان عرفات اور دوسری جانب مزدلفہ ہے۔ دن ڈھلنے کے بعد آپ نمرہ سے عرفات پہنچے۔ یہاں حمد و ثناء اور تکبیر سے ساری فضاء گونج رہی تھی۔ ایک لاکھ چالیس یا چوبیس ہزار صحابہؓ یہاں جمع تھے اور آفتاب رسالت کے فیض سے فیض اور رہنمائی حاصل کر رہے تھے۔ پاکیزہ لوگوں کے اس پاکیزہ اجتماع میں **یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ** کے شان کے مالک۔ اور لولاک **لما خلقت الافلاک** کی شان والے امی نبی ﷺ نے ایک جامع تقریر فرمائی جس کا ہر لفظ موتیوں کی طرح آپ کے لبوں سے ڈھلک کر صحابہ کے کانوں میں رس گھولتا ہوا قلب اور روح کی گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا۔ یہ خطبہ کتب احادیث میں ترتیب کے ساتھ اور یکجا لکھا ہوا نہیں ملتا۔ سید سلمان ندوی کا خیال ہے کہ یہ خطبہ بہت طویل تھا اور سننے والے بھی بہت زیادہ تھے پس جس سننے والے نے جتنا سنا اور جس کو جتنا یاد رہا اس نے اتنا حصہ ہی روایت کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ خطبہ ۹ ذوالحج کو دیا گیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق اور عبداللہ بن عباس ہی کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خطبہ ۱۰ ذوالحج ۱۰ھ کو ارشاد فرمایا اور کچھ روایات اس بارے میں ۱۱ اور ۱۲ ذوالحج کی نشاندہی کرتی ہیں۔ بہرحال صحاح ستہ اور مسندوں کی جملہ روایات کو جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تھوڑا تھوڑا کر کے یہ خطبہ ۹۔۔۔۱۰۔۔۔۱۱ یا ۱۲ ذوالحجہ کو ارشاد فرمایا تھا اور بقول بعض زیادہ اہم باتیں بار بار تینوں خطبات میں بیان فرمائی تھیں تاکہ لوگوں کو وہ یاد رہ سکیں۔ (بحوالہ سیرۃ النبی جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۱۵۳۔ ۱۵۴)

بہرحال میں نے یہ خطبہ رحمتہ للعالمین سے اخذ کیا ہے جس کا متن مع ترجمہ نیچے دیا جا رہا ہے۔

خطبہ حجتہ الوداع: حمد و ثنا کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ لوگو! میرا خیال ہے کہ میں اور آپ پھر کبھی اس جگہ اکٹھے نہیں ہوں گے۔ (معدن الاعمال حدیث نمبر ۱۰۷۱۱ عن د ا۔ مہ رواہ ابن عساکر)

۲۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے اموال اور عزتیں ایک دوسرے کے لئے اسی طرح حرام ہیں جس طرح تم آج کے دن کو، اس شہر کو، اور اس مہینے کو حرمت والا سمجھتے ہو۔ تمہیں عنقریب اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ مبادا اک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ (بخاری شریف باب حجتہ الوداع عن ابی بکرہؓ)

۳۔ لوگو! جاہلیت کے دور کی ہر بات کو میں اپنے قدموں تلے روندتا ہوں۔ اور جاہلیت کے دور کے قتل اور جھگڑے ختم کر رہا ہوں۔ اپنے خاندان کا خون جو ابن ربیعہ کا ہے جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا، میں معاف کرتا ہوں اور جاہلی دور کا سود آج ختم کر دیا گیا ہے پہلا سود میرے

Marfat.com

خاندان کا ہے وہ سب کا سب میں معاف کرتا ہوں جو عباس بن عبدالمطلب کا ہے۔

۴۔ لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ اللہ کے نام پر تم نے انہیں نکاح میں لیا۔ اور اللہ کے کلام سے ان کے بدن تمہارے لئے حلال ہیں۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں۔ جو تمہیں ناگوار ہو۔ اور اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مار پیٹ کر سدھارو۔ اور عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ انہیں اچھا کھلاؤ پہناؤ جیسا کہ رواج ہے۔

۵۔ لوگو! میں تم میں وہ شے چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

۶۔ لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ یاد رکھو! اللہ کی عبادت کرنا۔ اور پانچ وقت نماز ادا کرنا۔ اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال سے زکوٰۃ دیا کرنا اور خانہ خدا کا حج کیا کرنا۔ اور اپنے حاکموں اور افسروں کی اطاعت کرنا تو تم اللہ کی جنت کے مستحق ہو جاؤ گے۔ (معدن الاعمال حدیث نمبر ۱۱۰۸-۱۱۰۹ عن ابی امامہ رواہ ابن عساکر وابن جریر)

۷۔ لوگو! تمہیں قیامت کے دن میرے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ بولو کیا جواب دو گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور رسالت اور نبوت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور ہمیں کھوٹے کھرے کی پہچان کرادی ہے۔ پھر حضور ﷺ نے انگشتِ شہادت آسمان کی طرف بلند کی اور پھر لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یا اللہ۔ گواہ رہنا۔۔ یا اللہ گواہ رہنا یا اللہ گواہ رہنا۔ آخر میں صحابہ کو فرمایا کہ میرا پیغام ان کو پہنچا دینا جو یہاں موجود نہیں ممکن ہے کہ سننے والوں سے زیادہ یہ باتیں وہ لوگ یاد رکھیں جن تک یہ پہنچائی جائیں۔ (بخاری شریف مفہوم)

تکمیل اسلام کی سند: آپ خطبہ شریف سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اسی مقام پر یہ آیت شریف نازل ہوئی (بخاری عن عمرؓ بن خطاب)

الیوم اکملت لکم دینکم اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم اسلام دینا

"(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمادیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین منظور فرمالیا۔

لازوال شان: سید لولاک ﷺ جب خطبہ ارشاد فرمارہے تھے اس وقت آپ ﷺ کجاوے پر بیٹھے ہوئے تھے اور کجاوہ قصویٰ پر تھا۔ اور ظاہری شان و شوکت کی بجائے ساری سج دھج اخلاقی اور روحانی بلندی سے عبارت تھی۔

اس تاریخی خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت بلالؓ کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ وقت کم تھا اذان کہی تو آپ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ادا فرمائیں۔ پھر ناقہ پر سوار ہو کر "موقف" پہنچے اور کافی دیر

Marfat.com

تک قبلہ رو ہو کر دعا کرتے رہے۔ جب غروب آفتاب کا وقت ہوا تو آپ ﷺ نے وہاں سے کوچ کا حکم دیا۔ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو اپنے پیچھے ناقہ پر سوار کیا۔ ناقہ رش کی وجہ سے تیز تر ہو رہی تھی اور آپ ﷺ نے اس کی مہار اس قدر کھینچ رکھی تھی کہ اس کا منہ مڑ کر کجاوے سے لگا ہوا تھا۔ صحابہؓ کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا عجیب کیف و مستی اور روحانی نشے میں سرشار چلا جا رہا تھا۔ عجیب اچھل اور بے قراری سی تھی جیسا کہ ایسی بھیڑ بھاڑ کے موقع پر ہوتی ہے چنانچہ حضور علیہ السلام دائیں اور بائیں طرف اشارہ فرماتے ہوئے لوگوں سے کہہ رہے تھے:

"لوگو سکون سے کام لو۔۔۔ لوگو! سکون سے کام لو"

اور اس طرح یہ قافلہ مزدلفہ پہنچ گیا۔ مغرب کی نماز دیر سے ادا کی اور صحابہؓ ابھی اپنے ٹھکانوں میں پہنچے ہی تھے کہ عشاء کی نماز ادا کرنے کا حکم ہوا اور پھر صبح تک یہاں قیام فرمایا:

ایک غلط رسم کا خاتمہ: قریش میں دستور تھا کہ وہ مزدلفہ سے سورج نکلنے کے بعد کوچ کرتے تھے اور دن نکلے ثبیر پہاڑ کو مخاطب کر کے کہتے:

"اے کوہ ثبیر دھوپ سے روشن ہو جا"۔

لیکن رحمت عالم ﷺ نے اس رسم کو ختم کرتے ہوئے نماز فجر کے فوراً بعد سورج نکلنے سے پیشتر ہی کوچ کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کی سواری آگے آگے جا رہی تھی اور دائیں بائیں صحابہؓ آپ ﷺ سے مسئلے مسائل بھی پوچھتے جا رہے تھے۔ وادی "محسر" میں سے ہو کر آپ ﷺ جمرہ کے پاس تشریف لائے اور نوعمر ابن عباسؓ سے فرمایا کہ مجھے کنکریاں لا کر دو۔ اس طرح آپ نے کنکریاں پھینکیں اور فرمایا:

لوگو دین میں زیادتی اور اضافہ کرنے سے بچو کیونکہ تم سے پہلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

(ابن ماجہ نسائی)

پھر فرمایا: لوگو حج کے مسائل اچھی طرح پوچھ لو اور سمجھ لو۔ کیا خبر کہ آج کے بعد میں تمہارے ساتھ حج کر سکوں گا یا نہیں۔ (سیرت النبی جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ بحوالہ مسلم و ابوداؤد) پھر آپ منیٰ میں تشریف لائے۔ مہاجرین قبلہ شریف کے دائیں طرف اور انصار بائیں جانب تھے اور درمیان میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آپ ﷺ ناقہ پر سوار تھے جس کی مہار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ آپ ﷺ کے پیچھے ناقہ پر سوار تھے۔ اور انہوں نے حضور ﷺ کو کپڑے سے سایہ کر رکھا تھا آپ ﷺ نے لاکھ سوا لاکھ کا مجمع دیکھا تو دل میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا جس نے تئیس سال کی قلیل مدت میں اتنی بڑی کامیابی سے نوازا تھا۔ اور آپ کو محسوس ہو رہا تھا کہ دین کی تکمیل و تطہیر گویا ہو چکی ہے۔ اور آج آپ ﷺ گویا پچھلے انبیاء کے کارناموں پر خاتم النبین کے طور پر مہر تصدیق ثبت فرما رہے تھے۔ اور ذرہ ذرہ اس بات کی گواہی بھی دے رہا تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"شروع شروع میں جب (لاکھوں برس پہلے) اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا فرمایا تھا۔ آج پھر

Marfat.com

زمانہ چکر لگا کر اسی پہلے والے نقطے پر آگیا ہے۔ (سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ بحوالہ صحاح عن ابو بکرہ)

وہی اول وہی آخر ﷺ: حضور علیہ السلام کا ایک صفاتی نام اول بھی ہے اور آخر بھی۔ اول اول تخلیق۔ نور محمدی ﷺ سے تخلیق کائنات کا آغاز ہوا تھا اور آج آپ ﷺ "آخر" بن کر کائنات کے دور اول کی تکمیل فرما رہے تھے۔ یعنی آغاز بھی آپ ﷺ تھے اور انجام بھی آپ کے ہاتھوں تکمیل پا رہا تھا اور نتیجہ کے طور پر صرف اسلام ہی وہ دین تھا جو آئندہ کے لئے بارگاہ الٰہی میں مقبول و منظور و پسندیدہ تھا اور جس کی تکمیل پر آپ ﷺ کے ہاتھوں مہر تکمیل ثبت ہو رہی تھی۔ **سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم**

قابلیت کی اہمیت: اسلام میں طاغوتی جمہوریت کا کوئی تصور نہیں اور نہ محض خاندانی وجاہت کی کوئی اہمیت ہے۔ بلکہ قیادت اور حاکمیت پر اہل لوگوں کو مقرر کرنے کا سبق ملتا ہے۔ مکہ کے اکثر قریش حضور علیہ السلام کی بجائے آخری نبی ہونے کا اہل بھی طائف کے کسی سردار یا اپنے میں سے خاندانی وجاہت اور سرداری کے حامل کسی شخص کو سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ کے ہاں معیار ہی دوسرا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ ارشاد بھی فرمایا:

اگر کوئی کالا نکٹا حبشی غلام (قابلیت کی بناء پر تمہارا حاکم بنا دیا جائے اور اللہ کے حکم کے مطابق تمہیں لے چلے تو اس کی ضرور اطاعت کرو۔ (مسلم شریف)

آپ ﷺ نے اس موقع میں دجال کا ذکر بھی فرمایا (بخاری) اور دیگر بہت سی باتیں بھی ارشاد فرمائیں (مسلم) اور آخر میں سب کو الوداع کہا (بخاری)

قربانی: پھر آپ قربانی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "نہ صرف منیٰ بلکہ مکہ کی ہر گلی محلہ میں قربانی ہو سکتی ہے۔ آپ کے پاس قربانی کے سو اونٹ تھے ان میں سے کچھ آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے اور باقی حضرت علیؓ کے حوالے کر کے ان کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ کھالیں اور گوشت سب صدقہ کر دیں۔

موئے مبارک کی تقسیم: قربانی کے بعد حضرت معمرؓ بن عبداللہ کو بلا کر آپ نے سر کے بال منڈوائے اور کچھ بال حضرت ابو طلحہ انصاری اور ان کی بیوی ام سلیم کو عطا فرمائے۔ اور کچھ بال دیگر حاضر صحابہؓ میں تقسیم کر دیئے۔

طواف: پھر آپ نے بیت اللہ شریف کا طواف فرمایا اور صحابہؓ نے بھی طواف کیا اور اسلامی مناسک کا نفاذ فرمایا اور جہالت کی رسوم ختم کروا دیں۔ اور ہر طرح کے مسئلے مسائل بھی خوب بتلائے اس لئے اس حج کو حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں۔ (رحمۃ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۲۱۴)

Marfat.com

آب زمزم: پھر آپ چاہ زمزم پر آگئے۔ حضرت عباسؓ نے پانی کا ڈول نکال کر حضور ﷺ کو پانی دیا اور آپ ﷺ نے کھڑے کھڑے قبلہ رو ہو کر پانی نوش فرمایا۔ پانی پینے کے بعد آپ ﷺ منیٰ میں تشریف لے گئے اور نماز ظہر وہاں ادا کی۔ اور باقی ایام تشریق وہیں گزارے اس عرصے میں رمی جمار کے لئے روزانہ دن ڈھلے تشریف لے جاتے تھے۔ ۱۳ ذوالحجہ کو بروز منگل دن ڈھلے آپ نے منیٰ سے کوچ فرمایا۔ اور وادی "محصب" میں آکر رات گزاری۔ رات کے پچھلے پہر آپ ﷺ پھر کعبۃ اللہ کا آخری بار طواف کرنے تشریف لے گئے اور نماز فجر وہیں ادا فرمائی۔ اس کے بعد ہر قافلہ اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گیا اور آپ اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے۔

خطبہ غدیر خم: راستے میں غدیر خم کے مقام پر حضرت بریدہؓ اسلمی نے حضرت علیؓ کے بارے میں مال غنیمت کی تقسیم میں کوئی اعتراض گوش گزار کیا۔ جسے سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ علیؓ نے جو کچھ کیا انہیں اس سے زیادہ کچھ کرنے کا اختیار تھا۔ (بخاری و ترمذی شریف)

پھر حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کے سامنے حضرت علیؓ کی فضیلت بیان فرمائی اور کہا۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ

"جس کا دوست میں ہوں۔ علیؓ بھی اس کا دوست ہے۔ الہٰی جو کوئی علیؓ سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ۔ اور جو علیؓ سے دشمنی رکھے تو بھی اس کے ساتھ دشمنی رکھ"۔

نیز آپ نے اپنی وفات کے بعد قرآن وسنت یا قرآن حکیم اور اہل بیت کا حق ادا کرنے کا پیغام دیا۔

حضرت عمرؓ نے اس خطبہ کے بعد حضرت علیؓ کو مبارکباد دی اور ان کو اپنی پختہ دوستی اور محبت کا یقین دلایا۔ اور بریدہ اسلمیؓ نے بھی حضرت علیؓ کا ساتھ ایسا نبھایا کہ ان کی معیت میں لڑتے ہوئے جنگ جمل میں شہادت پائی۔ (رحمتہ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۳۱۴) اور پھر یہ قافلہ اسلام رحمتہ للعالمین ﷺ کی سرکردگی میں مدینہ منورہ جا پہنچا۔

۱۱ھ جھوٹے مدعیان نبوت

جب آپ ﷺ حجتہ الوداع سے واپس تشریف لائے تو بعض بدباطن اور جہلاء نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ان میں مسیلمہ بن ثمامہ اسود بن کعب عنسی، اور طلیحہ بن خویلد اسدی تین مرد تھے اور ایک عورت تھی جس کا نام سجاح بنت الحارث بن سوید تمیمیہ تھا۔

۱۔ **مسیلمہ کذاب:** یہ خود کو رحمان الیمامہ کہلواتا تھا کیونکہ جو شخص اس پر وحی لاتا وہ اس کے بقول

Marfat.com

رحمٰن تھا۔ یہ ملعون بہت بوڑھا انتہائی مکار اور حیلہ ساز تھا۔ پہلے پہل یہ ۱۰ھ میں نبی حنیفہ کے وفد کے ساتھ مدینہ منورہ آیا۔ اور اس کی قوم مسلمان ہو گئی لیکن اس نے توقف کیا۔ اور مطالبہ کیا کہ اگر حضور ﷺ اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنادیں تو مسلمان ہوتا ہوں۔ آپ ﷺ اس کے خیمہ میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میرے ہاتھ میں جو کھجور کی شاخ ہے اگر تو یہ شاخ بھی طلب کرے تو تجھے کبھی نہ دوں۔ پھر فرمایا۔ تو میرے بعد زندہ رہا تو ہلاک ہو جائے گا۔ (یہ اپنی ایک خواب کی تعبیر کے طور پر ارشاد فرمایا) (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ اردو ترجمہ) ایک روایت میں ہے کہ یہ اسلام لانے کے بعد واپس گیا تو مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ شراب اور زنا کو حلال کیا اور نماز کی فرضیت ساقط کر دی۔ اور بہت سے لوگ اس کے مطیع ہو گئے۔ پھر اس نے حضور علیہ السلام کو خط لکھا کہ آدھی زمین مسیلمہ کے لئے ہے اور آدھی قریش کے لئے لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں۔ اس خط کے جواب میں آپ ﷺ نے "مسیلمہ کذاب" کے نام نامہ بھجوایا کہ زمین کا وارث وہ ہو گا جسے اپنے بندوں میں سے اللہ چاہے گا۔ اور عاقبت متقی لوگوں کے لئے ہے۔ لیکن مسیلمہ کفر پر اڑا رہا۔ اور قرآن حکیم کے مقابلے میں کچھ جعلی آیات گھڑتا۔ اور شعبدے دکھاتا۔ لیکن سب الٹ اثر دکھاتے۔ یعنی درازی عمر کی دعا دیتا تو وہ شخص فوراً مر جاتا۔ آنکھوں کے لئے روشنی مانگتا تو وہ شخص اندھا ہو جاتا۔ پھر اس نے سنا کہ حضور کے لعاب دہن سے کنوئیں کا پانی زیادہ اور شیریں ہو جاتا ہے تو اس نے بھی ایسا ہی کیا لیکن پانی کمتر اور مزید کھاری اور کڑوا ہو گیا۔ بہرحال اس کے خوارق الٹا اثر لئے ہوئے تھے۔ لیکن قرآن حکیم میں ہے کہ "اکثر الناس لا یعقلون" کہ لوگوں کی اکثریت سمجھ سے کام نہیں لیتی۔ چنانچہ بہت سے لوگ پھر بھی اس کے مطیع اور پیروکار بنے رہے۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد اس کا کاروبار زیادہ چمک گیا۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ جہلاء اس کے گرد جمع ہو گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت خالدؓ بن ولید چوبیس ہزار کے اسلامی لشکر سے اس پر حملہ آور ہوئے اور چالیس ہزار دشمن مقابلہ کو نکلے شروع میں مسلمانوں کے قدم ڈگمگائے لیکن پھر وہ جم کر لڑے تو اللہ نے فتح دی۔ مسیلمہ کذاب حضرت وحشیؓ (جو حمزہؓ کے قاتل بھی تھے) کے ہاتھ سے مارا گیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میرے ہاتھ سے ناوانی میں اگر بہترین شخص (حمزہؓ) قتل ہوا تو اسلام لانے کے بعد ایک بدترین شخص (مسیلمہ کذاب) بھی قتل ہوا۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۶۸۹-۶۸۸)

۲۔ اسود عنسی: اس کا نام عیلہ تھا اسے ذوالحمار یعنی دوپٹہ والا بھی کہتے تھے۔ بعض اسے ذوالمار لکھتے ہیں۔ کیونکہ اسود کے بقول اسے نظر آنے والا شخص یا فرشتہ گدھے پر سوار ہو کر آتا تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ وہ کاہن اور چرب زبان تھا اس کے ساتھ دو ہمزاد شیطان تھے جو اسے غیبی خبریں پہنچاتے۔ باذان، حاکم یمن نے اسلام قبول کیا تو حضور ﷺ نے اسے صنعا کے علاقے پر (یمن میں) حکومت دے دی اور اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے شہرؓ بن باذان، حضرت ابو موسیٰؓ اشعری اور حضرت معاذ بن جبلؓ میں اس کا علاقہ تقسیم فرمایا۔ اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو صنعا پر قبضہ کر لیا اور شہر بن باذان کو

Marfat.com

شہید کر دیا۔ اور اس کی مسلمان بیوی مرزبانہ کو زبردستی اپنے گھر ڈال لیا۔ حضرت فردہؓ بن مسیک لوم حضور ﷺ کے مقرر کردہ عامل تھے۔ انہوں نے حضور کو حالات لکھے۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری اور معاذؓ بن جبل مشورت سے "حضر موت" چلے گئے تھے جواب میں آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جس طرح بھی ہو سکے اسود عنسی کو مٹا ڈالو۔ چنانچہ تینوں صحابہؓ نے مرزبانہ سے رابطہ کیا۔ اس نے اپنے چچیر فیروز دیلمی اور ایک اور شخص دادویہ کو اسود عنسی کے قتل پر مامور کیا اور خود اس رات اسود کو بہت زیادہ شراب پلا کر مدہوش کر دیا۔ قتل کے وقت گائے کے ڈکرانے کی سی آواز اسود نے نکالی تو پہرے دار اندر کو دوڑے لیکن مرزبانہ نے انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ تمہارے نبی پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ کی وفات سے ایک دو دن پہلے آپ کو اسود عنسی کے قتل کی اطلاع بذریعہ وحی ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کو بتلایا کہ فیروز نامی مبارک شخص نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اور "فیروز کامیاب ہوا" کے الفاظ بھی کہے۔

۳۔ طلیحہ بن خویلد: اس نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا عیینہ بن حصین فزاری مرتد ہو کر اس سے مل گیا۔ کہتا تھا کہ جبرئیل اس پر وحی لاتا ہے۔ اس کے عروج کا باعث یہ واقعہ بنا کہ سفر میں اس نے قوم سے کہا کہ "گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ چند میل سفر کرو تمہیں پانی مل جائے گا اور اتفاق سے پانی مل گیا اور لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا۔ تو آپ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا جو قبیلہ طے کے دو پہاڑوں کے درمیان خیمہ زن ہوا۔ اس کے ساتھ نواحی علاقہ کے مسلمان بھی شامل ہو گئے۔ اور دشمن پر حملہ بول دیا۔ عیینہ فزاری اور اس کا لشکر بھاگ نکلے۔ عیینہ کو طلیحہ کی جھوٹی نبوت کا علم ہوا تو وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر فزاریوں کے ساتھ بھاگ گیا۔ طلیحہ واپس آکر مسلمان ہو گیا اور اسلامی لشکر میں شامل ہو گیا اور نہاوند کی جنگ میں شہادت پائی رضی اللہ عنہ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲۹۱)

سجاح بنت حارث: یہ بنی یربوع میں سے تھی اور بنو تغلب میں رہ کر نبی ہونے کی مدعی تھی۔ اس کا زمانہ مسیلمہ کذاب کا ہی زمانہ تھا۔ مسیلمہ نے اسے تحفے بھیجے اور ملاقات کے لئے وقت مانگا۔ اس نے بڑی شاندار تیاری کی اور مسیلمہ کو بلا لیا۔ اور تنہائی میں دونوں نے ملاقات کی۔ اپنے اپنے "کمالات" سے ایک دوسرے کو آگاہ کیا۔ اور آخر میں مسیلمہ نے مل بیٹھنے کے لئے نکاح کا پیغام دیا جسے سجاح نے منظور کر لیا اور تین دن تک ہنی مون مناتے رہے۔ پھر سجاح اپنی قوم میں چلی گئی اور مسیلمہ اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ سجاح سے قوم نے "حق مہر" کی رقم کا سوال کیا تو سجاح نے کہا کہ حق مہر کا تو یاد ہی نہ رہا۔ چنانچہ وہ مسیلمہ کے پاس آئی اور حق مہر کے لئے کہا۔ اس نے کہا کہ یمامہ کا نصف غلہ اس کے سپرد کیا جاتا ہے اور اس کی امت کے لئے صبح اور عشاء کی نمازیں ساقط کی جاتی ہیں۔ اتنے میں حضرت خالدؓ بن ولید کا لشکر آ پہنچا اور سب کچھ گڑبڑ ہو کر رہ گیا۔ ایک روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں سجاح کی امت مسلمان ہو گئی۔ دوسری روایت ہے کہ وہ امت مسیلمہ کے جزیرہ میں چھپ گئی اور وہیں ہلاک ہو گئی۔

Marfat.com

ارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۹۳)

سریہ حضرت اسامہؓ بن زید: حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی زندگی کا آخری سریہ حضرت اسامہؓ بن زید بن حارثہ کی سرکردگی میں روانہ کرنے کا حکم دیا۔ ۲۶ صفر المظفر اللہ کو یہ لشکر جانے والا تھا کہ روانگی سے پہلے جاسوسوں اور مخبروں کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجنا ضروری سمجھا گیا۔ اسی اثناء میں ۲۸ صفر المظفر کو آپ ﷺ ایک جنازہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ شدید سر درد کا عارضہ آپ کو لاحق ہوا۔ ۲۹ صفر کو علالت کے باوجود آپ ﷺ نے علم تیار کر کے لشکر کو حکم دیا:

اغزبسم اللہ وفی سبیل اللہ فقاتل من کفر باللہ

"یعنی اللہ کا نام لیکر راہ خدا میں جہاد کرو اور اللہ کے منکروں کو قتل کرو"۔

حضرت اسامہؓ نے آپ ﷺ سے علم حاصل کیا۔ اور بریدہؓ بن حصیب کو لشکر کا علمبردار بنا کر علم ان کے سپرد کر دیا یہ لشکر روانہ ہو کر نزدیک ہی "جرف" کے مقام پر جا ٹھہرا بعض لوگوں (یا بقول بعض منافقین) نے اعتراض کیا کہ نو عمر اسامہؓ کو لشکر کا سالار کیوں بنایا ہے جبکہ ان سے زیادہ تجربہ کار سالار بنائے جا سکتے تھے۔ حضور علیہ السلام تک یہ اعتراض پہنچا تو آپ ﷺ علالت کے باوجود تحت غصہ میں آگئے اور منبر پر چڑھ کر ارشاد فرمایا: بعض لوگوں نے موتہ میں ان کے والد زیدؓ بن حارثہ کو امیر بنانے پر بھی اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم اسامہؓ امارت کے مستحق اور سزاوار ہیں۔ اور وہ تم میں اختیار میں سے ہیں"۔ پھر آپ منبر سے نیچے اترے اور کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔

حضرت عمرؓ اپنے عہد خلافت میں حضرت اسامہ کو "اے امیر السلام علیکم" کہتے اور فرماتے کہ جب حضور ﷺ نے رحلت فرمائی تو اس وقت آپ ﷺ کے ارشاد سے آپ ہم سب پر امیر تھے۔ حضرت رسول پاک ﷺ کی رحلت کے وقت حضرت اسامہؓ کی عمر انیس بیس برس تھی۔ دس ربیع الاول تک یہ لشکر رکا رہا۔ وہ جماعتیں جو اس لشکر میں شامل تھیں، جرف سے آ کر حضور ﷺ کی مزاج پرسی کرتیں اور واپس چلی جاتیں۔ اس دن حضور ﷺ کی حالت زیادہ پریشان کن تھی۔ لیکن آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جیش اسامہؓ کو روانہ کر دو۔ گیارہ ربیع الاول کو حضرت اسامہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور لشکر کی روانگی کے ارادہ سے اجازت طلب کی اور آپ ﷺ کے سرہانے کھڑے ہو گئے۔ پھر سر جھکا کر آپ کے سر اور دست مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ ﷺ پر مرض کا غلبہ اس قدر شدید تھا کہ آپ بول نہ سکے۔ تاہم آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر اسامہؓ کو پیار دیا اور دعا فرمائی پھر حضرت اسامہؓ حجرہ سے باہر آگئے اور لشکر گاہ میں چلے گئے۔ اگلے دن پیر کو دوبارہ حاضر ہوئے اس وقت مرض میں کچھ تخفیف تھی۔ آپ ﷺ نے اسامہؓ کو رخصت کیا اور فرمایا:

اغزعلی برکتہ للہ--- یعنی خدا کی برکت سے جہاد کو جاؤ۔

Marfat.com

حضرت اسامہؓ پھر لشکر گاہ میں چلے گئے اور لشکر کو کوچ کا حکم دیدیا۔ جب خود سوار ہونے لگے تو ان کی والدہ ام ایمنؓ کا پیغام آیا کہ رسول اللہ ﷺ نزع کے عالم میں ہیں۔ پس حضرت اسامہؓ رک گئے اور لوٹ آئے۔ اشراف صحابہؓ بھی واپس آ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ اور علی مرتضیٰؓ پہلے ہی مدینہ میں تھے۔ علمبردار لشکر بریدہؓ بن حصیب نے علم مبارک آپ کے حجرہ کے دروازہ پر نصب کر دیا۔ اور جب حضور کی وفات کے بعد سب امور انجام پا گئے اور صدیق اکبرؓ کی خلافت قرار پائی تو انہوں نے حکم دیا کہ علم مبارک حضرت اسامہؓ کے دروازے پر نصب کر دیا جائے تا کہ جس لشکر کی روانگی کا حکم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود دے چکے ہیں وہ روانہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت اسامہؓ نے فاروق اعظمؓ کو صدیق اکبر کی خواہش پر مدینہ منورہ میں رہ جانے کی اجازت دے دی۔ یہ لشکر اپنی منزل پر پہنچا اور کامیاب ہو کر بکثرت مال غنیمت کے ساتھ چالیس دن میں واپس آ گیا۔

لشکر کی روانگی سے قبل بعض لوگوں نے پھر کہنا شروع کیا کہ حضور کی وفات کے بعد لوگوں کے ارتداد کا خدشہ ہے۔ لہٰذا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ڈٹ گئے اور فرمایا کہ حضور ﷺ کی متابعت میں مجھے مرتدین کا لقمہ بننا قبول ہے لیکن آپ ﷺ کے حکم سے انحراف کرنا منظور نہیں۔ تاہم انہوں نے اسامہؓ سے کہہ کر حضرت عمر کو اپنے پاس روک لیا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۹۳ تا ۶۹۵)

یا اللہ یا حی یا قیوم
برحمتک استغیث

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

یارسول اللہ انظر حالنا
یاحبیب اللہ اسمع قالنا

شیر ربانی غوثیہ بک بنک

بیاد اقدس مرشدی سیدی حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ صاحب شرقپوریؒ برادر حقیقی وسجادہ نشین اعلیٰ حضرت قبلہ میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ وبرائے ایصال ثواب والدین کریمین قدر آفاقی عفی عنہ

زیر سرپرستی
نقشبندی بزرگان

فخر المشائخ صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری وحافظ القاری صاحبزادہ میاں محمد ابوبکر صاحب شرقپوری ابن شبیہ شیر ربانی میاں غلام احمد صاحب شرقپوری

زیب سجادہ آستانہ عالیہ
شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ
(پاکستان)

بانی صدر و ناظم اعلیٰ: چوہدری بشیر احمد ابوالبقا قدر آفاقی ایم اے (صدارتی ایوارڈ یافتہ)
2-306۔ ڈی ون (نزد عمر چوک مسجد شاپ) ٹاؤن شپ لاہور (پاکستان) فون: 5118674

چوہدری بشیر احمد قدر آفاقی ایم۔ اے
صدر جامع مسجد اسلامیہ (رجسٹرڈ)
بلاک 2 سیکٹر ڈی۔ ون ٹاؤن شپ لاہور

Marfat.com

صبح دوام زندگی

ہے معطر تر قدر ان ﷺ سے مشام زندگی
ہے مؤدب سامنے ان ﷺ کے خرام زندگی
زندہ تر ہے ان ﷺ کی رحمت سے ہی نام زندگی
اہل ہمت کے لئے ہیں وہ ﷺ پیام زندگی
فانی دنیا میں نبی ﷺ کی ہے جو شام زندگی
بارگہ حق میں ہے "صبح دوام زندگی"

(قدر آفاقی عفی عنہ)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات شریف: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **کل نفس ذائقة الموت** ہر جی کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ حضور ﷺ کو بھی جس مقصد کی خاطر دنیا میں مبعوث فرمایا تھا آپ ﷺ کے ہاتھوں وہ فریضہ بطریق احسن انجام پا چکا تھا اور **اکملت لکم دینکم** کی ربانی سند بھی نازل ہو چکی تھی اور غلبہ اسلام کا وعدہ بھی پورا ہو چکا تھا۔ بیرون عرب اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی اور عجم کے لالہ زاروں میں اسلام کی حقانیت واضح تر صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ ام القریٰ اور اس کے ارد گرد کی بستیوں کو ہدایت کا فیض مل چکا تھا اور یہ فیض اب دریائے نور بن کر عجم کے ظلمت کدوں کو بھی روشن کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ جس ہستی ﷺ نے اسلام کی شمع روشن کی تھی اس کو بھیجنے والے نے اسے واپس بلانے کا اعلان کر رکھا تھا اور نبی پاک ﷺ بھی اشاروں کنایوں میں سب کو اپنے چل چلاؤ کا عندیہ دے رہے تھے۔ حجتہ الوداع کے موقع پر بھی یہی صورتحال تھی پھر جب بیمار پڑے تو اپنی پیاری بیٹی بی بی فاطمہؓ کو تو کھل میں واضح طور پر بتلایا کہ میں اس مرض میں اللہ کے پاس چلا جاؤں گا۔ وہ رونے لگیں تو تسلی کے انداز میں سرگوشی فرمائی کہ سب سے پہلے تو ہی مجھے آکر ملے گی اور وہ خوش ہو گئیں۔

۲۶ صفر ۱۱ھ کو سردرد سے بیماری کی ابتدائی ہوئی۔ ایک روز منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ دنیا کی زیب و زینت کو قبول کر لے یا اللہ کے ہاں جو کچھ ہے اسے قبول کرے اور اللہ کے اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیزوں کو قبول کر لیا۔ یہ ارشاد سن کر صدیق اکبرؓ رونے لگے اور باقی صحابہؓ یہ نکتہ بعد میں سمجھے کہ حضور ﷺ نے سفر آخرت کو پسند کر لیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کو بیماری میں دنیا میں رہنے یا آخرت کو پسند کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ آپ کو مرض وفات میں جب کھانسی اٹھتی تو آپ ﷺ

Marfat.com

فرماتے تھے۔

مع الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین

"یعنی آپ ﷺ انعام یافتہ لوگوں اور انبیاء، صدیقین اور شہداء اور صالحین کی معیت کو پسند فرماتے تھے۔ (متفق علیہ)

عبدالرزاق ؒ نے طاؤس سے مرسلا نقل کیا ہے کہ آپ کو اللہ نے اختیار دیا تھا کہ آپ زندگی میں صحابہ ؓ کی فتوحات دیکھنا چاہیں تو دیکھ لیں اور اگر اللہ کی بارگاہ میں ہیشہ کے لئے جلدی حاضری دینا چاہیں تو تعجیل اختیار کریں۔ بیہقی کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ ملک الموت نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ حق تعالیٰ نے مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں روح قبض کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو ایسا نہ کروں کیونکہ مجھے آپ کی اطاعت کا حکم بھی ملا ہے۔ آپ ﷺ نے جبریل امین کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ جبریل نے عرض کیا۔

یارسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے روح قبض کرنے کی اجازت دے دی۔ (نشر الطیب صفحہ ۲۳۵ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی از مولانا اشرف علی تھانوی)

بروز پیر مرض کی ابتداء حضرت میمونہ ؓ کے گھر میں ہوئی۔ اور کل دس دن یا بارہ دن، تیرہ دن یا چودہ دن بیمار رہے۔ درد سر کے بعد بخار بڑھ گیا۔ اور اس مرض میں جنگ خیبر کے موقع پر زہر آلود لقمہ کا ذکر کرکے فرمایا کہ اب اس زہر کا اثر میرا کام تمام کرتا جا رہا ہے۔ اسی لئے بعض بزرگ کہتے ہیں کہ اس طرح حضور ﷺ نے شہادت کی موت پائی۔ (ایضاً صفحہ ۲۴۰)

مرض میں جب شدت ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے حکم سے سترہ نمازیں اپنی امامت میں پڑھائیں۔ اور درمیان میں ایک وقت آپ ﷺ نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ پھر ایک روز مسجد میں صدیق اکبر ؓ نماز کی امامت کر رہے تھے۔ آپ نے دولت خانہ سے مسجد میں کھلنے والی کھڑکی کا پردہ اٹھایا تو صحابہ کرام ؓ کو نماز میں دیکھ کر تبسم فرمایا۔ صحابہ ؓ سمجھے کہ آپ تشریف لائیں گے قریب تھا کہ بیقراری میں نماز میں کچھ پریشانی پیدا ہو۔ اور صدیق اکبر ؓ نے پیچھے ہٹنا چاہا تو آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو۔ اور پردہ گرا دیا۔ یہ گویا زندگی میں صحابہ کو آخری بار زیارت کروائی اور اسی روز آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

آپ آخری ایام میں سب ازواج سے اجازت لیکر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں اقامت گزین ہو گئے تھے۔ اللہ کا ارشاد گرامی ہے۔ **والآخرة خير لك من الاولى** پس آپ ﷺ پر جو جو گھڑی بیت رہی تھی آپ ﷺ بہتر سے بہترین کی طرف محو سفر تھے۔

مرض وفات سے پیشتر ۱۸-۱۹ ماہ صفر کو جنت البقیع والوں کے لئے خصوصی دعائے مغفرت فرمانے

Marfat.com

تشریف لے گئے۔ رات کے اندھیرے میں تہجد کے وقت چپکے سے نکلے اور بقیع میں پہنچ کر فرمایا۔

السلام علیکم دار قوم مومنین واتاکم ما توعدون وانا انشاء اللہ بکم لاحقون

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بستر خالی پایا تو وہ حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے چلتی جنت البقیع پہنچیں اور حضور ﷺ کو دعا کرتے پایا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۲۹ اردو ترجمہ)

پھر آپ ﷺ شہدائے احد کے حق میں دعا کے لئے بھی تشریف لے گئے۔ مروی ہے کہ اسی دن بیمار ہو گئے۔ (ایضاً صفحہ ۷۰۰) مرض کی ابتداء بدھ کے دن ہوئی۔ بعض روایات میں دیگر ایام کا ذکر بھی ہے۔

حدیث قرطاس: ایام مرض میں جمعرات کے دن عبدالرحمن بن ابو بکر سے کاغذ اور قلم دوات لانے کا کہا کہ تحریر لکھوا دوں۔ تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو سکو۔ اس پر صحابہؓ مختلف آراء ہوئے اور عمر فاروقؓ نے کہا کہ حضور ﷺ شدت مرض کی وجہ سے یہ کہہ رہے ہیں اور قرآن حکیم ہم میں موجود ہے وہ ہمیں کافی ہے۔ لیکن شور بڑھا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم سب یہاں سے اٹھ جاؤ۔ تاہم تین وصیتیں آپ نے فرمائیں۔ (۱) مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔ (۲) آنے والے وفود اور جماعتوں کو صلہ اور انعام دیا کرنا اور تیسری وصیت راوی کو یاد نہ رہی۔ (عن سعید بن جبیر)

امتی کے پیچھے نماز: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ساری زندگی میں صرف ایک نماز حضرت صدیق اکبرؓ کے پیچھے اور سفر میں ایک رکعت حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کے پیچھے پڑھی تھی جب آپ ﷺ قضائے حاجت کے لئے گئے تھے اور دیر ہو گئی تو صحابہؓ نے عبدالرحمن کو امام بنایا۔ آپ آئے تو ایک رکعت ان کے پیچھے ادا فرمائی اور نماز مکمل کرنے کے بعد ارشاد فرمایا۔ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے وفات سے پہلے اپنے کسی امتی کے پیچھے نماز ادا نہ کی ہو۔ (عن ابی سلمہ بن عبدالرحمن۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۰۰)

وفات سے پانچ روز پہلے یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجی کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا تھا۔ اور حکم دیا کہ میری قبر کو میرے بعد بت نہ بنالینا۔

سید لولاک ﷺ کے ارشاد "الفقر و فخری" کی عملی حالت یہ تھی کہ رحلت کی رات چراغ میں تیل تک نہ تھا۔ آپ ﷺ کا سر مبارک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر تھا۔ پھر آپ کو یاد آیا کہ سات دینار گھر میں ہیں۔ آپ نے ان کو خیرات کرنے کا حکم دیا۔ اور بیہوش ہو گئے۔ ایسے میں سیدہ عائشہ آپ کو سہارا دیئے ہوئے تھیں ذرا ہوش آیا تو دینار لانے کا حکم دیا اور دیناروں کو اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا۔ اے دینارو! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہیں اپنے قبضہ میں رکھتے ہوئے اپنے اللہ سے ملوں گا؟۔ اور پھر انہیں خیرات کر دیا۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۷۲۰۔۷۲۱) بحوالہ بیہقی) رحلت کے دنوں میں آپ کی زرہ

Marfat.com

مبارک چند صاع غلہ کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔

حضرت فاطمہؓ آخری وقت میں رسول اللہ کے پاس تشریف لائیں اور کہا۔ واللہ میرے بابا کو کتنی تکلیف ہے!

آپ ﷺ نے فرمایا آج کے بعد تمہارے بابا کو یہ تکلیف نہ ہوگی۔ پھر حضرت حسنؓ اور حسینؓ علیہما السلام کو بلایا اور دونوں کو چوما۔ اور پیار کیا اور ان کے احترام کی وصیت فرمائی۔ پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عن ھن کو بلایا اور ان کو نصیحتیں فرمائیں۔ پھر علی مرتضیٰؓ کو بلایا۔ انہوں نے آپ کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا ان کو بھی نصیحتیں فرمائیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی سانس بہت تیز چل رہی تھی اور تف مبارک علی مرتضیٰ کے چہرہ پر پڑ رہا تھا۔ اسی دوران میں نماز اور غلاموں کا خیال رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ پھر نزع کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ سہارا دیئے ہوئے آپ ﷺ کے پس پشت بیٹھی تھیں پانی کا پیالہ آپ کے سرہانے رکھا تھا۔ آپ پانی میں ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پر ملتے۔ اور فرماتے

لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات

اتنے میں آپ ﷺ نے عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ کے ہاتھ میں مسواک دیکھی سیدہ صدیقہؓ سمجھ گئیں اور اپنے دانتوں سے مسواک نرم کرکے پیش کی۔ مسواک کرنے کے بعد آپ ﷺ نے ہاتھ بلند فرمایا۔ اور زبان قدسی سے فرمایا۔

اللھم الرفیق الاعلی (یا) اللھم رب اغفرلی الحقنی بالرفیق الاعلی

اس کے بعد آپ کا ہاتھ لٹک گیا پتلی اوپر کو اٹھ گئی۔ (رحمتہ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ بحوالہ صحیح بخاری عن عائشہ اور مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۲۸)

آپ ﷺ نے ۱۲ ربیع الاول بروز پیر ۱۱ھ کو وقت چاشت یا دن ڈھلے وصال فرمایا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر قمری حساب سے ۶۳ سال ۴ دن تھی۔ (رحمتہ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۲۹۳)

انا للہ و انا الیہ راجعون

"طبقات ابن سعد، انساب الاشراف، سیرت ابن کثیر۔ الوفا وغیرہ)

اور یوں سید لولاک ﷺ دنیا کو اپنی رسالت کے آفتاب سے منور فرما کر اپنے خدا کے حضور میں حاضر ہو گئے جو آپ کی لقاء کا مشتاق تھا۔ اور شام زندگی نبھا کر "صبح دوام زندگی" کی وادی میں قدم رنجہ فرمایا۔

آپ ﷺ کے وفات پاتے ہی مدینہ منورہ میں اندھیرا چھا گیا اور تاریکی پھیل گئی اور دفن کے بعد صحابہؓ نے ایک دوسرے کے لئے مغائرت محسوس کی کہ دلوں کی یکجہتی کا بندھن دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔

Marfat.com

یوم وفات: اہل سیر نے آپ کا یوم وفات دو شنبہ یعنی پیر لکھا ہے۔ تاریخ ابن خلدون (جلد ۱ صفحہ ۲۱۰ اردو ترجمہ) میں ۱۲ ربیع الاول ہے۔ مولانا شبلی نے یکم ربیع الاول کو مناسب جانا ہے۔ بعض دو ربیع الاول لکھتے ہیں لیکن مشہور تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بروز پیر ہے جس پر امت کا عمل بھی ہے۔

وصال کے بعد: وصال مبارک کے فوراً بعد بدن مبارک ایسی خوشبو سے مہکنے لگا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "ایسی خوشبو میں نے آج تک سونگھی نہ تھی"۔ اور فرمایا کہ "وہ مہک میرے ہاتھوں میں کئی دن تک برقرار رہی"۔ (مدارج النبوت جلد ۲ مطبوعہ کراچی اردو ترجمہ ۶۶۲) حضور ﷺ کا جسد مبارک حجرہ میں چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ بمقام "سخ" گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو سیدھے حجرہ شریف میں حاضر ہوئے اور کپڑا چہرۂ اقدس سے اٹھا کر بصد ادب واحترام بوسہ دیا۔ اور فرمایا۔ یا رسول اللہ۔ بے شک آپ ﷺ نے اس موت کا مزہ چکھا جو آپ کی تقدیر میں تھی اور اب آپ کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ (بخاری شریف عن عبداللہ بن عباسؓ باب مرض النبی ﷺ)
تمام صحابہؓ اس سانحہ پر انتہائی پریشان اور دل گرفتہ تھے۔ حضرت عمرؓ کا تو یہ عالم تھا کہ تلوار کھینچ لی اور اعلان کر دیا کہ جو یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا میں اسے تہ تیغ کر دوں گا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ حضور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو تشریف لے گئے ہیں۔ بعض صحابہ گم سم تھے گویا ان کے حواس معطل ہو گئے ہیں۔ اس صورتحال کو سنبھالا دینے کے لئے صدیق اکبرؓ بڑی اولوالعزمی سے آگے بڑھے اور مسجد نبوی میں صحابہؓ کے درمیان مختصر سا خطبہ دیا اور فرمایا۔

لوگو! جو شخص محمد ﷺ کو معبود سمجھتا تھا۔ اسے جان لینا چاہئے کہ محمد ﷺ وفات پا گئے ہیں اور جو اللہ کو معبود جانتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

انک میت انھم میتون (زمر۔ ۳۰) یعنی آپ ﷺ نے وصال فرمانا ہے اور دوسروں نے بھی مرنا ہے۔ پھر سورہ آل عمران کی آیت ۱۴۴ تلاوت فرمائی:۔

محمد ﷺ تو بس رسول ﷺ ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول ہو گزرے ہیں۔ اگر آپ ﷺ وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم (پرانی ڈگر پر) ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی (پرانی ڈگر پر) ایڑیوں کے بل پلٹے گا وہ خدا کا کچھ نہ بگاڑے گا اور شکر گزار بندے اللہ کے ہاں جزا کے مستحق ہوں گے"۔

ان آیات کو سن کر صحابہؓ کے اوسان ٹھکانے آئے اور انہوں نے محسوس کیا جیسے یہ آیات آج ہی نازل ہوئی ہیں حالانکہ یہ آیات غزوہ احد کے موقع پر تقریباً سات سال پہلے نازل ہوئی تھیں۔ یہی حال عمر فاروق کا تھا۔ وہ کانپ کر گر گئے۔ اور یقین کر لیا کہ حضور کا وصال ہو گیا ہے۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۲۱۲)

Marfat.com

سقیفہ بنی ساعدہ: پھر حضرت صدیق اکبر نے اہل بیت سے اظہار افسوس کیا پھر پتہ چلا کہ سقیفہ ساعدہ میں انصار جمع ہیں تا کہ خلافت کا معاملہ طے کیا جائے۔ آپ فوراً وہاں پہنچے انصار سعدؓ بن عبادہ کی بیعت کرنا چاہتے تھے۔ بعض کا خیال تھا کہ ایک امیر انصار میں سے ہو گا اور ایک قریش میں سے۔ ادھر ابھی حضور ﷺ کو دفنانے کا کام سر پر تھا۔ ادھر انصار میں بے قراری بڑھتی جارہی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ مہاجرین کی جماعت لیکر انصار کی طرف گئے۔ کیونکہ اس معاملہ میں تاخیر کرنا مہاجرین اور انصار میں چپقلش کی شکل دھار سکتا تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح بھی آپ کے ساتھ تھے۔ صدیق اکبرؓ نے دوراندیشی کی اپیل کی اور انصار کو دو خلفاء کے نقصانات سے آگاہ کیا۔ نیز فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا کہ خلیفہ قریش میں سے ہو گا۔ اور انہوں نے حضرت عمرؓ یا ابو عبیدہ بن الجراح کے نام بھی تجویز کئے۔ عمر فاروقؓ کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر میرے بعد نبی ہو سکتا تو عمرؓ ہوتا۔ یعنی عمرؓ کی مومنانہ فراست مسلم تھی۔ اسی اثناء میں حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت بھی کرلی۔ اس کے بعد دیگر صحابہؓ نے بھی بیعت کرنا شروع کی۔ اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا گیا تو آپ نے یہ ذمہ داری قبول کرلی۔ اور ہمہ وقتی ریاستی امور انجام دینے کے لئے ذاتی کاروبار کو بھی خیرباد کہہ دیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ صفحہ ۶۹-۷۰)

غسل مبارک: حضور ﷺ کے جسد مبارک کو آپ ﷺ کی وصیت کے مطابق آپ کے اہل بیت نے غسل دیا۔ حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹوں فضل اور قثم نے یہ کام انجام دیا۔ حضرت علی آپ ﷺ کی پشت کو اپنے سینے سے لگا کر غسل دے رہے تھے۔ حضرت اسامہؓ اور فضل بن عباسؓ نے پردہ کر رکھا تھا۔ ابن خلدون کے مطابق اسامہ اور فضل پانی ڈال رہے تھے۔ آپ ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا کیونکہ حکم یہی تھا۔۔۔ غسل دیتے وقت حضرت عباسؓ بھی پاس موجود تھے۔ انصار میں سے بصد مشکل حضرت اوس بن خولی انصاری کو دروازہ کھول کر اندر آنے کی اجازت دی تا کہ انصار کی نمائندگی بھی ہو جائے وہ پانی کے گھڑے بھر بھر لاتے تھے۔ حضرت علیؓ نے آپ کا بدن سینے کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹے بدن کو کروٹ دیتے جاتے تھے اور اسامہؓ پانی ڈال رہے تھے۔ (بحوالہ سیرۃ النبی جلد ۲، نشر الطیب، رحمۃ للعالمین اور مشکوۃ شریف وغیرہ) غسل کے وقت حضرت علی کہہ رہے تھے۔

یارسول اللہ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ ﷺ کی وفات سے وہ شے جاتی رہی جو کسی اور کی وفات سے نہ گئی یعنی نبوت اور غیبی خبریں اور وحی کا سلسلہ بھی ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ کی وفات ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔ اب سارے مصائب سے دل ٹھنڈا ہو گیا۔ آپ کا جانا ایک ایسا عام حادثہ ہے جس سے سبھی متاثر ہوئے ہیں۔ اگر آپ ﷺ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا۔۔۔ تو ہم آپ پر سارے آنسو بہاتے اور پھر بھی اس زخم کا علاج نہ ہو سکتا۔۔۔ یارسول اللہ بارگاہ خداوندی میں ہمیں یاد رکھنا اور ہمارا خیال رکھنا۔

Marfat.com

(رحمتہ للعالمین جلد ا صفحہ ۳۲۶ بحوالہ نہج البلاغتہ مطبوعہ تبریز صفحہ ۲۰۵)

کفن: حضور ﷺ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا۔ دو سفید کپڑے تھے اور ایک یمانی چادر (برد یمانیہ) تھی (ابن خلدون) سیرۃ النبی میں ہے کہ کفن کے لئے پہلے پسند کیا گیا کپڑا ایک یمنی چادر تھی جو عبداللہ بن ابوبکرؓ کی تھی جسے بعد میں اتار لیا گیا۔ (سیرت النبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ بحوالہ مسلم شریف کتاب الجنائز) اور آپ ﷺ کو تین سفید سوتی کپڑوں کا کفن پہنایا گیا۔ جو "سحول" کے بنے ہوئے تھے۔ ان میں قمیص اور پگڑی نہیں تھی۔ (ایضاً بحوالہ بخاری و مسلم)

دفن کرنے کی جگہ: غسل کے بعد قبر کھودنے کا سوال اٹھا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ نبی جہاں وفات پاتا ہے اسے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ (سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ بحوالہ ابن سعد وغیرہ) حضرت علی کا قول ہے کہ انہوں نے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تھا۔ (محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری صفحہ ۶۸۷ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی) چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ شریف میں ہی قبر کھودنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کو حجرہ میں اس لئے دفن کیا گیا کہ مبادا لوگ آپ کی قبر کو عبادت گاہ بنالیں جبکہ کسی کھلی جگہ دفن کرنے سے یہ امکان زیادہ تھا۔

(ایضاً بحوالہ بخاری شریف کتاب الجنائز)

مدینے میں ابو عبیدہؓ بن الجراح صندوقی قبر کھودنے کے ماہر تھے اور حضرت ابو طلحہ مدینے میں رواج کے مطابق لحد والی قبر بنانے کے اچھے واقف کار تھے۔ حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ ان میں سے جو شخص پہلے آجائے وہ اپنے طریقے کی قبر تیار کر دے۔ (ابن ماجہ) حضرت عباسؓ نے دونوں کی طرف آدمی بھیجے ابو طلحہؓ پہلے آگئے اور انہوں نے لحد والی قبر تیار کر دی۔ قبر کی زمین نم آلود تھی للذا جس بستر پر آپ ﷺ نے وفات پائی تھی اسے بھی قبر میں بچھا دیا گیا۔ (سیرت النبی جلد ا صفحہ ۱۸۵)

نماز جنازہ: جب جنازہ تیار ہو گیا تو آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق پہلے اہل بیت نے جنازہ پڑھا۔ پھر مردوں نے پھر عورتوں نے اور آخر میں بچوں نے یہ نماز پڑھی۔ آپ ﷺ کا جنازہ حجرہ شریف میں رکھا تھا۔ جگہ تنگ تھی۔ پس دس دس کی جماعت آتی اور نماز پڑھ کر چلی جاتی۔ ترمذی شریف میں ہے کہ اس طرح جنازہ ادا کرنے کی تجویز حضرت ابوبکرؓ نے پیش کی تھی جس کی تائید علی مرتضیٰ نے کی تھی۔ (مکی مدنی ماہی از قدر آفاقی صفحہ ۵۲۵) اس نماز میں کوئی امام نہ تھا۔ آپ ﷺ کو وصال کے ۳۲ گھنٹے بعد دفن کیا گیا۔ (رحمتہ للعالمین جلد ا صفحہ ۳۲۶۔ ۳۲۷)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جنازہ میں یہ دعا پڑھی جاتی تھی۔ (ایضاً بحوالہ زرقانی جلد ۸ صفحہ ۲۹۳ مطبوعہ مصر ۱۳۱۸ھ)

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا یہا الذین امنو

Marfat.com

صلو علیه وسلموا تسلیما اللهم ربنا لبیک وسعدیک صلوة الله البر الرحیم والملٰکة المقربین والنبیین والصدیقین والصالحین وماسبح لک من شی یارب العالمین علی محمد بن عبدالله خاتم النبیین وسید المرسلین و امام المتقین و رسول رب العالمین الشاهد المبشرالداعی باذنک السراج المنیرو بارک وسلم

آپ کا جنازہ پڑھنے کا سلسلہ رات دن جاری رہا اور منگل اور بدھ کی درمیانی رات کو دفن کا کام انجام پایا۔ (رحمتہ للعالمین جلد ا صفحہ ۳۲۶-۳۲۷)

حضور کا جسد اطہر حضرت علیؓ، فضل بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ اور عبد الرحمٰن بن عوف نے قبر شریف میں اتارا۔ (ابوداؤد کتاب الجنائز) طبقات ابن سعد اور ابن ماجہ میں اسامہؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی جگہ قثم بن عباسؓ اور شقران (ایک خاص غلام) کے نام دیئے گئے ہیں۔ مولانا شبلیؒ نے ابوداؤد والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

آپ ﷺ کی وفات پر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک، اروی بن عبدالمطلب عاتکہ بنت عبدالمطلب، حضرت صفیہ، ہند بنت الحارث، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ اور ام ایمن وغیرہ رضی اللہ عنھم و عنھن نے مرثیے لکھے۔ (محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری ۶۸۸ تا ۶۹۲)

حجرہ شریف میں قبور کا نقشہ اس طرح ہے۔ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ کو ابوبکر صدیقؓ کی رحلت کے بعد انہیں اسی حجرہ میں دفن کیا گیا۔ پھر عمر فاروقؓ کی وفات ہوئی تو ان کو بھی یہاں دفنایا گیا۔ ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قیامت کے قریب نازل ہو کر دنیا میں وفات پائیں گے تو ان کو دفن کیا جائے گا۔

جسد مبارک کی حفاظت: حضور ﷺ کی قبر مبارک کچی تھی۔ ۵۷۷ھ میں نورالدین زنگی نے خواب دیکھا کہ بعض کفار حضور کا جسد مبارک قبر سے بذریعہ سرنگ

Marfat.com

نکال کر لیجانا چاہتے ہیں چنانچہ ان مکاروں کو پکڑ لیا گیا اور پھر حجرہ شریف کے چاروں طرف پانی تک بنیادیں کھود کر سیسہ بھر کر چنائی کرادی گئی تا کہ آئندہ سرنگ لگا کر کوئی شخص اپنے خبث باطن کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ اسی طرح بعد میں حضرت صدیقؓ اور فاروقؓ اعظم کے اجساد کو نکالنے کی کوشش بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ناکام بن کر رہ گئی۔ (مکی مدنی ماہی صفحہ ۵۲۹ تا ۵۳۲ بحوالہ تاریخ حرمین حصہ دوم صفحہ ۱۶۴ تا ۱۶۹ از علامہ عباس کرارہ مصری بحوالہ خلاصہ الوفاء جلد ۲ صفحہ ۳۱۴ تا ۳۱۶)

Marfat.com

سیرت سید لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصّہ سوم

ابوالبقاء قدر آفاقی

Marfat.com

حضور علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ اور آل اولادؓ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا: آپ خویلد کی بیٹی تھیں۔ پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی۔ جس سے دو بیٹے ہند اور ہالہ پیدا ہوئے اور حضور کی بعثت کے بعد مسلمان ہو کر صحابیؓ بنے۔ حضرت ہند سے حضور علیہ السلام کے حلیہ شریف کے بارے میں روایت ملتی ہے۔ حضرت خدیجہؓ انتہائی پاکیزہ خصلت اور نیک خاتون تھیں اور انہیں طاہرہ کہا جاتا تھا۔ ابو ہالہ فوت ہوئے تو آپ کا نکاح عتیق مخزومی بن عائز مخزومی سے ہوا اور ان سے ایک بیٹی جس کا نام بھی ہند تھا پیدا ہوئی۔ انہوں نے اسلام بھی قبول کیا تھا۔ ان کی شادی اپنے چچازاد صیفی بن امیہ بن عائذ مخزومی کے ساتھ ہوئی جس سے ایک بیٹا محمد بن صیفی پیدا ہوا۔ محمد بن صیفی کی اولاد کو حضرت خدیجہؓ طاہرہ سے نسبت کی بناء پر بنو طاہرہ کہتے ہیں۔ عتیق کی وفات کے بعد آپ کچھ عرصہ بیوہ رہیں۔ والدین کی طرف سے کافی مالدار تھیں اور تجارت بذریعہ ملازمین کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضور ﷺ کو پیشکش کی کہ اگر آپ میرا مال تجارت لے جائیں تو آپ کو دوسروں کی نسبت دگنا معاوضہ دوں گی۔ آپ ﷺ نے قبول فرمالیا۔ چنانچہ آپ مال تجارت لے کر گئے۔ ساتھ حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی تھا۔ اس دفعہ آپ ﷺ کو بہت منافع ہوا۔ میسرہ نے بھی واپس آکر حضور ﷺ کے اخلاق اور بابرکت عادات کی بہت تعریف کی۔ انہوں نے حضور ﷺ کو نکاح کا پیغام دیا۔ جسے آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کے مشورہ سے قبول کرلیا۔ شادی کے وقت حضور کی عمر پچیس سال تھی اور خدیجہؓ چالیس کی سال تھیں۔ بعض روایات میں ان کی عمر ۲۸ سال لکھی ہے مگر معروف روایات چالیس سال کے بارے میں ہی ہیں۔

حضور علیہ السلام نے حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں اور شادی نہیں کی۔ آپ کی جتنی بھی اولاد ہوئی وہ سب حضرت خدیجہؓ سے تھی۔ صرف حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے جو شیرخوارگی کی عمر میں وفات پاگئے۔ حضرت خدیجہؓ نے حضور ﷺ کی بعثت کے بعد فوراً اسلام قبول کرلیا۔ اور آپ ﷺ جب آغاز بعثت کے دنوں میں بیقرار رہا کرتے تھے تو حضرت خدیجہؓ نے حضور کی دلجوئی کی۔ آپ کی اولاد کا ذکر آگے آتا ہے۔ شعب ابو طالب سے باہر آنے کے بعد ہجرت سے تین سال قبل اُم المومنین حضرت خدیجہؓ نے ۱۰ رمضان کو وفات پائی اور کوہ حجون میں دفن کی گئیں۔ حضور ﷺ نے خود ان کو لحد میں اتارا۔ نماز جنازہ پڑھی نہ گئی تھی کیونکہ ابھی فرض نہ ہوئی تھی۔ (نقوش رسول نمبر جلد ۲ صفحہ ۶۲۸ سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی۔ کی مدنی ماہی ﷺ صفحہ ۵۳۵)

۲۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا: آپ کا تعلق قبیلہ بنو عامر بن لوئی سے تھا مکہ کی رہنے والی تھیں۔ آپ کا پہلا نکاح ان کے چچیرے سکران بن عمرو سے ہوا۔ آپ نے خاوند سے پہلے اسلام قبول کیا۔ پھر حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

Marfat.com

کے موقع پر خاوند کے ساتھ حبشہ چلی گئیں- جہاں بقول ابن حزم سکران ؓ وفات پا گیا اور آپ مکہ معظمہ واپس آ گئیں- بعض روایات میں ہے کہ سکران مکہ معظمہ ان کے ساتھ آیا اور یہاں فوت ہو گیا تھا- ان سے حضرت سودہ کا ایک بیٹا عبدالرحمٰن تھا جس نے اسلام قبول کیا اور وہ ۱۶ھ میں جلولا کی جنگ میں شہادت پا گیا-

حضرت خدیجہ ؓ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کو منصب نبوت نبھانے کے ساتھ ساتھ بچوں کی دیکھ بھال کا سامنا بھی تھا- چنانچہ حضرت خولہ ؓ بنت حکیم نے حضور ﷺ سے دوسری شادی کر لینے کی بات چیت کی اور جواب میں حضرت سودہ ؓ اور حضرت عائشہ ؓ کا نام لیا- آپ ﷺ سے اجازت لیکر حضرت خولہ ؓ نے حضرت سودہ ؓ سے بات کی- وہ رضامند ہو گئیں- لیکن والد صاحب کی رضامندی بھی ضروری تھی- آخر ۱۰ نبوی میں ہی حضرت سودہ کا نکاح حضور ﷺ سے ہو گیا- آپ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کو اس شادی پر اعتراض ہوا وہ اور کچھ نہ کر سکا تو اپنے سر میں خاک ڈال لی پھر اللہ نے اسے اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا تو اپنی اس حرکت پر شرمسار ہوا کرتا تھا- حضرت سودہ بزرگ خاتون تھیں اس لئے انہوں نے گھر کی ذمہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال اچھی طرح نبھائی بچوں کو ماں کا پیار دیا- آپ کچھ اونچا سنتی تھیں اور آخری عمر میں کان بالکل جواب دے گئے تھے- تاہم انہوں نے بڑی طویل عمر پائی اور حضرت عمر ؓ کے دور میں ۱۹ھ یا ۲۲ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں دفن کی گئیں- بعض روایات میں آپ کی وفات کا سال ۵۴ھ یا ۵۵ھ بتایا جاتا ہے- آپ سے پانچ احادیث روایت کردہ ملتی ہیں- (سیرت رسول عربی ۹۸-۵۹۷ کی مدنی ماہی صفحہ ۵۳۶-۵۳۷' اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۱ صفحہ ۴۴۲)

حضور ﷺ کی وفات کے بعد گھر سے کبھی باہر نہ نکلیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد اسی طرح تھا-

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

آپ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بیٹی تھیں- حضور ﷺ کی بعثت کے چار سال بعد آپ کی پیدائش ہوئی- آپ کی منگنی پہلے جبیر بن مطعم (بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ صفحہ ۷۰۸) یا ان کے بیٹے سے ہوئی تھی- (سیرت رسول عربی) - حضرت خولہ ؓ بنت حکیم نے حضور ﷺ کے بارے میں ان کی والدہ ام رومان سے رشتہ کی بات کی- تو انہوں نے "ہاں" کر دی- لیکن صدیق اکبر گھر آئے تو انہوں نے کہا کہ عائشہ رسول اللہ کے بھائی کی بیٹی ہے- بھلا یہ رشتہ جائز ہو گا؟ حضور ﷺ نے اس کے جواب میں کہلوا بھیجا کہ اسلام میں ہم دونوں بھائی ہیں- اور یہ نکاح جائز ہے- ادھر مطعم کی بیوی نے رشتہ لینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ مسلمان ہونا پسند نہ کرتے تھے- چنانچہ شوال ۱۰ نبوی میں حضور ﷺ سے حضرت عائشہ ؓ کا نکاح کر دیا گیا- اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی- اور رخصتی تین سال بعد مدینہ منورہ میں ہوئی- حق مہر ۵۰۰ درہم مقرر کیا گیا- حضور ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی- (سیرت عائشہ ؓ از سلیمان ندوی

Marfat.com

صفحہ ۹۷) حضرت عائشہؓ نے ۶۶ سال کی عمر میں ۵۷ھ میں وفات پائی۔ جبکہ بعض روایات میں ۱۷ رمضان ۵۷ھ کو وفات کا ذکر ملتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۷) - وصیت کے مطابق رات کو جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ مروان بن الحکم کے مقرر کردہ مدینہ کے گورنر حضرت ابو ہریرہؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت عائشہؓ سے دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں۔ ۱۷۴ احادیث بخاری اور مسلم میں متفق علیہ ہیں۔ باقی چون بخاری شریف میں ہیں جبکہ اٹھائیس (۲۸) مسلم شریف میں ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہایت سمجھدار، عابدہ، زاہدہ، سخی اور عالم فاضل خاتون تھیں۔ شاید حضور کی نظر نبوت نے آپ کے ساتھ کو اس لئے ضروری جانا کہ حضور اسلامی تعلیمات کی روح سے امت مسلمہ کو آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس عرصہ میں حضرت عائشہ کو روح قرآن سے صحیح معنوں میں آگاہ فرما دیا اور آپ کی وفات کے بعد وہ طویل عرصہ تک صحابہ کرام کی رہنمائی کرتی رہیں۔ آپ اسلامی قانون عربی شاعری، عربوں کی اسلام سے قبل کی تاریخ، حساب، طب اور بعض دوسرے شعبوں میں کافی دسترس رکھتی تھیں۔ قانون کے ماہر صحابہؓ آپ سے مشورہ لیتے اور مشکل مسائل کا جواب پاکر مطمئن ہو جاتے اور کئی بار آپ بعض صحابہ کے قانونی معاملات کے بارے میں ان کے خیالات کا تجزیہ اس طرح کرتیں کہ کھرا اور کھوٹا الگ ہو جاتا اور بات واضح ہو جاتی۔ آپ قرآن، سنت، حدیث اور فقہ کی بہت بڑی عالم تھیں۔ آپ کو حضور ﷺ سے اور حضور ﷺ کو آپ کے ساتھ بےحد محبت تھی۔ آپ کا رنگ گورا ہونے کی بناء پر حضور ﷺ ان کو حمیرا کہا کرتے تھے اور فرماتے کہ عائشہؓ کو دوسری عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو کھانوں میں ثرید کو۔۔۔

جب افک کا فتنہ اٹھا تو قرآن حکیم نے ان کی پاکدامنی کی گواہی دی اور بہتان عظیم کہہ کر آپ کا دفاع کیا۔ حضرت موسیٰؓ بن طلحہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ بہت زیادہ فصیح تھیں۔ ابو موسیٰ اشعری کے بقول صحابہؓ کو کوئی ایسا مسئلہ پیش نہیں آیا جس کا حل حضرت عائشہ سے نہ ملا ہو۔

محمود بن لبید کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ عمر فاروق اور عثمان غنی کے ادوار میں فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ سخاوت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ ایک لاکھ درہم آپ کے پاس آئے۔ آپ کی خادمہ اُم الدرداؓ بھی پاس تھیں۔ آپ نے سارے درہم راہ خدا میں لٹا دیئے اور روزہ کی افطاری تک کے لئے کچھ نہ رکھا۔ جب خادمہ نے یاد دلایا تو وقت بیت چکا تھا۔ بس اللہ اکبر کہہ کر اللہ پر بھروسہ اور شکر کر لیا۔ رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا: آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے ان کی پیدائش ہوئی۔ پہلا نکاح خنیسؓ بن حذیفہ سہمی سے ہوا۔ ان کے ساتھ ہی مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ جنگ بدر میں شریک تھے۔ (بخاری شریف) اور شدید زخمی ہو گئے اور بعد میں شہادت پا گئے۔ غزوۂ بدر کی فتح کے روز حضور کی پیاری بیٹی حضرت رقیہؓ بھی فوت ہوئیں۔ ادھر حضرت حفصہؓ کے خاوند شہید ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ حضرت عثمانؓ

Marfat.com

کو دامادی میں قبول کر لیں- لیکن انہوں نے کسی بہانے ٹال دیا- پھر حضرت عمرؓ نے صدیق اکبر کو یہ رشتہ قبول کرنے کا پیغام دیا- لیکن وہ خاموش رہے- حضرت عمرؓ کا دل دکھا تو شکایت کے انداز میں حضور ﷺ سے ذکر کیا- آپ ﷺ نے فرمایا: فکر مند نہ ہوں میں عثمانؓ کے لئے تیری بیٹی سے بہتر بیوی کا بندوبست کر دوں گا اور تیری بیٹی کو عثمانؓ سے بہتر خاوند ملے گا- چنانچہ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی اُم کلثوم کو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیدیا- یہ ربیع الاول ۳ھ کی بات ہے- اور شعبان ۳ھ میں حضور ﷺ نے حضرت حفصہ سے نکاح فرمالیا- حضرت ابو بکرؓ نے بعد میں حضرت عمرؓ کو باتوں باتوں میں اپنی خاموشی کی وجہ یہ بتلائی کہ حضور ﷺ نے ان کے سامنے حفصہ سے عقد کا خیال ظاہر کیا تھا-

حضرت حفصہؓ سے ساٹھ احادیث مروی ہیں جن میں سے پانچ بخاری شریف میں ہیں- آپ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور سگھڑ اور سمجھدار بی بی تھیں- حافظہ بہت تیز تھا- حضور سے نکاح کے وقت ان کی عمر بائیس برس تھی- حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں بعض قانونی مشورے خصوصاً عورتوں سے متعلقہ مسائل کے بارے میں ان کی رائے لیا کرتے تھے-

آپ نے شعبان ۴۵ھ ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں انتقال فرمایا- اور مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم نے ان کا جنازہ پڑھایا- اور مدینہ میں دفن ہوئیں-

۵- حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا:

آپ کا تعلق نجد کے قبیلہ عامر بن صعصعہ سے تھا پہلی شادی طفیل بن حارث سے ہوئی اور طلاق کے بعد حضرت عبیداللہ بن حارث سے شادی کر لی- اور وہ بھی بدر کے میدان میں جام شہادت نوش کر گئے- حضرت زینب اپنے قبیلہ میں بڑی معزز خاتون تھیں اور ان کا قبیلہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا- بلکہ اس قبیلہ والوں نے بیئر معونہ کے مقام پر اسلامی مبلغین کو شہید کر دیا تھا- اس طرح مسلمانوں کو ان سے انتقام لینا تھا- اس لئے حضرت زینب نے قبیلہ میں جانے کی بجائے مدینہ منورہ میں قیام کا فیصلہ کیا- کیونکہ اہل قبیلہ کو ان کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا- حضور نے اس خیال سے رمضان ۳ھ میں ان سے نکاح فرمالیا کہ شاید یہ نکاح ان کے خاندان کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کو سنوارنے کا باعث بن جائے- اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی- لیکن صحت بہت خراب ہو چکی تھی- آخر شادی کے تین مہینے بعد ہی وہ وفات پا گئیں- حضور علیہ السلام نے ان کا جنازہ پڑھایا- اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں- اب آپ ﷺ کے نکاح میں حضرت سودہؓ، عائشہؓ اور حفصہؓ رہ گئیں- ان کو اُم المساکین بھی کہا جاتا ہے- (سیرت رسول عربی ۶۱۰، نقوش رسول نمبر جلد ۲ صفحہ ۶۵۳-۶۵۲ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۰ صفحہ ۵۶۸ بحوالہ ابن سعد- طبری اور ابن اثیر وغیرہ)

۶- حضرت اُم سلمہ ہند رضی اللہ عنہا:

آپؓ کا اسم گرامی ہند اور کنیت اُم سلمہ تھی والد کا نام حذیفہ یا بعض روایتوں کے مطابق سہیل تھا

Marfat.com

اور والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر کنانیہ تھا۔ پہلے آپ کی شادی حضور علیہ السلام کے رضاعی بھائی ابو سلمہؓ (عبداللہ) بن عبدالاسد بن مغیرہ سے ہوئی جو آپ کا چچازاد تھا۔ میاں بیوی کو شروع میں ہی ایمان اور اسلام کی دولت نصیب ہو گئی تھی۔ اور حبشہ کی طرف مہاجرت بھی اختیار کی تھی۔ جہاں آپ کے بطن سے پہلا بچہ سلمہ پیدا ہوا۔ پھر یہ میاں بیوی مکہ معظمہ آگئے جہاں سے حضرت ابو سلمہ اکیلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے لیکن حضرت اُم سلمہؓ کو ان کے والدین نے روک لیا۔ جس کا آپ کو بہت رنج تھا۔ چنانچہ آپ قدغن لگانے والوں کے خلاف کعبہ میں جا کر برملا بددعائیں کرتی تھیں۔ آخر والدین نے کہا کہ ہمیں کوسنے نہ دیا کرو۔ اور مدینے چلی جاؤ۔ چنانچہ آپ تن تنہا چل پڑیں اور بخیر و عافیت مدینہ پہنچ گئیں۔ یوں آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والی پہلی خاتون (مہاجرہ ہونے) کا شرف حاصل ہے۔ حضرت ابو سلمہؓ نے بدر میں شرکت کی تھی پھر احد میں زخمی ہو گئے اور شفایاب ہو گئے۔ پھر ایک سریہ میں شریک تھے کہ کسی مرحلہ پر زیادہ قوت لگانے سے آپ کا زخم جو ابھی اچھی طرح مندمل نہ ہوا تھا پھٹ گیا اور اس طرح ۸ جمادی الثانی ۴ھ کو آپ نے انتقال کیا۔ اس وقت اُم سلمہؓ حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور پھر عمرؓ نے نکاح کا پیغام دیا۔ لیکن انہوں نے منظور نہ کیا۔ پھر حضورؐ نے اپنی جانب سے پیغام نکاح بھجوایا۔ تو انہوں نے "مرحبا" کہا اور ساتھ ہی چند عذر بھی پیش کئے۔ حضور ﷺ نے ہر عذر کا معقول جواب دیا۔ اور وہ شادی پر رضامندی ہو گئیں۔ اور اس طرح حضرت اُم سلمہؓ اُم المومنین بن گئیں۔

حضرت خالد بن ولید آپ کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ حضور ﷺ کے ساتھ ان کے نکاح کے دو سال بعد وہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت اُم سلمہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ اور شعر بھی کہہ لیتی تھیں۔ آپ سے تین سو اٹھتر کے قریب احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے تیرہ بخاری اور مسلم میں متفق علیہ ہیں۔ نیز تین اور بخاری میں تیرہ مسلم شریف میں منفرد ہیں۔ یہ ۳۷۸ احادیث مسند احمد بن حنبل میں موجود ہیں۔ چوراسی سال کی عمر میں شوال ۵۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہؓ نے پڑھائی (واقدی اور امام بخاری کی تاریخ کبیر) بقول ابن حبان آپ نے اکسٹھ ہجری میں وفات پائی۔ اور صحیح مسلم کی ایک حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آپ واقعہ حرہ تک زندہ تھیں جو ۶۳ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ (طبقات ابن سعد، سیرت النبی جلد ۲ اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳ صفحہ ۲۲۹ نقوش رسول نمبر جلد ۲ صفحہ ۶۵۴۔ ۶۵۳ سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی مرحوم اور رحمۃ للعالمین جلد ۲ سے استفادہ کیا گیا)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

آپ کے والد جحش شمالی عرب کے باشندے تھے لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے مکہ میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کی شادی حضور ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کے ساتھ ہو گئی اس طرح حضرت زینب حضور ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ جحش کا خاندان شروع میں ہی اسلام قبول کر چکا تھا۔ اور ہجرت کے بعد مدینہ چلا گیا تھا۔

Marfat.com

حضرت زینب کی تمنا تھی کہ ان کی شادی حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے ہو جائے لیکن حضور ﷺ نے اپنے لے پالک اور منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ وہ غلام بھی رہ چکے تھے اس لئے حضرت زینب کو یہ رشتہ پسند نہ تھا لیکن بحکم حضور اور اللہ کا حکم آنے سے کہ نبی علیہ السلام کے فیصلہ کے خلاف مسلمانوں کو قدم نہیں اٹھانا چاہئے۔ (احزاب رکوع ۵) یہ نکاح انجام پذیر تو ہو گیا لیکن روز روز کی چپقلش اور میاں بیوی میں ٹکراؤ کی صورت نے حالات کو گھمبیر بنا دیا۔ حضرت زیدؓ نے حضور ﷺ کے حضور میں حاضر ہو کر طلاق دینے کا عندیہ دیا۔ لیکن آپ ﷺ نے منع فرمادیا۔ اور دونوں کو سمجھایا بجھایا لیکن چند روز بعد چپقلش شدت اختیار کر گئی۔ آخر حضرت زینب کی خواہش کے مطابق حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دے دی۔

حضور ﷺ کو اپنے کرائے ہوئے اس رشتہ میں طلاق ہونے کا بہت صدمہ ہوا۔ اور اس سلسلہ میں ان کے ساتھ خود نکاح کر کے آپ ﷺ حضرت زینبؓ کی دلجوئی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن زیدؓ بن حارثہ حضور کے منہ بولے بیٹے تھے اور ایسے بیٹے کو عرب میں اصلی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ سوال یہ تھا کہ شادی کے بعد لوگ طعنے دیں گے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنی بہو سے شادی رچالی ہے۔ اس لئے آپ ﷺ جھجکتے بھی تھے۔ حالانکہ بطور سید المرسلین آپ جانتے تھے کہ ایسے رشتے کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس بات کا ذکر قرآن حکیم (سورۃ احزاب آیت ۳۷) میں بھی آیا ہے۔

"اور (اے نبی ﷺ!) جب آپ ﷺ اسے کہہ رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے اور آپ ﷺ نے انعام کیا کہ اپنی زوجہ سے نبھاؤ کرتا رہ اور اللہ سے ڈر۔۔۔ اور اس وقت آپ اپنے دل کی بات چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اور آپ لوگوں سے جھجکتے تھے اور اللہ سے جھجکنے کا حق زیادہ ہے"۔

پھر جب طلاق واقع ہو گئی تو یہ حکم نازل ہوا:

اور جب زیدؓ نے اس سے نبھاؤ ختم کر لیا تو ہم نے اسے (حضرت زینب کو) آپ ﷺ کے نکاح میں دے دیا۔ تاکہ مسلمانوں کے لئے اپنے لے پالک بیٹوں کی عورتوں سے (طلاق کے بعد) نکاح کرنے میں کوئی امر مانع نہ رہے اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔ (احزاب۔ ۳۷)

حضرت زینب نے حضور ﷺ کے ساتھ اپنا نکاح انجام پا جانے کے سلسلے میں چھ ماہ کے روزے رکھنے کی منت بھی مانی ہوئی تھی۔ جب حضور ﷺ نے ان کو پیغام نکاح بھجوایا تو آپ یہ پیغام سنتے ہی دوڑی دوڑی اندر گئیں اور شکرانے کے نفل ادا کر کے باہر آ کر پیامی کو اپنی "ہاں" سے آگاہ کیا۔ نیز اسے قیمتی تحائف بھی پیش کئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے عقد کے بعد حضرت زینبؓ بڑے فخر سے کہا کرتی تھیں کہ دیگر ازواج مطہرات کے نکاح ان کے ولیوں نے آپ ﷺ سے کئے ہیں جبکہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر کر کے حکم کی شکل میں نازل فرمایا ہے۔ قرآن حکیم نے بعض جہلاء کے طعنوں کا جواب اس طرح دیا ہے۔

Marfat.com

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں۔ البتہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں"۔ (لہٰذا زید بن حارثہ کے والد وہ کیسے ہو سکتے ہیں؟) (احزاب = ۴) اور ساتھ ہی یہ حکم نافذ فرمایا:

وما جعل ادعیا کم ابناء کم ذالکم قولکم بافواھکم

"اور تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا گیا۔ یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں"۔

(احزاب = ۴)

اس طرح حضرت زینبؓ کی شادی حضور علیہ السلام کے ساتھ ہو گئی اور آئندہ کے لئے امت محمدیہ کو سبق مل گیا کہ منہ بولے بیٹے اصل بیٹے کی طرح نہیں ہوتے۔ اور ان کی مطلقات سے نکاح جائز ہے۔ حضرت زینب کی عمر نکاح کے وقت ۳۵ سال تھی۔ آپ کا اصل نام برہ تھا۔ یہ نام "زینب" حضور ﷺ نے خود رکھا۔ آپؓ حسن اور خوبصورتی میں حضرت عائشہؓ کی مد مقابل تھیں۔ جیساکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "**کانت تسامینی**" یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں اور حضرت زینبؓ کی وجہ سے ہی پردہ کرنے کی آیت نازل ہوئی تھی۔ (محمد ﷺ رسول اللہ صفحہ ۴۲۸ از محمد رضا مصری) آپ نہایت سخی، سچائی کی دلدادہ اور رحم دل تھیں۔ واقعہ افک کے وقت حضور ﷺ نے ان سے حضرت عائشہ کے کردار کے بارے میں رائے لی تو آپ نے کہا۔

واللہ لا علمت الا خیرا یعنی اللہ کی قسم میں تو بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں جانتی۔

حضرت زینبؓ نے ترپن برس کی عمر میں وفات پائی اور وصیت کی کہ میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ ایک کفن عمر فاروق کی طرف سے آئے گا۔ دونوں میں سے ایک کفن خیرات کر دینا چنانچہ آپ کی وصیت پر عمل کیا گیا۔ حضرت زینب کی نماز جنازہ حضرت عمرؓ نے پڑھائی۔ کہتے ہیں کہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس کی تجویز پر آپ کا جنازہ لیجانے کے لئے ڈولی تیار کی گئی۔ جس کا رواج انہوں نے حبشہ میں ملاحظہ کیا تھا۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ سے گیارہ احادیث مروی ہیں جن میں سے دو متفق علیہ ہیں۔ (سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی ۶۰۵ تا ۶۱۰، محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری صفحہ ۴۲۹-۴۲۸ اردو ترجمہ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۰ صفحہ ۵۶۵ تا ۵۶۸ بحوالہ طبقات ابن سعد، المستدرک للحاکم، سیرت ابن ہشام، تفسیر طبری اور تفسیر ابن کثیر اور صحاح ستہ)

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا:

آپ کے والد ابو سفیان اور بھائی معاویہ تھے، لیکن ان کو اسلام کی دولت فتح مکہ کے بعد حاصل ہو سکی۔ حضرت اُم حبیبہ کا اصل نام رملہ اور کنیت اُم حبیبہؓ تھی۔ حضور علیہ السلام کی بعثت سے سترہ سال پہلے ان کی ولادت ہوئی۔ والدہ کا نام صفیہ بنت ابو لعاص بن امیہ تھا۔ پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا اور دونوں مسلمان ہو کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ وہاں آپ کے ہاں حبیبہ نامی بچی نے جنم لیا۔ جس کی وجہ سے آپ اُم حبیبہ کہلاتی ہیں۔ ابن سعد کے مطابق وہ مکہ میں ہی ہجرت سے پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ عبید اللہ حبشہ میں عیسائی

Marfat.com

ہو کر فوت ہو گیا۔ حضور ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے حضرت اُم حبیبہؓ کی اسلام پر ثابت قدمی کے پیش نظر عمرو بن امیہ کے ہاتھ والیٔ حبشہ اصحمہ نجاشی کے ذریعے اپنی طرف سے پیغام نکاح بھجوایا۔ جسے انہوں نے بخوشی منظور کر لیا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ کو خواب میں حضور علیہ السلام کے ساتھ اپنے نکاح کی بشارت مل چکی تھی۔ پس جب نجاشی نے اپنی ایک کنیز ابرھہ کے ذریعے حضور کا پیغام ان تک پہنچایا تو حضرت اُم حبیبہؓ نے خوشی سے اپنے زیور اتار کر اس کنیز کو بخش دیئے اور پھر خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل بنا کر نجاشی کے دربار میں بھیجا۔ نجاشی نے حضرت جعفر طیارؓ کو بلا کر حضور کی نمائندگی کے لئے کہا۔ چنانچہ ۷ ہجری میں نجاشی سے اُم حبیبہ کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا۔ اور پھر شرجیل بن حسنہ کے ساتھ ان کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھجوا دیا۔

آپ کی بیٹی حبیبہ کی پرورش حضور علیہ السلام کے گھر ہوئی اور وہ بنو ثقیف کے رئیس داؤد بن عروہ کے ساتھ منسوب تھیں۔ حضرت اُم حبیبہؓ کا وصال ۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا بعض روایات کی رو سے آپ کا وصال ۵۹ھ میں ہوا۔ (نقوش رسول نمبر جلد ۲ صفحہ ۱۵۱) آپ کو مدینہ منورہ میں ہی دفن کیا گیا۔ آپ سے پینسٹھ احادیث مروی ہیں جن میں سے دو متفق علیہ ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۶-۲۴۵، سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی صفحہ ۶۰۴-۶۰۵ اور مکی مدنی ماہی صفحہ ۵۴۷-۵۴۶)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا: آپ کے والد کا نام الحارث تھا۔ وہ نجد کے قبیلہ امیر بن صعصعہ میں سے تھا۔ حضرت میمونہ اُم المساکین حضرت زینب کی سوتیلی بہن تھیں۔ آپ کل نو بہنیں تھیں جو مختلف قبائل کے سرداروں سے بیاہی گئی تھیں۔ آپ کی ایک بہن ام الفضل لبابہ کبریٰ حضرت عباس بن مطلب کے گھر میں تھیں۔ حضرت میمونہ کا پہلا نکاح مسعود بن عمر بن عمیر ثقفی سے ہوا۔ اور طلاق کے بعد ابو رہم بن عبد العزیٰ سے شادی ہوئی۔ پھر ابو رہم بھی وفات پا گئے۔ حضرت عباس بن مطلب نے سرف کے مقام پر ان کا نکاح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ ۵۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس نے جنازہ پڑھایا اور قبر میں انہوں نے ہی اتارا۔ آپ سے چھہتر احادیث مروی ہیں جن میں سے سات متفق علیہ اور باقی دوسری کتب میں ملتی ہیں۔ (مکی مدنی ماہی صفحہ ۵۴۸-۵۴۷ نیز سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا: حضرت جویریہ بنت الحارث اسلام دشمن قبیلے بنو مصطلق سے تھیں جو یہودی قبیلہ بنو نضیر کا حلیف تھا۔ اور اس کے جوان بنو نضیر کے تنخواہ دار ملازمین تھے۔ جنگ خندق کے دنوں میں حضور علیہ السلام نے بنو مصطلق کی طرف ایک فوجی لشکر بھیجا۔ جس نے اچانک چھاپہ مار کر ان کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور اسلامی لشکر کو بہت سال مال غنیمت، گھوڑے اور خواتین اور بچے ہاتھ لگے۔ آپ ﷺ بنو مصطلق سے دشمنی بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔

Marfat.com

چنانچہ آپ ﷺ نے یہ مال غنیمت فوج میں تقسیم کرنے کے بعد اس ارادے سے کہ یہ مال اس کے وارثوں کو اسلامی فوج واپس کردے، اپنا نکاح قبیلے کے سردار الحارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ سے کرلیا۔ جب بنو مصطلق سے حضور ﷺ کی رشتہ داری قائم ہوگئی تو اسلامی لشکر نے بھی سارا مال ان کو واپس کر دیا۔ چنانچہ بنو مصطلق کی عورتیں اور بچے واپس گئے تو انہوں نے اسلامی لشکر کے حسن اخلاق کی بڑی تعریف کی۔ چنانچہ بنو مصطلق کا ایک وفد مدینہ منورہ آکر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوا اور بعد ازاں یہ جنگجو قبیلہ مسلمانوں کا دست راست ثابت ہوا۔

معتبر روایات کی رو سے حضرت جویریہ پہلے مسافع بن صفوان مصطلقی کے نکاح میں تھیں وہ ۵ھ میں غزوہ مریسیع میں قتل ہوگیا اور حضرت جویریہ مال غنیمت میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں۔ لیکن انہوں نے ثابتؓ بن قیس سے نو اوقیہ سونے کے عوض مکاتبت کرلی اور حضور علیہ السلام سے سونا لیکر اسے دیدیا۔ حضور ﷺ نے ان کو آزاد کرکے ان کی رضامندی سے ان سے نکاح فرمالیا۔ حضور ﷺ سے نکاح کے وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ آپ کا اصل نام برہ تھا۔ حضور نے بدل کر جویریہ رکھ دیا۔ آپ بہت نیک، پرہیزگار، روزہ دار اور تہجد گزار بی بی تھیں۔ آپ نے ربیع الاول ۵۰ھ (بقول بعض ۵۷ھ) میں وفات پائی۔ آپ رضی اللہ عنہا سے سات احادیث مروی ہیں دو دو مسلم اور بخاری اور تین دوسری کتب میں ہیں۔ (مکی مدنی ماہی صفحہ ۵۴۹-۵۴۸)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا: آپ کا اصل نام زینب تھا اور حی بن اخطب یہودی عالم کی بیٹی تھیں۔ آپ کی والدہ کا نام برہ تھا جو بنو قریظہ کے رئیس سموئل کی بیٹی تھی۔ جبکہ حضرت صفیہؓ کا والد حی بن اخطب بنو نضیر کا سردار تھا۔ آپ کو صفیہ کیوں کہتے ہیں۔ اس بارے میں زرقانی میں ہے کہ عرب میں مال غنیمت کا جو حصہ بادشاہ کے لئے مقرر کیا جائے اسے صفی یا صفیہ کہتے ہیں۔ فتح خیبر کے بعد آپ قیدی ہوکر آئیں تو حضور نے ان پر اپنی چادر ڈال دی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہیں۔ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ مسلمان ہوگئیں اور آزاد کرکے ان سے نکاح فرمالیا۔ اس تخصیص کی وجہ سے ان کو صفیہ کہا جانے لگا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۳ بحوالہ زرقانی وطبری)

آپ کی پہلی شادی بنو قریظہ کے رئیس سلام بن مشکم سے ہوئی۔ اس نے طلاق دیدی تو آپ کنانہ بن الربیع بن ابی حقیق کے نکاح میں آگئیں۔ وہ خیبر کی جنگ میں مقتول ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ اسیر ہوکر تقسیم کے وقت آپ دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں۔ کیونکہ انہوں نے ایک کنیز عطا کرنے کی درخواست کی تھی۔ حضور نے ایک عورت چن لینے کا فرمایا۔ انہوں نے صفیہ کو چن لیا۔ ایک اور صحابیؓ نے حضور کو بتلایا کہ دحیہ کلبی نے فلاں عورت کو پسند کرلیا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں وہ آپ ﷺ کے لائق ہے۔ چنانچہ حضور نے دحیہ کلبیؓ کلبی کو ایک اور کنیز عطا فرمادی اور صفیہ کو اپنے نکاح میں لے آئے۔

Marfat.com

اسلامی لشکر خیبر سے صہبا پہنچا تو وہاں زفاف اور ولیمہ کی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ حضرت صفیہؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان بتقاضائے بشریت کبھی کبھی سوکناپے کی آتش بھڑک اٹھتی اور حضرت عائشہ ان کو چڑانے کے لئے یہودن کی بیٹی کہہ کر بلاتیں۔ حضرت صفیہؓ نے حضور سے اس امر کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ جب عائشہؓ تمہیں ایسی بات کہے تو یہ جواب دینا۔

"میرا باپ ہارون اللہ کا رسول اور چچا موسیٰ کلیم اللہ تھا اور میرا خاوند سید المرسلین محمد ﷺ ہے۔ تم میں ایسی کون ہے جس میں اتنی خوبیاں پائی جاتی ہیں"۔ اور عائشہ سامنے سے جواب دیتیں کہ یہ جواب تیرا اپنا نہیں بلکہ تجھے کسی اور نے سکھایا ہے۔

ہماری یہ قابل احترام مائیںؓ بعد میں پکی سہیلیاں بن گئیں۔ حضرت صفیہ کو اپنے ایک بھتیجے سے بہت محبت تھی لیکن اس نے اسلام قبول نہ کیا۔ تاہم حضرت صفیہؓ نے اسلامی اصول وراثت کے تحت اپنے ترکہ کا تیسرا حصہ اپنی وصیت میں اس کے نام ہبہ کر دیا۔ جس پر بعض صحابہؓ نے اعتراض کیا۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ نے دخل دیا اور حضرت صفیہؓ کی وصیت پر عملدر کے لئے زور دیا۔ حضرت صفیہؓ نے مرنے سے پہلے حضرت عائشہؓ سے اپنی کسی بھی کوتاہی، غلطی یا دل آزاری کی معافی مانگی اور خود بھی انہیں معاف کر دیا۔ (نقوش رسول نمبر جلد ۲ صفحہ ۶۵۷ مضمون ڈاکٹر محمد حمید اللہ) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ساٹھ سال کی عمر میں ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔ آپ سے دس احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے ایک ایک حدیث بخاری اور مسلم ہے اور باقی آٹھ دیگر کتابوں میں ملتی ہیں۔ (مکی مدنی ماہی از قدر آفاقی صفحہ ۵۵۰ بحوالہ سیرت رسول عربی صفحہ ۶۱۲)

حضور علیہ السلام کی کنیزیں: کنیزیں دو طرح کی ہوتی ہیں ایک عام خدمت کے لئے اور دوسری وہ جن کے ساتھ ہمبستری بھی کی جا سکتی ہے۔ ان کو "سراری" کہتے ہیں۔

سراری کی تعداد چار ہے: ۱۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ۔ آپ کو اسکندریہ کے والی مقوقس نے حضور کے نامہ مبارک کے جواب میں ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ ان سے حضور کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے جو شیر خوارگی کے عرصہ میں ہی وفات پا گئے تھے۔

۲۔ حضرت ریحانہؓ بنت زید بن عمرو بنو نضیر میں سے تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا تھا۔

۳۔۴۔ ایک حضرت جمیلہ تھیں اور ایک وہ تھی جنہیں حضرت زینبؓ نے آپ کو ہبہ کر دیا تھا۔

خادمہ کنیزیں: (۱) سلمیٰ، (۲) ام رافع، (۳) میمونہ بنت سعد، (۴) خضیرہ، (۵) رضوی، (۶) امیمہ، (۷) خولہ،

Marfat.com

(۸) اُم ایمن، (۹) رشیحہ اور (۱۰) اُم ضمیر وغیرہ رضی اللہ عنھن (نشر الطیب مطبوعہ تاج کمپنی صفحہ ۲۲۱، نقوش رسول نمبر جلد ۱ صفحہ ۷۰۵)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد مبارک:

حضور کی ساری اولاد حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بطن سے تھی۔ صرف حضرت ابراہیم حضرت ماریہؓ کے بطن سے تھے جو شیر خوارگی کی عمر میں فوت ہو گئے۔ حضور کی چار بیٹیاں تھیں۔ اور دو بیٹے امام جعفر صادق کے مطابق حضور علیہ السلام کے حضرت خدیجہؓ سے چھ بچے ہی تھے۔ دو بیٹے حضرت طاہرؓ اور قاسمؓ تھے حضرت قاسم کے نام پر آپ ﷺ ابوالقاسم کہلاتے ہیں۔

آپ ﷺ کی بیٹیوں کے نام اس طرح ہیں۔ (۱) حضرت زینبؓ، (۲) حضرت ام کلثومؓ، (۳) حضرت رقیہؓ، (۴) حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنھن

۱۔ حضرت قاسمؓ:

آپ بعثت سے ۱۰-۱۱ سال پہلے پیدا ہوئے اور ابن سعد کے مطابق دو سال کی عمر میں بعثت سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ (طبقات جلد ۱ صفحہ ۱۳۱) مجاہد کا قول ہے کہ آپ سات دن زندہ رہ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور مفضل بن غسان غلابی کے مطابق حضرت قاسم نے تیرہ ماہ عمر پائی جبکہ ابن فارس کی رو سے آپ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے کہ وصال پایا۔

۲۔ عبداللہ یا عبدالرحمٰنؓ:

سیرت سرور عالم (جلد ۲ صفحہ ۱۱۴) میں مولانا مودودی کہتے ہیں کہ آپ کو عبداللہ یا عبدالرحمٰن کے علاوہ طیب اور طاہر بھی کہتے تھے۔ آپ حضور کی بعثت کے بعد پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ (سیرت رسول عربی صفحہ ۶۲۲ از نور بخش توکلی) بقول زبیر بن بکار متوفی ۲۵۶ھ حضور کے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو عبدالرحمٰنؓ بھی کہتے تھے۔ (مکی مدنی ماہی ﷺ صفحہ ۵۵۲)

حضرت ابراہیمؓ:

آپ حضرت ماریہؓ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ حضرت ماریہ بنی نضیر کے مال غنیمت سے آپ ﷺ کے حصہ میں آئی ہوئی جاگیر "العالیہ" میں رہ رہی تھیں۔ ذوالحجہ ۸ھ میں ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ تو حضور ﷺ نے ان کی والدہ ماریہؓ کو آزاد کر دیا اور فرمایا **اعتق ام ابراھیم ولدھا** یعنی ابراہیم کی ماں کو اس کے بیٹے نے آزاد کیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۳۶)

پیدائش کے وقت حضور ﷺ کی پھوپھی صفیہؓ کی کنیز سلمٰی نے دایہ کی خدمت انجام دی جو ابو رافعؓ کی بیوی تھی۔ ابو رافع ہی حضرت ابراہیمؓ کی پیدائش کی خوشخبری سنانے حضور ﷺ کی خدمت میں گئے۔ آپ ﷺ نے خوش ہو کر انہیں ایک غلام عطا کیا۔ ساتویں روز عقیقہ کیا اور بچے کے سر کے بال منڈوا کر بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات فرمائی اور خلیل اللہ کے نام پر نام ابراہیم رکھا۔ اور دودھ پلانے کے اُم سیف کے حوالے کیے گئے۔ جن کے خاوند ابو سیف لوہار کا کام کرتے تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک کہتے

Marfat.com

ہیں کہ حضور علیہ السلام ابراہیمؓ کو دیکھنے ابو سیف کے گھر جایا کرتے تھے اور صحابہؓ بھی ساتھ ہوتے تھے۔ آپ ؐ ابراہیمؓ کو گود لیکر بہت پیار فرماتے اور سر مونہہ چومتے۔ اگرچہ ابو سیف کا گھر لوہار کے کام کی وجہ سے دھوئیں سے بھرا ہوتا۔ بعض دفعہ صحابہؓ میں سے کوئی ابو سیف کو پہلے سے مطلع کرنے آجاتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے ہیں اور وہ دھواں ختم کرنے کے لئے کچھ دیر کے لئے اپنا کام بند کر دیتے۔ حضرت ابراہیم ابھی دودھ پیتے تھے اور اُم سیف کے گھر میں ہی تھے کہ سولہ ماہ کی عمر میں ۱۰ ربیع الاول ۱۰ھ کو وفات پا گئے۔ (سیرت رسول عربی ۶۲۲ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۳۶) صحاح کی بعض روایات کے مطابق حضرت ابراہیمؓ نے ۱۳ ۱۷ یا ۱۸ ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نزع کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُم سیف کے گھر گئے۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے بچے کو اٹھایا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا یا رسول اللہ۔۔ آپ رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ رونا مرنے والے کے لئے شفقت و رحمت ہے۔ وفات کے بعد حضرت ابراہیمؓ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے متصل دفن کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد) اتفاق سے اسی روز سورج گرہن لگا۔ لوگوں نے ابراہیمؓ کی وفات کو سورج گرہن کا اثر خیال کیا۔ آپ کو پتہ چلا تو فرمایا کہ گرہن کا کسی کی موت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ پس نماز پڑھو۔

حضور کے کتنے بیٹے تھے؟

سیرت نگاروں میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہیثم بن عدی، ہشام بن عروہ (اور وہ اپنے والد سے) روایت کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضور کے تین بیٹے تھے۔ یعنی عبد مناف، عبدالعزی اور قاسم لیکن دوسرے سیرت نگار اسے "جھوٹا" کہتے ہیں کہ بتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے سے ہی نفرت تھی لہٰذا وہ اپنے بچوں کے مشرکانہ نام کیسے رکھ سکتے تھے۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بیٹے تھے یعنی قاسم، عبداللہ، طاہر مطیب یا طیب جبکہ بعض کے نزدیک طاہر اور طیب ایک بچے کے نام تھے۔ بعض کے نزدیک طیب، اور مطیب جڑواں تھے اور اسی طرح طاہر اور مطہر بھی جڑواں تھے۔ جبکہ بعض کے مطابق حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بیٹے تھے۔ یعنی قاسم عبداللہ اور طیب (نقوش رسول نمبر جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ مضمون از غلام جیلانی برق عنوان ابن الجوزی سوانح رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ) امام ابن القیم نے زاد المعاد میں سہیلی نے روض الانف میں اور ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ طاہر اور طیب عبداللہ بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب تھے۔ (سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم از مولانا مودودی جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۱۱۵) گویا حضرت خدیجہؓ سے حضور کے دو بیٹے قاسم اور عبداللہ ہی تھے۔ اور یہ بچے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اور العاص بن وائل نے آپ کی اولاد نرینہ نہ ہونے سے آپ کی نسل ختم ہونے کا طعنہ دیا تھا جس کا جواب سورہ کوثر میں اللہ تعالیٰ نے دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر سے نوازا ہے آپ نماز اور قربانی میں کامل رہیں۔ بیشک آپ

Marfat.com

ﷺ کا برا چاہنے والا ہی بے نسل رہے گا۔

حضور ﷺ کی بیٹیاں

سیدہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا: حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ آپ کی شادی اپنے خالہ زاد ابوالعاص ،لقیط بن ربیع سے ہوئی۔ جو حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ کا بیٹا تھا بعثت کے بعد حضرت زینب نے اسلام قبول کر لیا لیکن ابوالعاص مسلمان نہ ہوا۔ قریش نے ابوالعاص کو کہا کہ وہ حضرت زینب کو طلاق دے دے، اور اس کی شادی اس کی من پسند خاتون سے کرنے کی حامی بھری۔ لیکن وہ نہ مانا جب وہ جنگ بدر میں قیدی بنا تو حضرت زینب نے اپنے دیور عمرو کے ہاتھ فدیہ کی رقم وغیرہ بھیج کر رہائی دلوائی۔ ابوالعاص رہائی کے بعد مکہ معظمہ پہنچا اور وعدہ کے مطابق حضرت زینب کو مدینہ منورہ بھجوانے کا انتظام کیا۔ اور اپنے بھائی کنانہ کو ساتھ بھیجا۔ حضرت زینبؓ اونٹ پر سوار تھیں۔ قریش نے پیچھا کیا۔ اور ہبار بن اسود (جس نے بعد میں اسلام قبول کیا) نے ذوطویٰ کے مقام پر اونٹ کو نیزے سے ڈرا کر حضرت زینبؓ کو گرا دیا۔ اور اس طوفان بدتمیزی میں ان کو چوٹ آئی اور حمل بھی ساقط ہو گیا۔ اب کنانہ نے تیر کمان سنبھالا لیکن قریش نرمی پر اتر آئے ابوسفیان بولا کہ زینبؓ کو دن کی روشنی میں مدینہ لے جانا ہمارے لئے قابل ملامت بات ہے۔ تم کسی وقت راتوں رات ان کو چھوڑ آنا اس طرح ہم مزاحم نہیں ہوں گے چنانچہ کنانہ موقع پا کر حضرت زینب کو "بطن یاجج" تک چھوڑ گیا جہاں پہلے ہی بحکم حضور ﷺ حضرت زیدؓ بن حارثہ منتظر تھے۔ وہ آپ کو مدینے تک لے گئے۔

محرم ۷ھ میں ابوالعاص بھی مدینہ منورہ پہنچا اور اسلام قبول کر کے حضرت زینب کے ساتھ رہنے لگا۔ حضرت زینب کی ایک بیٹی امامہ تھی جس سے حضور ﷺ بہت محبت کیا کرتے تھے۔ نماز پڑھتے وقت آپ ﷺ امامہؓ بیٹیا کو کندھوں پر بٹھا لیتے۔ رکوع میں اتار دیتے اور سجدہ کے بعد قیام کے وقت پھر کندھوں پر بٹھا لیتے۔ گویا حضرت امامہؓ کو حضور بہت پیار کرتے۔ حضرت ابوالعاصؓ نے وصیت کی کہ زبیر بن العوام سے امامہ کی منگنی کر دینا۔ ادھر حضرت فاطمہؓ نے حضرت علی کو وصیت کی کہ ان کی وفات کے بعد حضرت علی حضرت امامہؓ سے نکاح کریں۔ چنانچہ حضرت زبیر نے منگنی کو توڑ کر حضرت فاطمہؓ کی وصیت کے مطابق حضرت امامہؓ کا نکاح حضرت علی سے کر دیا۔ اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کی وصیت کے مطابق حضرت امامہ کا نکاح حضرت مغیرہؓ بن نوفل سے ہوا جس سے ایک بیٹا یحیٰی پیدا ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت امامہ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ حضرت امامہؓ نے مغیرہ کے گھر میں وفات پائی۔

حضرت زینب کا ایک بیٹا علی تھا اور وہ سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا گیا۔ لیکن ابن عساکر لکھتے ہیں کہ اہل نسب کہتے ہیں کہ علی جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

Marfat.com

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۸ھ میں وفات پائی۔ حضرت اُم ایمن، سودہ بنت زمعہ اور اُم سلمہ نے غسل دیا اور حضور ﷺ اور حضرت ابو العاص نے لحد میں اتارا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

سیدہ حضرت رقیہ اور سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہما: آپ ﷺ کی ان دو بیٹیوں کا نکاح ابو لہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ ہوا تھا لیکن رخصتی نہ ہوئی تھی۔ بعثت کے بعد ابو لہب حضور کا دشمن بن گیا اور اپنے بیٹوں سے حضور ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دلوا دی۔ حضور ﷺ نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے کر دیا جن سے ایک بیٹا عبد اللہ پیدا ہوا اور وہ ۴ھ میں بعمر چھ سال وفات پا گیا جبکہ جنگ بدر کی فتح کے دن ۲ھ میں حضرت رقیہ نے وفات پائی تھی۔ وفات کے وقت ان کی عمر صرف بیس سال تھی۔ حضور ﷺ بدر میں مصروفیت کی وجہ سے ان کے جنازے میں بھی شریک نہ ہو سکے۔ حضرت اُم کلثوم کا خاوند عتیبہ اپنے باپ کے کہنے پر حضور کی شان میں بہت گستاخی کرتا تھا۔ ایک بار اس نے حضور ﷺ کا کرتہ تک پھاڑ ڈالا اور بکواس بھی کرتا رہا۔ آپ ﷺ کے منہ سے نکلا "یا اللہ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کر"۔ ابو لہب کو پتہ چلا تو بہت سٹپٹایا کیونکہ اسے حضور ﷺ کی دعا کی قبولیت کا یقین تھا۔ تاہم اس نے حفاظتی انتظامات سخت کر دیئے۔ ایک دفعہ عتیبہ شام کی طرف گیا۔ قافلے والے اس کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور اسے درمیان میں محفوظ جگہ سلاتے۔ راہ میں ایک گرجے کے پاس پڑاؤ تھا۔ احتیاطاً سارا سامان گرجے کے اندر اکٹھا رکھا اور اس پر درمیان میں عتیبہ کا بستر لگایا۔ پچھلی رات ایک شیر داخل ہوا اور چھلانگ مار کر اسباب پر جا چڑھا اور عتیبہ کو چیر پھاڑ کر چلتا بنا۔

حضرت رقیہ کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں حضور ﷺ نے حضرت اُم کلثوم کی شادی حضرت عثمان سے کر دی اور یکے بعد دیگرے حضرت عثمان کے عقد میں نور مجسم ﷺ کی دو بیٹیاں آئیں۔ اور انہیں ذوالنورین کا لقب ملا۔ حضرت اُم کلثوم نے شعبان ۹ھ میں وفات پائی اور آپ کا جنازہ حضور ﷺ نے پڑھایا۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا: حضرت فاطمہ حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ بعثت سے پانچ سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئیں۔ چھوٹی بچی ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کو آپ سب سے زیادہ پیاری تھیں۔ ۲ ہجری میں آپ کا نکاح حضرت علی سے ہوا۔ ان سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ حضرت فاطمہ کی نسل صرف امام حسن (م۔ ۴۹ھ) اور حسین (شہادت ۶۱ھ) رضی اللہ عنہما سے باقی رہی۔ تیسرے بیٹے محسن صغیر سنی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ بیٹیاں حضرت اُم کلثوم اور زینب تھیں۔ زینب کی شادی حضرت عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب سے اور اُم کلثوم کی حضرت عمر فاروق سے ہوئی تھی۔ (البلاذری۔ انساب

Marfat.com

الاشراف جلد ۱ صفحہ ۴۰۶-۴۰۵، طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۹ تا ۳۰)

حضرت فاطمہؓ کا لقب زہرہ اور بتول تھا۔ زہرہ اس لئے کہ آپ کا چہرہ مبارک آب و تاب والا اور پر جمال تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی وجہ سے بتول کہلاتی تھیں۔ مزید القاب الراضیہ، المرضیہ، المیمونہ اور الزکیہ وغیرہ تھے اور خطابات اشرف النساء، اُم الائمۃ الاصفیاء، سیدۃ النساء العالمین، اور البضعۃ الطاہرہ وغیرہ تھے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ صفحہ ۹۳) آپ کا چہرہ مہرہ حضرت خدیجہؓ سے کافی مشابہت رکھتا تھا۔ (ایضاً صفحہ ۹۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما رائت احد اشبہ سمتا ودلا وھدیا برسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فی قیامھا و قعودھا من فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

"یعنی میں نے اٹھنے بیٹھنے، چال ڈھال اور طور طریقوں میں حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ سے بڑھ کر کسی اور کو رسول اللہ سے مشابہ نہیں دیکھا۔ (ایضاً صفحہ ۹۷ بذیل شیعی نقطہ نظر بحوالہ ترمذی و فضائل الخمسہ)

تاریخ پیدائش: آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے۔ یعنی ۵ قبل بعثت میں یا ۲۰ جمادی الثانی ابعثت نبوی کو آپ پیدا ہوئیں۔ اور شیعی نقطہ نظر کے مطابق آپ ۲۰ جمادی الثانی ۵ بعثت نبوی کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ (ایضاً صفحہ ۹۷ بحوالہ منتہی الامال جلد ۱ صفحہ ۱۳۱) آپ حضرت خدیجہؓ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ (الاستیعاب ابن عبدالبر جلد ۴ صفحہ ۳۷۷ اور اصابہ وغیرہ) لیکن بعض روایات میں حضرت فاطمہ کو حضرت رقیہ سے چھوٹی اور اُم کلثوم سے بڑی بتایا گیا ہے۔ (ابن حزم جمہرۃ الانساب العرب صفحہ ۱۶، جوامع السیرۃ صفحہ ۳۹-۴۰، ذہبی: سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۸۹) ذہبی نے حضرت ابو جعفر الباقر سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے اٹھائیس سال کی عمر میں وفات پائی اور آپ کی پیدائش تعمیر کعبہ کے زمانے میں ہوئی تھی یعنی جب حضور کی عمر پینتیس سال تھی (سیر النبلاء جلد ۲ صفحہ ۹۳) اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے تیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ صفحہ ۹۰) حضور علیہ السلام کو اپنی اس بیٹی سے بہت محبت تھی۔ صرف ان بیٹیوں کی بناء پر العاص بن وائل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب معاذ اللہ بے نسل اور بے نام کہا تو سورۃ کوثر میں حضور کی دلجوئی فرمائی گئی۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ "کوثر" سے مراد حضرت فاطمہؓ اور آپ ﷺ کی آل اولاد ہی ہے۔ (جلد ۹ صفحہ ۴۶۵) حضور ﷺ سے محبت اور کریم الطرفین ہونے کی بناء پر حضرت فاطمہ کی کنیت "ام ابیھا" ہے۔ جب حضور ﷺ سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں ان سے مل کر جاتے اور جب واپسی ہوتی تو سب سے پہلے انہیں مل کر خوش ہوتے۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو خیر النساء **ھذہ الامت، سیدۃ**

Marfat.com

النساء العالمین، سیدۃ النساء الاہل الجنت، سیدۃ النساء المومنین اور افضل النساء الجنۃ کے خطابات عطا فرمائے تھے۔ (سیرت رسول عربی از توکلی مرحوم صفحہ ۶۲۰) ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں امہات المومنین کی آنکھوں کا تارا بن کر رہیں۔ شادی کی عمر کو پہنچیں تو کئی رشتے آئے۔ لیکن حضورﷺ نے رد کر دیئے اور فرمایا کہ مجھے ایں رشتے کے بارے میں اللہ کی مرضی کا انتظار ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۱ تاریخ الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۲، زرقانی علی المواہب جلد ۳ صفحہ ۲۴ مطبوعہ مصر ۱۲۳۶ھ) ایک پیغام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھا۔ یہ رشتہ حضورﷺ نے منظور فرمالیا۔ اس بارے میں حضرت عمر فاروق سے مشورہ لیا تو انہوں نے بھی "مناسب رشتہ" کہہ کر تائید کی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ صفحہ ۹۱) اور نکاح غزوہ بدر کے بعد کیا گیا۔ حق مہر ۵۰۰ درہم یا ۴۸۰ درہم مقرر کیا گیا۔ نکاح سادہ طریقے سے مسجد نبوی میں ہوا۔ بعد میں مہمانوں کو شہد کا شربت پلایا اور کھجوریں تقسیم کی گئیں۔ ابن اثیر کے مطابق نکاح کے وقت بی بی فاطمہؓ کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ تھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۳۴۲) بعض روایات میں ۱۹/۱۸ سال کا ذکر ہے۔ نکاح کا خطبہ خود حضورﷺ نے پڑھا۔ شادی کے بعد ذرا فاصلے پر حضرت علیؓ نے کرایہ پر مکان لے لیا اور بعد میں حضرت حارثہؓ بن نعمان نے انہیں ایک مکان مسجد نبوی کے قریب دے دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸)

جہیز: جہیز میں حضرت سیدہ کو ایک لحاف، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، پانی کے لئے ایک مشک، اور دو گھڑے دیئے گئے۔ بعض روایات میں ایک چارپائی، دو تو شکیں، ایک گرم چادر، ایک تکیہ، ایک مشک (پانی کے لئے) اور ایک لوٹا جہیز میں دینے کا ذکر ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ صفحہ ۹۱)

گھریلو زندگی: حضرت بی بی فاطمہؓ گھر کا سارا کام کاج خود کرتی تھیں۔ چکی پیستی ہوئی تلاوت قرآن فرماتی جاتیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے اور گٹے پڑ جاتے۔ حضور علیہ السلام کو صورتحال کا علم تھا۔ مگر آپ ہمیشہ دنیا کی عارضی زندگی کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دینے کا ارشاد فرما کر تسلی دیتے۔ اور دعائے خیر و برکت فرماتے۔ ایک دفعہ آپ بیمار تھیں۔ حضورﷺ ایک بزرگ صحابی حضرت عمرانؓ بن حصین کے ساتھ عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دستک دی تو عرض کیا۔ تشریف لے آیئے۔ حضورﷺ نے فرمایا میرے ساتھ عمران بن حصین بھی ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ نے جواب دیا۔ ابا حضورﷺ! ایک عبا کے سوا میرے پاس پردہ کے لئے کوئی دوسرا کپڑا نہیں۔ حضورﷺ نے اپنی چادر مبارک اندر پھینک دی۔ بیٹی نے پردہ کیا تو دونوں اندر گئے۔ سیدہ نے عرض کیا۔ ابا حضور درد کی شدت سے بے چین ہوں اور بھوک نے نڈھال کر رکھا ہے۔ کھانے کو گھر میں کچھ نہیں۔ سید عالم، فخر موجودات، وجہ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صبر کر میری بیٹی۔ تیرے باباﷺ کو بھی تین دن کا فاقہ ہے" پھر فرمایا اگر میں اللہ سے مانگتا تو وہ

Marfat.com

ضرور عطا فرماتا لیکن میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی"۔ پھر اپنا دست شفقت و رحمت سیدہ بیٹی کی پشت پر پھیرا اور دنیا کے مصائب سے دل شکستہ نہ ہونے کی تلقین کی اور فرمایا کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو گی۔

حضرت علیؓ آپ کو اس قدر مشقت میں دیکھتے تو فرماتے فاطمہ! اتنا زیادہ کام نہ کیا کر۔

ایک دفعہ مال غنیمت میں کچھ کنیزیں آئیں۔ سیدہ فاطمہؓ حضور ﷺ کے حضور حاضر ہو کر ایک کنیز کے لئے درخواست گزار ہوئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اصحاب صفہ کے مقابلہ میں تمہیں کوئی کنیز نہیں دے سکتا۔ اور فرمایا: ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کی تسبیح کر لیا کرو۔ اسے تسبیح فاطمہؓ کہتے ہیں۔ جس پر اکثر مسلمان عامل ہیں۔

گھر میں کبھی کبھی سیدۃ فاطمہؓ علی مرتضی سے روٹھ جاتیں اور کبھی شیر خدا روٹھ کر باہر نکل جاتے۔ ایک دفعہ حضور ﷺ تشریف لائے تو علیؓ کو گھر میں نہ پایا۔ پتہ چلا کہ روٹھ کر کہیں باہر چلے گئے ہیں۔ گھر میں دوپہر کا آرام بھی نہیں کیا۔ آپؐ نے ایک صحابیؓ کو تلاش میں بھیجا۔ انہوں نے آکر بتایا کہ مسجد میں آرام فرما رہے ہیں۔ حضور مسجد میں تشریف لے گئے۔ زمین پر لیٹنے سے بدن کو مٹی لگ گئی تھی۔ حضور ﷺ مٹی جھاڑتے جا رہے تھے اور فرما رہے تھے --- "اٹھ ابو تراب! اٹھ جا" اور اس طرح مرتضی کی کنیت ابو تراب مشہور ہو گئی جو شیر خداؓ کو اس قدر پسند تھی کہ کیا کہنا۔ (مسلم و بخاری بروایت حضرت سہلؓ بن سعد) فتح مکہ کے بعد حضرت علیؓ نے چاہا کہ ابو جہل کی بیٹی سے نکاح فرمالیں۔ بی بی فاطمہؓ نے اپنے ابا حضور ﷺ کے گوش گزار کرتے ہوئے شکایت کی کہ آپ ﷺ اپنی بیٹیوں کے بارے میں کبھی ناراض نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ کو پتہ ہے؟ کہ علیؓ ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے سنا تو فرمایا:

میں نے ابو العاص سے بیٹی بیاہی۔ اس نے اپنا ہر قول نبھایا۔ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ میں اسے دکھی نہیں دیکھ سکتا۔ خدا کی قسم رسول خدا کی بیٹی اور خدا کے دشمن کی بیٹی ایک گھر میں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ حضرت علی نے یہ بات سنی تو اپنے ارادے سے باز آگئے اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں انہوں نے کوئی شادی نہیں کی۔ حضور ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان ۱۱ھ کو (یا ۳ جمادی الآخر ۱۱ھ بحوالہ منتہی الآمال صفحہ ۱۶۵) حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی۔ (سیرت رسول عربی از توکلی مرحوم صفحہ ۶۲۱) مختلف روایات کی رو سے حضرت علیؓ یا حضرت عباسؓ یا حضرت ابو بکر صدیقؓ میں سے کسی ایک نے جنازہ پڑھایا اور رات کے وقت جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

مزرع تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوۂ کامل بتول ؓ

(اقبالؒ)

Marfat.com

حضور ﷺ کے اسمائے گرامی اور اسماء الحسنٰی: اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو اپنے اسماء الحسنٰی کی خلعت پہنائی ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہم السلام کو شکور کہا حضرت اسحاقؑ اور اسماعیلؑ کو علیم و حلیم فرمایا۔ حضرت ابراہیمؑ کو حلیم، عیسیٰؑ اور یحییٰؑ کو البر، موسیٰؑ کو کریم و قوی، یوسفؑ کو حفیظ و علیم اور ایوب علیہم السلام کو صابر کے نام سے نوازا۔ حضرت اسماعیل کو صادق الوعد بھی کہا گیا۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ کی خلعت سے نوازا ہے۔ محمد اور احمد آپ کے ذاتی نام ہیں۔ اللہ کے اسماء پر آپ کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

رؤف، رحیم، حق، مبین، نور، شہید، شاہد، کریم وغیرہ۔

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے جواہر البحار (اردو، جلد اول صفحہ ۱۶۷) میں حضور علیہ السلام کے اکاسی نام گنوائے ہیں۔ اختر شاہجہان پوریؒ نے اپنی کتاب الاستغاثۃ الکبریٰ باسماء الحسنٰی میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے اکاسی نام ایسے ہیں جو اللہ رب العزت کے ناموں میں سے ہیں۔ بلحاظ حروف تہجی وہ یہ ہیں۔

(ال) اول، آخر، احد، اکرم، بصیرۃ، باطن، بر، بدیع، برہان، جبار، جلیل، جامع، حکم، حلیم، حفیظ، حکیم، حق، حمید، حی، حافظ، خافض، خبیر، ذوالفضل، ذوالقوۃ، رافع، رقیب، رؤف، رشید، رحیم، سلام، سمیع، سریع، شاکر، شکور، الشدید، شہید، صادق، صبور، ظاہر، عزیز، علیم، عدل، عظیم، علی، عفو، عالم، غفور، غنی فتاح، فرد، قوی، قریب، قائم، کریم، کافی، کفیل، الملک، مومن، مہیمن، مجیب، مجید، متین، محی، ماجد، مقدم، مقسط، مغنی، مبین، مقیت، ملیک، معطی، منیر، نور، ہادی، وہاب، واسع، وکیل، ولی، واحد، والی، وافی (صلی اللہ علیہ وسلم) (جواہر البحار اردو جلد اول صفحہ ۱۶۷-۱۶۸)

اسلام اور مساجد

حضرت محمد ﷺ کی برکت سے امت مسلمہ کے لئے تمام زمین مسجد کا درجہ رکھتی ہے جبکہ پہلی امتوں کے لئے ایسا نہ تھا۔ مسجد کا لفظ قرآن حکیم کی مکی سورتوں میں عموماً مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے لئے استعمال ہوا۔ (بنی اسرائیل-۱) سورۃ کہف میں اصحاب کہف کے مزار کے پاس ایک مسجد بنانے کا ذکر بھی قرآن نے کیا ہے۔ (کہف-۲۱) مسجد حرام کا ذکر قرآن حکیم میں کئی بار آیا ہے۔ مثلاً بقرہ۔ آیت ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۹۱، ۱۹۶، ۲۱۷ میں۔ سورہ مائدہ کی آیت ۸ میں، انفال کی آیت ۳۴ میں، سورۃ توبہ کی آیت ۷ اور ۹ میں۔ سورۃ حج کی آیت ۲۵ میں، سورہ فتح کی آیت ۲۵ اور ۲۷ میں۔ مسجد ضرار کی بنیاد منافقوں نے رکھی اور انہیں نے تعمیر کی تھی۔ اس کا ذکر سورہ توبہ آیت ۱۰۷ میں ہے۔ اور اسی سورہ کی آیت ۱۰۸ میں مسجد نبوی یا مسجد قبا کا ذکر ہے۔ اور مساجد کا لفظ (مسجد کی جمع) بھی قرآن حکیم میں متعدد جگہ پر آیا ہے۔ مثلاً بقرہ ۱۱۴، ۱۸۷، توبہ ۱۷، ۱۸، حج ۴۰، جن ۱۸ وغیرہ۔

Marfat.com

بیت اللہ شریف: بیت اللہ شریف کو اسلام میں خصوصی اہمیت اور عزت و احترام حاصل ہے۔ اس بارے میں جابجا کافی شرح و بسط سے بات کی گئی ہے۔ اور دنیا بھر کے مسلمان اسی مسجد میں فریضہ حج ادا کرنے جاتے ہیں۔ جو نماز کی طرح اہل استطاعت پر فرض عبادت ہے۔ (آل عمران - ۹۷) - اس مسجد کی طرف ہر نمازی کو نماز ادا کرتے وقت منہ کرنے کا حکم ہے اور اسے مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا گیا۔ (بقرہ - ۱۴۹) - اس میں جو شخص داخل ہو گیا اس کے لئے امن ہے۔ (آل عمران - ۹۷) - اس میں کافر، مشرک اور بت پرست داخل نہیں ہو سکتے (توبہ - ۲۸) - اس جگہ برہنگی اور عریانی اختیار کرنا ممنوع ہے اور ستر پوشی کی تاکید کی گئی ہے۔ (اعراف - ۲۱) - دنیا بھر کی مساجد مسجد حرام کی فروع ہیں یعنی اصل مسجد صرف مسجد حرام ہے باقی مساجد اس کی قائم مقام ہیں۔ اور انہیں صحیح قبلہ رخ تعمیر کرنا نہایت ضروری ہے۔ (بقرہ - ۱۴۴) اور مسجد کو ریاکاری کی بجائے خلوص نیت سے تعمیر کرنا چاہئے (توبہ - ۱۰۷) نیز احادیث کی کتابوں میں بھی مسجد حرام اور مساجد کے بارے میں فضائل و ارشادات ملتے ہیں اور تفاسیر میں بھی تفصیلات دی گئی ہیں۔ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔

مساجد کے فضائل: یہ کعبہ اللہ کی برکت ہے کہ مسجد حرام کے اتباع میں جہاں کہیں بھی کوئی مسجد تعمیر کر لی جائے وہ اللہ کا پاک اور مقدس گھر بن جاتی ہے۔ اہل اسلام ان کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اور وہاں نماز باجماعت کا ثواب گھر میں ادا کردہ نماز کے مقابلہ میں ستائیس گنا زیادہ ملتا ہے۔ حدیث شریف میں حضور کا ارشاد ہے کہ جو شخص گھر سے وضو کر کے مسجد میں نماز کی نیت سے آئے اس کا ثواب ایسا ہے جیسے کوئی احرام باندھ کر حج کے لئے نکلا ہو۔ جو لوگ اندھیرے میں مسجد میں نماز باجماعت کے لئے جاتے ہیں ان کے لئے قیامت کے دن مکمل نور کی بشارت ہے۔ (مسلم شریف) - وضو کر کے مسجد جانیوالے کے لئے ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ مسجد میں پہنچ جائے اور جب تک نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ اس کو نماز کا ثواب ہی ملتا رہے گا۔ اور فرشتے اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہیں گے جب تک وہ کسی کو ایذا نہ پہنچائے اور مسجد میں باوضو رہے۔ (صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۵۱، ۲۵۹، ۲۶۰ وغیرہ)

آپ کا ارشاد ہے کہ دنیا کے تمام خطوں میں سے مسجدیں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۳۶) اور مسجد کی تعمیر کو جنت میں گھر بسانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (مسلم شریف ۲۷۸) اور مسجد میں صبح اور شام کو کچھ وقت گزارنے والا گویا اللہ کا مہمان ہوتا ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۶۳) جس شخص کا دل مسجد میں زیادہ لگے اور وہ صرف بوقت ضرورت ہی مسجد سے نکلتا ہو اسے ان سات افراد میں شمار فرمایا گیا ہے جنہیں قیامت کے دن سایہ خداوندی نصیب ہو گا جبکہ اللہ کے سایہ کے سوا اس دن کوئی اور سایہ ہرگز نہ ہو گا۔ (بخاری و مسلم) - حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی مسجد کی خبر گیری کرتا ہو تم اس کے ایمان کی شہادت دو۔ (مشکوٰۃ کتاب المساجد فصل اول) نیز فرمایا مسجدیں دُنیا میں جنت کی چراگاہیں ہیں اور جب تم ادھر سے گزرو تو وہاں چر لیا کرو

Marfat.com

یعنی اللہ اللہ کر لیا کرو۔ (مشکوٰۃ شریف) طبرانی میں ہے کہ مسجد کے قریب بسنے والے اس سے دور بسنے والوں کی بہ نسبت بوجہ قرب مکانی افضل ہیں۔ لیکن دور والوں کے لئے بھی ثواب زیادہ ہے کہ وہ دور سے چل کر مسجد میں آتے ہیں اور ان کے ہر قدم پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ (مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۲۶۱۔ ۲۶۲)

آداب مساجد: مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پیر اندر رکھے اور نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں باہر رکھے۔ داخل ہوتے وقت **اللھم افتح لی ابواب رحمتک** اور نکلتے وقت **اللھم انی اسئلک من فضلک** پڑھنا چاہئے۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۳۱۸) مسجد میں کچھ لوگ بیٹھے ہوں تو ان کو سلام علیکم کہا جائے۔

مسجد ابی ابکرؓ: یہ مسجد مکہ معظمہ میں اپنے گھر کے ایک کونے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت بنائی تھی جب کفار مکہ نے ان کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا۔ چنانچہ آپ اس مسجد میں نماز پڑھتے۔ تلاوت کرتے تھے۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ پہلی مسجد تھی جو آغاز اسلام میں تعمیر کی گئی۔ (حاشیہ بخاری شریف صفحہ ۵۵۲ مطبوعہ دہلی ۱۳۷۵ھ) ۔یہ مسجد اگرچہ اصطلاحی مسجد نہ تھی تاہم وہ اس میں نماز پڑھتے اور بلند آواز سے تلاوت کرتے تھے ان کی تلاوت سن کر قریشی عورتیں اور لڑکے جمع ہو جاتے اور قرآن سن کر اظہار تعجب کرتے کہ کیسا بے مثل کلام ہے۔ (ایضاً)

مسجد قبا: مدینہ منورہ میں دور اسلام کی دوسری مسجد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تعمیر کی گئی مسجد قبا تھی۔ یہ جگہ مدینہ منورہ سے تین میل دور ہے۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چودہ یا دس روز قیام فرمایا۔ بخاری شریف میں ہے کہ مسجد ضرار کے بعد والی آیت میں جس مسجد کا ذکر قرآن حکیم میں ہے (توبہ۔ ۱۰۸) وہ یہی مسجد قبا ہے (بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۵۵۵)

دیگر مساجد: حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابن ابی شیبہؒ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل ہم مدینہ میں کئی سال سے موجود تھے۔ ہم مسجدیں بناتے اور ان میں نمازیں ادا کرتے تھے۔ (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۷۲) یعنی انصارؓ نے ایمان لانے کے بعد مدینہ منورہ میں مساجد بنالی تھیں۔

مسجد ضرار: اس کا ذکر آچکا ہے اسے بارہ منافقین نے اپنی کمین گاہ کے طور پر بنایا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو مسجد ضرار کا نام دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منہدم کروا کر جلوادیا۔ (توبہ ۱۰۷)

مسجد نبوی: مدینہ منورہ میں آنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو امامہ اسعد کے مکان میں نماز پڑھاتے تھے۔ پھر ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار ہوئے۔ آپ کے پیچھے اونٹ پر ابوبکر صدیق سوار تھے اور بنو نجار کے محلے میں گئے۔ اونٹ حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے سامنے رکا۔ یہاں حضور

Marfat.com

ﷺ نے نماز پڑھی اور فوراً بعد وہاں مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس کی زمین دو یتیموں سہل اور سہیل سے دس دینار کے عوض خریدی گئی۔ اور مسجد تعمیر کی گئی۔ پھر یکے بعد دیگرے مطہرات کے لئے نو حجرے تعمیر کئے گئے۔ سادگی کی عمدہ مثال یہ مسجد چار دیواری سے گھری ہوئی تھی اور ایک طرف مسقف جگہ تھی۔ اسی میں صفہ تھا جہاں بے گھر مسلمان رہتے جو اصحاب صفہ کہلائے۔ لوگ مسجد میں آکر حسب دلخواہ بیٹھتے یا لیٹ کر آرام کرتے۔ صحن میں وفود کے لئے خیمے بھی لگائے جاتے۔ جنگ میں مرہم پٹی کا مرکز بھی ہوتی اور حضور یہاں اپنے اصحاب سے تحائف بھی وصول فرماتے اور پھر تقسیم بھی یہیں فرماتے۔ حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں مسجد نبوی کا رقبہ ۲۴۷۵ مربع میٹر تھا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ۱۱۰۰ مربع میٹر رقبہ کا اضافہ ہوا۔ اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ۴۹۶ مربع میٹر مزید اس میں شامل کیا۔ جبکہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں ۲۳۶۹ مربع میٹر کا مزید رقبہ مسجد میں شامل کیا گیا۔ خلیفہ مہدی عباسی نے مزید ۲۴۵۰ مربع میٹر کی توسیع کروائی۔ اور اشرف قائتبائی نے اس کے رقبہ میں ۱۲۰ مربع میٹر کا اضافہ کیا۔ جبکہ عبدالمجید ثانی کے دور میں اس میں ۱۲۹۳ مربع میٹر کا اور اضافہ کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ سعودی حکومت سے پہلے تک مسجد نبوی کا کل رقبہ دس ہزار تین سو تین (۱۰۳۰۳) مربع میٹر تھا۔ شاہ عبدالعزیز کے دور میں ۶۰۲۴ مربع میٹر رقبے کا اضافہ کیا گیا۔ بعد میں ملحقہ پرانی عمارتیں منہدم کروا کر ۶۲۴۷ مربع میٹر رقبہ کا مزید اضافہ کیا گیا۔ اس کے بعد مسجد نبوی کے گرد بنے ہوئے تین سو مکانات اور ایک سو دکانات بھی گرادی گئیں اور اس طرح رقبہ میں پینتیس ہزار ۳۵۰۰۰ مربع میٹر کا اور اضافہ ہو گیا۔ آجکل مسجد نبوی کے مربع شکل کے ۵۷۴ ستون ہیں جبکہ گول ستونوں کی تعداد ۲۲۲ ہے۔ پہلے مسجد کے پانچ دروازے تھے جو باب اسلام' باب الرحمۃ' باب جبرئیل' باب النساء اور باب عبدالمجید کہلاتے تھے۔ اب پانچ دروازے اور تعمیر کئے گئے ہیں جن کے نام باب عمرؓ' باب عثمانؓ' باب عبدالعزیز' باب سعود' اور باب ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ باب ابوبکرؓ پہلے کھڑکی کی شکل میں تھا اب اسے وسعت دیکر تعمیر کیا گیا ہے۔

مسجد نبوی کی نئی تعمیر: ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ کو مسجد نبوی کی تعمیر نو کا آغاز وسعت دیکر تعمیر کیا گیا ہے۔ سنگ بنیاد مصر کے سفیر ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے رکھا اور ۱۳۷۵ھ میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ (مکی مدنی ماہی از قدر آفاقی صفحہ ۵۳۲۔ ۵۳۳ بحوالہ تاریخ حرمین شریفین از عباس کرارہ مصری، اردو ترجمہ صفحہ ۳۲ تا ۴۱)

اسلام میں مسجد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ عبادت کا مرکز بھی تھی۔ اور ادارہ المشاورت بھی۔ مسافروں کے لئے ٹھکانا اور طلباء کے مدرسہ بھی تھی۔ دینی درسگاہ اور تعلیم و تربیت کا مرکز بھی تھی۔ لیکن آجکل وہ صرف مدرسہ اور نماز خانہ بن کر رہ گئی ہے۔ اور دیگر مقاصد کے لئے مختلف ادارے وجود میں آگئے ہیں۔

Marfat.com

شمائل واخلاق نبوی ﷺ

حلیہ مبارک کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ آپ ﷺ کی وجاہت و شوکت کا کیا کہنا۔ آپ کے جلال و جمال کا حسین امتزاج دیکھنے والوں پر ایک طرف رعب ڈالتا اور دوسری طرف دلوں میں کشش اور محبت کے دریا موجزن کرتا چلا جاتا۔ پسینے میں عطر جیسی خوشبو تھی اور بدن مبارک سے ہر وقت عجیب سرور انگیز خوشبو محسوس کی جاتی۔ سلام اور مصافحہ میں خود پہل فرماتے اور اپنا ہاتھ اس وقت تک دوسرے کے ہاتھ سے الگ نہ فرماتے جب تک وہ خود چھڑا نہ لیتا (ترمذی، بخاری، الوفاء)

گفتگو: آپ کی زبان مٹھاس لئے ہوئے تھی۔ اور آپ ٹھہر ٹھہر کر باوقار انداز میں گفتگو فرماتے کہ مخاطب الفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا۔ بات پر زور دینا ہوتا تو دو تین یا کئی بار دہراتے۔ آواز اس قدر صاف اور بلند تھی کہ ام ہانیؓ گھر میں بیٹھ کر خطبہ شریف سن لیتی تھیں۔ (ابن ماجہ) آپ ﷺ ہمیشہ غور و فکر میں محو رہتے۔ اکثر متفکر نظر آتے۔ اشارہ پورے ہاتھ سے فرماتے۔ تعجب کے اظہار کے وقت ہاتھ پلٹ دیتے۔ (شمائل ترمذی عن ہند بن ابی ہالہ) گفتگو نپی تلی اور جامع ہوتی بے جا طوالت سے گریز فرماتے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۷۵)

چال: آپ ﷺ باوقار اور میانہ رفتار کے حامل تھے۔ یوں لگتا جیسے بلندی سے اتر رہے ہوں۔ لیکن ساتھ چلنے والے بڑے تکلف کے ساتھ آپ کو مل سکتے تھے۔ سفر کے دوران میں ادھر ادھر توجہ نہ فرماتے اگرچہ آپ کا کپڑا کسی چیز میں الجھ کیوں نہ جاتا۔ (ایضاً صفحہ ۳۸۹)

لباس: سنن ابوداؤد (جلد ۴ صفحہ ۳۰۹ حدیث ۴۰۲۰) میں ہے کہ نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے اور پھر یہ دعا فرماتے:

اللھم لک الحمد کما کسو تنیہ اسئلک خیرہ وخیر ما صنع لہ اعوذبک من شرہ و شر ما صنع لہ ---

طبقات ابن سعد (جلد ۱ صفحہ ۴۴۹) کی رو سے آپ کو سفید کپڑے زیادہ پسند تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔

علیکم بالبیاض من الثیاب، فلیلبسھا احیاء کم وکفنوا فیھا موتا کم

"یعنی سفید رنگ کے کپڑوں کو لازم پکڑو۔ اسی کو زندہ پہنیں اور اسی اللباس میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ (ابوداود جلد ۴ صفحہ ۳۳۲)

اسی لباس کو آپ ﷺ نے خیر الباس قرار دیا۔ (طبقات جلد ۱ صفحہ ۴۴۹)۔ بعض موقعوں پر آپ ﷺ نے سرخ دھاریدار، نیز زعفرانی اور زرد رنگ کے کپڑے بھی زیب تن فرمائے۔ (ایضاً صفحہ ۴۵۰ تا

Marfat.com

۴۵۲) آپ کا لباس تکلف سے معرا ہوتا جو عموماً چادر، قمیض اور تہبند تھا۔ آپ کی چادر (جبرۃ) آپ کو بہت پسند تھی اس کی لمبائی چار ہاتھ (ذراع) اور چوڑائی اڑھائی ہاتھ ہوتی۔ نیز یمنی چادر بھی پسندیدہ تھی جو سرخ اور خط دار اور سوت یا کتان کی بنی ہوتی تھی۔ (شرح شمائل ترمذی صفحہ ۷۹ از علی جونپوری)

قمیض: کتان کی قمیض بھی آپ کو بہت پسند تھی جس کی آستینیں کلائی کے جوڑ تک ہوتی تھیں۔ (طبقات جلد ۱ صفحہ ۴۵۷) کبھی آپ کی قمیض ٹخنوں سے اوپر تک لمبی ہوتی اور آستینیں ہاتھوں کی انگلیوں تک ہوتیں۔ اور آپ ﷺ کا ازار مبارک اگلی جانب سے نیچے کو، اور پچھلی طرف سے قدرے اونچا اور ناف سے نصف پنڈلی تک لٹکا ہوتا۔ (الوفا صفحہ ۴۶۵، طبقات جلد ۱ صفحہ ۴۵۹)

عمامہ: عموماً سیاہ رنگ کا ہوتا۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی سیاہ عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ (الوفا صفحہ ۵۶۷) عمامہ کا شملہ کبھی کندھے پر اور کبھی دونوں کندھوں کے درمیان ڈال لیتے۔ پگڑی کو کبھی ٹھوڑی کے نیچے لا کر باندھ لیتے۔ عمامہ کے نیچے سفید رنگ کی شامی ٹوپی بھی پہنتے اور فرماتے کہ مشرکین صرف پگڑی باندھتے ہیں جبکہ ہم مسلمان پگڑی اور ٹوپی دونوں پہنتے ہیں۔ (ابوداؤد جلد ۴ صفحہ ۳۴۱ حدیث ۴۰۷۸) سفر میں آپ ﷺ کی ٹوپی (قلنسوہ) ہوتی جو کانوں تک ڈھانپ لیتی۔ (الوفاء صفحہ ۵۶۷-۵۶۸)

موزے: کم ہی استعمال فرماتے۔ مگر حبش کے اصحمہ نجاشی نے (چرمی) موزے ارسال خدمت کیے تو آپ ﷺ نے زیب پا فرمائے۔ (ایضاً صفحہ ۵۷۱) اور دحیہ کلبی کے پیش کردہ موزے بھی پہنے تھے۔ (ترمذی جلد ۴ صفحہ ۲۴۰ حدیث ۱۷۶۹)

عبا: کبھی کبھی استعمال فرماتے۔ مثلاً شامی عبا ملبوس فرماتے جس کی آستینیں تنگ ہوتی تھیں تو نیچے سے ہاتھ نکال کر دھویا کرتے۔ (ابن جوزی۔ ترمذی) نیز نوشیروانی قبا بھی استعمال فرمائی جس کی جیب اور آستینوں پر دیبا کی سنجاف تھی۔ آپ نے سوت اور کتان دونوں سے بنے ہوئے کپڑے استعمال فرمائے۔ (طبقات جلد ۱ صفحہ ۴۵۳)

نعلین: مبارک چپل جیسے ہوتے جن میں دو تسمے لگے ہوتے۔ (ابن جوزی) بچھونا چمڑے کا ہوتا جس میں خشک گھاس بھری ہوتی، چارپائی بان کی ہوتی۔ جس کے نشان بدن پر پڑ جاتے۔ کبھی کبھی کھجور کی چٹائی پر بھی استراحت فرماتے۔ حضرت عائشہ نے بستر کو نرم رکھنے کے لئے چار تہیں جوڑ کر تیار کیا تو قبول نہ کیا بلکہ سابقہ حالت پر لوٹانے کا حکم دیا۔ (طبقات ابن سعد) گھر میں نماز پڑھنے کے مصلے پر ادا کرتے۔ ٹیک لگانے کے لئے چھال بھرا تکیہ استعمال فرماتے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

معمولات نبوی: حضور علیہ السلام کے معمولات و مشاغل بھی نہایت پاکیزہ اور ہر طرح کی بے اعتدالیوں سے مبرا تھے اور ان میں ایک توازن اور تسلسل پایا جاتا تھا۔ البتہ موقع کی

Marfat.com

مناسبت سے ہلکی سی زمانی اور مکانی تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔

روزمرہ کے معمولات: آپ ﷺ فجر کی نماز پڑھ کر مصلے پر خاموشی سے تشریف رکھتے۔ حتی کہ سورج نکل آتا۔ پھر صحابہؓ آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور وہ اپنی پرانی یادیں تازہ کر کے دور جاہلیت وغیرہ پر ہنستے۔ جبکہ حضور ﷺ صرف تبسم فرماتے۔ (مسلم، ابو داؤد، نسائی) آپ فرماتے کہ مجھے اس قوم کے ساتھ جو ذکر الٰہی میں مصروف ہو۔ بعد از نماز فجر، طلوع آفتاب تک، اور نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک بیٹھنا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں آل اسمٰعیل میں سے چار غلام آزاد کروں۔ (ابو داؤد جلد ۴ صفحہ ۷۰ حدیث ۳۶۶۷) ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ فجر کے بعد صبح تک صحابہ کو بنی اسرائیل کے حالات بتایا کرتے۔ (ایضاً صفحہ ۷۰ حدیث ۳۶۶۳) اسی محفل میں صحابہؓ خواب بیان کرتے تو ان کی تعبیر آپ خود فرماتے یا کوئی سینئر صحابی مثلاً صدیق اکبرؓ اس کی تاویل بیان کرتے۔ (مسلم) خواب بھی (آیا ہوتا تو) بیان فرماتے۔ پھر آپ صلوٰۃ الضحیٰ چار تا آٹھ رکعت ادا فرماتے۔ کبھی یہ نماز گھر میں ادا فرماتے۔ فتح مکہ کے روز یہ آٹھ نوافل حضرت ام ہانیؓ کے کاشانہ میں ادا کیے تھے۔ (مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۴۹۶) صلوٰۃ الضحیٰ کے بعد گھر جا کر کھانا طلب فرماتے اگر نہ ہوتا تو روزے کی نیت فرما لیتے۔ (مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۸۰۸ حدیث ۱۱۵۴) اور اگر کھانا مہیا ہوتا تو تناول فرما لیتے۔ پھر دن بھر گھر کے کام کاج میں لگے رہتے اور نماز کا وقت ہوتا تو ادا فرما لیتے۔ دوپہر کو (کھانے کے بعد) قیلولہ (استراحت) فرماتے۔ کبھی کبھی حضرت ام سلیم کے گھر تشریف لے جا کر قیلولہ فرماتے۔ ام سلیم آپ کے پسینے کے قطرے جمع کر کے عطر بناتیں۔ دوپہر کو استراحت کا معمول سفر میں بھی تھا۔ (مسلم شریف)

نماز عصر کے بعد باری باری ازواج مطہراتؓ کے حجروں میں مزاج پرسی کے لئے تشریف لے جاتے اور مشروب وغیرہ مہیا ہوتا تو رغبت سے نوش فرماتے۔ بعد ازاں باری والی زوجہؓ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ عموماً ہر زوجہ کی باری نو ایام کے بعد آتی۔ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۳) البتہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی۔ کبھی کبھی ازواج مطہرات کے درمیان تکرار بھی ہو جاتی۔ (ایضاً) عشاء کی نماز عموماً تاخیر سے ادا فرماتے اور بعد میں سونے کے لئے چلے جاتے۔ عشاء کی نماز کے بعد بات چیت تقریباً ناپسند فرماتے۔ (بخاری) سوتے وقت بھی وضو فرماتے۔ (ابن جوزی) قضائے حاجت کے بعد استنجا اور ساتھ وضو بھی فرما لیتے اور سوتے وقت (تہجد کے) وضو کے لئے مسواک اور پانی پاس رکھ دیا جاتا۔ (ابو داؤد) سونے سے پیشتر دونوں آنکھوں میں تین تین سلائیاں سرمہ لگاتے۔ (ابن جوزی) پانچ اشیاء سفر و حضر میں آپ ضرور اپنے ساتھ رکھتے یعنی کنگھی، شیشہ، تیل، مسواک اور سرمہ (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۸۴) سونے سے پہلے مسبحات تلاوت فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ان میں ایک آیت ہزار آیات سے افضل ہے۔ (ابو داؤد جلد ۵ صفحہ ۳۰۴) کبھی سورۃ اسری اور زمر تلاوت فرماتے (ترمذی جلد ۵ صفحہ ۱۸۱) قل ھو اللہ اور معوذتین تلاوت فرما کر ہاتھوں پر پھونکتے اور ہاتھ سارے بدن پر پھیر لیتے۔ (ترمذی و بخاری) اور داہنی کروٹ، دائیں رخسار کے نیچے

Marfat.com

ہاتھ رکھ کر قبلہ رو سوتے اور یہ دعا پڑھتے۔
اللھم باسمک اموت احیاء (بخاری) کبھی دیگر دعائیں پڑھتے جن کا ذکر کتب احادیث میں ہے۔ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو سوتے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ سو کی یہ گنتی میزان عمل میں ہزار کے برابر ہے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد) جب بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے **الحمدللہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور** (بخاری) نماز تہجد کی تیاری کے وقت سورۃ العمران کی آخری دس آیات تلاوت فرماتے۔ (الوفا ابن جوزی) قضائے حاجت سے فراغت کے بعد مسواک فرماتے (ابو داؤد) پھر وضو کرتے اور تہجد میں وتروں سمیت ۱۱ رکعت ادا کرتے۔ آپ نے ایک یا دو راتوں کے سوا ساری زندگی تہجد کو ترک نہیں فرمایا۔ (بخاری) وتروں کے بعد استراحت فرماتے۔ فجر کی اذان ہوتی تو گھر میں دو رکعت ادا فرماتے اور ذرا لیٹ جاتے پھر مؤذن نماز کے لئے بلانے آتا تو مسجد میں جا کر فجر کی نماز کی امامت فرماتے۔ (بخاری شریف)

طہارت: دن ہو یا رات آپ ﷺ طہارت کئے بغیر وقت گزارنا ناپسند کرتے۔ اور تقریباً ہمیشہ باوضو رہتے رفع حاجت کے لئے بعض اوقات دو دو میل دور تک نکل جاتے۔ جہاں دور دور تک آدمی نظر نہ آتا (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۱۷۹ ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۴) رفع حاجت سے قبل یہ دعا پڑھتے۔

۱۔ **اعوذ باللہ من الخبث والخبائث** (مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ حدیث ۳۷۵)

۲۔ **اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث** (ابن جوزی جلد ۲ صفحہ ۴۸۷)

۳۔ اور اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی فرماتے: **الرجس انجس الشیطان الرجیم** (ابن ماجہ اور زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۱۷۰ تا ۱۷۲) دوران رفع حاجت منہ اور پیٹھ قبلہ کی جانب نہ فرماتے اور اس سے حتی الوسع پرہیز کرتے اور جب تک بیٹھ نہ جاتے کپڑا نہ اٹھاتے تھے۔ (مسلم، ترمذی، ابوداؤد) اور اس وقت کسی بھی قسم کی بات چیت ناپسند فرماتے (ابن ماجہ، ابوداؤد) رفع حاجت کے لئے جانے سے پہلے اپنی انگوٹھی جس پر "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ تھے اتار دیتے۔ (ابن ماجہ حدیث ۳۰۳)۔ استنجا کے لئے مٹی کے پاک صاف تین ڈھیلے کام میں لاتے اور ہڈی، یا کوئلہ وغیرہ سے کبھی استنجا نہ فرماتے، ڈھیلے طاق تعداد میں لیتے، بعد ازاں پانی سے بھی استنجا فرماتے۔ پھر زمین پر ہاتھ رگڑ کر صاف کر کے پانی سے دھو ڈالتے۔ اور فارغ ہو کر **غفرانک** کہتے۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ حدیث ۳۴۹۸، ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۳۳۔ ۳۴ حدیث ۳۵، بخاری و ابن الجوزی وغیرہ) مسواک کر کے اچھی طرح وضو فرماتے۔ وضو کے آغاز میں تسمیہ پڑھتے۔ وضو میں عموماً دو رطل پانی استعمال فرماتے جبکہ ایک صاع (چار سیر) پانی سے غسل فرما لیتے۔ (ابن جوزی جلد ۲ صفحہ ۴۸۸) کبھی زیادہ پانی بھی استعمال فرما

Marfat.com

لیتے۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۶۶۔ ۱۶۰ حدیث ۲۳۸)

نماز: نماز وقت پر ادا فرماتے نیز ارشاد فرمایا کہ بروقت نماز، تیار جنازہ اور رشتہ ملنے پر جوان عورت کی شادی میں قطعاً دیر نہ کرو۔ زندگی بھر میں صرف صبح کی ایک نماز قضا ہوئی جب کہ سفر کے دوران میں آپ کو اور صحابہؓ کو نیند آگئی تھی اور وہ بھی آپ نے سورج نکلنے پڑھ لی اور فرمایا کہ فجر کی نماز کے لئے آنکھ نہ کھلے تو جب جاگ آئے پوری نماز (بغیر قضا کے) پڑھ لیا کرو۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۷ ۴ حدیث ۶۸۰ ابن ماجہ حدیث ۶۹۷ نسائی حدیث ۶۲۰ ابوداؤد جلد ۱ حدیث ۴۳۵ تا ۴۳۷) فجر کی نماز روشن صبح میں پڑھاتے کہ لوگ ایک دوسرے کو پہچان لیتے۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۴۷ حدیث ۶۴۷)، اگر خواتین ساتھ ہوتیں تو منہ اندھیرے بھی پڑھا دیتے (عموماً رمضان المبارک میں) کہ عورتیں پہچانی نہ جاسکتیں۔ (ایضاً حدیث ۶۴۴) ظہر کی نماز گرمیوں میں تاخیر سے ذرا دن ٹھنڈا ہونے پر ادا فرماتے اور سردیوں میں ذرا جلدی کرتے۔ (ابو داؤد ۱: ۳۸۳ حدیث ۴۱۰، نسائی، کتاب المواقیت) پہلی رکعت میں قیام اتنا طویل ہوتا کہ ایک شخص بقیع میں قضائے حاجت سے فارغ ہو کر جماعت سے مل جاتا عصر کی نماز اس وقت ادا فرماتے جب دھوپ حضرت عائشہ کے حجرہ میں موجود ہوتی۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۶) ظہر اور عصر میں قرات مخفی ہوتی (لیکن کبھی کبھار ایک آدھ آیت بلند آواز سے بھی ادا فرماتے) (مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۳۳ حدیث ۴۵۱) نماز مغرب عموماً جلدی پڑھتے کہ بعد از نماز روشنی میں تیر گرنے کی جگہ نظر آسکتی۔ (ایضاً صفحہ ۳۳۸ حدیث ۴۶۲، ۴۶۳) عشاء کی نماز تاخیر سے ادا فرماتے (بخاری) لیکن اگر لوگ بروقت جلدی اکٹھے ہو جاتے تو جلدی بھی پڑھ لیتے۔ (ایضاً) (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۳۷۹) نماز عیدین میں سورۃ اعلیٰ اور غاشیہ تلاوت فرماتے۔ (بخاری شریف کتاب العیدین و کتاب الجمعہ، نیز زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۳۷۸، ۳۷۹)

روزہ: رمضان شریف کے علاوہ نفلی روزے بھی آپ ﷺ بکثرت رکھتے تاہم مسلسل روزہ داری آپ کو پسند نہ تھی بلکہ عموماً صوم داؤد (ایک دن بیچ میں چھوڑ کر) زیادہ پسند تھا۔ (مسلم، بخاری، نسائی، ابو داؤد)

رمضان کے علاوہ پورے شعبان کے روزے بھی رکھتے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۹۱ ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۸۱۲ حدیث ۲۴۳۱، ترمذی جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ حدیث ۷۳۷ وغیرہ)

ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ کو روزہ رکھتے تھے (نسائی جلد ۴ صفحہ ۲۲۲۔ ۲۲۳ حدیث ۲۴۳۴ نیز ابو داؤد و ترمذی)

ذوالحج کے پہلے نو دن کے روزے رکھتے نیز محرم کی (۱۰) دس تاریخ کو روزہ رکھتے۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۸۱۵ حدیث ۲۴۳۷) علاوہ ازیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی آپ مسلسل نفلی روزے رکھتے چلے جاتے اور یوں لگتا کہ ناغہ نہیں فرمائیں گے اور جب روزے نہ رکھتے تو لگتا کہ کبھی نفلی روزے نہیں رکھیں گے۔ (بخاری ۵۲/ ۳۰ جلد ۱ صفحہ ۲۹۱) نفلی روزہ کو کبھی تعلیم امت کے لئے دن کے وقت افطار بھی کر لیتے۔ (ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۸۲۶) مگر ایسے نفلی روزہ کی قضا بھی ضروری خیال فرماتے۔ (ایضاً) روزہ کے دوران،

Marfat.com

مسواک کر لیتے، پچھنے لگوا لیتے اور سرمہ ڈال لیا کرتے تھے۔ (ایضاً) روزہ افطار کرنے میں جلدی فرماتے۔ (بخاری و مسلم) اور فرماتے کہ جب تک امت وقت پر روزہ کھولنے میں تعجیل سے کام لے گی اس وقت تک وہ خیر پر رہے گی روزہ عموماً کھجور یا پانی سے افطار فرماتے۔ (ترمذی جلد ۳ صفحہ ۷۹ حدیث ۶۹۵ ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۷۶۴ حدیث ۲۳۵۵)

حج و عمرہ: ہجرت سے پہلے آپ نے کتنے حج اور عمرے فرمائے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (ابن حزم، جوامع السیرت جلد ۱ صفحہ ۱۵) ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے ایک حج اور دو مفرد عمرے (عمرۃ القضاء ۷ھ میں اور عمرہ از جعرانہ ۸ھ میں) کئے اور ایک عمرہ آپ نے حجۃ الوداع کے ساتھ عمرہ قران ادا کیا۔ تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۲۸ از ابن سید الناس زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۹۷ تا ۱۰۰)

جب حج اور عمرے کو جاتے تو مدینہ کا قائم مقام حاکم کسی کو مقرر کر کے جاتے۔ بعض ازواج مطہرات کو بھی ساتھ لے جاتے جس کے لئے قرعہ اندازی کا معمول تھا۔ (بخاری، کتاب المغازی) عموماً حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ زیادہ تر ساتھ جاتیں۔ گھر سے عموماً پیر یا جمعرات کو نکلتے (ابن الجوزی جلد ۲ صفحہ ۶۵۹) ابو داؤد میں صرف جمعرات کا دن لکھا ہے۔ (جلد ۳ صفحہ ۷۹ حدیث ۲۶۰۵) اور عموماً فجر کے تڑکے گھر سے نکلتے۔ (ترمذی جلد ۳ صفحہ ۵۱۷ حدیث ۱۲۱۲ ابو داؤد جلد ۳ صفحہ ۷۹ حدیث ۲۶۰۲)

دعائے سفر: بسم اللہ پڑھ کر سواری فرماتے اور پھر اچھی طرح بیٹھ کر یہ دعا پڑھتے۔

سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنالہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون پھر تین بار الحمدللہ کہتے پھر تین بار اللہ اکبر کہتے پھر یہ پڑھتے۔ **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفرلی فانہ یایغفرالذنوب الا انت** (ابن قیم، زاد المعاد جلد ۳ صفحہ ۴۴۵، ابو داؤد جلد ۳ صفحہ ۷۷ حدیث ۲۶۰۲) اسی حدیث میں ہے کہ دعا کے بعد آپ مسکراتے اور پوچھنے پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دعائے مغفرت کو پسند فرماتا ہے۔ دوران سفر بلندی پر چڑھتے اور اترتے وقت اللہ اکبر کا ورد فرماتے رہتے۔ (ترمذی جلد ۵ صفحہ ۵۰۰ حدیث ۳۴۴۵) کسی جگہ پڑاؤ فرماتے تو یہ دعا مانگتے۔ اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق (ایضاً صفحہ ۴۹۶ حدیث ۳۴۳۷)

حسن اخلاق اور تواضع: آپ ﷺ وجہ تخلیق کائنات، فخر موجودات، رحمۃ اللعالمین سید الناس، سید المرسلین، سید لولاک اور حبیب رب العالمین ہیں اور بارگاہ رب العزت میں کائنات کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔ دینی اور سیاسی اعتبار سے آپ کو جو بلند مرتبہ عطا ہوا وہ کسی اور کو نہ ہوا لیکن کسر نفسی اور تواضع آپ ﷺ کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

Marfat.com

قرآن حکیم میں آپ ﷺ کو **عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رئوف رحیم** (توبہ-۱۲۸) قرار دیا گیا ہے۔ اور آپ کے اخلاق کو خلق عظیم فرمایا ہے اور آپ کے اسوہ کو اسوۂ حسنہ کہا ہے اور بنی نوع انسان کے لئے آپ ﷺ کی شفقت و رحمت پیغمبرانہ شفقت تھی جو پدرانہ شفقت سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔ آپ کی طبیعت میں بنی نوع انسان اور تمام مخلوقات کے لئے جو ہمدردی اور محبت تھی جا بجا اس کا اعتراف قرآن و حدیث میں ملتا ہے۔ بطور پیغمبر اعظم ﷺ آپ اپنی امت مسلمہ اور امت کافرہ (جو لوگ مسلمان ہیں وہ آپ کی امت مسلمہ ہیں اور آپ کی بعثت کے بعد آپ کو پیغمبر برحق نہ ماننے والے انسان اور جن آپ ﷺ کی امت کافرہ ہیں کیونکہ آپ جمیع الناس کے نبی ﷺ ہیں اور آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں اور سابق انبیاء کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے) کی بھلائی کے تہہ دل سے خواہاں تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ ایک شخص بھی بے ایمان اور کافر رہ کر دوزخ میں نہ جائے اور اس غم میں آپ ﷺ ہر وقت گھلتے رہتے حتی کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا پڑا:

فلعلك باخع نفسك على آثارهم ان لم يومنوا بهذا الحديث اسفا

"تو کیا آپ ﷺ اپنی جان کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لاتے، ہلاک کر ڈالیں گے (کہف ۶)

لہذا آپ ﷺ کسی کا حق دینے میں خود پہل فرماتے تاکہ نوبت اس کے اصرار تک نہ آئے۔ مزدور کو مزدوری دینے کے بارے میں ارشاد ہے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے مزدوری دیدی جائے آپ کے حسن اخلاق حسن سلوک، حسن معاشرت کی کیا کیا تعریف کی جائے سارا قرآن در حقیقت آپ کی عظمت و شان ہی بیان کر رہا ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی بھی شعبہ حسنہ ہو آپ ﷺ اس میں اول مرتبہ کے حامل ہیں۔ تواضع اور انکساری کے میدان میں بھی آپ ﷺ اپنی مثال آپ ہیں "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کے باوجود آپ کی تواضع کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے "کسی کو یہ مناسب نہیں کہ وہ مجھے یونس بن متی پر فوقیت دے"۔ (مسلم۔ الفضائل ۴:۱۸۴۶ حدیث ۲۳۷۷ بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۶۰ الانبیاء) ایک دفعہ ایک یہودی اور ایک مسلمان اپنے اپنے نبی کی فضیلت اور برتری جتانے لگے اور بات بڑھ گئی۔ آپ کو پتہ چلا تو فرمایا: مجھے موسیٰ پر فوقیت نہ دو کیونکہ لوگ جب قیامت کے دن بیہوش ہوں گے تو سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا اور میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش بریں کا پایہ تھامے کھڑے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے یا ان کو بیہوشی سے استثناء حاصل ہو گا۔ (ایضا صفحہ ۳۵۴۔ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ وغیرہ)

ایک دفعہ آپ ﷺ کو ایک شخص نے **یا خیر البریہ** کہہ کر پکارا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ تو ابراہیم علیہ السلام تھے۔ (مسلم۔ الفضائل ۴۔ ۱۸۳۹ حدیث ۲۲۶۹ ابو داؤد ۵:۵۴ حدیث ۴۶۷۲)

ایک دفعہ ایک وفد آیا اور کہنے لگا۔ آپ ہمارے سردار ہیں۔ فرمایا ہمارا اصلی سردار تو اللہ تعالیٰ ہے۔ وفد نے عرض کیا۔ آپ ہم میں سب سے افضل ہیں اور عظمت کے مالک ہیں"۔ فرمایا "اپنی سی بات

Marfat.com

کہو۔ مبادا شیطان تمہیں بہکادے"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد یہ الفاظ کہے: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول محمد بن عبداللہ ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو رتبہ عطا کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ مجھے اس سے بڑھا کر بیان کیا جائے۔ (ابوداؤد: ۵: ۱۵۴ تا ۱۵۵۔ حدیث ۴۸۰۱ مسند احمد ۳۔ ۱۵۳)

ایک دفعہ فرمایا: مجھے وحی فرمائی گئی ہے کہ تم انکساری اختیار کرو۔ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے نہ گالی گلوچ دے۔ (ابن ماجہ کتاب الزھد حدیث ۴۲۱۴ ابو داؤد ۵۰: ۲۰۳ حدیث ۴۸۹۰) ایک دفعہ ایک شخص آپ ﷺ کی وجاہت سے سخت رعب میں آگیا۔ آپ ﷺ نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور فرمایا میں (مطلق العنان) بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو ایک قریشی خاتون کا بیٹا ہوں جو قدید (خشک گوشت) کھایا کرتی تھی۔ (ابن جوزی جلد ۲ صفحہ ۴۳۷)

ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک اپنے نیک اعمال پر متکبر رہتا اور دوسرا اپنے گناہوں پر اظہارت ندامت کرتا اور اور غمزدہ رہتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے گنہگار نادم کو بخش دیا۔ (ابو داؤد ۵۔ ۲۰۷ حدیث ۴۹۰۱) آپ کا ہر فعل عجز و انکساری کا مرقع ہوتا۔ کبھی کبر و غرور یا فخر و مباحات کا اظہار آپ ﷺ سے نہ ہوا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ میں ایک عبد کی طرح کھانا کھاتا ہوں اور ایک عبد کی طرح ہی زمین پر بیٹھتا ہوں۔ (الوفا ۲۔ ۴۳۷) آپ نے اپنی شان عالیہ کا اظہار دوسروں پر فوقیت جتا کر کبھی نہ کیا بلکہ آپ پہلے انبیاء اور مشاہیر کے کارناموں کو اجاگر فرمایا کرتے تاکہ لوگ سبق سیکھیں۔ اگر اپنی بڑائی بیان کرنا پڑی بھی تو آخر میں فرماتے کہ میں اس پر مفتخر نہیں۔ اور طبعی انکساری اور احساس عبودیت کی وجہ سے بے جا مدح سے گریز فرماتے اور بے جا مداحی کرنے والے کے منہ میں خاک ڈالنے کا ارشاد فرمایا۔ (مسلم ۴۔ ۲۲۹۷) ایک اعرابی نے عرض کیا یارسول اللہ ہم آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اور اللہ کے ذریعے آپ کی شفاعت کے طلب گار ہیں کہ ہمارے علاقے پر بارش ہو۔ یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا "تیرا ناس ہو" پھر سبحان اللہ کہہ کر فرمایا۔ اللہ کی شان اس سے بلند تر ہے کہ اس کے ذریعے کسی بندے سے سفارش کی جائے۔ (ابو داؤد ۵-۹۵ حدیث ۴۷۲۶)

آپ ﷺ فرماتے کہ میری اس طرح مدح نہ کرو جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کرتے ہیں میں تو اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول ہوں۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۶۷) ایک دفعہ بعض صحابہ نے شام و عراق میں سرداروں کے لئے رائج سجدہ کی طرح حضور ﷺ سے سجدہ تعظیمی کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا اور کہا کہ اگر سجدہ تعظیمی مباح ہوتا تو میں حکم دیتا کہ بیوی اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔ (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ) آپ ﷺ کے تشریف لانے پر صحابہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے تو فرماتے کہ عجمیوں طرح کھڑے نہ ہو جایا کرو۔ (سنن ابن ماجہ)

گھریلو کام وغیرہ: گھریلو کام کاج اور اپنا کام آپ حتی الوسع خود انجام دیتے۔ تعمیر خانہ کعبہ کے وقت ایک مزدور کی طرح مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ (طبقات جلد ۱ صفحہ

Marfat.com

۱۴۵) مسجد نبوی اور مسجد قبا کی تعمیر کے وقت بھی سید عالم ﷺ نے مزدور بن کر ان کی شان میں اضافہ فرمایا یہی حال غزوہ خندق اور غزوہ احزاب کے موقع پر تھا بلکہ خندق کے موقع پر جب صحابہؓ کسی کام میں عاجز آجاتے تو آپ کو بلا کر مشکل حل کروائی جاتی۔ حتیٰ کہ ایک سخت چٹان کو توڑنا ناممکن ہوا تو آپ ﷺ نے تین ضربات سے اسے توڑ کر رکھ دیا۔ (واقدی۔ المغازی جلد ۲ صفحہ ۴۵۰-۴۵۱) گھر کے کام آپ خود انجام دیتے۔ بلکہ ازواج مطہرات کے کام میں بھی آپ ہاتھ بٹاتے۔ کپڑوں میں پیوند لگاتے۔ گھر میں جھاڑو دے لیتے۔ دودھ دوھ لیتے بازار سے سودا سلف خرید لاتے ڈول درست کرتے۔ اونٹ کو باندھ دیتے نیز غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھ دیتے۔ (بخاری۔ نیز الشفاء از قاضی عیاض صفحہ ۵۸)

کوئی جانور بیمار ہوتا تو بطور علاج اسے داغ دیتے (مسلم) کوئی چیز مرمت طلب ہوتی تو مرمت کر دیتے (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۶۹) سفر کے دوران صحابہؓ کے درمیان کوئی کام تقسیم فرماتے تو آپ خود اپنے ذمہ بھی اس کام کا کچھ حصہ لگا لیتے۔

آپ دوسروں کی خدمت کر کے بھی خوش ہوتے۔ اور اس میں کوئی عار محسوس نہ فرماتے۔ مہمانوں کی خود خدمت فرماتے اگر کوئی صحابیؓ شریک جہاد ہوتا اور اس کے بعد گھر میں کوئی ذمہ دار فرد نہ ہوتا تو آپ اس کے گھر جا کر دودھ دوھ آتے آپ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کا کام کرنے میں بھی کوئی تامل نہ فرماتے۔ مثلاً کسی مسکین یا بیوہ کے ساتھ مل کر ان کا کام کر دیتے۔ ایک نیم دیوانی باندی آپ کو بلانے آتی تو اس کے ساتھ چل پڑتے اور مدد فرماتے۔ (ابن جوزی الوفا صفحہ ۴۳۷) بعض دیہاتی مسجد نبوی سے آپ کو مدد کے لئے بلا کر لے جاتے۔ ان کا انداز تخاطب و گفتگو اگرچہ دیہاتی اور جنگلی قسم کا ہوتا۔ لیکن رحمت مجسم ﷺ کوئی ناگواری محسوس نہ کرتے۔ (مسلم)

زہد و قناعت: آپ ﷺ کا زہد و قناعت اضطراری نہ تھا بلکہ اختیاری تھا۔ آپ کی حیات مبارکہ کے مکی اور مدنی دور میں مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ پھر سید لولاک ﷺ کی دعا بھی مستجاب تھی۔ لیکن دولت کے معاملہ میں آپ نے ایک حد سے زیادہ متمتع ہونا کبھی بھی نہ چاہا۔ ابن جوزی الوفا (جلد ۲ صفحہ ۴۷۵) میں حضرت عبداللہؓ سے روایت لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک کھجور کی چٹائی (حصیر) پر استراحت فرما رہے تھے جس کے نشانات بدن پر نمایاں تھے حضرت عبداللہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! اگر اجازت ہو تو ذرا نرم بستر کا اہتمام کیا جائے۔ فرمایا ﷺ مجھے بھلا دنیا سے کیا غرض۔ میری مثال تو اس مسافر کی سی ہے جو تپتی دوپہر میں ذرا سی دیر ستانے کے لئے کسی سایہ دار درخت کے نیچے آرام کر کے چل دے۔

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سامنے بطحائے مکہ کو سونے کا بنا کر پیش کیا گیا۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا۔ یااللہ مجھے یہ مال و دولت منظور نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کھانا کو مل جائے اور ایک دن فاقہ سے رہوں تاکہ سیر ہو کر تیری حمد و ثناء اور شکر کروں اور بھوک میں

Marfat.com

تضرع اختیار کروں اور تجھ سے دعا مانگوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک رات بستر کو نرم رکھنے کے لئے لیف اور اذخر کے دو گدے بچھا دیئے۔ مگر سید عالم ﷺ نے ناپسند کیا۔ (ایضاً)

حضرت عائشہؓ کا ہی بیان ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا اور نہ کبھی بھوک وغیرہ کی کسی کے سامنے شکایت کی۔ فاقہ آپ ﷺ کو غنا سے زیادہ محبوب تھا۔ اگرچہ بھوک کی وجہ سے رات کروٹیں بدلتے ہی گزارنا پڑتی لیکن پھر بھی آپ اگلے دن نفلی روزہ نہ چھوڑتے۔ اگر آپ ﷺ اللہ سے زمین کے خزانے اور پھل وغیرہ مانگتے تو آپ ﷺ کو ضرور عطا کئے جاتے مگر آپ نے یہ بات کبھی پسند نہ فرمائی۔ میں (حضرت عائشہؓ) آپ کی یہ حالت دیکھ کر فرط جذبات سے رو پڑتی اور آپ ﷺ کے شکم مبارک پر ہاتھ پھیر کر کہتی کہ میری جان آپ پر قربان! اگر آپ ﷺ اتنا مال قبول فرما لیا کریں جو بدن کو قائم رکھ سکے تو بہتر ہو۔ آپ ﷺ فرماتے: مجھے مال دنیا سے کیا واسطہ۔ مجھ سے پہلے میرے بھائیوں (انبیاء علیہم السلام) نے اپنے سخت احوال پر بھی صبر کیا۔ پھر وہ اللہ کے ہاں پہنچے تو انہیں پورا بدلا اور اعزاز ملا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ میں دنیا کے عیش و آرام میں پڑ کر ان سے پیچھے رہ جاؤں۔ میرے نزدیک سب سے بہتر بات اپنے بھائیوں سے ملنا ہے۔ اس بات کے کچھ ہی دنوں بعد آپ نے وصال فرمایا۔ (الشفاء از قاضی عیاض ۶۳) کئی کئی مہینے بیت نبوی ﷺ میں چولھا تک روشن نہ ہوتا۔ صرف پانی اور کھجور پر گزارہ ہوتا۔ (ابن جوزی)

عفو و حلم و بردباری: آپ ﷺ میں عفو و درگزر کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ سیدہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے زندگی بھر اپنے اوپر کی گئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیا۔ سوائے اس کے کہ کسی نے خدائی حرمت کو پامال کیا ہو۔ پس اس صورت میں آپ کا مواخذہ بڑا سخت ہوتا۔ (بخاری ۳-۲۹۵ کتاب المناقب، مسلم، کتاب الفضائل)۔ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق کسی کو پچھاڑنے والا طاقتور نہیں بلکہ وہ ہے جو غصہ کو پی جائے اور خود پر قابو رکھے۔ (بخاری ۴۰-۱۳۹ کتاب الادب) ایک شخص نے نصیحت کے لئے عرض کیا تو فرمایا "غصہ نہ کیا کر" --- اور یہ الفاظ تین مرتبہ دہرائے (ایضاً)

ایک دفعہ ایک بدو نے آپ کی چادر مبارک پیچھے سے پکڑ کر اس قدر زوردار جھٹکا دیا کہ آپ کی گردن مبارک پر نشان پڑ گیا۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف توجہ کی تو وہ بدتمیزی سے کہا: "میرے ان اونٹوں پر کچھ مال لاد دے کیونکہ تو نہ اپنے مال سے لادے گا اور نہ اپنے باپ کے مال سے" آپ نے فرمایا: نہیں اور تین بار استغفر اللہ کہا۔ پھر رحمت عالم ﷺ نے نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ اس کے ایک اونٹ پر جو اور دوسرے پر کھجوریں لادنے کا حکم دیا۔ (ابو داؤد ۵-۱۴۴ حدیث ۴۷۷۵ و نسائی کتاب القسامہ) ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس شخص سے پوچھا کہ تجھے کس چیز نے گستاخی اور بدتمیزی پر ابھارا۔ تو وہ کہنے لگا۔ "آپ ﷺ کے حلم اور بردباری نے"۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

Marfat.com

ایک قبیلہ اسلام لایا تو اتفاقاً فوری طور پر قحط کا شکار ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے اسی دینار قرض لیکر انہیں خوراک مہیا فرمائی۔ یہودی (زید بن سعیہ) نے مقررہ میعاد سے پہلے ہی قرض کی واپسی کا تقاضا بڑی بدتمیزی اور درشتی سے آن کیا اور کہا کہ تم بنو مطلب قرضہ لوٹانے میں بڑے نادہند واقع ہوئے ہو۔ اس گستاخی پر عمر فاروق طیش میں آگئے اور اس کا سر قلم کرنے کی اجازت چاہی۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

"عمرؓ! تمہیں چاہئے تھا کہ مجھے حسن ادا کی تلقین کرتے اور اسے حسن طلب کی"۔

پھر آپ ﷺ نے اس کے قرضہ کی فوری ادائیگی کا حکم دیا اور بیس صاع (تقریباً دو من) کھجوریں مزید بھی عطا کیں۔ یہ حسن سلوک دیکھ کر زید بن سعیہ مسلمان ہو گیا۔ (خفاجی شرح شفا: ابن جوزی الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۲۵)

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اپنے خون کے پیاسوں کو یکسر معاف کر دیا۔ مدینہ میں منافقین ستر اسی کے قریب تھے جن کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول آپ ﷺ کے ساتھ معاندانہ حرکتیں کرنے سے باز نہ آتا لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ درگزر سے کام لیا۔ حتیٰ کہ جب وہ فوت ہوا تو ستر سے زیادہ مرتبہ اس کے لئے دعائے مغفرت کا وعدہ فرمالیا اور مرتے وقت اس کی بخشش کے خیال سے اسے اپنی قمیص بھی عطا کی۔ (بخاری ا۔ ۴۴۳ کتاب الجنائز) وہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ناقد و معاند کو قطعاً معاف نہ کیا۔

ایک دفعہ ایک بدوی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا۔ صحابہؓ اس پر پل پڑے مگر آپ نے انہیں روک دیا۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو آپ ﷺ نے اس جگہ کو دھونے کا حکم دیا اور نرمی سے اسے سمجھا دیا۔ (ابو داؤد، ترمذی، بخاری و مسلم) آپ کے خادموں سے اکثر غلطیاں ہو جاتیں تو آپ ﷺ انہیں معاف فرما دیتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ روزانہ اپنے غلام کو کتنی بار معاف کر دینا چاہئے تو فرمایا: ستر مرتبہ --- سبحان اللہ یہ تھی آپ کی شان عفو و کرم!

آپ ﷺ کا شیوہ تھا کہ کسی پر زبردستی اپنی مرضی مسلط نہ فرماتے اور دوسروں کے جذبات کا احترام بھی بہت رکھتے۔ سیدہ عائشہؓ صغر سنی میں حضور ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں۔ اور بچگانہ عمر کی وجہ سے آپ کھیل کود میں بھی مشغول رہتیں۔ حضور کو بھی اس فطری جذبہ کا احساس تھا۔ لہٰذا آپ نے کبھی منع نہ فرمایا۔ سیدہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میرے ساتھ کھیلنے کے لئے میری بعض سہیلیاں آجاتیں۔ جب آپ گھر آتے تو وہ چپکے سے گھر سے چلی جاتی تھیں اور آپ ﷺ کے جاتے ہی پھر سے واپس آکر کھیلنے لگتیں۔ (بخاری کتاب الادب مسلم کتاب الفضائل اور ابو داؤد: ۵-۲۲۶ حدیث ۴۹۳۱) سیدہ عائشہؓ کسی غزوے سے واپسی پر اونٹ پر سوار تھیں۔ محمل کا پردہ اٹھا تو آپ کی گڑیاں نظر آئیں۔ اور ساتھ ہی دو پروں والا گھوڑا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا۔ عائشہ یہ کیا ہے۔ عرض کیا۔ یہ میری گڑیاں اور وہ گھوڑا ہے۔ آپ نے تعجب سے فرمایا۔ "پروں والا گھوڑا؟" سیدہ عائشہ نے کہا آپ ﷺ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمان کے پاس گھ

Marfat.com

پروں والا گھوڑا تھا"۔ یہ جواب سن کر آپ اتنا ہنسے کہ آپ کی داڑھیں بھی نظر آ گئیں۔ (ابو داؤد - ۵-۲۲۷ حدیث ۴۹۳۲) جب آپ ﷺ کسی کو حاکم بنا کر بھیجتے تو فرماتے "لوگوں کو خوشخبری سنا کر اسلام سے مانوس کریں اور انہیں زیادہ ڈرا کر اسلام سے متنفر نہ کریں۔ ان کے لئے آسانی پیدا کرنا مشکل نہیں۔

حفظ مراتب وخوش گمانی: عام مساوات کے باوجود آپ حفظ مراتب کا خیال بھی رکھتے تھے اور فرماتے **انزلوا الناس منازلھم** یعنی لوگوں سے ان کے مرتبہ کے مطابق سلوک کرو۔ (ابو داؤد)

جب یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو ثالث مان لیا اور وہ بلاوے پر وہاں پہنچے تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا "**قوموا الی سید کم او خیر کم** (بخاری- ۴-۷۵- الاستئذان باب ۳۶) یعنی اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

ایک مسلمان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فرمایا:

"تمام مسلمانوں کی ذمہ داری برابر ہے۔ ان میں سے ادنیٰ شخص بھی چاہے تو کسی کو پناہ دے سکتا ہے"۔ (سنن ترمذی- ۴-۱۴۲ حدیث ۱۵۸۰ نیز فرمایا کہ ایک عورت بھی کسی کو پناہ دے سکتی ہے۔) (ایضاً)

چنانچہ حضور ﷺ کی کزن حضرت ام ہانی نے اپنے خاندان کے دو آدمیوں کو پناہ دے دی تو آپ ﷺ اس کی پناہ کو قائم رکھا۔ (ایضاً) لیکن کسی بڑے آدمی کی خاطر آپ ﷺ نے ادنیٰ خادموں کی دل شکنی کبھی گوارا نہ فرمائی۔ ایک دفعہ مشرکین نے کہا کہ اگر آپ اپنے غرباء و مساکین کو اپنے پاس سے اٹھا دیں تو ہم آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کو تیار ہیں۔ اس مطالبہ کے جواب میں قرآن میں یہ حکم نازل ہوا۔

ولا تطرالذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ

"اے نبی ﷺ! ان لوگوں کو اپنے پاس سے مت نکالو جو اپنے رب کو صبح و شام خلوص اس کی خوشنودی کے لئے پکارتے ہیں چنانچہ مشرکین کی خواہش گھٹ کر رہ گئی"۔ دوسروں کو کمتر جاننا اللہ کی بارگاہ میں ناپسندیدہ ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (انعام ۵۲)

یاایھا الذین امنو اجتنبو کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم

"اے اہل ایمان دوسروں کے بارے میں زیادہ تر بدگمانی سے بچتے رہو۔ بے شک بعض بدگمانی گناہ ہے"۔ (الحجرات - ۱۲)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: حسن ظن اچھی عبادت ہے۔ (ابو داؤد - ۵-۳۶۶ حدیث ۴۹۹۳)، مسلم شریف میں آپ کا ارشاد ہے کہ کسی کے بارے میں کسی بدگمانی کا شکار نہ ہوں۔ اسی لئے آپ ﷺ عورت

Marfat.com

کو تنہا سفر کرنے یا کسی اجنبی کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے وغیرہ سے منع فرماتے تھے۔ (بخاری: ۳-۲۵۴ النکاح باب ۱۱۱-۱۱۲) بدگمانی کسی کی عورت کو بلاوجہ گم کرنے کا باعث بنتی ہے۔ لیکن حضور کی تعلیمات کا یہ رخ بھی اپنے اندر انسانی عظمت کی سربلندی لئے ہوئے ہے۔

خوش معاملگی اور پاس وعدہ: معاملات کو خوش اسلوبی سے نبھانا بھی اسلامی تعلیمات میں بہت اہم ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے کچھ لوھار لیا اور وعدہ کے مطابق نہ صرف ادھار لوٹا دیا بلکہ کچھ زیادہ بھی عطا کیا۔ (نسائی، البیوع، ابوداوٗد: ۳-۶۴۲ حدیث ۳۳۴۷) ایک دفعہ حضرت جابرؓ کا اونٹ دوران سفر سست چل رہا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور اونٹ تیز رفتاری سے چلنے لگا۔ آپ ﷺ نے وہ اونٹ حضرت جابرؓ کی رضامندی سے کچھ اوقیہ چاندی پر خرید لیا اور مدینہ پہنچ کر اس کی قیمت بھی ادا فرمادی اور وہ اونٹ بھی انہیں عطا فرما دیا۔ (بخاری - ۲=۱۶ البیوع - باب ۳۴) ایسا ہی واقعہ عمر فاروق کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ (ایضاً باب ۳۴) ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک کم عمر (بکر) اونٹ کے بدلے پوری عمر کا جوان اونٹ واپس دیا اور فرمایا۔ لوگوں میں سب سے اچھا وہی ہے جو دوسروں کو ادائیگیاں اچھی طرح کرتا ہو۔ (ابوداوٗد ۳-۶۴۲ حدیث ۳۳۴۶، نیز مسلم و ترمذی)

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پرانے شریک کار حضرت سائبؓ آپ کی مجلس میں آئے۔ لوگ ان کی تعریف کرنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا بھئی میں انہیں بخوبی جانتا ہوں کیونکہ وہ میرے شریک کار رہ چکے ہیں۔ سید عالم کی رحمت و شفقت سے معمور طبیعت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ آپ ﷺ خوش معاملگی میں استحسان کی حد تک آگے بڑھے ہوئے تھے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

وعدہ اور امانت کا بھی آپ ﷺ نے ہمیشہ پاس و لحاظ کیا۔ حضرت عبداللہؓ بن الحمساء زمانہ جاہلیت کا واقعہ بتلاتے ہیں کہ میں نے آپ سے لین دین کیا اور کچھ بقایا میری طرف رہ گیا۔ میں نے کہا کہ آپ ادھر ٹھہریں میں ابھی بقایا لا کر آپ ﷺ کو دے دیتا ہوں۔ لیکن میں گھر جا کر یہ وعدہ بھول گیا اور تین دن کے بعد جب ادھر سے گزر ہوا تو آپ وہاں میرا انتظار کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا --- نوجوان! تو نے مجھے بڑی مشقت میں ڈالا ہے۔ میں تین دن سے تیرا منتظر ہوں۔ (ابوداوٗد - ۵-۲۶۸ حدیث ۴۹۹۵)

اہل مکہ آپ ﷺ کی صداقت، خوش معاملگی اور امانت و دیانت پر بعثت سے پہلے بھی پورا یقین رکھتے تھے اور آپ ﷺ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ہجرت کے وقت بھی بہت سے لوگوں کی امانتیں حضور ﷺ کے پاس تھیں جن کی واپسی کے لئے آپ ﷺ نے علی مرتضیٰ کو اپنے بستر پر لٹایا اور خود ہجرت کر گئے۔ اور حضرت علیؓ امانتیں واپس کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

حسن معاشرت کا سبق: انسانی معاشرہ باہمی ربط اور میل جول سے تشکیل پاتا ہے۔ صلہ رحمی اور باہمی میل جول ہی حسن معاشرت کی بنیاد ہیں کوئی شخص محض اپنے کنبے

Marfat.com

تک، کوئی برادری اور قبیلے تک اور کوئی اپنی قوم اور ملت تک محدود ہوتا ہے۔ اور ان کو ہی اپنی خوش اخلاقی کا سزاوار سمجھتا ہے۔ کوئی اپنی ذات کے دائرہ تک ہی محدود ہوتا ہے لیکن جسے اللہ تعالیٰ جہانوں کے لئے رحمت اور **کافة للناس بشیرا و نذیرا** فرمائے وہ تو پوری بنی نوع انسانی اور پورے عالم انسانیت کو ایک وحدت شمار کرتا ہے۔ وہ کسی کالے گورے اور عربی اور عجمی میں کوئی امتیاز نہیں برتتا۔ وہ انسانی سربلندی کا معیار تقویٰ کو ٹھہراتا ہے اور دنیا کے ہر انسان سے اتنی محبت رکھتا ہے کہ کیا کہنا۔ اور پھر یہ اس کی صفت رحمۃ للعالمین کا تقاضا بھی ہے آپ ﷺ کی اس خوبی کو قرآن (العمران ۱۵۹) میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ اللہ کی مہربانی سے لوگوں کے لئے بڑے نرم دل ہیں۔ اور اگر آپ ﷺ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے لوگوں کے ساتھ آپ کی دلی محبت کا اعتراف بھی قرآن حکیم میں کیا گیا ہے۔ (توبہ=۱۲۸) اور لوگوں کے ایمان نہ لانے سے آپ اس قدر دل گرفتہ ہوتے کہ قرآن حکیم میں آپ کی اس انتہائی رحمدلی کا ذکر بڑے پیارے انداز میں کیا گیا ہے۔ (کہف=۶)

بعثت سے پہلے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مطابق آپ ہمیشہ غریبوں، محتاجوں، بیکسوں، کمزوروں، ضعیفوں، بیواؤں اور مسافروں کے حامی و ناصر اور ہمدرد و مشفق اور عملی میدان میں ان کے مددگار رہے۔ جنگ بعاث میں تباہی ہوئی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ خون ریزی کو روکنے کے لئے آپ نے حلف الفضول کا احیاء کرنے میں بھرپور حصہ لیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۲۹ مطبوعہ بیروت)

آپ ﷺ فرماتے تھے **الدین نصیحۃ** (بخاری کتاب الایمان باب، مسلم و ابوداؤد) آپ ﷺ لوگوں کو راہ راست پر لانے میں ہمیشہ اور ہر وقت مستعد رہتے۔ آپ حقوق مانگنے سے پہلے ہی حق داروں تک ان کا حق پہنچانے کا ارشاد فرماتے۔ قرآن حکیم میں بھی آپ ﷺ کے حسن معاشرت کی تعریف کی گئی ہے۔

"یعنی بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی آپ (سخت کلامی کا) ایسے اچھے طریق سے جواب دو جو بہترین ہو۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جس شخص میں اور تم میں دشمنی ہے وہ تمہارا گرم جوش یار بن جائے گا"۔ (۴۱=۳۴)

چنانچہ آپ ﷺ گفتگو، سلام و مصافحہ اور حسن سلوک میں ہمیشہ پہل فرماتے۔ دوسروں کے لئے آپ کے دل میں ہمدردی اور محبت ہوتی تھی۔ اپنے بیگانے سب آپ ﷺ کے فیض رحمت سے بلا امتیاز متمتع ہوتے۔ آپ ﷺ فرماتے کہ میرے سامنے کسی کا ذکر ایسے انداز میں نہ کیا جائے کہ میرے دل میں کدورت پیدا ہو کیونکہ میں سب سے صاف دل کے ساتھ ملنے کا خواہش مند ہوں۔ (سنن ابوداؤد ۵-۱۸۳ حدیث ۴۸۶۰ ترمذی ۵-۱۷ حدیث ۳۸۹۶ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۵ء)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو افراد کے متعلق آپ سے کوئی شکایت کی جسے سن کر آپ نے کنایۃ فرمایا کہ مجھے ایسی باتیں نہ پہنچایا کرو۔ (ترمذی ایضاً) بلکہ آپ دوسروں کے بارے میں اچھی باتیں کرنے کی ترغیب دیتے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میرے سامنے لوگوں کی سفارش کیا کرو تاکہ تم اجر پاؤ

Marfat.com

اور نبی ﷺ کی زبان سے اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے جاری فرمادے۔ (بخاری: الادب، مسلم: ۴-۲۰۲۹ حدیث ۲۶۴۷) نیز فرماتے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد لے رکھا ہے کہ بشری تقاضا کے تحت میری زبان سے کسی کے حق میں کوئی غیر مفید دعا یا جملہ نکل بھی جائے تو اس کے بدلے میں اس شخص کے لئے اسے پاکیزگی، رحمت اور قیامت کے دن ذریعہ قربت بنادے۔ آپ فرمایا کرتے کہ اخلاقی بلندی یہ نہیں کہ جو تم سے نیکی کرے تم اس سے نیکی کرو اور جو برائی کرے اس کے ساتھ برائی سے پیش آؤ۔ بلکہ درست اخلاق یہ ہے کہ تم ہر اک سے اچھا برتاؤ کرو چاہے کوئی تم سے برابر تاؤ ہی کرتا ہو۔ اور زیادتی کرنے والا ہو۔ نیز فرماتے **البر حسن الخلق** حسن خلق ہی نیکی ہے۔ (مسلم۔ ۴:۱۹۸۰ حدیث ۲۵۵۳) ایک بار فرمایا کہ اچھے اخلاق کے حامل کو خوش خلقی کی وجہ سے روزہ دار اور قائم اللیل کا درجہ مل جاتا ہے (ابو داؤد۔ ۵-۱۴۱ حدیث ۴۷۹۸) فرمایا کہ حسن خلق سے مراد چہرے کی بشاشت، اچھائی کا پھیلانا اور لوگوں سے تکلیف دہ امور کا دور کرنا ہے۔ (ترمذی شریف) آپ ﷺ یہ اصول پورے معاشرے میں کار فرما دیکھنا چاہتے تھے اور ارشاد فرمایا کہ تم اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک تم دوسروں کے لئے بھی وہی پسند نہ کرو جو خود اپنے لئے کرتے ہو۔ (مسلم ۱-۶۷ حدیث ۴۵) اسی وجہ سے نہ صرف اہل اسلام بلکہ اغیار بھی آپ کے در دولت سے مستفید ہوتے تھے۔ کیونکہ آپ کی شان رحمۃ للعالمینی کا تقاضا بھی یہی تھا۔

پردہ پوشی اور عدم تجسس: دوسروں کے خفیہ معاملات کی ٹوہ لگانے کی بجائے آپ ﷺ نے ہمیشہ پردہ پوشی کا حکم دیا اور فرمایا۔ جو کوئی کسی مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے وہ گویا کسی زندہ دفن کی جانے والی بچی کو زندگی بخشتا ہے۔ (ابو داؤد ۵:۲۰۰ حدیث ۴۸۹۱) نیز فرمایا جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (مسلم۔ البر حدیث ۲۵۸۰/ و ترمذی) آپ ﷺ خود بھی کسی کا عیب، کوتاہی یا کمزوری دیکھتے تو حتیٰ الوسع اعراض و چشم پوشی سے کام لیتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے بدکاری کا اعتراف کرتے ہوئے حد جاری کرنے کی درخواست کی اور آپ ﷺ نے اعراض فرمایا۔ اس نے پھر یہی گزارش کی اور آپ ﷺ نے اعراض فرمایا۔ حتیٰ کہ اس نے چار مرتبہ اقرار کر لیا۔ پھر آپ نے اسے پوچھا کیا تیرا دماغ صحیح کام کرتا ہے (جنون ہے؟) عرض کیا۔ نہیں تب آپ ﷺ نے اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا۔ (مسلم۔ ۳:۱۳۱۸ حدیث ۱۶۹۱) اسی طرح الغامدیہ نامی ایک عورت پر بھی اس کی استدعا پر پہلی دوسری بار اقرار کرنے پر حد جاری نہ کی بلکہ پوری تحقیق کے بعد حد جاری کی (ایضا حدیث ۱۶۹۵) لیکن تحقیق کے بعد جرم ثابت ہونے پر سزا دینے میں نرمی نہ برتتے تھے۔ تاکہ مجرم سے گناہ دور ہو اور دیکھنے والے عبرت پکڑیں۔

اسی طرح پردہ پوشی کے ساتھ ساتھ تجسس بھی نہ فرماتے بلکہ حکم دیا کہ مسلمانوں کے خفیہ حالات کی ٹوہ نہ لگاؤ کیونکہ جو دوسروں کے حالات کی ٹوہ لگاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب عیاں کر دیتا ہے اور جس کے عیوب اللہ ظاہر کرے وہ دوسروں کے سامنے ضرور رسوا ہو کر رہتا ہے۔ (سنن ابو داؤد: ۵-۱۴۴ حدیث

Marfat.com

(۲۸۸۰

جو امرا لوگوں کے خفیہ حالات کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں تو وہ لوگوں یعنی معاشرے کو فاسد کر دیتے
ہیں۔ (بخاری، مسلم، ترمذی) ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے کہ کوئی شخص درزوں
میں سے جھانکنے لگا۔ آپ ایک لمبا تیر لئے تیزی سے اس کی طرف لپکے اور پھر اس موقع پر فرمایا۔ اگر مجھے
تیرے دیکھنے کا علم ہوتا تو میں تیری آنکھیں پھوڑ دیتا۔ تیرا ناس ہو۔ آواز دیکر اجازت مانگنے کا حکم آنکھوں
کے لئے ہی تو ہے۔ (ابو داؤد: ۵:۳۶۶ حدیث ۵۱۷۱، ترمذی ۵:۶۴ حدیث ۲۷۰۹، مسلم، الادب حدیث ۲۱۵۷) چنانچہ
آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ دروازہ کھٹکٹا کر یا آواز دینے کے بعد آپ دروازے کے سامنے کھڑے نہ
ہوتے بلکہ دروازہ سے ہٹ کر منتظر رہتے۔ اور یہی ارشاد صحابہؓ اور اپنی امت کے لئے ہے۔ اور فقہ کا مسئلہ
ہے کہ اگر کوئی گھر والا دروازے کی درزوں سے جھانکنے والے کی آنکھ تیر مار کر پھوڑ دے تو گھر والا گنہگار
متصور نہ ہو گا۔

حوصلہ افزائی اور حسن سلوک: آپ ﷺ صادق اور امین تھے اور سچائی کی حوصلہ افزائی
اور برائی کا قلع قمع ہمیشہ آپ ﷺ کا مطمع نظر ہوتا۔ آپ
کسی کی منہ پر تعریف کو پسند نہ فرماتے تھے کیونکہ اس طرح دل میں عجب وغیرہ پیدا ہو سکتا تھا۔ تاہم آپ
اپنے متوسلین اور عشاق اسلام کی حوصلہ افزائی بھی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ عشرہ مبشرہ کو جنت کی خوشخبری
زندگی میں ہی دے دی تھی۔ غزوۂ موتہ سے واپسی پر اسلامی لشکر کو بعض لوگوں نے فرار کا طعنہ دیا۔ آپ
ﷺ نے فرمایا۔ یہ فرار نہیں بلکہ کرار ہے یعنی اب لوٹ کر حملہ کیا جائے گا۔ ایک دفعہ حضرت طلحہؓ کے
گھوڑے پر سواری فرمائی اور ان سے ارشاد فرمایا "ہم نے تمہارے گھوڑے کو سمندر پایا ہے اور فی الواقع وہ
سمندر ہے"۔ (بخاری الجہاد، مسلم الفضائل: ۴۔۱۸۰۲ حدیث ۲۳۰۷ و ترمذی)
حضرت صدیق اکبرؓ کو فرمایا کہ تم میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں جاؤ گے۔ (مشکوۃ
جلد ۳ صفحہ ۲۲۳ حدیث ۲۲۴) حضرت ابوبکرؓ کی چادر ٹخنوں سے نیچے تک ہوتی تھی چنانچہ ان سے فرمایا۔ اگرچہ
تمہاری چادر، انجانے میں ٹخنوں سے نیچے تک لٹک جاتی ہے تاہم تم اہل کبرو غرور میں سے نہیں ہو۔
(بخاری = ۴۔۱۲۷) حضرت عمرؓ کو فرمایا۔ بخدا شیطان تمہیں دیکھ کر اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔ (مسلم۔ ۴۔۱۸۶۳
حدیث ۲۳۹۶) اور حضرت زبیرؓ کو فرمایا کہ ہر نبی کا کوئی خاص حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔ (ایضا
حدیث ۲۴۱۵) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو "امین ھذہ الامۃ" قرار دیا۔ (ایضا حدیث ۲۴۱۹) حضرت
بلالؓ کو فرمایا۔ معراج میں میں نے تمہارے قدموں کی چاپ اپنے آگے آگے سنی ہے۔ (ایضا حدیث ۲۴۵۸)
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وہ دنیا میں چلتے پھرتے جنتی ہیں۔ (البخاری مطبوعہ لائیڈن۔
۴۔۱۲۷)

چنانچہ ایسے بے شمار واقعات آپ ﷺ کی زندگی میں ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ

Marfat.com

گرتوں کو تھامتے اور بے سہاروں کا سہارا تھے۔ اور نہ صرف بنی نوع انسان سے بلکہ اللہ کی تمام مخلوق سے آپ کو بڑی محبت تھی اور آپ ﷺ ہر ایک کے لئے شفقت اور رحمت کے جذبات رکھتے تھے۔ آپ کو اپنی اولاد سے بھی بے حد محبت تھی۔ عرب کے سردار اپنے بچوں سے اظہار محبت کرنے کو اپنی سرداری کے منافی جانتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کی اس ریت کی مذمت فرمائی اور آپ ﷺ اپنے بیٹوں، بیٹیوں اور نواسوں وغیرہ کو بہت بہت پیار فرماتے اور لاڈ کرتے اور دعائیں دیتے۔ (بخاری)

ایک دفعہ یمن کے ایک حکمران نے ۳۳ اونٹوں کی قیمت کے برابر ایک قیمتی حلہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا جسے آپ نے قبول فرمالیا اور پھر بیس اونٹوں کی قیمت سے زیادہ قیمت کا ایک حلہ یمنی حکمران کو بطور ہدیہ بھجوایا۔ (ابو داؤد ۴-۳۱۶ حدیث ۴۰۳۴)

اگر کوئی شخص ہدیہ دیکر اس کا بدلہ قبول نہ کرتا تو آپ کو سخت ناگوار گزرتا۔ ایک اعرابی نے آپ ﷺ کو ایک ناقہ ہدیہ کی۔ اور آپ ﷺ نے اپنے خزائن رحمت سے اسے اس کے بدلے دو دو سال کے چھ اونٹ دینا چاہے۔ جنہیں لینے سے اس شخص نے انکار کر دیا۔ اس پر آپ ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کسی قریشی، انصاری، ثقفی اور دوسی شخص کے سوا کسی دوسرے کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔ (ترمذی ۵-۳۰۷۔ حدیث ۳۹۴۵)

آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کرتے اور بقول سیدہ عائشہؓ انہوں نے حضور ﷺ سے بڑھ کر دوستوں سے مشورہ لینے والا کسی کو نہ پایا۔ (ابن جوزی۔ الوفا ۲۔ صفحہ ۴۶۷)

آپ ﷺ مجلس میں اپنے صحابہؓ کے ساتھ مل کر بیٹھتے اور اس طرح بیٹھتے کہ باہر سے آنے والا ان میں کوئی امتیاز محسوس نہ کرتا۔ سید عالم ﷺ کی شان بے نیازی کا یہ حال تھا کہ مجلس میں جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ مجلس کے ہر شریک پر آپ ﷺ پوری توجہ دیتے اور ہر شخص یہی سمجھتا کہ وہی آپ ﷺ کے ہاں سب سے زیادہ مقرب ہے۔ (ایضا صفحہ ۴۶۷) کوئی شخص مشورہ لینے آتا تو صائب اور صحیح مشورہ دیتے۔ کوئی سوالی مدد کی درخواست کرتا تو پوری کوشش کر کے اس کی مدد فرماتے۔ کوئی سرگوشی کرنا چاہتا تو سید عالم ﷺ کان جھکا دیتے اور اس وقت تک سر نہ ہٹاتے جب تک وہ شخص خود اپنی بات مکمل کر کے اپنا سر پیچھے نہ ہٹا لیتا۔ (ابو داؤد ۔ ۵ حدیث ۴۷۹۴) چنانچہ آپ ﷺ مصافحہ کرتے تو پورا پنجہ آگے بڑھاتے اور اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے حتیٰ کہ دوسرا شخص ہاتھ الگ کر لیتا۔ (ایضا)

کوئی غلطی پر ہوتا تو آپ ﷺ اسے بڑے پیار اور عزت افزائی کے انداز میں سمجھا دیتے۔ کوئی جان نثاری کرتا تو رحمت عالم ﷺ اس کا احسان یاد رکھتے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔ حضرت قتادہؓ نے ایک رات پہرہ دیا۔ صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا۔ جس طرح تم نے اپنے نبی ﷺ کی حفاظت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے۔ (مسلم) ایک دفعہ کسی کی طرف سے صدیق اکبرؓ کے بارے میں نازیبا کلمات سننے میں آئے تو فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم نے میری تکذیب کی مگر ابو بکرؓ نے میری

Marfat.com

تصدیق اور اپنے جان و مال سے میری غمخواری کی۔ پس کیا تم میرے لئے میرے اس صحابیؓ کو نہیں چھوڑو گے؟" (البخاری۔ ۲۔ ۴۱۹۔ مناقب)

بیمار پرسی کے لئے جانا آپ ﷺ کی سنت تھی آپ تھوڑی دیر تک مریض کی عیادت کر کے واپس آ جاتے۔ آپ ﷺ کے ملنے جلنے والا کوئی فوت ہو جاتا تو جنازے میں شرکت فرماتے۔ کوئی دوست تنگ دست ہوتا تو اس کی مدد فرماتے۔ اگر کوئی اس کو پسند نہ کرتا تو اس سے کوئی چیز خرید کر اس کو یا اس کے کسی عزیز کو لوٹا دیتے۔ (بخاری البیوع باب ۳۳۔ ۳۴)

غرباؤ مساکین و بیوگان اور یتامیٰ سے خصوصی شفقت:

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غریبوں اور مسکینوں سے بھی بہت ہمدردی اور محبت تھی۔ بخاری شریف (جلد ۱ صفحہ ۵) میں خدیجۃ الکبریٰ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ غریبوں کے بیچ خولو اور ان کو کما کر دینے والے تھے کسی کو تکلیف میں مبتلا دیکھتے تو تڑپ کر رہ جاتے اور جب تک اس کی تکلیف کا ازالہ نہ ہو جاتا آپ کو چین نہ آتا اور چہرے پر اطمینان کے آثار مفقود ہوتے۔ (مسلم۔ صدقات۔ جلد ۲۔ حدیث ۱۰۱۷) اگر کسی کو دیکھتے کہ وہ غرباء کو اپنی بلند شان و شوکت جتا رہا ہے تو فرماتے: تمہاری ساری کی ساری شان و شوکت اور امارت ان محنت کشوں کی وجہ سے ہی ہے۔ (ابو داؤد۔ ۳ حدیث ۲۵۹۴) کہیں سے لونڈی اور غلام آتے تو تقسیم کے وقت اپنے عزیزوں کے مقابلہ میں غرباء کا خاص خیال رکھتے جیسا کہ ایک دفعہ سیدہ فاطمہؓ نے کنیز کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے منظور نہ فرمائی۔ حالانکہ آپ کی لخت جگر چکی پیستی، پانی بھر کر لاتی اور دیگر گھریلو کام خود کرتی تھی اور ان کو مددگار کی ضرورت بھی تھی۔ لیکن آپ ﷺ نے بدر کے غرباء اور یتامیٰ کو پہلے نوازا۔ (ابن اثیر۔ اسد الغابہ) حضور ﷺ ظاہر سے زیادہ باطن کو خوبصورت اور تابناک بنانے پر زور دیتے تھے اور فرماتے تھے۔

اگر ساری دھرتی بدباطن امرا اور روسا سے بھر جائے تب بھی وہ ایک پاک باطن کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (بخاری، مسلم، مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۶۴ حدیث ۵۲۳۶) اگر دیکھتے کہ کوئی شخص کسی غریب اور نادار کو برا بھلا کہہ رہا ہے تو سخت ناراض ہوتے اور اس عمل کو جاہلیت قرار دیتے۔ (ابو داؤد۔ ۵۔ ۳۵۹ حدیث ۱۵۵۷) حتیٰ کہ اگر صدیق اکبرؓ جیسے بزرگ صحابہ بھی کبھی بتقاضائے بشریت حضرت بلالؓ اور صہیب رومیؓ ایسے غریبوں کو آزردہ کرتے تو آپ ان کو ان سے معافی مانگنے کی تلقین فرماتے اور غریبوں کی ناراضگی کو اللہ کی ناراضگی سے تعبیر فرماتے۔ (مسلم۔ ۴۔ ۷۔ ۱۹۴ حدیث ۲۵۰۴)

ایک دفعہ حضرت اقرعؓ بن حابس نے آپ کو بچوں سے پیار کرتے دیکھا تو کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں۔ میں نے تو آج تک انہیں پیار نہیں کیا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا۔ جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (مسلم ۴۔ ۸۰۸۔ حدیث ۲۳۱۸) یا یہ فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحم کا جذبہ نکال دیا ہے تو میں کیا کروں۔ (بخاری، ۴۔ ۱۱۴۔ الادب باب ۱۸) اپنے نواسوں اور نواسیوں سے بھی آپ کا حسن

Marfat.com

ترحم اپنی مثال آپ تھا۔ (بخاری۔ ۱۔ ۱۴۰ الصلوۃ۔ باب ۱۰۶)

آپ ﷺ ایک دفعہ خطبہ دے رہے تھے کہ ننھے حسنؓ اور حسینؓ گرتے پڑتے مسجد میں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں دیکھا تو خطبہ روک کر منبر سے نیچے اترے اور دونوں بچوں کو گود میں اٹھالیا اور فرمایا۔ اللہ نے سچ کہا ہے کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں۔ (انما اموالکم واولادکم فتنہ) (تغابن۔ ۱۵) اور فرمایا۔ میں نے ان بچوں کو آتے دیکھا تو ضبط نہ کر سکا۔ (ابو داؤد۔ ۱۔ صفحہ ۶۹۳ حدیث ۱۱۰۹ ترمذی۔ ۵۔ ۶۵۸ حدیث ۳۷۷۴) آپ ایک ران پر حضرت حسنؓ کو اور دوسری پر حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ننھی امامہ کو بٹھا لیتے اور انہیں کھلاتے اور فرماتے۔ اے اللہ جس طرح میں ان پر شفیق ہوں تو بھی ان پر شفقت فرما۔ (بخاری۔ ۴۔ ۱۱۵)

اسی طرح رشتہ داروں کے ساتھ بھی آپ حسن سلوک کا مظاہرہ فرماتے اور صلہ رحمی (رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا) پر بہت زور دیتے تھے۔ حضرت ابو طالب کے خاندان سے آپ ﷺ نے آخری دم تک مروت و احسان کا سلوک جاری رکھا۔ حضرت علیؓ کی والدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد فوت ہوئیں تو آپ ان کی قبر میں کچھ دیر کے لئے لیٹے اور انہیں تبرک کے طور پر اپنی قمیض بھی پہنائی۔ حضرت علیؓ تو ان ﷺ کے گھر کے فرد تھے۔ آپ ﷺ کی کزن حضرت ام ہانی اور ان کی والدہ کے ہاں آپ ﷺ اکثر تشریف لے جاتے اور وہاں آرام فرماتے۔ روایت ہے کہ معراج کے سفر کا آغاز بھی حضرت ام ہانیؓ کے گھر سے کیا کہ اس رات وہاں استراحت فرما رہے تھے، حضرت جعفرؓ طیار سے بھی آپ بڑا پیارا سلوک فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ان سے معانقہ فرمایا اور پیشانی کو چوما (ابو داؤد جلد ۵ حدیث ۵۲۲۰) حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کو آپ ﷺ سینے سے لگالیتے اور فرماتے:

اے خدا میرے اس بھائی کو علم و حکمت عطا فرما۔ (بخاری۔ ۲۔ ۴۴۵ المناقب باب ۲۴)

فتح مکہ کے بعد آپ جعرانہ کے مقام پر تشریف رکھتے تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والد حارث تشریف لائے۔ ان کے لئے آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھادی اور باعزت طور پر بٹھایا۔ وہیں ان کی رضاعی والدہ (یا کوئی اور رضاعی رشتہ دار خاتون) آئیں تو ان کو بھی اس چادر کے دوسرے کونے پر بٹھایا۔ پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن الحارث آئے تو آپ ﷺ نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور انہیں اپنی جگہ بٹھایا۔ (ابو داؤد۔ ۵۔ ۳۵۴ حدیث۔ ۵۱۴۵)

آپ ﷺ اپنے دوستوں اور صحابہ کرامؓ سے بھی نہایت خندہ پیشانی اور لطف و محبت سے پیش آتے۔ ان سے مصافحہ کرتے اور بعض اوقات معانقہ بھی فرماتے (ایضاً صفحہ ۳۸۰ حدیث ۵۲۱۴) صحابہؓ کو دیکھ کر بہت مسرور ہوتے اور مسکراہٹ کا اظہار فرماتے۔ (مسلم۔ ۴۔ ۱۹۱۵ حدیث ۲۴۷۵ مناقب جریرؓ بن عبداللہ) آپ ﷺ فرماتے کہ آدمی کا کسی کو خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے۔ (ترمذی۔ ۴۔ ۳۴۷ حدیث ۱۹۷۰)

کوئی دوست ہدیہ پیش کرتا تو قبول فرمالیتے اور حسب توفیق اس کا بدلہ بھی ضرور دیتے۔ (ابو داؤد) فرماتے تھے کہ باہم ہدیہ کے لین دین سے دلوں کی کدورت دھل جاتی ہے۔ اور یہ کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز

Marfat.com

خواہ بکری کے پائے ہی ہوں بطور ہدیہ حقیر نہیں جاننے چاہئیں (ترمذی) آپ فرماتے تھادو تحابوا "ہدیہ دیا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے"۔ (مشکوۃ بحوالہ موطا امام مالک) ایک بدوی حضرت زاہرؓ دیہاتی اشیا بطور ہدیہ پیش کرتے تو آپ ﷺ ان کو شہری چیزوں کا ہدیہ دیتے اور فرماتے: ان زاھرا بادینا و نحن حاضروہ (ابن جوزی الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۴۴) یعنی زاہر ہمارا دیہاتی دوست اور ہم اس کے شہری دوست ہیں۔ آپ کا ارشاد تھا کہ ہدیہ کا جواب ہدیہ سے دینا چاہیے اگر گنجائش نہ ہو تو ہدیہ دینے والے کی تعریف کرنی چاہیے۔ جس نے ہدیہ دینے والے کی تعریف کی اس نے گویا اس کا شکریہ ادا کر دیا۔ اور جس نے اسے چھپایا اس نے اس کی ناشکری کی۔ (ابو داود۔ ۵۔ ۱۵۸ حدیث ۴۸۱۳) نیز ارشاد فرمایا کہ جو لوگوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔ (ایضاً۔ حدیث ۴۸۱۱)

اگر کوئی مفلس اور نادار مسلمان وفات پا جاتا اور آپ ﷺ کی اطلاع کے بغیر اس کی تدفین کر دی جاتی تو آپ ﷺ ناراض ہوتے اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کی نماز جنازہ ادا فرماتے۔ (سنن نسائی کتاب الجنائز) آپ خود کو زمرہ مساکین میں شمار کرنے کی دعا کرتے اور عرض کرتے۔

"اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرما" (مشکوۃ ۔ ۲۔ ۶۶۵ حدیث ۵۲۴۴)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "اے عائشہؓ! کسی مسکین کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ واپس نہ کر۔ اگرچہ اسے چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی دے یا کبھی ارشاد فرماتے۔ کہ تم ظاہر کی طرف نہ دیکھا کرو۔ بعض اوقات بظاہر ایک بدحال شخص اللہ کے ہاں یہ مرتبہ رکھتا ہے کہ اگر وہ کوئی قسم کھالے تو اللہ اسے پورا کر دیتا ہے۔ (مسلم۔ ۴۔ ۲۰۲۴ حدیث ۲۶۲۶) ایک دفعہ ارشاد فرمایا۔ جنت کے اکثر باسی (نادار، غربا، مساکین اور فقراء) میں سے ہوں گے۔ (مسلم۔ ۴۔ ۲۰۹۶) اور سیدہ صدیقہؓ سے فرماتے:

"اے عائشہؓ! غریبوں سے محبت رکھو۔ اور ان کو اپنے نزدیک رکھو۔ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے نزدیک ہو گا۔ (مشکوۃ۔ ۲۔ ۶۶۵۔ حدیث ۵۲۴۴) مسجد نبوی میں تشریف لاتے تو خستہ حال غربا و مساکین کے ساتھ بدن سے بدن ملا کر بیٹھتے اور فرماتے "تمہیں بشارت ہو۔ کہ تم دولت مندوں سے ۴۰ برس (بعض جگہ آدھا دن = ۵۰۰ برس لکھا ہے کیونکہ اللہ کا ایک دن ہمارے ہزار برس کے برابر ہے) پہلے داخل ہو گے۔ یہ سن کر ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھتے۔ (مشکوۃ۔ ۲۔ ۶۶۸ حدیث ۵۲۵۸) ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا ہے۔ (ابن جوزی۔ ۲۔ ۴۳۸) حضور کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ادنو منی احبائی (میرے محبوبوں کو میرے قریب قریب کرو)۔ فرشتے کہیں گے۔ یا اللہ۔ کون سے محبوب؟۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ غرباء اور مساکین میرے محبوب ہیں۔ (کشف المحجوب) اسی طرح آپ ﷺ یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ بھی ہمیشہ بھلائی اور خیر خواہی کا سلوک فرماتے۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ او کالذی یصوم النہار و یقوم اللیل (ترمذی ۴۔ ۳۴۔

Marfat.com

حدیث ۱۹۵۱) - یعنی جو کوئی کسی بیوہ یا مسکین کی بہتری کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہد یا دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر نوافل ادا کرنے والے کی طرح ہے۔ نیز فرمایا کہ یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں میرے ساتھ اس طرح قریب ہو گا۔ جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں۔ (اور آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں اٹھا کر دکھائیں) (ایضا حدیث ۱۹۱۸) بیواؤں کے ساتھ اہل عرب کا سلوک کچھ مناسب نہ تھا۔ ان سے نکاح کرنا ناپسندیدہ امر تھا اور ان کو معاشی اور سماجی تحفظ حاصل نہ تھا۔ لیکن حضور علیہ السلام نے بیوگان کی شادی کی ترغیب بھی دی اور خود بھی حضور ﷺ کے نکاح میں سوائے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سب بیوگان یا شوہر دیدہ خواتین ہی تھیں۔ گویا آپ نے بیوگان کے نکاح کی عملی ترغیب دیکر تاریخ میں بہترین مثال قائم فرمائی۔

غلاموں سے سلوک: غلامی اس دور میں ایک لعنت کی شکل اختیار کئے ہوئے تھی۔ اور ان کو انسانی حقوق حاصل نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے غلاموں کے حقوق دینے کی تلقین فرمائی اور بعض عبادات کی ادائیگی کے ساتھ غلاموں کی آزادی کو لازم قرار دیا اور اسے کفارہ کی حیثیت دی اور بار بار ان کے انسانی حقوق ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔ حتیٰ کہ آخری وقت وصیت میں بھی غلاموں کا خیال رکھنے کی یاد دہانی کروائی۔ آپ کا ارشاد تھا کہ غلام بھی تمہاری طرح انسان اور تمہارے بھائی بند ہیں جن کو اللہ نے تمہارا مطیع کر دیا ہے۔ ان کو اپنے جیسا کھلاؤ پلاؤ اپنے جیسے کپڑے پہناؤ اور ان کی قوت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالو۔ ورنہ ان کے ساتھ خود بھی ہاتھ بٹاؤ۔ (ابو داؤد، مسلم (الایمان) ۳۔ ۱۲۸۲ حدیث ۱۶۶۱ اور ترمذی) آپ ﷺ نے اپنے غلام زید بن حارثہ کو آزاد کر کے متبنیٰ بنا لیا تھا اور ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے کر دی اگرچہ نباہ نہ ہو سکا۔ ان کے بیٹے اسامہؓ کو آپ ﷺ بہت پیار فرماتے۔ اپنی خادمہ ام ایمن کو "یا امہ" (اے امی جان) کہہ کر پکارتے۔ پھر انہیں آزاد کر کے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ جن سے اسامہؓ بن زید پیدا ہوئے۔ صحابہ کرامؓ زید کے بیٹے اسامہؓ کو حب رسول (رسول خدا کے لاڈلے) کے نام سے پکارتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۲۶ وغیرہ) آپ ﷺ نے حکم دیا کہ آقا غلام کو "میرے بچے۔ میری بچی کہہ کر بلائے (میرے غلام نہ کہے) اور غلام اپنے آقا کو میرے سردار کہہ کر بلایا کرے۔ (ابو داؤد ۵۰۔ ۲۵۶ حدیث ۴۹۷۵)

غلام کو مارنے سے بھی آپ نے سختی سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ جو کوئی اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا چوٹ پہنچائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ (مسلم (الایمان) ۳۔ ۱۲۷۸ حدیث ۱۶۵۷) نیز اس کی روزانہ ستر غلطیاں معاف کرنے کی ترغیب دی۔ (ترمذی۔ ۴۔ ۳۳۶ حدیث ۱۹۴۹) اگر آپ کو کسی غلام کی پٹائی کا علم ہوتا تو آپ ﷺ اس کے مالکان کو اسے آزاد کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ (مسلم۔ ۳۔ ۱۲۷۹ حدیث ۱۶۵۸ و ترمذی) اگر آپ کسی غلام کو پٹتا ہوا دیکھتے تو اس کے مالک سے کہتے۔ یاد رکھو۔ خدا تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی تم اس غلام پر رکھتے ہو۔ (مسلم۔ ۳۔ ۱۲۸۱ حدیث ۱۶۵۹، ترمذی و ابو داؤد) آپ نے

Marfat.com

غلاموں سے مکاتبت کرنے کی ترغیب دی تاکہ وہ ایک مدت کے بعد آزادی حاصل کر سکیں۔ غلاموں کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا جاتا رہا۔ (ابو داؤد ۔ ۳۔ ۱۶۹۔ حدیث ۲۷۲۷) آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ جو کوئی غلام آزاد کرے۔ خدا اس کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔ (مسلم شریف) آپ غلاموں کے جذبات کا خیال رکھتے اور ان کا ہدیہ قبول فرما لیتے۔ (مسلم ۔ ۲۔ ۱۱۴۴ حدیث ۱۵۰۴) کسی غیر مسلم کا غلام بھاگ کر آپ ﷺ کے پاس حاضر خدمت ہو جاتا تو آپ ﷺ اپنے خصوصی اختیارات استعمال فرماتے ہوئے اسے آزاد کر دیتے۔ (مسند احمد جلد ا صفحہ ۲۴۳ ابو داؤد ۔ ۳۔ ۷۔ ۱۴ حدیث ۲۷۰۰) آپ غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کی ترغیب بھی دیتے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے بعض غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ آزاد شدہ غلاموں کی آباد کاری اور ان کے لئے ضروریات زندگی کی فراہمی آپ کے نزدیک دوسرے کاموں کی بہ نسبت مقدم تر ہوتی اور آپ غلاموں کی فلاح و بہبود اور تعلیم و تربیت کا بہت خیال فرماتے تھے۔

مہمان داری: آپ ﷺ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے اور اسے اسلام کا جزو قرار دیتے تھے۔ (مسلم ۔ ا۔ ۶۸ حدیث ۷ ۔ ۴ ۔ ۴۸)

آپ ﷺ کا گھر اچھا خاصا مہمان خانہ بنا ہوتا۔ سرکاری مہمانوں کو زیادہ تر مسجد نبوی میں ٹھہرایا جاتا اور آپ ﷺ خود ان مہمانوں کی تواضع اور دیکھ بھال فرماتے۔ نیز دو انصاری خواتین رملہ اور ام شریک کے مکانات بھی مہمان خانے کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ (زرقانی علی المواہب جلد ۴ صفحہ ۱ تا ۸۰ ذکر وفود) آپ مسلم اور کافر ہر دو زمرہ کے مہمانوں میں کوئی تفریق روا نہ رکھتے۔ بعض کفار مہمان پیٹو قسم کے ہوتے جو شکم سیری میں لاجواب تھے۔ مثلاً ایک دفعہ غیر مسلم مہمان سات بکریوں کا دودھ پی گئے۔ (ترمذی ۔ ۴ ۔ ۲۶۷ حدیث ۱۸۱۹)

مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے آپ ﷺ اور آپ کے گھر والوں کو اکثر فاقہ کرنا پڑتا۔ مگر آپ ﷺ کی پیشانی پر ناگواری کی شکن تک نمودار نہ ہوتی۔ (مسند احمد ﷺ ۔ ۶ ۔ ۳۹۷) آپ ﷺ کا یہ فراخدلانہ طرز عمل اور حسن سلوک دیکھ کر بہت سے کافر اسلام لے آتے۔ (ایضاً)۔ آپ راتوں کو اٹھ کر مہمانوں کی خبر گیری فرماتے اگر گھر میں گنجائش سے زیادہ مہمان آ جاتے تو ان کو صحابہؓ کرام کے درمیان تقسیم فرما دیتے اور ارشاد فرماتے کہ جس کے ہاں دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تین مہمان اپنے ساتھ لے جائے اور اگر چار کا ہو تو پانچ چھ کی کفالت کرے۔ (مسلم ۔ ۳ ۔ ۷ ۔ ۱۶۲ حدیث ۲۰۵۷) بعض مہمان غلط حرکتیں کر بیٹھتے تو آپ ﷺ ان کو محبت اور شفقت سے سمجھا دیتے۔ ایک دفعہ ایک مہمان آپ ﷺ کے حصہ کا کھانا بھی ہڑپ کر گیا مگر رحمت عالم ﷺ نے دعائے خیر فرمائی اور بس ۔ (ایضاً حدیث ۲۰۵۴) ابن سعد کے مطابق مہمانوں کو رخصت کرتے وقت حضرت بلال سے کہتے کہ ان کو حسب دستور سامان دو اور عموماً ان کو پانچ اوقیہ چاندی فی کس دے کر رخصت کیا جاتا۔ (ابن سعد جلد ا صفحہ ۲۹۸ ۔ ۳۱۷)

بعض غیر مسلم مہمان آداب سے ناآشنائی کا ثبوت دیتے۔ تاہم حضور ان کو معاف کر دیتے۔

Marfat.com

بعض یہودی اسلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہہ کر بددعا دیتے مگر آپ درگزر فرماتے۔ ایک دفعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وعلیکم السام کہہ کر جواب دیا تو رحمت مجسم نے ناپسند فرمایا (ابو داؤد ۵۔ ۳۸۴ حدیث ۵۲۰۶) یہودی مہمان سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بھی کئی طرح سے بدزبانیاں کرتے (النساء: ۴۶) اور صحابہ انہیں ترکی بہ ترکی جواب دینا چاہتے مگر آپ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ فرماتے (ترمذی۔ ۴۔ ۱۵۵۔ حدیث ۲۰۰۳) نجران کے عیسائی وفد کو نہ صرف مسجد میں ٹھہرایا بلکہ ان کو مسجد میں ہی ان کے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ (زاد المعاد و بخاری شریف کتاب الادب۔ باب حق ضیف اکرام ضیف)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بچے: آپ بچوں کے ساتھ بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتے اور فرماتے

من لم یرحم صغیرنا و یعرف حق کبیرنا فلیس منا

(ابو داؤد ۵۔ ۲۳۲ حدیث ۴۹۴۳)

یعنی جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں۔

راستے میں کھیلنے والے بچوں سے ملاقات ہوتی تو متبسم ہو کر سلام علیکم فرماتے (متفق علیہ) کبھی ان کو سواری پر اپنے آگے پیچھے سوار کر کے گھر پہنچ جاتے (مسلم الفضائل ۴۔ ۱۸۸۵ حدیث ۲۴۲۸ ابن ماجہ (الادب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو چومتے اور ان سے لاڈ پیار بھی فرماتے۔ اور اس بات کو ان کا حق سمجھتے تھے، اور فرماتے کہ یہ دل میں موجزن جذبہ شفقت و رحمت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ (ترمذی (البر) ۴۔ ۳۱۸ حدیث ۱۹۱۱) آپ ایسے والدین کی ستائش فرماتے جو اپنے بچوں اور خصوصاً بچیوں کے لئے تکالیف جھیل کر انہیں آرام و آسائش بہم پہنچاتے (ترمذی ۴۔ ۳۱۹ حدیث ۱۹۱۵ بخاری ۲۔ ۱۱۴ باب ۱۸) حضور علیہ السلام بچوں کی تعلیم و تربیت کا بھی خاص خیال رکھتے اور بچیوں کی اچھی تعلیم و تربیت کے بعد ان کی شادی کر کے فارغ ہونے والے والدین کو جنت میں داخلے کی بشارت سناتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ بچوں کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ دینے سے افضل ہے (ترمذی ۴۔ ۳۴۷ حدیث ۱۹۵۱) بچوں سے غلطی ہو جاتی تو آپ درگزر فرماتے اور محبت اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیہ کلمات فرماتے اور مشفقانہ انداز سے رخصت کرتے (ابو داؤد کتاب الجہاد) اگر کوئی بچہ بغیر اجازت گھر میں آ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے باہر بھیج کر کہتے کہ اب اجازت لے کر اور سلام کہہ کر آؤ۔ (ترمذی الاستیندان ۵۔ ۶۵ حدیث ۲۷۱۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بہت چھوٹے بچے دعا و برکت کے لئے لائے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اٹھا لیتے۔ پیار کرتے دعا خیر و برکت فرماتے اور کبھی کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالتے یعنی تحنیک فرماتے (ابو داؤد ۵۔ ۳۳۳ حدیث ۱۵۰۶) بچے کبھی کبھی آپ کے کپڑوں پر پیشاب وغیرہ کر دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے تحمل سے پانی منگوا کر پاکیزگی حاصل کرتے اور بچوں کے بارے میں ناگواری کا اظہار نہ فرماتے (بخاری ۴۔ ۱۱۵ باب ۳۱) بعض بچے کھیلتے کھیلتے

Marfat.com

آپ کی مہر نبوت سے کھیلنے لگتے اور صحابہ ان کو منع کرنا چاہتے تو آپ ﷺ ان کو روک دیتے اور بچوں کو کھیلنے دیتے (بخاری شریف) آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ بچوں کے ساتھ ان کی سمجھ کے مطابق بات کرتے۔ تحفوں میں سے بچوں کا حصہ الگ رکھتے بچوں کو **یا بنی** (اے میرے بیٹے) کہہ کر مخاطب فرماتے (ابوداؤد ۵-۲۴۸ حدیث ۴۹۶۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کو یا "ذوالاذنین" (اے او دو کانوں والے) کہہ کر بلاتے (ترمذی وابوداؤد) ان کے چھوٹے بھائی عمیر کی پالتو چڑیا مرگئی تو آپ اسے مزاح کے طور پر فرماتے:

یا عمیر ما فعل النغیر اے عمیر تیری نغیر نے کیا کیا۔ جنگ میں بھی بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع فرمایا کرتے تھے۔

دشمنوں سے سلوک: حضور ﷺ اپنوں کے لئے تو رحمت مجسم تھے ہی اور آپ کو حکم بھی یہی تھا کہ **واخفض جناحك للمومنين** (حجر-۸۸) یعنی آپ مومنوں کے لئے اپنے بازو پھیلا دیجئے۔ لیکن دشمنوں سے بھی آپ کو انسانی ہمدردی کی بناء پر بہت محبت تھی۔ آپ نے ذاتیات کی بنیاد پر کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ اور نہ کسی سے عداوت رکھی۔ آپ **الحب لله والبغض لله** کی بے مثل تصویر تھے۔ آپ سے متعدد موقعوں پر دشمنوں کے لئے بددعا کرنے کی درخواست کی گئی تو آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ اور کہا۔ یااللہ ان کو ہدایت دے کہ وہ مجھے جانتے نہیں۔ (بخاری) ایک دفعہ بنو دوس کے لئے بددعا کرنے کو کہا گیا تو فرمایا:

یااللہ بنو دوس کو ہدایت یافتہ بنا اور انہیں مسلمان کرکے میرے پاس لا۔ (مسلم - ۴ - ۱۹۵۷ حدیث ۲۵۲۴)

ایک دفعہ ارشاد فرمایا۔ میں لعنت کا ذریعہ نہیں ہوں بلکہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (ایضاً حدیث ۲۵۹۹) ہجرت کے بعد مکے والے کسی وباء یا آفت کے آنے پر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرتے تو آپ دشمنی کو بھلا کر ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے (بخاری - ۳ - ۳۲۸ تفسیر سورۃ دخان) بنو ثقیف کے حق میں بددعا کے لئے کہا گیا تو فرمایا۔ اے اللہ بنو ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو مسلمان کرکے لا۔ (ابن سعد - طبقات - جلد ۲ صفحہ ۱۵۹)

آپ ﷺ مشرکین کے تحائف بھی قبول فرمالیتے اور بدلے میں ان کو بھی تحائف دیتے۔ (ترمذی - ۴ - ۱۴۰ حدیث ۱۵۷۷) بعض یہودیوں کی عیادت کے لئے بھی آپ تشریف لے جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ (بخاری ۴ - ۴۴ - عیادۃ المشرک) اگر کوئی یہودی رضاکارانہ طور پر آپ کی خدمت کرنا چاہتا تو آپ منع نہ فرماتے بعض یہودی آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرتے مگر آپ معاف کردیتے اور تحمل سے کام لیتے۔

Marfat.com

طیور اور حیوانات پر شفقت: پرندوں کے انڈے چرانے سے آپ منع فرماتے تھے اسی طرح ان کے گھونسلوں سے چھوٹے بچے اٹھانے سے بھی آپ نے منع فرمایا اور سخت ناگواری کا اظہار کیا۔ (ابو داؤد۔ ۳۔ ۴۶۹ حدیث۔ ۳۰۸۹)

کتابوں میں لکھا ہے کہ جانور حضور ﷺ کو پہچانتے تھے کہ آپ سید المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں چنانچہ آپ جہاں بنی نوع انسان پر مہربان اور مشفق تھے وہاں دوسری مخلوقات سے بھی آپکا رویہ نہایت مشفقانہ اور ترحم آمیز تھا۔ حتیٰ کہ تمام جانداروں کے لئے جذبہ رحمت ہر ہر آن موجزن رہتا۔ آپ صحابہ کرام کو جانوروں کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کا ارشاد فرماتے۔ بدحال جانوروں کو دیکھ کر ارشاد فرماتے کہ ان بے زبانوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو۔ ان پر سواری بھی اچھے طریقے سے کرو۔ اور ان کو چارہ وغیرہ بھی اچھی طرح کھلایا کرو۔ (ابو داؤد۔ ۳۔ ۴۹۔ حدیث ۲۵۴۸) آپ جانوروں کے منہ پر داغ لگانے اور ان کی شکلیں بگاڑنے سے منع فرماتے (مسلم اللباس۔ ۳۔ ۱۶۷۳ حدیث ۲۱۱۷ ابو داؤد۔ ۳۔ ۵۷۔ حدیث ۲۵۶۴) مرغ کی صبح کی اذان سے بعض لوگوں کو شکایت پیدا ہوتی تو فرماتے کہ مرغ کو برا بھلا نہ کہو۔ کیونکہ وہ تو نماز کے لئے جگاتا ہے پھر فرمایا: اگر مرغ کی اذان سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل و رحمت مانگو کیونکہ مرغ رحمت کے فرشتے کو دیکھ کر بانگ دیتا ہے۔ (ابو داؤد۔ ۵۔ ۳۳۱ حدیث ۵۱۰۱۔ ۵۱۰۲)

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کے بھرے پرے کھیت یا پودے کو کوئی جانور یا پرندہ نقصان پہنچائے تو کھیت والے کو صدقے کا اجر ملے گا۔ (بخاری۔ ۷۸/۲۷:۴۔ ۱۱۷)

غرضیکہ سرور دو عالم ﷺ تمام موجود، غیر موجود، اپنوں، بیگانوں، انسانوں اور جانوروں سبھی کے لئے رحمت و شفقت کا مجسمہ تھے۔ آپ کی رحمت ہر انسان کے لئے یکساں تھی۔ آپ کے محاسن اور حسن اخلاق کو ضبط تحریر میں لانا ناممکن ہے۔ بقول غالب:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزا شیتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

حضور ﷺ بحیثیت مبلغ اعظم: مبلغ کا کام ابلاغ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **ما علی الرسول الا البلاغ** (مائدہ۔ ۹۹)

یعنی رسول ﷺ کا کام تو یہ ہے کہ وہ اللہ کا حکم ٹھیک طور سے پہنچا دے۔ ایک نبی علیہ السلام نذیر بھی ہوتا ہے اور بشیر بھی اور لوگوں کو گمراہی کی دلدل سے نکالنا اس کی سعی میں داخل تھا۔ (اعراف۔ ۴۸) پس جو لوگ نبی کی آواز پر کان دھرتے ہیں وہ نجات اور فلاح پاتے ہیں اور سنی ان سنی کرنے والے یا مخالفت میں جت جانے والے تباہ ہو جاتے ہیں۔ بخاری کتاب الرقاق۔ باب ۲۶ ۴:۲۷ ۲۲ مطبوعہ لائیڈن)

ہر نبی مبلغ ہی تھا۔ لیکن سید المرسلین ﷺ سید المبلغین بھی تھے کیونکہ آپ ﷺ کا طریق تبلیغ نہایت مدبرانہ، متحملانہ، مشفقانہ اور مزکیانہ تھا۔ مکی دور میں بھی آپ ﷺ نے صبر و استقامت اور

Marfat.com

وفور انہماک سے تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ اور مدنی دور میں بھی آپ ﷺ اس بنیادی فریضہ سے کماحقہ، عہدہ براء ہوئے۔ آپ ﷺ کا انداز تبلیغ انسانی نفسیات کے عین مطابق تھا۔ آپ ﷺ دوسروں کو تبلیغ کرنے سے پہلے خود اس بات پر عمل کر کے دکھاتے جس کی آپ تبلیغ فرماتے تھے مکی دور میں انفرادی تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو راہ راست دکھاتے رہے۔ اور صدیق اکبرؓ، علی المرتضیٰؓ وغیرہ پانچ افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر اجتماعی تبلیغ کی راہ اختیار فرمائی اور اپنے خاندان کے چالیس افراد کو کھانے پر بلا کر دعوت حق دی۔ پھر حج اور مختلف میلوں ٹھیلوں کے موقع پر بھی آپ ﷺ لوگوں کے پاس جاتے اور ان تک اللہ کا پیغام پہنچاتے اور دس سال تک یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ ۱۱ نبوی میں یثرب کے چھے حق پرستوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جس کے بعد مکہ کی بجائے مدینہ منورہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا مرکز بن گیا۔ مکی دور میں مکہ کے سردار ابو جہل اور ابو لہب وغیرہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے رہتے اور جب آپ ﷺ کسی کو دعوت حق دیتے تو یہ سرداران کو ورغلا کر قبول حق کی راہ میں رکاوٹ ڈال دیتے۔ سورہ محمد ﷺ کی پہلی آیت میں ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے کہ ان کے اعمال اکارت اور بیکار گئے۔ پھر آپ ﷺ دور دراز کے شہروں میں بھی تشریف لیجانے لگے۔ طائف والوں کو راہ حق دکھانے کے لئے کئی روز سفر کر کے وہاں پہنچے لیکن نتیجہ حوصلہ شکن رہا۔ اور وہاں کے لوگوں نے آپ پر سنگ باری کر کے آپ کو لہولہان کر دیا۔ (السیلی روض الانف جلد ا صفحہ ۲۶۰)

پھر آپ دور دراز کے قبائل مثلاً بنو عامر بن صعصعہ، بنو محارب بن خصفہ، بنو فزارہ (۔غطفان) بنو غسان، بنو مرہ، بنو سلیم، بنو کندہ، بنو کلب، نبو حارث، بنو کعب، بنو عبس، بنو نضر، نبو البکاء، بنو عذرۃ وغیرہ کی طرف بہ نفس نفیس تشریف لے گئے مگر جاہلانہ حمیت آڑے آئی اور ان کو قبول اسلام کی توفیق نہ ملی۔ (طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۲۱۶ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۶۳ تا ۶۵) ابن جوزی نے الوفاء (صفحہ ۲۱۵-۲۱۶) میں لکھا ہے کہ آپ تبلیغ کی خاطر ان قبائل کی قیام گاہوں پر تشریف لے گئے تھے آپ اس فرض سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہوتے تھے۔ جن دنوں شعب ابی طالب میں تھے مقاطعہ کی زندگی کٹ رہی تھی اس عرصہ میں بھی جب موقع ملتا آپ تبلیغ فرماتے۔ ہجرت کے سفر میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور کئی لوگ اسلام کی پناہ میں آئے۔ مکی دور میں آپ ﷺ نے تبلیغی وفد بطور سفیر روانہ فرمائے۔ مثلاً طفیل بن عمرو دوسی کو ان کے قبیلے کی طرف بھیجا گیا اور حضرت مصعبؓ بن عمیر کو یثرب میں اسی مقصد کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ (ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۱ تا ۲۵، ۷۵ تا ۷۶) مکہ سے ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے اسلامی تبلیغ کا مرکز یثرب یعنی مدینہ منورہ کو بنا لیا۔ جہاں چند سال میں اہل اسلام کی تعداد میں متعد بہ اضافہ ہو گیا۔ پھر بیرون عرب حکمرانوں کو خطوط لکھوائے۔ عورتوں کے اجتماعات میں بھی آپ ﷺ تبلیغ وارشاد کا سلسلہ جاری رکھتے۔ (بخاری۔ کتاب ۳ باب ۳۲، ۳۷) اس سلسلہ میں آپ کو جسمانی اذیتیں بھی برداشت کرنا پڑیں اور سخت ترین ظالموں سے واسطہ رہا۔ لیکن آپ کے پائے استقلال میں کوئی اذیت، کوئی تذلیل و تحقیر یا گالی گلوچ لغزش کا باعث بن سکی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

Marfat.com

آپ ﷺ کی تبلیغی خصوصیات: اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطریق احسن فریضہ تبلیغ نبھانے کا حکم دیا تھا۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتی ھی احسن

"اے نبی ﷺ۔ آپ ﷺ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور نیک نصیحت سے دعوت دیں۔ اور ان سے بحث (کرنا پڑ جائے تو) نہایت اچھے طریقے سے کیجئے۔ (نحل - ۱۲۵)

چنانچہ آپ ﷺ کی تبلیغ کے بارے میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قرآن حکیم میں جو پہلی سورۃ نازل ہوئی اس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔ چنانچہ پہلے دعوت ایمان دی گئی اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو بعد میں حلال و حرام کے احکامات سے آگاہ کیا۔ اگر پہلے ہی امتناعی احکام دیئے جاتے تو لوگ بدک سکتے تھے اور اس طرح ایمان کی دولت سے محروم رہ جاتے۔ (بخاری ۶/۹۶۶۔ ۳۹۵)

حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو تدریجی تبلیغ کا طریقہ بتایا اور فرمایا کہ پہلے ان کو توحید اور رسالت کی تبلیغ کرنا۔ ایمان لے آئیں تو ان کو نماز کی تعلیم دینا۔ نماز پر عمل کرنے لگیں تو روزہ اور زکوٰۃ سے آگاہ کرنا۔ (بخاری ۸/۱۹۴۴۔ ۳۵۲)

حکمت کے معنی ہیں ایسا طریق کار جس میں اکراہ کا پہلو موجود نہ ہو۔ اور انسانی طبیعت اسے فوراً قبول کرلے اور وہ عقل و دل کو متاثر کرے۔ (بحر المحیط از ابو حیان اندلسی)

عرب کے مشہور کاہن ضماد الازدی نے جب آپ ﷺ کا خطبہ سنا تو اعتراف کیا کہ ایسا کلام کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کے پاس قطعاً نہیں۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ (مسند احمد۔ جلد ا صفحہ ۳۰۲) طفیل بن عمرو دوسی رئیس اور مشہور آدمی تھا۔ اس نے آپ سے کلام سنا تو اعترافاً کہا:

ماسمعت قولا قط احسن منہ یعنی میں نے اس سے بہتر کلام کبھی نہیں سنا"۔

مال غنیمت نہ ملنے پر غزوہ حنین کے بعد انصار کو جب شکایت پیدا ہوئی تو آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس سے ان کے شکوک و شبہات دور ہو گئے۔ (بخاری و فتح الباری از ابن حجر)

آپ کی بات میں اتنا اثر ہوتا تھا کہ کفار مکہ آپ ﷺ کو اسی بناء پر جادوگر کہتے تھے۔ ابو جہل، ابو سفیان سن کر اندر ہی اندر سر دھنتے (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۳۸-۳۳۷)۔ عمیر بن وہب ابھی آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آیا اور آپ سے ملا تو اسلام قبول کر کے گیا۔ (ایضاً۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۱۶)

Marfat.com

مجادلہ احسن اور مجادلہ باطل: مجادلہ باطل یعنی فضول اور غیرضروری خلط مبحث کو کفار کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بغیر کسی معقولیت کے جھگڑا کرتے تھے۔ لیکن حضور ﷺ کو مجادلہ احسن کا حامل قرار دیا گیا۔ مدنی دور میں یہودیوں اور نجران کے عیسائی وفد سے آپکا مباحثہ (اور مباہلہ) "مجادلہ احسن" کی نمائندہ مثالیں ہیں۔ (طبقات ابن سعد)

آپ ﷺ کو نرمی اور ملاطفت کی تعلیم بھی دی گئی تھی۔ (آل عمران - ۱۵۹) جس کے طفیل بے شمار باغیان اسلام کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ اسلام لے آئے مثلاً ابو سفیان، عکرمہ بن ابو جہل، صفوان بن امیہ وغیرہ۔

تالیف قلوب: فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے قدیمی دشمنوں کو "**لا تثریب علیکم الیوم**" کا مژدہ سنا کر عام معافی کا اعلان فرمایا۔ (السیلی، روض الانف جلد ۲ صفحہ ۲۶۳) اور یہ اعلان تالیف قلوب میں مد و معاون ثابت ہوا اور چند دنوں کے اندر دو ہزار قریش مکہ مسلمان ہو گئے۔ غزوہ حنین کے بعد مال غنیمت میں سے زیادہ حصہ نو مسلم حضرات کو عطا فرمایا یہ بھی "**والمولفة القلوب**" کے زمرے میں آتا ہے۔ پھر مکی مہاجرین کی جائیدادوں کو قابضین سے نہ چھڑانا اور انہی کے قبضہ میں رہنے دینا بھی آپ کی فراخ دلی اور شفقت کی عمدہ مثال ہے۔

عفو و درگزر: آپ کی تبلیغی زندگی میں عفو و درگزر اور حسن اخلاق نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ قتل کی نیت سے آنے والوں کو معاف فرما دینا تالیف قلوب کے لئے مہمیز کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ وہ عظیم انسان ہیں کہ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کے ساتھ بھی آپ ایسے طریقے سے پیش آتے کہ وہ اپنے آپ کو معزز ترین محسوس کرتا اور اعلیٰ رتبہ کے سرداروں اور رئیسوں سے بھی اتنی مروت اور محبت سے پیش آتے کہ وہ ادنیٰ سی تحقیر اور ہتک کا تاثر نہ لیتے۔ چنانچہ۔ **کلموا الناس علی قدر عقولھم** کا مقولہ بھی ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہتا۔

ایک شخص نے دعوت اسلام کے جواب میں کہا کہ مجھے صرف فلاں کام چھوڑنا منظور نہیں۔ تو صحابہؓ کرام نے اس پر اظہار ناراضگی فرمایا لیکن آپ ﷺ نے اسے پاس بلا کر آرام سے سمجھایا کہ اس کام میں فلاں قباحت ہے تو وہ تائب ہو گیا۔ بعض مستشرقین سرور عالم ﷺ کو صرف ایک ہیرو یا لیڈر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کو ان دو القاب تک محدود کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی اور رسول خدا بھی تھے۔ وہ رحیم و رؤف اور رحمۃ للعالمین بھی تھے، بشیر و نذیر بھی تھے، ہادی و مرسل تھے، تائید الٰہی ہر وقت ان کے ساتھ ساتھ ہوتی۔ آپ کی قیادت ایک دنیادار قائد کی قیادت نہ تھی بلکہ ایک روحانی قیادت آپ کا مطمح نظر تھی۔ آپ کی دعوت و ہدایت رحمت و شفقت کسی ایک طبقے، قبیلے یا گروپ کے لئے نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ انسانوں، جنوں، حیوانوں، پرندوں وغیرہ سب تک وسیع تھا۔

Marfat.com

میثاق مدینہ

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد غزوہ بدر سے پہلے مدینہ میں آپ کی تشریف آوری کے آغاز میں جبکہ مسلمانوں کو ابھی سیاسی غلبہ حاصل نہ تھا۔ مدینہ کے اہل کتاب بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں۔ ایک نئی ریاست کی تاسیس و تشکیل کے سلسلے میں میثاق مدینہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مدینہ منورہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مدینہ کے چند محلوں پر مشتمل ایک شہری ریاست قائم فرمائی اور میثاق مدینہ کے ذریعے غیر مسلموں اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں اور مسلمانوں کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین کیا۔ ریاست اور شہریوں کے حقوق و فرائض متعین فرمائے انصاف اور قانون کی حکمرانی کی داغ بیل ڈالی۔ انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کے اصول و ضوابط مرتب کئے۔ نیز انسانی معاشرے کی تشکیل و تعمیر اور فلاح و اصلاح اور اسلامی فلاحی مملکت کے قیام کے لئے ممکنہ ضروری اقدامات کئے۔

اسلامی نقطہ نظر سے انسانی اقدار کی بناء پر ایک ملت کی تیاری کا آغاز کیا گیا۔ مسلمانوں کی روحانی اور معاشرتی تربیت اور مرکزیت پیدا کرنے کے لئے مسجد نبوی کو ہیڈ کوارٹر بنا کر ہمہ گونہ اصلاح اور تربیتی تعلیم کا آغاز کیا گیا۔

دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور العمل: ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب The first Written Constitution in the World (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء صفحہ ۴ تا ۹) میں مدلل طور پر "میثاق مدینہ" کو دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ثابت کیا ہے۔ جسے خود ریاست اسلامیہ کے حاکم اعلیٰ نے نافذ فرمایا۔ اس معاہدے کی تفصیلی شقوں وغیرہ کا ذکر ابن اسحاق، ابن ہشام نے اپنی سیرت کی کتابوں، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اور ابو عبید القاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں کیا ہے۔

میثاق مدینہ کا متن: ۱۔ یہ محمد نبی ﷺ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نامہ ہے جو قریشی اور مدنی مسلمانوں کے درمیان، نیز ان لوگوں کے مابین جو ان کی پیروی میں ان سے آملیں، ان کے ساتھ رہیں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد میں مصروف رہیں طے پایا ہے۔

۲۔ یہ سب لوگ دوسرے تمام لوگوں کے مقابلے میں ایک امت قرار پائیں گے۔

۳۔ قریشی مہاجرین اپنے قبائلی نظام کے مطابق اپنی "دیت ہا" ادا کریں گے۔ نیز وہ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں اور مسلمانوں میں مروجہ دستور العمل اور انصاف کے مطابق ادا کریں گے۔

۴۔ بنی عوف اپنے نظام قبیلہ کے تحت اور مطابق اپنی پہلی "دیتیں" ادا کریں گے اور ان میں

Marfat.com

سے ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ مسلمانوں میں مروجہ دستور اور عدل و انصاف کے مطابق ادا کرے گا۔

۵۔ بنو حارث (بنو خزرج) اپنے قبائلی نظام کے مطابق اپنی پہلی دیتیں ادا کریں گے اور ان کا ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ مسلمانوں کے اندر جاری و ساری دستور العمل اور انصاف کے اصولوں کے مطابق دے گا۔

۶۔ بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو نجار، بنو عمرو بن عوف، بنو نبیت اور بنو اوس اپنے اپنے قبائل میں مروجہ نظام کے مطابق اپنی دیتیں ادا کریں گے اور اپنے اپنے قیدیوں کو مسلمانوں کے دستور العمل اور انصاف و عدل کے مطابق فدیہ دیکر چھڑائیں گے۔

۷۔ اہل اسلام و ایمان اپنے کسی زیر بار قرضدار کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ دستور کے مطابق فدیہ، دیت اور تاوان ادا کرنے میں مدد کریں گے۔

۸۔ تقویٰ شعار مسلمان متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو ان میں سے اہل ایمان کے درمیان ظلم، گناہ، زیادتی، سرکشی اور فساد و بغاوت کا باعث بنے گا۔ وہ سب ایسے شخص کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اگرچہ وہ شخص ان میں سے کسی کا بیٹا ہی ہو۔

۹۔ کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا۔ اور نہ کسی مومن کے خلاف وہ کسی کافر کا مددگار بنے گا۔

۱۰۔ سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے مددگار اور وکیل و کارساز ہوں گے۔

۱۱۔ یہودیوں میں سے جو بھی اہل اسلام کا تابع ہو جائے گا اس کے ساتھ دستور کے مطابق معاملہ اور انصاف و مساوات کا سلوک روا رکھا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ان کے خلاف کسی اور گروہ کی مدد کی جائے گی۔

۱۲۔ مسلمانوں کی صلح یکساں اور برابر کی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی مسلمان قتال فی سبیل اللہ میں دوسرے مسلمان سے الگ ہو کر صلح نہیں کرے گا (بلکہ) اسے مسلمانوں کے درمیان مساوات و عدل کو ملحوظ رکھنا ہو گا۔

۱۳۔ ہر غازی جماعت کے افراد باہمی طور پر ایک دوسرے کی جانشینی کریں گے۔ (ایک دوسرے کے قائم مقام ہو سکیں گے)

۱۴۔ تقویٰ شعار مسلمان اس معاہدے کی شرائط پر کاربند رہیں گے۔

۱۵۔ کوئی مشرک (یہودی) قریش کے مال کو پناہ نہیں دے سکے گا اور نہ وہ کسی مسلمان کے مقابلے میں قریش کا مددگار ہو گا۔

۱۶۔ جو کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا۔ اسے مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ الا یہ کہ مقتول کا ولی اس کا خون بہا لینے پر رضامند ہو جائے۔ اور تمام اہل ایمان قاتل کے خلاف متحد رہیں گے۔

۱۷۔ اس معاہدہ کی پابندی کا اقرار کرنے والے کسی مومن، جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لا چکا

Marfat.com

ہے، کے لئے یہ جائز نہ ہو گا کہ وہ کسی قانون شکن کی مدد کرے یا اسے پناہ دے ---- اور جو ایسے مجرم کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا تو اس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ اور اس سے نہ بدلہ قبول کیا جائے گا نہ فدیہ۔

۱۸- اور تم لوگ (اہل اسلام) جب بھی کسی معاملے میں مختلف رائے اختیار کرو گے تو اس کے فیصلہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول اللہ ﷺ کی (بارگاہ حق نما کی) طرف رجوع کیا جائے گا۔ (یہ دفعات مسلمانوں کے بارے میں تھیں اب غیر مسلموں کے بارے میں دفعات درج کی جاتی ہیں)

۱۹- مسلمان جب تک جنگ میں مصروف رہیں گے جنگی اخراجات میں یہودی ان کے ساتھ شریک رہیں گے۔

۲۰- بنو عوف کے یہودی بذات خود اور اپنے حلیفوں اور موالی کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق اور جماعت ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر کاربند رہیں گے۔ اور مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں گے۔ البتہ جس نے ظلم و گناہ کیا وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈالے گا۔

۲۱- بنی نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو اوس اور بنو ثعلبہ کے یہود کے لئے بھی وہی مراعات و فرائض ہوں گے جو بنی عوف کے یہود کے لئے بیان ہوئے۔ لیکن ان میں سے جس نے ظلم و زیادتی کی تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو تباہی میں ڈالے گا۔

۲۲- بنو ثعلبہ کی شاخ بنو جفنہ بھی بنو ثعلبہ کی طرح ہوں گے۔

۲۳- بنو شطیبہ کے لئے بھی وہی کچھ ہو گا جو بنی عوف کے یہود کے لئے ہے۔ نیز یہ کہ نیکی گناہ سے الگ ہو گی۔

۲۴- بنو ثعلبہ کے موالی (حلیف گروہ) حقوق و فرائض میں بنو ثعلبہ کی طرح ہوں گے۔

۲۵- یہودی قبائل کی کوئی اور شاخ اپنے اصل کی طرح (مورد و مستحق) ہو گی۔

۲۶- اور ان قبائل میں سے کوئی شخص (فرد) بھی حضرت محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر مدینہ یا میثاق مدینہ سے باہر نہیں نکلے گا۔ نیز یہ کہ کوئی شخص زخم (جرم) کا بدلہ لینے سے مانع نہیں ہو گا اور جو کوئی کسی کو قتل کرے گا وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو ہلاکت میں ڈالے گا۔

۲۷- اہل اسلام اپنے اخراجات کے کفیل ہوں گے اور یہود پر اپنے اخراجات کی کفالت واجب ہو گی نیز جو اس معاہدے کے شرکاء سے جنگ کریگا تو تمام شرکاء اس کے خلاف ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے۔ نیز وہ آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں گے اور ہر حال میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

۲۸- یہودی جب تک مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے اپنا خرچہ خود برداشت کریں گے۔

۲۹- اس معاہدے کے شرکاء کے لئے مدینہ منورہ کی حدود کا داخلی علاقہ حرم کی حیثیت کا حامل ہو گا۔

Marfat.com

۳۰۔ ہمسایہ کی حیثیت منفرد ہو گی (وہ کسی کی طرح نہ ہو گا بلکہ) وہ اپنے آپ کی طرح ہو گا۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا اور نہ اس پر زیادتی کی جائے گی۔

۳۱۔ کسی کی زیر کفالت چیز کو اس کی اجازت کے بغیر پناہ نہ دی جائے گی۔

۳۲۔ اس معاہدہ کے شرکاء کے درمیان جو بھی نیا معاملہ یا قانون شکنی کا واقعہ پیش آئے گا۔ جس سے نقصان اور فساد کا امکان ہو تو اس امر کے فیصلے کے لئے اللہ تعالیٰ اس صحیفے اور کتاب (معاہدہ) میں نیکی اور تقویٰ کے مضمون پر گواہ ہے۔

۳۳۔ قریش اور ان کے مددگاروں کو کوئی پناہ نہیں دے گا۔

۳۴۔ جو کوئی یثرب (مدینہ منورہ) پر یلغار کرے گا تو اس معاہدہ کے شرکاء باہمی امداد سے اس کا مقابلہ کریں گے۔

۳۵۔ ان (مسلمانوں) میں سے جو کوئی اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے کے لئے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کریں گے۔ اسی طرح اگر یہود ان (مسلمانوں) کو کسی ایسی صلح کی دعوت دیں تو وہ (مسلمان) بھی اس دعوت کو قبول کریں گے۔ بشرطیکہ وہ حلیف دین اسلام سے برسرپیکار نہ ہوں۔ نیز اخراجات کے لئے تمام گروہ اپنے اپنے حصہ کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے۔

۳۶۔ بنو اوس کے یہود بذات خود اور ان کے حامی اور حلیف اس معاہدہ پر خوبی اور عمدگی سے عمل پیرا ہونے والوں کے ساتھ رہیں گے۔ گناہ کی حدود سے ورے نیکی اور وفاداری ہے۔ ہر کام کرنے والا اپنے عمل کا ذمہ دار ہو گا۔ زیادتی کرنے والا اپنی جان پر زیادتی کرے گا۔ اور اس معاہدے پر سچائی اور نیک نیتی سے عمل کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ مددگار ہو گا۔

۳۷۔ یہ معاہدہ ظالم اور گنہگار کو اس کے عمل بد کی پاداش وانجام سے نہیں بچائے گا۔ اس معاہدہ میں رہتے ہوئے جو مدینہ منورہ سے باہر نکل جائے گا وہ مامون رہے گا اور جو مدینہ کے اندر بیٹھا رہے گا وہ بھی مامون ہو گا لیکن جو کوئی ظلم و گناہ کا مرتکب ہو گا وہ مامون نہیں رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ نیک چلن اور متقی لوگوں کے حامی و محافظ ہیں۔

(کتاب الاموال جلد ۱ صفحہ ۳۵۹ تا ۳۶۵ از ابو عبید القاسم بن سلام (متوفی ۲۲۴ھ، ۸۳۸ء)، سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ سے آگے تک، الوثائق السیاسیہ صفحہ ۱۵ تا ۲۱ از محمد حمید اللہ)

میثاق مدینہ کی اہمیت وافادیت:

۱۔ اس معاہدے کی بدولت اسلامی ریاست کا آغاز ہوا اور اہل اسلام اور غیر مسلموں نے حضرت محمد ﷺ کو اس ریاست کا سربراہ تسلیم کر لیا جس کے بعد آپ ﷺ ایک بین الاقوامی معاشرہ کی تشکیل میں مصروف ہو گئے اور آپ ﷺ نے ایک ایسے معاشرہ کی داغ بیل ڈالی دی۔ جو بین الاقوامی قواعد واصول پر مبنی تھا۔

(سپرٹ آف اسلام صفحہ ۵۹ از امیر علی مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء)

Marfat.com

۲۔ اس معاہدے کے تحت آپ ﷺ نے انتظامی، عدالتی، تشریعی، فوجی اور تنقیدی اختیارات خود اپنے لئے اور اہل اسلام کے لئے محفوظ کر لئے۔

۳۔ اس معاہدہ میں بلند ترین اخلاقی اصولوں کو جگہ دی گئی اور اقتدار کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کو تسلیم کروالیا اور حضور اس کے نائب قرار پائے اور اس طرح سیاست کو اخلاقی اصولوں پر منضبط کیا۔

۴۔ اس معاہدہ کے ذریعے شہری حقوق، حکومتی تنظیم، سیاسی رواداری، بہترین فہم و فراست اور جان دار حکمت عملی کا اظہار سامنے آیا۔

۵۔ اس معاہدے میں، "**لکم دینکم ولی دین**" کا قرآنی اصول نافذ ہوا اور غیر مسلموں کے لئے مذہبی آزادی کے اصول و قواعد وضع کئے گئے۔ اور ان کے ساتھ باہمی تعاون کی شقوں کی نشاندہی کی گئی۔

۶۔ اس کے ذریعے اہل اسلام کے باہمی حقوق و فرائض اور جملہ شہریوں کے باہمی تعلقات کی اساس کی تعیین کی گئی۔

۷۔ اس سے ظلم، استبداد، ناانصافی، زیادتی، قتل کے بدلے قصاص و خون بہا اور ایسی ہی دیگر معاشرتی خرابیوں کا سدباب ہوا اور اسے انفرادی زمرہ سے نکال کر اجتماعی زندگی کے اصول و قواعد کی روشنی میں وسیع تر حلقہ اناف میں شامل کیا گیا۔

۸۔ اس معاہدہ کی رو سے غریبوں، ناداروں، بے کسوں، محروموں، کمزوروں اور مظلوموں کی دادرسی کا اہتمام کیا گیا۔

۹۔ حالت امن اور ہنگام جنگ کے مواقع کے لئے اصول و ضوابط ضبط تحریر میں لائے گئے۔

۱۰۔ قریش مکہ کی اندھی قوت کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا گیا اور دشمنان اسلام کا داخلہ مدینہ منورہ میں بند کر دیا گیا۔

۱۱۔ مدینہ منورہ کو حرم قرار دیا گیا۔ اور اس کے داخلی اور خارجی دفاع کا خاطر خواہ انتظام ہوا۔

۱۲۔ قبائل کی باہمی خصومت اور جنگوں کا زور توڑا گیا۔

۱۳۔ مسلمانوں کے خلاف کسی کو بھی برا نگیخت کرنے سے روک دیا گیا۔

۱۴۔ اس معاہدہ نے شہریوں کو قانونی، اخلاقی، دینی اور انسانی اقدار کے احترام کا جذبہ عطا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور حضور علیہ السلام کے فیصلوں کو حتمی طور پر فائق حیثیت دلوادی۔

۱۵۔ حضور علیہ السلام کے جاری کردہ اس نظام کی بدولت ایک مضبوط اسلامی ریاست اور صالح معاشرہ وجود میں آیا۔ (ایضاً و طبقات ابن سعد، رحمۃ للعالمین جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۷)

Marfat.com

حضرت سید لولاک ﷺ اور قانون

قانون اخلاق کی پاسداری کرتا ہے اور اخلاقی اصول قانون کی پاسداری کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بیک وقت معلم اخلاق بھی تھے اور قانون پیش کرنے والے بھی۔ آپ ﷺ کی تعلیم دین اور دنیا ہر دو امور میں رہنمائی کرتی ہے۔ ریاست مدینہ کے قیام کے بعد اسلامی ریاست کو چلانے کے لئے جن قوانین و ضوابط کی ضرورت تھی وہ میثاق مدینہ میں مذکور ہیں۔ لیکن یہ سلسلہ نئے نئے مسائل سے واسطہ پڑنے کی بناء پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ اور قرآن حکیم میں اسلامی قوانین کے بارے میں بنیادی باتیں نازل ہوتی رہیں جن کی روشنی میں اسلامی مملکت میں قانون کی حکمرانی کا تصور ابھرا۔

آپ ﷺ کے سامنے تجارتی جھگڑے آتے، نکاح و طلاق کے مسئلے بھی پیش آتے اور اخلاقی جرائم کے معاملات سے بھی پالا پڑتا اور آپ ان سب امور میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی روشنی میں حالات کے تقاضا کے مطابق مبنی برحق و انصاف فیصلے فرماتے۔ اسلامی روح کے منافی مروجہ رسوم و رواج سے پہلو تہی فرماتے اور اگر مروجہ قانون و رواج کو اسلامی تعلیمات سے متناقص نہ دیکھتے تو اسی کو اختیار کر لیتے۔ گویا عرف و عادت کو اختیار کرنا یا ترک کرنا اسلامی تعلیمات سے موافقت یا ٹکراؤ کی بناء پر ہوتا تھا۔ اور آپ ﷺ کے قانونی ارشادات اسقدر واضح اور مفصل اور جامع تھے کہ آپ کی وفات کے بعد بھی تین تین براعظموں پر حکمران اسلامی خلفاء اپنی عام ضرورتوں کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے اور صراحت کے ساتھ رہنمائی حاصل کر سکتے تھے اور فقہا بھی ان ارشادات سے مطلوبہ مسائل و احکام کا استنباط کرتے رہے۔

مکی دور میں رسول اللہ کا اتباع ہوتا تھا۔ اور مدنی زندگی میں رسول اللہ کی شخصیت اللہ کے رسول کے علاوہ اسلامی ریاست کے سربراہ کی بھی تھی۔ توحید و رسالت پر ایمان کی دعوت کے بعد عدل و انصاف پر مبنی بنیادی امور کی وضاحت قرآنی سورتوں میں خوب ملتی ہے۔ مثلاً فصل کاٹنے اور پھل توڑنے کے موقع پر حق داروں کو کچھ دینا اور سائلوں اور محرومین کو ان کا حق ادا کرنے کا حکم نازل ہوا۔ (انعام - ۱۴۲ ۔ معارج ۲۳-۲۴) تجارتی معاملات میں گڑبڑ کا ذکر بھی اس دور کی سورتوں میں ملتا ہے۔ **المطففین** (۱ تا ۳) اور یتامیٰ اور سائلین کی خبر گیری کا حکم بھی نازل ہوا۔ (الضحیٰ - ۱۰) اسی طرح دیگر ضروری امور میں بھی قرآن نے تشریعی احکامات مکی دور میں ہی دینا شروع کر دیئے تھے اور اس کا طریقہ اظہار یہ تھا کہ آپ ﷺ امور کی کی وضاحت فرما دیتے۔ اور اہل ایمان اس پر دل و جان سے عمل کرتے تھے۔ یہ احکامات قرآن پر بھی مبنی ہوتے اور آپ کے ارشادات پر بھی ان کی بنیاد ہوتی لیکن اہل ایمان کے لئے وہ بہر صورت قابل قبول عمل ہوتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے عمومی ارشادات کو مکہ میں ہی اپنی تائید سے نواز دیا تھا اور کہا تھا **ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** (نجم - ۳) یعنی آپ اپنی خواہش کے تحت بات نہیں فرماتے بلکہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ وحی ربانی ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ سرچشمہ قانون باری تعالیٰ ہیں اور رسول اللہ کا کام یہ تھا کہ آپ ﷺ اللہ سے

Marfat.com

احکامات صحیح طور پر امت تک پہنچاتے تھے۔ اور جہاں قرآن میں اجمال یا سکوت سے کام لیا گیا ہے وہاں آپ ﷺ کے ارشادات ہی سرچشمہ قانون ہوتے جس کی تائید قرآن نے بھی کی۔ (نجم۔۳)

قرآن نے اخلاقی تعلیمات کے ذریعے تعمیر سیرت اور اخروی نجات پر زور دیا ہے حضور علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

اسلام نے انسان کی دنیوی اور دینی ہر دو ضروریات کا خیال رکھا ہے۔ اور سعی وجہد کو انسان کی قسمت سے منسلک کر دیا۔ (نجم۔۳۹) اور دنیا سے اپنا حصہ وصول کرنے کی یاد دہانی بھی کروائی۔ (قصص۔۷۷) منشیات یا شراب کی قباحت کا ذکر مکی دور میں ہوا۔ (نحل۔۶۷) اور اسے رزق حسن کے زمرہ سے الگ کر دیا گیا۔ اور آسانی سے مشکل کی طرف سفر کے ذریعے لوگوں کو عملدر آمد کی آسان مہلت دی گئی۔ تاکہ نیکیاں محض ایک مخصوص طبقہ کی دسترس کی قیدی ہو کر نہ رہ جائیں۔ دیگر برائیوں سے روکنے میں بھی تدریجی عمل کو اہمیت دی گئی۔ اور جب تربیت ہو چکتی تو مانع امر کو یکدم نافذ کر دیا جاتا۔ اس دور میں دنیوی فلاح کے ساتھ ساتھ اخروی فلاح کی اہمیت زیادہ واضح انداز میں جتلائی گئی کیونکہ دنیا کی چند روزہ زندگی کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی ہمیشگی پر محیط ہے۔ لہٰذا اخروی انعامات کا تذکرہ بھی اس دور کی سورتوں میں خوب خوب کیا گیا ہے۔ مکی دور میں اسلامی حکومت اگرچہ قائم نہ تھی لیکن امت حضور ﷺ کے ارشادات کا اتباع ضرور کرتی تھی۔ مسلمان نماز ادا کرتے، حق وانصاف کے مطابق ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے حتیٰ کہ مشرکین مکہ کے ساتھ میل جول اور لین دین رسمی اور رواجی اصولوں کے مطابق انجام دیتے۔ گویا مکی دور کے مسلمان محکوم بھی تھے اور حاکم بھی، جن کی حاکمیت کا دائرہ انہی تک محدود تھا جبکہ مدنی دور میں ان کی حاکمیت کا دائرہ غیر مسلموں تک وسیع ہو گیا اور میثاق مدینہ جیسی بنیادی دستوری دستاویز معرض تحریر میں لائی گئی جسے دنیا بھر کی اولین تحریری دستوری دستاویز ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مدنی دور میں اسلامی قوانین کی تشکیل اور تشریع کی رفتار تیز ہو گئی اور بعض جزئیات تک کی تصریحات نازل ہوئیں۔ چنانچہ مدینہ کے دس سالہ عہد نبوی ﷺ میں نازل شدہ قرآنی سورتوں میں تمام احکامات مسائل پر ہی ملتے ہیں اور حدیث شریف کا سرمایہ بھی اس کا موید ہے۔ اور اسی دور میں حکم دیا گیا کہ اگر کوئی امر قرآن وسنت میں نہ ملے تو اجتہاد بالرائے سے قرآن وسنت کی روشنی میں احکام کا استنباط بھی جائز ہے۔ جس پر بعد کے ادوار میں بھی عمل کیا جاتا رہا۔

اسلام میں جرائم کی مسئولیت عاقل اور بالغ تک محدود کر دی گئی ازیں پیشتر دور جاہلیت میں اگر کوئی شخص کسی جانور کے حملہ سے ہلاک ہو جاتا تو وہ جانور قصاص میں مقتول کے وارثوں کو مل جاتا۔ اگر کوئی کسی کنوئیں میں گر کر مرجاتا تو وہ کنواں مرنے والے کے وارثوں کو خوں بہا کے طور پر دے دیا جاتا۔ اسی طرح دیگر غیرذوی العقول بھی اگر کسی کی موت کا باعث بنتے تو قصاص میں مقتول کے وارثوں کو مل جاتے۔ یہ یاد رہے کہ انیسویں صدی کے وسط تک انگلستان وغیرہ میں کسی درخت، دیوار، گاڑی یا جہاز وغیرہ کو بھی کسی انسان کی موت کا باعث بننے پر قانوناً سزائے موت دی جاتی تھی اور اسے نیست و نابود کر دیا جاتا

Marfat.com

تھا۔ گویا یورپ میں جہالت کا دور دورہ انیسویں صدی کے وسط تک جاری و ساری تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۹ صفحہ ۲۲۸)

انصاف کا بول بالا: قاضیوں کو مقرر فرماتے وقت آپ ﷺ ان کے استفسارات کا جواب خود دینے کی بجائے کبھی ارشاد فرماتے کہ فلاں (مثلاً ابوبکر صدیق ﷺ) سے پوچھ لو۔ نیز قاضیوں کو عہدۂ قضاۃ کے مقتضیات سے آگاہ بھی کیا جاتا۔ اور حضرت علیؓ اور عمروؓ بن العاص وغیرہ کو دی گئی ہدایات اسلامی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ عدالت کو نجی دائرہ سے نکال کر مرکزی عدالت کے سپرد کرنا بھی ایک عظیم کارنامہ اسلام ہے۔ اور گواہوں کی تعداد بھی بڑھادی گئی۔ شبہ کا فائدہ ملزم کو دیا گیا۔ قتل خطا اور قتل عمد کا فرق واضح کر کے خون بہا کی گنجائش رکھی گئی۔

نیت کی بنیادی اہمیت تسلیم کی گئی۔ عدل کے معاملات میں سے کاہنوں، عرافوں اور رمالوں کے جوابات اور توہمات کو خارج کر دیا گیا۔ خصوصی معاملات کی تفتیش کے لئے ماہرین سے مشورہ کرنا حضور ﷺ کا معمول تھا۔ قوانین کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ چنانچہ خاصہ اور عامہ یعنی (Privatelaw) اور (Public Law) قوانین کی تشریح و تدوین مسلم فقہا نے خوب خوب کی ہے۔

دستور اور نظم و نسق: ریاست مدینہ کے قیام کے بعد امی نبی اور رسول خدا ﷺ نے مملکت کے لئے ایک تحریری دستور نافذ کیا جس میں حاکم اور محکوم اور عوام کے حقوق و فرائض کی تصریح کی گئی اور اس کو دنیا بھر میں پہلے تحریری دستور کا درجہ حاصل ہے۔ اس سے پہلے کوٹلیا کی ارتھ شاستر (بزبان سنسکرت) موجود تھی۔ لیکن یہ نصیحت الملوک قسم کی چیز ہے جس پر مطلق العنان بادشاہ کا عمل کرنا لازمی نہ تھا۔ لیکن اسلامی ریاست کا مذکورہ دستور حاکم اور رعایا دونوں کے لئے لازمی اور قابل عمل تھا۔ اور اس پر عمل کرنا لازمی تھا۔ یونان میں سولن (Solan) کو ایتھنز کے غیر تحریری دستور میں بعض دستوری ترمیمات پیش کرنے کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ اور ان ترمیمات کی منظوری کے بعد اس تحریری مواد کی حیثیت غیر تحریری دستور کے برابر نہ سمجھی جاتی تھی۔ جس میں سکندر اعظم کے دور کے فلسفی ارسطو نے سابق یونان کے "شہری دستوری ارتقاء" کی تاریخی بیان کی تھی۔ لیکن اس کے مشورے سکندر اعظم کے لئے لازمی عملدرآمد کے مقتضی نہ تھے۔ بائبل میں ایک نبی کی عمر رسیدگی کے دور میں ایک بادشاہ کو نامزد کرنے کا ذکر ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ بادشاہ معزز مردوں اور معزز عورتوں سے ذلیل خدمات لے گا۔ ان کا مال چھین لے گا اور انہیں غلام بنالے گا۔ ان شرائط کو قوم نے قبول کیا وہ نامزد کردہ بادشاہ ساول (طالوت) تھا۔ (کتاب سموئیل باب ۸ آیت ۵ اور ۱۱ تا ۱۷) جبکہ میثاق مدینہ ایک مکمل تحریری دستور ہے، جس میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی مملکت کی شہریت حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کو حاکمانہ حیثیت حاصل ہے۔

Marfat.com

آخری نبی ﷺ کا قانونی معجزہ: حضور ﷺ کے دیئے ہوئے بنیادی قوانین اور احکام چودہ صدیوں کے بعد آج بھی کسی تبدیلی کے متقاضی نہیں۔ جبکہ غیر مسلم اقوام اپنے قوانین بدلنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ایک مسلمان اہل کتاب عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن وہ غیر مسلم ہونے کی وجہ سے مسلمان خاوند کی جائیداد کی وارث نہیں بن سکتی۔ اس کا ازالہ اس طرح کیا گیا ہے کہ وصیت کے ذریعے ایک تہائی مال و جائیداد کی وصیت کی جا سکتی ہے۔ اور اس کا اطلاق غیر مسلموں پر بھی ہوتا ہے۔ یہی صورت "ھبہ" کی ہے۔ اسلامی قانون میں ایک مرد ایک وقت میں ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے پہلی بیوی سے اجازت لینا غیر شرعی ہے کیونکہ شادی ایک نہایت مقدس اور انتہائی پرائیویٹ قسم کا نجی معاملہ ہوتا ہے۔ جس کی تشریحات سے دوسروں کو آگاہ کرنا ضروری نہیں ہوتا اور یہ معاملہ واجب نہیں ہے۔ لیکن خواتین کو آلہ کار بنا کر انہیں استعمال کرنے والے ان کے نادان حمایتی اسلامی شقوں پر اعتراض کر کے اپنے نمبر بناتے ہیں۔ حالانکہ یہ معاملہ صرف ان کے لئے ہے جو برضا و رغبت اس کے لئے راضی ہوں۔ اور پھر سب بیویوں کے درمیان عدل و انصاف اس معاملہ کا اہم ترین پہلو ہے۔ پس حضور علیہ السلام نے ساتویں صدی عیسوی میں جو معقول قانونی بنیادیں فراہم فرمائیں ان کی معقولیت آج بھی کسی تبدیلی کی محتاج نہیں۔ اور اسلامی قانون کا یہ وصف عالمی قانون کی تاریخ میں ایک حیران کن معجزہ سے کم نہیں۔

رسول اللہ ﷺ اور خواتین

اللہ کے آخری نبی ﷺ تمام کائنات کے نبی اور رسول ہیں۔ خواتین کو جو بلند مقام اور جو وقار اسلام نے عطا کیا آپ ﷺ اس کے نقیب تھے۔ قدیم زمانوں میں خواتین کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ ہندو دھرم اور بدھ مت میں عورت کو بدی کی جڑ کہا گیا اور آج بھی اسے پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا ہے۔ ان کے ہاں لڑکی کے لئے "دو ہتر" (دور کر دی گئی) کا لفظ ہے۔ بیوی کے لئے پتنی (کنیز) کا لفظ ہے۔ یونان میں اسے شیطان کی مانند کہا جاتا تھا۔ اور شوہر کو اس کا مختار کل اور مطلق العنان مالک تسلیم کیا جاتا تھا۔ مجموعی طور پر باعصمت یونانی عورت کا رتبہ نہایت پست تھا۔ اور اس کی زندگی غلامی میں بسر ہوتی تھی۔ مرد جب چاہتا اسے گھر سے نکال سکتا تھا۔ اگرچہ عورت کو قانوناً طلاق لینے کا حق حاصل تھا لیکن عملی طور پر یہ قانون صفر تھا۔ افلاطون نے عورت کی آزادی اور مرد سے اس کی مساوات کا زبانی حد تک دعویٰ ضرور کیا لیکن عملی میدان میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی بلکہ عورت سے غلاموں کی طرح خدمت لی جاتی تھی۔ اسے ایک بے جان قالب سمجھا جاتا اور اسے بنی آدم کو بہکانے کا ایک دلکش آلہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۰ جلد ۱۹ بذیل ROM)

عرب معاشرے میں بھی عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی حتیٰ کہ لڑکی پیدا ہوتے ہی اسے زندہ دفن کرنے کو غیرت کا اعلیٰ نمونہ تصور کیا جاتا۔ عورت کو وراثت سے کوئی حصہ نہ ملتا۔ (محمود شکری آلوسی، بلوغ

Marfat.com

الارب جلد ۲ صفحہ ۲ تا ۵۶۔ مطبوعہ بغداد "عراق" ۱۳۱۴ھ بار اول)

آج کے جدید دور میں عورت کو آزادی کا نعرہ دیکر اس کے ساتھ فریب کھیلا گیا ہے۔ اسے نمائشی ماسٹر پیس بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور نسوانیت کا اصل زیور شرم و حیا اس سے چھین لیا گیا ہے۔ زندگی میں مرد و زن کے درمیان تعاون اور محبت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جدید دور کے لال بجھکڑ مرد و زن کے درمیان مخاصمت اور تفریق و نفرت کی تبلیغ کر کے باہمی تعاون اور ایثار و محبت کی بجائے باہمی بیزاری کی خلیج کو وسیع تر کرنے میں مصروف ہیں۔ اور نام نہاد آزادی کی آڑ میں اسے بے راہ روی کے قعر مذلت میں دھکیل رہے ہیں۔

مغربی ممالک میں عورت کی آزادی نے اسے ایک کھلونا بنا کر رکھ دیا ہے۔ وہ مرد کی آلہ کار بن کر وہ کچھ کرتی ہے کہ شرافت تھرا جائے۔ لیکن میڈیا کے قوی ترین ذرائع اسے رات دن یہ باور کرانے میں لگے رہتے ہیں کہ اس آزادی (مادر پدر آزادی) کا حصول ہی اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ حالانکہ یہ آزادی ایک فریب اور ملمع سازی ہے جو عہد عتیق کی غلامی سے بھی بدتر ہے۔

آج کل مسلم ممالک میں بھی عورتوں کی آزادی کی لہر مغرب کی اندھی تقلید کا شاہکار بن گئی ہے' اور عورتوں کے حقوق کے احیاء کی آڑ میں مصر، شام، عراق، ترکی، بنگلہ دیش اور پاکستان وغیرہ مسلم ممالک میں بھی مغربی تہذیب کی تقلید کی تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں۔

حضور علیہ السلام نے مرد و زن کے صحیح رشتے کو متعین کرنے میں تائید ایزدی سے بہترین کردار ادا فرمایا۔ اور تقویٰ کو برتری کا معیار قرار دیا۔ قرآن حکیم نے مرد و زن کی ابتدا کے متعلق کہا کہ اے لوگو اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی نبھاؤ جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا' اور پھر ان دونوں سے بکثرت مرد و زن پیدا کئے۔ (نسا۔۱)

نیز دونوں کے حقوق و فرائض بھی متعین کئے گئے۔ (بقرہ۔ ۲۲۸) اور فلاح و تقویٰ کا جو معیار مردوں کے لئے مقرر کیا وہی عورتوں کے لئے بھی ہے اور اس میں ایمان کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے اور دنیا کے ساتھ ساتھ عقبے کی بشارت بھی ہے۔ (نحل۔ ۹۷) اور اللہ تعالیٰ نے صیغہ واحد متکلم میں یہ ارشاد بھی فرمایا کہ میں تم میں سے کسی عامل کی' وہ مرد ہو یا عورت' کمائی کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ (آل عمران۔ ۱۹۵) لیکن اس کے ساتھ ہی اسلامی معاشرے میں عورت کے فرائض اور اس کی تگ و دو کے فطری میلان اور میدان کی طرف بھی اشارے کئے گئے ملتے ہیں۔ گویا اسلام نے مردوں اور عورتوں کے طبعی اور فطری رجحانات کے پیش نظر ان کے الگ الگ دوائر عمل بھی مقرر کر دیئے ہیں۔ اور ہر صنف کا کمال اسی کارکردگی میں اپنی نہایت کو پہنچنا ہے جو اس کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ اور مرد و زن کے تعاون سے زندگی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ کائنات کی تکمیل کا سفر بھی جاری ہے۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ہم عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے جبکہ مدینے میں عورتوں کی قدر و منزلت قدرے زیادہ تھی لیکن جب اسلام کا دور شروع ہوا اور عورتوں کے بارے میں قرآن حکیم

Marfat.com

میں آیات نازل ہوئیں تو ہمیں ان کی صحیح قدر و منزلت کا احساس ہوا۔ (بخاری۔ نکاح باب ۸۴)

حضور ﷺ نے عورتوں کو چند حقوق ہی نہیں بلکہ ان کو معاشرے میں ان کا جائز مقام عطا کر کے انسانیت کی تکمیل کی راہ دکھائی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مرد اپنے گھر کا راعی ہے اور گھر والوں کے بارے میں اس سے باز پرس ہو گی۔ جبکہ عورت گھر کی محافظ اور نگہبان ہے اور اس سے گھر کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ (بخاری شریف) قرآن حکیم میں مرد کو قوام کہا گیا ہے "الرجال قوامون علی النساء" (نساء۔ ۳۴) اور سرور عالم ﷺ نے بھی مرد کو قوام کہا اور اہل خانہ کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ جبکہ عورت کو گھر کی حفاظت اور اولاد کی تربیت کا کام سونپا۔ عورتوں کو آپ ﷺ نے نازک آبگینوں سے بھی تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ ایک سفر میں ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں اور حدی خوان اونٹوں کو تیز تر چلانے لگے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نازک آبگینوں کا خیال رکھو اور نرم روی اختیار کرو۔ (الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۴۳۰)

آپ ﷺ نے حصول تعلیم کو مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں فریضہ قرار دیا اور فرمایا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم (مشکوۃ) صحابیات آپ کی مجلس وعظ میں تشریف لاتیں تو مردوں کی کثیر تعداد کی وجہ سے آپ ﷺ کے ارشادات سن نہ سکتیں۔ چنانچہ آپ ﷺ (ان کی درخواست پر) عورتوں کی نصیحت کے لئے کوئی دن مخصوص کر کے انہیں ارشاد و ہدایت سے نوازتے تھے۔ (بخاری شریف) عورتوں کو احکام دین سیکھنے اور نماز عید کے لئے مسجد میں آنے کی بھی اجازت دی اور حکم دیا کہ عورتیں مردوں کی صفوں کے پیچھے آخری صف میں کھڑی ہوا کریں لیکن آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ عورتوں کا گھروں میں رہ کر اسلامی احکام پر عمل کرنا ہی ان کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ باہر کی زندگی فتنوں سے پر ہوتی ہے۔

ایک دفعہ چند صحابیات دربار رسالت میں حاضر ہو کر گویا ہوئیں کہ آپ مردوں اور عورتوں دونوں کے رسول ہیں۔ ہم بھی مردوں کی طرح آپ پر ایمان لائیں۔ لیکن ہم پردہ دار ہیں اور گھر کی حفاظت اور بچوں کی دیکھ بھال کی وجہ سے مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت میں شریک نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح نماز جنازہ اور جہاد میں شریک ہونے سے محروم رہتی ہیں۔ جبکہ مرد ان معاملات میں ہم سے سبقت لے جاتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "عورتوں کا شوہر کی خدمت کرنا ان کی مرضی کے مطابق کام کرنا ان سب اعمال پر بھاری ہے"۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۳۹۸۔۳۹۹)

بعض خواتین آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مسائل پیش کرتیں، بعض شوہروں کی شکایت کرتیں جس پر آپ ان کے شوہروں کو تنبیہہ فرماتے۔ (سنن ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۳۰)

عرب میں لڑکی کو ناموس کی دشمن قرار دیکر زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے بچی کی پیدائش کو رحمت کا نزول قرار دیا اور ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کر کے ان کا نکاح کر دینے والے والدین وغیرہ کو قیامت میں اپنے قرب اور جنت کی بشارتی دی۔ (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۰۵) آپ ﷺ نے ان

Marfat.com

تعلیمات پر خود بھی عمل کر کے دکھایا۔ آپ اپنی بیٹیوں کے لئے سراپا رحمت و شفقت تھے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے اپنے جگر کا ٹکڑا کہا ہے اور ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد فرمایا ہے۔ (مسلم: ۷: ۱۴۱) آپ ﷺ سیدہ فاطمہؓ کے تشریف لانے پر کھڑے ہو کر ان کا استقبال فرماتے اور اظہار مسرت کرتے۔ آپ ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی حضرت امامہؓ نماز کے دوران میں آپ ﷺ پر سوار ہو جاتیں اور آپ ﷺ قیام کے وقت انہیں گود میں اٹھا لیتے۔ (مشکوۃ لمصابح) کیونکہ نماز میں سکون کا حکم آنے سے پہلے نماز میں ایسی حرکت جائز تھی۔ (بقرہ - ۲۳۸) نیز تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸) عرب میں لڑکیوں کے نکاح کے وقت ان کی رائے لینا ضروری نہ تھا آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس معاملے میں لڑکی کی رائے کو لازم اور مقدم رکھا جائے۔ (مسلم: ۴: صفحہ ۱۴۰ تا ۱۴۱)(ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۱۱)

ایک بیوہ حضرت خنساء بنت خذام انصاری کے والد نے ان کا نکاح اپنی مرضی سے ان کی ناپسندیدہ جگہ پر کر دیا۔ انہوں نے شکایت کی تو حضور ﷺ نے انہیں نکاح رد کرنے کا اختیار دے دیا۔ (مشکوۃ جلد ۲ حدیث ۳۱۳۶) بخاری شریف (کتاب النکاح باب ۴۲) میں ایسی ہی ایک روایت کنواری عورت کے متعلق بھی ہے۔ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں ابو جہل کی بیٹی سے شادی کا ارادہ فرمایا تو سیدہ فاطمہؓ کی شکایت پر آپ ﷺ نے علی مرتضیٰؓ کو ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔ آپ ﷺ کی بیٹی حضرت زینبؓ نے اپنے خاوند ابو العاص کی چھڑوائی میں والدہ کا عطا کردہ ہار بھی فدیہ کے طور پر بھجوایا تو حضور ﷺ نے صحابہؓ سے کہہ کر بیٹی کو والدہ کی نشانی واپس لوٹا دی۔

بیویوں میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام امہات المومنین رضی اللہ عنھن بیوگان یا مطلقہ تھیں۔ بیوگان سے شادی کرنا بعض ممالک اور قبائل میں معیوب تھا حتیٰ کہ ہندوستان میں خاوند کے ساتھ جل کر ستی ہونا پڑتا تھا۔ آپ ﷺ نے بیوگان سے شادی کر کے مسلمانوں کو بیوگان کے ساتھ شادی کرنے کی ترغیب دلائی۔ آپ ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ سلوک بڑا محبت بھرا ہوتا۔ آپ ﷺ ہمیشہ اپنی ازواجؓ کے درمیان عدل و مساوات سے کام لیتے اور کبھی کسی کی حق تلفی نہ ہونے دی۔ ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۲۶) آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بھی ان کا ذکر خیر کرتے رہتے اور جب کوئی جانور ذبح ہوتا تو اس کا گوشت سیدہ خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھی بھجواتے (جامع مسلم ۷: ۱۳۴)

آپ کا ارشاد ہے "الدنیا کلها متاع و خیر متاع الدنیا المراة الصالحة" (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۵۸) یعنی دنیا سب کی سب نعمت ہی نعمت ہے اور دنیا کی بہترین نعمت صالحہ بیوی ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کا سلوک اپنی بیویوں سے اچھا ہے اور میرا سلوک سب سے اچھا ہے۔ (سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۹۲ھ)۔ آپ ﷺ نے بیویوں کو غلاموں اور لونڈیوں کی طرح مارنے پیٹنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ (بخاری جلد ۳ کتاب ۶۷ باب ۹۳) نیز فرمایا

Marfat.com

کہ اگر شوہر کو بیوی کی کوئی عادت ناپسند ہو تو اس کے مقابلے میں اس کی پسندیدہ عادت کی قدر کرے اور عفو و درگزر سے کام لے، صبر کرے اور تدریجی اصلاح کی کوشش کرتا رہے۔ (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۹۸) البتہ اگر وہ قابل سزا جرم کا ارتکاب کرنے سے بار بار سمجھانے پر بھی باز نہ آئے تو اسے سزا دی جا سکتی ہے۔ خطبہ حجتہ الوداع میں خاص طور پر عورتوں کے معاملے میں خدا تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی اور برملا ارشاد فرمایا کہ عورتیں تمہیں اللہ کی امانت کے طور پر ملی ہیں اور خدا کے حکم سے تمہارے لئے ان کا بدن حلال ہے۔ تمہاری طرف سے ان پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کسی غیر کو جس کا آنا جانا تمہیں ناگوار ہو، اپنے گھروں میں نہ آنے دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو مردوں کو ان کی تنبیہہ کا حق حاصل ہے۔ (سنن ترمذی، سیرت ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۳۶ء) شوہر پر بیوی کی معاشی کفالت کا بوجھ ڈالا گیا ہے۔ اور حق مہر کی ادائیگی بھی مرد کے ذمہ ہے۔ اگر شوہر خوشحالی کے باوجود بیوی بچوں کے اخراجات کا خیال نہیں رکھتا تو بیوی کو اجازت ہے کہ وہ کفالت کے مطابق اس کے مال میں سے کچھ وصول کرے۔ (بخاری شریف و مسلم و ترمذی) آپ ﷺ نے میاں بیوی میں تفرقہ ڈالنے والے کو وعید سنائی کہ ایسا شخص ہم میں سے (مسلمان) نہیں (ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۴۲) عورتوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ کسی کو طلاق دلوا کر وہاں خود بسنے کی آرزو نہ کریں (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۰۹) آپ ﷺ کی شرع میں عورت کو خلع کا حق بھی دیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ وعید بھی سنائی گئی ہے کہ جس عورت نے بغیر کسی معقول وجہ کے طلاق کا مطالبہ کیا وہ منافقہ ہے اور وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گی۔ (ایضاً)

عورت بحیثیت والدہ: مردوں کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا حاکم بنایا۔ عورت کو بطور بیوی جو محکومیت برداشت کرنا پڑتی ہے اس کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ یہ کہیں نہیں لکھا کہ باپ کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ البتہ والدین کی اطاعت کا حکم قرآن حکیم میں جابجا ملتا ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ بقرہ - ۸۲، بنی اسرائیل ۲۳-۲۴، عنکبوت - ۸، اور لقمان - ۱۴-۱۵ میں وضاحت کے ساتھ توحید و رسالت پر ایمان لانے کے بعد والدین کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے اور خدمت میں والدہ کا حق فائق ہے جب ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے تو جواب میں آپ ﷺ نے تین بار "تمہاری والدہ" کے الفاظ ارشاد فرمائے اور چوتھی بار والد کا نام لیا۔ (صحیح مسلم، ۲:۸، سنن ترمذی، ۸-۹۲، مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۹۷) نیز والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا اور حقیقی والدین کا دائرہ رضاعی والدین اور بہن بھائیوں تک وسیع فرما دیا۔ حتیٰ کہ یہ ارشاد بھی ہے کہ والدہ اگر غیر مسلم بھی ہو تو بھی اس کے ساتھ حسن سلوک روا رکھا جائے۔ (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۰۹)

لونڈیوں کے بارے میں ارشادات: آپ ﷺ نے لونڈیوں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے لئے ارشاد فرمایا اور

Marfat.com

عام مسلمانوں کو ان سے نکاح کرنے کی تاکید فرمائی اور ان کے آقاؤں کو ان کا سرپرست قرار دیا- آزادی کے بعد لونڈیوں کو آزاد عورتوں کے حقوق حاصل ہو جاتے تھے- اپنی آزاد کردہ لونڈی حضرت ام ایمن کو آپ "ماں" کہہ کر بلاتے- اور اسے اپنے اہل بیت میں شمار فرماتے- نیز فرمایا کہ جس نے جنتی عورت کو اس دنیا میں دیکھنا ہو وہ ام ایمنؓ کو دیکھ لے- (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۲۳، ۲۲۴)

عورتوں کی تعلیم: آپ نے عورتوں کی تعلیم کی طرف بھی توجہ فرمائی اور علم نافع کا حصول ہر مرد اور عورت کے لئے لازمی قرار دیا- آپ کا ارشاد ہے کہ مہر کے عوض عورت کو چند قرآنی سورتیں سکھادی جائیں- (بخاری) عورتوں پر جمعہ بھی فرض نہیں- نیز آپ ﷺ نے عورتوں کو جنازے کے پیچھے چلنے سے منع فرمایا- (سنن ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۴۰۶) آپ کے ارشادات پر عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے سے عرصہ میں بہت سی صحابیاتؓ مختلف اساسی علوم کی ماہر ہو گئیں- حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا- (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۴۷) حضرت ہند بنت اسید، حضرت ام ہشام بنت حارثہ اور حضرت ام سعد رضی اللہ عنہن قرآن کے بعض حصوں کی حافظہ تھیں، جبکہ حضرت ام سعدؓ تو درس قرآن بھی دیتی تھیں- (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۵۸۶) تفسیری امور میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کافی درک حاصل تھا- اور آپ سے سینکڑوں احادیث مروی ہیں- اسی طرح بعض دیگر امہات المومنینؓ سے بھی متعدد روایات مروی ہیں اور حضرت ام عطیہؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت قیس کا شمار بھی کثیر الروایت صحابیات میں ہوتا ہے- فقہ میں بھی سیدہ عائشہ اور حضرت حفصہؓ کو کافی درک حاصل تھا- اپنے دور خلافت میں حضرت عمرؓ عورتوں کے معاملات میں حضرت حفصہ سے مشورہ لیا کرتے تھے--- بعض صحابیات کو شاعری میں بھی ملکہ حاصل تھا- حضرت اروی بنت عبدالمطلب اور ان کی بہن امامہؓ، ہندؓ بنت حارث، سعدیؓ اور میمونہ وغیرہ شاعری کے میدان میں زیادہ معروف تھیں جبکہ حضرت خنسا بنت عمرو السلیہ چوٹی کی شاعرہ تھیں- (الاصابہ جلد ۴، سنن ابو داؤد جلد ۴ صفحہ ۴۹۷)

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو میدان عمل میں معاشی مشقت کے جھمیلوں سے حتی الوسع دور رکھا ہے- اور حضور علیہ السلام نے بھی مرد کو عورت کا کفیل قرار دیا ہے- تاکہ وہ گھر میں رہ کر گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی اچھی تربیت کر سکے- لیکن عورت کو جائیداد بنانے اور معاشی کفالت حاصل کرنے سے منع بھی نہیں فرمایا گیا- کیونکہ کبھی حالات ایسے بھی ہو جاتے ہیں کہ کمانے والا مرد فوت یا غیر کفو ہو جائے تو عورتوں کو گزر بسر کرنے کے لئے کچھ کام کاج کرنا معیوب نہیں- چنانچہ بوقت ضرورت بعض خواتین کھیتوں میں (اپنے مردوں کے شانہ بشانہ) کام کرتی تھیں، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خواتین نے کھیتی باڑی، تجارت اور صنعت و حرفت میں بھی حصہ لیا- مدینہ منورہ میں بعض انصاری خواتین کا مشغلہ کاشتکاری تھا- (بخاری شریف)

حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کے ساتھ نکاح سے پہلے وسیع پیمانے پر تجارت کرتی تھیں- حضرت

Marfat.com

قیلہؓ ام انمار، حضرت اسماءؓ بنت مخربہ، حضرت خولہؓ اور حضرت ملیکہ وغیرہا عطر کی تجارت کرتی تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۳۰۰، ۳۱۱) ام المومنین حضرت سودہؓ رضی اللہ عنہا چمڑے کی دباغت کا کام جانتی تھیں۔ حضرت زینبؓ اور حضرت ریطہ بنت عبداللہ دستکاری میں ماہر تھیں۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۶۵، طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۹۰) اسی طرح مختلف غزوات میں بعض ازواج مطہرات اور دیگر صحابیات رضی اللہ عنھن شریک ہوتی تھیں اور وہ زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کا کام بھی کرتی تھیں۔ غزوہ احد میں سیدہ فاطمہؓ زہرا نے حضور ﷺ کا زخم چٹائی کی راکھ سے بھر کر پٹی کی تھی۔ (بخاری شریف)

Marfat.com

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور خطابت، فصاحت وبلاغت اور جامعیت کلام

خطابت، لوازمات نبوت کا جزو ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو فصاحت وبلاغت کے وصف سے بھی نوازا جاتا تھا۔ تاکہ وہ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ حق بات سے آگاہ کر دیں۔ اہل عرب خطابت میں فصاحت وبلاغت کے فن کی بلندیوں پر تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے یونان وفارس کے فن کے مقابلے میں فصاحت لسان اور بلاغت بیان سے نوازا تھا۔ (البیان والتبیین جلد ا صفحہ ۹۸،۷۶از جاحظ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۰ء)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ افصح العرب تھے۔ قریش میں پیدا ہوئے اور بنو سعد میں آپ ﷺ نے پرورش پائی۔ قریش کی زبان کو قرآن حکیم نے "عربی مبین" قرار دیا ہے۔ (شعراء۔ ۱۹۵۔ تفسیر روح المعانی ج ۱۹ صفحہ ۱۷۲) بنو سعد اور قریش کی زبان سب کے لئے نمونہ اور معیار تھی۔ حضور علیہ السلام افصح العرب اس لئے بھی تھے کہ آپ کی فصاحت و بلاغت کو تائید الٰہی بھی حاصل تھی اسی لئے آپ کے ارشادات کی زبان وحی الٰہی کے مشابہ تھی۔ (تاریخ الادب العربی صفحہ ۱۸)۔ حضور ﷺ کا طرز خطابت سادہ اور پر تاثیر تھا۔ الجاحظ لکھتا ہے کہ آپ ﷺ نے تلاش الفاظ میں کبھی مشقت نہ اٹھائی۔ اور معانی پیدا کرنے کے لئے کبھی تکلف سے کام نہ لیا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میں تکلف اور تصنع بھری خطابت سے اجتناب کرتا ہوں۔ مجھے وہ لوگ اچھے نہیں لگتے جو باتونی اور زباں دراز ہوتے ہیں۔ (الجاحظ البیان والتبیین جلد ا صفحہ ۳۱۷، ۳۱۸ جلد ۲۔ صفحہ ۷۷، جلد ۴، صفحہ ۳۹) صحابہ کرام تو ایک طرف، عرب کے فصیح ترین مخالفین اسلام بھی آپ ﷺ کی صحت زبان، صداقت اور اخلاص کو آپ کے ارشادات میں جلوہ گر دیکھتے۔ آپ ﷺ سے کبھی زبان کی غلطی سرزد نہ ہوتی تھی اور ہمیشہ تائید ربانی آپ کے شامل حال رہتی۔ (ایضاً جلد ۴ صفحہ ۳۱) حضور ﷺ کا کلام قلت الفاظ کے باوجود ثروت معانی سے مالا مال ہوتا تھا۔ فصحاء نے آپ ﷺ کو جوامع الکلم بھی کہا ہے۔ آپ ﷺ متکلف ہرگز نہ تھے جس کی تائید قرآن حکیم نے اس طرح کی ہے:

وما انا من المتکلفین (ص۔۸۶) یعنی میں متکلفین میں سے نہیں ہوں۔

آپ کے ارشادات میں نہ عامیانہ پن ہوتا اور نہ غیرمانوسیت۔ جب بھی آپ ﷺ بات کرتے یا خطابت فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ علم و رحمت کا چشمہ بہہ نکلا ہے آپ کے اصول بیان کو تائید الٰہی بھی حاصل تھی۔ آپ کا بیان معجزانہ صفات کا حامل ہوتا جسے اللہ تعالیٰ کی جناب سے محبوب و مقبول ہونے کا شرف بھی بخشا گیا تھا۔ جس میں رعب و دبدبہ بھی اپنی انتہا پر تھا اور اس کے اندر شیرینی، محبت اور جذب و کشش بھی کمال درجہ کی ہوتی۔ آپ کا خطاب "خیر الکلام قل ودل" کی مثل تھا۔ جس میں الفاظ کی قلت کے ساتھ ساتھ مفاہیم و مطالب کی تفہیم کا پہلو بھی واضح ہوتا اور وضاحت کا یہ حال تھا کہ ایک بار فرمائی ہوئی بات کو سننے والا اچھی طرح سمجھ لیتا حتیٰ کہ زبانی یاد کر لیتا۔ لیکن اس کے باوجود آپ حسب ضرورت اپنی

Marfat.com

بات کو دوبارہ اور کبھی سہ بارہ بیان فرما دیتے۔ اور کوئی درخواست کرتا کہ اسے پھر سے بات دہرا کر سمجھا دی جائے تو آپ ایسی درخواست کبھی رد نہ فرماتے۔ آپ ﷺ کے کلام میں بتائید الٰہی اور بفضل ایزدی کبھی کوئی نقص یا لغزش پیدا نہ ہوئی۔

آپ ﷺ کا بیان مدلل اور حتیٰ الوسع موقع کی مناسبت کے اعتبار سے مکمل ہوتا۔ خطابت و کلام کے وقت کوئی اور خطیب یا مخاطب آپ کو کبھی لاجواب نہ کر سکا۔ آپ کے طویل خطبات پر مغز اور جملے مختصر مگر آبدار موتیوں کی طرح ہوتے۔ آپ کی ہر بات حق و صداقت اور علم و معرفت کا شہکار ہوتی جس کے ڈانڈے تائید الٰہی کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے اور اس طرح آپ کے ارشادات کی معنویت کی انتہا لامحدودیت لئے ہوئے ہوتی۔ آپ بات کرتے تو لفظی ہیر پھیر کا سہارا نہ لیتے۔ عیب جوئی سے ہمیشہ مجتنب رہتے۔ جلد بازی یا سست روی کا مظاہرہ نہ فرماتے بلکہ میانہ روی اختیار فرماتے۔ بات ضرورت کے مطابق مختصر یا طویل کرتے لیکن خواہ مخواہ اسے زیادہ طول نہ دیتے اور نہ کبھی ایسا محسوس ہونے دیتے کہ سننے والا آپ کو بات کرنے سے عاجز سمجھنے لگے۔ بلکہ سید الخطباء ﷺ کے کلام و خطاب سے زیادہ فائدہ مند نفع بخش اور الفاظ و معانی کے لحاظ سے متوازن اور متناسب اور مقصد کے اعتبار سے بلند تر کلام کسی اور کا ہرگز نہ تھا۔ بلکہ وہ اثر میں کامل، ادائیگی میں آسان بلحاظ الفاظ فصیح اور ابلاغ کی رو سے نہایت بلیغ ہوتا۔

ابن قتیبہ عیون الاخبار (جلد ۱ صفحہ ۲۲۴) اور الجاحظ البیان والتبیین (جلد ۱ صفحہ ۱۵) میں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ہم عصر عرب کے فصحاء اور بلغاء اور شعراء آپ کے کلام کے بارے میں اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر آپ ﷺ کو اور کچھ (معجزہ وغیرہ) نہ بھی عطا ہوتا تو بھی صرف آپ کے فی البدیہہ خطبات کی فصاحت و بلاغت کا معجزہ ہی کافی تھا۔ حضرت سعید بن المسیب سے پوچھا گیا کہ **ابلغ الناس** (سب سے بڑھ کر بلیغ) کون ہے تو انہوں نے جواب میں سید عالم ﷺ کا نام لیا (البیان والتبیین جلد ۱ صفحہ ۲۱۴)۔ محمد بن سلام نے یونس بن حبیب کا قول نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے کلام میں فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ترین نمونے ہمیں ملتے ہیں ان کی نظیر کسی اور کے خطبات و کلام میں نہیں ملتی۔ (ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۸) ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سرور عالم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں عرب کے طول و عرض میں بڑے بڑے شہروں میں گھوما پھرا ہوں اور عرب کے بے شمار فصحا کی باتیں سنی ہیں مگر آپ ﷺ سے بڑھ کر فصیح و بلیغ کوئی نہ دیکھا۔ آپ ﷺ کو فصاحت و بلاغت میں یہ کمال کیونکر حاصل ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "مجھے میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور بہت ہی خوب سکھایا ہے۔ (الادب العربی و تاریخہ جلد ۱ صفحہ ۴۴، الانسان الکامل از عبد الکریم الجیلی صفحہ ۱۲۷)

حضرت عباسؓ بن عبد المطلب نے آپ ﷺ سے دریافت کیا۔ "یارسول اللہ۔ انسان کا حسن کس بات میں ہے"؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا حسن و جمال اس کی زبان میں ہے۔ (العقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۲۱، عیون الاخبار جلد ۲ صفحہ ۱۶۸)

آپ کی تقریر متانت اور سنجیدگی کا مرقع ہوتی۔ آپ باچھیں کھول کر تقریر کرنے والے کو پسند

Marfat.com

کرتے اور ایسا کرنے سے منع فرماتے تھے۔ ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ عام لوگوں کی طرح جلدی جلدی بات نہیں کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ کا انداز تکلم بالکل واضح اور صاف ستھرا ہوتا تھا۔ اور سننے والا آپ کی باتوں کو (واضح طور پر سمجھ کر) حفظ کر سکتا تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ اپنی بات کو تین بار دہراتے تاکہ سامعین سمجھ کر یاد رکھ سکیں۔ اگر کوئی آپ ﷺ کی گفتگو کے الفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ ﷺ کا کلام بے ساختہ اور اسلوب میں ترتیل اور سلیقہ سے مرصع ہوتا۔ آپ کا ارشاد تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے باد صبا سے نصرت عطا کی اور جوامع الکلم (مختصر مگر پر مغز اور جامع انداز بیان) سے بھی نوازا ہے۔ (البیان والتبیین جلد ۴ صفحہ ۲۹)

آپ ﷺ فرماتے تھے کہ انداز بیان بھی ایک جادو ہے۔ لہٰذا تم لوگ نماز کو تو طول دیا کرو مگر خطبات میں اختصار سے کام لیا کرو۔ (ایضاً جلد ۱ صفحہ ۳۵۳)

خطبات میں حسن صوت اور خوش الحانی کی بھی اہمیت ہوتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو کلام فیصل (ص - ۲۰) اور حسن صوت سے بھی نوازا گیا تھا (سبا - ۱۰) - سید الخطابت ﷺ خوش آواز بھی تھے اور بلند آواز بھی۔ حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن صوت کی نعمت سے بھی مالا مال تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۳۷۶) - آپ کی آواز کی رسائی کا یہ حال تھا کہ دور دور تک پوری وضاحت کے ساتھ آپ کی آواز پہنچتی تھی اور کوئی دوسرا اس صفت میں آپ کی ہمسری نہ کر سکتا تھا۔ اور سننے والوں تک آپ کی آواز معجزانہ طور پر دور و نزدیک یکساں پہنچتی تھی۔ آپ ﷺ نے منیٰ میں حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اسے لوگوں نے دور دور تک واضح طور پر سنا اور سمجھا تھا (ایضاً) حضرت ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ نصف شب کو خانہ کعبہ میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو ہم اپنے گھروں کی چھتوں پر آپ ﷺ کی آواز سنا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ و ترمذی در شمائل) آپ ﷺ بلا ضرورت کلام نہ فرماتے۔ اکثر خاموش رہتے۔ آپ کا ارشاد ہے **من صمت نجا** یعنی جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ اور بولنے کے موقع پر چپ رہنے والے کو آپ ﷺ نے گونگے کتے سے تشبیہ دی ہے۔

بات کرتے وقت جب آپ ارشاد فرماتے تو پوری ہتھیلی سے ارشاد فرماتے۔ جب تعجب کا اظہار کرتے تو ہتھیلی کو الٹ کر اشارہ کرتے۔ جب بات کرتے تو دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصے سے ملاتے۔ ناراضگی کے اظہار کے وقت رخ انور دوسری طرف پھیر لیتے۔ خاموشی کا اظہار مقصود ہوتا تو چپ چاپ آنکھیں بند کر لیتے۔ مسکراہٹ کی حد تک آپ کا ہنسنا ہوتا۔ جس میں بادلوں کی سی ٹھنڈک کا اثر ہوتا تھا۔

عربی ادب میں فصاحت و بلاغت نبوی کا مقام

Marfat.com

عربی زبان و ادب میں درک رکھنے والا ہر منصف مزاج عالم نقد و نظر آپ کے عہد کے حالات آپ کے ماحول اور آپ کی تربیت پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ کلام عرب میں فصیح ترین کلام۔ اللہ کا کلام ہے۔ اور اس کے بعد فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ رسول اللہ کے ارشادات و خطبات ہیں۔ (ادب الحدیث نبوی صفحہ ۱۷۱ از بکری امین) اور آپ ﷺ کو افصح العرب تسلیم کیا جاتا ہے جس کی وجوہ علمائے بلاغت کے نزدیک کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ آپ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے، قریش میں نشو و نما پائی اور بنو ہوازن کی ذیلی شاخ بنو سعد بن بکر کے ہاں رضاعت اور تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ جن کی فصاحت و بلاغت قریش کے بعد مسلمہ تھی۔

۲۔ آپ ﷺ کے ننھیال بنو زہرہ تھے اور رفیقہ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنو اسد میں سے تھیں اور یہ دونوں قبائل بھی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ممتاز گنے جاتے تھے۔

۳۔ خدا کا آخری کلام قرآن مجید فصیح ترین عربی میں نازل ہوا۔ جس کے معجزانہ اسلوب بیان کے سامنے نہ صرف عرب کے فصحا کی زبانیں گنگ ہو گئی تھیں بلکہ جنات، جن پر بعض کاہنوں کو ناز تھا بھی اس کی نظیر لانے سے قاصر رہے تھے۔ اور بار بار کے چیلنج کے جواب میں قرآن کی مثل کلام پیش نہ کر سکے تھے۔ اس کلام معجز بیان کی برکت سے اس کے حامل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خوب بہرہ ور تھے اور اس کے اثرات کی چھاپ رسول اللہ ﷺ کے کلام پر بھی نمایاں تھی۔ اور یہ اثر کوئی معمولی اثر نہ تھا۔ جس کی راتیں اور دن اللہ کی معیت (ان اللہ معنا = قرآن ۹/۴۰) میں گزرتے تھے جس کی زبان پر ہر وقت قرآن جاری رہتا جس کے دل پر قرآن کا نزول ہوتا تھا۔ (بقرہ۔ ۹۷) جس کے خادم جبریل امین تھے اور جو اللہ تعالیٰ کے بے حساب انعامات کے مورد اور ولسوف یعطیک ربک فترضٰی (۹۳۔ ۵) کے مستحق قرار دیئے جا چکے تھے ان کی زبان حقیقت کی ترجمان بن کر جب بھی محو گفتگو ہوتی تو فصاحت و بلاغت کی بلندیوں کو چھونے لگتی۔ پھر آپ ﷺ کی شان قرآن نے اس طرح بھی بیان فرمائی کہ "ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحٰی" (نجم۔ ۳) اور اللہ کی تائید نے اس امی نبی ﷺ کی شان علم و حکمت و سطوت و فصاحت و بلاغت پوری طرح ظاہر فرما دی تھی۔

۴۔ آپ ﷺ کی فطرت، فطرت سلیمہ تھی۔ آپ ﷺ آخری پیغمبر ﷺ تھے اور عنایت ایزدی نے آپ ﷺ کی فطرت سلیمہ میں تمام کمالات کو ودیعت فرما دیا تھا۔ (ادب الحدیث النبوی صفحہ ۱۰۲ اور تاریخ الادب العربی صفحہ ۱۸)

چنانچہ آپ کے فصیح و بلیغ ارشادات اور خطبات بعد میں آنے والے اہل علم و ادب کے لئے سر چشمہ فیض اور ایک روحانی غذا ثابت ہوئے۔ آپ کے اقوال کو حفظ کر کے ادب کو مزین کیا گیا اور احادیث کے سرمایہ سے اقتباسات خوشہ چینی کر کے اہل علم نے اپنی نگارشات کو سجایا۔ آپ کے عطا کردہ قرآن و حدیث کے خرمن سے مفسرین اور محدثین نے دینی مسائل مستنبط کئے اور تفسیر و تشریح کے میدان میں نورانیت حاصل کی۔ محققین نے تحقیق و تجسس کے چراغ روشن کئے اہل لغت و ادب نے محاورات

Marfat.com

تراکیب کا توشہ پایا اور طالبان بلاغت نے بلاغت کے اعلیٰ نمونے پاکر اظہار تشکر کیا۔ جبکہ عام اہل علم وادب کو وفور علم کے ساتھ ساتھ فصاحت بلاغت کا ایک بہت بڑا ذخیرہ میسر آگیا۔ (ایضا)

خطاب کا آغاز اور انداز: آپ ﷺ اپنے خطاب کا آغاز حمد و ثناء اور صلوٰۃ و سلام سے فرماتے۔ ازیں قبل عرب میں خطاب کا یہ طریقہ نہ تھا۔ حمد و ثناء کے بعد آپ ﷺ "اما بعد" ضرور کہتے اور پھر مطلب کی بات زبان پر لاتے۔ اور آپ کی تقلید میں "اما بعد" کا لفظ اہل اسلام کے لئے روزمرہ کا معمول بن گیا۔ (صحیح بخاری و ادب الحدیث النبوی صفحہ ۱۰۱)۔ آپ کی خطابت حق کے غلبہ، قرآن و سنت کی اشاعت اور لوگوں کی تربیت و اصلاح کے لئے ہوتی تھی۔ آپ فصاحت برائے فصاحت کے قائل نہ تھے بلکہ آپ کے ہر عمل میں اللہ اور اس کے دین کی اشاعت کی مقصدیت چھپی ہوئی تھی۔ جس کا آپ ﷺ بھرپور اظہار بھی فرماتے۔

آپ ﷺ اپنے خطبات کا آغاز حمد و ثناء، استغفار اور توکل علی اللہ کے جملوں سے فرماتے تھے۔ عیدین کے خطبات کا آغاز "اللہ اکبر" سے فرماتے۔ خطبات میں خوف خداوندی، جوش جہاد کے ابھارنے اور میدان قتال میں جان کی بازی کا سبق ہوتا۔ کبھی تبشیر و تحذیر ہوتی اور کبھی توحید و رسالت کی پاسداری کی ترغیب دلاتے۔ (العقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۲۱ از ابن عبد ربہ، الانسان الکامل صفحہ ۱۳۱ از عبد الکریم الجیلی) جوش خطابت کے وقت آپ ﷺ کی چشمان مبارک سرخ ہو جاتیں۔ آواز گرجدار اور بلند تر ہوتی، اور چہرہ اقدس پر جلال کے آثار نمایاں ہو جاتے تھے۔ جوش و جذبہ کے عالم میں انگلیاں اٹھتی جاتی تھیں۔ گویا لشکر اسلام کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہاتھ کے اشاروں سے جوش دلاتے تھے۔ جسد اطہر جھومنے لگتا تھا۔ ہاتھوں کی حرکت سے پٹوں کے چٹخنے کی آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ اور آپ ﷺ والہانہ انداز میں تقریر کے وقت کبھی مٹھیاں بند کر لیتے اور کبھی کھول دیتے تھے۔ (صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۴ زاد المعاد جلد ا صفحہ ۴۸ از ابن قیم، سیرت النبی جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ از شبلی نعمانی) آپ ﷺ کے جوش خطابت کی ایک تصویر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ان الفاظ میں کھینچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا:

"خالق جبار ارض و سما کو مٹھی میں لے لے گا" اور ساتھ ہی آپ ﷺ اپنی مٹھی کبھی بند کرتے اور کبھی کھول دیتے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کبھی دائیں جانب جھکتے اور کبھی بائیں جانب جھکتے حتیٰ کہ میں نے منبر کو ہلتے دیکھ کر یہ خیال کیا کہ منبر شریف کہیں گر نہ پڑے۔ (سیرت النبی جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۷)

عطیۃ الابراشی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عرب کے جملہ قبائل کی زبان کے لب و لہجہ جات کا پورا پورا علم عطا فرمایا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ ہر قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ ان کے لب و لہجہ میں گفتگو فرماتے تھے اور صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے اس وصف کو دیکھ کر اظہار تعجب کرتے اور آپ ﷺ سے اس بارے میں پوچھتے تو آپ ﷺ فرماتے کہ میرے رب تعالیٰ نے میری تربیت کی ہے اور

Marfat.com

قرآن حکیم میری ہی زبان کے ذریعے نازل فرمایا ہے۔ (عظمۃ الرسول صفحہ ۷۵ ۹ ۸۲، الادب العربی و تاریخہ صفحہ ۳۴)

آپ ﷺ مسجد نبوی میں منبر پر کھڑے ہو کر خطاب فرماتے تاکہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے دیدار اور آواز سے بیک وقت مستفیض ہو سکیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۹ تا ۱۲) یہاں آپ ﷺ عصا کے سہارے خطبہ دیا کرتے تھے۔ یہ عصا مبارک باری باری خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو منتقل ہوتا رہا۔ اور وہ بھی اس سنت نبوی پر عمل پیرا رہے۔ آخری اموی خلیفہ نے اپنا انجام دیکھ کر اپنے غلام کو حکم دیا کہ نبی پاک ﷺ کی چادر (جسے حضرت امیر معاویہؓ نے ایک شاعر کے گھر والوں سے خرید لیا تھا) اور آپ ﷺ کا عصا کہیں دفن کر دے لیکن اس غلام نے یہ دونوں تبرکات عباسی خلفاء کو پہنچا دیئے۔ (البیان والتبیین جلد ۱ صفحہ ۶۹ از ابو عثمان عمرو بن بحر الفقیمی البصری م۔ ۲۵۵ھ، الجاحظ)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعض جوامع الکلم:

۱۔ راس العقل بعد الایمان باللہ مدارات الناس یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد عقل کی سب سے بڑی بات انسانوں کی دلجوئی کرنا ہے۔ (ادب الحدیث النبوی صفحہ ۱۰۶)

۲۔ ماھلک امراء عرف قدرہ یعنی جس نے اپنا مرتبہ (اوقات) پہچان لیا وہ ہلاکت سے محفوظ رہا۔ (البیان والتبیین جلد ۲ صفحہ ۲۳)

۳۔ لو تکاشفتم لما تدافنتم ۔یعنی اگر تمہیں ایک دوسرے کے بارے میں کشف ہو جایا کرے تو ایک دوسرے کی بدگمانیوں کی وجہ سے ان کے خلاف نفرت پیدا ہونے کی بناء پر تم ایک دوسرے کی تدفین بھی نہ کیا کرو گے۔ (ایضاً)

۴۔ من کان آمنا فی سربہ، معافی فی بدنہ، عندہ قوت یومہ کان کمن حیزت لہ الدنیا بحذافیرھا یعنی جو شخص اپنے اہل و عیال میں امن و اطمینان، صحت و عافیت سے رہتا ہو (اور) اس کے پاس ایک دن کی خوراک بھی موجود ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس کے لئے تمام "دنیا و ما فیھا" جمع کر دی گئی ہے۔ (حلیۃ الابرار، عظمۃ الرسول ﷺ صفحہ ۲۷۶)

۵۔ الا ادلکم علی خیر ما یکنز المرا ---؟ --- المراۃ الصالحہ -- اذ نظر الیھا سرتہ و اذغاب عنھا حفظتہ فی مالہ و عرضہ ---- یعنی کیا میں ﷺ تمہیں ایک مرد کے بہترین خزینہ کے بارے میں بتاؤں؟ وہ (خزانہ) ایک ایسی نیک عورت (بیوی) ہے کہ اگر مرد اسے دیکھے تو اسے مسرت حاصل ہو اور اگر اس سے دور ہو تو وہ (عورت) اس کے مال اور عزت و آبرو کی محافظ بن کر رہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۷۷، ادب الحدیث النبوی)

Marfat.com

صفحہ ۱۰۵)

حجتہ الوداع کے خطبہ میں آپ کے ارشادات جوامع الکلم کا بہترین نمونہ ہیں۔ اسی طرح دوسرے خطبات میں بھی آپ کے ارشادات جامعیت اور حکمت و دانش کا خزانہ ہیں۔ سرمایہ حدیث میں یہ خزانہ جا بجا بکھرا ہوا ہے۔ اور نصیبوں والے اس سے متمتع ہوتے ہیں۔

۷۔ **انما الناس کا لابل الماتہ لاتکا دتجد فیھا راحلۃ** -- لوگوں کی مثال ایسے ہے جیسے سو اونٹ جن میں سے تو ایک ہی کو سواری کے قابل پائے گا۔ (مشکوۃ جلد ۲ حدیث نمبر ۵۱۲۶ بحوالہ بخاری و مسلم) (یعنی آدمی تو بہت ہیں لیکن کام کا آدمی سو میں سے ایک آدھ ہی نکلتا ہے)

کتب احادیث کا مطالعہ کرنے والوں سے آپ کے جوامع الکلم پوشیدہ نہیں ہیں۔ جہاں یہ لعل و جواہر بکھرے ہوئے ملیں گے۔ **صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم**

معجزات نبوی ﷺ

عجز کے اصل معنی ہیں۔ کسی چیز سے پیچھے رہ جانا۔ یا اسے ایسے وقت میں حاصل کرنا جبکہ اسے حاصل کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل چکا ہو۔ لیکن عام طور پر اس کا مطلب ہے۔ کسی بات یا کام سے قاصر رہ جانا۔ اور اسے کرنے کی طاقت کا نہ ہونا۔ (تاج العروس) ابن فارس نے اس کا مطلب "کمزوری" لکھا ہے یا سب سے پیچھے رہ جانے والا۔

العجزۃ -- بوڑھے آدمی کے سب سے آخری بچے کو کہتے ہیں۔ العجوز کے ایک سو کے قریب معانی لکھے گئے ملتے ہیں۔ اسی مادے سے لفظ معجزہ ہے۔ جو دراصل "معجز" تھا۔ آخر میں حرف تا (ۃ) یا تو مبالغہ کے لئے ہے یا صفت محذوف ہے (فتح الباری فی شرح البخاری از ابن حجر عسقلانی مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء جلد ۶ صفحہ ۵۸۱ تا ۵۸۲) اور لفظ معجزہ سے مراد انبیا علیہم السلام سے صادر ہونے والے خارق عادت افعال ہیں جن کا معارضہ اہل زمانہ سے ہو نہ سکے۔ (ایضا) علامات نبوت یا آیات اور معجزہ میں فرق یہ ہے کہ معجزات فقط وہ ہوتے ہیں جن کے ساتھ نبی کی طرف سے مخالفین کو تحدی یعنی چیلنج بھی دیا جائے مثلاً یہ کہ اگر میں فلاں کام کر دکھاؤں تو سچا ورنہ جھوٹا ہوں گا۔ جبکہ آیات و علامات نبوت کے لئے تحدی یعنی چیلنج کا ہونا لازمی شرط نہیں ہوتا (ایضا) قرآن حکیم میں معجزہ کے اصطلاحی معانی کا حامل لفظ نہیں آیا۔ بلکہ اس کی جگہ وسیع المعانی والمفہوم لفظ "آیت یا آیات" آیا ہے۔

معجزات بظاہر قانون قدرت سے مختلف لائحہ کا نام ہے۔ لیکن درحقیقت یہ قانون قدرت کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔ قانون قدرت ایک ہی طرح کا نہیں ہے۔ اللہ کے "جنود" کے بارے میں کوئی بھی شخص اپنی مکمل آشنائی اور واقفیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اور آسمانوں کے اور زمینوں کے خدائی لشکر اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کے ہی تابع ہیں۔ اور ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے (فتح آیت نمبر ۴ و ۷، مدثر۔ ۳۱) اور نبی یا رسول اپنی مرضی سے معجزہ دکھلانے پر قادر نہیں ہوتا (رعد۔ ۳۸)

پانی ہو یا آگ اللہ کے جنود میں سے ہیں۔ لیکن بھڑکتی آگ کو جب اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے کہ ابراہیم کے لئے ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی بن جا تو آتش کا یہ لشکر اطاعت شعار بن کر سامنے آتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے زندہ و سلامت باہر نکل آنا معجزہ کہلاتا ہے۔ یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے ایک "جنود" کے قوانین کا ازالہ دوسرے "جنود" کے قوانین کے ذریعے کرتا ہے جن کا علم لوگوں کو نہیں ہوتا یا ہو سکتا۔ یا دوسرے لفظوں میں فطرت کے بعض ظاہری قوانین بدل دیئے جاتے ہیں۔ اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کے نبیوں کی حقانیت ظاہر ہو۔ حضرت موسیٰ کا ید بیضا اور عصا کا اژدھا بن جانا یا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مردوں کا زندہ ہو جانا وغیرہ انبیاء کے معجزات ہی ہیں۔ جو ان کی حقانیت کو ظاہر کرنے کے لئے ان کے ذریعے صادر ہوئے۔ لیکن بنیادی طور پر اسلام کی تعلیمات عقل سلیم پر ہی مبنی ہوتی ہیں اور قلب سلیم رکھنے والے ان کے کبھی منکر نہیں ہولے۔ معجزات دیکھ کر ضروری نہیں کہ کوئی ایمان بھی لے آئے۔ بلکہ وہ تو نبی کی حقانیت کے چیلنج کو درست ثابت کرنے کے لئے ہوتے ہیں جبکہ ایمان لانا تو اللہ کے اذن (توفیق و ارادہ) سے وابستہ ہے۔ (یونس۔ ۱۰۰) (انعام۔ ۱۱۱)

سید سلیمان ندوی معجزات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"--- نبوت کی روح اعظم اذن الٰہی سے سارے عالم جسمانی پر حکمران ہو جاتی ہے۔ اور روحانی دنیا کے سنن و اصول عالم جسمانی کے قوانین پر غالب آجاتے ہیں۔ اس لئے چشم زدن میں وہ (نبوت کی روح اعظم) فرش زمین سے عرش بریں تک عروج کر جاتی ہے۔ سمندر اس کی ضرب سے تھم جاتا ہے۔ چاند اس کے اشارہ سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھوں کی (عطا کردہ) دی ہوئی چند خشک روٹیاں ایک عالم کو سیر کر دیتی ہیں۔ اس کی انگلیوں سے پانی کی نہریں بہتی ہیں۔ اس کے نفس پاک (پھونک مارنے، دم کرنے) سے بیمار تندرست ہو جاتے ہیں۔ اور مردے جی اٹھتے ہیں وہ تنہا مٹھی بھر خاک سے فوج کو تہ و بالا کر دیتا ہے، کوہ و صحرا، بحر و بر، جاندار و بے جان بحکم الٰہی اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں مگر بایں ہمہ وہ بندہ اور بشر ہوتا ہے --- لیکن جس طرح ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ --- پھول سرخ کیوں ہوتے ہیں، ستارے چمکتے کیوں ہیں، شہد میٹھا کیوں ہوتا ہے۔ چاند اور سورج چلتے کیوں ہیں --- اسی طرح یہ بھی جواب نہیں دے سکتے کہ پیغمبروں کا ظہور اپنے اپنے وقت پر کیوں ہوتا ہے اور ان سے مافوق العادت افعال و اعمال بحکم الٰہی کیوں کر صادر ہوتے ہیں --- وہ (روحانی معلمین) وہ کچھ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے اور وہ، وہ کچھ سنتے ہیں جو ہم نہیں سن سکتے، اور وہ کچھ جانتے ہیں جو ہم نہیں جان سکتے ---" (سیرۃ النبی جلد ۳ صفحہ ۳۔ ۴) ---

جہاد کے میدان میں آپ ﷺ کو جو فتوحات عظیمہ حاصل ہوئیں ان میں انسانوں کے لشکر اور سپاہیوں کے تیغ و خنجر سے زیادہ فرشتوں کے پرے، دعاؤں کے تیر، توکل علی اللہ کے سپر اعتمد علی الحق کو تلوار کا کام کرتی نظر آتی تھی۔ آپ ﷺ کی زندگی کا سب سے بڑا فرض اسلام کی اشاعت ہے اور (آپ ﷺ)

Marfat.com

کے روئے انور نے، نگاہ کیمیا اثر نے، تقریر دلپذیر نے، اخلاق اعجاز نمانے، آیات و دلائل بن کر بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ غرض آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کے ہر مظہر میں یہ دلائل، یہ براہین، یہ آیات، یہ معجزات، اسباب ظاہری کے پہلو بہ پہلو اسباب حقیقی بن کر رونما ہوتے رہے ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۹-۱۰)

نبی کی صفات: --- فلسفہ و عقل کی راہ سے جو حکمائے اسلام منزل حقیقت کے جویاں ہیں ان کے نزدیک نبیؑ وہ ہے جس میں یہ تین باتیں جمع ہوں۔ (۱) اسے امور غیب پر اطلاع ہو۔ (۲) ملائکہ اسے نظر آئیں اور اس سے کلام کریں --- (۳) اس سے خوارق عادت ظاہر ہوں۔ (ایضاً صفحہ ۱۴-۱۵)

مولانا روم معجزات کے بارے میں فرماتے ہیں:

(۱) انبیا در قطع اسباب آمدند معجزات خویش بر کیواں زدند

(۲) جملہ قرآں ہست در قطع سبب عز درویش و ہلاک بولہب

(ترجمہ) (۱) انبیاء علیہم السلام قطع اسباب (کو جڑ سے اکھاڑ کر خدا کے فاعل حقیقی ہونے کا یقین دلانے) کے لئے تشریف لائے تھے اور اپنے معجزات کا جھنڈا مریخ میں گاڑ دیتے تھے۔

(۲) تمام کا تمام قرآن حکیم قطع اسباب کے بیان سے بھرپور ہے اور آنحضرت ﷺ کے غلبہ اور ابولہب کی بربادی بھی اسی طرح ہوئی۔ (بحوالہ ایضاً صفحہ ۶۲)

معجزہ اور سحر کا فرق: حکمائے اسلام کے نزدیک معجزہ اپنی قوت کو خیر میں صرف کرتا ہے جبکہ سحر شر میں۔ لیکن ایک مسمریزر کا اپنی قوت سے بیماروں کو تندرست کرنا خیر ہونے کے باوجود معجزہ نہیں کہلائے گا۔ کیونکہ معجزہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرے عجائبات طبعی اور نفسی اسباب کے نتائج ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادوگروں نے اپنے کمالات دکھائے اور ان کو موسیٰ علیہ السلام کا عصا زمین پر گرتے ہی اژدھا بن کر ہڑپ کر گیا۔ اس سے جادوگروں کو پتہ چل گیا لیکن وہ جو جادوگری کے ماہر تھے، اس فرق کو جلد ہی سمجھ گئے۔ چنانچہ قرآن حکیم "علماء یا عالمون" کی بڑی قدر کرتا ہے اور لوگوں کو بتلاتا ہے کہ اس کی مثالوں کو صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں (عنکبوت = ۴۳) اور اللہ تعالیٰ سے صحیح معنوں میں ڈرنے والے بھی "علماء" ہی ہیں۔ (فاطر - ۲۸)

معجزات انبیاء اور تصرف فی الکائنات: "انبیاء کے معجزات اگرچہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں تاہم ان کو صرف دو نوع میں شمار کیا جاتا ہے۔ (۱) اخبار بالغیب اور (۲) تصرف فی الکائنات۔ اور ان دونوں کو اجزائے نبوت کے ساتھ ربط و اتحاد ہے۔ اخبار بالغیب سے اس (نبیؑ) کے علمی کمال کا اظہار ہوتا ہے اور تصرف فی الکائنات سے اس کی عملی قوت ظاہر ہوتی ہے۔ (سیرۃ النبی جلد ۳ صفحہ ۹۸ از سید سلیمان ندویؒ) بہرحال نبیؑ کا معجزہ بھی اللہ کی امانت سے ظاہر ہوتا ہے اور اس

Marfat.com

کا تصرف بھی اللہ تعالیٰ کی اعانت سے ظاہر ہوتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کیونکہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے قرآنی معجزات

قرآن حکیم بذات خود قیامت تک کے لئے کئی اعتبار سے ایک معجزہ ہے جس کا ذکر الگ عنوان سے کیا گیا ہے۔ یہاں قرآن حکیم میں بیان کردہ بعض معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن کا تعلق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہے۔

۱۔ **شق قمر:** مروی ہے کہ بعض مشرکین نے آپ ﷺ سے کہا کہ چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا اور چاند دو نیم ہو گیا۔ قرآن حکیم میں ہے "قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور کفار اگر کوئی نشانی (معجزہ) دیکھتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ (قمر-۱-۲) بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ میں بھی اس معجزہ کا ذکر ہے۔ جس کو صحابہؓ نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت سب سے صحیح اور مستند ترین ہے۔ ان کے سامنے یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا۔ ترمذی اور مسند احمد بن حنبل میں جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ کافروں نے کہا کہ محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ دوسرے بولے کہ وہ ساری دنیا پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ چنانچہ دوسرے علاقوں کے مسافروں نے بھی اس معجزہ کی تصدیق کی۔ (مسند عبداللہ بن ابن مسعود صفحہ ۳۸ مطبوعہ حیدر آباد دکن)

۲۔ **جنات کا قبول اسلام:** سورۃ احقاف آیت ۲۹ میں ہے کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جنات نے قرآن سنا تو وہ خاموش ہو کر سننے لگے۔ ایسا ہی ذکر سورۃ جن (آیت-۱) میں ہے۔ کہ جنات قرآن سن کر آپ پر ایمان لائے۔

۳۔ **شہاب ثاقب کی کثرت:** آپ ﷺ کے عہد مبارک میں جنات جیسی سرکش مخلوق کو مغلوب کر کے حق کی تلاش میں لگا دیا گیا تھا۔ سورۃ جن آیت ۸ میں ذکر ہے کہ جنات نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے انگاروں سے بھرا پایا اور مضبوطی سے اس کی حفاظت کا بندوبست کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے دور زمانہ میں شہاب ثاقب کی کثرت سے لوگ بھی حیران تھے جس کا ذکر عام کتابوں میں بھی ہے۔

۴۔ **قریش پر قحط کا عذاب:** سورۃ الدخان (آیات ۱۰-۱۱) میں اس عذاب کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ قریش کی سرکشی اور ان کے معاندانہ رویئے کی بناء پر قریش پر قحط سالی کا عذاب مسلط کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے بھوک کی وجہ سے مرداروں

Marfat.com

کے چمڑے تک کھائے۔ آخر قریش آپ کے پاس حاضر ہو کر دعا کے خواستگار ہوئے اور یہ عذاب دور ہوا۔

(بخاری۔ ۶۵۔ ۴۴، ۳-۳۲۸)

۵۔ واقعہ معراج: حضور علیہ السلام کی زندگی کا منفرد ترین واقعہ جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل (آیت ۱) اور سورۃ نجم میں آیا ہے اس کی تفصیل الگ باب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۶۔ ہجرت کے موقع پر دشمنوں سے حفاظت: اس واقعہ کا ذکر سورہ انفال (آیت ۳۰) میں ہے کہ کافروں نے کیسی کیسی چال چلی اور اللہ تعالیٰ نے اس کا توڑ کیا۔ کہ آپ ﷺ محاصرہ کرنے والوں کے سامنے سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے ان کی دسترس سے نکل گئے۔ نیز صدیق اکبر کو ساتھ لیکر مدینہ جانے کے لئے غار حرا میں چھپ گئے تو کفار تلاش کرتے وہاں پہنچ گئے لیکن معجزانہ طور پر آپ ﷺ کا سراغ لگانے میں ناکام رہے۔ اس واقعہ کا ذکر سورۃ توبہ (آیت ۴۰) میں ہے۔ کہ اس وقت اللہ نے ان کی مدد ایسے لشکروں سے کی جن کو وہ دیکھ نہیں رہے تھے۔ یعنی کفار کے ظاہری اسباب بڑے مدبرانہ تھے لیکن حضور کے ساتھ اللہ کی معجزانہ نصرت تھی۔ جس کے مقابلے میں ان کی ہر تدبیر ناکام ہو گئی۔ اس موقع کی تفصیل بخاری (۶۳۔ ۴۵۔ ۳۔ ۳۴ تا ۴۳) اور خصائص کبریٰ (جلد ۱ صفحہ ۱۲۱۔ ۱۲۲) میں دی گئی ملتی ہے۔

۷۔ جنگوں میں فرشتوں وغیرہ سے مدد: غزوہ بدر میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد کی گئی۔ جس کا ذکر سورۃ انفال (آیت ۹) میں ہے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر بھی ایسے لشکروں سے مدد کرنے کا ذکر ہے جو نظر نہ آتے تھے۔ (احزاب ۹) اسی طرح غزوہ حنین کے دن بھی غیر مرئی لشکروں سے مدد کا تذکرہ سورۃ توبہ (آیت ۲۵-۲۶) میں ہے۔ غزوہ احزاب میں سخت آندھی کے ذریعے کفار کی قوت کو منتشر کر دیا گیا۔ (احزاب ۹) غزوہ احد میں شکست خوردہ مسلمانوں کو اونگھ دلا کر نئی قوت عطا کی جس کے بعد وہ شیروں کی طرح دشمن پر جھپٹے اور شکست کی آزردگی کو بھول گئے۔ (آل عمران ۱۵۴) صلح حدیبیہ کی بظاہر نقصان دہ شقوں کو مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت کا باعث بنا دیا گیا اور اللہ نے بیعت رضوان کی نسبت اپنی طرف معطوف کر لی اور اسے فتح مبین بنا دیا۔ (فتح ۱۰)

۸۔ فرعون کی لاش چودہ سو سال تک محفوظ مگر پوشیدہ رہی لیکن بیسویں صدی میں ظاہر ہوئی جبکہ قرآن میں اسے کا ذکر پہلے ہی موجود تھا۔ (یونس ۹۲)

حضور علیہ السلام کے علمی معجزات

ایک نبیؑ اپنے زمانے میں علمی سطح پر بھی سب سے زیادہ ممتاز ہوتا ہے۔ انبیاء سابقین بھی اپنے ادوار میں اسی صفت سے متصف ہوتے تھے جیسا کہ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ حضور نے قیامت تک کے لئے

Marfat.com

نبی و رسول ہیں لہٰذا علمی سطح پر آپ ﷺ کمال کے سب سے بلند مقام پر تھے۔ جب آپ ﷺ صحابہ کرام سے کسی بات کا پوچھتے کہ کیا تمہیں فلاں بات معلوم ہے تو صحابہ کرامؓ جواب دینے کی بجائے عرض کرتے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ یعنی صحابہؓ کا ایمان تھا کہ اللہ کے بعد علمی میدان کے شہسوار آپ ﷺ ہی ہیں یوں تو آپ ﷺ کو تدریجی انداز میں معارف و علوم سے آگاہ کیا گیا اور حکم دیا کہ آپ **رب زدنی علما** (طٰہٰ۔۱۱۴) کی دعا کرتے رہیں۔ لیکن معراج کے واقعہ میں یہ علوم آپ پر خوب منکشف کئے گئے۔

معراج کے سفر میں قوانین فطرت معطل کر کے رات کے ایک حصے میں آپ ﷺ کو جس بلند ترین مقام قرب خداوندی تک لیجایا گیا کہ اس سے اوپر اور کوئی مقام نہ ہے۔ آپ ﷺ کو جس بلند ترین مرتبہ پر فائز کیا گیا کہ اس سے آگے کوئی مرتبہ نہیں ہے اور آپ ﷺ کو عبدیت کا جو بلند ترین مرتبہ عطا ہوا اس سے آگے عبدیت کا کوئی اور مرتبہ نہیں ہیں اس مبارک سفر میں ممکنات کی ہر بلندی آپ ﷺ کے قدموں کے نیچے تھی اور عبدیت کے سارے مقام آپ کی عبدیت کے مقام سے بہت نیچے رہ گئے تھے۔ علم کے سارے مقام آپ ﷺ کے مقام علم سے بہت پیچھے تھے۔ وہاں آپ ﷺ کو **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** کا بلند ترین مقام علم بھی عطا ہوا جو اللہ کے "رسول امین" یعنی جبرائیل کو بھی عطا نہ ہوا تھا۔ آپ جبرائیل کو پیچھے چھوڑ کر تائید الٰہی سے جس بلند ترین مقام علم و مشاہدہ پر پہنچائے گئے اور باہوش و حواس جب آپ پر مخفیات مکشوف کئے گئے تو درمیان میں کوئی پردہ حائل نہ تھا۔ **مازاغ البصر و ما طغی** (نجم۔۱۷) کا بلند ترین مقام شہادت بھی آپ کو عطا ہوا۔ کائنات۔ ساری کی ساری آپ ﷺ کے قدموں تلے بہت ہی نیچے تھی۔ زمین تو زمین افلاک بھی آپ کے مقام بلند سے بہت نیچے ستاروں کی طرح جھلملاتے نظر آتے تھے۔ حضور ﷺ کے سارے علوم و عرفان اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور عطا کا نتیجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو مقام اور مرتبہ آپ کو ایک دفعہ عطا کر دیا اس کے فیوض کو آپ سے کبھی واپس نہ لیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ رب العالمین کی ربوبیت کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح مقام رحمتہ للعالمین کے حامل کی رحمت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے عقل و خرد کی پہنائیوں سے وراء الوریٰ ہے اور اس کے ڈانڈے خالق کن کی وسعتوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ذات باری کی شان یہ ہے کہ:

کل یوم ھو فی شان (الرحمٰن)

اسی طرح حضور ﷺ کے سامنے کا ہر لمحہ **وللاخرۃ خیر لک من الاولی** (قرآن)

کے فیوض و برکات کا حامل ہے۔ معراج تو دنیا میں تشریف رکھنے کے زمانے کا ایک مقام تھا لیکن وفات کے بعد جب سے آپ ابلاغ و عبدیت کے امتحان میں کامیاب ہو کر بارگاہ الٰہی میں جلوہ افروز ہیں وہاں بھی حضور علیہ السلام کے مقام بلند کو ہر آن درجات کی بلندی کے توشے ہر ہر لمحہ عطا ہو رہے ہیں

Marfat.com

آپ ﷺ ایک بلندی سے دوسری بلندی کی طرف گامزن ہیں اور یہ سب **و للاخرۃ خیر لک من الاولی** کی دائمی برکت کا نتیجہ ہے۔ آپ مسلسل مقام محمود کی طرف بڑھ رہے ہیں جس کا وعدہ اللہ نے آپ ﷺ سے کر رکھا ہے اور جس کی دعا آپ کا ہر امتی اذان کے بعد کی مسنون دعا میں بھی کرتا ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم

اب آپ ﷺ کے بعض معجزات علمی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عمر فاروقؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ ہم میں قیام فرمایا۔ پس ہمیں **بدء الخلق** (ابتدائے آفرینش) کی خبر دے دی یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی منزلوں میں۔ جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا سو بھول گیا۔ (بخاری کتاب بداء الخلق، مشکوۃ جلد ۲ باب بداء الخلق و ذکر انبیاءؑ) جبکہ مشکوۃ کے باب المعجزات میں مسلم سے بروایت عمرو بن اخطب یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

حضور ﷺ نے ہمیں قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبر دے دی پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جس نے ان باتوں کو یاد کر رکھا ہے۔

○○ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام مدینہ کے قلعوں میں سے ایک قلعہ پر کھڑے تھے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا "کیا تم وہ کچھ دیکھ رہے ہو جو مجھے نظر آرہا ہے"؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں پر بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

○○ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عائش کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو بہت اچھی صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا۔ فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ عرض کیا۔ "اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دو پستانوں کے درمیان محسوس کی۔ اور مجھے زمینوں اور آسمانوں کی ہر چیز کا علم حاصل ہو گیا۔ اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی **وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین** (داری و ترمذی) اور یوں ہم نے ابراہیم کو دکھائی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی تاکہ وہ موقنین میں سے ہو جائے۔

○○ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ گھر سے نکلے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں آپ نے فرمایا "کیا تم ان کتابوں کے بارے میں جانتے ہو؟ صحابہ بولے یہ اللہ کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: داہنے ہاتھ والی کتاب میں جنتی حضرات کے نام مع ولدیت و قبیلہ وغیرہ لکھے ہیں اور آخر میں میزان (Total) ہے۔ ان میں کمی بیشی ممکن نہیں۔ اور بائیں ہاتھ والی کتاب میں دوزخی حضرات کے نام مع ولدیت و قبیلہ درج ہیں اور آخر میں میزان کی گئی ہے۔ جس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے تو اعمال

Marfat.com

کس لئے ہیں؟ فرمایا "اپنے اعمال درست کرو اور اللہ کا قرب تلاش کرو۔ کیونکہ بہشتی کا خاتمہ اہل جنت کے سے اعمال پر اور دوزخی کا اہل دوزخ کے اعمال پر ہو گا۔ چاہے وہ ساری عمر کچھ بھی کرتا رہے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فارغ ہو چکا ہے۔ (ترمذی۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان)

○○ طبرانیؒ نے ابن عمرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا کو (کھول کر) رکھا۔ میں دنیا میں ہو رہے اور قیامت تک ہونے والے حادثات اس طرح دیکھ رہا تھا جس طرح اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو۔ (مواہب لدنیہ۔ مقصد ثامن فصل ثالث)

○○ حضرت ابوذرؓ سے امام احمد اور طبرانی نے نقل کیا ہے کہ وہ صحابہؓ کے ساتھ رسول اللہ کے پاس سے واپس آئے اس حال میں کہ فضاؤں میں جو پرندہ اپنے پر ہلاتا ہے، اس کے بارے میں بھی حضور ﷺ نے اپنے علم رکھنے کا ذکر ہم سے فرمایا۔ (ایضاً)

○○ حضرت حذیفہؓ بن اسید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کل رات اس حجرے کے پاس میری امت اول سے آخر تک میرے سامنے پیش کی گئی"۔ صحابہؓ نے عرض کی "یارسول اللہ! جو امتی ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے وہ کس طرح پیش کئے گئے؟ فرمایا "میرے لئے پانی اور مٹی میں ان کی صورتیں بنائی گئیں یہاں تک کہ میں ان میں سے ہر امتی کو اس سے بھی بہتر طور پر پہچانتا ہوں جتنا کہ تم اپنے ساتھیوں کو پہچانتے ہو۔ (خصائص کبریٰ از سیوطی جز ثانی صفحہ ۱۹۷ بحوالہ طبرانی)

○○ ایک دفعہ سورج گرہن لگا۔ اور آپ نے صحابہؓ کے ساتھ نماز کسوف پڑھی اور خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ فقرہ بھی تھا۔ "اے محمد ﷺ کی امت۔ خدا کی قسم اگر تم وہ کچھ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم روتے زیادہ اور ہنستے کم"۔ (بخاری۔ باب الصدقہ و تفسیر سورۃ مائدہ)

○○ ایک دفعہ نماز پڑھانے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: ○ "تم یہ سمجھتے ہو کہ میرا رخ ادھر ہے۔ خدا کی قسم مجھ سے تمہاری نماز کا خشوع اور رکوع پوشیدہ نہیں اور میں تمہیں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح پیچھے سے دیکھتا ہوں"۔ (بخاری باب عظہ امام الناس)

○○ حضرت وابصہ اسدیؓ دل میں سوال لئے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو۔ وہ بولے "صدقت یارسول اللہ" آپ نے فرمایا۔ نیکی کر کے دل میں خوشی اور انشراح پیدا ہوتا ہے جبکہ بدی سے بے چینی۔ خواہ لوگ اس کا فتویٰ دے چکے ہوں۔ (مسند احمد)

○○ ایک دفعہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ کہ صحابہؓ نے آپ سے کچھ باتیں پوچھیں۔ منافقوں نے برملا طعن کیا کہ آپ ﷺ کو ان باتوں کی کیا خبر۔ آپ ﷺ نے ان کی بات سن لی اور جوش میں آگئے اور فرمایا۔ پوچھو مجھ سے جو چاہو پوچھو **سلونی عما شئتم** (جو چاہو مجھ سے پوچھو)۔ ایک صحابی نے پوچھا۔ میرا باپ کون ہے۔ فرمایا "تیرا باپ ہے "سالم" غلام شیبہ۔ اور پھر جوش میں بار بار فرما رہے تھے۔ پوچھو جو پوچھنا ہے۔ یہ دیکھ کر عمر فاروقؓ اٹھے اور ادب سے عرض کیا۔ کہ ہم اللہ کو

Marfat.com

ربوبیت، محمد ﷺ کی رسالت اور اسلام کو دین مان کر خوش ہیں۔ اور اس طرح آپ کا جوش کم ہوا۔
(بخاری۔ کتاب العلم باب الغضب)

○○ حضرت حذیفہؓ کی والدہ انہیں ناراض ہوئی کہ تم کتنے ہی دنوں سے حضور ﷺ کی خدمت میں نہیں گئے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ آج ہی جا کر آپ ﷺ سے آپ کی اور اپنی بخشش کی دعا کرواتا ہوں۔ وہ نماز مغرب میں حاضر ہوئے اور عشاء کی نماز کے بعد جب آپ ﷺ گھر کی طرف چلے تو حذیفہؓ بھی پیچھے ہو لیے۔ آپ ﷺ نے آہٹ سن کر فرمایا "کون حذیفہ ہے؟ اللہ تجھے اور تیری ماں کی بخشش فرمائے"۔ گویا سوال سے پہلے ہی سائل کی جھولی بھر دی) (ترمذی۔ مناقب حسنین)

○○ ۸ھ میں طائف کا محاصرہ کر لیا گیا۔ آپ کو علم تھا کہ اس محاصرہ سے فتح ناممکن ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ انشاء اللہ کل کوچ کریں گے۔

بعض صحابہؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ فتح کئے بغیر نہیں جائیں گے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "چلو قسمت آزمالو۔ چنانچہ اگلے روز کئی مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ شام کو آپ ﷺ نے فرمایا۔ انشاء اللہ کل کوچ کریں گے۔ صحابہؓ نے حیرت کا اظہار کیا تو آپ مسکرا دیئے جس کا مطلب یہ تھا کہ تم اگر کل میری بات مان لیتے تو آج یہ نقصان نہ ہوتا۔ (بخاری و مسلم غزوہ طائف)

○○ ایک دفعہ آپ نے نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز) پڑھائی اور لمبا قیام، لمبا رکوع اور لمبے سجدے کئے۔ اس دوران میں صحابہؓ نے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنا ہاتھ کچھ پکڑنے کے انداز میں آگے بڑھاتے ہیں اور پھر تھوڑا سا پیچھے ہٹے۔ نماز کے بعد صحابہ کے سوال پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سامنے کی دیوار میں جنت دکھائی جس میں انگوروں کے گچھے لٹک رہے تھے اور میں ان کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر کامیاب ہو جاتا تو تم لوگ وہ انگور قیامت تک کھاتے رہتے۔ بعدازاں اسی جگہ دوزخ کو حاضر پایا جو انتہائی ڈراؤنی تھی۔ لیکن دوزخ میں زیادہ تعداد عورتوں کی دیکھی اور صحابہؓ کے پوچھنے پر اس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ اپنے شوہروں کی ناشکر گزار ہوتی ہیں۔ اگر تم ایک عورت پر ساری عمر احسان کرو اور ایک دن اس کی مرضی کے خلاف بات ہو جائے تو وہ سابقہ ساری مہربانی کو بھول کر یہی کہے گی کہ میں نے تیرے گھر میں کبھی سکھ کا سانس نہیں لیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے دوزخ میں ایک چور کو دیکھا جو حاجیوں کا سامان چرایا کرتا تھا۔ نیز ایک یہودی عورت دیکھی۔ جسے صرف اس لئے عذاب ہو رہا تھا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ کر بھوکی پیاسی مار دیا تھا اور اسے آزاد بھی نہ کیا تھا کہ وہ خود کچھ کھا لیتی۔ (بخاری و مسلم۔ باب صلوٰۃ الکسوف وغیرہ)

○○ ایک دفعہ فرمایا "میں جنت میں پہنچا اور دیکھا کہ وہاں وہ لوگ زیادہ ہیں جو دنیا میں نادار تھے۔ اور دوزخ میں دیکھا کہ وہاں زیادہ تعداد عورتوں کی ہے۔ (بخاری - باب صفۃ الجنت)

○○ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم سے بروایت ثوبان رضی اللہ عنہ منقول ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی پس میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔

Marfat.com

○○ مشکوۃ باب المساجد میں حضرت ابو ذر غفاریؓ سے مروی ہے فرمایا ﷺ "ہم پر امت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے بھی اور برے بھی۔ اور دیکھا کہ راستے سے کانٹا وغیرہ ہٹا دینے کو اچھے اعمال میں شمار کیا گیا ہے۔ (مفہوم)

○○ "حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت پیش کی گئی اپنی اپنی صورتوں میں، مٹی میں، جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تھی۔ اور مجھے بتا دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کریگا"۔ یہ خبر منافقوں تک پہنچی تو وہ ٹھٹھا کرنے لگے کہ "محمد کا خیال ہے کہ وہ ان لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے کفر اور ایمان سے باخبر ہو گیا ہے۔ ہم (منافقین) تو ان کے ساتھ ہیں وہ ہمیں تو پہچانتے نہیں ہیں!" یہ بات حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

ما بال اقوام طعنو فی علمی --- لا تسئلو نی عن شی فیما بینکم و بین الساعة الا انبتکم به ---

یعنی "قوموں کا کیا حال ہے کہ وہ میرے علم میں طعن کرتے ہیں۔ اب سے تم مجھ سے۔ قیامت تک جو کچھ بھی پوچھو گے میں تمہیں اس کی خبر دوں گا"۔ (تفسیر خازن پارہ ۴ زیر آیت **ما کان الله لیذر المومنین علی ما انتم علیه** (آل عمران-۱۷۹)

○○ فرمایا۔

انی لاعرف اسماء هم و اسماء ابائهم والوان خیولهم خیر فوارس او من خیر فوارس علی ظهر الارض

"یعنی میں ﷺ ان (دجال کے خلاف جہاد کرنے والے مسلمانوں) کے نام، ان کی ولدیت اور ان کے گھوڑوں کے رنگ تک جانتا پہچانتا ہوں۔ وہ روئے زمین پر بہترین گھڑ سوار ہیں"۔ (مشکوۃ کتاب الفتن باب الملاحم فصل اول۔ میں مسلم سے بروایت ابن مسعودؓ)

○○ اسی طرح آپ ﷺ نے غزوہ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی جائے قتل کی نشاندہی بھی فرما دی تھی۔ (مسلم جلد ۲ کتاب الجہاد باب غزوہ بدر عن انسؓ)

○○ امام بوصیریؒ قصیدہ بردہ شریف میں لکھتے ہیں۔

فان من جودک الدنیا و ضرتها   و من علومک علم اللوح والقلم

اے نبی! دنیا اور آخرت آپ ﷺ ہی کے کرم سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کا حصہ ہے۔

بہرحال حضور علیہ السلام کی زندگی کا ہر ہر لمحہ خالق کائنات کی حضوری اور معیت میں گزرتا تھا اور **فاوحی الی عبده ما اوحی** کی شان بلند بھی آپ ﷺ کے زیر قلم تھی

Marfat.com

وللاخرة خير لك من الاولى کی ہر ہر آن بہتری کی سند قرآنی بھی آپ ﷺ کو حاصل ہے۔ جس کی شان "قاب قوسین او ادنٰی" کے مقام بلند کی نشاندہی کرے اس کے گنجینہ علوم و معارف ہونے میں شک کیسے ہو سکتا ہے۔ امام بوصیری فرماتے ہیں:

وسع العالمین علما و حلما   فهو بحر لم تعيها لاعياء

یعنی حضور ﷺ نے اپنے علم اور اخلاق کریمانہ سے جہانوں کو گھیر لیا ہے پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اسے گھیرنے والے گھیرنے سے قاصر ہے۔ (قصیدہ ام القرٰی از امام بوصیریؒ)

اس شعر کی شرح کرتے ہوئے فتوحات احمدیہ میں شیخ سلیمان جمل فرماتے ہیں کہ:

ای وسع علمه علوم العالمين الانس والجن والملئكة لان الله تعالى اطلعه على العالم كله فعلم علم الاولين والاخرين وما كان ومايكون وحسبك علمه علم القرآن وقد قال الله تعالى مافرطنا في الكتب من شي - یعنی آپ ﷺ کا علم تمام جہانوں یعنی جنات اور انسانوں اور فرشتوں کے علوم کو محیط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمایا۔ پس آپ کو اولین اور آخرین کا علم عطا کیا۔ اور ما کان (جو کچھ ہو چکا) و ما یکون (جو کچھ ہونے والا ہے) کا علم عطا کیا اور حضور ﷺ کے کمال علم کے لئے قرآن حکیم ہی کافی ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اس کتاب میں کوئی کسر نہ رکھی۔

معجزات یمن و برکات کا بیان

OO امام بخاری حضرت انسؓ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ انصاری نے حضور ﷺ کو کئی روز سے بھوکے محسوس کر کے اپنی بیوی ام سلیمؓ کو حضور ﷺ کی ضیافت کی تیاری کا کہا۔ اور کھانا اتنا کم تھا کہ بمشکل دو آدمیوں کو کفایت کر سکے۔ مگر آپ ﷺ کھانا کھانے کے لئے آئے تو ستر اسی صحابہؓ کو بھی ساتھ لیتے آئے۔ اور کھانا منگوا کر اس پر آپ نے جو چاہا پڑھا اور دم کیا پھر دس دس آدمیوں کا ٹولہ آتا اور سیر ہو کر واپس چلا جاتا۔ بعد میں گھر والوں نے بھی کھانا کھایا۔ لیکن آخر میں کھانا بچ بھی گیا۔ (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۵۹۱)

OO ایسی ہی روایت حضرت جابر بن عبداللہ سے بھی مروی ہے کہ وہ اپنی کھجوریں اپنے والد کے قرض کے بدلے میں دینا چاہتے تھے جو بالکل ناکافی اور کم تھیں۔ آپ ﷺ کی دعا سے ان میں ایسی برکت ہوئی سارا قرض بھی اتر گیا اور بعد میں کھجوروں کو دیکھا تو ان میں بھی کوئی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ (بخاری - ۲ - ۲۱۹)

OO اسی طرح صدیق اکبرؓ کے گھر سے آیا ہوا بمشکل دو آدمیوں کا کھانا بارہ سے زیادہ

Marfat.com

آدمیوں کو صرف حضور ﷺ کی دعاو برکت سے کفایت کر گیا۔ (ایضاً صفحہ ۴۰۰ فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۹۸...)

OO غزوۂ خندق میں حضرت جابرؓ نے بکری کا بچہ ذبح کر کے سالن بنایا اور تھوڑا سا آٹا گوندھ کر رکھا اور حضور ﷺ کی ضیافت کی۔ یہ کھانا پانچ آدمیوں کو بمشکل کفایت کر سکتا تھا۔ تاہم آپ ﷺ نے پورے لشکر کو کھانے کی اس دعوت میں بلا لیا اور حضرت جابر کو تاکید کی کہ میرے آنے تک ہنڈیا کو چولھے پر سے نہ اتارا جائے۔ اور نہ روٹی پکانی شروع کی جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جا کر ہنڈیا اور آٹے میں لعاب دہن ڈال کر برکت کی دعا کی اور جابر کی بیوی سے فرمایا کہ روٹیاں پکا پکا کر بھیجتی رہو۔ چنانچہ ایک ہزار صحابہؓ نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔ پھر گھر والوں نے کھایا اور آپ ﷺ نے بھی تناول فرمایا۔ اور آخر میں پورے کا پورا کھانا بچ بھی رہا۔ (بخاری ۲۹۶۴، ۳ـــ صفحہ ۹۴ تا ۹۵ باب غزوہ خندق۔ "مفہوم")

OO ایک سائل نے آپ ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ ﷺ نے تھوڑے سے جو عطا کئے۔ وہ شخص روزانہ ایک عرصہ تک ان میں سے اپنے اہل و عیال اور مہمانوں کے لئے خرچ کرتا رہا۔ لیکن وہ ختم ہونے میں نہ آئے ایک دن اس نے تمام جو نکال کر تول لئے۔ آپ ﷺ کو پتہ چلا تو فرمایا اگر تو انہیں نہ تولتا تو ہمیشہ ان سے متمتع ہو سکتا تھا۔ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۴)

OO غزوہ خیبر میں زاد راہ کم پڑ گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے سب ایک جگہ اکٹھا کرو۔ سب اکٹھا ہو گیا تو آپ ﷺ نے دعائے برکت فرمائی اور سامان اس قدر بڑھ گیا کہ ہر ایک نے اپنے توشے بھر لئے اور پیٹ بھر کر کھایا بھی اور آخر میں بچ بھی رہا۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۷ حدیث نمبر ۲۷)

OO حضرت زینبؓ کے نکاح کے ولیمہ میں حیس بھرا تھال آپ کی برکت سے اتنا بابرکت ثابت ہوا کہ تین سو آدمیوں کے لئے کافی رہا۔ وہ دس دس کی ٹولیوں میں کھا کر جاتے۔ آخر میں برتن میں بقول حضرت انسؓ کوئی کمی نہ محسوس ہوئی بلکہ بچا ہوا حیس پہلے سے زیادہ ہی لگتا تھا۔ (مسلم۔ ۲۔ ۱۰۴۸ تا ۱۰۵۲)

OO اصحاب صفہ ستر کے قریب تھے کہ دودھ کا ایک پیالہ آیا اور ہر ایک نے باری باری خوب پیا۔ اور آخر میں وہ پیالہ اسی طرح بھرا ہوا تھا۔ (بخاری۔ ۱/۸۱ : ۴۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱ کتاب الرقاق)

پانی میں برکت:

OO ایک مرتبہ مقام الزوراء میں آپ ﷺ کے سامنے پانی کا برتن لایا گیا آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈالا اور انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہہ نکلا۔ جس سے تقریباً تین سو صحابہؓ نے وضو کیا۔ (بخاری۔ ۲۔ ۳۹۷)

OO ایک اور موقع پر نماز عصر کے وقت پانی کے ایک برتن سے پانی کا چشمہ رواں ہو گیا اور تمام لشکر نے وضو کیا۔ (ایضاً)

OO یوم حدیبیہ میں صحابہ کو سخت پیاس لگی آپ نے پانی کے ایک برتن میں دست مبارک

Marfat.com

ڈالا اور صحابہؓ نے محسوس کیا کہ وہاں سے پانی کے کئی فوارے ابل رہے ہیں- چنانچہ چودہ سو صحابہؓ نے وضو بھی کیا اور نوش بھی خوب کیا- حضرت جابرؓ کا کہنا تھا کہ ایک لاکھ کے مجمع کے لئے بھی وہ پانی کافی ہوتا- (ایضاً)

○○ ایک غزوہ میں پانی کی قلت تھی- اور اسلامی لشکر چٹیل میدان میں تھا- ایک عورت پانی کا مشکیزہ اٹھائے نظر آئی جس کا گھر وہاں سے چوبیس گھنٹے کے فاصلے پر تھا- آپ ﷺ نے اس کے مشکیزہ پر ہاتھ پھیرا اور چالیس لشکریوں کو پلایا جبکہ مشکیزہ جوں کا توں بھرا تھا- یہ دیکھ کر وہ عورت مسلمان ہو گئی- (ایضاً صفحہ ۳۶۹)

○○ حدیبیہ میں پانی کے کنوئیں میں پانی کی قلت تھی حتیٰ کہ لشکر اسلام نے اس کا آخری جرعہ تک نکال لیا- آپ کو اطلاع دی- آپ ﷺ اس کی منڈیر پر آبیٹھے اور کچھ پانی منگوا کر اس کی کلی کر کے پانی کنوئیں میں ڈال دیا اور تھوڑی سی دیر میں کنواں پانی سے لبالب بھر گیا- جسے چودہ سو صحابہؓ نے جی بھر کر استعمال کیا اور مویشیوں کو بھی پلایا- (بخاری - ۲- صفحہ ۳۹۸) اس طرح اور بھی کئی مواقع پر پانی میں برکت کے بارے میں احادیث ملتی ہیں- (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۹۸-۹۶۹ مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۷۸۴)

شفائے امراض:

○○ حضرت عبداللہ بن عتیق رضی اللہ عنہ کی ٹانگ ایک مہم میں ٹوٹ گئی- آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور وہ بالکل ٹھیک ہو گئی گویا کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی- (بخاری ۶۴/۱۶: ۳-۷۶-۷۷)

○○ غزوۂ خیبر میں علی المرتضیٰ کی آنکھیں دکھتی تھیں- آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا تو وہ ٹھیک ہو گئیں- (مسلم- ۴-۱۸۷۱ حدیث ۲۴۰۴)

○○ ایک نابینا صحابیؓ نے اپنی تکلیف بیان کی- آپ ﷺ نے فرمایا وضو کر کے میرے وسیلے سے دعا مانگو انہوں نے ایسا ہی کیا- ان کی تکلیف فوراً رفع ہو گئی (مستدرک للحاکم جلد ا صفحہ ۵۱۹)

○○ غزوہ احد میں حضرت ابو قتادہ کی آنکھ کا ڈھیلا حلقہ سے باہر نکل آیا- آپ ﷺ نے اس کا ڈھیلا اپنے دست شفا سے حلقہ میں دوبارہ رکھ دیا- اور ان کی بینائی بحال ہو گئی- (الوفا جلد ۲ صفحہ ۳۳۳ لابن جوزی)

○○ سفر کے دوران ایک عورت اپنے آسیب زدہ بچے کو آپ کے پاس لائی- آپ نے تین مرتبہ فرمایا "اے دشمن خدا! اس بچے میں سے نکل جا" چنانچہ وہ بچہ تندرست ہو گیا- (مسند احمد بن حنبل ج ۴ صفحہ ۱۷۰-۱۷۱)

○○ ایک صحابی کے بھائی پر جنوں کا اثر تھا آپ نے اسے دم کیا اور وہ شفایاب ہو گیا- اسی طرح ایک عورت کا بچہ گونگا تھا- آپ ﷺ نے پانی لیکر اس میں ہاتھ دھوئے اور کلی کی- پھر وہ پانی بچے کو پلایا نیز اس پر چھڑکا- چنانچہ وہ بچہ تندرست ہو کر بولنے لگا- (سنن ابن ماجہ باب النشرہ، ابو نعیم صفحہ ۱۶۷)

Marfat.com

OO حضرت ابو ہریرہؓ نے مرض نسیان کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ دامن پھیلاؤ۔ انہوں نے دامن پھیلا دیا۔ آپ ﷺ نے اس میں خالی اوک بھر بھر کر ڈالے۔ اور سمیٹ لینے کا ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد ان کا حافظہ اتنا قوی ہو گیا کہ کوئی بات کبھی نہ بھولی۔ (بخاری۔ جلد ۲ صفحہ ۴۱۵، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ حدیث ۲۴۹۲)

استوانہ حنانہ کا رونا: مسجد نبوی میں کھجور کے ایک تنے سے حضور ﷺ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ منبر تیار ہوا تو آپ منبر پر خطبہ دینے لگے۔ آپ ﷺ کی جدائی میں استوانہ رونے اور بلبلانے لگا۔ آپ نیچے اترے اور استوانہ کو سینے سے لگا کر اسے چپ کرایا اور تسکین دی۔ اور اس طرح وہ چپ ہوا۔ (بخاری ۱/۲۵، ۲ صفحہ ۴۰۰) یہ روایت گیارہ صحابہ کرام سے منقول ہے۔ (سیرۃ النبی جلد ۳ صفحہ ۶۱۵ حاشیہ نمبر ۲)

تسبیح کی آواز: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں ہمیں کھانوں میں سے تسبیح کی آواز سنائی دیا کرتی تھی۔ (بخاری ایضاً صفحہ ۳۹۹)

ایک دفعہ ایک مجلس میں آپ ﷺ نے سات کنکریاں ہاتھ میں لیں۔ تو ان میں سے تسبیح کی آواز آنے لگی آپ ﷺ نے انہیں زمین پر ڈال دیا تو وہ آواز بند ہو گئی۔ (الوفا۔ لابن جوزی جلد ا صفحہ ۳۲۴)

حضورؐ کی حکومت جمادات و نباتات پر:

OO حضرت علی ایک دفعہ حضور ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے سنا کہ سامنے آنے والے درخت اور پتھر آپ ﷺ کو "السلام علیک یا رسول اللہ" کہتے ہیں۔ (ترمذی جلد ۵ صفحہ ۵۹۳، حدیث نمبر ۳۶۲۶)

OO حضرت جابرؓ کے ہمراہ آپ رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ چٹیل میدان میں کوئی اوٹ نہ ملی تو آپ ﷺ نے دور کھڑے دو درختوں کو اشارہ سے بلایا وہ چل کر آئے اور مل کر اوٹ کر کے کھڑے ہو گئے آپ ﷺ نے ان کی اوٹ میں حاجت سے فراغت پائی۔ پھر ان کو اپنی جگہ واپس جانے کا حکم دیا اور وہ واپس چلے گئے۔ (مسلم۔ حدیث جابرؓ مشکوۃ جلد ۳ صفحہ ۱۷ احدیث ۵۸۸۵)

OO ایک دفعہ ایک بدو نے آپ ﷺ سے نبوت پر دلیل طلب کی۔ آپ ﷺ ایک درخت کے پاس گئے اور اسے پوچھا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے گواہی کے طور پر اپنی شاخیں زمین پر بچھا دیں۔ پھر آپ ﷺ نے اسے اصلی حالت پر لوٹ آنے کا حکم دیا اور وہ سابقہ حالت پر آ گیا۔ اس پر وہ بدو مسلمان ہو گیا۔ (ترمذی۔ ۵۔ ۵۹۴ حدیث ۳۶۲۹)

Marfat.com

حیوانات بھی آپ ﷺ کے منصب نبوت و رسالت کو جانتے تھے:

OO ایک انصاری کا اونٹ باؤلا ہو گیا۔ آپ ﷺ اسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ صحابہؓ نے روکا کہ مبادا وہ آپ ﷺ کو کاٹ لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مجھے اس کا کوئی ڈر نہیں۔ چنانچہ اونٹ نے آپ ﷺ کے آگے اپنا سر ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے اسے پکڑ کر اس کے مالک کے حوالے کر دیا اور فرمایا:

ہر مخلوق جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ مگر گنہگار انسان اور نافرمان جنات یہ بات نہیں جانتے"۔ (مسند احمد بن حنبل عن انسؓ، الوفا ابن جوزی جلد ا صفحہ ۳۰۲)

OO ایک مرتبہ ایک باغ میں ایک اونٹ آپ ﷺ کو دیکھ کر بلبلانے لگا۔ اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ ﷺ نے اس کے سر پر دست شفقت پھیرا تو وہ مطمئن اور خاموش ہو گیا پھر آپ ﷺ نے اس کے مالک سے کہا کہ یہ تمہاری شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو۔ (ابو داؤد باب الشفقۃ علی البھائم)

OO ایک دفعہ آپ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک اونٹ آیا اور اس نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اس کے مالک کو کہا کہ یہ تمہاری شکایت کر رہا ہے۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ اس کا مالک واقعی اس پر زیادتی کرتا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہ اونٹ اس کے مالک سے لیکر صدقہ کے اونٹوں میں بھیج دیا۔ (ابن جوزی جلد ا صفحہ ۳۰۲-۳۰۱)

حضور رحمت عالم ﷺ جس طرح عالمین کے لئے رحمت ہیں اور آپ کی نبوت کل عالم کے لئے ہے اسی طرح حضور ﷺ کو معجزات بھی تمام عوالم سے متعلقہ عطا ہوئے۔ یعنی عالم معانی میں بھی معجزات عطا ہوئے، عالم ملائکہ سے متعلقہ معجزات بھی ملے۔ عالم جن و انس سے متعلقہ معجزات بھی آپ کو عطا فرمائے گئے۔ افلاک و کواکب پر بھی آپ کا حکم چلا۔ جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ ہر عالم میں آپ ﷺ کو معجزات سے نوازا گیا۔

یا صاحب الجمال --- و یا سید البشر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد والہ واصحابہ وسلم

حضور ﷺ کا منصب رسالت

Marfat.com

جب آدم علیہ السلام اور مائی حوا کو زمین پر بھیجا گیا تھا اور ساتھ ہی شیطان کو وہاں سے نکال دیا گیا تو دو باتیں ارشاد ہوئیں:

۱۔ وقلنا اھبطوا بعضکم لبعض عدو ولکم فی الارض مستقرو متاع الی حین

"اور ہم نے فرمایا کہ تم (بہشت بریں سے زمین پر) اتر جاؤ۔ ایک دوسرے کے دشمن بن کر رہو، اور تمہارے لئے زمین پر ایک وقت تک کے لئے ٹھکانا اور ضروریات زندگی مہیا کر دی گئی ہیں"۔ (بقرہ۔ ۳۶)

۲۔ قلنا اھبطوا منھا جمیعا۔ فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

"ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ تو جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے"۔ (بقرہ ۳۸)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق بنی آدم کی رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا اور سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کو راہ راست پر رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب قابیل کی اولاد نے سرکشی کی راہ اختیار کی تو حضرت شیث علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا یہ سلسلہ صدیوں تک چلتا رہا اور ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء علیہم السلام صرف لوگوں کی اصلاح اور ان کو اللہ کا پیغام پہنچانے کے لئے بھیجا تاکہ وہ آسمانی تعلیم کی رہنمائی میں راہ راست اپنا سکیں۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے سورۃ رعد میں یوں ارشاد ہوئی ہے۔

۱۔ انما انت منذر و لکل قوم ھاد (رعد۔ ۷)

"تو آپ ڈرنے والے ہیں اور ہر قوم کو ایک راہ بتانے والا ہوتا ہے۔

۲۔ ولقد ارسلنا رسلا من قبلک

"اور بیشک ہم نے آپ ﷺ نے پہلے کئی رسول بھیجے تھے"۔ (رعد ۳۸)

۳۔ سورۃ ابراہیم میں ارشاد ربانی یوں ہے کہ ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا وہ اپنی قوم کی زبان میں تبلیغ کرتا تھا۔

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم ○

"اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں تبلیغ کے لئے بھیجا تاکہ وہ ان کو پوری وضاحت کے ساتھ سمجھا دے"۔ (ابراہیم۔ ۴)

Marfat.com

۴۔ ولکل امة رسول

یعنی اور ہر امت کی طرف ایک رسول بھیجا گیا"۔(یونس ۴۷)

ضرورت واہمیت: پیغمبر کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن حکیم اس کی ضرورت یوں واضح کرتا ہے۔

"پہلے لوگ ایک ہی امت تھے۔ (یعنی ایک ہی دین پر چلتے تھے۔ جب وہ اختلاف کا شکار ہوئے) تو اللہ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا جو (اہل حق کو) خوشخبری دیتے تھے اور (منکروں کو اللہ کے عذاب سے) ڈراتے تھے۔ اور ان کے ساتھ سچائی بھری کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کریں ان امور میں، جن میں وہ اختلافات کا شکار ہو چکے تھے" (بقرہ ۲۱۳) پھر پیغمبروں کو ذریعہ برکات بھی بتایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

ولو ان اهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض ولكن كذبوا فاخذنهم بما كانوا يكسبون ○

"اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو لازماً ہم ان پر آسمانی اور زمینی برکتوں (کے دروازوں) کو کھول دیتے۔ مگر انہوں نے جھٹلایا۔ جس کے نتیجہ میں ہم نے انہیں ان عملوں کی پاداش میں دھر پکڑا"۔ (ا... ۹۶)

انسانوں کے رسول بھی انسان تھے: جس قوم میں بھی کوئی رسول بھیجا گیا۔ اسے اس قوم کی ہدایت اور تنبیہہ کے لئے بھیجا گیا۔ لیکن جب انسانوں نے یہ کہا کہ ہمارے اندر ہم جیسا انسان رسول کیوں بھیجا گیا (بنی اسرائیل ۹۴) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کی زبان سے یہ کہلوا بھیجا:

قل لو كان فى الارض ملئكة يمشون مطمئنين لنزلنا عليهم من السماء ملكا رسولا (بنی اسرائیل-۹۵)

"یعنی (اے نبی!) فرما دے (کہ) اگر زمین پر فرشتے چلتے بستے ہوتے تو بیشک ہم ان کی ہدایت کے لئے ایک فرشتے کو رسول بنا کر آسمان سے نازل کرتے۔ یعنی اگر فرشتے زمین پر آباد ہوتے تو ان کے پیغمبر بھی فرشتے بھیجے جاتے تو گویا اگر یہاں جنات کا دور ہوتا تو جنات میں سے رسول اور نبی بھیجے جاتے۔ لیکن اب یہاں چونکہ انسانوں کا دور ہے لہٰذا انبیاء" بھی یہاں انسان ہی بھیجے گئے ہیں۔

(حضور علیہ السلام کی نبوت اور رسالت چونکہ قیامت تک کے لئے ہے اور آپ پر دین کی تکمیل کر دی گئی ہے لہٰذا آپ ﷺ جنوں اور انسانوں دونوں کے لئے مبعوث ہوئے اور سارے عالموں کے

Marfat.com

لئے رحمت بن کر تشریف فرما ہوئے"۔

حضور علیہ السلام کی نبوت اور رسالت چونکہ قیامت تک کے لئے ہے اور آپ پر دین کی تکمیل کر دی گئی ہے لہٰذا آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ فریضہ تبلیغ اب آپ کی امت انجام دے گی۔ جیسا کہ قرآن میں حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا گیا ہے۔

ولو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیرا

"یعنی اگر ہم چاہتے تو۔ اے نبی (تیرے زمانے میں بھی) ہر ہر گاؤں میں ایک ایک پیغمبر ضرور بھیج دیتے"۔ (فرقان ۵۱)

لیکن چونکہ قرآن حکیم کے نزول اور نبی اکرم خاتم النبین ﷺ کی بعثت کے بعد اس کی ضرورت نہیں تھی اس لئے آپ کے بعد انبیاء کو بھیجنے کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

خصائص سید المرسلین ﷺ: رسول کا کام صرف یہی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچا کر اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھ لیتا بلکہ وہ عمر بھر اپنی امت میں نمونے کی مثالی زندگی بسر کرتا تھا تاکہ لوگ اس کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں۔ اور ہر نبی کی زندگی اپنی امت کے لئے اسوۂ حسنہ تھی۔ ہر نبی لوگوں کا تزکیہ نفس کرتا تھا۔ ان کو ظاہری اور باطنی آلائشوں سے بھی پاک صاف کرتا تھا۔

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو چونکہ تکوین کائنات سے قیامت تک کے لئے نبوت اور رسالت سے نوازا گیا جیسا کہ حدیث صحیح کی رو سے آپ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کی منزلیں طے کر رہے تھے، لہٰذا آپ کی خصوصیات بھی عام انبیاء کی نسبت زیادہ ہیں۔ جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

اللہ کا انتخاب کردہ: کسی بھی رسول یا نبی کو عوام منتخب نہیں کرتے تھے۔ نہ حضور علیہ السلام کو عوام نے اپنا رسول یا نبی چنا تھا بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور اور مبعوث فرمائے گئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا ومن الناس۔ ان اللہ سمیع بصیر

"یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے (رسالت کا فریضہ نبھانے کے لئے (اپنی مرضی سے) رسولوں کو منتخب کر لیتا ہے"۔ بے شک وہ سمیع و بصیر ہے

چنانچہ جب کفار مکہ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے نبوت و رسالت کا دعویٰ سنا تو انہوں نے کہا کہ آپ کو ہم نبی اور رسول نہیں مانتے۔ البتہ اگر طائف کے سرداروں میں سے یا فلاں شخص کو رسول بنایا جاتا تو ہم اس پر ضرور ایمان لے آتے۔ گویا رسالت پر بھی لوگوں نے اپنا جمہوری حق جتلایا جس کی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے نفی فرمادی۔

مامور من اللہ: رسول اپنی مرضی کی تبلیغ نہیں کرتا بلکہ وہ وہی کچھ کہتا ہے اور وہی حکم دیتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

ما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی

"یعنی حضور علیہ السلام اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ آپ کی طرف کی گئی۔ وحی ہوتی ہے"۔ (۴-۳:۵۳-۴)

آپ عام آدمی نہیں تھے: ایک رسول عام آدمی نہیں ہوتا۔ بلکہ بقول مولانا مودودی" جہاں تک عقل کا تعلق ہے وہ یہ ماننے سے انکار کرتی ہے کہ ایک نبی صرف خدا کا کلام پڑھ کر سنا دینے کی حد تک تو نبی ہو اور اس کے بعد محض ایک عام آدمی رہ جائے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ آغاز اسلام سے آج تک بالاتفاق ہر زمانے میں اور تمام دنیا میں محمد ﷺ کو نمونہ واجب الاتباع اور ان کے امرونہی کو واجب الاطاعت مانتے ہیں۔ حتی کہ کوئی غیر مسلم عالم بھی اس امر واقعی سے انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں نے ہمیشہ آنحضرت ﷺ کی یہی حیثیت مانی ہے۔ (اسلامی ریاست "ایڈیشن جنوری ۱۹۹۴) صفحہ ۲۷۵)

حضور ﷺ معلم انسانیت: رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ معلم انسانیت ہیں۔ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے تعمیر کعبہ کے وقت یہ دعا کی تھی:

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم آیتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم O ۔بقرہ ۱۲۹)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم ایتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانو من قبل لفی ضلل مبین O

" بے شک اللہ کریم نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمادیا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے۔ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور اس کی دانائی بھری باتیں سکھاتا ہے۔ اور (اس سے) پہلے یہ لوگ واقعی کھلی گمراہی میں تھے"۔ (آل عمران ۱۶۴)

سورہ جمعہ میں فرمایا:

Marfat.com

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایتہ و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة

"اسی خدا نے بے پڑھے لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کر کے سناتا ہے اور ان کو پاکیزگی دیتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت (بھری باتیں) سکھاتا ہے"۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کو صرف قرآن پہنچانے کے لئے نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ اس کے تین مقاصد تھے۔

ا۔ اصل کتاب کی تعلیم دینا یعنی متن پڑھ کر سنانا۔

ب۔ کتاب میں موجود حکمت اور اس کی تفسیر کر کے لوگوں کو سمجھانا اور عمل کر کے دکھلانا۔

ج۔ ان کا تزکیہ نفس کرنا۔ ان کی اجتماعی اور انفرادی خرابیاں دور کرنا وغیرہ۔

جیسے نماز پڑھنے کا طریقہ قرآن میں درج نہیں۔ اسی طرح اور عبادات کے احکامات و قواعد بھی آپ نے بتلائے۔

۵۔ نیز مفسر قرآن کے طور پر بھی حضور کا منصب قرآن نے واضح کیا ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم

"اور ہم نے آپ کی طرف (قرآن کی صورت میں) ذکر اتارا تاکہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ سمجھا دیں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے"۔ (نحل ۴۴)

آپ کی زندگی اسوۂ حسنہ: حضور علیہ السلام کی زندگی آپ کی امت کے لئے قیامت تک بہترین نمونہ اور مثالی زندگی قرار دی گئی ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر

بیشک رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین مثالی نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر کا امیدوار ہے۔" (احزاب ۲۱)

سورۃ ال عمران میں ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

"یعنی (اے نبی!) فرما دے کہ (اے لوگو!) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا"۔

شارع اور مفسر قرآن: حضور علیہ السلام شریعت اور اس کی جزئیات تک سمجھاتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

Marfat.com

یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکرو یحل لھم الطیبت و یحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والا غلٰل التی کانت علیھم

"وہ رسول ﷺ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے منع کرتا ہے اور ان کے لئے پاک صاف چیزیں حلال قرار دیتا ہے اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن اتار ڈالتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے ہیں"۔ (اعراف - ۱۵۷)

نیز صحابہ کو ارشاد تھا کہ وہ آپ سے بلاوجہ سوال جواب نہ کیا کریں کہ مبادا آپ ﷺ کے فرمانے سے ایک عام سا حکم فرض ہو جائے۔

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھو

"یعنی رسول اللہ جو کچھ تمہیں عطا کریں اسے لے لو اور جس سے منع کریں، اس سے باز رہو"۔

(حشر ۷)

چنانچہ حج کی فرضیت کے بارے میں ایک صحابی نے صاحب استطاعت کے لئے ہر سال حج کی فرضیت کا سوال تین بار کیا اور آپ ہر بار خاموش رہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد فرمایا۔ "حج کی فرضیت عمر بھر میں ایک بار ہے۔ اگر میں ہر سال کے جواب میں ہاں کہہ دیتا تو وہ ہر سال فرض ہو جاتا اور تم عمل نہ کر سکتے۔

قاضی و منصف: حضور علیہ السلام منصف اور جج کے منصب پر بھی اللہ کی طرف سے فائز ہیں۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

۱۔ انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰک اللہ

"(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کی طرف سچائی بھری کتاب نازل کی ہے۔ تاکہ آپ ﷺ لوگوں میں اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی کو سامنے رکھ کر فیصلے کریں"۔ (النساء = ۱۰۵)

۲۔ وقل اٰمنت بما انزل اللہ من کتٰب وامرت لاعدل بینکم (شوریٰ = ۱۵)

"اور فرما دے کہ میں اس پر ایمان لایا جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں سے نازل فرمایا اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان عدل و انصاف کروں"۔

۳۔ انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولو سمعنا واطعنا (نور - ۵۱)

"مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب وہ خدا اور رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ ان میں فیصلہ

Marfat.com

کریں تو وہ عرض کریں کہ "ہم نے سن لیا اور مان لیا" (اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)۔
(نور ۵۱)

۴۔ فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما (نساء۔۶۵)

"پس اے نبی ﷺ! تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر تو ﷺ جو فیصلہ کرے اس سے اپنے دل میں تنگی تک محسوس نہ کریں اور اسے بسرو چشم تسلیم کریں"۔

ان آیات کی رو سے رسول اللہ کی حیثیت بطور قاضی یا منصف یا جج بھی مامور من اللہ کی ہے۔ نہ کہ عوامی سطح پر مقرر کردہ قاضی یا جج کی۔ نیز جب آپ فیصلہ کرتے تو آپ ﷺ کی باقی ساری حیثیتیں جو بطور نبی اور رسول، اللہ نے آپ کو عطا کی ہیں، آپ سے الگ نہیں ہو جاتی تھیں اور جو لوگ آپ کے فیصلہ سے روگردانی کریں ان کو اللہ تعالیٰ نے منافق قرار دیا ہے۔

واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول رایت المنٰفقین یصدون عنک صدودا ○ (نساء۔۶۱)

"اور (اے نبی ﷺ!) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور رسول ﷺ کی طرف تو تم ذرا منافقوں کو دیکھو کہ وہ (کس طرح) آپ ﷺ سے کنی کتراتے ہیں"۔

حاکم اور فرمانروا منجاب اللہ: حضور علیہ السلام رسول کی حیثیت کے علاوہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حاکم اور فرمانروا بھی تھے۔ اور یہ منصب ہر رسول کو عطا ہوا کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت لازمی طور پر کی جائے۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ

"ہم نے ہر رسول کو اس لئے بھیجا کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے"۔ (نساء ۶۴)

حضور علیہ السلام کی حاکمیت منجانب اللہ تھی اس لئے آپ کے حکم سے روگردانی سے اللہ کی بارگاہ میں کسی کے اعمال تک ضائع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یٰایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم

"اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور (نافرمانی کرکے) اپنے اعمال کو باطل نہ کرلو"۔ (محمدؐ۔۳۳)

Marfat.com

آپ ﷺ جب کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو پھر اس کو تسلیم کرنا لازمی ٹھہرا دیا گیا۔

وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم و من یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالا مبینا○

"کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کر دے تو پھر ان کے لئے اس معاملہ میں خود فیصلہ کر لینے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ (گویا) صریحاً سیدھی راہ سے بھٹک گیا"۔ (احزاب۔۳۶)

قرآن حکیم میں اللہ۔ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ اسلامی حاکم کی اطاعت کو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔

یایھا الذین امنوا اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر

"اے ایمان لانے والے لوگو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اس کی جو تم (مسلمانوں) میں اولی الامر (حاکم وقت) ہو۔ پھر اگر تمہارے درمیان کوئی جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لے جاؤ۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو"۔

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ لوگوں کے منتخب کردہ حاکم یا فرمانروا نہ تھے بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کردہ حاکم و فرمانروا تھے۔ یاد رہے کہ رسول اللہ اولی الامر میں شامل نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ کی حیثیت اولی الامر سے بہت بلند رکھی گئی ہے کیونکہ اولی الامر اور عوام کے درمیان کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی روشنی میں سلجھانا ہوتا ہے۔ جبکہ رسول اللہ کا فیصلہ اٹل ہے۔ اس میں جھگڑا کرنے والا منافق قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی میں تنازعہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا ۔ مسلمان اس معاملہ کو صدیق اکبر کے پاس لے گیا۔ یہودی نے ان کو بتلایا کہ رسول خدا ﷺ میرے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں۔ صدیق اکبرؓ نے اس فیصلہ پر نظرثانی کرنے سے معذرت کر لی۔ وہ مسلمان حضرت عمرؓ کے پاس اپنا مقدمہ لے گیا۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا کہ اس کا فیصلہ حضور علیہ السلام یہودی کے حق میں کر چکے ہیں تو آپ نے حضور ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے والے مسلمان کو منافق قرار دیکر قتل کر دیا۔

تمام رسولوں پر ایمان: ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ حضرت آدم تا حضور علیہ السلام جتنے بھی سچے نبی اور رسول دنیا میں تشریف لائے ان سب پر ایمان لائے۔

Marfat.com

حالانکہ ان کی شریعتوں پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ عمل صرف حضرت محمد مصطفیٰ کی شریعت مطہرہ پر کیا جائے گا۔ کیونکہ آپ کی بعثت کے بعد پچھلے انبیاء کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ قرآن حکیم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کچھ رسولوں اور نبیوں پر ایمان لایا جائے اور کچھ پر ایمان نہ لایا جائے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق روا رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ وہ ایمان اور کفر کا درمیانی راستہ اختیار کریں۔ تو ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں۔ (نساء ۱۵۰-۱۵۱)

سورہ بقرہ (آیت ۲۸۵) اہل ایمان کے منہ سے یہ بات کہلوائی گئی ہے:-

لا نفرق بین احد من رسلہ

"ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے"۔

سورہ بقرہ میں ہی مسلمانوں سے اس طرح ارشاد ہے۔

قولوا امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھم واسماعیل و اسحاق و یعقوب والا سباط وما اوتی موسٰی و عیسٰی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن لہ مسلمون ۝

"یعنی اے مسلمانو! تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف (بذریعہ محمد مصطفیٰ) نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوا اور ان پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوا اور جو کچھ انبیاء کو ان کے رب نے دیا اس پر بھی ہم ایمان لائے ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں"۔

خدائی صفات کی نفی:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی صفاتی ناموں میں سے بعض صفاتی نام حضور علیہ السلام کے لئے بھی قرآن نے استعمال کئے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم ہے۔ قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رؤف و رحیم کہا گیا ہے۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رئوف رحیم ۝

"بے شک تم لوگوں میں سے ہی تم میں ایک رسول آیا ہے اسے تمہاری تکلیف بہت گراں گزرتی ہے وہ تمہاری بھلائی کا بہت زیادہ خواہشمند ہے اور مومنوں پر وہ رؤف بھی ہے، رحیم بھی ہے"۔

لیکن اللہ کی یہ صفتیں ذاتی، لامحدود اور بے مثل ہیں، جبکہ حضور کی صفات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ

Marfat.com

ہیں اور محدود ہیں۔

اسی طرح نبی کو جو علم عطا ہوتا ہے وہ بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے یا اور کسی طریقے سے جس طرح کہ اللہ چاہے۔ وہ وہبی ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ کا علم ذاتی ہے۔ ایک نبی کو کتنا بھی علم اللہ تعالیٰ عطا فرمائے یہ اس کی کرم نوازی ہے۔ نبی اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتا۔ جیسے حضور کے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ما ینطق عن الھوی ○ان ھو الا وحی یوحی ○(نجم ۳-۴)

چنانچہ جب کبھی حضور علیہ السلام صحابہ سے پوچھتے کہ فلاں معاملہ کی کیا حقیقت ہے تو صحابہ کرام اس معاملے کے بارے میں کچھ نہ کچھ جاننے کے باوجود ہمیشہ یہی عرض کرتے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ اور پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام خود اس کی وضاحت فرمادیتے اور اچھی طرح سمجھادیتے۔ چنانچہ صحابہ کرام جو بھی سوال کرتے حضور علیہ السلام اس کا جواب اللہ کے سمجھائے ہوئے علم کی روشنی میں ضرور دیتے۔ ایسا موقع کبھی نہیں آیا کہ ایک مسلمان نے آپ سے کوئی سوال کیا ہو اور آپ نے جواب دینے سے معذرت کرلی ہو۔ البتہ جب کبھی کفار آپ سے ایسے سوالات پوچھتے جن کا تعلق خالصاً دین سے نہ ہوتا آپ ایسے سوالوں کا جواب کم ہی دیتے۔ کیونکہ وہ باتیں آپ ﷺ کے منصب رسالت سے تعلق نہ رکھتی تھیں۔ بلکہ وہ دین و اخلاق کے دائرے میں ہی نہ آتی تھیں کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد تکمیل دین اور تکمیل اخلاق تھا۔ نہ کہ کچھ اور چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے ارشاد فرمادیا تھا۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا مایوحیٰ الیّ ○(انعام ۵۰)

"فرمادیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ البتہ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے"۔

حضور ﷺ کو رحمت للعالمین کہا گیا ہے یہ صفت بھی آپ کو اللہ کی عطا سے حاصل ہوئی ہے۔ غرض حضور ﷺ کی جتنی صفات بھی اللہ تعالیٰ سے مشابہت رکھتی ہیں۔ وہ آپ ﷺ کی ذاتی صفات نہیں ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ذاتی ہے۔ تاہم مسلمانوں کے لئے حضور سراپا رحمت تھے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ **واخفض جناحک للمومنین** یعنی اپنے بازو مومنین کے لئے پھیلا دیجئے۔

مرکز محبت و ادب: حضور ﷺ کی ذات اہل اسلام کے لئے مرکز محبت و عشق کی حامل ہے قرآن حکیم نے مسلمانوں کو حضور ﷺ کی زبان سے مخاطب کرکے یاد دہانی کرائی ہے کہ:

۱۔ اے نبی فرمادے کہ (اے مسلمانو!) اگر تمہارے باپ تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں تمہارا

Marfat.com

خاندان اور مال جو تم نے کمایا ہے اور تجارت جس میں گھاٹے کا تمہیں کوئی خدشہ ہو اور مکانات جو تمہیں پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر کر دے۔ (توبہ ۲۴)

۲۔ قرآن حکیم ہی ارشاد فرماتا ہے:

یایها الذین اٰمنو الا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهر واله بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون ○

"اے اہل ایمان! اپنی آوازیں نبی پاک ﷺ کی آواز سے بلند تر نہ کرو اور اس کے سامنے زور زور سے نہ بولو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ زور زور سے گفتگو کرتے ہو کہ مبادا تمہارے اعمال ضائع ہو کر رہ جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ ہو"۔ حجرات ۲

اس سے اگلی آیت میں ہے:

۳۔ "بیشک جو لوگ پیغمبر علیہ السلام کے سامنے دبی دبی آواز میں (ادب کے ساتھ) بات کرتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے پرکھ لیا ہے۔ (پس) ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے"۔ (حجرات ۳)

۴۔ **ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله**

"اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا"۔ (العمران ۳۱)

مرکز اطاعت: اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی اور دوسروں تک ان کی تبلیغ حضور ﷺ کا فرض منصبی تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں اللہ کی اطاعت کی تلقین کی گئی ہے وہاں ساتھ ہی حضور ﷺ کی اطاعت کا حکم بھی ملتا ہے۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے۔

۱۔ **قل اطیعو الله والرسول**

"اے نبی! فرما دے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی"۔ (ال عمران ۳۲) ۲۔ **و اطیعو الله والرسول لعلکم ترحمون ○**

"اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کی اطاعت کرو تاکہ اللہ تم پر رحم فرمائے"۔ (ال عمران ۱۳۲)

۳۔ **من یطع الرسول فقد اطاع الله**

"جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے (گویا) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی"۔ (نساء ۸۰)

و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله

Marfat.com

"اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اس لئے بھیجا کہ اللہ کے اذن (SANCTION) سے اس کی اطاعت کی جائے"۔ (نساء ۶۴)

۵- واطیعوا اللہ و رسولہ ان کنتم مومنین ○

"اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہا مانو اگر تم اہل ایمان ہو"۔ (انفال ۱)

اسی طرح کے احکامات اور بھی کئی جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کی ذات بھی مرکز اطاعت قرار دی گئی ہے۔

حضور ﷺ اور قرب خداوندی: حضور کو اللہ تعالیٰ کا قرب بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔ پس جس طرح آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے بعض افعال کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرماتے ہوئے قرآن حکیم میں اس خاص واقعے کی اہمیت کو اجاگر فرمایا ہے۔ مثلاً جنگ بدر کے موقع پر جب آپ ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں کفار کی طرف پھینکیں تو اللہ نے اس واقعہ کو قرآن حکیم میں یوں بیان فرمایا:

۱- وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی

"اور کنکریاں تم ﷺ نے نہیں پھینکیں جب کہ وہ تم ﷺ نے ہی پھینکیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں"۔ (انفال ۱۷)

۲- ان الذین یبا یعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم

"بیشک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں (کیونکہ) خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے"۔ (فتح ۱۰)

۳- من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

"جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے (گویا) اللہ کی اطاعت کی"۔ (نساء ۸۰) یعنی حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کے ناطے اس کے اذن سے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ اس لئے اللہ نے آپ ﷺ کی اطاعت اور بیعت کو اپنی اطاعت اور بیعت قرار دیا ہے۔ اور آپ کے کنکریاں پھینکنے کے فعل کو بھی اپنا فعل قرار دیا۔

تبلیغ حق کے لئے اذن الٰہی کی ضرورت: انبیاء علیہم السلام اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتے تھے اور ان کو تبلیغ حق کا علمبردار بنا کر بھیجا جاتا تھا اور لوگوں کے لئے لازم تھا کہ وہ اللہ کے حکم سے ان کی پیروی اختیار کریں جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ

"اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اس لئے بھیجا کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے"۔

Marfat.com

(نساء ۶۴)

اذن کے معنی آج کے دور میں (SANCTION) کئے جا سکتے ہیں۔ جس طرح ہر مجسٹریٹ کو ہر مقدمہ سننے کا اختیار نہیں ہوتا یا ہر پولیس مین کو ٹریفک کا چالان کرنے کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ یہ کام وہی انجام دے سکتا ہے جسے حکومت نے ان کاموں کی انجام دہی کا اختیار دیا ہو۔ اس طرح تبلیغ و ارشاد کا فریضہ نہ جبریل انجام دے سکتا ہے اور نہ ہر کس و ناکس بلکہ یہ فریضہ وہی انجام دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اذن سے نوازا ہو۔ چنانچہ انبیاء علیہم اسلام تبلیغ کا فریضہ اللہ کے اذن سے انجام دیتے تھے اور لوگوں پر بھی فرض تھا وہ ان کا لازماً اتباع کریں کیونکہ یہ اللہ کا حکم تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سب کے سب مبلغ اسلام تھے۔ پھر یہ فریضہ علمائے امت نے انجام دیا پس ہر کس و ناکس تبلیغ کو مذاق نہ سمجھے کیونکہ یہ بڑی سمجھداری کا کام ہے۔

۲۔ ایمان لانا کتنا اچھا کام ہے لیکن اس کے پیچھے بھی اللہ تعالیٰ کا (باطنی) اذن کار فرما ہوتا ہے مثلاً سورۃ یونس میں ہے کہ "اے نبی کیا آپ لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ضرور ایمان لائیں"۔ (یونس ۹۹)

(ایسا ممکن نہیں کیونکہ)

وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ

"اور کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ وہ خدا کے حکم کے بغیر ایمان لا سکے۔ یعنی ایمان کے لئے توفیق الٰہی بھی ضروری ہے"۔ (یونس ۱۰۰)

۳۔ اسی طرح سورہ ابراہیم کی پہلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے:

الٓر کتٰب انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور ٥ باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید ٥

"ہم نے قرآن حکیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں ان کے رب کے حکم سے انہیں اس راستے پر ڈال دیں جو غالب اور قابل تعریف خدا کی طرف جاتا ہے"۔ (ابراہیم ۱)

سورہ احزاب میں ہے:

یایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا و مبشرا و نذیرا ٥ و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا ٥

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد، مبشر اور نذیر اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا، اور چمکتا ہوا چراغ بنا کر بھیجا ہے"۔

چنانچہ قرآن حکیم میں تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ باذن اللہ کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ

Marfat.com

آج ہم لاکھوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی بطور مبلغ وہ نتائج حاصل نہیں کر پاتے جو ایک ماذون حاصل کر لیا کرتا ہے۔ مثلاً معین الدین چشتی یا بابا فرید گنج شکر جیسے بزرگوں کی تبلیغ کے پیچھے "باذن اللہ" کی قوت ہوتی تھی اس لئے ان کی تبلیغ سے لاکھوں غیر مسلم ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ ایک ہم ہیں کہ صبح شام تبلیغ تبلیغ کی رٹ لگاتے رہتے ہیں اور کچھ نہیں ہوتا کیونکہ تبلیغ کرنا ظاہر و باطن میں اللہ کے اذن کے ساتھ مشروط ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ایک ازلی ابدی معجزہ

قرآن مجید فرقانِ حمید

قرآن کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کی طرف سے نازل کردہ ایک ایسا تحریری معجزہ ہے جس کا یہ چیلنج چودہ سو سال سے آج تک قائم ہے کہ:

(۱) وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ ط وادعوا---- تا صٰدقین ○ (بقرہ - ۲۳)

"اور اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کی ہے کچھ شک ہو (اور تم اسے کسی انسان کی تخلیق خیال کرتے ہو) تو اس جیسی ایک سورۃ تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

فان تفعلوا---- اعدت للکفرین۔ (بقرہ آیت - ۲۴)

"پس اگر ایسا نہ کر سکو اور تم ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے۔ تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور جو (رسول کریم ﷺ اور قرآن کے) منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔"

(۲) ام یقولون افترٰیہ ط قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریٰت۔ (ھود:۱۳) "اے نبی ﷺ! کیا وہ (کافر حضرات) یہ کہتے ہیں کہ اس ﷺ نے قرآن از خود بنا لیا ہے؟ فرما دیجئے تو اچھا تم بھی قرآن جیسی دس سورتیں بنا لاؤ اگر تم سچے ہو تو۔؟"

(۳) ام یقولون افترٰیہ ط قل فاتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ○ (یونس:۳۸)

"کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے قرآن کو اپنی طرف سے بنایا ہے؟ فرما دیجئے۔ تو تم اس

Marfat.com

قرآن جیسی ایک سورۃ ہی بنالاؤ- اور خدا کے سوا جن کو تم (اس کام میں اپنی مدد کے لئے) بلا سکتے ہو اُن کو بھی بلالو- اگر تم سچے ہو-"

(۴) پھر جنات اور انسانوں ہر دو مخلوقات (جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا) کو مشترکہ چیلنج کیا کہ:

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القران لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیراO

اسرائیل:۸۸)

"(اے نبی ﷺ! اعلان) فرمادیجئے کہ اگر انسان اور جنات- قرآن جیسا کلام بنالانے کے لئے اکٹھے ہو جائیں تو بھی وہ اس جیسا کلام نہیں لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کر دیکھیں-"

(۵) ام یقولون تقوله بل لایومنون ج فلیاتوا بحدیث مثله ان کانوا صدقینO (طور- ۳۳-۳۴)

"کیا وہ (کافر) یہ بات کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن از خود بنالیا ہے؟ (اے نبی ﷺ! یہ بات نہیں) بلکہ اُن کا ایمان لانے کا پروگرام ہی نہیں ہے پس اگر وہ اپنی بات میں سچے ہیں تو اس (قرآن) کی مثل کلام تو لا کر دکھائیں!؟"

تو قرآن حکیم کے اس چیلنج کو آج تک کسی نے قبول نہیں کیا- قرآن حکیم کے بے مثل اور لاجواب ہونے کے اعجاز نے ساری دنیا کو لاجواب کر رکھا ہے' اور دنیا کی کوئی طاقت نہ اس میں تحریف کر سکتی ہے- نہ اسے مٹا سکتی ہے' اور نہ اس کی مثل کہیں سے لا سکتی ہے- کیونکہ اس کی محافظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے-

اسماء القرآن: امام ابن جریر طبری کے مطابق وہ نام ہیں: (۱) القرآن (۲) الفرقان' (۳) الکتاب' (۴) الذکر- (تفسیر طبری)

القرآن: قرآن کے معنی ہیں- سب سے زیادہ پڑھی جانے والی محفوظ کتاب جیسے- بل هو قران مجید فی لوح محفوظ-

الفرقان: کا مطلب ہے حق اور باطل میں تمیز قائم کرنے والا- جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے- تبرک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعلمین نذیراO (۲۵-۱) (۱۸۵/۲)

Marfat.com

الکتاب: یہ پیغام خداوندی چونکہ تحریری شکل میں ہے اس لئے اسے الکتاب کہا گیا۔ ذٰلک الکتٰب لا ریب ج فیہ (بقرہ۔۲) نیز "کہف۔۱)

الذکر: ذکر کا مطلب ہے یاد دہانی۔ یا نصیحت۔ یا بات چیت۔ تو چونکہ قرآنِ کریم انسان کو اس کا بھولا ہوا راستہ یا سبق یاد دلاتا ہے نیز اُسے نصائح سے بھی نوازتا ہے۔ نیز اس کی تلاوت کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے اور اُس سے گویا بات چیت کرتا ہے۔ لہٰذا اس کو الذکر بھی کہا گیا ہے۔ **وانہ لذکرلک و لقومک** یعنی اے نبی! یہ قرآن آپ ﷺ کے لئے بھی "ذکر" ہے اور آپ کی قوم کے لئے بھی۔ (زخرف۔۴۴)

ان اسماء کے علاوہ بھی قرآن حکیم کے بہت سے نام قرآن حکیم میں ہی ملتے ہیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ المبارک: وھذا کتٰب انزلنہ مبٰرک (۶/۱۵۵)

۲۔ الحکیم: والقرآن الحکیم (یس۔ ۲)

۳۔ المبین: تلک آیٰت الکتٰب المبین۔ (۱۲-۱)

۴۔ العربی: انا انزلنٰہ قرٰان عربیا۔ (۱۲-۲)

۵۔ العجب: قالوا انا سمعنا قرانا عجبا۔ (۷۲-۱)

۶۔ المجید: والقران المجید۔ (۵۰-۱)

۷۔ العظیم: والقران العظیم۔ (۱۵-۸۷)

۸ العزیز: وانہ لکتٰب عزیز(۴۱-۴۱)

۹۔ صراط المستقیم: اھدنا الصراط المستقیم۔ (۱-۵)

۱۰۔ نور: وانزلنا الیکم نور مبینا۔ (۴-۱۷۵)

۱۱۔ موعظۃ: قد جاء تکم موعظۃ من ربکم و شفاء لما فی الصدور۔ (۱۰-۵۷)

۱۲۔ شفاء قد جاء تکم موعظۃ من ربکم و شفاء لما فی الصدور۔ (۱۰-۵۷)

۱۳۔ البرھان: قد جاء کم برھان من ربکم۔ (۴-۱۷۵)

۱۴۔ البصائر: قد جاء کم بصائر من ربکم۔ (۶-۱۰۴)

۱۵۔ البیان: ھذا بیان للناس۔ (۳-۱۳۸)

Marfat.com

۱۸- الھدی: شھر رمضان الذی انزل فیہ القران ھدی للناس (۲-۱۸۵)

۱۹- بینۃ: فقد جاء کم بینۃ من ربکم- (۶-۱۵۷)

۲۰- الرحمۃ: ورحمۃ للمئومنین- (۲۷-۷۷)

۲۱- کلام اللہ: حتی یسمع کلام اللہ- (۹-۶)

۲۲- المصدق: مصدق الذی بین یدیہ- (۶-۹۲)

۲۳- المھیمن: مھیمنا علیہ- (۵-۴۸)

۲۴- المفصل: ھوالذی انزل الیکم الکتب مفصلا ط (۶-۱۱۴)

۲۵- ذکری: وذکرٰی للمئومنین- (۱۱-۱۲۰)

۲۶- احسن الحدیث: اللہ نزل احسن الحدیث کتٰبا- (۳۹-۲۳)

۲۷- الحق: قد جاء کم الحق من ربکم- (۱۰-۱۰۸)

۲۸- التذکرۃ: ان ھذہ تذکرۃ- (۷۳-۱۹)

۲۹- التبصرۃ: تبصرۃ وذکرٰی لکل عبد منیب- (۵۰-۸)

۳۰- التنزیل: وانہ لتنزیل رب العلمین- (۲۶-۱۹۲)

آیت قرآن: آیت کا مطلب ہے- نشانی، معجزہ مثلاً الم الرہ اللہ الصمد○ یہ سب آیات ہیں حم یہ بھی ایک آیت ہے- آیت کا مطلب ایک فقرہ یا جملہ بھی لیا جاتا ہے- آیات بڑی بڑی بھی ہوتی ہیں مثلاً آیت الکرسی اور چھوٹی چھوٹی بھی مثلاً الم- یٰسٓ وغیرہ آیات کو نشانی معجزہ اس لحاظ سے بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کا کلام سراپا معجزہ ہوتا ہے اس کی مثل و مثال نہیں لائی جا سکتی- کیونکہ اس کو خدائے حی وقیوم سے نسبت ہے جس طرح اللہ کو زوال نہیں اسی طرح کلام اللہ کو بھی زوال نہیں- جو اللہ کو نہ مانے وہ بھی کافر- حتیٰ کہ قرآن کی ایک آیت یا اس سے بھی کم کا منکر بھی کافروں میں شمار ہوتا ہے-

سورۃ: سورہ کے لغوی معنی ہیں- کسی پر چڑھ جانا- حملہ کرنا- سرت الحائط و تسورتہ کے معنی ہیں- "میں دیوار پر چڑھ گیا- السور- شہرپناہ کو کہتے ہیں- اسی سے اس کے معنی بلندی، رفعت، شرف وفضیلت، بلندی وبرتری لئے جاتے ہیں- سورۃ السلطان سے بادشاہ کی شان و شوکت، جاہ و جلال اور زور و دبدبہ مراد لیتے ہیں- غرضیکہ السورۃ درجہ مرتبہ قدرومنزلت نیز اس عمارت کو کہتے ہیں جو خوبصورتی کے ساتھ آسمان کی طرف بلند ہوتی ہوئی اٹھ گئی ہو

Marfat.com

سورہ کے معنی علامت بھی لئے جاتے ہیں۔ (تاج العروس محیط)

قرآنی سورۃ میں چونکہ اللہ کا کلام اور اس کے ارشادات محفوظ و مامون ہوتے ہیں جس طرح شہر پناہ سے شہر کی حفاظت ہوتی ہے۔ اس لئے انہیں سورہ کہا جاتا ہے۔ (تاج العروس)

نزول قرآن: قرآن حکیم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چالیس سال کی عمر میں آہستہ آہستہ نجماً نجماً (ٹکڑوں میں) نازل ہو کر ۲۲ سال ۲ مہینے اور ۲۲ دن میں مکمل ہوا۔ قرآن حکیم کو قول ثقیل بھی کہا گیا ہے:

انا سنلقی علیک قولا ثقیلا (مزمل:۵)

"ہم عنقریب آپ ﷺ پر ایک بھاری فرمان نازل کرنے والے ہیں۔"

کیونکہ یہ وہ بھاری کلام ہے کہ جب اسے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور زمین اور آسمانوں پر پیش کیا تو وہ اس کے تصور سے ہی کانپ گئے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا۔ سخت سردی میں بھی پسینہ آ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نجماً نجماً یعنی ٹکڑوں میں نازل کیا گیا۔ کفار قرآن کے نزول کو کھیل سمجھ کر مطالبہ کرتے تھے کہ یکبارگی کیوں نازل نہیں ہو جاتا تو قرآن نے اُن کو جواب دیا:

وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القران جملۃ واحدۃ ج کذلک ج لنثبت بہ فؤادک ورتلنہ ترتیلا ○ (فرقان:۳۲)

"اور کافر کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ پر قرآن ایک ہی دفعہ سارے کا سارا کیوں نہیں اتارا گیا۔ اس طرح (آہستہ آہستہ) اس لئے (اتارا گیا) تاکہ ہم اس سے آپ ﷺ کے دل کو قائم رکھیں اور (اسی لئے) ہم اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔"

اس میں دوسری یہ حکمت پوشیدہ تھی کہ آہستہ آہستہ صحابہ کو تعلیم القرآن یاد ہوتی جا رہی تھی اور جملہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اسلام کے مبلغ بننے والے تھے۔

جمع و تدوین: قرآن حکیم جیسے جیسے نازل ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اپنے کاتبانِ وحی کو حکم دیتے اور وہ نازل شدہ آیات کو قلمبند کرتے جاتے اور ساتھ آپ ﷺ ارشاد ربانی کے مطابق نئی آیات اُترنے کے بعد، اُن کا مقام کتابت کہ وہ کس سورۃ کے ساتھ یا پہلے یا بعد لکھنی ہے۔ بھی بتلا دیتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق قرآن حکیم جس ترتیب سے حضور علیہ السلام نے مرتب کروایا تھا۔ وہی آج بھی اپنی اصل ترتیب میں اصل متن کے ساتھ ہمارے پاس محفوظ موجود ہے۔ نیز صحابہ کرام کی کثیر تعداد نے حفظ یاد کر لیا تھا اور تحریری طور پر بھی موجود تھا اور زید بن ثابت نے آخری سال رسول خدا اور جبریل کو قرآن کا دور کرتے سنا اور اپنا لکھا ہوا قرآن حضور ﷺ کو بھی سنایا تھا۔

بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ عہد نبوی میں حضرت ابی بن کعبؓ معاذ بن

Marfat.com

جبل، زید بن ثابت اور انسؓ کے چچا ابو زید کے پاس قرآن موجود تھا۔

حفاظت کا ذمہ: قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہے۔ ان علینا جمعہ، و قرانہ۔ یعنی اس کا جمع کرنا اور اس کی تلاوت کروانا ہماری ذمہ داری ہے۔ (۷۵-۱۷)

نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (۱۵-۹)

ہم نے ہی ذکر نازل کیا ہے اور ہم یقیناً اس کے محافظ بھی ہیں۔

آپ ﷺ کا زمانہ قرآن کو زبانی یاد رکھنے کا زمانہ تھا کیونکہ لوگ تحریر سے کم کم واقف تھے اور اُن کا حافظہ بلا کا ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ عربوں کو اپنی اونٹنیوں کا شجرہ بھی کئی کئی پشتوں تک صحت کے ساتھ زبانی یاد ہوتا تھا۔ چنانچہ قرآن کے حفاظ بے شمار صحابہ کرام تھے اور تحریری شکل میں بھی اُن کے پاس قرآن موجود تھا۔

صدیقی کارنامہ: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں قرآن کے حفاظ صحابہ کی کافی بڑی تعداد شہادت پا گئی (جن کی تعداد ستر بتائی جاتی ہے۔ (فتح الباری)

ان صحابہ کے پاس قرآن تحریری طور پر بھی موجود تھا اور اُن کو زبانی بھی یاد تھا۔ چنانچہ خطرہ یہ پیدا ہوا کہ اگر یہ حفاظ کرام شہادت پاتے گئے تو مبادا قرآن تحریری طور پر ناپید ہو جائے کیونکہ عہد صدیقی میں جگہ جگہ مرتدوں اور باغیانِ اسلام کے خلاف محاذ کھل چکے تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ کے مشورہ سے صدیق اکبرؓ کے عہد میں حضرت زید بن ثابت (کاتب وحی) کی قیادت میں (جن کی عمر ہجرت کے سال صرف گیارہ برس کی تھی لیکن اللہ اور رسول کے ساتھ عشق کا یہ حال تھا کہ سارا قرآن زبانی یاد تھا حتیٰ کہ آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت زید نے یہودیوں کی زبان پر بھی عبور حاصل کر لیا تھا۔ جن کی عمر اب ۲۳ سال کی تھی۔) ایک کمیٹی مقرر کی گئی، اور آخر انتہائی احتیاط، محنت اور تحقیق و تدقیق کے بعد قرآن حکیم کو قرطاس پر قلمبند کیا گیا۔ یہ نسخہ الگ الگ صحیفوں میں تھا اس لئے اسے صحف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ صحف کا یہ مستند مجموعہ (صحف شریف) پہلے صدیق اکبرؓ کی تحویل میں رہا پھر حضرت عمرؓ کی حفاظت میں آیا اور ان کی شہادت کے بعد اُم المومنین حضرت حفصہؓ کے سپرد ہوا۔ (البدایہ والنہایہ از ابن کثیر)

امام ابن حزم نے لکھا ہے کہ صدیقی عہد میں قرآن حکیم کے مکمل نسخے تقریباً ایک لاکھ کی تعداد میں بلادِ اسلامیہ میں موجود تھے۔

عثمانی کارنامہ: آغاز نزولِ قرآن سے لے کر حضور ﷺ کے وصال تک عربوں کو اپنے اپنے لہجے میں قرآن کی تلاوت کی اجازت تھی۔ یہ لہجے سات تھے جو بہت مشہور تھے۔ مثلاً بعض

Marfat.com

قبائل یَفعَلُ کو یِفعِلُ اور اسلم کو عِسلم بولتے ہیں بعض قبائل میں جمع کی علامت بجائے نون کے میم ہے۔ ہجے اور تلفظ کا مجموعی نام عربی میں قرأت کہلاتا ہے۔ عرب میں سات بڑے بڑے قبائل اپنی قرأت میں قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ کیونکہ اختلاف قرأت سے معانی میں کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔

حضرت عثمان کے دور میں اسلامی سلطنت کا دائرہ عرب سے نکل کر دور دور تک پھیل چکا تھا اور غیر عرب اقوام بھی اسلام قبول کر رہی تھیں۔ چنانچہ جب اُن تک قرآن کے سات لہجے پہنچے تو وہ تذبذب کا شکار ہو جاتے تھے کہ وہ کونسا لہجہ مستند سمجھ کر پڑھیں۔ کیونکہ یہ لوگ ساتوں لہجے نہیں نبھا سکتے تھے۔ چنانچہ عثمانی عہد میں حضرت حذیفہؓ عراق و ایران کی شمالی سرحدوں پر جہاد کے لئے گئے تو وہاں آپ نے بعض افراد کو قرأتوں کے معاملے میں اپنی اپنی قرأت کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے اور دوسری قرأتوں کے بارے میں حد سے گزرتے ہوئے دیکھا تو اس کے انجام پر غور کر کے کانپ گئے۔ کہ اس طرح ایک دن قرآن حکیم نزاع کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا جہاد سے فارغ ہو کر آپؓ مدینہ منورہ آئے تو حضرت عثمان کو اس صورت حال سے آگاہ کیا اور پھر صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے حضرت عثمان نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس والا مصحف شریف منگوایا جو قریش کے لہجے میں منضبط کیا گیا تھا اور اس کی مستند نقول تیار کروا کر مفتوحہ علاقوں کے ہر صوبائی دار الحکومت کو بھجوا دیں۔ ان نسخوں کو مصاحف الائمہ (یعنی معیاری اور مستند مصاحف) بھی کہتے ہیں۔ (لسان العرب)

حضرت عثمانؓ اور آپ کی مجلس شوریٰ کی اس پیش بینی کا ثمر یہ ہے کہ آج قرآن حکیم میں لفظی اختلاف تو ایک طرف زیر زبر اور پیش کا اختلاف بھی نہیں ملتا۔ چنانچہ عثمانؓ کو اس کارنامہ کی وجہ سے جامع القرآن کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی قرآن کی قرأتوں میں اُمت مسلمہ کو ایک قرأت پر جمع کرنے والے۔

اِعراب: پہلے قرآن کریم کے الفاظ پر اعراب نہ تھے۔ یہ ۵۰ھ کے بعد لگائے گئے۔ پہلے یہ نقطوں کی شکل میں لگائے جاتے تھے اور دیگر نقطوں سے الگ کرنے کے لئے اعراب والے نقطوں کو الگ سیاہی سے لکھا جاتا تھا۔ یہ خدمت حضرت علی المرتضیٰؓ کے شاگرد ابو الاسود دُئلی اور اُن کے شاگردوں نصر بن عاصم اور یحییٰ بن معمر نے انجام دی، اور اعراب کو آخری شکل عباسی عہد میں ایک عالم خلیل بن احمد نے دی جو آج تک قائم ہے۔ (البدایہ والنہایہ۔ تہذیب التہذیب، تذکرۃ الحفاظ وغیرہ)

مصحف عثمانؓ کے تاریخی نسخے: حضرت عثمانؓ کا مصحف جو آپ کی شہادت کے وقت آپ کے سامنے موجود تھا اور جس پر آپ کا خون بھی گرا تھا اس کا سراغ قریب قریب مسلسل اور مربوط حوالوں سے چوتھی صدی ہجری تک ملتا ہے۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے محقق ابو عبیدہ القاسم بن سلام (م۔ ۲۲۳ھ) نے کتاب القرأت میں بیان کیا ہے کہ اس نے اس

Marfat.com

مصحف مقدس کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ابن بطوطہ نے اسے آٹھویں صدی ہجری میں خود دیکھا تھا۔ ابو تیمور کے زمانے میں دسویں صدی ہجری میں ابو بکر شاشی نے اسے حضرت عبداللہ کے مزار رکھ دیا۔ ۱۹۵۹ء میں روس کے ایک رسالہ "سویٹ دیس" میں اس مصحف کے بارے میں کہا گیا تھا کہ تیمور کے ۱۳۹۳ء میں قائم ہونے والے کتب خانہ میں موجود تھا۔ پھر نہ جانے کن حالات میں یہ نسخہ سمرقند کی مسجد خواجہ احرار میں پہنچا اور صدیوں تک اس کے مرمریں ستون سے زنجیروں کے ساتھ معلق رہا۔ ۱۸۶۸ء میں روس کا قبضہ بخارا پر ہوا تو روسی گورنر جنرل "وان کاف مان" نے اسے خرید کر پیٹرس برگ کے شاہی کتب خانہ میں تحفتہ رکھوا دیا۔ ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے بعد یہ نسخہ روسی پارلیمان کے مسلم نمائندوں کے جلو میں حکومتی حکم کے مطابق اوفا پہنچا۔ پھر اسے تاشقند لایا گیا۔ روسی نشریہ میں اس نسخہ پر حضرت عثمانؓ کے خون کے دھبوں کا بھی ذکر ہے، اور کہا گیا ہے کہ روسی مستشرقین نے اس نسخہ کی قدامت کو تسلیم کیا ہے۔ (بحوالہ علی گڑھ یونیورسٹی کا مجلّہ علوم اسلامیہ کا شمارہ دسمبر ۱۹۶۱ء مضمون جناب ابو محفوظ الکریم معصومی۔ بہ عنوان مصحف عثمانی کے تاریخی نسخے۔ بحوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں از غلام احمد پرویز۔ صفحہ ۲۲۰۔ ۲۲۳ (۱۹۷۷ء ایڈیشن)

ایک اور نسخہ جو مدینہ میں موجود تھا۔ اسے جنگ عظیم میں ترکی کے گورنر فخری پاشا دیگر متبرکات کے ساتھ قسطنطنیہ لے گئے تھے جو اب تک وہاں پر ہی موجود بتایا جاتا ہے۔

شبلی نعمانی مرحوم نے ایک اور مصحف عثمانی کے بارے میں لکھا تھا کہ انہوں نے جامعہ دمشق میں (غالباً ۱۸۹۲ء میں) اس کی زیارت کی تھی۔

ایک اور مصحف عثمانی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فاس میں ہے۔ ایک اور کتب خانہ خدیو (مصر) میں اور کوفہ میں بھیجا جانے والا نسخہ قسطنطنیہ میں ہے۔ ایک نسخہ لندن میں بھی ہے۔

اسلوبِ قرآن: قرآن حکیم کا اسلوب بیان انوکھا اور بے نظیر ہے۔ اس کے پیرایہ کا وجود نہ قرآن سے پہلے کسی کتاب کی شکل میں موجود تھا اور نہ بعد کی کسی کتاب میں ہے۔ اس کی نہ کوئی نقل اتار سکا اور نہ تجزیہ کر سکا جس کسی نے بھی اس میں جس قدر گہرائی میں جا کر غور کیا وہ اس کی کنہ اور ماہیت سے آگاہی کا دعوی نہ کر سکا۔ قرآن کا اسلوبِ کلام تمام انواعِ کلام کا جامع ہے۔ یہ شعر نہیں مگر شعر سے بہت آگے یہ خطابت نہیں مگر اس کی خطابت بہت آگے بڑھی ہوئی ہے۔ غرض اسے کسی ایک صنف میں بند نہیں کیا جا سکتا لیکن پھر بھی طرزِ بیان کی خوبیوں اور رعنائیوں سے بھرپور ہے۔ اس کا پیرایہ سخن دل پر اثر کرتا ہے لیکن ذہن کی گرفت میں نہیں آ سکتا۔ اس کو کما حقہ سمجھ لینے کا کوئی بھی دعوی نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہر شناور اپنی بے مائیگی اور کم ہمتی کا شکوہ کرتا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک اس کی بے شمار تفاسیر لکھی جا چکی ہیں۔ مگر کوئی بھی حرف آخر نہیں کہلا سکتی۔

قرآن حکیم ہر طرح کے عیب اور ضعف سے بھی پاک ہے۔ اہل عرب فصاحت و بلاغت کے

Marfat.com

فلک کے ستارے تھے، لیکن اُن کے سب دعوے قرآن مجید کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئے۔ حتیٰ کہ بعض مسلم الثبوت شعراء قرآن سن کر مسلمان ہو گئے اور آئندہ کے لئے شاعری چھوڑ دی۔ کیونکہ اس کے الفاظ میں جامعیت کے ساتھ ساتھ معنوں میں جو وسعتیں پائی جاتی ہیں اُن کا تصور تو کیا جا سکتا ہے لیکن اُن کو احاطہ ادراک میں نہیں لا جا سکتا۔

ہر ذہن کی سطح کے مطابق: قرآنِ حکیم کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ ہر ذہن کا آدمی اسے پڑھتا ہے اور اپنی استعداد کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتا ہے۔ حسن صوت اور شیرینی کا یہ حال ہے کہ جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ بھی اس کے گرویدہ اور دلدادہ ہیں یہ شائستگی اور پاکیزگی کا مرقع ہے، اور حیاء کا دامن کہیں بھی مجروح نہیں ہوتا۔ تکرار ایسی دلفریب کہ کانوں کو بھلی لگتی ہے اور دل پر اثر کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے رُوحانی، علمی اور عملی سہ گونہ انقلاب کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ دُنیا میں آج تک کوئی شخص بھی قرآن کا جواب پیش نہیں کر سکا۔

فصاحت و بلاغت: نزولِ قرآن سے پہلے کعبہ مکرمہ پر سات عظیم قصیدے جو فصاحت و بلاغت کا مرقع تھے لٹکائے گئے تھے۔ اُن کو "سبع معلقات" کہا جاتا تھا۔ جن کے مصنفین اپنے وقت کے چوٹی کے شاعر تھے۔ جب قرآن حکیم نازل ہونا شروع ہوا تو ان شعراء نے قرآن کو سن کر انتہائی حیرت کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ قرآن کے مقابلے میں ان کو وہ سبع معلقات ہیچ نظر آنے لگے اور پھر ان کو اُتار دیا گیا۔ کتابوں میں وہ سبع معلقات آج بھی ملتے ہیں، لیکن قرآن سے اُن کو سورج اور ذرہ والی نسبت بھی نہیں۔

حضرت لبید بن ربیعہؓ انہی سبع معلقات کے مصنفین میں سے ایک تھے۔ وہ قرآن سن کر ایمان لائے اور اسلام لانے کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے، لیکن اس ساٹھ سالہ دور میں انہوں نے ایک شعر کے سوا کچھ نہ کہا۔ ایک دفعہ عمرؓ فاروق نے اپنے عہد خلافت میں حضرت لبیدؓ سے شعروں کی فرمائش کی تو انہوں نے سورہ بقرہ پڑھی اور عرض کی کہ سورۃ بقرہ سیکھنے کے بعد مجھے شعر کہنے کی ہمت ہی نہ پڑی۔

ابو عبیدہ قاسم بن سلام بغدادی (متوفی ۲۲۳ھ) جو امام شافعیؒ کے شاگرد اور بڑے قابل فقیہ اور امام تھے، کہتے ہیں کہ ایک بدو اعرابی نے کسی سے یہ آیت سنی تو فوراً سجدہ کیا۔

فاصدع بما تئومر۔ (حجر:۹۴)

"یعنی تو کھول کر بیان کر دے جو تجھے حکم ملا ہے۔"

اور پھر اُس اعرابی نے کہا کہ میں نے اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کیا ہے۔

ایک دفعہ کسی اعرابی نے سورۃ یوسف کی یہ آیت سنی:

فلما استایئسو منه خلصوانجیاط

"تو جب وہ اُس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے۔" (یوسف۔ ۸۰)

Marfat.com

اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ کلام کسی انسان کا تخلیق کردہ نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مخلوق اس کی مثل تخلیق کرنے پر قادر ہے۔ ابن مقنع تابعین کے دور کا ایک عظیم صاحب فصاحت و بلاغت تھا۔ اُس نے قرآن کے مقابلے میں کچھ تخلیق کرنے کی ٹھانی۔ ایک دن ایک اسلامی مدرسے کے پاس سے گزرتے ہوئے یہ آیت سنی:

وقیل یارض ابلعی ماءک ویسماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی و قیل بعدا للقوم الظلمین ○(ھود:۴۴)

"اور حکم دیا گیا اے زمین اپنا پانی پی جا۔ اے آسمان تو برسنے سے رُک جا اور پانی سکھایا گیا اور معاملہ نبیڑا گیا۔ اور کشتی جودی پہاڑ پر رُکی اور حکم ہوا کہ دُور ہو بے انصاف قوم۔"

چنانچہ وہ اس آیت کی فصاحت سے اس قدر متاثر ہوا کہ گھر آتے ہی وہ کلام جو اُس نے قرآن کے مقابلہ میں گھڑا تھا۔ ضائع کر دیا اور بولا۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ یہ انسانی کلام ہرگز نہیں۔" (شفا شریف۔ مواہب لدنیہ۔ سیرت رسولِ عربی از نور بخش توکلی)

مسیلمہ کذاب نے سورہ کوثر کے مقابلہ میں یہ کلام گھڑ کر پیش کیا:

انا اعطینٰک الجواھر۔ فصل لربک وھاجر۔ ان مبغضک رجل فاجر۔

"بیشک ہم نے تجھے جواہر عطا کئے۔ پس تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور ہجرت کر۔" بیشک تیرے ساتھ بغض رکھنے والا بدکار آدمی ہے۔"

ظاہر ہے کہ مسیلمہ نے پہلی دو آیتوں میں قرآن سے سرقہ کیا اور صرف جواہر اور ہاجر اپنی طرف سے لگائے، اور تیسری آیت اپنی طرف سے گھڑی، لیکن فصاحت کے جو دریا سورہ کوثر میں موجزن ہیں وہ اِس جعلی کلام میں کہاں۔

مسیلمہ کذاب نے خود پر وحی آنے کا دعویٰ کیا۔ چند فقروں کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"اے دو مینڈکوں کے جوڑے کی جنی ہوئی مینڈکی! تو جو صاف کرتی ہے سو صاف کرتی ہے تیرا بالائی حصہ پانی میں اور زیریں کیچڑ میں ہوتا ہے۔ نہ کسی پینے والے کو روکتی ہے نہ پانی کو گدلا کرتی ہے۔ ملک آدھا ہمارا اور آدھا قریش کا ہے، لیکن قریش ظالم ہیں۔"

مسیلمہ نے سورہ "العادیات" کی طرز پر یوں طبع آزمائی کی:

والمبدیات زرعا والحاصدات حصدا والذاریات قمحا والطاحنات طحنا ۰ الحاجنات عجنا والخابزات خبزا والثاردات ثردا واللا قمات لقما اھالة وسمنا لقد فضلتم

Marfat.com

علی اهل الوبر وما سبقکم علی المدد۔

"قسم ہے کھیتی بونے والیوں کی، اور گیہوں پھٹکنے والیوں کی اور پسائی کرنے والیوں کی اور آٹا گوندھنے والیوں کی اور روٹی پکانے والیوں کی اور ثرید پکانے والیوں کی اور گھی کے ساتھ پے در پے لقمے توڑنے والیوں کی کہ (اے میرے قبیلہ والو!) تمہیں صحرانشینوں پر فضیلت دی گئی ہے، اور شہریوں پر تمہیں کیا ہی سبقت حاصل ہے۔"

اسی طرح کی خرافات لانے کی سعی کرنے والے خود مٹ گئے لیکن قرآن کی مثل نہ لا سکے کیونکہ خالق اور مخلوق کا بھلا کیا مقابلہ؟

آخری صحیفہ اور مکمل نظام حیات: قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا جانے والا آخری آسمانی صحیفہ ہے۔ جس کے ذریعے دین اسلام، جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، کی تکمیل فرما دی گئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ "اور جس پر یہ نازل ہوا، اُسے خاتم النبین کہا گیا ہے، اور آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی۔"

چنانچہ بنی نوع انسان کو حکم ہوا کہ اسی کے مطابق فیصلے کریں اور اسی کو مانیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون۔

"اور جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلے نہ کرے تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں۔"

آسان ترین ہدایت نامہ: قرآن حکیم حکمت اور علم کا خزانہ بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا انداز ایسا ہے کہ ہر کہ ومہ اس کی بنیادی تعلیمات تک آسانی سے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے کسی گہری باؤلی کی تعمیر میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ ایک مسافر بغیر ڈول اور رسی کے پیدل چل کر اس تک رسائی حاصل کرکے فیضیاب ہو سکے۔ یہ بات قرآن حکیم میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ (قمر:۱۷)

"اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ تو کیا کوئی ہے۔ جو سوچے سمجھے؟"

سورہ قمر میں یہ آیت چار بار آئی ہے۔ جس سے قرآن کے آسان ہونے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

کلام اللہ کے مخاطبین: قرآن حکیم دراصل رسول اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی باتیں ہیں۔ اس کے اولین مخاطب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پھر تمام

Marfat.com

انسان۔ اللہ تعالیٰ جب انبیائے سابقین کے بارے میں آیات نازل فرماتا ہے تو آپ ﷺ کی امت کو ان کے حالات سے واقف کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جب اوامر و نواہی کا معاملہ ہو تو بھی آپ کے علم میں اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ اس طرح دوسرے لوگ بھی ان امور سے آگاہ ہو سکیں۔ نیز جنات بھی قرآن حکیم کے مخاطبین ہیں جیساکہ سورہ الرحمٰن میں ہے۔

(۲) کہیں اللہ تعالیٰ یایھا النبی۔ یایھا المزمل، یایھا المدثر وغیرہ کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ تو اس طرح آپ ﷺ کی عظمت ظاہر کرنے کے علاوہ بعض خصوصی معاملات میں آپ کی رہنمائی مقصود ہوتی ہے۔ جہاں کہیں عوام الناس، کفار اور اہل ایمان سے براہ راست خطاب ہے تو اس سے بھی حضور ﷺ کی وساطت سے ان گروہوں کو تعلیم ربانی دینا مقصود ہوتا ہے۔

غرضیکہ قرآن حکیم کا انداز و اسلوب بات چیت کا انداز و اسلوب ہے۔ چٹھی کا انداز نہیں ہے۔ جب کوئی اس کی تلاوت کرتا ہے تو گویا وہ خود کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام پاتا ہے۔ کہیں یہ ہمکلامی حضور ﷺ کی معرفت کی گئی ہے۔ مثلاً قل ھو اللہ احد۔ قل یایھا الکفرون۔ قل ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا۔ وغیرہ اور کہیں یایھا الناس۔ یا اہل ایمان کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ بہرحال اس کے مخاطبین میں انسان سرفہرست ہے۔

کہیں اس کلام کی معرفت اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور عنایتیں برس رہی محسوس ہوتی ہیں۔ کہیں اس کلام کے ذریعے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں تقسیم ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ چنانچہ اس کے نادر اسلوب اور طرز بیان کی وجہ سے قرآن حکیم کی انفرادیت کھل کر سامنے آتی ہے۔

قرآن کی تلاوت اور اس کا سننا باعث رحمت ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واذا قری القران فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون O (اعراف: ۲۰۴)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموشی اختیار کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔"

اس کی تلاوت نہایت آرام و سکون سے آہستہ آہستہ کرنی چاہیے۔

ورتل القران ترتیلا O "اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرو۔" (مزمل۔ ۴)

نیز فرمایا: وننزل من القران ماھو شفاء ورحمۃ للمئومنین (بنی اسرائیل ۸۲) "اور ہم جو کچھ قرآن میں سے نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔"

کتاب انقلاب: یہ کتاب اچھے معنوں میں انقلاب کی نقیب ہے۔ انقلاب یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ انقلاب لا کر بری راہ اختیار کر لیں، لیکن ایسا انقلاب قابل مذمت ہوتا ہے۔

Marfat.com

قرآنی انقلاب کا خاصہ یہ ہے کہ:

الرٰ قف کتٰب انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور۔ (ابراہیم۔۱)

"یعنی یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگوں کو آپ ﷺ اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف لے جائیں۔

مضامین قرآن: قرآن حکیم میں زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں بنیادی اصول و علوم دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ بہ نظر غائر قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو چار باتیں اس میں بڑی خصوصیت رکھتی ہیں۔ یعنی:

۱۔ جامعیت: یہ کتاب ایسے مضامین و مطالب کا مجموعہ ہے جن سے ہر قوم، ہر نسل، ہر وطن کا انسان ہر زمانے میں فیض اٹھا سکتا ہے۔ اس کی یہی آفاقیت اِسے دوسری کتابوں سے ممتاز کرتی ہے۔ قرآن ہر ایسے انسان کے لئے رہنما و رہبر ہے جو اس سے رہنمائی حاصل کرنے کا خواہش مند ہو۔ اس کے بتائے ہوئے رستے پر کسی کا اجارہ نہیں۔ ہر کوئی اس کی راہ کو اپنا کر اس کے ثمرات سے متمتع ہو سکتا ہے۔

اس کتاب میں سابقہ آسمانی کتب اور صحائف کی ضروری تعلیمات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب سابقہ کتب منزلہ کی مہیمن (پاسبان یا محافظ) ہے۔ یہ کتاب ایک مکمل ضابطۂ حیات اور بے عیب اور غیر متبدل دستورِ زندگی ہے۔ نیز یہ ایمانیات، عبادات اور معاملات وغیرہ حتیٰ کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں کو منور کرتی ہوئی انسانی رہبری کا سامان مہیا کرتی ہے۔

۲۔ وحدت: اس کتاب میں یکجہتی، مکمل ہم آہنگی، موافقت اور موزونیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ اس میں کوئی کجی نہیں:

(۱) قرانا عربیا غیر ذی عوج لعلھم یتقون۔ (زمر:۲۸)

"یعنی فصیح قرآن ہے جس میں کوئی کجی نہیں۔ تاکہ لوگ متقی بن جائیں۔"

(۲) الحمدللہ الذی انزل علٰی عبدہ الکتٰب ولم یجعل لہ عوجا۔ (الکہف:۱)

"اللہ ہی تعریف کے قابل ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔"

(۳) ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔

Marfat.com

(النساء ۸۲)

"اور اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور شخص کی طرف سے آتا تو اس میں بہت اختلاف ہوتا۔"

وحدتِ مضامین قرآن کریم کی وہ خصوصیت ہے جس سے انکار کفر ہے۔ اس میں "کچھ لو اور دو۔" والا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ کہ قرآن کی بعض آیات یا حصوں پر ایمان رکھا جائے اور بعض کا معاذ اللہ کسی بہانے انکار کر دیا جائے۔ جیسے یہودیوں کا تورات کے بارے میں عمل تھا۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح آیا ہے:

افتئومنون ببعض الکتٰب و تکفرون ببعض ج (بقرہ:۸۵)

"یعنی کیا تم کتاب کا کچھ حصہ صحیح مانتے ہو اور کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو۔"

۳۔ **محکمیت:** قرآن عزیز کی آیات کو محکم بھی کہا گیا ہے۔

کتٰب احکمت آیٰتہ۔ (ھود-۱) یہ ایک کتاب ہے جس کی آیات محکم کر دی گئی ہیں۔ نیز اسے قرآن حکیم بھی کہا ہے۔ کتٰب حکیم اور الذکر الحکیم بھی۔

حکیم سے مراد ہے حکمت و دانائی سے پر۔ نیز محکم و مضبوط اور باطل سے محفوظ اور ہر طرح کے عیب، ضعف یا نقص سے پاک۔

وانہ لکتٰب عزیزo لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ط تنزیل من حکیم حمیدo (حم سجدہ ۴۲)

"اور وہ ایک غالب (مضبوط) کتاب ہے۔ اس میں باطل نہ سامنے کی طرف سے داخل ہو سکتا ہے، اور نہ پیچھے سے۔ یہ اُتاری ہوئی ہے حمد والے حکیم کی طرف سے۔"

قرآن کی غالبیت ہی اس کی محکمیت کی دلیل ہے۔ اس کی تعلیم اور احکامات کو بھی پختہ کہا گیا ہے۔

فیھا کتب قیمہ۔ (۹۸-۳) اس میں پختہ احکامات ہیں۔

ھو الذی انزل علیک الکتٰب ایت محکمٰت من ام الکتٰب واخر متشبھٰت ط (۳:۷)

"وہی خدا ہے جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی جس کی بعض آیات محکمات ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہات ہیں۔"

۴۔ **تفصیل:** قرآن حکیم ایک مفصل کتاب ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ھو الذی انزل الیکم الکتٰب مفصلا ط (انعام:۱۱۴)

Marfat.com

"اللہ وہ ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی۔"

اُردو میں تفصیل کے جو معنی ہیں۔ عربی میں تفصیل کے وہ معنی مراد نہیں لئے جاتے۔ بلکہ فصل کا مطلب ہے۔

۱۔ الگ الگ کرنا، فرق ظاہر کرنا، التباس اور اشتباہ دور کرنا وغیرہ۔

۲۔ تبیان، کھول کر بیان کرنا۔

۳۔ فیصلہ، دوٹوک بات جیسے۔ **انہ لقول فصل ○ وما ھو بالھزل**۔ یعنی دوٹوک فیصلہ ہے، اور کوئی مذاق نہیں۔ (طارق)

چنانچہ قرآنی تفصیل کا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔

قد فصلنا الایٰت لقوم یذکرون۔ (انعام-۹۷)

"ہم نے آیات کو (حق و باطل میں فرق ظاہر کرنے والی بنا کر) کھول کر رکھ دیا ہے۔ اس قوم کے لئے جو نصیحت پکڑے۔"

ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شئی۔ (النحل:۸۹)

"اور (اے نبیؐ) آپ کی طرف کتاب نازل کی گئی جو ہر چیز کی وضاحت کرتی ہے۔"

مکی اور مدنی سورتیں:

قرآن حکیم مکہ معظمہ میں نازل ہونا شروع ہوا۔ یہاں جو کلام اللہ نازل ہوا اُس کو مکی سورتیں کہتے ہیں اور جو کلام ہجرت کے بعد نازل ہوا چاہے وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا یا کسی نواحی مقام پر۔ اُنہیں مدنی سورتیں کہا جاتا ہے۔

مکی سورتیں عموماً مختصر ہیں۔ جن میں ایمان اور اعتقاد اور توحید و رسالت کا بیان ہے، اور ان میں خطاب عام انسانوں سے ہے۔ جیسے **یا یھا الناس**۔ مدنی سورتیں عموماً طویل ہیں۔ کیونکہ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام اور اہل اسلام کی تعداد بڑھنے کے بعد اُن کے لئے قواعد و ضوابط اور معاشرتی احکام کا بیان ضروری تھا۔ چنانچہ یہ تعلیم مدنی سورتوں میں واضح طور پر ملتی ہے، اور یہاں خطاب عموماً **یا یھا الذین اٰمنوا** کے الفاظ سے ہے۔ مدنی سورتوں کی تعداد اٹھائیس ہے۔ یہ آیات مجموعی طور پر قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ ہیں۔

نازل ہونے کی ترتیب سے مکی سورتیں (جن کی تعداد چھیاسی ہے):

العلق، القلم، المزمل، المدثر، الفاتحہ، اللھب، التکویر، الاعلیٰ، الیل، الفجر، الضحیٰ، الانشراح، العصر، العدیت، الکوثر، التکاثر، الماعون، الکافرون، الفیل، الفلق، الناس، الاخلاص، النجم، عبس، القدر، الشمس، البروج،

Marfat.com

التین، قریش، القارعه، القیمة، الهمزه، المرسلت، ق، البلد، الطارق، القمر، ص، الاعراف، الجن، یس، الفرقان، فاطر، مریم، طه، الواقعه، الشعراء، النمل، القصص، بنی اسرائیل، یونس، هود، یوسف، الحجر، الانعام، الصفت، لقمن، سبا، الزمر، المئومن، حم السجده، الشوری، الزخرف، الدخان، الجاثیه، الاحقاف، الذریت، الغاشیه، الکهف، النحل، نوح، ابراهیم، الانبیاء، المومنون، السجده، الطور، الملک، الحاقه، المعارج، النبا، النزعت، الانفطار، الانشقاق، الروم، العنکبوت، المطففین۔

یہ اٹھائیس سورتیں مدنی ہیں: البقره، الانفال، آل عمران، الاحزاب، الممتحنه، النساء، الزلزال، الحدید، محمد ﷺ، الرعد، الرحمن، الدهر، الطلاق، البینه، الحشر، النور، الحج، المنافقون، المجادله، الحجرات، التحریم، التغابن، الصف، الجمعه، الفتح، المائده، التوبه، النصر۔

(الزرکشی: البرہان فی علوم القرآن ج ۱ صفحہ ۱۹۴-۱۹۳ وغیرہ)

قرآن: سورتوں کی تقسیم و تعداد:

۱- الطوال: بڑی اور لمبی سورتیں یہ تعداد میں سات ہیں:

۲- لمیئون یا المئین: جو سورتیں کم و بیش سو آیات پر مشتمل ہیں۔ ان کی تعداد چھبیس ہے۔

۳- المثانی: سورۃ یس سے ق تک۔ ان کی تعداد باختلاف پندرہ بتائی جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک یاسین سے الحجرات تک جبکہ بعض کے نزدیک سورۃ محمد ﷺ تک کو محیط ہیں۔

۴- المفصل: یہ چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں۔ یہ سورۃ ق سے آخر قرآن مجید تک کو محیط ہیں۔

"المفصل:" میں بھی تین طرح کی سورتیں پائی جاتی ہیں۔

Marfat.com

۱- طوال: سورۃ ق سے المرسلت تک۔
۲- اوساط: سورۃ النبا سے الضحیٰ تک۔
۳- قصار: الانشراح سے الناس تک۔

حروف مقطعات: سورۃ بقرہ کا آغاز الم سے ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی سورت کے شروع میں المص، کھیعص وغیرہ آیا ہے اور اس کے بعد آگے سلسلہ کلام شروع ہوا ہے۔

ایسے حروف جن کو مقطعات کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں انتیس سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں۔ یہ کل چودہ حروف تہجی ہیں۔ یعنی:

ا، ل، م، ص، ر، ک، ھ، ی، ع، ط، س، ح، ق، اور ن۔ قرآن میں ک اور ن۔ ایک ایک مرتبہ، ع، ہ، ی، ق دو دو مرتبہ، ص تین مرتبہ ط چار مرتبہ، س پانچ مرتبہ، ر چھ مرتبہ، ح سات مرتبہ، ا ل تیرہ تیرہ مرتبہ، اور م سترہ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔

ان حروف کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ علمائے کرام نے ان کی تاویلات کی کوشش ضرور کی ہے۔ مگر صرف خیال کی حد تک، اس لئے علمائے راسخین کا خیال ہے کہ یہ حروف متشابہات میں سے ہیں، اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں۔ ان کا کیا مطلب ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ جب اس راز سے حضور علیہ السلام نے خود پردہ نہیں اُٹھایا تو اُسے کوئی اور کیا طشت ازبام کر سکے گا۔

حروف مقطعات یہ ہیں:

الم، المص، الر، المر، کھیعص، طٰہٰ، یس، طس، طسم، حم، حمعسق، ق، ن، ص۔

قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وہی تو خدا ہے جس نے (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں، اور دوسری متشابہات ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں کے اندر کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تا کہ فتنہ بپا کریں اور اصلی مطلب کا پتہ لگائیں، اور اللہ کے سوا اُن کی تاویل کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ الراسخون فی العلم یعنی علم میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں "ہم ایمان لائے ان (متشابہات) پر (ان کے اُن معنوں کے ساتھ جو اللہ کے نزدیک ہیں) یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔" (۳-۷)

سبع احرف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

Marfat.com

انزل القرآن علی سبع احرف فاقروا ما تیسر منه۔"
قرآن مجید سات حروف پر اتارا گیا ہے۔ تمہارے نزدیک جو طریقہ آسان ہو اس کے مطابق اس کی تلاوت کرو۔"

سبع احرف کا کیا مطلب ہے۔ اس بارے میں مختلف آراء ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہیں:

۱۔ اس سے عرب کے سات قبیلے مراد ہیں جو فصاحت و بلاغت میں ممتاز تھے۔ یعنی (۱) قریش (۲) بنو سعد، (۳) بنو ہذیل، (۴) بنو ربیعہ، (۵) بنو ہوازن، (۶) بنو ازد، (۷) بنو تمیم۔
ان کے لہجوں میں فرق تھا لیکن ان لہجوں کے اختیار کرنے سے معانی میں فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ قرآن کی ترتیل و تلاوت کے معاملے میں ان قبائل کے لہجوں کو مستند سمجھا جائے۔

۲۔ صحابہ کرام میں سات قاری حضرات بہت مشہور تھے، اور حضور ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ یہ ساتوں قاری مستند ترین ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) حضرت عثمانؓ بن عفان، (۲) حضرت علیؓ بن ابی طالب، (۳) حضرت اُبی بن کعبؓ (۴) حضرت عبداللہؓ بن مسعود، (۵) حضرت زیدؓ بن ثابت، (۶) حضرت ابوموسیٰؓ اشعری، (۷) حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہم۔

۳۔ سبعہ احرف کا ایک مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ قرآن حکیم میں سات قسم کے مضامین بیان ہوئے ہیں۔ یعنی (۱) امر (۲) زجر، (۳) ترغیب، (۴) ترہیب، (۵) جدل، (۶) قصص، (۷) امثال۔

۴۔ قرآنِ حکیم عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس کے الفاظ کی ادائیگی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ جبکہ عجمی اہل اسلام اپنے اپنے ملکوں کی زبان کے حروف تہجی کے اعتبار سے اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ تو حضور ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ ہر مسلمان کوشش کے باوجود اگر قرأت کا حق ادا نہ کر سکے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کے علاوہ بھی سبع احرف کے مطالب بیان کئے گئے ہیں۔

کاتبانِ وحی: قرآنِ حکیم کی کتابت کی خدمت جن صحابہ کرام نے انجام دی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

ابوبکرؓ صدیق، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ، امیر معاویہؓ، ابانؓ بن سعید، خالدؓ بن ولید، اُبی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ثابت بن قیس، ارقم بن ابی ارقمؓ، حنظلہؓ بن ربیع اور ابو رافع قبطی رضی اللہ عنہم۔ (اردو معارف اسلامیہ جلد نمبر ۱۶/۱ صفحہ ۴۴۶)

تلاوتِ کلام پاک کے لئے سات منزلیں: قرآنِ حکیم کی تلاوت کے لئے سات منزلیں مقرر کی گئی ہیں۔ یادداشت کی آسانی کے لئے ان کا نام "فمی بشوق" رکھا گیا ہے۔ جس کے ہر حرف سے قرآن عزیز کی ایک منزل مراد لی جاتی ہے۔ یعنی:

Marfat.com

۱۔ ف سے مراد سورۃ فاتحہ تا نساء جمعہ کے دن تلاوت کرے۔
۲۔ م سے مراد سورۃ مائدہ تا توبہ یا برأت بروز ہفتہ تلاوت کرے۔
۳۔ ی سے مراد سورۃ یونس سے نحل تک بروز اتوار تلاوت کرے۔
۴۔ ب سے مراد سورۃ بنی اسرائیل تا فرقان بروز پیر تلاوت کرے۔
۵۔ ش سے مراد سورۃ شعرا تا یاسین تلاوت بروز منگل۔
۶۔ و سے مراد سورۃ والصافات تا حجرات تلاوت بروز بدھ۔
۷۔ ق سے مراد سورۃ ق سے والناس تک جمعرات کو تلاوت کرے۔

تفسیر قرآن

مفسرین قرآن: قرآن حکیم کے اولین مفسر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اہل عرب یوں تو عربی زبان خوب سمجھتے تھے، لیکن پھر بھی کبھی غلطی لگ جاتی تھی۔ تو حضور علیہ السلام معاملے کی وضاحت کر کے سمجھا دیتے۔

مثلاً جب یہ آیت نازل ہوئی:

ولم یلبسوا ایمانھم بظلم○ (۶-۸۲)

"یعنی وہ اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کرتے۔"

تو صحابہ کرامؓ نے اس کا مطلب پوچھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ظلم سے مراد یہاں شرک ہے، اور اس کی تائید میں آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

ان الشرک لظلم عظیم (لقمان:۱۳)

"بیشک شرک واقعی بہت بڑا ظلم ہے۔"

اسی طرح روزہ کے لئے سحری کا وقت قرآن میں اس طرح بتلایا گیا ہے:

حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود۔

(۲:۱۸۷)

تو عدیؓ بن حاتم نے بتایا کہ یا رسول اللہ میں اپنے تکئے کے نیچے دو تاگے رکھتا ہوں۔ ایک سیاہ اور ایک سفید اور جب ان کا فرق ظاہر ہونے لگے تو سحری ختم کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ دراصل سیاہ تاگے سے رات کی سیاہی اور سفید سے دن کی روشنی مراد ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کا دور آیا تو آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی روشنی میں صحابہ کرامؓ قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح کرتے تھے۔ اگرچہ حضور علیہ السلام نے "اصحابی کالنجوم" فرمایا ہے یعنی میرے سب صحابہؓ ہدایت کے ستارے ہیں، لیکن قرآن فہمی میں مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ بڑا بلند مقام

Marfat.com

رکھتے ہیں۔

خلفائے اربعہ صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

۵- عبداللہ بن عباس۔

۶- عبداللہ بن مسعود۔

۷- زید بن ثابت۔

۸- ابی بن کعب۔

۹- ابو موسیٰ اشعری

۱۰- عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

عبداللہ بن عباسؓ کو حضور کی دعا لگی چنانچہ آپ کی درس گاہ کو چار چاند لگے اور ہزاروں کی تعداد میں ان کے شاگرد تھے جن میں مجاہدؒ، عطا ابن ابی رباحؒ، عکرمہؒ اور سعید بن جبیر خاص امتیاز رکھتے ہیں چنانچہ سعید بن جبیر نے عبدالملک بن مروان کی فرمائش پر تفسیر قرآن لکھی، اور عطا ابن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے وہ دراصل یہی تفسیر ہے۔ (ذہبی میزان الاعتدال ج نمبر ۲ صفحہ ۱۹۷ مطبوعہ قاہرہ) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے بھی تفسیر قرآن لکھی۔ جس کا نسخہ امام احمد بن حنبل کے زمانے میں مصر میں موجود تھا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں مجاہد اور سعید بن جبیر کے حوالے سے اسی تفسیر میں سے روایات بیان کی ہیں۔

پہلی صدی ہجری میں ابی بن کعب نے بھی تفسیر قرآنِ حکیم لکھی تھی۔ آپ کا انتقال عہد عمرؓ میں ہوا اگرچہ یہ تفسیر بعد میں ناپید ہو گئی۔ تاہم مشہور مفسرین محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس سے خوشہ چینی کی ہے اور اس سے بکثرت روایات اخذ کی ہیں۔

سعید بن جبیر کی تفسیر کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ آپ نے ۹۴ھ میں وفات پائی۔ ابن الندیم نے اس تفسیر کا ذکر الفہرست میں تفسیر سعید بن جبیر کے نام سے کیا ہے۔ (الفہرست صفحہ ۵۱)

ان کے بعد حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے ایک اور شاگرد ابوالعالیہ رفیع بن مہران ریاحی بصری (متوفی۔ ۹۳ھ نے بھی ایک تفسیر لکھی، اور حافظ شمس الدین ذہبی (م ۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ ابوبکر بن ابی داؤد کے بقول صحابہ کرامؓ کے بعد ابوالعالیہ اور سعید بن جبیر سے بڑھ کر قرآن مجید کا کوئی عالم نہ تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج نمبر ا صفحہ ۶۳ مطبوعہ حیدر آباد دکن)

اسی طرح محمد بن کعب قرظی (م ۱۰۸ھ) اور عطا ابن ابی رباح (م ۱۱۴ھ) نے بھی قرآن حکیم کی تفاسیر رقم کیں۔ یہ بزرگ بڑے عظیم المرتبت تابعین میں سے تھے۔

پھر تبع تابعین کا دور آیا تو مندرجہ ذیل بزرگوں نے تفسیر القرآن میں بلند پایہ کام انجام دیئے۔ سفیان بن عیینہ و کیع بن الجراح، شعبہ بن حجاج، یزید بن ہارون، عبد بن حمید رحمہم اللہ اجمعین۔ (البرہان ج نمبر ۲ صفحہ ۱۵۹)

اس کے بعد تفسیر نویسی کا سلسلہ وسیع تر معنوں میں اور وسیع پیمانے پر شروع ہو گیا۔

Marfat.com

۱۔ فقہاء کی تفاسیر فقہی احکام کا مجموعہ بن گئیں۔
۲۔ علم معانی و بیان اور نحو کے علماء کی تفاسیر اپنے شعبوں میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ چنانچہ زمخشری" کی تفسیر الکشاف اسی طرز کی تفسیر ہے۔ آپ نے ۵۳۸ھ میں وفات پائی۔
۳۔ امام فخرالدین رازی (م۔۶۰۶ھ) کی تفسیر مفاتیح الغیب حکمت و فلسفہ کا خزینہ شمار ہوتی ہے۔
۴۔ ثعلبی (متوفی۔ ۴۲۷ھ) کی تفسیر "الکشف والبیان" میں قصص کا رنگ نمایاں ہے۔ وغیرہ۔

تفاسیر کی تقسیم بلحاظ و انداز: اس کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ تفسیر بالمنقول یا تفسیر بالماثور۔
۲۔ تفسیر بالرائ۔

پہلی قسم کی تفاسیر میں آیات کی تشریح آیات قرآنی، احادیث نبوی ﷺ اور صحابہ و تابعین کے اقوال و اعمال کی روشنی میں کی گئی ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری قسم کی تفاسیر میں اپنی رائے سے بھی وضاحت کی کوشش کی جاتی ہے۔ بعض شرائط کے ساتھ اس قسم کی تفسیر مباح تسلیم کی گئی ہے۔
(تفصیل کے لئے دیکھئے صبحی الصالح کی مباحث فی علوم القرآن اُردو ترجمہ صفحہ ۴۱۸ بحوالہ الاتقان ج ۲ صفحہ ۱۷۸ نیز البرہان فی علوم القرآن ج نمبر ۲ صفحہ ۱۵۶)

تاریخ تفسیر نویسی: تفسیر نویسی کو تاریخی اعتبار سے مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا دور: حیات نبوی ﷺ ---- ۱۱ ہجری تک۔ اس دور میں تفسیر کا منبع و مصدر حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس تھی۔ چنانچہ قرآنی احکام نماز روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، وضو کا طریقہ، نمازوں کی رکعتوں کی تعداد اور اوقات وغیرہ یہ سارا کچھ حضور علیہ السلام نے وضاحت کے ساتھ صحابہ کرامؓ کو بتلایا اور سمجھایا اور ان کو حکم دیا کہ تم نے میرے پیغام کو آگے آئندہ آنے والی نسلوں تک منتقل کرنا ہے۔ جامع ترمذی میں تفسیری احادیث کا ایک وسیع باب الگ ملتا ہے۔ جو بڑا مفصل ہے:

دوسرا دور: ۱۱ھ تا ۴۰ھ یعنی خلفائے راشدین کا دور۔ اس دور میں بعض صحابہ کرامؓ نے تفسیری کارنامے انجام دیئے۔ حضرت علیؓ کی تفسیری مرویات سب سے زیادہ ہیں۔ اس دور میں تفسیری کام کا تعلق علم اور عمل سے تھا اور زیادہ زور احکام و اعمال پر دیا جاتا تھا۔ مشکل الفاظ کی تشریح کے لئے قرآن و حدیث کے علاوہ قبل از اسلام کے اشعار سے مدد لی جاتی تھی۔

تیسرا دور: ۴۰ھ تا ۱۵۰ھ تک محیط ہے۔ جو اموی سلطنت سے متعلق ہے۔ اس دور میں:

Marfat.com

۱۔ لغات و محاورات کی تحقیق کا دائرہ وسیع ہوا۔

۲۔ صرف و نحو کے علوم و فنون ایجاد ہوئے۔

۳۔ اسرائیلی روایات کو تفسیروں میں سمونے کا آغاز ہوا اور یہ کام اسرائیلی الاصل علماء مثلاً تمیم داری، کعب احبار اور وہب بن منبہ وغیرہ نے زیادہ انجام دیا۔

۴۔ جعلی احادیث کی کثرت ہوئی اور تفسیر میں ان کو جگہ مل گئی، لیکن علمائے حق نے ان کی قلعی کھول کر رکھ دی۔

۵۔ فرقہ بندی کی ابتداء ہوئی۔ معتزلہ اور قدریہ ایسے نئے کلامی اور منطقی گروہ پیدا ہو گئے اور اس طرح اختلافات فی التفسیر کا دروازہ کھل گیا۔

۶۔ اس دور میں علمائے حق نے غلط رویے کے خلاف جہاد کیا۔ کھرے کو کھوٹے سے الگ کیا اور تفسیر قرآن حکیم کے ماہرین مثلاً ائمہ اہل بیت یعنی امام زین العابدینؒ، حضرت امام محمد باقرؒ حضرت جعفر صادقؒ نے اپنی زندگیاں قرآنی تعلیمات پھیلانے کے لئے وقف کر دیں۔

۷۔ ابن عباس کے مولیٰ عکرمہ نے بھی تفسیر کی ایک کتاب لکھی، اور بعض دوسرے حضرات نے بھی یہ کام انجام دیا۔

چوتھا دور: عباسی عہد حکومت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ یہ دور علوم و فنون کا دورِ شباب تھا۔ نقلی علوم یعنی حدیث اور تاریخ کے ساتھ ساتھ عقلی علوم یعنی فلسفہ، منطق، طبعیات وغیرہ نے بھی ترقی کی، اور تفاسیر میں بھی عقلی علوم در آئے، لیکن اہل نقل اس طرز کے خلاف تھے۔ لہٰذا علمائے اسلام کے دو گروہ ہو گئے یعنی اہل عقل اور اہل نقل۔

نیز اس دور میں علوم قرآن کی تعداد بڑھتے بڑھتے تقریباً سو کو پہنچ گئی اور ان میں کثیر تعداد میں تالیفات مرتب ہوئیں، اور ایک مفسر کے لئے مشکل ہو گیا کہ وہ ان سب علوم کا جامع ہو سکے۔ چنانچہ طبری کے بعد کے مفسرین اپنے اپنے فنون میں محدود ہو کر رہ گئے۔

پانچواں دور: ساتویں صدی ہجری (زوالِ بغداد) سے تیرہویں صدی ہجری تک کو محیط ہے۔ اس دور میں گذشتہ تفاسیر کو نئے انداز سے پیش کیا گیا۔ اس دور میں تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر جلالین مرتب کی گئیں۔

چھٹا دور: تیرہویں صدی ہجری سے تاحال۔ اس دور میں یورپی اقوام کو سیاسی غلبہ حاصل ہو گیا اور علوم و فنون کو نئی جہتیں ملیں، اور بعض مفسرین ان کے خیالات سے مرعوب ہو کر قرآن کو سائنس اور فلسفہ کے مطابق ثابت کرنے کے درپے ہوئے۔ بعض حضرات نے تو معجزات کو بھی عقلی جامے پہنانے کی کوشش کی، اور جنات کو وحشی انسان کہا جانے لگا۔ تاہم جدید سائنسی انداز میں لکھی جانے والی

Marfat.com

تفسیر جس کے مؤلف مصر کے علامہ جوہری طنطاوی ہیں بہت ممتاز ہے۔

اہم کتب تفسیر

۱۔ تفسیر جامع البیان: یہ تفسیر ابو جعفر جریر الطبری (ولادت۔ ۲۲۴ھ م ۳۱۰ھ) کی تالیف ہے، اور علمائے تفسیر کے مطابق یہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے لاجواب ہے۔ امام السیوطی فرماتے ہیں کہ ابن جریر روایت و نقل کے ساتھ ساتھ توجیہ و ترجیح کا معیار بھی قائم رکھتے ہیں۔ اسی لئے اسے دیگر تفاسیر پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ تفسیر تمام سابقہ تفاسیری علوم کا خلاصہ ہے۔ جو تین ہزار بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ طبری نے زبان و بیان کے تمام مروجہ علوم بھی اسی تفسیر میں جمع کر دیئے ہیں۔ مقدمہ میں قرأت تاویل بالرائے، اسمائے قرآن اور اسمائے سور پر بحث ہے۔ فقہی مسائل کو امام فقہ بن کر حل کیا ہے۔ گویا یہ تفسیر معارف اسلامیہ کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔

۲۔ تفسیر معالم التنزیل از بغوی: یہ تفسیر امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی (م ۵۱۶ھ) کی تالیف ہے۔ آپ کو محی السنہ کہا جاتا ہے۔

۳۔ تفسیر الکشاف: یہ علامہ محمود بن عمر الزمخشری (ولادت ۴۶۷ھ م ۵۳۸ھ) کی تالیف ہے۔ یہ منطقی اور عقلی انداز کی تفسیر ہے۔ اس میں نکاتِ بلاغت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اسرائیلیات سے مبرا ہے۔ لغوی اور نحوی بحثیں خوب اور جاندار ہیں۔ البتہ معتزلی طرز فکر نے اسے تعصب اور تکلف کی حامل بنا دیا ہے۔ تاہم یہ تفسیر اپنے لسانی جوہروں کے دم سے آج تک زندہ ہے۔

۴۔ تفسیر مفاتیح الغیب: یہ تفسیر کبیر کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ امام فخر الدین رازی (ولادت ۵۴۴ھ متوفی ۶۰۶ھ) کی تالیف ہے۔ ابن خلکان نے کہا کہ یہ تفسیر کافی سے زیادہ ضخیم ہے لیکن امام رازی اسے اپنی زندگی میں مکمل نہ کر سکے۔ لہٰذا اس کی تکمیل آپ کے مشہور شاگرد شہاب الدین احمد بن خلیل الخوییی الدمشقی (م ۶۸۷ھ) نے کی اور شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولی (م۔ ۷۷۷ھ) نے اس کا ایک تکملہ تحریر کیا۔ امام رازی نے عقل اور نقل کا سابقہ تمام سرمایہ اس میں یکجا کر دیا ہے۔

۵۔ تفسیر البیضاوی: اس کا اصل نام انوار التنزیل و اسرار التاویل ہے جسے قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بن البیضاوی نے تالیف کیا۔ آپ شافعی فقہ سے متعلق تھے، اور وفات ۶۸۵ھ میں پائی۔ اس تفسیر میں اعراب و معانی و بیان سے متعلق زیادہ تر بحثیں تفسیر

Marfat.com

الکشاف سے ماخوذ ہیں جبکہ حکمت و کلام سے متعلقہ مواد تفسیر کبیر سے لیا گیا ہے۔ یہ تفسیر آج بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

۶۔ **تفسیر ابن کثیر:** یہ بھی ایک ضخیم تفسیر ہے۔ جس کے مؤلف ابوالفداء اسماعیل بن عمر قریشی دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) ہیں۔ یہ تفسیر بالماثور کا عمدہ ترین نمونہ ہے۔ اس میں حسب ضرورت اصول تنقید سے بھی کام لیا گیا ہے۔ یہ تفسیر طبری کا خلاصہ ہے اور اس میں صحیح روایات کو ہی سمویا گیا ہے۔

۷۔ **تفسیر فتح القدیر:** یہ تفسیر محدث علامہ قاضی محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی (م ۱۲۵۰ھ) کی تالیف کردہ ہے۔ آپ یمن کے ایک جید عالم تھے۔ اس میں معقول اور منقول دونوں اسالیب کو جمع کر دیا گیا ہے۔

۸۔ **تفسیر روح المعانی:** علامہ محمود بن عبداللہ آلوسیؒ بغدادی (م ۔ ۱۲۷۰ھ) کی تالیف کردہ یہ تفسیر تصوف کے نقطۂ نظر سے لکھی جانے والی تفاسیر میں شمار کی جاتی ہے۔ اس لئے اِسے تفسیر اشاری بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ظاہری معانی کو تاویل کے ذریعے باطنی معانی کا حامل ثابت کیا گیا ہے۔

۹۔ **تفسیر المنار:** یہ تفسیر بارہ جلدوں میں ہے اور بارہ پاروں کی تفسیر ہے۔ جو سورۃ یوسف تک کو محیط ہے۔ اس کے مؤلف علامہ شیخ محمد رشید رضا (متوفی ۱۳۵۴ھ) تھے۔ وہ طرابلس میں پیدا ہوئے، لیکن بعد ازاں مصر میں آباد ہو گئے اور یہاں پر ہی اُن کی وفات ہوئی۔

۱۰۔ **تفسیر جلالین:** ازیں پیشتر جلال الدین محلی (متوفی ۸۶۴ھ) نے تفسیر قرآن لکھنا شروع کی، لیکن عمر نے وفانہ کی اور وہ نامکمل رہ گئی جسے آپ کے شاگرد جلال الدین سیوطی (۸۴۹ھ تا ۹۱۱ھ) نے مکمل کیا۔ اسے تفسیر جلالین اسی لئے کہتے ہیں کہ اسے دو جلال الدین نامی حضرات نے مرتب کیا۔ یہ ایک مختصر تفسیر ہے اور دینی مدارس میں متداول ہے۔ جلال الدین سیوطی نے دو اور تفاسیر بھی لکھیں ان میں سے درمنشور دستیاب ہے۔ نیز قرآنی علوم پر اتقان نامی تالیف بھی چھوڑی ہے۔ جو بڑی مستند اور وقیع ہے۔ نیز تفسیر خازن، تفسیر مدارک، تفسیر مظہری، امام قرطبی، کی جامع الاحکام القرآن بھی قابل قدر تالیفات ہیں جو تفسیری علوم کا احاطہ کرتی ہے۔

تفسیر اور تاویل: الفسر واضح کرنا، چھپی ہوئی چیز کو کھولنا ظاہر کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ولا یاتونک بمثلا الا جئنک بالحق واحسن تفسیراO

Marfat.com

(فرقان: ۳۳)

"اور وہ (کافر) لوگ آپ کے پاس جو (اعتراض) کی بات (بھی) لاتے ہیں ہم آپ ﷺ کے پاس اس کا ٹھیک جواب بھیج دیتے ہیں اور پھر اس کی بہترین تشریح بھی کر دیتے ہیں۔"

سورۃ القیمہ میں ارشاد فرمایا:

لا تحرک به لسانک لتعجل بهO ان علینا جمعه وقرانهO فاذا قرانه فاتبع قرانهO ثم ان علینا بیانهO (۱۹:۱۶)

"(اے نبی ﷺ) آپ قرآن پڑھنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دو کہ اس کو جلد یاد کر لو۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ تو جب ہم قرآن پڑھیں تو آپ ﷺ بھی اس کی تلاوت کی پیروی میں پڑھتے جائیں۔ پھر اس کی تشریح و تفسیر کر کے سمجھانا بھی ہمارے ذمے ہے۔"

گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی تشریح و تفسیر کی ضرورت بھی واضح کر دی تا کہ اہل اسلام واضح طور پر اس کو سمجھ کو عمل کر سکیں۔

قرآن حکیم کی بعض آیات ایک سے زیادہ مفاہیم و مطالب رکھتی ہیں۔ ایک تو وہ جو بادی النظر میں سامنے آ جاتا ہے، لیکن جوں جوں غور کیا جائے تو اس کے علاوہ دیگر مفاہیم بھی ابھرنے لگتے ہیں۔ انہیں باطنی مفہوم کہتے ہیں۔ ان میں سے کس مفہوم کو اختیار کیا جائے اس فیصلہ تک پہنچنے کے لئے دلائل سے مدد لی جاتی ہے۔ اس گہرے مطلب کو اخذ کرنے کا عمل "تاویل" کہلاتا ہے۔

تاویل کا مطلب بھی پھیرنا یا لوٹانا ہوتا ہے، لیکن اصطلاح میں اس کے مندرجہ ذیل مطالب لئے جاتے ہیں۔

(۱) بیان، (۲) تعبیر، (۳) اصل مقصد و مدعا (۴) باطنی مفہوم، (۵) حقیقت، (۶) تحقیق (۷) روح المعانی یعنی کسی بات کی رُوح تک پہنچنا۔

قرآن حکیم میں تاویل کا لفظ عملی ثبوت (اعراف ۵۳، یونس ۔ ۳۹) اور انجام (بنی اسرائیل ۱۷-۳۵) کے معنی میں بھی آیا ہے۔ یہ علم اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو "تاویل الاحادیث" یعنی معاملات کی صحیح سمجھ اور "تاویل رؤیا" یعنی خوابوں کی صحیح تعبیر کا علم بھی عطاء ہوا تھا۔ جس نے آپ کو قید خانہ سے نکال کر پہلے بادشاہ کی مصاحبت اور پھر حکومت سے نوازا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو قرآن کی تاویل کا علم عطا فرمائے۔ چنانچہ یہ دعا مقبول ہوئی اور بطور مفسر قرآن آپ کی حیثیت مسلمہ ہے۔

تاویل تفسیر ہی کی ایک نوع ہے۔ اس کے لئے انتہائی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ یہ تفسیر

Marfat.com

کے دائرہ سے نکل کر ظن و تخمین کے میدان میں پہنچ کر دم توڑ سکتی ہے، اور اسے تحریف معنوی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں دو قیدیوں کو توحید کی تبلیغ کے بعد جب ان کے خواب الگ الگ تعبیر بتلادی تو وہ فیصلہ کن انداز میں تھی:

قضی الامر الذی فیہ تستفتین۔ (۱۲/۴۱)

"یعنی جو امر تم مجھ سے پوچھتے تھے وہ فیصل ہو چکا ہے۔"

یعنی بطور پیغمبر وقت انہوں نے پورے یقین کا اظہار فرمایا کہ یہ فیصلہ اسی طرح ہو گا اور وہ ہوا اسی طرح، لیکن جب ایک عاجز بندے کے طور پر اپنی رہائی کے لئے کوشش کی تو قرآن حکیم نے ان کی حالت بتلائی۔

وقال للذی ظن انہ ناج منہما اذکرنی عند ربک

اور اس قیدی سے کہا جس کے بارے میں خیال کیا تھا کہ وہ ان دونوں میں سے رہائی حاصل کرے گا تو اپنے آقا کے حضور میں میری بے گناہی کا ذکر کر کے مجھے رہائی دلانا۔ تو یہاں لفظ ظن استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی ظاہر ہیں۔ مطلب یہ کہ پیغمبر کے علاوہ کسی کی بھی تاویل حرف آخر نہیں ہوتی۔

تاویل کے لئے اہل علم نے مندرجہ ذیل شرائط کو لازمی قرار دیا ہے۔

۱۔ دل میں خوف خدا ہو۔

۲۔ عربی زبان و ادب میں کامل دستگاہ حاصل ہو۔

۳۔ دل میں کسی خاص نظریہ یا ہٹ دھرمی کا بت نہ رکھا ہو۔ بلکہ حق کو ظاہر یا حاصل کرنا مقصود ہو۔

۴۔ جس آیت کی تاویل مقصود ہو اُسے سیاق و سباق اور دوسرے پہلوؤں پر غور کر کے بھی دیکھا جائے۔

۵۔ تاویل کے لئے جو دلیل دی جائے تو وہ ایسی ہو کہ اس سے قوی تر دلیل اس کی مخالفت میں نہ ملتی ہو۔

۶۔ یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔

ولقد یسرنا القرآن فھل من مدکر۔

لیکن اتنا بھی آسان نہ سمجھا جائے کہ ہر کس و ناکس تاویل کرنے لگے اور اس پر اپنا حق جتا کر اپنی تاویل کو ہی حرف آخر قرار دے ڈالے۔ بہرحال تفاسیر میں سیرۃ النبی کا بھی سرمایہ شامل ہے۔

قرآن حکیم کا خاصہ: قرآن حکیم میں دنیا اور عقبیٰ کو الگ الگ بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے طرز بیان میں ایک پر زور تاثیر پائی جاتی ہے۔ جس سے انسان کو فوری طور پر متاثر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ہم کہیں سے بھی قرآن حکیم کو کھول کر پڑھنا شروع کریں انسان کی توجہ فوراً اہم معاملات کی طرف مبذول ہونے لگتی ہے۔ اس کا انداز بیان ایسا دل نشین ہے کہ یہاں دنیا اور عقبے اور اس کے دیگر شعبوں کو الگ الگ بیان نہیں کیا گیا بلکہ زندگی موت اور

Marfat.com

آخرت ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا اور دائمی تعلق ہے۔ مثلاً قرآن کھولا تو یہ آیت نظر پڑی:

(۱) ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مؤمن فاولئک یدخلون الجنة ولا یظلمون نقیرا○ (نساء:۱۲۴)

"یعنی جو کوئی مرد ہو یا عورت نیک اعمال کرے اور وہ (اللہ اور اس کے رسول پر) ایمان بھی رکھتا ہو تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور تل بھر بھی اُن کی حق تلفی نہ کی جائے گی۔"

دوسری جگہ سے کھولا یہ آیت سامنے آئی:

(۲) قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ---- (یوسف-۱۰۸)

"فرمادے میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں خدا کی طرف بلاتا ہوں۔"

تیسری جگہ یہ آیت نظر پڑی:

(۳) انما یتذکر اولوا الالباب○ (زمر:۹)

"یعنی نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں۔"

مقصد کہنے کا یہ ہے کہ قرآن حکیم کی ہر آیت، بلکہ اس کا ہر حصہ اپنے سیاق و سباق کے ساتھ ایک ربط بھی رکھتا ہے اور یہ اعجاز قرآن ہی کو حاصل ہے کہ اگر اس کی آیتوں کو ملا کر پڑھا جائے یا کسی آیت کے الگ ٹکڑے پر غور کیا جائے تو اپنی جگہ حکمت و موعظت اور علم و عرفان کا خزانہ لئے ہوئے ملے گا۔ جس میں جو بات بھی بیان کی گئی ہوگی۔ وہ خواہ کسی بھی مرحلے سے متعلق ہو۔ اس کا تعلق دنیوی اور اُخروی بھلائی سے ضرور ہوتا ہے۔ اُس میں توحید الٰہی پر زور دیا گیا ہو یا رسالت کے فرائض کی بجا آوری کا تذکرہ ہو یا کسی قوم کی بہتری کا فارمولا ہو۔ کسی کی دنیا کو سنوارنے کا عندیہ ہو ان سب امور کا تعلق ایک انسان کی آخرت سے ضرور قائم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی رُو سے ہر شے اپنی تکمیل کی طرف رواں دواں ہے جو کوئی تکمیل کے مرحلوں میں سے گزر رہا ہے اُسے بھی ایک دن مکمل ہو کر اپنے انجام کو پہنچنا ہے۔

تو قیامت کے دن:

فمن ثقلت موازینہ فاولئک ھم المفلحون○ ومن خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسھم فی جھنم خلدون○ (مومنون ۱۰۲-۱۰۳)

"پس جس کے عملوں میں وزن ہوا تو وہ لوگ فلاح پا جائیں گے۔ (اور جنت میں ہمیشہ کے لئے بسا دیئے جائیں گے) اور جس کے عملوں میں وزن نہ ہوا تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے (دنیا کی

Marfat.com

زندگی میں) اپنی جانیں ہار دیں (جس کی وجہ سے) اب وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔"

سبحان ربک رب العزت عما یصفون ○ وسلم علی المرسلین ○ والحمد للہ رب العالمین ○ (۳۷: ۱۸۰-۱۸۲)

سرمایہ احادیث کا مختصر تعارف

قرآنی احکام اور دیگر تشریحی امور کی وضاحت اپنی زندگی میں حضور علیہ السلام خود فرماتے اور صحابہ کو اسلام کا پیغام پہنچاتے تھے۔ اس طرح قرآن کے بعد حضور کا عمل قابل تقلید تھا اور آپ کے ارشادات مستقل حکم کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ سرمایہ صحابہ کرام کی وساطت سے امت بیضا تک پہنچا۔

اہل قرآن اہل سنت اور اہل حدیث: آپ ﷺ کے جو اعمال امت کے لئے قابل تقلید نمونہ ہیں ان کو سنت کہتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ ہر حدیث اور سنت ہمارے لئے قابل عمل نہیں۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ آپ کو ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی تخصیص حاصل تھی، لیکن کسی امتی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ "سنت" کی آڑ میں (معاذ اللہ) ایسا کرے۔ تو قابل عمل سنت کے لحاظ سے ہر مسلمان اہل سنت ہے، اور قابل عمل احادیث کے لحاظ سے ہر مسلمان اہل حدیث ہے، اور چونکہ ہر مسلمان قرآن پر ایمان بھی رکھتا ہے اور اس پر مقدور بھر عمل بھی کرتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان اہل قرآن بھی ہے۔

بعض علمی اصطلاحات کی وضاحت

سنت: سنت کے اصطلاحی معنی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق زندگی یا راہ عمل۔ اس کی جمع سنن ہے۔

خبر: حدیث کو خبر بھی کہتے ہیں، لیکن خبر کا لفظ حدیث کے علاوہ تاریخ کے لئے بھی آتا ہے اور اصطلاح میں "اخباری" مورخ کو کہتے ہیں۔ جبکہ عالم حدیث کو محدث کہا جاتا ہے۔

اثر: حدیث کو اثر بھی کہتے ہیں، لیکن یہ لفظ زیادہ تر صحابہ اور تابعین کے اقوال کے لئے بھی مستعمل ہے۔ اثر کی جمع آثار ہے۔

بلاغتہ: جب کوئی تابعی واسطہ کے بغیر ان الفاظ کے ساتھ حضور ﷺ کی حدیث بیان کرے

Marfat.com

لغنی" (مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے) تو ایسی حدیث بلاغت کہلاتی ہے اور اس کی جمع بلاغات ہے۔

روایت: یہ لفظ بھی حدیث کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حدیث بیان کرنے کو روایت کہتے ہیں۔

راوی: حدیث بیان کرنے والا راوی کہلاتا ہے۔ اس کی جمع "رواۃ" ہے۔

مروی: جو حدیث بیان کی جائے اُسے مروی کہتے ہیں مثلاً "مروی ہے کہ"۔۔۔۔ اس میں کبھی حوالہ دیا جاتا ہے کبھی نہیں۔ اس کی جمع مرویات آتی ہے۔

مروی عنہ: جس سے حدیث بیان کی جائے وہ مروی عنہ کہلاتا ہے۔

واسطہ: درمیانے راوی کو "واسطہ" بھی کہتے ہیں۔

راویوں کی تقسیم

صحابی: جس شخص نے بحالت ایمان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی یا اگر وہ نابینا ہو تو صحبت پائی یا حضور ﷺ نے اس کو دیکھا ہو اور اس نے اسلام پر ہی وفات پائی ہو، وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہوتا ہے۔

تابعی: جس نے حضور کا زمانہ پایا لیکن آپ کی زیارت نہ کی۔ (یا زمانہ تو نہ پایا) البتہ بحالت ایمان کسی صحابی کی زیارت کی یا صحبت پائی اور اسلام پر ہی وفات پائی تو وہ تابعی کہلاتا ہے۔

تبع تابعین: جن حضرات نے بحالت ایمان کسی تابعی کو دیکھا۔ وہ تبع تابعین کہلاتے ہیں۔

روایت لفظی اور روایت معنوی: کسی حدیث کو لفظ بہ لفظ بیان کرنا روایت باللفظ کہلاتا ہے، لیکن اگر مفہوم کو راوی اپنے لفظوں میں بیان کر دے تو اس کو روایت بالمعنی کہیں گے۔ روایت معنوی کی حضور علیہ السلام نے اجازت دی تھی۔ (جمع الفوائد۔ جلد اول باب روایۃ الحدیث)

Marfat.com

روایت و درایت: حدیث کی صحت کو جانچنے کے دو طریقے ہیں۔ یعنی روایت کی سند اور راوی جانچ پرکھ کے ذریعے سے، اور دوسرا طریقہ ہے۔ منطقی اصولوں، عقل، قرآن تاریخ اور دوسری شہادتوں کے ذریعے کسی حدیث کو دیکھنا کہ وہ ان کے خلاف نہ جاتی ہو تو یہ طریقہ درایت کہلاتا ہے۔

عدالت: کسی راوی کے اندر نیک اوصاف کا پایا جانا اور اس کا برائیوں سے دور رہنا اور نیک مستقل صفات کا حامل ہونا عدالت کہلاتا ہے "صاحب عدالت" راوی کو عادل کہتے ہیں اسے عدول بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کے بارے میں مسلمہ اصول ہے کہ **الصحابۃ کلھم عدول** (سب صحابہ عادل ہیں۔)

ضبط: کسی حدیث کو صحیح طور پر یاد رکھنے یا اس کا مفہوم صحیح طور پر ادا کرنے کو ضبط کہتے ہیں "ضبط ظاہر" سے روایت لفظی کا التزام کرنا مراد ہے اور "ضبط باطن" روایت معنوی کی ادائیگی کا نام ہے۔ "ضبط صدر" سے مراد یہ ہے کہ حدیث کو زبانی یاد کر لیا ہے۔ "ضبط کتاب" سے مراد یہ ہے کہ حدیث کو لکھ لیا اور ضبط والے راوی کو ضابط کہتے ہیں، اور جس راوی کا حافظہ کامل ہو اُسے تام الضبط کہتے ہیں۔

ثقاہت: عدالت اور ضبط کو ثقاہت کا نام دیا گیا ہے۔ جس راوی میں یہ دونوں صفات یعنی عدل اور ضبط بدرجہ اتم موجود ہوں اُسے ثقہ کہتے ہیں، اور ثقہ راویوں کی روایت کو "قوی" کہا جاتا ہے۔ ثقہ کی جمع ہے ثقاۃ۔

جرح یا طعن: راوی پر ناقدانہ نظر ڈالنا اور اس کی روایت کے قبول کرنے میں اس کے عیوب کو حارج سمجھنا جرح و طعن کہلاتا ہے۔

تعدیل: کسی راوی کو عادل ٹھہرانا اور پوری پرکھ کے بعد عادل ٹھہرانے کا عمل تعدیل کہلاتا ہے ایسے راوی کو عادل کہتے ہیں۔ عادل کی جمع عدول ہے۔

تصحیح: کسی حدیث کو جرح و تعدیل کے بعد صحیح قرار دینے کا عمل تصحیح کہلاتا ہے۔

تضعیف: کسی حدیث کو پرکھ کے بعد ضعیف قرار دینے کو تضعیف کہتے ہیں۔

ظن: کسی معاملے میں گمان غالب کو اصطلاحاً ظن کہتے ہیں۔

Marfat.com

طعن در عدالت: کسی راوی میں بری خصلتوں کا پایا جانا۔ مثلاً کوئی راوی عمداً حدیث نبوی میں جھوٹ ملائے یا جھوٹ بولے۔ ایسے راوی پر کذب کا داغ لگ جاتا ہے چاہے اُس نے زندگی بھر میں ایک حدیث کے بارے میں ہی عمداً جھوٹ بولا ہو، اور اگرچہ بعد ازاں توبہ بھی کرلی ہو۔ پھر بھی اس کی حدیث قبول نہ کی جائے گی۔ اسی طرح عام گفتگو میں جھوٹا شخص حدیث کا راوی ہو تو اس پر اتہامِ کذب لگ جائے گا۔

مبہم: مجہول الحال راوی کو مبہم کہتے ہیں۔

راویوں کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کی اقسام

متواتر: وہ حدیث ہے جس میں چار شرطیں پائی جائیں:

۱۔ راویوں کی تعداد کم از کم چار ہو اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ البتہ یہ تعداد اتفاقاً اور بلاقصد میسر آگئی ہو۔ تو ایسی حدیث متواتر کہلاتی ہے۔

۲۔ سند کے ہر مرحلہ میں رواۃ کی تعداد کی یہی صورت قائم رہنی چاہئے۔

۳۔ رواۃ پر کذب کا اتہام نہ ہو۔

۴۔ اس میں راوی کے گمان اور عقل و تخیل کو دخل نہ ہو بلکہ صحابہ کرام نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے دیکھا یا سنا ہوا کوئی امر بیان کیا ہو، اور راوی کو اپنے بیان پر دلی اطمینان بھی ہو۔

متواتر خبر کو قطعی صحت کی حامل قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی سند وغیرہ پر جرح نہیں کی جاتی۔

مشہور: حدیث مشہور کے لئے راویوں کی تعداد کم از کم تین ہوتی ہے، اور بڑھتی چلی جاتی ہے اس میں متواتر والی شرائط مکمل طور پر موجود نہیں ہوتیں لہٰذا شبہ کا احتمال ہوتا ہے۔

عزیز: وہ حدیث جس کی سند میں ہر طبقہ کے کم از کم دو راوی ہوں۔ عزیز کہلاتی ہے۔

غریب یا فرد: وہ حدیث ہے جس کی سند کے کسی مرحلہ پر صرف ایک راوی رہ جائے۔ اگر ہر مرحلہ پر ایک ہی راوی ہو تو ایسی حدیث کو فرد مطلق کہا جاتا ہے اور جس کے کسی ایک مرحلہ پر ایک راوی رہ جائے تو اسے فرد نسبی کہتے ہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ فرد مطلق کی تقویت کسی دیگر حدیث سے نہیں ہوتی۔ جبکہ فرد نسبی کی فردیت فقط نسبتاً ہوتی ہے اور اس کی تائید میں دیگر حدیث بھی مل جاتی ہے۔

Marfat.com

بعض اور اقسام

موضوع: جو حدیث جعلی معلوم ہو اور اس کے راوی غیر ثقہ بلکہ کاذب ہوں۔ وہ موضوع کہلاتی ہے۔ (ضعیف حدیث کے راوی صادق ہوتے ہیں اور یہ جعلی نہیں ہوتی جبکہ موضوع جعلی ہوتی ہے۔)

متروک: جس حدیث کے راوی پر کذب کا اتہام ہو۔ متروک کہلاتی ہے۔

منکر: جس کا کوئی راوی فاسق ہو۔ اُس حدیث کو منکر کہا جاتا ہے۔

شاذ: وہ حدیث جس کے راوی ثقہ ہوں لیکن وہ کسی ایسی حدیث کی مخالف ہو جس کے راوی ثقہ تر ہوں شاذ کہلاتی ہے۔

محفوظ: ثقہ راویوں کی حدیث کو محفوظ کہتے ہیں۔

مقبول: روایت اور درایت کے اصولوں پر پورا اترنے والی قابل اعتماد حدیث مقبول کہلاتی ہے۔

مردود: جو حدیث راویت اور درائت کے اصولوں پر ٹھیک نہ اترے وہ مردود کہلائے گی۔ اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔

متوقف فیہ: جس حدیث میں ردو قبول کی شرائط برابر ہوں اور عمل کے لئے ترجیح کا پہلو موجود نہ ہو۔ تو ایسی حدیث کو متوقف فیہ کہتے ہیں۔ یہ حکم کے لحاظ سے مردود کے مترادف ہوتی ہے۔

عہد رسالت مآب ﷺ اور احادیث کی اشاعت وغیرہ

حدیث شریف کی اہمیت سے صحابہ کرام بھی واقف تھے اور رسول اللہ کو بھی خوب پتا تھا کہ یہی چیز آخر قیامت تک کے اہل ایمان کی رہنمائی کا ذریعہ ثابت ہوگی اس لئے آپ کا ارشاد ہے:

۱۔ میری حدیث جس طرح سنو اسی طرح بیان کردو (المرغل از حاکم ابواب الدعوت صفحہ ۲۰)

۲۔ حجتہ الوداع کے موقع پر اپنی احادیث کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاد کام رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی اور دوسرے تک پہنچائی۔

Marfat.com

نیز فرمایا "میرے خطبہ کو سننے والا اسے غیر موجود آدمیوں تک پہنچائے کیونکہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ بات کو سننے والا سنانے والے سے زیادہ حافظہ کا مالک ہوتا ہے۔" (ترمذی- بخاری دارمی)

۳۔ اپنے ﷺ "خلفاء" کے بارے میں ایک دفعہ ایک سوال کے جواب میں فرمایا:
میرے خلفاء وہ ہیں جو میری حدیث کی روایت کریں گے اور اس کی تعلیم دیں گے۔ (مقدمہ دارمی)

۴۔ فرمایا ﷺ: مجھ سے قرآن، علم اور فرائض (وراثت کے قوانین) سیکھو اور آگے سکھاؤ کیونکہ مجھے اس دنیا سے اُٹھ جانا ہے۔ علم جلد قبض ہو جائے گا اور فتنہ اُٹھے گا۔ (دارمی، ترمذی عن ابو ہریرہؓ وابن مسعودؓ)

۵۔ فرمایا ﷺ: جس کو دین کا کوئی مسئلہ معلوم ہو۔ پھر اس سے پوچھا جائے اور وہ چھپا رکھے تو قیامت کے دن اُسے آگ کی لگام دی جائے گی۔ (بخاری کتاب العلم- ترمذی)

درس حدیث اور بارگاہ نبوی ﷺ: صحابہ کرامؓ کو آپ سے علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے آپ ﷺ سے مستفیض ہو رہے ہوتے اور ہماری تعداد بارہا ساٹھ کے لگ بھگ ہوتی۔ حضور علیہ السلام ہم سے کوئی حدیث بیان فرماتے اور پھر اُٹھ کر کسی کام سے چلے جاتے تو آپ کی غیر حاضری میں ہم سب لوگ اس حدیث کو باری باری دُہراتے تھے۔ حتیٰ کہ محفل سے اٹھتے وقت وہ حدیث ہمیں ازبر ہوتی۔ (مجمع الزوائد ج نمبر ا صفحہ ۱۶۱ باب مدراستہ العلم وتذاکراتہ)

ایک دفعہ آپ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے۔ صحابہ کا ایک گروہ ذکر خدا میں مصروف تھا دوسرا تعلیم و تعلم میں۔ آپ نے دوسرے گروہ کو افضل قرار دیا کیونکہ وہ لوگ علم و فقہ بے علموں کو سکھا رہے تھے اور فرمایا مجھے بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یہ کہہ کر آپ اس دوسرے گروہ میں بیٹھ گئے۔ (دارمی باب فضل العالم والمتعلم)

روایت حدیث میں احتیاط: کا حکم آپ ﷺ نے بڑی تاکید سے دیا اور فرمایا:

من کذب علیّ متعمدا فلیتبوا مقعده من النار (ابن ماجه)

یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ سے جھوٹ منسوب کیا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے یہ حدیث متواتر ہے۔ جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

نیز فرمایا:

اتقوا الحدیث عنی الا ما قد علمتم (ترمذی- مسند

Marfat.com

احمد)

یعنی اُن احادیث میں نہ پڑو جو تمہاری فہم و فراست اور علم سے بلند ہوں۔ بلکہ وہی احادیث روایت کرو جو تمہاری سمجھ میں آ چکی ہوں۔

احادیث کی تحریر: آپ ﷺ کے عہد میں اگرچہ احادیث لکھنے کا کام کم تھا تاکہ قرآن اور حدیث گڈمڈ نہ ہو جائیں تاہم عبداللہ بن عمروؓ حضور کی اجازت سے آپ ﷺ احادیث لکھ لیا کرتے تھے۔ کیونکہ آپ نے اجازت دیتے وقت فرمایا کہ میری حدیث لکھ لیا کرو۔ کیونکہ میں حق بات کہتا ہوں۔ (دارمی، ابوداؤد، مسند احمد)

حضرت رافعؓ بن خدیج نے بھی حدیث لکھنے کی اجازتِ عام آپ ﷺ سے حاصل تھی۔ (التقید ولایقاح حافظ زین العابدین صفحہ ۱۷۰)

عبداللہ بن عمرو کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم کو قید میں لاؤ (یعنی تحریر کر لیا کرو) (مستدرک حاکم باب العلم) فرمایا ﷺ جب حدیث لکھو تو اسناد کے ساتھ لکھو۔ اگر حدیث درست ہوئی تو ثواب میں سب شریک ہوں گے ورنہ گناہ بیان کرنے والے کی گردن پر ہو گا۔ (منتخب کنز العمال کتاب العلم)

اشاعت حدیث پر تاکید: حضرت عمرؓ نے پانچ سو سے زیادہ احادیث روایت کیں۔ (ابن حزم کتاب الاحکام ج نمبر۲ صفحہ نمبر۱۳۹)

ابن جوزی نے سیرت عمرؓ میں لکھا ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

جس طرح قرآن کا علم حاصل کرتے ہو اسی طرح سنن، فرائض اور لحن (تلفظ) کا علم بھی حاصل کرو۔ (ایضاً صفحہ ۱۲۶)

حدیث کو دہراتے رہو۔ کیونکہ اس کا ذکر حدیث کو بیدار کرتا ہے۔ (علی مرتضیٰ اور ابو سعید خدری "مستدرک للحاکم)

چنانچہ صحابہ کرامؓ نے حدیث کی تعلیم و تدریس کا خصوصی اہتمام کیا۔ بعض ممتاز صحابہ درس حدیث و قرآن کے لئے دور دراز علاقوں میں نقل مکانی کر گئے۔ (سیرت عمرؓ ابن جوزی)

حدیث کی تحقیق کے لئے صحابہؓ کا سفر: حضرت ابو ایوب انصاری نے ایک حدیث کی تحقیق کے لئے مصر کا سفر کیا جبکہ حضرت جابر بن عبداللہ نے اسی خاطر شام کا سفر کیا۔ (جامع بیان العلم صفحہ ۴۶)

عہد نبوی میں تحریری احادیث کے مجموعے:

۱۔ ہجرت کے دوسرے سال آپ ﷺ نے خون بہا کی شرائط لکھوا کر تلوار کی نیام میں رکھ لی تھیں۔

Marfat.com

(طبری ابن اثیر واقعات ۸ھ)

۲۔ ہجرت کے آٹھویں برس فتح مکہ کے موقع پر آپ کا ایک خطبہ ابو شاہ نامی شخص کی درخواست پر آپ ﷺ نے تحریر کروا کر اُسے دلایا (مسلم۔ کتاب الحج۔ بخاری کتاب العلم وغیرہ)

۳۔ آپ ﷺ نے زکوٰۃ کے بارے میں نیز بعض دیگر احکامات لکھوا کر جاری فرمائے تھے (جامع العلم) ایک نوشتہ جس کا نام کتاب الصدقہ تھا آپ ﷺ نے اپنے پاس رکھ لیا تھا جو بعد میں خلفائے راشدین کے لئے مشعل راہ بنا رہا۔ ہشام نے بھی اس کی نقول اپنے گورنروں کو ارسال کی تھیں۔ (مستدرک۔ ابوداؤد)

۴۔ قصاص، دیت، حرمت مدینہ، حرمت مومنین، اسیروں سے سلوک وغیرہ امور کے بارے میں ایک نوشتہ آپ ﷺ نے حضرت علی کو لکھوایا تھا جسے صحیفہ علی کہتے تھے۔ (مقدمہ مسلم صفحہ ۹ وجمع الفوائد)

۵۔ صحیفہ صادقہ۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی کتاب حدیث تھی۔ جو حضور کی اجازت سے لکھی گئی تھی۔ (مسند احمد)

۶۔ احادیث رسول ﷺ پر مشتمل ایک کتاب حضرت سمرہ بن جندب کے پاس بھی تھی (تہذیب التہذیب ج نمبر ۴ صفحہ ۲۱۵)

۷۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کے پاس بھی احادیث کا ایک مجموعہ تھا۔ (مسند احمد ج ۳ صفحہ ۲۳۴)

۸۔ حضرت انسؓ بن مالک کے پاس بھی احادیث کا ایک مجموعہ تھا۔ جو انہوں نے لکھنے کے بعد حضور علیہ السلام کو بھی سنایا تھا۔ (تدوین حدیث از مناظر احسن گیلانی بحوالہ مستدرک للحاکم۔)

فن حدیث کی ابتداء

ایک طرف دور دور تک اسلام پھیلتا جا رہا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں میں گروہ بندی بھی جڑ پکڑ رہی تھی۔ بعض لوگ اپنی تائید میں احادیث گھڑ لیتے تھے۔ کچھ دشمنانِ اسلام رخنہ بازی اور اسلام میں انتشار کی خاطر اپنے مطلب کی احادیث تخلیق کر لیتے تھے۔ اس طرح جب سچ اور جھوٹ کی ملاوٹ ہونے لگی تو علماء نے حدیث شریف کو ایک فن کی حیثیت دے کر اس کے اصول منضبط کئے اور اس کے معیار کو اس قدر بلند مقام تک لے گئے کہ جھوٹ کا ملمع اس کا ساتھ نہ دے سکا۔

کتابت حدیث: حضرت عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ میں خلیفہ بنے تو آپ نے علمائے اسلام کو حدیث کی تحریر کا مشورہ دیا کہ مبادا اہل علم اللہ کو پیارے ہو جائیں اور یہ خزانہ ان کے ساتھ ہی دفن ہو کر رہ جائے۔ اگرچہ آپ کا انتقال ۱۰۱ھ میں ہو گیا لیکن علماء نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ امام مالک بن انس (۹۳ھ تا ۱۷۹ھ) کی کتاب "موطا" کو دوام حاصل ہو گیا۔ جس میں تقریباً دس ہزار احادیث تھیں، لیکن آپ نے ترمیم و تحقیق کا کام جاری رکھا آخر ان کی تعداد ۱۷۲۰ رہ گئی۔ جن میں ۸۲۲ مرفوع

Marfat.com

احادیث ہیں۔ تدریجی ترمیم کی بنا پر موطا کے کئی مختلف نسخے رائج ہو گئے۔ موطا امام مالک حدیث اور فقہ کی کتاب ہے۔ جس کی صحت پر علمائے اسلام متفق ہیں۔ مؤطا کے مروج نسخے آج کل دو ہیں۔

۱۔ ایک کے راوی مشہور حنفی امام محمد ہیں۔ یہ نسخہ موطا امام محمد کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ دوسرا نسخہ امام مالک بن انس کے شاگرد یحییٰ بن یحییٰ اندلسی کا روایت کردہ ہے۔ اسے موطا امام مالک کہتے ہیں۔

دیگر مولفین کا مختصر تعارف

۱۔ امام اوزاعی (متوفی ۱۵۶ھ) نے بھی ایک کتاب لکھی۔ آپ بصرہ میں رہتے تھے۔

۲۔ معمر بن راشد (م - ۱۵۳ھ) نے بھی اس کام میں حصہ لیا۔ آپ یمن میں مقیم تھے۔

۳۔ عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) خراسان کے بلند پایہ عالم تھے آپ کی کتاب "زہد" میں تھی۔

اسی زمانے میں موسیٰ بن عقبہ (م - ۱۴۱ھ) نے سیرت کے فن پر کتاب لکھی جو اب ناپید ہے اور پھر محمدؒ بن اسحاق (متوفی ۱۵۰ھ) نے بھی سیرت النبی پر کتاب تحریر کی۔ جس کی مرویات سے ابن ہشام نے بھی خوب استفادہ کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے فقہی مذاہب کی بنیاد رکھی، اور امام احمد بن حنبل نے بھی احادیث کو یکجا کرنے کا آغاز کیا اور احادیث کی تدوین اسی دور میں شروع ہوئی۔

حدیث کی کتابوں کی اقسام

<u>جزو یا مفرد:</u> وہ مجموعہ احادیث جس میں صرف ایک شخص کی مرویات جمع ہوں۔ مفرد کہلاتا ہے۔

<u>مسند:</u> جس کتاب میں احادیث کو الگ الگ صحابہ کی مرویات کے لحاظ سے مدون کیا گیا ہو۔ مسند کہتے ہیں۔

<u>معجم:</u> جس کتاب میں احادیث کو شیوخ یعنی اساتذۂ حدیث کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہو۔ معجم کہلاتی ہے۔

<u>سنن:</u> وہ کتاب ہے جس میں صرف احکام کی احادیث ہوں۔ ان کی ترتیب فقہی ابواب کے لحاظ سے ہوتی ہے۔

Marfat.com

جامع: جس کتاب میں ہر نوع کی احادیث جمع کر دی گئی ہوں جیسے جامع بخاری، جامع ترمذی، جامع مسلم۔

مستدرک: جس کتاب میں کسی اور کتاب کی شرطوں کی موافقت میں احادیث جمع کر دی گئی ہوں گویا ایسی کتاب موافقت والی کتاب کا تتمہ ہوتی ہے۔

مستخرج: ایسی کتاب احادیث جس میں کسی اور مجموعہ احادیث کی مرویات کو علیحدہ اسنادات کے ساتھ پہلے مؤلف کے واسطہ کے بغیر روایت کر دیا جائے۔ جیسے صحیح اسماعیلی، صحیح بخاری پر اور صحیح ابو عوانہ، صحیح مسلم پر مستخرج ہیں۔

رسالہ: ایسی کتاب یا کتابچہ جس میں ایک خاص موضوع پر احادیث کو جمع کر دیا گیا ہو۔

اربعین: "چالیس احادیث" کا مجموعہ اربعین کہلاتا ہے۔ اس میں مؤلف اپنی پسند کی چالیس احادیث جمع کر دیتا ہے۔ بہت سے مؤلفین کی اربعین بڑی شہرت کی حامل ہیں۔

صحاح ستہ یعنی حدیث کی چھ مستند ترین کتابیں

۱۔ **صحیح بخاری:** یہ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (ولادت ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ) کی تالیف ہے۔ آپ کو چھ لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ جرح و تعدیل کے بعد سولہ برس میں آپ نے یہ نسخہ صحیح مرتب فرمایا۔ اس کو روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ کر ترتیب دیا گیا تھا۔ مرتب نے اس کا نام الجامع الصحیح رکھا۔ اس جامع کو صحیح ترین مجموعہ احادیث تسلیم کیا جاتا ہے۔

۲۔ **صحیح مسلم:** یہ امام مسلم بن حجاج نیشاپوری (ولادت ۲۰۲ھ یا ۲۰۶ھ وفات ۲۶۱ھ) کی تالیف ہے۔ آپ امام بخاری کے شاگرد تھے۔ آپ کو تین لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔ یہ کتاب ترتیب کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے۔ صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم کی ثقاہت مسلمہ ہے۔ ان دونوں مجموعوں میں پائی جانے والی احادیث کو "متفق علیہ" کہا جاتا ہے۔ حدیث کے یہ مجموعے صحیحین اور ان کے مؤلف شیخین کہلاتے ہیں۔

۳۔ **سنن ابن ماجہ:** یہ کتاب ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۰ھ تا ۲۷۳ھ) کی تالیف ہے۔ یہ زندہ جاوید کتاب صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے۔ مگر بعض اہل علم سنن ابن ماجہ کی جگہ موطا یا سنن دارمی کو صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں۔

Marfat.com

۴۔ **سنن ابوداؤد:** اس کتاب کے مؤلف ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بجستانی ہیں آپ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۵ھ میں وفات پائی۔ امام احمد بن حنبل کے شاگرد تھے۔ پانچ لاکھ احادیث کے حافظ تھے جن میں سے صرف چار ہزار آٹھ سو احادیث کا انتخاب مرتب کیا۔ اس کتاب کی ترتیب فقہی عنوانات کے تحت کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ضعیف احادیث بھی شامل کی ہیں لیکن نہایت چابکدستی سے ان کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے اگر اہل فن تعمق سے نظر کریں تو ان کو بھانپ سکتے ہیں۔

۵۔ **جامع ترمذی:** یہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ (متوفی ۲۷۵ھ یا ۲۷۹ھ) کی تالیف ہے آپ ترکستان میں دریائے جیحوں کے کنارے واقع موضع ترمذ کے رہنے والے تھے اس لئے ترمذی کہلائے۔ آپ امام بخاری اور امام مسلم کے شاگرد تھے۔ آپ خوف خدا سے اتنا روتے تھے کہ آخر بینائی جاتی رہی۔ (بستان المحدثین)

آپ نے اپنی جامع میں تفسیر القرآن کا باب بھی دیا ہے۔ اسناد کے بارے میں صحیح، حسن، یا غریب یا ضعیف وغیرہ ایسی آرا بھی دی ہیں۔ فقہی مسائل میں مختلف آئمہ کی آرا کو بھی الگ الگ درج کیا ہے۔

۶۔ **سنن نسائی:** یہ کتاب ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی (۲۱۴ھ تا ۳۰۳ھ) کی تالیف ہے۔ آپ نساء نامی موضع میں پیدا ہوئے اور نسائی کہلائے امام ابوداؤد کے شاگرد تھے۔ مصر، شام اور حمص میں رہتے رہے، اور آخر مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ آپ نے حضرت علی کے مناقب میں بھی ایک کتاب لکھی ہے۔

دیگر کتب حدیث

(ا) سنن دارمی امام دارمی (۱۸۱ھ تا ۲۵۵ھ) کی تالیف ہے۔ بعض علماء اس کو صحاح ستہ میں (سنن ابن ماجہ کی جگہ) شمار کرتے ہیں۔ اس کے آغاز میں علم حدیث کی اہمیت اور کتابت احادیث کے جواز کو ثابت کیا گیا ہے۔

(ب) مسند ابو یعلیٰ (متوفی۔ ۳۰۷ھ)

(ج) معانی الآثار از امام طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ)

(د) صحیح ابن حبان۔ (متوفی ۳۵۴ھ)

(ہ) معجم صغیر، معجم کبیر اور معجم اوسط۔ از طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ)

یہ تین معجم امام طبرانی نے لکھے۔ ان کا حوالہ اس طرح بھی آتا ہے۔ "طبرانی فی الاوسط طبرانی فی الصغیر یا کبیر وغیرہ۔

(و) مستدرک حاکم: یہ کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا تکملہ ہے۔ کیونکہ اس میں ایسی احادیث کو جمع کر

Marfat.com

دیا گیا ہے جو صحیحین میں شامل ہونے سے رہ گئی تھیں جبکہ وہ سند وغیرہ کے اعتبار سے ان کی ساری شرائط پر پوری اترتی تھیں۔ تاہم اس کا مرتبہ صحیحین سے بہت نیچے تسلیم کیا جاتا ہے۔

(ز) سنن کبریٰ: از امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) یہ بھی ایک ضخیم تالیف ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں اس کی احادیث بھی بکثرت آئی ہیں۔

(ح) دیلمی: آپ کی کتاب بھی معتبر مانی گئی ہے اور اس کے حوالے مشکوٰۃ میں آئے ہیں۔

حدیث قدسی: حدیث قدسی وہ ہے جس میں الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہیں اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان حقیقت ترجمان سے ادا ہوتے ہیں۔ یہ قرآن سے مختلف ہے۔ اسے نماز میں تلاوت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ قرآن بے مثل اور ناقابل تقلید ہے، لیکن حدیث قدسی کی یہ شان نہیں۔ ضروری نہیں کہ حدیث قدسی جبرئیل امین کی وساطت سے ہی آئی ہو۔ یہ بذریعہ الہام یا خواب بھی آتی تھی۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ تمام احادیث قدسی معراج کی رات عطاء ہوئیں، لیکن یہ بات عموماً تسلیم نہیں کی جاتی۔ کیونکہ حدیث قدسی جب اللہ تعالیٰ چاہتا اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل کر دیتا تھا۔ حدیث قدسی کے الفاظ بقول بعض اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہیں، لیکن دوسرے علماء کے نزدیک مفہوم و مطلب اللہ تعالیٰ کا متعین کردہ ہوتا ہے اور الفاظ مخبر صادق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہوتے ہیں۔ اس کا حوالہ دیتے وقت یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جیسا کہ قرآن حکیم کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ بلکہ حدیث قدسی کی رُو سے حضور علیہ السلام خبر دیتے ہیں۔ وغیرہ کہنا چاہئے۔

کتب احادیث میں احادیث قدسی کو کوئی جداگانہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ البتہ کچھ مجموعے صحاح ستہ میں سے احادیث قدسی لے کر مرتب کئے گئے ہیں۔ سب سے بڑا ایسا مجموعہ جس کا نام **الاتحافات السنیہ فی الاحادیث القدسیہ شیخ محمد المدنی** (م۔ ۱۴۷۶ء/۸۸۱ھ) کا مرتب کردہ ہے جو حیدر آباد دکن سے ۱۹۰۵ء/ ۱۳۲۳ھ میں چھپا۔ اس میں ۸۵۸ احادیث قدسی ہیں۔ محی الدین ابن العربی (م۔ ۶۳۸ھ) کا مرتب کردہ ایک سو ایک احادیث کا قدسی کا مجموعہ مشکوٰۃ الانوار ہے جو ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کے چالیس احادیث (اربعین) کے مجموعہ کے ساتھ (۱۹۲۷ء/۱۳۴۶ھ) میں حلب میں چھپا۔ احادیث قدسی کا حوالہ "حدیث قدسی" کے طور پر ہی دیا جاتا ہے۔ شیخ محمد مدنی نے اپنے مجموعہ میں لی گئی ہر حدیث کا ذکر جس کتاب حدیث سے کہ وہ لی گئی ہے کر دیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۷ صفحہ ۹۸۰-۹۸۱)

صحت کے اعتبار سے حدیث کی اقسام

Marfat.com

صحیح: حدیث میں چار خوبیاں ہوتی ہیں۔ (۱)اس کی اسناد متصل ہو۔ یعنی بیچ کا کوئی راوی نامعلوم نہ ہو۔ (ورنہ ایسی حدیث منقطع کہلائے گی۔) (۲)سب راوی اول درجے کے متقی اور پرہیزگار ہوں کوئی راوی مستور الحال یا فاسق نہ ہو۔ (۳) تمام راویان قوی الحافظہ ہوں۔ (۴) وہ حدیث شاذ یعنی مشہور احادیث کے خلاف نہ ہو۔

حسن: حدیث وہ ہے جس کے راوی اعلیٰ درجہ کے نہ ہوں بلکہ ان میں کوئی ایک یا زیادہ کمزوریاں پائی جائیں مثلاً کسی کا حافظہ یا تقویٰ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔ اس کا درجہ صحیح سے کم اور ضعیف سے بلند ہوتا ہے۔

ضعیف: وہ ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قویٔ الحافظہ نہ ہو۔ یعنی جو صفات صحیح حدیث میں معتبر تھیں ان میں سے کوئی ایک صفت اس کے راوی میں نہ ہو۔ تو ایسی حدیث ضعیف کہلاتی ہے۔ جبکہ غریب حدیث ضعیف سے بھی کم درجہ استناد کی حامل ہوتی ہے۔

پہلی دو اقسام کی احادیث احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں، لیکن ضعیف حدیث صرف فضائل میں معتبر ہے۔ حلال حرام ایسے احکام میں اس کی سند قابل قبول نہیں۔ البتہ کسی شخص کی عظمت وفضیلت یا اعمال کی فضیلت اس حدیث سے ثابت ہو سکتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں ضعیف حدیث معاذاللہ جھوٹی یا گھڑی ہوئی حدیث نہیں ہوتی بلکہ اس کا درجہ محدثین نے احتیاطی طور پر پہلی دو اقسام سے کم تر تسلیم کیا ہے، لیکن اگر ضعیف حدیث دلائل کی بنا پر حسن بن جائے تو وہ بھی معتبر ہو جاتی ہے اور اس سے احکام وفضائل وغیرہ سب ثابت ہو سکتے ہیں۔

صحیح لذاتہ: وہ حدیث ہے جو اپنی جگہ خود صحیح ہو۔ جس کے راوی عادل، سند متصل، اور وہ اپنے سے قوی تر حدیث کی مخالف نہ ہو، اور اس میں کوئی خفیہ علت یعنی عیب بھی نہ ہو۔

صحیح لغیرہ: جس حدیث میں صحیح لذاتہ والی حدیث کی کوئی ایک شرط مفقود ہو، لیکن یہ کمی کثرت طرق یعنی دیگر سندات کے ذریعے پوری ہو جائے۔

حسن: حسن کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حسن لذاتہ (۲)حسن لغیرہ، لیکن حسن کا اطلاق زیادہ تر حسن لذاتہ پر ہی ہوتا ہے حسن لذاتہ وہ حدیث ہوتی ہے جس میں صحیح حدیث کی سب شرائط پوری ہوں البتہ راوی میں صرف حافظہ یا فہم کی کمی پائی جائے اور حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جس میں ردوقبول کی صفات اور دلائل متوازن ہوں، لیکن کوئی خارجی قرینہ اس کو قبول کرنے کی سفارش کردے۔

ضعیف حدیث حسن کیسے بن جاتی ہے:

Marfat.com

۱۔ اگر کوئی حدیث دو یا زیادہ طریقوں (سندوں) سے روایت ہو کر سامنے آئے اگرچہ وہ سب ضعیف ہوں۔ تو ضعیف حدیث حسن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

۲۔ علمائے کاملین کے اس پر عمل سے بھی ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی فرما دیتے ہیں۔ **ھذا الحدیث ضعیف والعمل علیہ عند اھل العلم**۔ یعنی یہ حدیث غریب یا ضعیف ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ گویا علمائے امت کے عمل سے حدیث ضعیف قوی ہو گئی۔

۳۔ علماء کے تجربہ اور اولیائے کرام کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ مثلاً ابن العربی نے ایک حدیث سنی تھی کہ ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھنے والے کی بخشش ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک صاحب کشف نوجوان نے ان سے کہا کہ میں اپنی والدہ کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ ابن العربی نے ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ رکھا تھا۔ اس کا ثواب اس کی ماں کو دل ہی دل میں بخش دیا۔ دیکھا کہ صاحب کشف نوجوان خوشی سے بولا کہ میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ ابن العربی کہتے ہیں کہ میں نے اس ضعیف حدیث کی صحت کشف سے معلوم کی۔ بعض بزرگوں نے یہی واقعہ جنید بغدادی کے بارے میں نقل کیا ہے۔ (صحیح ابصاری و تحذیر الناس از محمد قاسم نانوتویؒ)

۴۔ اسناد ضعیف ہوں تو ضروری نہیں کہ حدیث کا متن بھی ضعف کا شکار ہے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث ایک لحاظ سے ضعیف ہو دوسرے اعتبار سے حسن اور تیسرے لحاظ سے صحیح کے درجہ کی حامل ہو۔ چنانچہ امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔ **ھذا الحدیث حسن صحیح غریب**۔ جس کا مطلب اسناد کے ضعف و قوی کے طریقوں کا مختلف ہونا ہے۔ اس طرح متن حدیث اپنی جگہ مستند قرار پاتا ہے۔

۵۔ وجہ بتائے بغیر کسی حدیث کو ضعیف کہہ دینا جرح مبہم کہلاتا ہے۔ ایسی جرح قابل قبول نہیں ہوتی کیونکہ وجہ ضعف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض ایک بات کو عیب سمجھتے ہیں بعض اسے عیب نہیں جانتے مثلاً تدلیس، ارسال گھوڑے دوڑانا، مذاق کرنا، نو عمر راوی ہونا کو بعض عیب سمجھتے ہیں لیکن حنفاء کے نزدیک یہ کوئی عیب نہیں ہے۔

۶۔ جرح و تعدیل کا تعارض پیدا ہو جائے تو تعدیل قبول ہو گی جرح نامقبول ٹھہرے گی مثلاً ایک راوی کو کسی محدث نے ضعیف کہا جبکہ اسی پائے کے دوسرے محدث نے اسے قوی کہا تو اب اسے قوی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح فاسق اور متقی قرار دیا جانے والا متقی سمجھا جائے گا اور اس کی روایت ضعیف نہ ہو گی۔ کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔

۷۔ اگر کسی حدیث کو ایک محدث "صحیح نہیں" کہہ دے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حدیث غلط یا من گھڑت ہے ہو سکتا ہے کہ وہ حسن ہو یا ضعیف ہو۔ یا غریب ہو۔

۸۔ صحیح حدیث کا دارومدار صحاح ستہ کی احادیث پر نہیں کیونکہ صحاح ستہ میں صحیح، حسن، ضعیف اور

Marfat.com

غریب ہر طرح کی احادیث موجود ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے علاوہ کتب احادیث بیکار اور وہ سب غلط اور من گھڑت احادیث کا پلندہ ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ صحاح ستہ میں اسناد قوی ہیں۔ جبکہ حضور کا ارشاد ہے۔ **بلغوا عني ولو آية** یعنی میرا حکم آگے پہنچا چاہے وہ ایک آیت ہی ہو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحاح ستہ کے علاوہ احادیث کی کتابیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی ہیں، لیکن ان کی اسناد کی تحقیق اس طرح ممکن نہ ہو سکی جس طرح صحاح ستہ والی احادیث کی تحقیق پایہ اسناد کو پہنچی۔ اس کی وجہ زمانے کی دھول بھی ہو سکتی ہے جس کے تلے اسناد دب کے رہ گئی ہوں۔ جیسا کہ منقطع حدیث میں ہوتا ہے۔

۹۔ کسی محدث یا عالم یا فقیہہ کا کسی ضعیف حدیث کو بغیر کسی اعتراض کے قبول کر لینا اس کے ضعف دور کر دیتا ہے اور وہ قوی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ شریف اس کے خطبہ میں فرماتے ہیں **واني اذا اسندت الحديث اليهم كاني اسندت الى النبي صلى الله عليه وسلم**۔ یعنی میں نے جب ایک حدیث کو ان محدثین کی طرف منسوب کر دیا تو گویا اسے حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔

احادیث کی مزید اقسام بلحاظ سند

مرفوع: جو حدیث حضور علیہ السلام تک پہنچے اسے مرفوع کہتے ہیں۔

موقوف: جو حدیث کسی صحابی پر منتہی ہو اُسے موقوف کہا جاتا ہے۔

مقطوع: جس حدیث کا سلسلہ کسی تابعی تک پہنچتا ہو اُسے مقطوع کہتے ہیں۔

مرفوع صریح: جس حدیث میں یہ صراحت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فلاں بات کہی، یا کام کیا یا آپ کی موجودگی میں کسی نے کوئی بات کی یا کہی اور آپ نے منع نہ فرمایا۔

مرفوع حکمی: اگر راوی کے بیان سے اندازہ ہوتا ہو کہ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی تو اسے حدیث حکمی کہیں گے، لیکن اس طرح کی حدیث کے بارے میں حکم لگانے کے لئے وسیع علم اور گہری سوچ درکار ہوتی ہے۔ اس لئے فیصلہ میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے بعض علماء حکمی حدیث کو تسلیم نہیں کرتے۔

Marfat.com

متصل: وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ سند میں کوئی راوی رہ نہ گیا ہو یا کوئی راوی مجہول الحال نہ ہو اور یہ ثابت ہو کہ ہر راوی نے اپنے شیخ یعنی استاد سے براہ راست سنا۔ ایسی حدیث متصل کہلاتی ہے۔

منقطع: جس حدیث کا سلسلہ سند ٹوٹ گیا ہو۔ یعنی متصل حدیث کی شرائط میں سے ایک یا ایک سے زیادہ شرائط پر پوری نہ اترتی ہو۔ اسے منقطع کہتے ہیں۔ اس کی پانچ ذیلی قسمیں ہیں:

(۱) **معلق:** وہ حدیث جس کا کوئی راوی ابتدائے سند میں محذوف یا ساقط ہو۔

(۲) **مرسل:** جس حدیث کا کوئی راوی اواخر سند میں ساقط ہو۔ یعنی اس صحابی کا ذکر نہ ہو جس نے وہ حدیث رسولِ خدا ﷺ سے سنی تھی، اور اُسے سننے والا راوی (صحابی یا تابعی) سند کو براہ راست آنحضور تک پہنچادے۔

۳۔ **منقطع:** متصل کے مقابل حدیث بھی منقطع کہلاتی ہے لیکن اس کی ایک قسم کو بھی منقطع کہا جاتا ہے۔ گویا اس کی دو تعریفیں ہیں۔ پس جس حدیث کے ایک سے زیادہ راوی محذوف یا مجہول الحال ہوں یا ان کا سماع اپنے شیخ سے براہ راست نہ ہو۔ (منقطع کی ذیلی قسم) منقطع کہلاتی ہے۔

(۴) **معضل:** جس حدیث کی سند کے درمیان کسی مقام پر دو راوی مجہول الحال یا محذوف ہوں یا ان کا براہ راست سماع اپنے شیخ سے ثابت نہ ہو۔ تو ایسی حدیث کو معضل کہیں گے۔

۶۔ **مدلس:** جس حدیث کا راوی کسی وجہ سے اپنے شیخ کا نام چھپانے کی کوشش کرے اور اس کا حوالہ دیئے بغیر اوپر والے راوی کا نام لے دے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ اس نے اسی سے سنی ہے تو ایسی حدیث مدلس کہلاتی ہے۔

اسی سرمایہ حدیث سے خوشہ چینی اور استفادہ کر کے اُمت مسلمہ صدیوں سے راہ مستقیم پر گامزن ہے۔

Marfat.com

اسلام اور سیاست

سیاست کیا ہے: یہ لفظ "س و س" مادے سے ہے اور سیاست کے معنی ہیں۔ تدبیر امور ریاست، تنظیم مصالح انسان، تدبیر نفاذ امر و نہی، ولایۃ الامر۔ لغت میں اس کے ہیں۔ القیام علی الشی بما یصلحہ (لسان العرب) قاموس میں ہے: سا الوالی الرعیہ امرھم ونہاھم تو سیاست کے یہ معنی ہوئے۔ استصلاح الخلق بارشادھم الی الطریق المنجی فی الدنیا والاخ یعنی لوگوں کے مصالح کی نگہداشت بذریعہ رہنمائی جو دنیا اور آخرت کی نجات کا موجب ہو۔ اور یہ کام خاص انبیاء علیہم السلام انجام دیتے رہے ہیں اور ملوک و سلاطین بطور عام۔ بحرالرائق میں سیاست کی تعریف کی گئی ہے۔ القانون الموضوع لرعایۃ الاداب والنصائح انتظام الاموال یعنی لوگوں کے آداب اور نصائح اور انتظام اموال کے لئے بنایا ہوا قانون۔

علم سیاست: یہ وہ علم ہے جس میں انواع ریاست، سیاسیات، اور اجتماعات مدینہ کے تمام احوال کوائف اور لوازمات کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔ (کشاف الاصطلاحات)

فارسی زبان میں سیاست کے اصل معانی کے ساتھ ساتھ لوگوں پر حکومت کرنا۔ (حکم راندا بر رعیت) کا مفہوم بھی ملتا ہے نیز اس میں یہ مفاہیم بھی شامل ہیں۔

"قہر کردن و ہیبت نمودن و ضبط ساختن مردم از فسق و ترسانیدن و زدن و سیاست کردن راندن و بستن بمعنی کشتن"۔ (فرہنگ آنند راج)

یعنی قہر کرنا ہیبت ظاہر کرنا اور لوگوں میں نظم و ضبط قائم کرنا اور برائی سے روکنا اور ڈرانا اور مار پیٹ کرنا، اچھی طرح حکم چلانا اور باندھنا یعنی مار ڈالنا چنانچہ فارسی میں سیاست گر اور و سیاستی کے معنی ہیں "سفاک و خونخوار و خونریز اور ترکی میں بھی سیاست سے یہی کچھ مراد لیا جاتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۱ صفحہ ۴۸۳)

گویا بنیادی طور پر سیاست "ولایۃ امر" کا نام ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں تنظیم اور تدبیر ریاست کے معنی بھی شامل ہو گئے۔ جس میں انسانی امور کی اصطلاحات بھی دخیل ہو گئیں اور نفاذ امر و نہی کا اہتمام بھی شامل کر لیا گیا۔ نیز تعزیز اور امن و عدل کے قیام کے لئے قہر و ہیبت اور سخت قانونی ضابطوں کو بھی اس میں شامل تسلیم کیا جانے لگا اور ان سب معانی کی حامل یہ ایک مکمل اصطلاح بن گئی حتیٰ کہ بنو عباس کے دور میں سیاست کا مفہوم ملکی تدبیر کے طور پر متعین ہو گیا۔

Marfat.com

مشاہیر کی رائے: علامہ ابن خلدون کے مطابق --- "سیاست اور حکومت مخلوق کی نگہداشت اور اس کے مفادات کی کفالت و ضمانت کا نام ہے۔ یہ خدا کی نیابت کا فریضہ ہے جو اس کے بندوں پر اس کے احکامات کو نافذ کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔

امام راغب نے سیاست کی تعریف میں تین بنیادی باتیں شامل بتائی ہیں۔

۱۔ زمین کو آباد کر کے عمرانی تمدن قائم کرنا۔

۲۔ خدا کے احکامات کا نفاذ۔

۳۔ اخلاق فاضلہ کی تربیت و تشکیل اور ان کو اختیار کرنا۔

اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

"سیاست وہ حکمت ہے جو شہریوں کے باہمی ربط و تعلق کی حفاظت اور ان سے متعلقہ تدابیر سے بحث کرتی ہے"۔

الماوردی --- اور الفارابی نے بھی سیاست پر بہت اچھا لٹریچر چھوڑا ہے اور اس کے مندرجہ ذیل شعبوں سے بحث کی ہے۔

۱۔ سیاست میں اقتدار اعلیٰ کا مسئلہ۔

۲۔ طرز حکومت کا مسئلہ۔

۳۔ نظام حکومت اور تنظیم ولایات کا معاملہ۔

۴۔ بنیادی قواعد و ضوابط کی جزئیات منضبط کرنا اور حقوق و فرائض کے معاملات کی بحث۔

۵۔ مدنیہ الفاضلہ اور مدینۃ الجاہلہ یعنی شہریت اور شہری حکومت کے اصول و قواعد۔

۶۔ عدل و انصاف بہم پہنچانے کے قوانین و ضوابط۔

۷۔ تعزیر وغیرہ کے قوانین کی تشکیل اور تعمیلات کا طریق کار وغیرہ۔

مغربی ماہرین میں بلنچلی کی رو سے --- "سیاست کا موضوع سلطنت کے امور پر بحث و تمحیص ہے۔ محقق طوسی نے اخلاق ناصری میں سیاست کی تین ضرورتیں اجاگر کی ہیں۔ (۱) تدبیر امور (۲) ناموس اساسی قوانین) (۳) حاکم اور زرمالیات۔ پس اگر سیاست بطریق حکمت ہو تو سیاست الٰہی ہو گی ورنہ سیاست ملک، سیاست غلبہ، سیاست کرامت یا سیاست جماعت وغیرہ کی صورت کی حامل ہو گی۔ سیاست میں ایک رئیس کی ضرورت بھی پڑتی ہے اس لئے رئیس کا دائرہ عمل ریاست کہلاتا ہے۔

سیاست کے شعبے: (۱) مطلقہ کاملہ وہ سیاست ہے جس کی بنیاد مثالی اصولوں پر رکھی گئی ہو۔

(۲) سیاست مدینہ لوگوں کے باہمی معاملات کی اصلاح اور امور معاش کی تنظیم سے بحث کرتی ہے۔ سیاست نفسیہ، سیاست بدنیہ، سیاست عادلہ اور سیاست ظالمہ اس کی اقسام میں شمار ہوتی ہیں۔

Marfat.com

ریاست کا تصور: اس لفظ کا مادہ راس ہے۔ بمعنی: سر۔ رئیس۔ کسی قوم کے سرکردہ شخص کو کہتے ہیں۔ اور ریاست کے عمومی معنی سرداری، سربراہی۔ حکومت اور اقتدار وغیرہ ہیں۔ ریاست کسی رئیس یعنی سردار کے زیر نگیں علاقہ یا مملکت کو کہتے ہیں۔

فارابی نے اپنی کتاب (یا سیاسیات) المدینہ میں ریاست کو انسانی بدن سے تشبیہ دے کر بات کی ہے۔ جس میں دل عضو رئیس ہے اور باقی اعضاء اس کی منشاء کے مطابق اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ اعضاء بدن کے ساتھ طبعی تعلق ہے جبکہ انسانوں کا آپس میں اور اپنے رئیس کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ارادی طور پر ہوتا ہے جس کی بنیاد ان کی ضروریات اور دیگر امور مثلاً اتباع کے لئے کسی بزرگ ہستی کا حکم وغیرہ ہوتے ہیں۔

رئیس کے اوصاف: ریاست انسانی اجتماعات کے اندر ایک نظم و ضبط پیدا کرنے کا نام ہے۔ لازم ہے کہ ہر اجتماع کا ایک رئیس ہو۔ یہ اجتماعات دیہی، شہری، قومی، ملکی اور بین الاقوامی صورتوں میں ہو سکتے ہیں۔ ریاست میں چھوٹے اجتماع کا رئیس بڑے اجتماع کے رئیس سے مربوط ہو گا اور وہ اپنے سے بڑے رئیس کے ساتھ۔ اور ہر چھوٹا رئیس اپنے سے بڑے رئیس کا مرؤس (ماتحت) ہو گا۔ ایک ریاست کے رئیس میں فضیلت کا ہونا لازمی ہے اور سب سے بڑا رئیس سب سے زیادہ فضیلتوں کا حامل ہو گا۔ (اخلاق ناصری از محقق طوسی)

فارابی کے نزدیک کسی ریاست کے مقتدر اعلیٰ میں اگر یہ چار صفات ہوں تو وہ ریاست حکیمہ کہلائے گی۔

۱۔ حکمت کا مخزن ہو۔ (افلاطون کے بقول حکمرانوں کے لئے فلاسفر ہونا لازمی ہے)

۲۔ تعقل کا حامل ہو۔ یعنی وہ عقلمند ہو۔

۳۔ جودت و اختراعِ تخیل کا مالک ہو۔ یعنی اپنے خیالات کو بوقت ضرورت لوگوں پر موثر طریقے سے ظاہر کرنے یا ان کو چھپانے کا نہ صرف ماہر ہو بلکہ اس معاملے میں جدت طراز بھی ہو۔

۴۔ قوت جہاد کا حامل ہو۔

فارابی نے مقتدر اعلیٰ کو بارہ صفات کا حامل ہونا لازمی قرار دیا ہے۔

۱۔ وہ زیادہ عالم اور زیادہ قوی ہو۔ (علم اور جسم میں فضیلت رکھتا ہو۔ قرآن۔ بقرہ ۲۴۷)

۲۔ جسمانی طور پر تندرست ہو۔

۳۔ بہتر حافظہ کا حامل ہو۔

۴۔ نفسیات انسان سے آگاہ ہو۔

۵۔ بحث سے گریزاں ہو تاکہ خواہ مخواہ بحث و تمحیص میں وقت ضائع نہ کرے۔

۶۔ قوت برداشت کا حامل ہو۔

Marfat.com

۷۔ عدل و انصاف کرنے والا ہو۔

۸۔ ظالم اور درشت خو نہ ہو بلکہ عفو و درگزر کی طرف بھی مائل ہو۔

۹۔ شجاع اور صاف دل ہو۔

۱۰۔ ملک میں اندرونی اور بیرونی امن بحال رکھنے پر قادر ہو۔

۱۱۔ ذاتی اغراض کا بندہ نہ ہو۔

۱۲۔ انہام و تفہیم اور حق پرستی کا علمبردار ہو وغیرہ۔

ایک شخص میں اتنی زیادہ صفات نہ ہوں تو ایسی صفات کے حامل افراد پر مشتمل ایک کابینہ بنا کر بھی کام چلایا جا سکتا ہے۔ قرآن میں اس طریق کار کا نام شورائی نظام ہے۔

اسلام میں ریاست و حکومت کا تصور: اسلام نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو منضبط رکھنے، ان کی ترتیب و تہذیب اور نشو و ارتقاء کے لئے جن اداروں کی ضرورت پر زور دیا ہے ان میں ریاست کا وجود اولین ضرورت ہے اسلامی زندگی کے لئے اسلامی اجتماعیت اور اس اجتماعیت کی مختلف شکلوں کو مضبوط کرنے اور قائم رکھنے کے لئے اسلامی حکومت یا ریاست کا ہونا لازمی امر ہے۔ الماروردی نے "وجوب الامامہ" پر اپنی کتاب "احکام السلطانیہ" میں بھرپور بحث کی ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

الاسلام و السلطان اخوان توامان --- لا یصلح احد منہما الا بصاحبہ فالاسلام اس والسلطان حارس و ما لا اس لہ یھدم و ما لا حارس لہ ضائع۔

"یعنی اسلام اور حکومت و سلطنت جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ اسلام بنیاد مہیا کرتا ہے۔ اور سلطان اس کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ رہے وہ گر جاتی ہے اور جس کا کوئی محافظ نہ ہو وہ (باقی نہیں رہتی بلکہ) برباد ہو جاتی ہے"۔ (الدیلمی۔ مسند۔ عن جابر)

امام شاطبی الموافقات فی اصول الشریعت میں لکھتے ہیں۔ (یہی بات مفہوماً سورۃ نور آیت ۵۵ میں ہے)

"فرد کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان اپنی طاقت اور استعداد کے مطابق خلیفۃ اللہ کی ہے۔ لیکن ایک آدمی اتنی طاقت اور استعداد بھی نہیں رکھتا کہ وہ اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے مصالح کی کماحقہ، نگرانی کا فریضہ نبھا سکے۔ چہ جائیکہ وہ پورے قبیلے یا سب بنی نوع انسان کے مصالح کا تحفظ کر سکے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مشترک انسانی ضرورتوں کی تکمیل کی ذمہ داری اجتماع یعنی معاشرے پر ڈالی ہے۔ اور اسی بناء پر زمین میں ریاست کا قیام عمل میں آیا ہے"۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۷۷)

Marfat.com

اسلامی ریاست کی ضرورت

اسلامی ریاست کی ضرورت اس لئے ہے کہ مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات کے مطابق، بطور کامیاب زندگی گزار کر اگلے جہان کو سدھاریں اور وہاں بھی اخروی کامیابیوں سے بہرہ مند ہوں۔ قرآن حکیم نے ہمیں جو ازلی ابدی قوانین عطا کئے ہیں۔ ان کا تقاضا یہ ہرگز نہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے روزمرہ کے اعمال کی بنیاد دنیا کی غیر مسلم اقوام میں جاری شدہ قوانین پر رکھیں۔ دیگر اقوام کے قوانین اور قرآنی دستور میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ وہ انسانوں کو اپنی مرضی کے قوانین کے تابع رکھنا چاہتے ہیں جبکہ قرآن کا دستور انسانوں سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تقاضا کرتا ہے کہ تاکہ وہ دنیا اور عقبے میں فلاح پائیں۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد: دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے ان کا مقصد خدائے واحد کی خدائی منوانا تھا اور اس کی عبادات کروانا تھا تاکہ دین یعنی ضابطہ حیات خالص اللہ تعالیٰ کا بتلایا ہوا اس دنیا میں نافذ ہو جائے۔ اور جو لوگ اس پر خلوص دل سے چلیں وہ عقبیٰ کی نعمتوں سے بھی سرفراز ہوں اور جو اس کے منکر ہوں وہ ان سے الگ ہو کر اپنے انجام کو پہنچیں۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔

اگر قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں کفار اور مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو رب العالمین مانتے تھے مثلاً

۱۔ قل لمن الارض ومن فیھا ان کنتم تعلمون سیقولون للہ (مومنون ۸۵/ ۸۴)

۲۔ قل من رب السموات السبع و رب العرش العظیم ---؟ سیقولون للہ (۸۷/ ۸۶)

۳۔ قل من بیدہ ملکوت کل شی وھوا یجیر ولا یجار علیہ ---؟ سیقولون للہ (۸۹/ ۸۸)

۱۔ یعنی اے نبی ﷺ! آپ ان سے پوچھئے کہ زمین اور جو کوئی اس میں ہے۔ کس کا ہے اگر تمہیں علم ہے تو بتاؤ --- تو فوراً وہ کہیں گے کہ اللہ کا ہے۔

۲۔ اے نبی ﷺ! آپ ان سے پوچھیں کہ سات آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے --- ؟ وہ کہیں گے -- یہ چیزیں اللہ کی ہیں۔

۳۔ اے نبی ﷺ! آپ ان سے پوچھیں کہ ہر چیز کی مختاری کس کے ہاتھ میں ہے اور وہ کون ہے جو سب کو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا --- ؟ --- تو وہ کہیں

Marfat.com

گے --- وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے"۔

۴۔ ولئن سالتھم من خلق السموات والارض وسخر الشمس والقمر-- ؟ لیقولن اللہ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور کس نے سورج اور چاند کو تمہاری چاکری پر لگا رکھا ہے تو لازماً وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے --- ؟۔ عنکبوت ۶۱

۵۔ ولئن سالتھم من خلقھم لیقولن اللہ (زخرف ۸۷)

اور آپ اگر ان سے پوچھیں کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو لازماً یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔

یعنی دنیا کے باسی یہ تو مانتے تھے کہ اللہ کی ذات ہی خالق، مالک ہے اور رب العالمین ہے۔ لیکن ان سے کہا جاتا کہ اس کے دین کو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کر کے اسی کے ہو کے رہ جاؤ تو وہ اس کے لئے تیار نہ تھے بلکہ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا تھا۔ اپنی خواہشوں کی پیروی میں جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ اور اسی کو دین حق سمجھ کر اس پر رواں دواں تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو بطور ضابطہ حیات اپنانے کے لئے تیار نہ تھے۔ جبکہ رسولوں کا مطالبہ یہ تھا کہ اللہ کے احکامات اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت کو اپناؤ اور خواہشوں کے سارے بتوں کو چکنا چور کر ڈالو تاکہ تم دنیا اور عاقبت میں فلاح پاؤ۔

چنانچہ اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد یہ ٹھہرا کہ اس میں لوگ اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی روشنی میں اسلامی ضابطہ حیات کو اپنائیں۔ کیونکہ کائنات کی ہر چیز انسانوں کی خدمت میں لگانے کا مقصد یہ بتایا گیا کہ انسانوں کی تخلیق "الا یعبدون" کی حامل ہونی چاہئے۔

دنیا کے وڈیرے خدا بن بیٹھے:

لیکن خدا کے مقابلے میں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے خوشحالی اور رزق میں وسعت دی وہ اپنے سے کمتر لوگوں کے معبود (الٰہ) بن بیٹھے۔ فرعون کو جب موسیٰ علیہ السلام نے چیلنج کیا تو اس نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا:

فکذب وعصٰی ٥٥ ثم ادبر یسعٰی ٥٥٥ فحشر فنادی ٥٥ فقال انا ربکم الاعلٰی ٥٥ (نازعات۔ ۲۲ تا ۲۴)

"تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا مانا اور ان کی نافرمانی کی۔ پھر وہ لوٹ گیا اور بھاگ دوڑ کرنے لگا۔ تو پھر اس نے لوگوں کو جمع کیا۔ پھر ان کے سامنے تقریر کی تو ان سے کہا "میں ہوں تمہارا سب سے بڑا رب"۔

ازیں پیشتر ابراہیم علیہ السلام اور بادشاہ وقت کے درمیان ایک بحث ہوئی تھی۔

بھلا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے بحث کی اس بارے میں کہ ابراہیمؑ کا رب کون ہے۔ اور اس نے یہ بحث اس لئے کی۔

Marfat.com

ان اتہ اللہ الملک

کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہی سے نواز رکھا تھا۔ (بقرہ ۲۵۸)

مسلمانوں میں بھی جھوٹے وقار کے پجاری اور اقتدار کے بھوکے لوگ خدا بن بیٹھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور (اے نبی ﷺ) بعض آدمی وہ ہے کہ تجھے اس کی بات پسند آتی ہے دنیا کی زندگی کے کاموں میں۔ اور وہ اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بھی کرتا ہے اور (اللہ خوب جانتا ہے کہ) وہ شخص سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب اسے اقتدار مل جاتا ہے تو وہ ملک میں دوڑتا پھرے (دورے پہ دورے کرے) تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کرے اور اللہ کو فساد پسند نہیں اور جب اسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو غرور (اور جھوٹا وقار) اسے گناہ پر آمادہ رکھے۔ پس اس کے لئے دوزخ کافی ہے اور لازماً وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ (بقرہ ۲۰۴ تا ۲۰۶)

تو انبیاء علیہم السلام کا مشن یہ تھا کہ لوگ ان جعلی خداؤں کے چنگل سے آزاد رہ کر خدائے واحد کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کر کے اگلے جہان میں بھی فلاح پائیں۔ اگر وہ اللہ اور رسول کے علاوہ کسی اور شخص یا آئیڈیل کی فرمانبرداری کریں جس کا حق سے کوئی تعلق نہیں تو ایسی اطاعت کی اللہ نے مذمت کی ہے۔ اور جس اطاعت کا تعلق اللہ تعالیٰ، اس کے رسول سے اور اہل اسلام میں سے کسی "اولوالامر" شخصیت سے ہو تو اسے نہ صرف سراہا ہے بلکہ اسے فرض کیا ہے۔

۱۔ ویطیعون اللہ و رسولہ اولئک سیرحمھم (توبہ۔۷۱)

"اور اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ بڑی جلدی رحمت کرنے والا ہے"۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (نساء۔۵۹)

یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو کوئی صاحب امر ہو۔ اس کی بھی اطاعت کرو"۔

لیکن جس شخص نے اللہ کے مقابلے میں اپنی خواہشوں کو خدا بنا لیا اس کی مذمت ان لفظوں میں فرمائی گئی ہے۔

افرایت من اتخذ الھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشوۃ

"یعنی بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ اور اسے علم بھی ہے۔ (کہ حقیقی معبود اللہ تعالیٰ ہے) تو اللہ نے بھی اسے سیدھی راہ سے بھٹکا دیا۔ اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ (جاثیہ۔۲۳)

Marfat.com

حاکمیت الٰہی کا قیام: تو اسلامی ریاست کی ضرورت یہ ٹھہری کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کیا جائے۔ اللہ کی حاکمیت اور حکومت کا قرآن نے کئی جگہ واضح طور پر اعلان فرمایا:

۱۔ ان الحکم الا للہ امرالا تعبدو الا ایاہ ذلک الدین القیم

"حکم تو بس اللہ ہی کا (چلتا) ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ تم صرف اسی (اللہ) کی عبادت کیا کرو۔ یہی ہے صحیح دین"۔ (یوسف۔۴۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کا نہ صرف پالنے والا ہے بلکہ ان کا بادشاہ اور معبود بھی ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کی زبان سے کہلوایا۔ قل اعوذ برب الناس ○○ ملک الناس ○○ الہ الناس ○○ فرما دیجئے کہ میں انسانوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو انسانوں کا بادشاہ ہے اور معبود (بھی) ہے۔ (ناس ۱۔۳)

۳۔ اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک بھی نہیں۔

لم یکن لہ شریک فی الملک (بنی اسرائیل ۱۱۱)

۴۔ ہر شے کا وہ خالق ہے اور اسی کا امر ہے۔

الا لہ الخلق و الامر (اعراف ۵۴)

۵۔ رسولوں کا کام یہ ہے کہ لوگ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کریں اور اللہ کا ضابطہ حیات اپنا کر فلاح دارین پائیں۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (نساء ۶۴)

اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اس لئے کہ اللہ کے اذن کی بناء پر اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

۶۔ رسول ﷺ سے فرمایا کہ آپ اسلامی ریاست میں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کریں۔

انا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما ارک اللہ (نساء ۱۰۵)

اے محمد ﷺ۔ ہم نے حق بھری یہ کتاب آپ ﷺ کی طرف نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس روشنی کو سامنے رکھ کر فیصلے کریں جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو نظارا کرا دیا ہے۔

۷۔ ریاست اسلامی کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے اندر نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔

الذین ان مکّنٰھم فی الارض اقامو الصلوۃ واتو الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (حج ۴۱)

(یہ مسلمان لوگ وہ ہیں) کہ ان کو اگر ہم زمین میں اقتدار سے نوازیں گے تو وہ نظام نماز و زکوٰۃ قائم کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

۸۔ حضور علیہ السلام نے قرآن کے حکم کے مطابق یہ اعلان بھی فرمایا۔

Marfat.com

وامرت لاعدل بینکم (الشوریٰ ۱۵)

یعنی (بطور اسلامی ریاست کے سربراہ کے) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان نظام عدل قائم کروں۔

۹- اسلامی ریاست کے قیام کا ایک اور مقصد قرآن حکیم میں اس طرح بیان کیا ہے۔

(ا) کنتم خیرامة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر و تومنون باللہ (العمران ۱۱۰)

تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کی (اصلاح و ہدایت کی) خاطر پیدا کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

(ب) و کذلک جعلنکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیدا (بقرہ ۱۴۳)

اور اس طرح ہم نے تم کو درمیان والی امت (یعنی اے صحابہ کرام! لوگوں اور رسول اللہ کے درمیان تمہیں رابطے والی امت بنایا۔ یعنی تم نے رسول اللہ سے جو سیکھا اور سنا وہ قیامت تک کے لوگوں کو سکھانا تمہاری ذمہ داری ٹھہرائی ہے) تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو (کہ تم نے جو کچھ رسول اللہ ﷺ اللہ سے وہ لوگوں تک صحیح بلغو عنی ولو ایة کے ارشاد رسول ﷺ کے مطابق پہنچا دیا ہے) اور رسول تم پر گواہ رہیں (کہ انہوں نے بھی اللہ کے ارشاد کے مطابق حق تبلیغ ادا کر دیا تھا) اس آیت میں صحابہ (اور وسیع معنوں میں ساری امت) سے خطاب ہے کہ جبکہ اوپر والی آیت (العمران ۱۱۰) میں صحابہؓ اور ہر زمانے کے دیگر صلحائے امت سے بھی خطاب ہے۔

(ج) اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد یہ بھی ہے کہ دین حق کے منکروں سے جہاد کرو اور اسلام کو نافذ کرو۔

وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة و یکون الدین کله للہ (انفال ۳۹)

اور ان کے ساتھ لڑائی جاری رکھو حتیٰ کہ فتنہ (کفر کا فساد) باقی نہ رہے۔ اور دین سب کا سب (بطور ضابطہ حیات) اللہ کا ہی (نافذ) ہو جائے

(د) اسلامی ریاست میں اللہ کا رسول ریاست کا سربراہ بھی ہوتا ہے لہٰذا نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ بیان فرمایا گیا۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله (فتح ۲۸، صف ۹)

وہی تو (اللہ) ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرے۔

Marfat.com

اور امت مسلمہ کی حکومت کا مقصد بھی یہی ہونا چاہیے کہ اس کی قلمرو میں اللہ کا دین غالب ہو۔ اور بطور ضابطہ حیات اس پر عمل پیرا ہو کر لوگ دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کریں۔

دنیا میں مختلف نظامہائے حکومت

بادشاہت (MONARCHY): یہ دنیا میں سب سے قدیم طرز حکومت ہے۔ بادشاہ مطلق العنان بھی ہوتا ہے اور اپنے عوام کا خدمت گزار بھی۔ قرآن حکیم میں فرعون اور نمرود و شداد ایسے بادشاہوں کے عہد کے واقعات بھی ہیں جو مطلق العنان تھے۔ اور حضرت داؤد، حضرت سلیمانؑ، ذوالقرنین جیسے بادشاہوں کا ذکر بھی ہے۔ جو حق و انصاف کے ساتھ بادشاہی کے فرائض انجام دیتے تھے۔

تاریخ میں موروثی اور انتخابی دونوں قسم کی بادشاہتوں کی مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ قدیم رومی ریاست اور قدیم پولینڈ میں انتخابی بادشاہت بھی موجود تھی۔ اسی طرح رومن سلطنت میں شاہی خاندان کے افراد سربراہ مملکت چنا کرتے تھے۔ ۱۸۷۸ء کے معاہدۂ برلن کے تحت بلغاریہ میں تخت نشینی انتخابی اصول کے تحت انجام پائی۔ اکثر بادشاہتیں موروثی ہوتی ہیں۔

مطلق العنان اور دستوری بادشاہت: مطلق العنان بادشاہ ہی زمانہ قدیم سے چلے آتے ہیں۔ لیکن جمہوری نظریات کے فروغ کے بعد بہت سی بادشاہتیں دستوری بن کے رہ گئیں۔ جیسا کہ انگلستان میں دستوری بادشاہت ہے۔

اسلام اور بادشاہت: ملک یعنی بادشاہ کا مادہ م ل ک ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ قوت رکھنا۔ کسی چیز پر قادر اور متولی ہو جانا (محیط) اختیار و ارادہ، اتھارٹی، بنیاد محکم، یا وہ سہارا جس پر کوئی چیز قائم ہو۔ (LANES LEXICON) (انگریزی میں عربی کا مشہور لغت جو زیادہ تر تاج العروس "عربی لغت" پر مبنی ہے) اسی لئے پانی اور غذا نیز دیگر اسباب و وسائل کو ملک کہا جاتا ہے "م ل ک" کا خاصہ قوت اور شدت ہے۔ (علم الخلق از نواب صدیق حسن خاں بھوپالی) **ملکوت** عزت واقتدار اور حکومت و سلطنت نیز ملک عظیم کو بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ لفظ ملکوت اللہ تعالیٰ کی مملکت کے لئے مخصوص ہے۔ (تاج العروس) کیونکہ کائنات کا خالق، مالک اور مختار مقتدر وہی ہے۔ وہی اس کی بنیاد اور سہارا اور اس کی تمام کی تمام کار فرمائیوں کا مالک و مستحق ہے۔ (۷۵/۲، ۸۵/۱۶، ۸۸/۷، ۲۳)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واللہ یوتی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم ○○** (بقرہ ۲۴۷)

یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، اپنا ملک عطا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کشائش والا ہے، جاننے والا

Marfat.com

قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کے ایک نبی علیہ السلام کا ذکر ہے جنہوں نے بتلایا کہ تمہارے
پر-

ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا (بقرہ ۲۴۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے۔

لیکن وہ لوگ بولے کہ ہم پر طالوت کو بادشاہی کا حق کیسے حاصل ہے؟ اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق تو ہم خود ہیں اور اس کے پاس مال و دولت بھی زیادہ نہیں"۔ تو اس نبی نے بتایا کہ اللہ نے اس کو لوگوں پر فضیلت دی ہے اور بادشاہی عطا کرنا اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ (بقرہ ۲۴۷)

بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے یاد دہانی کراتے ہوئے فرمایا **یقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکا** (مائدہ ۲۰)

اے میری قوم۔ یاد کرو اللہ کے وہ احسان جو اس نے تم پر کیے (وہ یہ کہ) جب اس نے تم لوگوں میں پیغمبروں کو پیدا کیا۔ اور تمہیں بادشاہ بنایا۔

آل ابراہیم کو عظیم مملکت عطا کرنے کا ذکر بھی قرآن میں آیا ہے۔ (نساء۔ ۵۴)

سورۃ کہف میں ایک ظالم و جابر بادشاہ کا ذکر بھی ملتا ہے جس کے ظلم سے بچنے کے لئے خضر علیہ السلام نے یتیم بچوں کی کشتی کو عیب دار کر دیا تھا (کہف ۷۹) اور ایک دوسرے بادشاہ ذوالقرنین کا ذکر بھی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے بادشاہی عطا کرنے کے بعد فرمایا تھا:

قلنا یذا القرنین اما ان تعذب و اما ان تتخذ فیھم حسنا قال اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابا نکرا○○ (کہف ۸۶-۸۷)

"ہم نے کہا۔ اے ذوالقرنین! چاہو تو تم لوگوں کو تکلیف دے لو۔ یا اگر چاہو تو ان کے ساتھ بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تمہیں قدرت حاصل ہے) تو ذوالقرنین بولا کہ (ہماری مملکت میں) جو کوئی (کفر و بدکاری سے) ظلم کرے گا۔ تو اسے ہم فوری طور پر سزا دیں گے۔ پھر جب وہ اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے بہت برا عذاب دے گا"۔ اگلی آیت میں اہل ایمان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ (کہف ۸۸) اسی طرح سورۃ یوسف میں بھی ایک بادشاہ کا ذکر ہے۔

تو گویا بادشاہی اسلام میں کوئی شجر ممنوعہ نہیں بشرطیکہ بادشاہ سلامت لوگوں کے ساتھ اللہ کے قانون کے مطابق عدل و انصاف اختیار کریں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو ان کا انجام فرعون نمرود اور شداد کی طرح ہو گا۔ داؤد علیہ السلام کو خلیفہ فی الارض کہا گیا ہے جبکہ سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کی شان ہی نرالی تھی۔

Marfat.com

سلیمان علیہ السلام کی سلطنت و مملکت و خلافت کی شان:

ارشاد ربانی ہے۔

وورث سلیمن داود وقال یاایھا الناس ... فی عبادک الصلحین

(نمل ۱۶ تا ۱۸)

اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے فرمایا اے لوگو! ہمیں جانوروں کی بولی کا علم دیا گیا ہے۔ (یہاں۔ نا۔ جمع کا صیغہ سلیمان علیہ السلام نے اپنے لئے استعمال کیا۔ حالانکہ منطق الطیر کا علم صرف اکیلے انہی کو دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بطور بادشاہ یا سربراہ مملکت اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرتے تھے تاکہ اسلامی بادشاہ یا خلیفہ کی شان و شوکت ظاہر ہو) اور ہر چیز عطا فرمائی گئی ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا ہی فضل مبین ہے۔ اور سلیمان کے لئے جنات، انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے۔ اور سب کو زمرہ وار، ترتیب سے سامنے حاضر کیا گیا۔ حتیٰ کہ جب احضرت سلیمانؑ اور ان کے لشکر) چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک مادہ چیونٹی نے۔ اپنی ساتھی چیونٹیوں سے) کہا "اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں اپنی بے خبری میں کچل ڈالیں"۔ (یہ بات سلیمان علیہ السلام نے سن بھی لی اور سمجھ بھی لی) پس وہ اس بات پر ہنسے اور عرض کی "اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اس پر میں تیرا شکر ادا کرتا رہوں اور ایسے نیک کام کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔ پھر آپ نے جمع شدہ عساکر کا جائزہ لیا تو ہدہد کو نہ پایا۔ اور اس غیر حاضری پر اظہار ناراضگی فرماتے ہوئے کہا:

لاعذبنه عذابا شدیدا اولا اذبحنه اولیا تینی بسلطن مبین (نمل۔۲۱)○○

"یعنی میں ہدہد کو سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر دوں گا یا اسے میرے حضور میں (اپنی بے قصوری کی) دلیل صریح پیش کرنا ہوگی" (گویا آپ کے فرمان سے رعب و دبدبہ جھلک جھلک پڑتا ہے)

پھر ہدہد نے بلقیس نامی ملکہ کی سلطنت کی خبر دی، اور سلیمان علیہ السلام نے اسے ہدہد کے ذریعے اپنا نامہ بھیجا یہ نامہ ایک ایسے مسلمان فرماں روا کے طریق کار کو جس کو اللہ تعالیٰ نے اقتدار سے نوازا ہو، ظاہر ہوتا ہے۔ ذرا اس کا طرز تخاطب ملاحظہ ہو۔

یہ خط سلیمان کی طرف سے وانه بسم الله الرحمن الرحيم (اور یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے)۔۔۔ (پس واضح ہو کہ):

الا تعلوا علی واتونی مسلمین ۔۔ یعنی تم میری سرکشی نہ کرو اور میرے مطیع ہو کر چلے آؤ"۔ ملکہ نے امراء سے مشورہ کیا تو وہ غلامانہ ذہنیت کے مالک، خوشامدانہ لہجے میں

Marfat.com

اکڑفوں ظاہر کرتے ہوئے بولے:

نحن اولوا قوۃ و اولوا باس شدید و الامر الیک (نمل ۳۳)

"ہم بڑے زور آور اور سخت جنگجو ہیں۔ اور فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے"۔

تو ملکہ نے بادشاہوں کی ایک عادت جتاتے ہوئے کہا کہ بادشاہ جب کسی شہر کو فتح کر لیتے ہیں تو اس میں داخل ہو کر فساد برپا کرتے ہیں۔ اور وہاں کے معززین کو ذلیل کر دیتے ہیں اور ان (سلیمان) سے بھی یہی کچھ متوقع ہے۔ (نمل ۳۴)

پھر اس نے تحائف بھیج کر سلیمان علیہ السلام کے عندیہ کا جائزہ لینا چاہا۔ تو سلیمان علیہ السلام نے تحائف واپس کر دیئے اور قاصدوں سے فرمایا:

ارجع الیھم فلنا تینھم بجنود لاقبل لھم بھا و لنخرجنھم منھا اذلۃ و ھم صغرون (نمل ۳۷)

اس کے پاس واپس چلے جاؤ۔ تو اب ہم ان پر ایسے لشکر سے چڑھائی کریں گے جس کے مقابلہ کی ان کو طاقت نہ ہو گی۔ اور انہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ بہت بے عزت ہو کر رہ جائیں گے۔

یہ انداز تخاطب اہل اسلام کے لئے ایک سبق ہے کہ وہ شان و قوت اور سلطنت حاصل کریں اور پھر صرف اللہ کی خاطر (نہ کہ مال و دولت کے حصول کے لئے) بنی نوع انسان تک پیغام خداوندی پہنچانے کا فریضہ ادا کریں۔ اور اس میں اظہار تکبر کی نوبت بھی آئے تو دریغ نہ کریں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میدان جنگ میں کافروں کے خلاف مسلمان غازی کا اظہار تکبر گناہ نہیں۔ اور پھر سلطنت سلیمانی کی قوت فرمانروائی کا نقشہ قرآن حکیم میں اس طرح کھینچا گیا ہے کہ:

سلیمان علیہ السلام حاضرین کو حکم دیتے ہیں کہ کوئی تم میں سے ملکہ کے تخت کو جلد سے جلد یہاں لا کر پیش کر سکتا ہے؟ تو ایک بڑا جن بولا کہ میں یہ مجلس برخاست ہونے سے پہلے پہلے لا کر حاضر کر سکتا ہوں۔

(فرمایا --- نہیں۔ مجھے اس سے جلدی چاہئے۔ تو ---:)

قال الذی عندہ علم من الکتب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی۔ لیبلونی ء اشکر ام اکفر و من شکر فانما یشکر لنفسہ و من کفر فان ربی غنی کریم (نمل-۴۰)OO

"ایک شخص، جس کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا۔ عرض گزار ہوا --- میں وہ تخت آپ کو لا حاضر کر دیتا ہوں۔ پیشتر اس کے کہ آپ آنکھ جھپکیں۔ تو (پھر جب آنکھ جھپکی تو) سلیمانؑ نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا۔ تو فرمایا -- یہ میرے اللہ کا فضل ہے۔ یہ فضل اس نے اس

Marfat.com

لئے کیا ہے کہ وہ آزمانا چاہتا ہے کہ آیا میں (اللہ کے فضل پر اس کا) شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور (اللہ کا اصول یہ ہے کہ) جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ اپنے لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے کرم نواز۔

بادشاہت کا جواز: تو ثابت یہ ہوا کہ بادشاہت جس میں فرد واحد مقتدر اعلیٰ ہو۔ لیکن وہ حکومت کا کام اللہ کے احکامات کی پیروی میں سرانجام دے تو ایسی بادشاہت کا اسلام میں وجود نہ صرف جائز بلکہ لوگوں کے لئے باعث رحمت بھی ہے۔ لیکن اگر بادشاہت ظلم و استبداد کا روپ دھار لے اور اللہ کے احکامات کی بجائے مقتدر اعلیٰ بن کر ذاتی احکامات کو قانون کا درجہ دے کر نافذ کرے جو ظلم و جور پر مبنی ہوں تو یہ صورت اسلام میں ناقابل برداشت ہے۔ کیونکہ اسلام انسانی شخصیت کی نشوو ارتقاء اور آزادی پر زور دیتا ہے۔ چنانچہ بادشاہت اگر مبنی بر انصاف ہو تو بڑی فائدہ مند ثابت ہوتی ہے مثلاً

۱۔ مستحکم حکومت کے قیام کا ذریعہ ہے۔

۲۔ فطری اطاعت کا ادارہ ہونے کے ناطے لوگ اس کی اطاعت میں عافیت سمجھتے ہیں۔

۳۔ پسماندہ معاشروں میں نیک رو بادشاہت تہذیب و تمدن کی ترقی کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔

۴۔ اگر جمہور کے حقوق کی پاسداری اللہ کے اصولوں کی مطابق کی جائے تو بادشاہت میں کوئی حرج نہیں۔

۵۔ بادشاہت میں ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کی زیادہ صلاحت ہوتی ہے۔ پس ایسے حالات میں یہ موثر ترین طرز حکومت ہے کیونکہ فوری فیصلے بعجلت کئے جا سکتے ہیں۔

۶۔ بادشاہت قوم و ملک کے مفاد کے لئے اختیار کردہ پالیسیوں کے تسلسل کا ذریعہ بنتی ہے۔ جبکہ جمہوریت میں حکومت کی تبدیلی سے، جاری پالیسیوں میں تبدیلی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

۷۔ مفاد عامہ کے خلاف کام کرنے والے لوگوں کا بے لاگ محاسبہ کیا جا سکتا ہے۔ اور معزولی کا خوف کھائے بغیر ان کے خلاف تادیبی کارروائی روبعمل لائی جا سکتی ہے۔ کیونکہ بادشاہ کو عدم اعتماد کا خطرہ نہیں ہوتا۔ جو جمہوریت کا خاصہ ہے۔

۸۔ بادشاہت صرف اس وقت خرابی کی جڑ ثابت ہوتی ہے جب اس میں انصاف اور حق کی بجائے ظلم واستبداد کا دور دورہ ہو۔

۹۔ الیکشنوں پر خرچ ہونے والے کروڑوں اربوں روپے ترقیاتی کاموں میں استعمال کئے جاسکتے ہیں اور ملک مقروض ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۰۔ شوریٰ کے طور پر اگر دیانتدار اور اہل ترین لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ملک و ملت کی خدمت کا موقع دیا جائے تو عوام کی بہتر خدمت کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

بادشاہت کے نقائص: ایک بادشاہ کا بیٹا ضروری نہیں کہ ضرور قابل اور نیک کردار ہی ہو۔ لہٰذا بادشاہ مقرر کرتے وقت جنگ وغیرہ کا خطرہ ہوتا ہے۔ بعض نااہل بادشاہ عوام کو بھی بے علم اور نااہل رکھتے ہیں۔ مبادا علم کی روشنی پا کر وہ بادشاہ پر تنقید کرنے لگ جائیں۔ لیکن یہ نقص موروثی اور جاگیردارانہ جمہوریت میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا نیک چلنی اور انصاف پروری کی ضمانت کسی بھی نظام میں ممکن نہیں حتیٰ کہ پارلیمانی جمہوریت پر بدقماش لوگ متمکن ہو جائیں تو وہ بھی آمرانہ جمہوریت کا روپ دھار سکتی ہے۔ حاصل اس بات چیت کا یہ ہے کہ دراصل کسی بھی طرز حکومت کی خوبیاں اس وقت اس کی خامیاں بن جاتی ہیں جب حق و صداقت کے اصولوں سے انحراف کو روا رکھا جائے۔

دنیا میں رائج دیگر نظامہائے حکومت

بادشاہت تو قدیم ترین نظام حکومت ہے۔ لیکن بے خدا اور بے دین بادشاہ آسمانی تعلیم سے رشتہ منقطع کر کے انسانیت کی تذلیل کا باعث بنتے ہیں جن کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ اشرافیہ طرز حکومت میں چند افراد کو بعض امتیازات کی بناء پر حکومت کا حق ہوتا ہے" روسو کے نزدیک اشرافیہ تین قسم کی ہوتی ہے۔ یعنی فطری، انتخابی اور موروثی۔

یونانی اشرافیہ کو بہترین طرز حکومت کہتے تھے۔ افلاطون نے اپنی "جمہوریہ" میں اشرافیہ کو علمی فضیلت کی بناء پر مطلق العنانیت کا اختیار بھی دیا ہے ارسطو اسے چند دیانتدار اور قابل ترین افراد کی حکومت قرار دیتا ہے۔ جس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ہر معاملہ میں مفاد عامہ کو پیش رکھے۔ لیکن اگر اشرافیہ ارکان حکومت بددیانت، بدکردار اور خود غرض ہو جائیں تو یہ "چند سری حکومت" کہلائے گی۔

آمریت (DICTATOR SHIP)

یہ دراصل بادشاہت کی ظالمانہ شکل ہے اس طرز حکومت میں حق و انصاف کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی انگلستان میں کرامویل نے سترہویں صدی میں آمریت قائم کی۔ اٹھارہویں صدی میں پنولین بوناپارٹ فرانس کا آمر بن کر سامنے آیا ۱۹۲۱ء میں مسولینی نے اٹلی میں اور ۱۹۳۳ء میں ہٹلر نے جرمنی میں آمرانہ نظام قائم کیا۔ سپین میں فرانکو، پرتگال میں کارمونا اور سلازار اور ہنگری میں ہوردی (HORTHY) کی آمریت قابل ذکر ہیں۔ روس میں ۱۹۱۷ء میں اشتراکی نظام کے تحت مزدوروں کے نام پر آمریت قائم ہوئی۔ آمریت کے فائدے اور نقصان تقریباً وہی ہیں جو ایک بادشاہت میں ملتے ہیں۔ آمریت میں البتہ آمر کو عوام یا خواص کسی کا بھی لحاظ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ فرد واحد (یا جماعت واحد) اپنی مرضی سے پورے ملک کو چلاتا ہے۔

جمہوریت (DEMOCRACY)

Marfat.com

جمہوریت نے اسلامی کاز کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس لئے اس کے بارے میں تفصیلی بات چیت کی جاتی ہے۔ جدید دور کا جدید طرز حکومت جس میں ہر شخص کو حکومتی معاملات میں شرکت حاصل ہو۔ جمہوریت کہلاتا ہے۔ لارڈ برائس کے خیال میں جمہوریت میں حکومت کرنے کا حق معاشرہ کے تمام افراد کو ہوتا ہے۔ یہ مغربی نظریہ آجکل بہت مقبول ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ جمہوریت کی جنم بھومی برطانیہ میں موروثی بادشاہت بھی قائم ہے۔ اور جمہوریت بھی چل رہی ہے۔ یہ عجیب تضاد ہے۔

بنیادی خصوصیات: اقتدار کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں۔ وہی اکثریت کی رائے کے مطابق اپنے نمائندے چنتے ہیں۔ اس میں بنیادی بات مختلف سیاسی پارٹیوں کا وجود ہے۔ جو الیکشن میں حصہ لیکر ملک کو اپنے منشور کے مطابق چلاتی ہیں۔ اس طرز حکومت میں حکومت کو ایک مخصوص عرصہ کے لئے چنا جاتا ہے۔ اور وہ عوام کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔ تحریر و تقریر کی آزادی ہوتی ہے۔ سب شہریوں کو بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ دستور کی بالادستی کا اصول بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی جنم بھومی برطانیہ میں کوئی تحریری دستور نہیں ہے۔

لوگوں کی حکومت: اس میں عوام کی خواہشات کا پورا احترام کرتے ہوئے انتخابات ہوں تو عوامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ جسے عوامی جمہوریہ کہا جائے گا۔

۲۔ ہر چار یا پانچ سال بعد الیکشن ہوتے ہیں اور نمائندوں کو دوبارہ عوام کے پاس آنا پڑتا ہے۔ پس جو نمائندے عوام کی خدمت نہ کر سکے ہوں انہیں عوام مسترد کر سکتے ہیں۔

۳۔ لوگوں کے سیاسی شعور میں پختگی آتی ہے۔

۴۔ یہ پرامن انتقال اقتدار کا ذریعہ ہے۔

۵۔ موروثیت سے بالا ہے (لیکن عملی طور پر سیاست دانوں میں موروثیت کے آثار بھرپور انداز میں دیکھنے کو ملتے ہیں)۔

۶۔ اہلیت کو مد نظر رکھ کر چناؤ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نااہل اور بددیانت حضرات بھی آگے آ سکتے ہیں۔ اور وہ منتخب ہو کر نااہل ترین لوگوں کو بھی آگے لا سکتے ہیں۔

۷۔ محب وطن افراد کا چناؤ عمل میں آ سکتا ہے۔ لیکن بدکردار لوگوں کو بھی آگے آنے سے نہیں روکا جا سکتا۔

۸۔ لوگوں کی خواہشات بنیادی عنصر ہوتی ہیں۔ انہی کی خواہشوں کا خیال رکھنا ہر منتخب حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ورنہ حکومت گر سکتی ہے۔

۹۔ لوگوں کو سیاسی اور مذہبی بلکہ ہر طرح کی آزادی حاصل ہوتی ہے بہترین اخلاقی اقدار کی پاسداری لازمی اور ضروری نہیں۔ مذہب ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ جمہوریت ایک پیچیدہ نظام حکومت ہے۔ لوگ اس میں صرف تفریحاً دلچسپی لیتے ہیں انتخابات

Marfat.com

کے بعد مستقل طور پر عوام کا حکومت سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

۱۱۔ چالاک، نااہل اور ہوشیار لوگ بھی لچھے دار تقریریں کر کے اور سنہری وعدوں کے ذریعے منتخب ہو جاتے ہیں جاگیردار اور وڈیرے بھی اپنے "مزارعین" کے ووٹوں سے منتخب ہو کر اقتدار میں آجاتے ہیں۔

۱۲۔ مستقل طور پر حکومت کا حق نہ ہونے کی وجہ سے حکومت عموماً اور غیر مستحکم رہتی ہے۔ اور لمبی مدت کے منصوبے ناکام رہتے ہیں۔

۱۳۔ اکثریت کی استبدادیت قائم ہو جاتی ہے۔

۱۴۔ علاقائی بنیاد پر نمائندگی کی وجہ سے ایک ہی طرح کے نمائندے آگے آتے ہیں۔

۱۵۔ پیشہ ورانہ بنیادوں پر نمائندگی کا فقدان عدم اہلیت پیدا کرتا ہے اور ملکی ترقی رک جاتی ہے۔

طاغوتی یا مغربی جمہوریت اور اس کی خامیاں اور اسلام

مغربی جمہوریت پر ناقدانہ نظر: جمہوریت کا بنیادی نظریہ حکومت یہ ہے۔ "لوگوں کی حکومت، لوگوں کے ذریعے، لوگوں کے لئے"۔

۱۔ اس میں خدا تعالیٰ کا تصور لوگوں کا ذاتی معاملہ" سے متعلق کر دیا گیا ہے۔ حکومت سے خدا اور خدا سے حکومت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

۲۔ اس میں طاقت کا سرچشمہ خدا کی ذات نہیں بلکہ صرف عوام ہوتے ہیں۔

۳۔ اس میں رائے کی اکثریت کی بناء پر فیصلے کئے جاتے ہیں۔ چاہے رائے دینے والے اعلیٰ ترین قابلیت کے مالک ہوں یا ادنیٰ سی سوجھ بوجھ رکھنے والے۔

۴۔ اس میں رائے دہی کی بنیاد "ایک شخص کی ایک رائے"۔ (ONE MAN - ONE VOTE) کو اہم قرار دیا جاتا ہے بظاہر یہ تصور بڑا دلکش ہے۔ لیکن اس میں عقلی اور عملی لحاظ سے گدھے اور گھوڑے برابر ہیں۔

۵۔ اس میں لوگوں کی خواہشات کو بنیادی حیثیت دی جاتی ہے۔ اور ان کی خواہشوں کی پاسداری کرتے ہوئے فیصلے ان کی اہلیت کی بجائے رائے دہندگان کی گنتی کی بناء پر کئے جاتے ہیں۔ اور یہ معیار حق وانصاف کے تقاضوں کے منافی ہے۔

۶۔ اس نظام میں اخلاقی اقدار کی پاسداری کا کوئی تصور موجود نہیں۔ نیکی (معروف) اور بدی (منکر) کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ لوگوں کی اکثریت جسے نیکی قرار دے وہ نیکی ہے اور جسے بدی قرار دے دے وہ بدی ہے نیز یہ وطنی، قومی اور جغرافیائی حدبندیوں میں محدود ہو کر رہ گئی ہے جس نے حسب نسب اور رنگ و نسل کے فتنے اٹھائے ہیں۔

Marfat.com

۷۔ اس نظام میں آسمانی تعلیم کا کوئی تصور نہیں۔ نہ حلال اور حرام کا کوئی معیار و تصور ہے ہر معاملہ کی بنیاد "کثرت رائے" پر رکھی گئی ہے اگر آج "سچ بولنا" کثرت رائے سے ایک قانون بن جاتا ہے تو کل کلاں کثرت رائے کے بل پر "جھوٹ بولنے" کو بھی قانونی شکل مل سکتی ہے۔

۸۔ اس نظام میں لوگوں کی خواہشات اور ان کی مرضی اور چاہت کو بنیادی مقام حاصل ہوتا ہے چنانچہ اگر نمائندوں کی اکثریت عورتوں اور مردوں میں ہم جنسیت پرستی اور لواطت ایسی قبیح اور اخلاق سوز حرکتوں کو قانونی طور پر جائز قرار دے دے تو اس نظام میں یہ باتیں قانون کا حصہ بن جاتی ہیں۔ حالانکہ قوم لوط اسی وجہ سے تباہ ہوئی تھی۔

۹۔ اس نظام میں نمائندوں کو چننے کے لئے بظاہر نہایت اچھا اور مبنی بر انصاف طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ انتخابی مہمات میں لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے بعد قوم کی خدمت کا جذبہ لیکر اٹھتے ہیں وہ اپنا "اصل زر" بھلانے سے قاصر ہوتے ہیں۔ لہٰذا دولت کے حصول کا چکر چل پڑتا ہے۔ (الا ماشاء اللہ)

۱۰۔ ایک ایک نشست کے لئے کئی کئی امیدوار ہوتے ہیں اور ہر امیدوار اپنی جیب سے یا اپنی پارٹی کے خرچ پر لاکھوں روپیہ انتخابی مہم پر خرچ کرتا ہے۔ اس طرح ایک ایک سیٹ پر مجموعی اخراجات کروڑوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور یوں ایک طرح سے قوم کی دولت کا ضیاع ہوتا ہے۔ (لیکن اس بارے میں کہا یہ جاتا ہے کہ یہ رقم ملک ہی میں خرچ ہوتی ہے اور اس سے ملک کے مختلف طبقوں کو ہی فائدہ پہنچتا ہے۔ بلکہ یہ تصور بھی دیا جاتا ہے کہ امیدوار کی دولت اس کی تجوری سے نکل کر عوام کا رخ کرتی ہے اس طرح ارتکاز زر اور اکتناز دولت کی نفی ہوتی ہے۔ لہٰذا انتخابی مہمات میں زیادہ یا کم اخراجات ایک طرح سے عوام کی غربت دور کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں)۔

۱۱۔ کسی ملک میں جمہوریت کے آغاز میں انتخابی معاملات نہایت سادگی سے طے پاتے ہیں۔ اس لئے یہ نیلم پری بڑی دلکش بن کر ہمارے دل و دماغ پر چھا جاتی ہے لیکن رفتہ رفتہ لوگوں کی دلی خواہشات رنگ لانے لگتی ہیں اور جمہوری ممالک حرص و ہوس، لوٹ کھسوٹ، خود غرضی، خود نمائی اور خود گری وغیرہ ایسی قبیح بیماریوں میں مبتلا ہو کر رہ جاتے ہیں۔ کہ وقت کے ساتھ ساتھ صورتحال بد سے بدتر ہونے لگتی ہے۔ اور روکنے کی کوشش کے باوجود یہ سلسلہ نہیں رکتا کیونکہ نمائندوں کی اکثریت اپنی خواہشات کی راہ میں حائل ہونے والے ہر روڑے کو طاقت یا عدم اعتماد کی چھری سے جب چاہے ذبح کر سکتی ہے۔ نیز اسلامی لٹریچر میں جمہوریت کا جو تصور پایا جاتا ہے۔ اہل مغرب کی جمہوریت (DEMOCRACY) اس سے بہت مختلف چیز ہے۔ اہل مغرب نے یہ تصور عربی لفظ "جمہور" سے اخذ نہیں کیا۔ بلکہ یہ لفظ (DEMOCRACY) یونانی لغت سے لیا ہے۔ جس کے معنی ہیں عوام کی حاکمیت۔

۱۲۔ اس نظام میں معیار حق اور ماخذ قانون عوام کی مرضی اور منشاء ہوتی ہے۔ جمہور الناس مختار کل اور مقتدر اعلیٰ ہوتے ہیں اور جمہوریت مطلق العنان ہوتی ہے۔ اس نظام میں عوام کے نمائندوں کے لئے خدا، رسول اور دین اور آسمانی کتابوں یا اخلاقی قدروں کی پاسداری یا متابعت لازمی نہیں ہوتی۔ بلکہ

Marfat.com

عوام کی پسند اور ان کی مرضی کے مطابق وفاداری کا اطلاق زیادہ ہوتا ہے۔ البتہ دین ہر ایک کا ذاتی معاملہ ضرور ہوتا ہے۔ اگر کسی کو دین نبھانا ہو تو بے بسی کی صورت میں وہ مستعفی ہو سکتا ہے۔

جمہوریت کی مختصر کہانی: یہ نظام دراصل جابرانہ بادشاہت اور پاپائیت کے خلاف رد عمل کے طور پر سامنے لایا گیا۔ ۵۷ ق م سے ۴۵۰ء تک انگلستان رومی امپائروں کے تسلط میں رہا۔ اور پھر ۱۶۸۸ء تک اہل انگلستان غیر ملکی یا ملکی جبر و استبداد کی چکی میں پستے رہے۔ سٹوارٹ خاندان کے بادشاہوں اور عوام کے درمیان خانہ جنگی کے نتیجہ میں ۱۶۸۸ء میں انقلاب آیا اور پھر ۱۶۹۰ء میں جان لاک نے اپنی کتاب سول گورنمنٹ شائع کی جس میں جمہوری حکومت کے خدوخال واضح کیے گئے۔ اور حکمران کو عوامی خواہشات کا پابند بنایا گیا۔ روسو (یہ سوئیزرلینڈ کا شہری تھا لیکن فرانس میں رہائش رکھتا تھا) نے ۱۷۶۲ء میں اپنی کتاب میں جان لاک کی آئینی بادشاہت کے نظریئے کو اور ہابس نے مطلق العنان بادشاہت کے تصور کو رد کرتے ہوئے خالص عوامی حاکیت کا نظریہ پیش کیا۔ روسو کی کتاب "معاہدہ عمرانی" ۱۷۶۲ء میں شائع ہوئی جس کے اثرات سے ۱۷۸۹ء میں انقلاب فرانس نے جمہوریت کو سہارا دیا۔ امریکی اعلان آزادی بھی اسی عوامی اقتدار اعلیٰ کے نظریئے کا جزو تھا۔ جسے ۳ ستمبر ۱۷۸۳ء کو پیرس کے صلح نامے پر دستخط کر کے برطانیہ نے تسلیم کر لیا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ نامی آزاد جمہوری ریاست قائم ہو گئی پھر تو اس جمہوریت نے آزادی کے دریا بہا دیئے اور مادر پدر آزادی کی لہروں نے اخلاقی اقدار کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔ ڈارون، مارکس فرائڈ اور ایسے ہی دیگر مغربی مفکرین نے روحانیت اور دینیات کا انکار کر کے مادہ پرستی اور حیوانیت کی تعلیم دی اور ہر طرف لادینی جمہوریت اور عوامی حاکمیت کے شور نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور اب عالمی سپرپاورز اہل اسلام کو بھی جمہوریت کی آڑ میں اسلام سے دستبردار ہونے کے لئے کہہ رہی ہیں۔

قرآن حکیم اور طاقت کا سرچشمہ: جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں۔ اور اس کا تعلق انسانوں کی دنیوی فلاح تک محدود ہوتا ہے۔ عقبیٰ کی فلاح کا اس میں کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ خدا اور رسول کو ماننے یا نہ ماننے کے عقائد کو ذاتی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا مجموعی طور پر جب ایک ریاست کے باشندے جمہوری نظام حکومت اپناتے ہیں تو بعض ممالک اپنے دین اور مذہب کو آئین میں خصوصی اہمیت دینے کے باوجود۔ قانونی طور پر اکثریت کے تابع ہونے کی وجہ سے وہ مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو دین و مذہب کا تقاضا ہوں لیکن قرآن حکیم اس جمہوری نظام کی نفی کرتا ہے جو آجکل مغرب کی تقلید میں مختلف اسلامی ممالک میں بھی رائج ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے طاقت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے:

(ا) ان القوۃ للہ جمیعا (بقرہ ۱۶۵) بیشک طاقت تو سب کی سب اللہ کی ہے۔

(ب) لا قوۃ الا باللہ (کہف ۳۹) قوت تو صرف اللہ کے ساتھ ہے۔

Marfat.com

(ج) عزت اور غلبہ کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ (۱) فان العزة لله جميعا ○○
(نساء ۱۳۹) تو ساری عزت بیشک اللہ ہی کے لئے ہے۔ (۲) ان العزة لله جميعا (یونس ۶۵)
فلله العزة جميعا (فاطر ۱۰)

د حکمرانی اور قانون سازی کا سرچشمہ بھی اللہ کی ذات ہے۔

بل لله الامر جميعا ط (رعد - ۳۱)

قل ان الامر کلہ للہ ط (العمران - ۱۵۴)

اللہ کی مخلوق میں اللہ کا قانون ہی چلنا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا:

الا له الخلق و لا مر ط تبرك الله رب العلمين ○ (اعراف - ۵۴)

دیکھو! مخلوق بھی اللہ کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے سارے جہانوں کا پالنے والا۔

پارٹی بازی: قرآن حکیم اہل اسلام کو تفرقہ اور پارٹی بازی سے منع کرتا ہے، اور یکجہتی پر زور دیتا ہے، لیکن جمہوریت کی بنیاد ہی پارٹی بازی پر رکھی گئی ہے۔ اس میں حکومتی پارٹی حزب اقتدار کہلاتی ہے، اور باقی جتنی بھی پارٹیاں ہوتی ہیں وہ حزبِ اختلاف بن کر مخالفت میں اُس وقت تک جتی رہتی ہیں جب تک اقتدار ان میں سے کسی کو مل نہ جائے۔ اس طرح تعمیری کاموں کے لئے اور اجتماعی معاملات میں جو یکسوئی اور یکجہتی درکار ہوتی ہے اس کا فقدان عموماً بحران کی کیفیت پیدا کئے رکھتا ہے اُنہیں صرف اقتدار میں رہنے سے غرض ہوتی ہے۔ حق و باطل کا معیار ان کے سامنے نہیں رہتا بلکہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے اقتدار کی جنگ جاری رہتی ہے جبکہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

۱۔ واعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا۔ (العمران - ۱۰۳)

اور تم سب اللہ کی رسی مضبوطی سے تھامے رہو اور پارٹیاں نہ بنو۔

۲۔ ان اقيموا الدين و لا تتفرقو فيه۔ (شوریٰ - ۱۳)

کہ دین کو قائم کرو اور اس معاملے میں پارٹیوں میں بٹ کر نہ رہ جاؤ۔

۳۔ اتحاد و اتفاق اور یکجہتی اختیار کرنے کے قرآنی احکامات کے بعد پارٹی بازی کا شکار ہونے سے قرآن منع کرتا ہے۔

ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفو من بعد ما جاء هم البينت ط واولئك لهم عذاب عظيم ○ (العمران ۱۰۵)

اور (اے اہل اسلام) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو پارٹیوں میں بٹ گئے تھے اور واضح احکامات آ جانے کے بعد بھی اختلاف میں اُلجھے رہتے تھے اور ایسے لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

Marfat.com

جمہوریت ایک محبوبہ: آج کل جمہوریت ایک ایسی معشوقہ ہے کہ ہر کوئی اس کا اسیر و گرویدہ ہے اور اس کے خلاف بات سننا کسی کو گوارا نہیں۔ "وجوہات" کچھ تو بین الاقوامی دباؤ سے تعلق رکھتی ہیں۔ کچھ ترقی پسندی کے لیبل کا تقاضا ہیں۔ کچھ دشمنوں کی شماتت کے خوف کا نتیجہ ہیں تاہم بعض وجوہات مخلص لوگوں کی مخلصانہ سوچ سے بھی تعلق رکھتی ہیں، اور بیشتر کا تعلق منافقین کی مفاد پرستانہ سوچ کے ساتھ بھی ہے مغربی جمہوری ملکوں میں ذاتی معاملہ کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ کوئی مرد اور عورت اپنی مرضی سے جو کچھ بھی کر گزریں یہ ان کا ذاتی معاملہ ہو گا۔ چنانچہ بعض مغربی ممالک میں کنواری ماؤں اور حرامی بچوں کی ایک بڑی تعداد ذاتی معاملے کی پناہ گاہ میں آرام سے ترقی پذیر ہے۔ قانون کی حدود بہت دُور جا کر شروع ہوتی ہیں۔

قرآن میں محض کثرتِ رائے سے فیصلے کرنے کی ممانعت: اسلام کی رُو سے انسانیت اُمت واحدہ ہے۔ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مومن اُمتی ہیں اور منکرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر امتی ہیں۔ بدیہی طور پر یہ بات بڑی دل خوش کن لگتی ہے کہ کثرتِ رائے سے فیصلے کیے جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں خود اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے احکامات و قوانین کی بالادستی کا حکم دیا ہے جبکہ جمہوریت میں پارلیمنٹ کی بالادستی مقدم ہوتی ہے، اور پارلیمنٹ میں جو لوگ منتخب ہو کر پہنچتے ہیں وہ کثرتِ رائے کے نتیجے میں پہنچتے ہیں۔ جبکہ قرآن حکیم سیادت و قیادت کا معیار کثرتِ رائے کو نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ صرف اپنے آسمانی احکامات کو ہی حق و صداقت کی کسوٹی قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا ط لا مبدل لکلمتہ وھو السمیع العلیم○ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ط ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون○ (انعام ۱۱۵:۶،۱۱۶)

"اور تیرے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں مکمل ہیں۔ اس کی باتوں کو بدلنے کا اختیار کسی کو نہیں، اور وہ (ہر طرح کے لوگوں کی باتیں) سنتا بھی ہے اور (حقیقت الامر سے) آگاہ بھی ہے، اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یا اے سننے والے!) اگر تو زمین پر بسنے والے لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلنے لگے گا تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے (کیونکہ) وہ تو محض خیال کے پیچھے چلتے ہیں اور نری اٹکلوں کے تیر چلاتے ہیں۔"

لوگوں کی اکثریت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات کچھ یوں ہیں:

۱۔ **ان اللہ لذوفضل علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون○** (بقرہ۔۲۴۳)(مومن۔۶۱)

Marfat.com

"بیشک اللہ تعالیٰ لازماً لوگوں پر اپنا فضل کرنے والا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت (شکر گزار نہیں) اس کی قدر نہیں کرتی۔"

۲۔ فلا تک فی مریۃ منہ ق انہ الحق من ربک ولکن اکثر الناس لا یومنون○ (ھود۔۱۷)

"(اے نبی ﷺ) آپ ﷺ اس (قرآن) سے شک میں نہ ہونا۔ یہ آپ ﷺ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔" (لانے کی)

۳۔ واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون○ (یوسف ۲۱)

"اور اللہ تعالیٰ اپنے امر میں ہمیشہ غالب رہتا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت (اس حقیقت سے بھی) آگاہ نہیں۔"

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتاتے وقت دو قیدیوں کو بتلایا کہ تمہارا روزمرہ کا کھانا آنے سے پہلے اللہ کے سکھائے ہوئے علم کی بدولت تمہارے خوابوں کی تعبیر بتادوں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے منکروں کا مذہب میں نے چھوڑا ہوا ہے، اور میں اپنے آبا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین پر چلتا ہوں اور ہم شرک بالکل نہیں کرتے اور یہ دین حق کا عطیہ ہمارے لئے اور سب لوگوں کے لئے اللہ کے فضل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ولکن اکثر الناس لا یشکرون○ (یوسف: ۳۷-۳۸)

"لیکن لوگوں کی اکثریت ناشکروں پر مشتمل ہوتی ہے۔"

۵۔ جناب یوسف علیہ السلام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے دین حق (اسلام) کے بارے میں فرمایا:

ان الحکم الا للہ ط امر الا تعبدوا الا ایاہ ط ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون○ (یوسف: ۴۰)

"حکومت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اُس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کیا کرو۔ یہی ہے ہمیشہ قائم رہنے والا دین حق! لیکن لوگوں کی اکثریت (اتنی بات بھی) نہیں جانتی۔"

۶۔ حضور علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین○ (یوسف: ۱۰۳)

"اور (اے نبی ﷺ!) لوگوں کی اکثریت، اگرچہ آپ ﷺ شدید خواہش کریں (کہ وہ ایمان لے آئے) ایمان لانے والی نہیں ہے۔"

۷۔ (اے محمد ﷺ) یہ کتاب الٰہی کی آیات ہیں، اور جو آپ ﷺ پر نازل ہوا وہ حق ہے لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔ (رعد: ۱)

۸۔ ولقد صرفنا للناس فی ھذا القران من کل مثل فابی

Marfat.com

اکثر الناس الا کفورا ○ (بنی اسرائیل ۔۸۹)
اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے سب باتیں کئی کئی طرح سے بیان کر دی ہیں، لیکن (لوگوں) کی اکثریت نے انکار کرنے کے سوا قبول نہ کیا۔ (یعنی صرف منکر بننا ہی قبول کیا۔)

۹۔ وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا و لکن اکثر الناس لا یعلمون ○ (سبا: ۲۸)
"اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا مگر تمام بنی نوع انسان کے لئے بشیر و نذیر بنا کر، لیکن لوگوں کی اکثریت (اس بارے میں) کوئی علم نہیں رکھتی۔"

۱۰۔ فرمادے ﷺ کہ میرا رب جس کا رزق وسیع کرنا چاہے وسیع کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے (اس کا) روک کر دیتا ہے، لیکن لوگوں کی اکثریت (اس راز سے بھی) بے علم ہے۔

۱۱۔ ولقد ضل قبلھم اکثر الاولین ○ (الصفت: ۷۱)
"اور اُن سے پیشتر والے اکثر لوگ بھی گمراہ ہو گئے تھے۔"

۱۲۔ قیامت تو بے شک آ کر ہی رہے گی لیکن لوگوں کی اکثریت (اس بات پر بھی) ایمان نہیں رکھتی۔ (مومن ۔ ۵۹)

۱۳۔ لقد جئنٰکم بالحق ولکن اکثرکم للحق کٰرھون ○ (زخرف: ۷۸)
(اے لوگو!) ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے ہیں لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے ناخوش ہوتے ہیں۔

۱۴۔ یفترون علی اللہ الکذب ط و اکثرھم لا یعقلون ○ (مائدہ۔ ۱۰۳)
وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اُن کی اکثریت عقل نہیں رکھتی۔

۱۵۔ ولا تجد اکثرھم شٰکرین ○ (اعراف ۔ ۱۷)
اور تو اُن میں سے اکثریت کو شکر گزار نہ پائے گا۔

۱۶۔ یعرفون نعمت اللہ ثم ینکرونھا و اکثرھم الکٰفرون ○ (نحل ۔ ۸۳)
"وہ خدا کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں (لیکن) پھر اُن کا انکار کر دیتے ہیں اور اُن میں سے اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ (منکر ہیں)

۱۷۔ بل اکثرھم لا یعلمون الحق فھم معرضون ○ (انبیاء ۲۴)
بلکہ اُن میں سے اکثر (لوگ) حق کا علم نہیں رکھتے پس وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔

۱۸۔ اہل ہوا و ہوس کے بارے میں حضور علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ "بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا

Marfat.com

جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ تو کیا آپ اُس پر نگہبان ہو سکتے ہیں۔"

ام تحسب ان اکثرھم یسمعون او یعقلون ط ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا O (فرقان۔ ۴۳-۴۴)

"کیا آپ ﷺ خیال کرتے ہیں کہ ان کی اکثریت سنتی یا سمجھتی ہے؟ وہ تو ڈنگروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔"

عوام کی خواہشات کی متابعت کا اِلتزام:

جمہوریت میں حکومت کا چناؤ اکثریت کی خواہشوں کے تحت لازم ہوتا ہے۔ نری اکثریت کے بارے میں قرآنی افکار جاننے کے بعد انسانی خواہشوں کے سلسلے میں قرآنی ارشادات پر ایک نظر ڈالنا بھی مناسب ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

۱۔ "اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کی خاطر سچی گواہی دو، اور اگرچہ اس میں خود تمہارا یا تمہارے والدین اور اقربا کا نقصان ہی ہو، کوئی امیر ہو یا محتاج تو اللہ تعالیٰ ان کا خیر خواہ ہے۔"

اور۔۔۔ **فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا۔** (نسا۔ ۱۳۵)

پس تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔

۲۔ **فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ۔** (ص ۲۶)

(اے داؤد! ہم نے تجھے دُنیا میں خلافت عطاء کی ہے) تو تُو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کر اور خواہش کی پیروی نہ کرنا۔ کہ وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ (گویا ایک پیغمبرؑ کو بھی خواہش نفس کی پیروی سے منع کیا گیا ہے حالانکہ پیغمبروںؑ میں نفس کی پاکیزگی مسلمہ امر ہے۔)

۳۔ **ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھوٰہ وکان امرہ فرطا O** (کہف۔ ۲۸)

"اور (اے نبی ﷺ!) اس کے پیچھے نہ چل جس کا دِل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر رکھا ہے اور وہ خواہش نفس کا غلام ہے اور اس کا معاملہ زیادتی کا شکار ہے۔"

۴۔ "قیامت یقیناً آنے والی ہے میں اُسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ (اُس کے بعد) ہر شخص اپنی کوشش کا بدلہ پائے تو جو شخص قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے وہ کہیں تم کو بھی اس بارے میں متردد نہ کردے کہ تم ہلاک ہو جاؤ۔" (طٰہٰ ۱۵-۱۶)

۵۔ "تو پھر وہ اگر آپ ﷺ کی بات قبول نہ کریں تو آپ ﷺ جان لیں کہ وہ لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں اور اُس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کا پیروکار ہو جائے۔ (تو گویا خواہشوں کا غلام ظالم ہوتا ہے) بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو

Marfat.com

ہدایت نہیں دیتا۔" (قصص - ۵۰)

اور قرآن حکیم نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ:

ومن یوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون○

(حشر-۹) (تغابن -۱۶)

"اور جو کوئی طبیعت کے بخل سے بچایا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہوتے ہیں۔"

اور طبیعت کے بخل سے وہی بچتا ہے جو خواہشوں کا غلام بن کر نہ رہ گیا ہو۔ دوسرے لفظوں میں خود غرض اور مفاد پرست عناصر کی خواہشوں پر مبنی جو نظام یا جو لوگ بھی مدارالمہام بنیں گے۔ اُن کی قیادت مخلصانہ بھی ہو تو تھوڑے عرصے تک ہی چل سکے گی۔ اور اس کا انجام بربادی ہے۔

سب لوگ برابر نہیں: قرآنِ حکیم میں شمارِ قلت و کثرت کی بجائے "حقیقت الامر" کو حق و صداقت اور کسی فیصلے کا معیار ٹھہرایا گیا ہے اور مختلف مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے کہ محض اکثریت کی رائے سے کیے گئے فیصلے درست کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ حقیقت کا معیار سچائی تقویٰ اور علم حقیقت اور نیک چلنی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱- قل هل يستوى الاعمى والبصير○ ام هل تستوى الظلمت والنور○ (رعد-۱۶)

"فرما دیجئے بھلا اندھا اور بینا برابر ہیں؟ یا بھلا اندھیرا اور اجالا برابر ہیں؟"

۲- ولا تستوى الحسنة والسيئة۔ (فصلت-۳۴)

"نیکی اور بدی برابر نہیں۔"

۳- بظاہر دو نیک کاموں کو ایک جیسا خیال کرنا بھی درست نہیں جب تک عامل ایمان کی دولت نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ سورۃ توبہ میں ارشاد ہوا۔

"اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو خدا پر، اور قیامت کے دن پر، ایمان لاتے ہیں، اور نظام صلوٰۃ قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں رکھتے۔ تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ یہ لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کو آباد کرنا (یا اس کی عمارت کی تعمیر کو) اُس شخص کے اعمال جیسا بنا ڈالا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہا؟"

لا يستون عند الله۔ (توبہ ۱۸-۱۹)

"یعنی اِن دونوں اشخاص کے اعمال اللہ کی جناب میں برابر نہیں ہیں۔"

۴- "اللہ تعالیٰ ایک غلام مملوک کی مثال بیان فرماتا ہے۔ جسے کچھ بھی اختیار حاصل نہیں، اور ایک اپنا شخص ہے۔ جسے ہم نے مال طیب سے نوازا ہے تو وہ اس میں سے چھپا کر اور علانیہ راہ خدا میں خرچ

Marfat.com

کرتا ہے۔ بھلا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟" (نحل - ۷۵)

۵- اور اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کی مثال دیتا ہے۔ ان میں سے ایک گونگا (اور کسی کی ملک) اور اسے کسی چیز کا کوئی اختیار حاصل نہیں اور وہ اپنے مالک کے لئے مصیبت بن کر رہ گیا ہے۔ وہ اُسے جہاں بھی بھیجتا ہے۔ وہاں سے وہ خیر (کی خبر) لے کر نہیں لوٹتا۔ تو کیا ایسا (گونگا بہرا) شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے۔ جو (سنتا اور بولتا ہے) لوگوں کو انصاف پر چلاتا ہے اور خود بھی سیدھے رستے پر چل رہا ہے؟ (نحل - ۷۶)

۶- افمن کان مئومنا کمن کان فاسقا---؟ لا یستون-
(سجدہ - ۱۸)

"کیا مومن شخص ایک فاسق جیسا ہو سکتا ہے؟ دونوں قطعاً برابر نہیں ہو سکتے۔"
"کیونکہ مومن جنتی ہے اور فاسق نے دوزخ میں جانا ہے۔ (سجدہ - ۱۹-۲۰)"

۷- "مسلمانوں میں سے جو لوگ گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں اور لڑنے سے جی چراتے ہیں اور کوئی عذر بھی نہیں رکھتے، وہ---- اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑاتے اور مال لٹاتے ہیں، ایک دوسرے کے برابر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو، بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے۔" (نساء - ۹۵)

۸- غیر ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مُردوں میں شمار کیا ہے۔ جن کے دل ہدایت پانے کی صلاحیت کھو چکے ہوں چنانچہ ارشاد فرمایا:

وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ط ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بسمع من فی القبور○ (فاطر:۲۲)

"زندہ اور مردے برابر نہیں ہو سکتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے (پیغام ہدایت) سنا دیتا ہے، اور آپ ﷺ (پیغام ہدایت) اُن (دلوں) کو نہیں سنا سکتے جو (کافروں کے بدنوں کی) قبروں میں پڑے ہیں۔" (آپ ﷺ تو بس ڈرانے والے ہیں۔) (فاطر - ۲۳)

اِسلام میں طریق انتخاب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد صحابہ کرام "سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوگئے۔ کیونکہ سربراہ مملکت اسلامیہ کے انتخاب کا فریضہ انجام دینے کا مرحلہ درپیش تھا۔ ادھر حضور علیہ السلام کے کفن، دفن کا کام ابھی مکمل نہ ہوا تھا۔ صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کو پتہ چلا تو آپ دونوں فوراً وہاں پہنچ گئے۔ انصار اپنے میں سے خلیفہ کی تقرری کے خواہاں تھے۔ تو صدیق اکبرؓ نے حدیث رسول سے استدلال فرماتے ہوئے بتلایا کہ خلیفہ قریش میں سے ہوگا۔ پھر یہ تجویز بھی مسترد کر دی گئی کہ ایک خلیفہ انصار سے اور ایک قریش (مہاجرین) میں سے ہو۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو وہ عمرؓ

Marfat.com

ہوتا۔

چنانچہ صحابہؓ کے گروہ کثیر میں عمر رضی اللہ عنہ کی فراست مومنانہ نے فوراً فیصلہ کن انداز میں خلافت کے لئے صدیق اکبرؓ کا نام تجویز کیا اور آگے بڑھ کر فوراً بیعت کرلی، اور بعد میں دوسرے صحابہؓ نے بھی اس فیصلہ پر صاد کیا۔

۲- اسلام میں امارت کے لئے خواہش رکھنے کی ممانعت ہے۔ صدیق اکبرؓ نیک نیتی سے اس عہدہ کے خواہشمند نہ تھے لیکن جب انہیں خلیفہ چن لیا گیا تو مجبوراً اس کام پر راضی ہو گئے، لیکن اگلے دن کپڑے کا گٹھا اٹھا کر بیچنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تاکہ بچوں کی روزی کا سامان کر سکیں۔ تو اس وقت بھی عمر فاروقؓ نے بارِ خلافت کا احساس دلایا، اور پھر بیت المال سے مختصر سا روزینہ مقرر ہو گیا۔ تو ظاہر یہ ہوا کہ عمر فاروقؓ کی فراست صادقہ ہی صدیق اکبرؓ کے انتخاب کا ذریعہ بنی تھی نہ یہ کہ صحابہ کی اکثریت نے بنیادی طور پر اُن کو منتخب کیا تھا۔

۳- حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی وفات کے وقت عمر فاروقؓ کو خلافت کے لئے تجویز کیا اور مسجد نبوی میں سب کو بلا کر اتفاق اور رضامندی حاصل کی۔ یہ انتخاب بھی دراصل یار غار اور انبیاء کے بعد افضل ترین شخصیت کا انتخاب تھا۔ جسے رسول خدا سے فیض پانے والوں نے بخوشی قبول کر لیا۔

۴- عمر فاروقؓ نے اپنے آخری وقت پر فراست مومنانہ سے کام لیتے ہوئے ایک مجلس تشکیل دی۔ جس کے ذِمے خلیفہ کو منتخب کرنے کا کام سونپا گیا۔ چنانچہ اس مجلس نے یہ فریضہ حضرت عثمانؓ کے حق میں فیصلہ کر کے انجام دیا۔

۵- حضرت عثمانؓ کے بعد کچھ صحابہؓ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہا تو انہوں نے فرمایا۔ کہ جس کو اہل شوریٰ اور اہل بدر خلیفہ بنائیں گے وہی خلیفہ ہوگا۔ کیونکہ اسلام میں امارت کی خواہش نہ رکھنا۔ اس کی پہلی شرط ہے۔ جس کا اظہار حضرت علیؓ نے علی الاعلان فرمادیا۔ بعد ازاں اہل بدر اور اہل شوریٰ نے انہیں چن لیا۔

۶- پھر جب علی المرتضیٰؓ کا وقت قریب آیا تو آپ نے بعض لوگوں کے کہنے کے باوجود اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کی تقرری کو مناسب نہ سمجھا بلکہ اہل الرائے کی صوابدید پر معاملہ چھوڑ دیا۔ (طبری، مسعودی، ابن کثیر، المسعودی وغیرہ) ان خلفائے راشدین نے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی پیروی میں ٹھیک ٹھیک حق نیابت ادا کیا، اور وہ کبھی بھی ذاتی اغراض کے بندے بن کر نہ رہے۔ پس معیار یہ ٹھہرا کہ قیادت اور سیادت کا حق خود غرضانہ مفادات سے بالاتر ہو کر ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ جمہوری طرز انتخاب میں ایک مدت تک دن رات شور و غوغا کر کے امیدواروں کے حق میں جھوٹا سچا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سارے اخراجات امیدوار حضرات اپنی گرہ سے ادا کرتے ہیں۔ جو لاکھوں تک پہنچتے ہیں۔ پس کہاں اسلام کا جمہوری طرز انتخاب جس کو "اہل الرائے" بلا اخراجات انجام دیں، اور کہاں مغربی جمہوریت کا بے جا اسراف پر مبنی انتخاب! گویا

Marfat.com

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اسلامی حکومت اور خلافت: حکومت کا مادہ "ح ک م" ہے۔ جس کے اصل معنی روکنے، منع کرنے اور باز رکھنے کے ہیں۔ **الحکمۃ** گھوڑے کی لگام کو کہتے ہیں۔ ابن فارس کے مطابق حکم یعنی روکنے اور باز رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو بتا دیا جائے۔ کہ اس کی آخری حد کون سی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتا۔ اسی سے "حکم" بنا ہے جس کے معنی ہیں۔ حدیں بتانا اور اختلاف کی صورت میں اُن کا مطابق فیصلہ کرنا۔ پس حکم فیصلے کو بھی کہتے ہیں، اور حاکم وہ ہے جو فیصلہ کرنے والا ہو۔ جو لوگوں کو حکم عدولی سے روکے۔ حکمت کے معنی ہیں۔ عدل و انصاف کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کرنا۔ (تاج العروس) حکیم وہ شخص ہے جو ہر ایک کو اس کا جائز مقام دے کر حسن تحکیم کا مظاہرہ کرے۔ حکم، حکیم اور حاکم اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ہیں۔ لغت میں حکم کے معنی ہیں۔

۱۔ **العلم والفقہ** (بتانا اور سمجھانا)

۲۔ **القضاء بالعدل** (انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا۔)

۳۔ روکنا باز رکھنا منع کرنا قرآن کو ذکر حکیم اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں جہل و سفاہت سے روکنے کی تعلیم ہے۔

۴۔ مضبوط و مستحکم۔ قرآن حکیم کو حکیم اس لئے بھی کہا گیا کہ اس میں اختلاف و اضطراب نہیں۔ بلکہ محکم ہے۔

۵۔ فیصلے کو نافذ کرنا اور فساد سے روکنا اور حاکم اچھا ہو یا برا وہ فیصلے کو نافذ کرنے والا ہوتا ہے، لیکن بنیادی طور پر حکم اور حکومت میں اقتدار طلبی سے زیادہ عدل گستری اور حق پژوہی کا مفہوم ہے، اور اصل معنی روحِ عدل ہی کو حکم اور حکومت کی غایت قرار دیتے ہیں۔

حکم اور حاکم: حکم وہ ہے جو (حق اور انصاف کے مطابق) فیصلہ سنا دے۔ نافذ کرنا اس کی ذمہ داری نہیں۔ کیونکہ نفاذ کے لئے قوت بھی لازمی ہے۔ جو حاکم ہی مہیا کر سکتا ہے۔ جبکہ حاکم وہ شخص ہے جو حق و انصاف کے مطابق فیصلہ بھی کرے، اور اس پر عمل درآمد کا ذمہ دار بھی ہو۔ یعنی اس کا فیصلہ واجب الاتباع ہوتا ہے۔ حاکم جبراً فیصلے پر عمل درآمد کراتا ہے، اور حکم عدولی کی سزا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے۔ (ھود - ۴۵) اور وہ خیر الحاکمین بھی ہے۔ (اعراف - ۸۷)

حدیث میں ہے:

"جب کہ حاکم نے (انصاف سے) فیصلہ کیا پھر اجتہاد بھی کیا تو اس کے لئے دوہرا ثواب ہے۔"

قرآن حکیم میں حکام (حاکم کی جمع) کا لفظ قاضی اور دستورِ عرب کے مطابق حکم چلانے والے کے لئے آیا ہے۔ (بقرہ ۱۸۸) اسلام کے ابتدائی دور میں حکومت کے سربراہ کو خلیفہ، امیر یا امام کہا جاتا تھا۔ گورنروں کو عامل اور عدلیہ کے منصبدار کو قاضی کہتے تھے، اور یہی حاکم بھی ہوتا تھا۔ کیونکہ معروف و منکر

Marfat.com

کے بارے میں فیصلہ کرنا اور اس کا نفاذ اسی کے ذمہ تھا۔ جبکہ عامل کا کام مالیات اور مجموعی انتظامی امور کی نگہداشت ہوتا ہے۔

پنجہ تقدیر میں دست قضا ہے وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

خلافت: خلف کے معنی ہیں۔ پیچھے یا بعد۔ نیز ایک نسل کے بعد والی نسل کو بھی خلف کہتے ہیں۔ ابن اثیر کے مطابق خلف نیک اولاد یا نیک جانشین کے لئے بولتے ہیں، اور "خلف" شر کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ ابن فارس کے بقول اس کے تین بنیادی معنی ہیں:

۱۔ ایک چیز کا دوسری چیز کے بعد آنا اور اس کی جگہ لینا۔

۲۔ آگے کی ضد۔۔۔۔ یعنی پیچھے۔

۳۔ تغیر و تبدل۔

موسم خزاں کے بعد پھوٹنے والے پتوں کو خلفة کہتے ہیں۔ یہ لفظ پہلے والے کے جانشین کے لئے بولا جاتا ہے۔ (فرقان - ۶۲) خلیفہ کسی کے جانشین کو کہتے ہیں۔ نیز وہ فرمانروا جو اپنے سے پہلے فرماں روا کا جانشین ہو۔ اس کی جمع خلفاء۔ اور خلائف ہے۔ (تاج العروس) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیر حاضری میں اپنی قوم کے اندر ہارون علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کیا تھا (اعراف - ۱۴۲) علماء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ کسی کی موجودگی میں کسی کو اس کا خلیفہ نہیں مقرر کیا جاسکتا۔ صرف عدم موجودگی میں ہو سکتا ہے۔ وہ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو۔ جیسے نوح کی قوم کے بعد عاد کو ان کے جانشین بنایا۔ (اعراف - ۶۹) اور ھود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔

"پس اگر تم روگردانی کرو گے تو (مجھے کیا؟ کیونکہ) میں نے وہ پیغام پہنچا دیا ہے۔ جو (اللہ نے) میرے ذریعے تمہاری طرف بھیجا تھا اور (اس روگرانی) کے نتیجہ میں میرا خدا تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ (ھود - ۵۷)

قرآن حکیم میں آدم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

"بے شک میں آدم کو زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔" زمین پر نسل آدم سے سے پہلے جنات وغیرہ کا دور دورہ تھا اور آدم کو اُن کی جگہ زمین پر بسایا گیا۔ یا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے نفاذ کا کام سونپا۔

خلیفہ اللہ اور خلیفہ الرسول: اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر جگہ زندہ و موجود ہے۔ اس لئے اس کی جگہ کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ اُس قادر مطلق کے قوانین کو زمین پر نافذ کرنے کا کام نبھانے والے کو اگر مجازی معنوں میں خلیفہ یا نائب کہہ دیا جائے تو یہ بات اور ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا گیا:

Marfat.com

"اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا پس تو لوگوں کے درمیان عدل بھرے فیصلے کیا کر۔"

تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام نبی ہونے کے ناطے کس کے نائب یا خلیفہ تھے کہ اُن کو انصاف کے ساتھ حکمرانی کا ارشاد ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہاں ان کو اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات کو اللہ کے مقررہ کردہ قوانین کے مطابق استعمال کرنے کے حوالے سے خلیفہ فی الارض کہا گیا، اور یہی صورت آدم علیہ السلام کے سلسلے میں بھی تسلیم شدہ ہے۔

ایک وضاحت: چنانچہ امام راغب فرماتے ہیں کہ (۱) یہ نیابت (خلافت) کسی کی غیر حاضری کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ (۲) موت کے سبب بھی، (۳) عجز و معذوری کے باعث بھی اور (۴) یہ محض نائب کو شرف بخشنے کے لئے بھی ہو سکتی ہے (مفرداتِ راغب) تو یہاں آدم اور داؤد علیہما السلام کی خلافت سے مراد یہ چوتھا مفہوم ہی لیا جائے گا۔ حضور علیہ السلام نے اپنے بارے میں عموماً اللہ کا نبی ﷺ - اللہ کا رسول ﷺ، اور عبدہ' کے الفاظ ہی استعمال کئے۔ حالانکہ اگر آدم اور داؤد زمین میں خلیفہ ہو سکتے ہیں تو حضور علیہ السلام تو ان سے زیادہ **خلیفة فی الارض** کا استحقاق رکھتے تھے البتہ خلیفۃ اللہ کا لفظ عہد رسالت میں استعمال ہونے کی شہادت اس واقعہ سے ملتی ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ چنا گیا تو کسی شخص نے آپ کو "یا خلیفہ اللہ" کہہ کر پکارا تو انہوں نے فوراً اُسے ٹوکا اور فرمایا میں تو خلیفہ الرسول ہوں۔ (ابوبکر ﷺ از محمد حسین ہیکل اردو ترجمہ صفحہ ۵۸۳) دوسرے لفظوں میں خلیفہ اللہ ایک نبی کو کہا جا سکتا ہے، لیکن نبی کے پیروکار کو نہیں۔ کیونکہ نبی کو ہر وقت اللہ کی طرف سے ہدایت ملتی ہے، اور غیر نبی کو اللہ اور رسول ﷺ کے ارشادات کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ (نساء۔ ۵۹) نیز فرمایا ﷺ:

یعنی خلافت علی منہاج النبوت تیس سال تک ہوگی۔ (ابوداؤد)

خلافت ارضی: قرآن حکیم میں خلافت ارضی کی بشارت اہل ایمان کو اس طرح دی گئی ہے:

(۱) وعدالله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا ط يعبدونني لا يشركون بي شيئا ط ومن كفر بعد ذلك فاولئك هم الفسقون ○ (نور: ۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں خلافت

Marfat.com

ارضی عطا کرے گا جس طرح اُس نے تم سے پہلے لوگوں کو خلافت سے نوازا تھا اور اللہ تعالیٰ لازماً اُن کے اس دین کو، بھی غلبہ عطا فرمائے گا جسے اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ ضرور اُن کے خوف کو امن اور چین سے بدل دے گا۔ (بشرطیکہ) وہ آئندہ بھی میری ہی عبادت کریں اور کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں اور جو کوئی اس کے بعد کفران نعمت کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔"

استحقاق خلافت کی شرائط کا بیان اس طرح فرمایا ہے:

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ط ولله عاقبة الامور ○ (حج:۴۱)

"یعنی خلافت ارضی کے مستحق وہ لوگ ہیں کہ اگر اُنہیں ہم زمین میں غلبہ و اقتدار عطا کریں تو وہ نماز (کا نظام) قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے، اور سارے معاملات کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔"

(۳) ھوالذی جعلکم خلٰئف فی الارض ط فمن کفر فعلیه کفرہ ط ولا یزید الکٰفرین کفرھم عند ربھم الا مقتا ج ولا یزید الکٰفرین کفرھم الا خسارا (فاطر:۳۹)

"اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ (تاکہ تم انفرادی اور اجتماعی طور پر اللہ کے احکام کا نفاذ کرو) تو پھر جس نے کفر کی راہ اختیار کی تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے اور کافروں کو اُن کا کفر اللہ کی جناب میں اس کا غضب بڑھانے کے سوا کوئی فائدہ نہیں دیتا اور کافروں کو کفران کے حق میں نقصان کو بڑھانے کے سوا کچھ بھی اضافہ نہیں کرتا۔"

نظام خلافت کے اصول

اُمت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور غلبہ اسلام کے لئے اسلامی ریاست کا قیام لازمی ہے، اور آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے ہر وہ شخص جو آدم علیہ السلام کے طریقہ پر ہو خلافت ارضی کا حامل ہے البتہ فرد سے لے کر جماعت تک اور پھر اجتماعات اور معاشرہ اور دیہہ و شہر اور ملک کی سطح پر یکجہتی کے ساتھ احکام خداوندی کے نفاذ کا نام اسلامی خلافت ہے۔ جس میں ہر شخص اپنی سطح پر اپنا کردار بھی ادا کرتا ہے اور اجتماعی لحاظ سے بھی بذریعہ یکجہتی یہ فریضہ نبھاتا ہے۔ تاکہ دنیا اور آخرت میں فلاح پاسکے۔

رسول اللہ کا ارشاد ہے: فرمایا ﷺ:

Marfat.com

"بنی اسرائیل کی قیادت و رہنمائی ان کے انبیاء علیہم السلام کرتے تھے۔ جب کوئی نبی علیہ السلام وفات پا جاتا تو اللہ تعالیٰ دوسرے نبی کو مبعوث فرما دیتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا ہاں میرے بعد خلفاء ہوں گے۔" (متفق علیہ عن ابو ہریرہؓ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں۔

"خلافت وہ عمومی ریاست ہے جو بالفعل بہ حیثیت نیابت نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وجود میں آئی ہو اور جو اقامت دین، علوم دینیہ کا احیاء، ارکانِ اسلام کا قیام، جہاد کا قیام، لشکروں کی تشکیل و ترتیب، سپاہیوں کے وظائف کا تقرر، مالِ غنیمت کی تقسیم، عدلیہ کا قیام، حدود کا نفاذ، ظلم کا خاتمہ، امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دے۔" (ازالۃ الخفاج ا ص ۲۸ ترجمہ عبدالشکور اردو)

خلافت میں اقتدارِ اعلیٰ: دُنیا کے ریاستی نظاموں میں اقتدارِ اعلیٰ لوگوں کے پاس ہوتا ہے۔ خصوصاً جو بھی اس پر قبضہ کرلے۔ یا جو گروہ بھی لوگوں کی رضامندی سے اس پر قابض ہو جائے۔ پھر چاہے وہ لوگوں کو اقتدار میں شریک کرے یا نہ کرے لیکن اسلامی ریاست میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔

۱۔ **للہ ملک السموت والارض۔** (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کی ہے۔) (مائدہ۔۷)

۲۔ **لم یکن لہ شریک فی الملک۔** حکمرانی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ (بنی اسرائیل۔۱۱۱)

۳۔ **ان الحکم الا للہ----** حکم تو بس اللہ ہی کا ہے۔ (یوسف۔۴۰)

۴۔ **قل ان الامر کلہ للہ۔٥** (فرما دیجئے ﷺ کہ اختیار سب کا سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ (العمران۔۱۵۴)

۵۔ **وما اختلفتم فیہ من شئی فحکمہ الی اللہ** (شوریٰ ۱۰)
"تمہارے درمیان جو بھی اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ کرنا اللہ ہی کا کام ہے۔"

۶۔ **الا لہ الخلق والامر۔** (اعراف:۵۴)
"خبردار اسی کی خلق ہے اور اُسے کنٹرول کرنے اور انجام تک پہنچانے کے بارے میں) اس کا حکم (آخری حکم) ہے۔"

(۲) قانون سازی: قرآن حکیم میں انسانی زندگی کو منضبط کرنے والے بنیادی قوانین بیان کر دیئے گئے ہیں، اور حضور علیہ السلام نے بھی ساری انسانیت کو ہر شعبۂ زندگی میں اپنے رہنما ارشادات سے نوازا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

۱۔ **علیکم بکتاب اللہ۔ احلو حلالہ وحرموا حرامہ۔** (کنز

Marfat.com

العمال بحواله طبرانی و مسند احمد) جلد ا...
۹۰۷/۹۶۶)

"کتاب اللہ کی پیروی تم پر لازم ہے۔ جسے اس نے حلال ٹھہرایا اُسے تم حلال کرو، اور جسے اس نے حرام کیا اُسے تم حرام کرو۔"

۲- فرمایا: من اقتدی بکتاب اللہ لا یضل فی الدنیا و لا یشقی فی الاخرۃ۔ مشکوۃ شریف۔ بحوالہ رزین)

"یعنی قرآن کے مطابق عمل کرنے والا دنیا میں بھی گمراہ نہ ہو گا اور آخرت میں بھی بے نصیب نہ رہے گا۔"

۳- فرمایا ﷺ: ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما--- کتاب اللہ و سنۃ رسولہ۔ (مشکوۃ بحوالہ موطا)

"میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ اگر ان کو تھام لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ (۱) کتاب اللہ، (۲) سنت رسول اللہ۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی مسلمان حاکم قرآن و سنت کے منافی نہ قانون بنا سکتا ہے نہ نافذ کر سکتا ہے۔

(۳) انصاف پروری: اسلامی حکومت میں حاکم کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان انصاف کرے۔ جیسا کہ حکم ہوا:

و امرت لا عدل بینکم۔ (شوری:۱۵)

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔"

چنانچہ فرمایا ﷺ: تم سے پہلی اُمتیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ معاشرے کے کم درجہ اور حقیر لوگوں کو قانونِ شریعت کے مطابق پوری سزا دیتے تھے، اور اونچے درجے کے لوگوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی یہ کام (چوری) کرتی تو لازماً میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

(۴) مساوات: قرآن حکیم میں مساوات بین المسلمین پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

انما المومنون اخوۃ۔ (حجرات:۱۰)

"مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

چنانچہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:

Marfat.com

المسلمون اخوۃ لا فضل احد علی احد الا بالتقوی۔ (ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۲۱۷ بحوالہ طبرانی)

"سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت صرف تقویٰ کی بناء پر ہو سکتی ہے۔"

(تقویٰ اللہ کو حاکم اعلیٰ دل سے تسلیم کر کے اس کے دین پر حسب استطاعت عمل اور عدل و انصاف نبھانے کا نام ہے)

۵۔ **مشاورت:** اہل اسلام آپس میں مشورہ سے اپنا کاروبارہ حکومت چلاتے ہیں، اور مشاورت کا مقصد صحیح طریقۂ کار کی دریافت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرمایا گیا:

والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوۃ وامرھم شوری بینھم ومما رزقنھم ینفقون (شوریٰ ۳۸)

"اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت پر لبیک کہا اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں، اور وہ ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

سورۃ العمران میں فرمایا:

"۔۔۔ وشاورھم فی الامر۔۔۔" (۳:۱۵۹)

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ (اے نبی ﷺ! آپ ان (صحابہ کرام) کے لئے نرم خو ہیں اگر آپ درشت خو اور سخت مزاج ہوتے تو یہ لوگ لازماً آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ﷺ ان کو معاف کر دیا کریں، اور ان کے گناہ بخشواتے رہیں اور ان سے (بوقت ضرورت) معاملات میں مشورہ لیتے رہیں، اور (مشورہ کے بعد) جب آپ کوئی عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ (کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد) کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ متوکلین کو دوست رکھتا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی معاملہ پیش آئے جس کے متعلق قرآن میں حکم نہ ہو اور نہ آپ ﷺ سے کچھ سنا ہو تو ہم کیا کریں فرمایا ﷺ:

شاوروا فیہ الفقھاء والعابدین ولا تمضوا فیہ برای خاصۃ (طبرانی فی الاوسط)

"یعنی اس معاملہ میں دین کی سمجھ رکھنے والوں اور اہل عبادت لوگوں سے مشورہ کر لو اور کسی خاص شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کر ڈالو۔"

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کنز العمال (ج ۵۔ حدیث نمبر ۲۳۵۴) میں نقل ہوا ہے

Marfat.com

لا خلافة الا عن مشورة۔ یعنی مشورہ کے بغیر خلافت، خلافت نہیں رہتی۔
لیکن اسلام میں مشورہ کے لئے اہل لوگوں کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کی گئی ہے
اللہ کی عبادت بھی کرتے ہوں، اور خدا سے ڈرنے والے بھی ہوں۔ دین کی سمجھ بھی رکھتے ہوں، اور
غور معاملے کے مختلف پہلوؤں سے بھی واقف ہوں، اور مشورہ کے بعد امیر کو حق ہوتا ہے کہ وہ چاہے
ایک یا زیادہ مشورہ دینے والوں کے مشورے پر عمل کرے یا کسی مضبوط دلیل کی بنا پر اپنی ہی رائے کو
دے۔ یہ ضروری نہیں کثرتِ رائے کو ہی ترجیح دی جائے اور امیر کی حیثیت محض ایک آلۂ کار کی ہی
البتہ جو بھی فیصلہ کیا جائے اس میں نیک نیتی ہو، اور خود غرضی یا مفاد پرستی کا شائبہ تک نہ ہو۔ اور نہ
داخلی یا خارجی دباؤ قبول کیا جائے۔

۶۔ **جہاد فی سبیل اللہ:** نظام خلافت کا قیام اور مقصد قرآنِ حکیم میں بیعت یعنی اپنے مال اور
جان کو اللہ کی راہ میں نچھاور کر دینا۔ بیع کا مطلب ہے خرید و فروخت
کرنا۔ سوداگری کرنا۔ اسی سے بیعت ہے۔ ایک مسلمان جب کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوتا ہے
تو وہ اللہ کے ساتھ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرے گا۔ چاہے اس میں اس کی
جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ تو اس کا فائدہ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے:

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ط فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون قف وعدا علیہ حقا فی التورٰۃ والانجیل والقراٰن ط ومن اوفیٰ بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بہ ط وذلک ھو الفوز العظیم○ التائبون العٰبدون الحامدون السائحون الرّٰکعون السّٰجدون الاٰمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحٰفظون لحدود اللہ ط وبشر المؤمنین○ (توبہ:۱۱۱-۱۱۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور اُن کے اموال خرید لئے ہیں اور عوض میں اُن کے لئے جنت ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پس (کافروں) وہ قتل بھی کرتے ہیں اور (اُن کے ہاتھوں) قتل ہوتے ہیں۔ یہ ان کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کا) سچا وعدہ ہے جو تورات، انجیل اور قرآن میں (لکھا ہوا) ہے۔ جسے وہ ضرور پورا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ نبھانے والا بھلا اور کون (ہو سکتا ہے)؟ تو (اے مومنو!) جو سودا تم نے اُس سے کیا ہے اُس پر خوشیاں مناؤ اور یہ (تجارت) بہت بڑی کامیابی ہے۔ (میرے مومنوں کا کیا کہنا!) وہ ہیں توبہ

Marfat.com

کرنے والے عبادت گزار ستائش و حمد کرنے والے، روزے رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکیوں کا حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے اور (اے نبی ﷺ!) آپ ﷺ میرے اِن مومن بندوں کو خوشخبری سنادیں۔"

اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی ہی اس لئے ہے کہ یہاں انسانوں کی پہچان کی جائے کہ کون اللہ کے ساتھ کیا ہوا وعدۂ الست (اعراف ۔ ۱۷۲) نبھاتا ہوا اس کے ساتھ رہتا ہے اور کون دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر اللہ سے منہ موڑ جاتا ہے۔ اسلامی ریاست میں خلیفہ اور رعایا کی یہ مشترکہ ذمہ داری ہے کہ جہاد کے لئے ہر وقت تیاری کرتے رہیں۔ اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھیں۔ اگر دشمنانِ اسلام زیر ہو جائیں تو دشمن ایمان (شیطان الرجیم) کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لئے کمر ہمت باندھ لیں۔ جس طرح حضور علیہ السلام نے ایک غزوہ سے واپسی پر فرمایا تھا۔ کہ ہم جہاد اصغر (قتال) سے فارغ ہوئے ہیں۔ آؤ جہادِ اکبر میں مشغول ہو جائیں اور نفسانی خواہشوں کے خلاف جہاد کو آپ نے جہاد اکبر فرمایا حفاظت دین و ایمان وہ اہم ترین متاع ہے۔ جس کے مقابلے میں گھر بار، آل اولاد بھی اہم نہیں چنانچہ ہجرت سنت ابراہیمی بھی ہے، اور سنت مصطفےٰ ﷺ بھی اور سنت صحابہ بھی، اور جو اہل ایمان ہجرت سے کتراتے ہیں اُن کا ذکر اچھے لفظوں میں نہیں کیا گیا۔ (دیکھئے سورۃ انفال آیت ۷۲)

منافقین اور جمہوریت: جمہوریت میں گروہ منافقین بڑا کامیاب رہتا ہے۔ جس کی مذمت قرآن نے بھی کی ہے، اور لادین معاشرے میں بھی اُسے اچھا نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ اُسے ففتھ کالسٹ کہا جاتا ہے۔ منافقین کا گروہ ہمیشہ مفاد پرستی کا مظاہرہ کرتا ہے یہ گروہ نہ تو سربراہ مملکت کے ساتھ مخلص ہوتا ہے۔ نہ اس کے رفقائے کار کے ساتھ، اور نہ عوام کے ساتھ۔ نہ کسی نظریہ کے ساتھ۔ نہ کسی دین و مذہب کے ساتھ بلکہ ان کا سارا خلوص اپنے مفادات کے گرد گھومتا ہے، اور جہاں ان کے مفاد کو ذرا سی زک پہنچی یہ فوراً اپنی خباثت پر اُتر آیا۔

قرآن حکیم کے آغاز میں پہلے اہل ایمان کا ذکر ہے۔ پھر کفار کا اور اس کے فوراً بعد منافقین کے بارے میں اہل اسلام کو مطلع کیا گیا ہے کہ ڈپلومیسی کی آڑ میں یہ لوگ کیا کیا باتیں کرتے اور کس طرح اپنا جواز مہیا کرتے ہیں۔

ومن الناس من یقول امنا باللہ---- تا---- یعمھون۔

(بقرہ:۸ تا ۱۵)

"اور ایک وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور (حقیقت یہ ہے کہ) وہ ایمان نہیں لائے ہیں۔ وہ (اپنے خیال میں) اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں، اور حالانکہ وہ (اپنے اس عمل سے) اپنے آپ کو دھوکے میں رکھے ہوئے ہیں، اور انہیں

Marfat.com

اس کا شعور نہیں۔ اُن کے دلوں میں بیماری جڑ پکڑے ہوئے تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری اور بڑھا دی، اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے جس کا سبب ان کا تکذیب بھرا رویہ ہے۔ اور (اے نبی ﷺ) جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ (اپنے کرتوتوں سے) زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں۔ کہ ہم لوگ تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ (لوگو!) خبردار ہو جاؤ بلاشبہ (اپنے کردار و عمل کے لحاظ سے) وہ لوگ فسادی ہیں، لیکن اُنہیں اس کا شعور نہیں، اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ (مخلص) لوگوں کی طرح ایمان لاؤ۔ تو کہتے ہیں۔ "بھلا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟" خبردار رہو کہ بلاشبہ وہی لوگ (حقیقت میں) بیوقوف ہیں، لیکن انہیں (اس بات کا) علم نہیں (کہ وہ کس طرح بیوقوف ہیں) اور جب ان کی ملاقات اہل ایمان سے ہو جائے تو ان کو اپنے ایمان دار ہونے کا کہتے ہیں، اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو انہیں کہتے ہیں "ہم بلاشبہ آپ کے ساتھ ہیں، اور اہل ایمان سے تو ہم ہنسی کرتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ بھی اُن سے ہنسی کرتا ہے، اور انہیں مہلت دیئے جاتا ہے، اور (وہ مہلت پاکر) اپنی سرکشی اور شرارت میں اور بھی اندھے ہو ہو جاتے ہیں۔ (بقرۃ: ۸ تا ۱۵)

اور منافقین کا ذکر آیت نمبر ۲۰ تک بڑی وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے اور مسجد ضرار تعمیر کرنے والے بھی یہی لوگ تھے۔ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۰۴ تا ۲۰۶ میں ہے۔ چرب زبان منافقین اقتدار میں آکر اندھیر مچاتے ہیں اور اناء کا مسئلہ بنا کر ظلم سے باز نہیں آتے۔

جمہوریت میں منافقین کا گروہ اپنے کردار و عمل کے لحاظ سے اپنے مفادات کے گرد منڈلاتا رہتا ہے، اور اگر اِدھر دال گلتی نظر نہ آئے تو فوراً اپنا وزن دوسرے پلڑے میں ڈال دیتا ہے اور بعض اوقات ان کا وزن فیصلہ کن ہوتا ہے، اور اس طرح پانسہ پلٹ جاتا ہے، اور حق و صداقت کے سارے معیار دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

مخلص عوام اور استحصالی طبقے: عوام ہمیشہ مخلص ہوتے ہیں۔ وہ کافر ہوں تو پکے کافر ہوتے ہیں اور مسلمان ہوں تو پکے مسلمان ہوتے ہیں۔ کافر عوام کافری کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں جبکہ مومن عوام ایمان کے ساتھ پُر خلوص ہوتے ہیں۔ تیسرا گروہ منافقین کا ہوتا ہے۔ عوام جو بات بھی کہتے ہیں بلا جھجک کہتے ہیں۔ جو کرتے ہیں برملا کرتے ہیں لیکن استحصالی طبقے اُنہیں اپنا آلہ کار بننے پر مجبور کرتے رہتے ہیں۔ عوام گنہگار بھی ہوں تو اخلاص بھری سچائی ان کے اندر ضرور ہوتی ہے۔ چاہیے کافرانہ سچائی ہو یا مومنانہ وہ صابر و شاکر، قناعت پسند اور اللہ کے ساتھ مخلص مسلمان بھی ہوتے ہیں، اور بت پرست ہوں تو بتوں کے ساتھ مخلص اور ان کے نام پر ہر تکلیف اٹھانے کے لئے تیار بھی یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں ان لوگوں کا استحصال ہوتا رہا ہے چاہے فرعون کا زمانہ ہو۔ یا فیوڈلزم یا کنگڈم کا۔ دنیا کے سارے انسانی نظام ہائے حکومت عوام کا ہمیشہ سے استحصال کرتے آئے ہیں اور

Marfat.com

رہتی دنیا تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ سوائے اِس دور کے جب اسلامی تعلیمات کے مطابق اسلامی خلافت کا دور دورہ ہو۔ پاکستان بنانے میں عوام نے قائداعظمؒ پر یقین اور بھرپور اعتماد کرتے ہوئے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ قائداعظمؒ کو بھی کو ان کی قربانیوں کا احساس تھا چنانچہ مارچ ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے دہلی میں منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں قائداعظمؒ نے فرمایا:

"میں ضروری سمجھتا ہوں کہ زمینداروں اور سرمایہ داروں کو متنبہ کردوں کہ اس طبقہ کی خوش حالی کی قیمت عوام نے ادا کی ہے' اور اس کا سہرا جس نظام کے سر ہے۔ وہ انتہائی ظالمانہ اور شرانگیز ہے اور اس نے اپنے پروردہ عناصر کو اس حد تک خودغرض بنا دیا ہے کہ انہیں دلیل سے قائل نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے مقصد کی برآوری کے لئے عوام کا استحصال کرنے کی خوئے بد ان کے خون میں رچ بس گئی ہے۔ وہ اسلامی احکام کو بھول چکے ہیں۔ غرض حرص و ہوس نے سرمایہ داروں کو اتنا اندھا کر دیا ہے کہ وہ جب چاہیں منفعت کی خاطر دشمن کا آلہ کار بن جاتے ہیں۔ میں نے دیہات میں جا کر خود دیکھا ہے۔ کہ ہمارے عوام میں لاکھوں افراد ایسے ہیں۔ جنہیں دن میں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ کیا آپ نے سوچا کہ کروڑوں لوگوں کا استحصال کیا گیا ہے اور اب ان کے لئے دن میں ایک بار کھانا حاصل کرنا بھی ممکن نہیں رہا۔ اگر وہ (سرمایہ دار اور زمیندار) عقلمند ہیں تو وہ نئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیں گے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر خدا اُن کے حال پر رحم کرے ہم ان کی کوئی مدد نہ کریں گے۔" (اجلاس مسلم لیگ دہلی مارچ ۱۹۴۳ء (نوائے وقت لاہور یکم مارچ ۱۹۹۳ء)

قائداعظمؒ کے اس ارشاد کی روشنی میں اہل اسلام کو نظامِ خلافت قائم کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ ہر سطح کے لوگوں کو خدا کا خوف غلط کاریوں سے بچنے میں مدد دے سکے اور اسلامی خلافت بھی اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کا نفاذ عمل میں لائے صرف یہی ایک نظام ہے جو ہر سطح کے بے لگام لوگوں کو لگام دے کر عوامی فلاح کا فریضہ کماحقہ انجام دے سکتا ہے۔ یہ نظام اُس وقت بھی مؤثر ہوتا ہے جب کسی گناہ یا جرم کی نیت کرنے والے کو کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اُس وقت اُسے خدا ضرور دیکھ رہا تھا اور اگر وہ خوفِ خدا سے کام لے تو جرم کرنے سے رک جائے گا۔ ورنہ جرم و گناہ کی سزا اگر دنیا میں نہیں، تو عقبیٰ میں ضرور پائے گا۔

مغربی مفکرین کی رائے: علامہ اقبال جمہوریت کو اچھا نظام نہیں سمجھتے تھے۔ ازمنہ وسطیٰ سے لے کر عہد حاضر کے بڑے بڑے مفکرین مثلاً روسیو، کارلائل، نطشے، برٹرینڈ رسل وغیرہ بھی اس معاملے میں علامہ اقبال کے ہم خیال ہیں۔ روسیو اپنی شہرہ آفاق کتاب "معاہدۂ عمرانی" میں اکثریت کی حکمرانی کے تصور کو اس طرح رد کرتا ہے۔

"یہ بات سراسر عقل کے خلاف ہے کہ حکومت کرنے والے اکثریت میں ہوں اور جن پر حکومت کی جائے وہ اقلیت میں ہوں۔"

Marfat.com

علامہ اقبالؒ ایک جگہ جمہوریت کو تیغ بے نیام سے بھی تعبیر کرتے ہیں:

زمن وہ اہل مغرب را پیامے
کہ جمہوریت تیغ بے نیامے

اور کارلائل کہتا ہے:

"ہر عقلمند کے مقابلے میں نو بیوقوف ہوتے ہیں۔ پس جمہوریت احمقوں کی حکمرانی کا نام ہے
جرمن مفکر نطشے شعور و آگہی سے بے بہرہ اکثریت کی حاکیت کے تصور کو سخت ناپسند کرتا
جبکہ رسل نے بھی اس سلسلے میں فکر اقبال سے موافقت کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

اکثریت کی بالادستی ایک حقیقی خطرہ ہے۔ یہ سمجھنا غلطی ہے کہ اکثریت ہمیشہ درست کہتی ہے نئے مسئلے میں اکثریت ہمیشہ غلطی کرتی ہے۔ لوگوں کی اکثریت ناخواندہ اور سیاسی شعور سے بے بہرہ ہے۔ ایسے لوگ پیچیدہ قسم کے قومی اور بین الاقوامی مسائل کو سمجھنے اور انہیں حل کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ رائے دہندگان کی اکثریت اپنے محدود دائرہ کار میں تو باخبر ہو سکتی لیکن پیچیدہ دستوری ترمیمات تجارتی اور مالی امور خارجہ کی پالیسوں کے متعلق پُرپیچ امور ان کی عق دانش سے بالاتر چیزیں ہیں۔

علامہ اقبالؒ اس بات کو بڑی اچھی مثال دے کر سمجھاتے ہیں اور نصیحت کے انداز میں کہتے ہیں

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

یعنی طرز جمہوری سے دور رہو، اور کسی نہایت عقلمند اور تجربہ کار صاحب حکمت کے غلام جاؤ۔ کیونکہ اگر دو سو گدھوں کا دماغ نچوڑا جائے تو اس میں سے انسانی سوچ برآمد نہیں ہو سکتی۔

علامہ اقبالؒ اور جمہوریت: علامہ اقبالؒ نے زندگی کے ہر پہلو پر بنظر عمیق غور و فکر کرنے کے بعد اپنے خیالات سے اہل اسلام کی رہنمائی فرمائی۔ وہ محض ایک شاعر یا فلسفی نہ تھے بلکہ وہ مفکر اسلام تھے۔ قرآن تلاوت کرتے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ وہ مولا روم سے روحانی طور پر فیض یافتہ تھے اور بقول بعض وہ صوفی بھی تھے

پسند آگئی جہاں کو قلندری میری وگرنہ شعر مرا کیا ہے، شاعری کیا ہے
قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

آج کل کے ادیب اور شاعر، شاعری اور ادب پر "ادب برائے زندگی" کا لیبل چسپاں کرنے کے باوجود زندگی کی رزمگاہ سے اس کا رشتہ بمشکل جوڑتے نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ ترقی پسند اور قدیم و جدید علوم کے شناور ہونے کے باوجود ادبی مقصدیت کو نظر انداز نہیں کرتے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ملت اسلامیہ کی رہنمائی سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے

Marfat.com

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

انہوں نے مسلمانوں کو یاد دلایا ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے محکم تر ہے جمعیت تری
دامن دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

علامہ اقبالؒ نے جمہوریت کے موجودہ قالب اور اس کے معتقدات کو بڑی عمیق نظروں سے دیکھا۔ وہ قرآن سے بھی کماحقہ آگاہ تھے اور قرآنی ضابطہ حیات ان کی نظروں سے اوجھل نہ تھا چنانچہ انہوں نے ببانگ دہل اعلان کیا ؎

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیراز نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

ابلیس کی مجلس شوریٰ میں ابلیس اپنے کارندوں سے کہتا ہے ؎

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خودنگر

یعنی علامہ اقبالؒ کی نظر میں اس دور میں انسان سارے ازموں کو آزما کر حق کی تلاش میں سرگرداں ہے تو ابلیس نے اسے "جمہوریت" کے چکر میں ڈال دیا اور بتلایا کہ جمہوری نظام عوامی حکومت کا نام ہے اور عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دے کر لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف جانے سے روک دیا اور اکثریت اور اقلیت کی کشمکش میں مبتلا کر کے رکھ دیا حالانکہ بقول اقبالؒ مغربی جمہوریت کی حقیقت کچھ اس طرح ہے ؎

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

علامہ اقبالؒ ارمغان حجاز میں ایک جگہ ابلیس کی زبانی اس کا یہ اعلان ہم تک پہنچاتے ہیں ؎

جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک

Marfat.com

پھر اس کے چہرے سے پردہ ہٹاتے ہوئے یہ بھی بتاتے ہیں ؂

نغمۂ بیداری جمہور ہے سامان عیش
قصۂ خواب آورِ اسکندر و جم کب تلک

جمہوریت میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس کے ذریعے اہلیت اور حقیقت کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور گنتی کی بالادستی قائم ہو جاتی ہے۔ اس میں روپیہ اور پیسہ برابر ہیں۔ پونڈ اور پنس میں مساوات قائم کر دی گئی ہے۔ بکری اور شیر کو برابر قرار دیا جاتا ہے لیکن جب عملی دُنیا میں ان چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے تو یہ زبانی جمع خرچ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے چنانچہ علامہ اقبال ؒ نے ایک فرنگی دانشور کے حوالے سے جمہوریت کی اس کمزوری کو یوں اُجاگر فرمایا ہے ؂

اس راز کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

آزادی افکار اور اقبالؒ: آزادی افکار بڑی چیز ہے لیکن سمجھ داروں کے لئے، نہ کہ نادانوں کے لئے اور نہ اُن کے لئے جو غلامی کا طوق ڈالے طوعاً کرہاً آزادی نبھا رہے ہوں چنانچہ فرمایا ؂

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حر کی آنکھ ہے بینا

○○

آزادی افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے جو نہیں فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار
انسان کو ہے، حیوان بنانے کا طریقہ

ایسی بے لگام آزادی جس پر کوئی صحیح رہنمائی جلوہ ریز نہ ہو، اقبالؒ کی نظر میں ابلیس کی ایجاد ہے ؂

اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

اقبالؒ کی نظر میں کوئی بھی شخص جب بے لگام ہو کر کرسی پر متمکن ہوتا ہے اور خدا اور اس کے

Marfat.com

رسول کی تعلیمات سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہے تو وہ چنگیز خاں کی بربریت کا حامل ہی ہوتا ہے ؎

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے رہ جاتی ہے چنگیزی
زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا؟
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

علامہ مرحوم جمہوریت کی پارٹی بازی اور اسلامی قومیت کی وحدت کو اس طرح اُجاگر کرتے ہیں ؎

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

سیاستدان اور سیاسی مدبر میں جو فرق ہے اس کے بارے میں علامہ یوں گوہربار ہیں ؎

اُمید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خاک باز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے اُن کی
جہاں میں ہے صفت عنکبوت ان کی کمند
خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع
تخیل ملکوتی و جذبہ ہائے بلند!

علامہ کے نزدیک عقل اگر قابل تحسین ہونے کے باوجود دل کے تابع فرمان نہ رہے تو بیکار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عوامی قوت کو بھی اگر اللہ کے قانون کی قدغن تلے نہ رکھا جائے تو اس کا نتیجہ کچھ اچھا نہیں نکلتا ؎

عقل اندر حکم دل یزدانی است
چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

OO

بہر حال حق و انصاف کا بول بالا اگر جمہوریت کے ذریعے ممکن ہوتا تو دنیا میں انبیاء کرام کو پیغام حق دے کر نہ بھیجا جاتا بلکہ لوگوں کو ان کی خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے دی جاتی لیکن صبح ازل انکار کی جرأت کے مالک کو مالکِ کائنات نے قیامت تک مہلت دے رکھی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو ورغلا کر دوزخ کی طرف ضرور لے جائے گا۔ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے جن کی تعداد ہمیشہ آٹے میں نمک کے برابر رہی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ اس کے رسولوں اور خاص طور پر آخری رسول کی طرف نازل کردہ کتاب میں درج ہدایات کی روشنی میں زندگی گزار کر دنیا اور آخرت میں فلاح پائیں۔ اور جمہوریت میں انسانی اکثریت کی خواہشات کی پیروی لازمی ہے اور قرآنی ... کی ...

Marfat.com

سے یہ نظام قطعی غلط ہے اور اسے وقتی طور پر تو اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن دائمی نظام حکومت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ دنیا میں دائمی نظام حکومت کوئی بھی نافذ کرنا ممکن نہیں۔ وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ انسانی طبائع کی اکثریت حق و صداقت پر پوری نہیں اتر سکتی۔ اگر کوئی نظام حکومت مستقل طور پر نافذ کرنا ممکن ہوتا تو خالق کائنات ضرور اس کی نشاندہی فرماتا لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا میں حکومت کو اپنے احکام کے نفاذ سے مشروط کیا ہے گویا آسمانی تعلیم کا نفاذ ہی انسانوں کی دُنیوی اور اُخروی کامیابی کا ضامن ہے جس کے نفاذ اور یاددہانی کے لئے انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے رہے اور قرآن نے اس نظام کو خلافت کا نام دیا ہے اور خلافت اسلامیہ کا قیام ہی میثاق مدینہ میں ملتا ہے جس کی خلاف ورزی پر حضور علیہ السلام نے یہودی قبائل سے جنگ کی۔ اہل مکہ نے حضور کو ہجرت پر مجبور صرف اس لئے کیا تھا کہ آپ خلافت الہیہ کا فریضہ نبھانا چاہتے تھے ورنہ آپ ﷺ کو ہجرت کرنے اور بدر و احد وغیرہ میں تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ اسلام کا خلافت الہیہ کا ادعاہی مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی مطمع نظر ہونا چاہئے اور مسلمان حکومتوں کو مل کر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو کر طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما ہونا چاہئے جس کا خاکہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

عالمی نظام خلافت کے خدوخال اور عالم اسلام:

۱۔ راقم کے نزدیک عالمی سطح پر تمام اسلامی ممالک کی کنفڈریشن وغیرہ تشکیل دے کر اسے خلافت اسلامیہ کا نام دیا جائے اور ہر ملک اپنے طور پر خلافت اسلامیہ کا نہ صرف رکن ہو بلکہ اس کا جزو ہو۔

۲۔ اس کا ہیڈ کوارٹر جدہ میں ہو یا کسی اور جگہ جس کا فیصلہ باہمی مشورہ سے کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اس کی افواج کے بڑے مراکز بڑے بڑے اور اہم ممالک میں قائم ہوں۔

۴۔ داخلی طور پر ہر ملک اپنی جگہ خود مختار اور آزاد ہو لیکن خلافت اسلامیہ کا جزو ہونے کے ناطے خارجہ امور اور بعض دیگر اہم معاملات (جو باہمی مشاورت سے طے کئے جاسکتے ہیں) میں اجتماعی پالیسی کا پابند ہو۔

۵۔ خلافت اسلامیہ کے جزو ممالک میں بیرونی مداخلت کا سدباب خلافت اسلامیہ کی مرکزی قیادت کرے۔

۶۔ اقتصادی معاملات کا ڈھانچہ ہر ملک کے داخلی تقاضوں کے مطابق انفرادی حکومت تیار کرے لیکن اس کی حتمی منظوری خلافت اسلامیہ کی مرکزی قیادت خارجہ امور اور عالم اسلام کے مشترکہ مساوات کے تحفظ کو سامنے رکھ کر دے۔

۷۔ خلافت اسلامیہ کے رکن ممالک میں سود کا اقتصادی نظام اور دیگر محرمات کی حرمت کا قانون نافذ ہو جسے ہر ملک، ہر حکومت داخلی طور پر کنٹرول کرے اور خلافت اسلامیہ کی گرفت مجموعی طور پر اہم امور سے متعلق رکھی جائے۔

۸۔ سارے اسلامی ممالک کی دولت کو "دولت مشترکہ اسلامیہ" کی حیثیت حاصل ہو۔

Marfat.com

۹۔ جس ملک کے وسائل ایک شعبے میں زیادہ اور دوسرے میں کم ہوں تو قرض حسنہ کی بنیاد پر یا مال کے بدلے مال کے اصول پر یا کسی اور مناسب انداز میں (جو باہمی مشاورت سے اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے طے کیا جاسکتا ہے) ایک ملک دوسرے ملک کا سہارا بنے۔

۱۰۔ بین الاقوامی امور جو ملت اسلامیہ کے سیاسی اور اقتصادی اور دفاعی معاملات سے متعلق ہوں، خلافت اسلامیہ کی مرکزی قیادت کے کنٹرول میں ہوں۔

۱۱۔ ہر ملک کی اپنی مروجہ کرنسی الگ طور پر اپنے ملک میں جاری رہے۔

۱۲۔ خلافت اسلامیہ کی ایک مشترکہ "بین الاسلامی کرنسی" بھی جاری کی جائے جو سارے اسلامی ممالک میں قابل قبول ہو اور رکن ممالک کے درمیان باہمی لین دین کا ذریعہ بھی وہی مشترکہ کرنسی ہو۔

۱۳۔ بین الاقوامی ادائیگیوں یا وصولیوں کے لئے بھی وہی مشترکہ بین الاسلامی کرنسی استعمال ہو یعنی خلافت اسلامیہ کے رکن ممالک کی طرف سے غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ جو لین دین بھی کیا جائے گا وہ مشترکہ "بین الاسلامی کرنسی" کے ذریعے سے ہوگا اور بین الاقوامی طور پر اسے منوایا جائے گا۔

۱۴۔ تمام رکن ممالک اپنا داخلی نظام، جمہوریت یا بادشاہت یا جس طرح کا بھی چاہیں قائم کریں لیکن اقتدار اعلیٰ اللہ اور رسول کے لئے تسلیم کیا جائے گا اور ہر قانون قرآن و سنت کے مطابق نافذ ہو گا اور روح اسلام اور روح قرآن و سنت پر عمل ہو گا۔

۱۵۔ دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ غیر اہم امور میں تعلقات رکھنے کا اختیار خلافت اسلامیہ کے رکن ممالک کو حسب ضرورت دیا جاسکتا ہے لیکن اہم امور مرکزی قیات کے تحت رہیں گے۔

۱۶۔ مرکزی قیادت کا چناؤ رکن ممالک کے سربراہ بے لوث باہمی مشاورت سے کریں گے جس کا سربراہ خلیفہ یا امیر المسلمین کہلائے گا۔

(اسلامی تعلیمات (لازمی) صفحہ ۴۶۸-۴۶۹ از قدر آفاقی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ معاشی نظام

معاشیات کا زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ اسلامی معاشیات کی خصوصیات کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ **روزی رساں اللہ کی ذات:** اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اور سب کی پرورش اور ان کی روزی کی ذمہ داری اللہ نے قبول فرما رکھی ہے۔ (۶۱/ ۱۱) پس اس کی ربوبیت کا تقاضا ہر دور میں روبہ عمل آکر رہتا ہے نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما من دابة في الارض الا على الله رزقها (هود-۶)

"اور زمین پر چلنے والی کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔"

"رزق" میں ہر طرح کی ضروریات زندگی شامل ہیں جن سے نفع اٹھایا جائے حتیٰ کہ بارش کو بھی

Marfat.com

رزق کہتے ہیں اور مقررہ آمدنی غذا اور سامان خورد و نوش کو بھی۔ اسلام میں انسان کی دنیوی نشوونما کا ہی خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ قرآن میں اخروی نشوونما کے اسباب و ذرائع کو بھی رزق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۵۸:۲۲)

اسلامی معاشیات یا اقتصادیات کا مطمح نظریہ ہوتا ہے:

ولو ان اهل القری امنوا واتقوا لفتحنا علیهم برکات من السماء والارض (اعراف ۹۶)

اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو لازماً ہم ان پر آسانی اور زمینی برکتوں کے دروازے کھول دیتے (اور لیکن چونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو غلط مانا تو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے انہیں پکڑا) تو گویا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھولنے کا باعث ہوتی ہے پھر اسلام کا مقصد حیات پاکیزگی بھی ہے جسے اس نے حیات طیبہ کا نام دیا ہے اور اس میں مرد اور عورت کی تخصیص نہیں بشرطیکہ وہ مومن ہوں چنانچہ فرمایا:

من عمل صالحا من ذکر او انثی وهو مومن فلنحیینه حیوة طیبة (نحل - ۹۷)

"یعنی جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور (شرط یہ ہے کہ) وہ مومن ہو تو ہم اسے (دنیا میں) پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی سے زندہ رکھیں گے (اور آخرت میں بھی) لازماً ان کو ان کے اعمال کا نہایت اچھا بدلہ دیں گے۔"

پھر ارشاد ہوتا ہے:

انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوة الدنیا و یوم یقوم الاشهاد (مومن - ۵۱)

"بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ان پر ایمان لانے والوں کی لازماً دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی (ان کی لازماً مدد کریں گے) جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کے دن)۔"

۲۔ اکتناز کی ممانعت: اہل حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دنیا میں بھی رزق کا وعدہ ہے اور آخرت میں بھی اور یہی رزق رسانی معاشیات اور اقتصادیات کی بنیاد ہے اور "رزق" کی تشریح ہم پہلے ہی کر آئے ہیں اور اہل حق کی زندگی دنیا اور عقبیٰ پر مشتمل ہے جبکہ لادین عناصر صرف دنیا کی زندگی کو سامنے رکھ کر معاشیات اور اقتصادیات کی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور عاقبت ان کے پیش نظر نہیں ہوتی۔ لہٰذا دنیا کی زندگی میں وہ اگرچہ دولت سمیٹ سمیٹ کر بزعم خویش خوشحال کی زندگی ۔۔۔ ہوتے ہیں لیکن درحقیقت:

Marfat.com

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم○ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لا نفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون○

"اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے محفوظ کر لیتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں (جیسا کہ اس نے حکم دیا ہے) خرچ نہیں کرتے تو (اے نبی ﷺ!) آپ انہیں دردناک عذاب کا مژدہ سنا دیں (اس دن کے عذاب کا مژدہ) جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں ڈال کر انگارہ کیا جائے گا اور پھر اس سے ان (اہل کنوز) کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور فرمایا جائے گا) یہ ہے وہ مال جسے تم اپنے لئے جمع کر کر رکھتے تھے۔ سو اب مزہ چکھو ان کرتوتوں کا جو تم نے (اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف) اپنی مرضی سے مال و دولت کو جمع کر کے کیں۔"

(توبہ ۳۴، ۳۵)

لہٰذا اسلامی معیشت اختیار کرنا نہ صرف مسلمانوں بلکہ سارے انسانوں کے حق میں بہتر ہے کیونکہ یہ فطری اصولوں کے مطابق ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کی فرضیت: اسلام کے مالی نظام کی دوسری بنیاد زکوٰۃ ہے۔ جو نماز کی طرح فرض کی گئی ہے، زکوٰۃ کی فرضیت کا اندازہ اور اس کی اہمیت اس واقعہ سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد بہت سے قبائل نے، جو اسلام قبول کر چکے تھے، زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور بعض جلیل القدر صحابہ نے بھی حضرت صدیق اکبرؓ کو مشورہ دیا کہ زکوٰۃ کی وصولی کو فی الحال ملتوی کر دیا جائے تو خلیفہؓ رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔

زکوٰۃ ایسا نظام ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی معاشرے اور مذہب میں نہیں ملتی ہے۔ زکوٰۃ سال بھر تک جمع شدہ مال کی پاکیزگی برقرار رکھنے کا خدائی ٹیکس ہے جو امراء سے وصول کر کے غرباء اور معاشرے کے دیگر محرومین کو دیا جاتا ہے، زکوٰۃ ادا کرنے سے صرف دنیوی بھلائی کا مقصد ہی پورا نہیں ہوتا بلکہ اس کی ادائیگی فلاح دارین کا باعث بھی بنتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لئن اقمتم الصلوۃ واتیتم الزکوۃ وامنتم برسلی و عزرتموھم واقرضتم اللہ قرضا حسنا لا کفرن عنکم سیاتکم ولا دخلنکم جنت تجری من تحتھا الانھر فمن کفر بعد ذلک منکم فقد ضل سواء السبیل○ (مائدہ۔ ۱۲)

"یعنی اگر تم نماز کے لئے ذوق گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور

Marfat.com

ان کا ساتھ دو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور (مرنے کے بعد) لازماً تمہیں ایسے باغوں میں لے جا داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ تو پھر اس کے بعد جس کسی نے تم میں سے کفر (کا راستہ اختیار) کیا تو گویا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔" (مائدہ: ۱۲)

زکوٰۃ کا حکم پہلے ادوار کے انبیاء کو بھی دیا گیا تھا مثلاً ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق و یعقوب کی پیدائش اور ان کے صالح ہونے کے بیان کے بعد سورہ انبیاء میں فرمایا:

وجعلنٰهم ائمّة یهدون بامرنا و اوحینا الیهم فعل الخیرات و اقام الصلوٰة و ایتاء الزکوٰة و کانوا لنا عٰبدین ○

"اور ہم نے ان کو (دنیا میں) پیشوا بنایا کہ وہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے، نماز کے لئے ڈٹ جانے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔" (انبیاء ۷۳)

زکوٰۃ اخلاقی طور پر بھی انسان کے اندر سے بخل، لالچ اور حرص کا جذبہ مٹاتی ہے اور اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور غرباء و مساکین وغیرہ کی اعانت و مدد کا باعث بن کر معاشرے کو خوشحالی کی طرف گامزن کرتی ہے۔

سرمایۂ حدیث میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کا پرزور حکم ہے اور بخل سے کام لے کر مال جمع کرنے والوں کے بارے میں ارشاد رسول ﷺ ہے:

یکون کنزا احدکم یوم القیامة شجاعا اقرع یفر منه صاحبه و هو یطلبه حتی یلقمه اصابعه

"یعنی حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ 'تمہارا خزانہ قیامت کے دن ایک گنجا سانپ بن جائے گا اور اس کا مالک (ڈر کر) اس سے دور بھاگے گا اور وہ (سانپ) اس کو تلاش کرتا پھرے گا حتیٰ کہ اس کو پا کر اس کی انگلیوں کو لقمہ بنائے گا۔" (احمد، ابو ہریرہؓ)

۴۔ **صدقات:** معاشرے کے غریب اور نادار طبقوں کی مالی اعانت کی ترغیب قرآن میں اس طرح ملتی ہے:

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون

"تم نیکی کا مقام ہرگز نہ پا سکو گے جب تک کہ اپنے محبوب اموال میں سے (اللہ کے لئے) خرچ نہ کرو۔" (آل عمران ۹۲)

نیز فرمایا:

و بالوالدین احسانا و بذی القربٰی و الیتٰمٰی و المسٰکین

Marfat.com

والجار ذی القربٰی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وماملکت ایمانکم (نسا-۳۶)

"(اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ) اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں، رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور ہم نشیں دوست اور مسافر اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ (بھی نیک سلوک کرو۔)" (نساء ۳۶)

نیز ایسے تنگ دست لوگوں کی مدد کا حکم بھی دیا جو بظاہر غنی لگتے ہیں لیکن وہ شرم کے مارے سوال نہیں کرتے۔ (۲/۲۷۳)

قرآن نے ان لوگوں کی تعریف کی جو اللہ کی محبت میں کسی مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلائیں اور جن کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی ہو اور ان لوگوں سے کوئی مفاد وابستہ نہ رکھیں۔ (الدھر ۹،۸)

سورہ معارج (۲۵،۲۴) میں اپنے اموال میں سے ایک خاص حصہ سائلوں اور محروم لوگوں کے لئے مختص کرنے والوں کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی بشارت دی گئی ہے۔

ریاکاری سے مال خرچ کرنے والوں کی مذمت اس طرح فرمائی ہے:

والذین ینفقون اموالھم رئاء الناس ولا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ومن یکن الشیطٰن لہ قرینا فساء قرینا ○

"(اور اللہ ان کو پسند نہیں کرتا) جو اپنے اموال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے جس شخص کا دوست شیطان ہوا تو اس کو بہت ہی برا دوست ملا۔" (نساء ۳۸)

قرآن میں صدقات دینے کے بعد احسان جتانے کی بھی سخت ممانعت آئی ہے۔

یایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقٰتکم بالمن والاذٰی

"اے اہل ایمان! اپنے صدقات کو احسان جتلا جتلا کر اور اذیت دے دے کر ضائع نہ کر ڈالو۔" (بقرہ ۲۶۴)

اور جس صدقہ کے پیچھے احسان جتلانے اور اذیت دینے کا عمل ہو اس کو سرے سے نہ دینے کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ (بقرہ ۲۶۷) اور یہ بھی حکم دیا کہ حلال اور پاکیزہ مال میں سے خرچ کرو گے تو مقبول ہو گا۔ (ایضاً)

۵۔ سود: جدید معاشیات کی بنیاد سود پر استوار کی گئی ہے لیکن اسلامی معاشیات میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے (۲/۲۷۵) سود پر ادھار وہ رقم دی جاتی ہے جو پس انداز کی گئی ہو۔ غیر مسلم اقوام سود پر ہی معیشت کی بنیاد استوار کرتی ہیں حتیٰ کہ آج کے دور میں اکثر مسلم حکومتیں بھی سود کے ذریعے ہی

Marfat.com

اپنا روزمرہ کاروبار چلا رہی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سود کی رقم بڑھتے بڑھتے کثیر حجم اختیار کر جاتی ہے اور پھر وہ وقت بھی آتا ہے جب قرض دینے والے ممالک اپنی من مانی شرائط مسلط کر کے اسلامی حکومتوں کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن حکیم قیامت تک کے لئے ضابطہ حیات ہے اور اس میں سود کی بری طرح مذمت کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون ○

"اور جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور وہ جو تم زکوۃ دیتے ہو تو وہ اللہ کی خوشنودی کے لئے دیتے ہو (لہٰذا ادا شدہ زکوۃ والا مال بڑھتا ہے) اور ایسے ہی لوگ (درحقیقت اللہ کی بارگاہ میں) دو چند سہ چند (کئی گنا) پائیں گے۔" (روم ۳۹)

یمحق اللہ الربوا و یربی الصدقت

"اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔" (بقرہ ۲۷۶)

سود حرام ہو گیا: قرآن میں سود خوروں کی حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا اور پھر سود کو حرام قرار دے دیا گیا۔

الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس ذالک بانھم قالوا انما البیع مثل الربو واحل اللہ البیع وحرم الربوا

"یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت کا منافع بھی تو ویسا ہی ہے جیسے سود لینا اور (نکتے کی بات اس میں یہ ہے کہ) خرید و فروخت کے منافع کو اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا ہوا ہے اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے۔" (بقرہ ۲۷۵)

پھر فرمایا کہ اے اسلام قبول کر لینے والو:

لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ○

"مت کھاؤ سود دونے پر دونا اور اللہ سے ڈرو تاکہ (تمہارا دو جہانوں میں بھلا ہو) تم فلاح پاؤ۔"

Marfat.com

(آل عمران-۱۳۰)

(یہ حکم ان مسلمانوں کے لئے تھا جو سود کی حرمت سے قبل اپنا روپیہ بہت زیادہ شرح سود پر دیتے تھے، ان کو تقویٰ کا درس دے کر فلاح دارین کی امید دلائی گئی ہے۔)

آخر وہ وقت بھی آیا کہ مسلمانوں کو سود کی وصولی سے قطعاً روک دیا گیا اور جو پہلے سے وصول کر کے کھا چکے تھے اس کی واپسی کو معاف کر دیا گیا۔ پھر جو کوئی اس حکم پر عملدرآمد سے کنی کترائے اس کے ساتھ اعلان جنگ کر دیا گیا چنانچہ فرمایا:

یایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مومنین○ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ وان تبتم فلکم روس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون○

"اے اسلام قبول کر لینے والو! اللہ کا ڈر مانو اور (لوگوں پر واجب) بقیہ سود (بالکل) چھوڑ دو (ہرگز وصول نہ کرنا) اگر تم دل سے سچے مسلمان (ہونے کے مدعی) ہو تو پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے ہو تو پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے لئے ہوشیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کر لو گے تو تمہیں اصل زر لینے کا حق ہو گا نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کوئی تمہیں نقصان پہنچائے۔"

(بقرہ ۲۷۹/۲۷۸)

ربا کی وضاحت: ربوا کا مادہ یربوا زیادہ ہونا بڑھنا پھولنا سبزہ وغیرہ بڑھنا اور پھولنا ربت کہلاتا ہے۔ (۳۲/۵) اربی زیادہ، کثیر، مال و دولت میں زیادہ بڑھا ہوا ربوہ زمین کا بلند حصہ ---- وغیرہ۔

تو ربا وہ رقم ہے جو اصل زر پر زیادہ وصول کی جائے لیکن تجارت میں مال لگا کر بھی زیادہ رقم حاصل ہو جاتی ہے تو کیا وہ بھی ربا ہے؟---- تو قرآن میں اس کا جواب یہ آیا کہ اللہ تعالیٰ خرید و فروخت پر منافع کو حلال قرار دیتا ہے (کیونکہ اس پر نقصان کا بھی احتمال ہوتا ہے) لیکن سود کو حرام کہا کیونکہ اس میں نقصان کی ذمہ داری مقروض پر ڈال دی جاتی ہے۔ بیع میں محنتانہ کبھی پھل لاتا ہے اور کبھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے لہٰذا وہ جائز ٹھہرایا گیا۔ سود میں نفع ہی نفع ہے چاہے مقروض کو نقصان ہی اٹھانا پڑے تو چونکہ اس طرح مقروض اپنی ناداری اور مجبوری کی وجہ سے معاشرہ میں خسارہ تلے دب جاتا ہے اور سودی نظام میں اس طرح کا مسلسل دباؤ ایسے لوگوں کو تنگ دست، محتاج اور مفلوک الحال بنا دیتا ہے اور قرض دینے والا طبقہ مسلسل فائدے میں رہتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے نافذ اپنے قانون قدرت (قرآن) میں اس صورت حال کو حرام قرار دے دیا۔ اس کی حرمت کے پیچھے ان اخلاق رذیلہ کی نشوونما اور ان کے تباہ کن اثرات کا فلسفہ بھی کارفرما ہے جو قرض دینے والے طبقات میں بخل، خود غرضی، شقاوت، بے رحمی، زر پرستی، اکتناز اور ارتکاز دولت ایسے قابل مذمت اوصاف پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے چنانچہ حجۃ الوداع

Marfat.com

کے موقع پر حضور علیہ السلام نے اپنے چچا حضرت عباسؓ (جو ایک بڑے کامیاب ساہوکار اور مہاجن تھے) کا سب کا سب سود ساقط فرمادیا حتیٰ کہ سود لینے اور دینے والے اور اس کی کتابت کرنے والے اور گواہ سب پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

پس مندرجہ بالا آیات، قرآنی اور دیگر تصریحات کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ اسلامی معیشت کے نظام میں سود کی کوئی گنجائش نہیں، خواہ اس کی کوئی شکل ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ حکومتی سطح پر قرض حسنہ کی ترغیب اور ترویج کا انتظام نہ ہونے کی بناء پر ہمارے عوام اس نظام میں بین الاقوامی نظام معاشیات کے حوالے سے بھی بری طرح جکڑے ہوئے ہیں اور اس طرح غریب عوام مزید غریب اور ناداری کی طرف بڑھتے جارہے ہیں اور فائدہ اٹھانے والا طبقہ ارتکاز و اکتناز کی طرف رواں دواں ہے کیونکہ حسنات کی ترویج و ترغیب کا نظام مفلوج کر کے رکھ دیا گیا ہے یا یہ خود بخود ہماری شامت اعمال کے باعث تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری دستگیری فرمائے۔ آمین!

۶۔ مکارم اخلاق: اسلامی معاشیات صرف مال و دولت اور روپے پیسے کے گرد طواف نہیں کرتی بلکہ اس کا محور اخلاقیات کے اعلیٰ اصول ہیں جو اچھے انسانی معاشرے اور کسی بھی اچھی حکومت یا ریاست کی اساس ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی بعثت کا مقصد یہ بیان فرمایا:

لاتمم مکارم الاخلاق

"یعنی اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔"

اسلامی اخلاق کی بنیاد یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی عزت، مال اور آبرو پر قبضہ جائز نہیں۔ انسانی فلاح کے کاموں میں بے لوث خدمات احترام انسانیت سکھاتی ہیں۔ اسلام نے انسان کو باعزت مقام عطا کیا اور فرمایا:

ولقد کرمنا بنی آدم

"ہم نے بنی آدم کو معزز کیا۔"

اور حلال اور حرام کی تمیز اجاگر کی جس سے ہر شخص کو اپنی حدود کا علم ہوگیا۔ اسی طرح جائز اور ناجائز کی نشاندہی سے اچھائی اور برائی کا تعین ہو جاتا ہے چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اپنے اہل و عیال کے لئے حلال کمائی سے رزق حاصل کرو کیونکہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کی طرح ہے۔

۷۔ اعتدال پسندی: اسلام فرد سے لے کر معاشرہ تک کو جو ضابطہ اخلاق سکھاتا ہے اس میں اعتدال کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کھانے پینے کا معاملہ بالکل ذاتی نوعیت کا ہوتا ہے لیکن یہاں بھی حکم ہے:

۱۔ **کلوا واشربوا ولا تسرفوا** "کھاؤ اور پیو لیکن فضول اور بے جا نہ اڑاؤ اور ضائع نہ کرو۔" (۳۱/۷)

۲۔ پیسہ دھیلا خرچ کرنے کا معاملہ درپیش ہو تو یہاں بھی تبذیر سے منع فرمایا گیا ہے اور بتلایا گیا:

Marfat.com

ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین

"بے شک مال کو فضول اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں۔" (بنی اسرائیل:۲۷)

حتیٰ کہ خیرات کا معاملہ ہو تو بھی تبذیر سے منع فرمایا گیا:

وات ذا القربی حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا

"اور رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی میں مال نہ اڑاؤ۔" (بنی اسرائیل:۲۶)

سورہ فرقان میں اپنے خاص بندوں کی یہ نشانی بیان فرمائی گئی:

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما O

"اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو وہ بے جا نہیں اڑاتے اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ اس کے درمیان میں اعتدال کے ساتھ چلتے ہیں۔" (۲۵/۶۷)

پھر مسرفین سے اظہار بیزاری فرمایا انه لا یحب المسرفین "بے شک اللہ تعالیٰ اہل اسراف کو پسند نہیں کرتا۔" (۷/۳۱)

آخر مسرفین کو دوزخ کی وعید بھی سنادی گئی:

وان المسرفین هم اصحاب النار

"بے شک اسراف کرنے والے حضرات دوزخی ہیں۔" (۴۳/۴۰)

پھر اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم ہوا:

اعدلوا هو اقرب للتقوی واتقوا الله

"عدل واعتدال کو اختیار کرو یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود پھلانگنے سے بچتے رہو۔" (مائدہ ۸)

۸۔ **خیانت سے بچنا:** خیانت بھی ایسی برائی ہے جو انسان کو اس کے مرتبہ سے گرا دیتی ہے چنانچہ خیانت کرنے والوں سے اظہار بیزاری اس طرح فرمایا گیا:

ان الله لا یحب الخائنین

"بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کاروں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔" (انفال ۵۸)

پھر ان کی ہر منصوبہ سازی پر سعی لاحاصل کی مہر ثبت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

ان الله لا یهدی کید الخائنین

Marfat.com

"بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کاروں کی منصوبہ سازی کو صحیح انجام سے آشنا نہیں کرتا۔"

(یوسف ۵۲)

پس جس کاروبار کی بنیاد خیانت پر رکھی جائے گی وہ کبھی نہیں پنپ سکے گا اور جو ایسے کاروبار بظاہر بہیں بڑے رواں دواں اور شاداب نظر آتے ہیں ان کی مثال ایسے ہے جیسے چراغ کی بتی کو تیل ختم ہونے پر اونچا کر دیا گیا ہو اور آخر آہستہ آہستہ ساری بتی جل کر خاکستر ہو جائے گی۔

۹۔ **تقسیم میراث:** اسلام کسی شخص کی وفات کے بعد اس کی جائیداد اور مال و دولت کو اس کے ورثاء میں تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ دولت معاشرے میں مختلف لوگوں کے ہاتھ لگ کر اپنا پیداواری عمل جاری رکھتے ہوئے مفید ثابت ہو۔ یہ اصول توریث خلف اکبر (Primo Geniture) اور مشترکہ خاندانی جائیداد (Joint Family System) اور ایسے ہی دوسرے طریقوں کے برعکس ہے جن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مرتکز شدہ دولت مرنے والے کے بعد بھی مرتکز ہی رہے۔ اسلامی وراثت کی تفصیل قرآن میں موجود ہے لیکن رشتہ داروں کے علاوہ ایک تہائی جائیداد کی وصیت کرنے کا حق بھی صاحب جائیداد کو دیا گیا ہے۔ چاہے وہ رشتہ داروں کے حق میں ہو یا کسی اور کے۔ اس کے علاوہ تقسیم میراث کے وقت اگر کچھ اور لوگ (جن کا میراث پر کوئی حق ہو یا نہ ہو) آموجود ہوں تو ان کی خاطر تواضع کرنے کا حکم بھی دیا گیا چنانچہ فرمایا:

واذا حضر القسمة اولوالقربی والیتمی والمسکین فارزقوھم منه وقولوالھم قولا معروفاO

"اور جب (میراث کی) تقسیم کے موقع پر رشتہ دار (ان میں میراث میں سے حصہ پانے والے اور دور کے رشتہ دار جن کو کچھ نہ ملے سبھی شامل ہیں) اور یتیم اور مسکین لوگ آجائیں تو ان کو اس میں سے کھانا وغیرہ کھلا دو اور ان سے اچھا برتاؤ کرو۔" (نساء ۸)

۱۰۔ **ملکیت زمین کا مسئلہ:** وراثت میں زرعی زمین اور شہری املاک کی تقسیم کا بھی حکم دیا گیا ہے اور جو شخص کسی کی زمین کو بددیانتی سے ہتھیا لے اس کو آخرت میں سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ زمین کی تقسیم سے غیر منقولہ دولت بیٹوں کے علاوہ بیٹیوں وغیرہ کو بھی ملتی ہے۔ اس طرح دولت کا ارتکاز انتشار پذیر ہو کر معاشرے کی بہبودی کا سبب بنتا ہے بعض دیگر مذاہب میں لڑکی کو جائیداد سے کچھ نہیں ملتا بلکہ اسے عموماً شادی کے وقت جہیز دے کر ہی گویا اس کا حق ادا کرنے کی سعی کو حتمی سمجھا جاتا ہے اور بعض تو عورتوں کو حق ملکیت دیتے ہی نہیں لیکن اسلام نے عورت کو حق ملکیت بھی دیا اور وراثت میں اس کو حصہ دار بھی بنایا جس کی تفصیل قرآن حکیم، احادیث اور فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۱۔ **غنائم جنگ اور اموال مفتوحہ کی تقسیم:** جنگ جیتنے کی صورت میں جو مال غنیمت فوجوں کے ہاتھ لگے اس کے پانچ حصے کئے

Marfat.com

جاتے ہیں۔ چار حصے فوج میں تقسیم کر دینے کا حکم ہے اور ایک حصہ مشترکہ قومی مصالح کے لئے مختص فرما دیا گیا۔

واعلموا انما غنمتم من شی فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل

"جان لو کہ جو کچھ تمہیں غنیمت میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رسول اللہ کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔" (انفال ۴۱)

(زکوۃ میں رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کا حصہ نہیں ہوتا لہٰذا غنائم سے ان کے لئے حصہ مقرر کر دیا گیا۔)

۱۲۔ ناجائز ذرائع سے کمانے کی ممانعت: اسلامی معیشت میں کمانے کے حلال اور جائز ذرائع کو فروغ دیا جاتا ہے اور غلط ذرائع سے منع کیا جاتا ہے مثلاً قرآن میں فرمایا:

حرام خوری نہ کرو: ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوت کے طور پر) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ اس طرح تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور یہ کہ تمہیں سب پتہ بھی ہو۔" (بقرہ ۱۸۸)

خیانت نہ کرو: "اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ نبی ﷺ خیانت کرے اور جو شخص بھی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن خیانت کردہ مال کے ساتھ حاضر کیا جائے گا۔ پھر سب کو کئے کا بدلہ ضرور ملے گا اور ان کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوگی۔" (آل عمران ۱۶۱)

چوری نہ کرو: والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا

"اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کی بدعملی کی پاداش میں۔" (مائدہ ۳۸)

یتیم کا مال نہ کھاؤ: ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا

"بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور جلدی ہی وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔" (نساء ۱۰)

Marfat.com

ناپ تول میں کمی کر کے مال نہ بناؤ: ویل للمطففین○ الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون○ واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون○

"خرابی ہے ناپ اور تول میں ڈنڈی مارنے والوں کے لئے جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیں تو کم دیں۔" (۱-۳/۸۳)

اسی طرح شراب سازی، بت گری و بت فروشی، جواء اور لاٹری وغیرہ کے ذریعے مال کمانے کو عمل شیطان کہہ کر ان سے اجتناب کا حکم دیا گیا۔ (مائدہ ۹۰)

گویا اسلام کا معاشی نظام ایسا ہے کہ اس کو ہم اسلام کے دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے بالکل الگ کر کے نہ چلا سکتے نہ اس سے وہ فوائد اٹھا سکتے ہیں جو اس نظام کا مقصود ہیں کیونکہ اسلام کا ہر شعبہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح منسلک ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے ساتھ آخرت کا تعلق ہے، ایمان کے ساتھ یقین و عمل کا تعلق، محنت کے ساتھ سرمایہ اور دیانتدارانہ تنظیم اور حسن اخلاق اور حسن معاشرت کا تعلق ہے غرض کس کس شعبہ کو لیں۔ آج کل طب میں سپیشلسٹ حضرات کی بڑی دھوم ہے لیکن وہ اگر ڈاکٹری کے سارے شعبوں سے کماحقہ، واقف نہ ہوں گے تو مریض کبھی شفایاب نہ ہو سکے گا کیونکہ بدن کے اعضاء کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اسی طرح اسلامی معاشیات کو اسلام کے پورے نظام سے الگ کر کے دیکھنا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا بالکل فائدہ نہیں دے سکتا بلکہ الٹا نقصان ہونے کا امکان ہے۔ اسی لئے خالق کائنات نے قرآن حکیم میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے:

ادخلوا فی السلم کافة

"اے مسلمانو! تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔" (بقرہ ۲۰۸)

حدیث شریف اور معاشیات: قرآن کے بعد سرمایۂ حدیث آسمانی علم کا بہترین مخزن ہے کیونکہ یہ سرمایہ اس نبی امی کے فرمودات پر مشتمل ہے جس کے منجانب اللہ ہونے کی شہادت قرآن نے دی ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا:

ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات وحی کے مطابق ہوتی ہے۔"

اس سلسلے میں آپ کے ارشادات کا مفہوم درج ذیل ہے:

- "صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے رزق کی تلاش میں مصروف ہو جاؤ اور نیند کا نام نہ لو نیز حلال معاش کی تلاش و یافت عین عبادت ہے۔"
- "رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔"

Marfat.com

- "بھوکے کی پرورش اور قیدی کی رہائی تمہارے ذمہ ہے۔" (بخاری عن ابو موسیٰ اشعری)
- مزدور سے اجرت طے کرتے وقت اس کی رضامندی بھی حاصل کی جائے۔ (جبراً کام نہ لیا جائے۔) (بیہقی)
- "جس کے پاس زائد سواری ہو وہ پیدل کو دے دے اور جس کے پاس ضرورت سے زیادہ کھانا یا لباس ہو وہ بھی کسی مستحق کو دے دے۔"
- "مال حرام میں سے صدقات مقبول نہیں، نہ ایسا مال خود کسی کے لئے باعث برکت ہے اور مال حرام کا ترکہ اسے کمانے والے کے حق میں دوزخ کا سامان بن جاتا ہے۔"
- "کسی کو عطیہ دینے کے بعد اسے واپس لینا ایسا ہے جیسے قے کرکے اسے کھایا جائے۔"
- "اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ وہ میرے لئے مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دے۔ تو میں نے عرض کیا یا اللہ! میں اپنے لئے یہ نہیں چاہتا بلکہ مجھے تو یہ پسند ہے کہ بھوک لگے تو تجھے یاد کروں اور گڑگڑا کر سوال کروں اور جب تو عطا کر دے تو پیٹ بھر کر شکر و حمد کروں۔" (ترمذی عن ابو امامہ)
- "آدمی کے دین کو عزت و عظمت کی ہوس و حرص ان بھوکے بھیڑیوں سے بھی زیادہ تباہ کرتی ہے جو بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے گئے ہوں۔" (ترمذی)

معاشی اصولوں میں جرم و گناہ کا تصور: اسلام نے جو معاشی اصول مقرر کئے ہیں استطاعت رکھتے ہوئے عمل نہ کرنا گناہ ہے لیکن حکومت کے قانون کی خلاف ورزی پر گناہ کی بجائے جرم کا اطلاق ہوتا ہے۔

لیکن ایک اسلامی حکومت میں جائز اور قرآن و سنت کے مطابق بنائے گئے قوانین پر عمل نہ کرنا گناہ بھی ہے اور جرم بھی لہٰذا ان پر جرم کی سزا پانے کے بعد بدنیتی اور بددیانتی کے ذریعے کوئی مزید مفاد اٹھانے کی سزا آخرت میں بھی ملے گی جو کسی وجہ سے جرم کی نوعیت متعین کرتے وقت حقائق چھپانے کی وجہ سے سزا میں کمی کا باعث ہوئی ہو اور اس پر دلیل ہے قرآن حکیم کا یہ ارشاد عالیہ:

فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره○ ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره○

"جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ بھی اسے وہاں دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اسے قیامت کے دن نظر آجائے گی۔"

تقویٰ اور اسلامی معاشیات: معاشیات ہو یا زندگی کا کوئی اور شعبہ، اسلام تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین بھی کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص لاکھوں کا مالک ہے لیکن نلواروں کی تعداد اس قدر ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بھی وہ جان و تن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہیں تو ایسے میں اس مالدار شخص کو محض زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہئے بلکہ اللہ سے

Marfat.com

ڈرتے ہوئے اپنی ضروریات سے زیادہ مال قل العفو کے تحت ان پر مزید بھی خرچ کر دینا چاہئے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو شرعی لحاظ سے اس پر گرفت تو نہیں ہو سکتی لیکن تقویٰ اختیار نہ کرنے کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کے درجہ سے ضرور گر جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو محبوب رکھتا ہے۔

اسلامی معاشیات کے ہمہ گیر اثرات: اگر اسلام کے معاشی اصولوں کو اجتماعی طور پر دیانت داری کے ساتھ اختیار کر لیا جائے۔ تو کوئی شخص بھی معاشی بدحالی کا شکار نہ رہے گا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے سنہری زمانے میں کوئی زکوۃ لینے والا نہ ملتا تھا اور لوگوں کی غیرت ایمانی کا یہ عالم تھا کہ بقول اقبال:

کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

اسلامی اصولوں کے نفاذ سے عدالت اجتماعیہ کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ اس نظام میں انسانی شخصیت کی نشوونما ایک باوقار ماحول میں ہونے کی ضمانت میسر آتی ہے۔ فرد اور جماعت کے اندر ایک خوشگوار رابطہ اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت وغیرہ انسانی معاشرے کی خدمت کم اور استحصال و استبداد میں اضافہ زیادہ کرتے ہیں۔ یہ دونوں نظام دراصل وقتی ہیں جن کو کسی خاص مدت تک کے لئے بطور دوا تو اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن ہمیشہ کے لئے ان دواؤں کا استعمال انسانیت کو زندہ درگور کر دیتا ہے اور چونکہ آخرت کا تصور ان نظاموں کی حدود سے باہر ہے لہذا انسانی فلاح کا حقیقی مقصد ان معاشی نظاموں میں ناپید ہے۔ ان کے مقابلے میں اسلامی معاشیات کے ثمرات سے نہ صرف ہم دنیا میں متمتع ہوتے ہیں بلکہ ہر فرد اپنے حصہ کے لحاظ سے آخرت میں بھی اس کے ثمرات سے فیض پائے گا چنانچہ آج کل کے حقیقت پسند معاشی ماہرین بھی اسلامی نظام معیشت کی طرف توجہ دینے لگے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شرح صدر کے لئے وہ کتنا وقت لیتے ہیں کیونکہ ہدایت کے نیک نیت متلاشیوں کو ہی اللہ تعالیٰ شرح صدر کی دولت سے نوازتا ہے اور تنقیدی نقطۂ نظر سے آگے بڑھنے والے اہل تعصب کو وہ ہدایت سے نہیں نوازتا۔

حضور ﷺ اور ختم نبوت

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے اور قرآن حکیم نے انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض

"یہ رسول (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے) ہیں ان میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت بخشی ہے۔" (بقرہ ۲۵۳)

سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

Marfat.com

ولقد فضلنا بعض النبین علی بعض

"ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی۔" (بنی اسرائیل ۵۵)

سابقین انبیاء اپنے اپنے زمانے میں اپنی قوم یا بعض بستیوں کے لوگوں کو راہ ہدایت دکھانے کے لئے مبعوث ہوتے تھے لیکن حضور سرور عالم ﷺ تمام انسانوں کے لئے ہادی اور رسول ہیں چنانچہ ارشاد باری ہے:

وارسلنک للناس رسولا و کفی باللہ شہیدا O

"اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ ﷺ کو سارے انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے اور (اس بارے میں) اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔" (نساء ۷۹)

قل اللہ شہید بینی و بینکم واوحی الی ھذا القران لا نذرکم بہ و من بلغ (انعام ۔ ۱۹)

"یعنی اے نبی ﷺ! فرما دے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور یہ قرآن میری جانب (اس لئے) وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کی تعلیمات کی روشنی میں تمہیں (اللہ کے عذاب سے) ڈراؤں اور اس شخص کو بھی جس تک یہ (قرآن) پہنچ جائے۔"

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموت والارض

"(اے نبی ﷺ) فرما دے اے دنیا بھر کے انسانو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں (سب جگہ) ہے۔" (اعراف ۱۵۸)

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون O

"وہی تو خدا ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ وہ اس دین (کے ضابطہ حیات) کو سارے ادیان (کے غلط یا نامکمل ضابطہ ہائے حیات) پر غالب کر دے اور اگرچہ مشرک لوگ ناخوش ہی رہیں۔" (توبہ: ۳۳)

قل یایھا الناس انما انا لکم نذیر مبین O (حج ۔ ۴۹)

"(اے نبی ﷺ!) فرما دے اے (قیامت تک پیدا ہونے والے) انسانو! میں تو تمہیں (اللہ کے عذاب سے) کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔"

تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا O

Marfat.com

"وہ (خدائے عزوجل) بڑا ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر فرقان حمید نازل فرمایا تاکہ وہ ﷺ (اس کی تعلیمات کے ذریعے) ہر زمانے کے لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائے۔" (فرقان ۱)

وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون

"اور (اے محمد ﷺ!) نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو مگر تمام کے تمام انسانوں کے لئے (ایمان لانے کی صورت میں) خوشخبری سنانے والا اور (بے ایمانوں اور بد عملوں کو اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر لیکن لوگوں کی اکثریت کو (اس بات کا) پتہ ہی نہیں (چلتا کہ آپ ﷺ کی اتنی بڑی عظمت اور شان ہے۔)" (سبا ۲۸)

محمد رسول اللہ

"محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔" (فتح ۹)

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین

"اور ہم نے تو آپ ﷺ کو سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (انبیاء ۱۰۷)

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین و کان اللہ بکل شی علیماO

"(لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اور ہاں وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں میں آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔" (احزاب: ۴۰)

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت تمام انسانوں کے لئے ہے اور اس میں آپ ﷺ کے عہد مبارک کے لوگ بھی شامل ہیں اور آپ ﷺ کے بعد آنے والی نسلیں بھی کیونکہ "ناس" کا لفظ عمومی حیثیت میں استعمال ہوا ہے جس میں سب انسان شامل ہیں اور و من بلغ میں اشارہ ان کی طرف ہے جو عہد رسالت مآب موجود نہ تھے بلکہ یا تو آپ سے دور دراز علاقوں میں بستے تھے اور یا ابھی منصۂ شہود پر نہ آئے تھے چنانچہ جب بھی ان تک آپ کا پیغام پہنچے گا وہ آپ کی رسالت ہی کے فرائض کی ادائیگی میں شمار ہو گا کیونکہ آپ سب سے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد آسمانی تعلیم کا سلسلہ بند کر دیا گیا تھا کیونکہ قرآن کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

خاتم النبین کا مطلب: ختم کے معنی ہیں کسی چیز کو ڈھانک دینا چھپا دینا اور اس طرح بند کر کے محفوظ کر دینا کہ اس کا کوئی حصہ باہر نہ نکل سکے چنانچہ کھیت میں ہل چلانے کے بعد بیج ڈال کر اور (سہاگہ پھیرنے کے بعد) پہلا پانی دے کر بیج کو ' ا کر دینے کے عمل کو الل

Marfat.com

عرب ختم الزرع کہتے ہیں۔ ختم الشئی ختما کے معنی ہیں کسی چیز کے آخری سرے تک پہنچ جانا۔ (تاج العروس)

ابن فارس کے مطابق ختم اور طبع کا لفظ دو طرح استعمال ہوتا ہے:

۱۔ کسی چیز پر لاکھ وغیرہ لگا کر مہر سے اس پر نشان لگانا۔

۲۔ وہ نقش یا نشان جو اس طرح مہر لگانے سے بن جائے۔

پھر ان معنوں میں وسعت پیدا ہو گئی اور اس کا مفہوم کسی چیز کو بند کرنے یا روک دینے کے لئے بولا جانے لگا۔ ختام ایک موم یا لاکھ کو کہتے ہیں جو مہر لگانے کے لئے استعمال کیا جائے اور خاتم وہ مہر (Seal) یا انگوٹھی وغیرہ ہے جس سے لاکھ یا موم پر نشان ثبت کیا جاتا ہے نیز ہر چیز کا انجام اور آخر خاتم کہلاتا ہے چنانچہ خاتم القوم کے معنی ہیں آخرھم یعنی قوم کا آخری فرد۔ (لسان العرب، قاموس وغیرہ) اسی طرح پینے کی ہر چیز کا آخری حصہ (گھونٹ، جرعہ) ختام کہلاتا ہے۔ (ابن فارس) فراء کا قول ہے کہ خاتم اور ختام تقریباً ہم معنی ہیں۔

فلان ختم علیک بابه کا مطلب ہے۔

اس شخص نے تجھ سے اعراض برتا اور اپنا دروازہ تجھ پر بند کر لیا۔ (تاج العروس) چنانچہ اس بنا پر تمام اہل لغت اور اہل تفسیر نے بالاتفاق خاتم النبین کے معنی آخر النبین کئے ہیں۔

عربی لغت کی رو سے خاتم کے معنی ڈاک خانہ کی مہر کے نہیں ہوتے جو تاریخ اور ڈاک خانے کا نام ظاہر کرنے کے لئے لگائی جاتی ہے بلکہ اس سے مراد وہ مہر ہوتی ہے جو لفافے پر اس لئے لگائی جاتی ہے کہ اس کے اندر کوئی چیز داخل نہ کی جاسکے اور نہ لفافے میں سے مہر لگانے کے بعد کچھ باہر نکالا جاسکے۔ پس حضرت محمد ﷺ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

حدیث شریف اور ختم نبوت: قرآن حکیم میں بیان کردہ عقیدہ ختم نبوت کے معانی اور مطالب کی تصدیق و تائید احادیث کی کتابوں سے بھی ہوتی ہے

مثلاً حضور علیہ السلام نے فرمایا:

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبيا كلما هلك نبي خلفه نبي وانه لا نبي بعدي وسيكون خلفاء

"یعنی بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء علیہم السلام کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پا جاتا تو ایک اور نبی اس کا جانشین ہوتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا بلکہ خلفاء ہوں گے۔" (بخاری، کتاب المناقب باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

ان مثلي و مثل الانبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاوية فجعل الناس

Marfat.com

یطوفون به و یعجبون له و یقولون هلا وضعت هذه اللبنة فانا اللبنة و انا خاتم النبین

"یعنی میری صلی اللہ علیہ وسلم اور مجھ سے پہلے والے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور وہ خوب حسین و جمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد چل پھر کر دیکھتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے کہ اس چھوٹی ہوئی جگہ پر اینٹ کیوں نہ لگائی گئی؟ تو وہ اینٹ میں صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور میں ہوں خاتم النبین! یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے نبوت کی عمارت مکمل ہو چکی۔" (بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبین)

اس موضوع پر چار احادیث مسلم شریف میں بھی ہیں اور آخری حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **فجئت فختمت الانبیاء** "پس میں صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور میں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔" ترمذی شریف میں بھی یہ اور ایسی ہی دیگر روایات آئی ہیں۔ مسند ابوداؤد اور طیالسی میں جابر بن عبداللہ کی روایت کردہ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ **ختم بی الانبیاء** "میرے صلی اللہ علیہ وسلم ذریعے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔"

مسند احمد میں مختلف صحابہؓ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھ فضیلتوں کا ذکر فرمایا اور چھٹی فضیلت یہ بتلائی:

وارسلت الی الخلق کافة و ختم بی النبیون

"اور مجھے تمام دنیا کے لئے رسول بنایا گیا اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔" (مسلم ترمذی، ابن ماجہ)

ان الرسالة و النبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبی

"بے شک رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میرے صلی اللہ علیہ وسلم بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی!" (ترمذی، مسند احمد)

انا محمد و انا احمد و انا الماحی الذی یمحی بی الکفر و انا الحاشر الذی یحشر الناس علی عقبی و انا العاقب الذی لیس بعده نبی

"میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور میں صلی اللہ علیہ وسلم احمد ہوں اور میں صلی اللہ علیہ وسلم ماحی ہوں کہ میرے ذریعے کفر کو محو کیا جائے گا۔ میں صلی اللہ علیہ وسلم حاشر ہوں کہ میرے بعد لوگ حشر میں جمع کئے جائیں گے (یعنی اب قیامت کا آنا ہی باقی رہ گیا ہے) اور میں صلی اللہ علیہ وسلم (وہ) عاقب ہوں کہ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہے۔" (بخاری و مسلم، ترمذی، موطا امام مالک، المستدرک الحاکم)

Marfat.com

اسی مضمون کی دیگر احادیث مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، بخاری و مسلم، بیہقی، طبرانی وغیرہ کتب احادیث میں بھی بکثرت آئی ہیں جن میں واضح طور پر آپ ﷺ کا یہ ارشاد ملتا ہے:

۱۔ میں امی نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (مسند احمد، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص)

۲۔ **لا نبوۃ بعدی الا المبشرات** "میرے بعد کوئی نبوت نہیں مگر صالح خواب۔" (مسند احمد، نسائی، ابوداؤد)

۳۔ **لو کان بعدی نبی لکان عمربن الخطاب** "اگر میرے ﷺ بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے۔" (ترمذی کتاب المناقب)

۴۔ آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ سے فرمایا کہ میرے ساتھ تمہاری (اے علیؓ) وہی نسبت ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون کی تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم کتاب فضائل صحابہ)

۵۔ **وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی--- وانا خاتم النبین لا نبی بعدی** "اور یہ کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا مدعی ہوگا حالانکہ میں خاتم النبین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" (ابوداؤد، عن ثوبان کتاب الفتن، عن ابو ہریرہ کتاب الملاحم)

ان احادیث سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں چنانچہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپ ﷺ کی رحلت سے کچھ عرصہ پہلے آپ ﷺ کو یہ نامہ لکھا:

من مسیلمہ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ سلام علیک فانی اشرکت فی الامر معک

"مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف آپ ﷺ پر سلام ہو، پس واضح ہو کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ نبوت کے کام میں شریک کیا گیا ہوں۔" (طبری جلد دوم صفحہ ۳۹۹ مطبوعہ مصر)

یعنی مسیلمہ نے حضور ﷺ کی نبوت اور رسالت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی شراکت داری منوانا چاہی۔ اسے آج کے دور میں "کچھ لو کچھ دو" کی پالیسی کہا جاسکتا ہے حتیٰ کہ مسیلمہ کذاب کے پیروکار جو اذان دیتے تھے اس میں **اشھد ان محمدا رسول اللہ** کے الفاظ بھی کہے جاتے تھے لیکن اقرار رسالت محمد ﷺ کے باوجود مسیلمہ کی امت کو کافر اور ملت اسلامیہ سے خارج قرار دیا گیا۔ اس پر ایمان لانے والے بنو حنیفہ کے لوگ تھے جو نیک نیتی کے ساتھ ان پر ایمان لائے تھے اور ان کو بتلایا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ نے مسیلمہ کو خود اپنی رسالت و نبوت میں شراکت دار قرار دیا ہے اور قرآنی آیات کو بنو حنیفہ کے سامنے مسیلمہ پر نازل شدہ آیات کی حیثیت سے ایک ایسے شخص نے پیش کیا تھا جو مدینہ منورہ

Marfat.com

سے قرآن کی تعلیم حاصل کر کے وہاں پہنچا تھا۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۵۱)

اجماع صحابہ: مگر اس کے باوجود جملہ صحابہ کرام نے بنو حنیفہ کو مسلمان تسلیم نہ کیا حتی کہ حضرت ابو بکر صدیق کے عہد خلافت میں ان پر فوج کشی کی گئی۔ اگر مسلمانوں کے باغی گروہ پر فوج کشی کی جائے تو اسلامی قانون کی رو سے اسیران جنگ کو غلام نہیں بنایا جا سکتا حتی کہ باغی ذمیوں کو بھی غلام بنانا جائز نہیں لیکن بنو حنیفہ پر (جو کہ مسیلمہ کذاب کے ماننے والے تھے) جب چڑھائی کی گئی تو صدیق اکبر ان کو کافر اور مرتد قرار دے کر ہی لشکر کشی کا حکم دیا تھا اور اعلان فرمایا تھا کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا جائے گا چنانچہ بنو حنیفہ کی شکست کے بعد فی الواقع ان سب کو قیدی اور غلام بنایا گیا چنانچہ ان میں سے ایک لونڈی حضرت علیؓ کے حصے میں آئی جس کے بطن سے تاریخ اسلام کی مشہور شخصیت محمد بن حنفیہ (بنو حنیفہ کی عورت کا بیٹا) نے جنم لیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۳۱۶-۳۲۵)

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ مسیلمہ اور اس کی (In Good Faith) نیک نیتی سے اس پر ایمان لانے والی امت کو حضور علیہ السلام نے اور جملہ صحابہ کرام نے کافر اور مرتد قرار دے کر اس کے خلاف جہاد کیا۔ ان کو شکست دی، انہیں غلام بنایا اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر مجاہدین میں بانٹ دیا۔ گویا ختم نبوت کے مسئلہ پر یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع تھا حالانکہ مسیلمہ آنحضرت ﷺ کو محمد رسول اللہ بھی مانتا تھا اور خود کو محض ان کا معاون نبی اور رسول تسلیم کرتا تھا۔

اجماع اُمت: صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور عام امت مسلمہ کا زمانہ آتا ہے چنانچہ امام ابو حنیفہ کے عہد میں ایک نبی نے نبوت کی نشانیاں پیش کرنے کی پیشکش کی تو امام صاحب نے فرمایا کہ جو شخص اس سے نبوت کی علامات طلب کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ رسول اکرم نے فرمایا ہے کہ لانبی بعدی۔ (مناقب امام اعظم لابن احمد المکی جلد ا صفحہ ۱۶۱ مطبوعہ حیدر آباد ۱۳۲۱ھ)

اسی طرح علامہ جریر طبری (۲۲۴ھ تا ۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر میں خاتم النبین کی تفسیر میں لکھا ہے:

الذی ختم النبوۃ فطبع علیھا فلا تفتح لاحد بعدہ الی قیام الساعۃ

"جس نے نبوت کو ختم کر دیا ہے پس اس پر مہر لگا دی، اب قیامت تک یہ دروازہ کسی کے لئے نہیں کھلے گا۔" (تفسیر ابن جریر جلد ۲۲ صفحہ ۱۲)

امام طحاوی نے اپنی کتاب عقیدۂ سلفیہ میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے عقیدۂ ختم نبوت کو یوں بیان کیا ہے:

"اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے، چیدہ نبی اور پسندیدہ رسول ہیں اور وہ خاتم الانبیاء، امام الاتقیاء، سید المرسلین اور حبیب رب العالمین ہیں اور ان کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ گمراہی اور خواہش نفس کی بندگی ہے۔" (شرح الطحاویہ فی العقیدۃ السلفیہ صفحہ ۹۵-۹۶، ۹۷-۱۰۰، ۱۰۲ مطبوعہ دار المعارف مصر)

Marfat.com

اسی طرح قرآن حکیم کے مفسرین اور علمائے امت نے حضور علیہ السلام کے بعد کسی نبی کے آنے کو خارج از بحث قرار دیا ہے کیونکہ:

۱۔ قرآن آسمانی تعلیم کی کتاب اپنی اصل حالت میں، اصل متن کے ساتھ محفوظ شکل میں موجود ہے۔

۲۔ حدیث شریف کا سرمایہ اتنا مستند ہے کہ اس سے قیامت تک کے لئے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

۳۔ تکمیل دین کے بعد اب کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔

۴۔ اصلاح کے لئے نبی کا آنا ضروری نہیں بلکہ نبی تو وحی کا حامل ہوتا ہے۔ اصلاح کا کام حضور علیہ السلام کی اُمت کے علمائے کرام اور صوفیائے عظام بطریق احسن انجام دے سکتے ہیں، دیتے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد کا مسئلہ:

اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ لانبی بعدی والی حدیث کے علی الرغم احادیث میں حضرت عیسیٰ کی آمد کا ذکر بھی ملتا ہے جس سے یہ حدیث اپنے معنی کھو دیتی ہے۔ اس سلسلے میں بخاری، مسلم، ترمذی، مسند احمد وغیرہ کی مرویات کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کے آسمان سے اُترنے کا ذکر ہے۔ پھر سے پیدا ہو کر آنے کا ذکر نہیں ہے۔ نازل ہونے کا ذکر سبھی احادیث میں ہے۔ کسی ایک حدیث میں بھی یہ ذکر نہیں کہ آپ دوبارہ جنم لیں گے لیکن آپ کے بعد ہر مدعی نبوت آسمان سے نازل شدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ جنم لے کر بعد میں نبوت کا دعویٰ کرتا تھا۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ کا آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ آپ کوئی شریعت لے کر نہیں اتریں گے بلکہ حضور علیہ السلام کے دین پر ہوں گے۔ مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ مسیح الدجال کو ہلاک کر دیں گے۔ پھر وہ چالیس سال زمین پر رہ کر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے اور ان کو حضور علیہ السلام کے روضہ شریف کے اندر دفن کیا جائے گا کیونکہ ابھی تک اس میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آنے کے بعد اہل اسلام اپنے تمام امور اسلامی تعلیمات کے مطابق حسب دستور انجام دیتے رہیں گے۔ وہ دین احمد کی تجدید نہیں کریں گے۔ بس ان کا آنا چونکہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں لکھ رکھی ہے اس لئے وہ نشانی پوری ہو کر رہے گی جس کی خبر احادیث صحیحہ سے بھی ملتی ہے۔ دوسرے عیسیٰ علیہ السلام کو نازل کرنے میں یہ حکمت ہے کہ آپ مسیح الدجال کو قتل کرنے آئیں گے جو یہودیوں میں سے ہوگا اور اپنے آپ کو مسیح کی حیثیت سے پیش کر کے لوگوں کے ایمان چھیننے کی کوشش کرے گا اور حضرت عیسیٰ اس دجال کو قتل کریں گے اور اپنے اصل مسیح ہونے کا ثبوت دے کر لوگوں کو مطمئن کریں گے۔ باقی رہ گئی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لانے کی بات تو واضح رہے کہ ہر مسلمان حضرت عیسیٰ کی نبوت اور رسالت پر پہلے ہی ایمان رکھتا ہے۔ اگر وہ عیسیٰ تو کیا کسی بھی نبی کی نبوت کا منکر ہو جائے تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ کی نبوت پر پہلے ہی ایمان رکھنے والے مسلمانوں کو ان کے نازل ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ کی نبوت پر نئے سرے سے

Marfat.com

ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ ان کی نبوت کوئی نئی نبوت نہیں ہوگی بلکہ نبوت وہ منصب ہے ایک مرتبہ عطا ہو جانے کے بعد واپس نہیں لیا جاتا لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت کے قریب نازل ہونے کا معاملہ "لانبی بعدی" کے ارشاد رسالت مآب کی رُوح کے خلاف نہیں بلکہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور ایک معجزہ ہو گا۔

صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ وسلم

جہاں خوش تر بہ فیضان محمد ﷺ
دو گیتی زیر احسان محمد ﷺ
نہ زیبد ناقصاں را لب کشائی
"ہمہ قرآن درشان محمد ﷺ"

قدر آفاقی

چوہدری بشیر احمد قدر آفاقی ایم۔اے
صدر جامع مسجد اسلامیہ (رجسٹرڈ)
ملاک 2 سیکٹر ڈی۔ون ٹاؤن شپ لاہور

Marfat.com

مصنف کا مختصر تعارف و تصنیفات

نام =	بشیر احمد قدر
ادبی نام =	قدر آفاقی
پیدائش =	۳ نومبر ۱۹۳۸ء
بمقام =	رسول پور کلاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر (مشرقی پنجاب)
والد کا نام =	چوہدری محمد علی ولد رحمت اللہ ڈاکٹر مرحوم (قوم ارائیں)
تعلیم =	ایم اے

تصنیفات

(۱) پنج رنگ = (پنجابی نثر) جدید شاعری پر تنقید (۱۹۷۲ء) صفحات = ۵۰۰

(۲) پنجابی افسانہ تے ڈرامہ (پنجابی نثر) (۱۹۷۲ء) ڈرامہ اور افسانہ پر فارسی رسم الخط میں پاکستان میں سب سے پہلی بھرپور کتاب۔

نوٹ ۔ (یہ دونوں کتابیں محکمہ تعلیم پنجاب کی طرف سے سکولوں کالجوں اور لائبریوں کے لئے منظور شدہ ہیں)

(۳) مکی مدنی ماہی صلی اللہ علیہ وسلم (پنجابی نثر) (۱۹۸۵ء) سیرت النبی پر مستند ترین تالیف جسے ۱۹۸۶ء میں بین الاقوامی مقابلہ کتب سیرت میں صدارتی ایوارڈ ملا۔ صفحات (۹۲۰) ہدیہ ۲۷۰ روپے

(۴) وارث شاہ دا بولنا بھیت اندر = ہیر وارث شاہ کی "ہیر روح اور چاک قلبوت" کے حوالے سے عارفانہ شرح جو اڑھائی سو سال میں پہلی بار اپنی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے مستند اور اہم ہے منظر عام پر آئی ہے۔ جو وارث شاہ کے دعوے کے عین مطابق صحیح انطباق کی حامل ہے۔ صفحات (۲۶۴) قیمت ۹۰ روپے

(۵) ہیر گائیڈ (ایم اے پنجابی کیلئے) بعض حضرات کے ساتھ مل کر طلباء کیلئے لکھی گئی ہے۔

Marfat.com

(۶) سپر گائیڈ (برائے پنجابی فاضل) — بعض حضرات کے ساتھ مل کر طلباء کیلئے لکھی گئی ہے

(۷) جدید پنجابی شاعری (پنجابی نثر) = پنجابی (جدید) شاعری پر بھرپور ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے' یہ ایم اے پنجابی کے طلباء کیلئے ہے۔

(۸) ادب پھوار (پنجابی) = (۱۹۹۴ء) یہ کتاب سی ایس ایس مقابلے کے امتحانوں اور ایم اے پنجابی کیلئے بھرپور معاون کتاب ہے جو طلباء کی علاوہ شائقین علم وادب کیلئے بہترین اثاثہ ہے۔

(۹) اسلامی تعلیمات (لازمی) (اردو) = اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے ہر ایم اے کے طلباء کیلئے ہے۔

(۱۰) اسلامی اخلاق اور تصوف (اردو) = اپنے موضوع پر بہت بھرپور تالیف ہے' طلباء اور شائقین کیلئے یکساں مفید

(۱۱) سپر گائیڈ (برائے ایم اے ہسٹری) — بعض دوستوں کی مشترکہ' طلباء کیلئے۔

کاوش

(۱۲) سیرت سید لولاک ؐ (اردو) — عشق نبی ؐ کا مرقع' سید عالم ؐ کی سیرت اقدس پر منفرد تحقیقی کوشش جسکی ہر سطر استناد کا درجہ رکھتی ہے' اور آج تک کے سیرتی ادب کا نچوڑ اس ایک کتاب میں ملے گا۔

زیر طبع کتب

(۱) قرآن حکیم کا پنجابی (۲) **تاریخ پنجاب**
منظوم سلیس ترجمہ

(۳) مجموعہ ہائے کلام (اردو + پنجابی) = اور اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

موجودہ پتہ = قدر آفاقی سرپرست اعلیٰ اردو پنجابی علمی مرکز ۳۰۶۔۳۔ ڈی ون ٹاؤن شپ لاہور۔ ۵۴۷۷۰

Marfat.com

سیرت سید لولاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

(سیرت ﷺ کا یہ تاج محل ہے)

آگرہ میں اک تاج محل ہے — شاہجہان کے عزم کی دولت
تاج محل اک پیار کا موسم — صاف اور ستھری حسن حکایت
تاج محل جدت کا نمونہ — تاج محل اک زریں قدامت
تاج محل ایک حسن کا جلوہ — تاج محل اک عشق روایت
تاج محل الفت کی کہانی — تاج محل اک ضرب محبت
تاج محل عالم میں عجوبہ — تاج محل اک شوخ عمارت
تاج محل ممتاز اور یکتا — تاج محل شہکارِ ندرت
تاج محل ہمت کا نمونہ — تاج محل تعمیر کی عظمت
تاج محل زیبائش دنیا — تاج محل سامانِ عبرت
میرا بھی یہ تاج محل ہے — جگ مگ جگ مگ جس کی عظمت
نام ہے اس کا پیارا پیارا — "سید لولاک ﷺ" کی "سیرت"
کاہکشاں سے ارفع و اعلیٰ — اس کی شان اور عظمت و جلالت
اس میں حسن کی بھول بھلیاں — عشق کی بھی محبوب تمازت
راہ نما اس کی سب روشیں — جانِ تمنا، رشک جنت
جو اس باغ کی سیر کو آئے — ظرف سے بڑھ کر پائے لطافت
اس کے رستے سیدھے سادے — ہر نخل خزینہ ہمت
اس کی رفعت کا کیا کہنا — دیکھنے والے محو حیرت
جھلمل جھلمل نورِ نبی ﷺ ہے — سرچشمہ نور و رحمت
حسن نبی ﷺ کا تازہ مرقع — شانِ نبی ﷺ کی تازہ سطوت
اس کو پڑھیں جو علم کے رسیا — یکجا پائیں علم کی دولت
اس کو پڑھیں جو اہل عرفاں — اونمیں بہارِ عشق رسالت ﷺ
پنجتنی کا نور منارا — اہل حق کا نغمہ وحدت
جلوۂ فیض باقی باللہ — جس نے بقا کی بخشی دولت
فیض شیخ احمد سرہندی — شمع شریعت، جانِ طریقت
شیر ربانی کا عطیہ — فیض کا دریا جانِ مودت
ہاں وہ میرے لاثانی مرشد — یعنی غلام اللہ کی کرامت
مجھ بے مایہ کا سرمایہ — میاں غلام احمد کی عنایت
مجھ ناچیز کی قدر کا سامان — میاں جمیل احمد کی شفقت
سیرت ﷺ کا یہ تاج محل ہے — فضل خدا کی زندہ علامت
"راج" قدر آفاقی اس کا — ہے وہ طالب فضل، رحمت

ابوالبقا قدر آفاقی عفی عنہ

Marfat.com

(اُردو کلام)

نوائے جبریل

از

ابوالبقا قدر آفاقی

— جِدّت اور روائت کا حسین امتزاج —

— مقصدیّت کا انوکھا اسلوب —

— دردمند دِلوں کی آواز —

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com